تاریخ اسلام

(مطالعاتی وتدریسی)

تالیف

مدرسین حوزہ علمیہ قم

ناشر

مصباح القرآن ٹرسٹ

قرآن سینٹر ۲۴۔ الفضل مارکیٹ۔ اردو بازار۔ لاہور

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں۔

نام کتاب: **تاریخ اسلام (مطالعاتی وتدریسی)**

تصنیف: مدرسین حوزہ علمیہ قم

تنظیم نو: مجاہد حسین حرّ

پروف: آر۔ چوہدری

کمپوزنگ: قائم گرافکس۔ جامعہ علمیہ۔ ڈیفنس کراچی

ناشر: مصباح القرآن ٹرسٹ۔ لاہور۔ پاکستان

تعداد: ایک ہزار (۱۰۰۰)

طبع: اوّل۔ ۱۴۳۳ھ

قیمت:

ملنے کا پتہ

مصباح القرآن ٹرسٹ

قرآن سینٹر ۲۴۔ الفضل مارکیٹ۔ اردو بازار۔ لاہور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عرض ناشر

مصباح القرآن ٹرسٹ محسن ملت سید صفدر حسین نجفی اعلی اللہ مقامہ کی ان صدقاتِ جاریہ میں سے ہے جس سے لوگ تا قیامت استفادہ کرتے رہیں گے اور موصوف کے درجات عالیہ میں اضافہ ہوتا رہے گا۔مصباح القرآن ٹرسٹ نے تراجم وتفاسیر قرآن سے کام شروع کیا اور پھر ہر وہ کتاب جس کی ملت کو ضرورت تھی شائع کی انشاءاللہ العزیز شائع کرتی رہے گی۔

موجودہ کتاب ''تاریخ اسلام'' آپ کے ہاتھوں میں یہ کتاب قم المقدس کے علمائے کرام کی مرتب کردہ ہے اس میں ولادت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے امام عصر عجل اللہ فرجہ الشریف کے زمانہ تک کے حالات کو ذکر کیا گیا ہے اس کتاب کی ایک خوبصورتی یہ ہے کہ اس کو اسباق کی صورت میں مرتب کیا گیا ہے اور ہر سبق کے آخر میں سوالات لکھ دیئے گئے ہیں تا کہ قاری مطالعہ کئے گئے سبق کو اپنے ذہن میں مضبوط کر سکے۔ہمیں امید ہے کہ یہ کتاب انشاءاللہ آپ کو پسند آئے گی۔

یاد رہے کہ مصباح القرآن نے اپنی تمام کتابیں آپ کے استفادہ کے لئے انٹرنیٹ پر دے دی ہیں۔ایڈریس ہے:

www.misbahulqurantrust.com

www.misbahulqurantrust.org

قارئین کرام سے التماس ہے کہ اگر وہ اس کتاب میں کہیں خامی دیکھیں یا کمی محسوس کریں تو ہمیں مطع ضرور فرمائیں ہم آپ کے شکر گزار ہوں گے۔ادارہ کے ترقی اور اس کے بانی محسن ملت سید صفدر حسین نجفی اعلی اللہ مقامہ کے درجات کی بلندی کے لئے دعا کے طالب ہیں۔

ادارہ

مصباح القرآن ٹرسٹ لاہور پاکستان

فہرست کتاب

عنوان	صفحہ نمبر
مقدمہ	19
سیرت نگاری کی مختصر تاریخ	19
ہدف تالیف	19
تاریخ کی اہمیت	22
تاریخ اسلام کی دوسری تواریخ پر فوقیت	22
تاریخ کی تعریف	22
اقسام تاریخ	22
1: ۔منقول تاریخ	22
منقول تاریخ کی خصوصیات	22
2: علمی تاریخ	23
3: فلسفہ تاریخ	23
اس کتاب میں ہمارا مطمح نظر	23
منقول تاریخ کا درجہ اعتبار	23
تاریخ بالخصوص تاریخ اسلام کی اہمیت اور قدر و قیمت	24
الف: قرآن کی نظر میں تاریخ کی اہمیت	24
ب: نہج البلاغہ کی رو سے تاریخ کی اہمیت	25
ج: غیر مسلم دانشوروں کی نظر میں تاریخ اسلام کی اہمیت	25
دیگر تواریخ پر تاریخ اسلام کی برتری	26
اسلام سے قبل جزیرہ نمائے عرب کی حالت	28
حدود اربعہ اور محل وقوع	28
سیاست	28
قبیلہ	28
معاشرتی نظام	29
دین اور دینداری	29
تہذیب وثقافت	31
توہم پرستی اور خرافات کی پیروی	32
عہد جاہلیت میں عورتوں کا مقام	33
حرمت کے مہینے	33
سبق3:	35
پیغمبر اکرمؐ کا نسب اور آپؐ کی ولادت باسعادت	35
رسول خداؐ کے آباء واجداد	35
حضرت عبد منافؑ	36
حضرت ہاشمؑ	36
حضرت عبدالمطلبؑ	37
واقعہ فیل	38
چند قابل ذکر نکات	39

عنوان	صفحہ نمبر
حضرت عبداللہؑ	39
رسول اللہؐ کی ولادت باسعادت	40
پیغمبر اکرمؐ کا بچپن	41
خدائی تربیت	42
سبق4:	43
رسالت کی جانب پہلا قدم	43
شام کی طرف پہلا سفر	43
مستشرقین کی دروغ گوئی	43
شام کا دوسرا سفر	44
حضرت خدیجہؑ کے ساتھ شادی	45
حضرت خدیجہؑ سے شادی کے محرکات	45
پیغمبر اکرمؐ کے منہ بولے بیٹے	46
حضرت علیؑ کی ولادت	47
پیغمبر اکرمؐ کے دامن میں تربیت	47
معبود حقیقی سے انس ومحبت	48
سبق5:	50
مکہ میں اسلام کی تبلیغ اور قریش کا ردعمل	50
بعثت (نزول وحی)	50
سب سے پہلے اسلام لانے والے	50
دعوت کا آغاز	51
الف۔خفیہ دعوت	51
قریش کا ردعمل	52
ب۔اعزاء واقرباء کو دعوت	52
پہلے عزیز واقارب ہی کیوں؟	53
ج۔عام دعوت حق	53
قریش کا ردعمل	54
الف۔مذاکرہ	54
ب۔لالچ	55
ج۔تہمت وافترا پردازی	56
د۔شکنجہ وایذارسانی	56
سبق6:	59
قریش کی سازشیں اور ہجرت حبشہ	59
و:قرآن سے مقابلہ	59
ہجرت حبشہ:	60
اس ہجرت کے فوائد	61
ز:اقتصادی ناکہ بندی	62
محاصرے کا خاتمہ	63
رسول اکرمؐ کے پاس عیسائیوں کے ایک وفد کی آمد	64
حضرت ابوطالبؑ اور حضرت خدیجہؑ کی رحلت	64
حضرت ابوطالبؑ کی مظلومیت	65
سبق7:	68
معراج اور یثرب کے لوگوں کی دین اسلام سے آشنائی	68
معراج	68
حضرت ابوطالبؑ کی وفات کے بعد قریش کا ردعمل	69
رسول اکرمؐ کی اس گفتگو کے اہم نکات	70
یثرب کے لوگوں کی دین اسلام سے آشنائی	70
پہلی بیعت عقبہ	71
دوسری بیعت عقبہ	72
اہل یثرب کے اسلام لانے کے اسباب	72
پیغمبر اکرمؐ کو قتل کرنے کی سازش	73
ہجرت، انقلاب کی ضرورت	74
سبق8:	77
مدینہ ہجرت کرنے کے بعد رسول خداؐ کے اقدام	77
قبا میں رسول خداؐ کی تشریف آوری	77
مدینے میں تشریف آوری	77
الف:۔مسجد کی تعمیر	78

عنوان	صفحہ نمبر
ب:۔رشتہ اخوت و برادری	79
ج:۔یہودیوں کے ساتھ عہد و پیمان	80
عہد شکنی	81
جنگی اور جاسوسی اقدامات کا آغاز	81
انصار کا ان مہمات میں شریک نہ ہونے کا سبب	82
قبلہ کی تبدیلی	82
سبق9:	85
جنگ بدر	85
جنگ بدر کی مختصر تاریخ	88
الف۔مال غنیمت اور قیدیوں کا انجام	88
ب۔فتح و کامیابی کے اسباب	90
معنوی عوامل	90
مادی اور عسکری عوامل	91
جنگ بدر کے نتائج	92
سبق10:	95
حضرت علیؑ کی شادی خانہ آبادی جنگ اُحد	95
غزوہ بنی قینقاع	95
سازشوں کو ناکام کرنا	95
حضرت فاطمہ زہراؑ کی شادی خانہ آبادی	96
ہوا سے رسول خداؐ کے حوالے کر دیں۔	97
حضرت فاطمہ زہراؑ کا مہر	98
شادی کی رسومات	98
غزوہ احد	99
غزوہ احد کی اجمالی تاریخ	99
ہفتہ کے دن 7 شوال کو احد کے دامن میں دونوں لشکر ایک دوسرے کے مقابل آ گئے۔	100
سپاہ کی دوبارہ جمع آوری	103
سبق11:	104

عنوان	صفحہ نمبر
جنگ احد سے جنگ احزاب تک	104
جنگ احد میں مسلمانوں کی شکست کے اسباب	104
کیا اس دل آزار حالت کے باوجود ہمیں نصرت و فتح حاصل ہوگی؟	105
تعمیری شکست	105
طاقت کا اظہار	108
احد سے خندق تک	110
غزوہ احزاب	111
اندرون مدینہ جنگی محاذ کا کھولنا	113
ایمان و کفر کے نمائندوں کی جنگ	114
سبق12:	116
غزوات بنی قریظہ، بنی مصطلق اور صلح حدیبیہ	116
لشکر احزاب کی شکست کے اسباب	116
جنگ احزاب کا خاتمہ اور مسلمانوں کی یورش کا آغاز	117
عہد شکن لوگوں کی سزا	118
غزوہ بنی قریظہ کا سودمند پہلو	121
صلح و محبت کا سال	121
قریش کی مخالفت	123
مذاکرات کا آغاز	123
بیعت رضوان	123
صلح حدیبیہ کے سیاسی، مذہبی اور معاشرتی نتائج	124
سبق13:	127
جنگ موتہ	127
دنیا کے بڑے بڑے حکمرانوں کو دعوت اسلام	127
حجاز سے یہودیوں کے نفوذ کا خاتمہ	127
غزوہ خیبر	128
فدک	129
غزوہ وادی القری	130

عنوان	صفحہ نمبر
مکہ کی جانب روانگی	130
جنگ موتہ	132
جنگ موتہ کے نتائج	134
سبق14:	136
فتح مکہ اورغزوات حونین اور طائف	136
فتح مکّہ	136
پیغمبر ہدایت واصلاح	140
غزوہ حنین وطائف:	140
مال غنیمت کی تقسیم	143
غزوہ حنین کی ابتدا میں مسلمانوں کی شکست اور آخر	144
میں کامیابی کے اسباب	
الف۔ابتدائی مرحلے میں شکست	144
ب: آخری فتح	144
سبق15:	146
غزوہ تبوک	146
غزوہ تبوک	146
رسول خداؐ کے فرمان پر لوگوں کے مختلف موقف	147
تبوک کی جانب روانگی	148
منافقوں کی رسوائی	150
مشرکین سے بیزاری	152
سبق16:	155
حجۃ الوداع، جانشین کا تعین اور رحلت پیغمبرؐ اکرم	155
حجۃ الوداع	155
جانشین کا تعین	156
رسول خداؐ کی آخری عسکری کوشش	159
رسول خداؐ کی رحلت	161
پہلا سبق	166
غزوہ بنی قینُقاع	166

عنوان	صفحہ نمبر
حضرت فاطمہ زہراؑ کا حضرت علیؑ کے ساتھ عقد	167
غزوہ سویق	168
غزوہ بنی سُلَیم	169
قَرْدَۃ میں سریّہ زید بن حارثہ	169
غزوہ غطفان	169
جنگ احد کے مقدمات	170
جنگ رونما ہونے کے اسباب	170
پہلا قدم،جنگی بجٹ کی فراہمی	171
لشکر کی جمع آوری	171
سیاسی پناہ گزین	171
لشکر قریش کی مدینہ روانگی	172
عبّاس کی خبر رسانی	172
سپاہ قریش راستہ میں	172
معلومات کی فراہمی	172
لشکر ٹھہرنے کی خبر	173
مدینہ میں ہنگامی حالت	173
فوجی شوری کی تشکیل	173
آخری فیصلہ	174
دوسرا سبق	176
لشکر اسلام کی روانگی	176
لشکر توحید کا پڑاؤ	176
منافقین کی خیانت	177
صف آرائی	177
دشمن اپنی صفوں کو منظم کرتا ہے	178
جنگی توازن	178
جنگ کیسے شروع ہوئی؟	178
دشمن کے حوصلے بلند کرنے میں موسیقی کا کردار	179
اجتماعی حملہ	179

عنوان	صفحہ نمبر
فتح کے بعد شکست	180
پیغمبر اسلامؐ کا دفاع کرنے والوں کی شجاعت	181
اُمّ عمارہ شیر دل خاتون	182
لشکر کی جمع آوری	183
تیسرا سبق	184
شہیدوں کے پاکیزہ جسم کے ساتھ کیا سلوک ہوا؟	184
طرفین کے نقصانات	184
مفہوم شہادت	184
نفسیاتی جنگ	184
احد میں مسلمانوں کی شکست کے اسباب کا جائزہ	185
شہداء کی لاشیں	186
ان کو یہیں دفن کروانیکی دُعا مستجاب ہوگئی	187
مدینہ کی طرف	187
نماز مغرب کا وقت آن پہنچا	188
شہیدوں کی ایک جھلک	188
صرف ایک سجدہ وہ بھی محراب عشق میں خون بھرا سجدہ	189
ایک عقلمند صاحب ثروت کی شہادت	189
بوڑھے عارف کی شہادت	189
حجلہ خون	190
مدینہ میں منافقین کی ریشہ دوانیاں	190
مدینہ سے 20 کیلومیٹر دور حمراء الاسد میں جنگی مشق	191
ابوعزّہ شاعر کی گرفتاری	191
چوتھا سبق	193
سریہ ابوسَلَمہ بن عبدُ الاسدی	193
سریہ عبداللہ بن انیس انصاری	193
رَجیع کا واقعہ	194
بئر مَعُونہ کا واقعہ	195
سریہ عَمرو بن اُمیّہ	195

عنوان	صفحہ نمبر
غزوہ بنی نُضیر	196
دہشت گرد سے انتقام	197
غزوہ بدر الموعد	197
پانچواں سبق	199
غزوہ ذات الرّقاع	199
غزوہ دُومۃ الجَندَل	199
غزوہ خندق (اَحزَاب)	200
غزوہ خندق کے اسباب	200
لشکر احزاب کی مدینہ کی طرف روانگی	201
لشکر کی روانگی سے متعلق رسول خداؐ کا آگاہ ہونا	201
بجلی کی چمک میں آنحضرتؐ نے کیا دیکھا؟	202
مدینہ لشکر کفار کے محاصرے میں	203
بنی قُریظہ کی عہد شکنی	203
خطرناک صورتحال	204
ایمان و کفر کا آمنا سامنا	205
چھٹا سبق	207
دشمن کی صفوں میں تفرقہ پیدا کرنے کی کوشش	207
بنی قریظہ اور مشرکین کے درمیان پھوٹ	207
دشمن کی صفوں میں لشکر اسلام کا سپاہی	209
شہداء اسلام اور کشتگان کفر	210
لشکر احزاب کی شکست کے اسباب	210
جنگ احزاب کے نتائج	210
غزوہ بنی قُریظَہ	211
ایک خیانت کار مسلمان اور اسکی توبہ کی قبولیت	211
بنی قریظہ کا اپنے آپ کو رسول خداؐ کے حوالے کرنا	212
سعد بن معاذ کا فیصلہ	213
سَعد کے فیصلے کی دلیلیں	213
پیمان شکنی کا انجام	214

عنوان	صفحہ نمبر
ساریٰ اور مال غنیمت	214
ساتواں سبق	216
چھ ہجری کا آغاز	216
غزوہ بنی لحی ان	216
مفسدین فی الارض کا قتل (مطالعہ کیلئے)	216
غزوہ بنی مُصطلق یامُریسیع	217
ایک حادثہ	218
زید بن ارقم کا آنحضرتؐ کو خبر پہنچانا	218
باپ اور بیٹے میں فرق	219
بنی مُصطلق کا اسلامی تحریک میں شامل ہونا	219
ایک فاسق کی رسوائی	219
آنحصرتؐ کی بیوی پر تہمت (واقعہ افک) (مطالعہ کیلئے)	220
صلح حدیبیہ	221
مکہ کی راہ پر:	221
قریش کا موقف	221
قریش کے نمائندے آنحضرتؐ کی خدمت میں	222
آنحضرتؐ کے سُفرائ	222
بیعت رضوان	223
صلح نامے کا متن	223
صلح کے مخالفین	225
ابوبصیر کی داستان اور شرط دوم کا خاتمہ	225
صلح حدیبیہ کے نتائج کا تجزیہ	226
آٹھواں سبق	227
پیغمبر اسلامؐ کے عالمی پیغام کا اعلان	227
سیاسی حکمت عملی کے نکات کی رعایت	227
شاہ ایران خسرو پرویز کے نام رسول اللہؐ کے خط کا متن	228
خسرو پرویز کے نام خط اور اسکی گستاخی	229
حبشہ کے بادشاہ نجاشی کے نام آنحضرتؐ کا خط	229
دوسرے حکمرانوں کا موقف	230
خیبر کے یہودیوں سے جنگ کے اسباب	231
لشکر توحید کی روانگی	231
معلومات کی فراہمی	231
جنگی اعتبار سے مناسب جگہ پر لشکر گاہ کی تعین	232
لشکر کے لئے طبی امداد رسانی کا انتظام	232
جدید معلومات	232
آغاز جنگ اور پہلے قلعہ کی فتح	232
سردار کے حکم سے روگردانی	233
جنگی حکمت عملی	233
علیؑ فاتح خیبر	233
نواں سبق	236
طرفین کے خسارے کا تخمینہ	236
فتح کے وقت درگزر	236
مال غنیمت	236
مال غنیمت میں خیانت کی سزا	237
مال غنیمت کی تقسیم	237
خیبر پر حملے کے نتائج	237
فدَک	238
غزوہ وادی القریٰ (7ھ ق)	238
تیماء (7ھ ق)	238
فتح خیبر کے بعد انجام پانے والے سرایا	239
مکہ کی طرف (عمرۃ القضاء)	239
جنگ موتہ	240
عالمی استکبار سے پہلا مقابلہ	240
گریہ کیوں؟	240
غیر مساوی طاقتوں کی جنگ	241

عنوان	صفحہ نمبر
لشکر اسلام کے دلیر سردار جعفر ابن ابی طالبؑ کی شہادت	242
عبداللہ ابن رواحہ اور زید ابن حارثہ کی شہادت	242
مجاہدین کی واپسی	242
رسول خداؐ جعفر ابن ابیطالبؑ کے سوگ میں	243
جنگ ذات السّلاسل	243
دسواں سبق	245
فتح مکہ	245
قریش کی عہد شکنی	245
تجدید معاہدہ کی کوشش	245
لشکر اسلام کی تیاری	246
راستوں کو کنٹرول کرنے کیلئے چیک پوسٹ	246
ایک جاسوس کی گرفتاری	246
دشمن کو ڈرانے کیلئے عظیم جنگی مشق	247
مشرکین کا پیشوا، مومنین کے حصار میں	248
مکہ میں نفسیاتی جنگ	249
شہر کا محاصرہ	250
ایک فوجی دستہ کے ساتھ مشرکین کی جھڑپ	250
گیارھواں سبق	251
شہر مکہ میں داخلہ	251
صدائے اتحاد	251
اذان بلال	253
بت شکن، بت پرست	253
آزاد شدہ شہر مکہ کے لئے والی اور معلم دین کا تقرر	253
اسلام کے نام پر خونریزی اور جرائم	253
جنگ حنین	254
دشمن کی سازش سے پیغمبر اسلامؐ کی آگاہی	254
حنین کی طرف روانگی	254
دشمن کی اطلاعات اور تیاری	255
درہ حنین میں	255
فرار	255
واپسی، مقابلہ، کامیابی	256
عورتوں اور بوڑھوں کو قتل نہ کرو	256
آغاز جنگ میں مسلمانوں کی شکست کا تجزیہ	257
بارھواں سبق	258
طائف کی جنگ	258
جدید جنگی ہتھیاروں کی ٹیکنالوجی	258
واپسی	258
ہوازن کے اسیروں کی رہائی	259
مال غنیمت کی تقسیم	259
وہ افراد جن کی دلجوئی کی گئی	260
منافقین کا اعتراض	260
دوستوں کے آنسو	260
مدینہ واپسی	261
غزوہ تبوک	261
ایک ہولناک خبر	261
منافقین کی حرکتیں	261
بہانے تراشیاں	262
منافقین کے خفیہ مرکز کا انکشاف	263
جنگی اخراجات کی فراہمی	263
اشک حسرت	264
تیرھواں سبق	265
بے نظیر لشکر	265
منافقین کی واپسی	265
شخصیت پر حملہ	265
تپتا صحرا	266
حضرت ابوذر کا واقعہ	267

عنوان	صفحہ نمبر
لشکر اسلام تبوک میں	267
دومۃ الجندل کے بادشاہ کی گرفتاری	267
پیغمبر اسلامؐ پر حملہ کی سازش	268
مسجد ضرار کو ویران کردو	268
اسلحہ فروخت نہ کرو	269
جنگ میں دعا کی تاثیر	269
غزوہ تبوک سے ماخوذ نتائج	269
چودھواں سبق	271
منافقین کے سربراہ کی موت	271
مدینہ میں مختلف قبائل کے نمائندہ وفود کی آمد	271
وہ دین جس میں نماز نہیں اس کا کوئی فائدہ نہیں	271
ابراہیم کا سوگ	271
خرافات سے جنگ	272
مشرکین سے بیزاری	272
حضرت علیؑ اہم مشن پر	272
مباہلہ	273
حضرت علیؑ کی یمن میں ماموریت	274
پندرھواں سبق	276
حجۃ الوداع	276
جہان عدالت باعث عداوت ہے	276
حجۃ الوداع کے موقعہ پر رسول خداؐ کی پرجوش تقریر	277
غدیر خم	279
رسول خداؐ کی تقریر کا ترجمہ ملاحظہ ہو	279
سولہواں سبق	282
شورشیں	282
اسود عنسی کا واقعہ	282
یمن میں انقلابی بغاوت	282
مسیلمہ کذاب کا واقعہ	283
جھوٹے پیغمبر کی طرف میلان کا سبب قومی تعصب	284
جھوٹوں کا انجام	284
رحلت پیغمبرؐ کے وقت کے حالات کا تجزیہ	285
لشکر اسامہ کی روانگی	285
اہل بقیع کے مزار پر	286
واقعہ قرطاس یا نامکمل تحریر	286
ناتمام نماز	287
وداع پیغمبرؐ	287
یہ نور ہرگز نہیں بجھے گا	289
پہلا سبق	292
ولادت سے حضرت محمد مصطفیؐ کے مبعوث بہ رسالت ہونے تک	292
ولادت	292
پیغمبرؐ کے زیر دامن آپ کی پرورش	292
بعثت سے آنحضرتؐ کی ہجرت تک	293
بے نظیر قربانی	294
ہجرت سے آنحضرتؐ کی رحلت تک	294
علیؑ رسول خداؐ کے امین	294
علیؑ رسول خداؐ کے بھائی	295
علیؑ اور راہ خدا میں جنگ	295
علیؑ جنگ بدر کے بے نظیر جانباز	295
حضرت علیؑ رسولؐ کے تنہا محافظ	296
مرحلہ فتح و کامیابی:	296
مرحلہ شکست:	296
جنگ خندق میں علیؑ کا کردار	297
علیؑ فاتح خیبر	298
امیر المومنینؑ کی سیاسی زندگی میں جنگجوئی کے اثرات	298
حضرت علیؑ اور پیغمبر اکرمؐ کی جانشینی	299

عنوان	صفحہ نمبر
حدیث یوم الدار	299
حدیث منزلت	300
قرآن مجید میں حضرت ہارون کے مقامات ومناصب:	300
حدیث غدیر	301
دوسرا سبق	303
رسول اکرمؐ کی رحلت سے خلافت ظاہری تک	303
وفات پیغمبرؐ کو جھٹلانا	303
غیر متوقع حادثہ	303
پیغمبرؐ کی جانشینی کا مسئلہ شیعوں کی نظر میں	304
لاتعلقی	304
لوگوں کا دور جاہلیت کی جانب واپس چلے جانے کا خطرہ	305
شوری	305
وصی اور جانشین کا تقرر	306
سقیفہ میں رونما ہونے والے حالات	307
اس خطبے کے اہم نکات	307
انصار کا ردّعمل	308
علیؑ کی بیعت کے بارے میں تجویز	308
سقیفہ کے واقعات کے بعد حضرت علیؑ کا ردعمل	309
علیؑ نے کیوں عجلت نہیں کی؟	311
تیسرا سبق	312
رسول اکرمؐ کی رحلت سے خلافت ظاہری تک	312
انصار سے مدد چاہنا	312
حساس صورتحال	313
قیام نہ کرنے کے دلائل اور وجوہات	313
1 معقول فوجی طاقت کی کمی	313
2 اسلام اور اسلامی وحدت کا تحفظ	314
3 جاہلیت کی طرف بازگشت	314
4 کینہ توز دشمن	315
بیعت کا انجام	315
مسئلہ فدک	316
فدک پر قابض ہونے کے محرکات	317
1 مخالفین کو اپنے جانب متوجہ کرنا	317
2 جمع وخرچ کی مد میں کمی	318
3 علیؑ کی اقتصادی قوت کے باعث خطرے کا احتمال	318
مخالفین کی سرکوبی	318
شورشوں کا دبا جانا	319
حضرت فاطمہؑ کی وفات	320
چوتھا سبق	322
رسول اکرمؐ کی رحلت سے خلافت ظاہری تک	322
خلیفہ وقت کی قرآن وسنت سے واقفیت	322
حضرت علیؑ اور ابوبکر کی علمی وسیاسی مشکلات	323
جانشینی کا تعین	323
قلمرو اسلام کی وسعت	324
فتوحات کی خوشخبریوں کے اثرات	325
حضرت علیؑ کے ساتھ خلیفہ ثانی کے سیاسی وعلمی مشورے	325
بنی ہاشم کی گوشہ نشینی	326
احادیث نبوی کی حفاظت وکتابت پر پابندی	326
بیت المال کی تقسیم میں خلیفہ کا رویہ	327
خلیفہ دوم کا قتل	327
کونسی شوری؟	328
حضرت علیؑ کی شرکت اور اس کی وجہ	329
عثمان کی خلافت	329
مسلمانوں کا بیت المال	330
حضرت علیؑ کے پند ونصائح	331
خلیفہ سوم کا قتل	332
حضرت علیؑ کی نظر میں عثمان کا قتل	332

عنوان	صفحہ نمبر
پچیس سالہ حکومت خلفاء کے دوران علیؑ کے کارنامے	334
پانچواں سبق	336
خلافت ظاہری سے شہادت تک	336
بیعت کے بعد لوگوں میں سرور وشادمانی	337
قریش کی وحشت و پریشانی	338
گوشہ نشین لوگ	338
حضرت علیؑ کی بیعت کے امتیازات	339
سوالات کے جوابات	340
حضرت علیؑ نے کن مقاصد کے تحت حکومت قبول فرمائی	340
ابتدائی اقدامات	341
نیک اور صالح کارکنوں کا تقرر	342
معاویہ کی برطرفی	342
مساوی حقوق کی ضمانت	343
لوٹے ہوئے مال کی واپسی	344
بدعنوانیوں میں ملوث دولتمندوں کی رخنہ اندازی	345
چھٹا سبق	347
خلافت ظاہری سے شہادت تک	347
ناکثین	347
موقف میں تبدیلی	349
مکہ میں مخالفین کا جمع ہونا	350
سپاہ کے اخراجات	351
عراق کی جانب روانگی	351
سپاہ کی جانب عثمان بن حنیف کے نمایندوں کی روانگی	352
پہلا تصادم	353
دھوکہ وعہد شکنی	354
جمل اصغر	354
سرداری پر اختلاف	355
خبر رسانی	355

عنوان	صفحہ نمبر
ساتواں سبق	357
خلافت ظاہری سے شہادت تک 3	357
ربذہ میں قیام	358
لشکر کا جاہ وجلال	359
صلح کی کوشش	360
لشکر کے لئے دستور العمل	361
دشمن کو متفرق کرنے کی آخری کوشش	362
فیصلہ کن جنگ	363
عام معافی	364
آٹھواں سبق	367
خلافت ظاہری سے شہادت تک	367
حضرت علیؑ کی بصرہ کی آمد	367
جنگ جمل کے ناخوشگوار نتائج	368
کوفہ دار الحکومت	369
کوفہ پہنچنے پر علیؑ کے اقدامات	370
قاسطین	371
معاویہ کی تخریب کاری	372
امام علیؑ کا نمایندہ معاویہ کی جانب	372
سرکشی کے اسباب	373
1 دشمنی اور کینہ	373
2 حکومت کی آرزو	374
3 ناکثین کی شورش	374
4 گزشتہ خلفاء کی دلیل ومثال	374
5 پروپیگنڈہ	375
مشہور ومعروف اشخاص کو اپنانا	375
نواں سبق	377
قاسطین (جنگ صفین)	377
حضرت علیؑ کا معاویہ کے ساتھ مراسلت میں محرک	377

عنوان	صفحہ نمبر
حجاز کی جانب دراز دستی	378
نمایندے کی روانگی	379
مہاجرین وانصار سے مشورہ	379
عمومی فوج	380
کمانڈروں کا تقرر	381
صفین کی جانب روانگی	382
شام میں بحرانی حالات کا اعلان	383
پہلا مقابلہ	384
پانی پر بندش	385
دسواں سبق	387
قاسطین (جنگ صفین)	387
نمائندگان کی روانگی	387
دوبارہ وفود کی روانگی	387
معاویہ کے نمائندے	388
دغہ بازی کمزور کا حربہ	388
لشکر کے سرداروں سے ملاقات	388
2 قاریوں، زاہدوں کی جماعت سے ملاقات	389
3 سپاہ کے درمیان خلل اندازی	389
فیصلہ کن جنگ	390
عام جنگ	391
قرآن کی طرف دعوت	393
معاویہ کہاں ہے؟	393
حضرت علیؑ میدان کارزار میں	394
دوستوں کی حمایت ومدد	395
گیارھواں سبق	397
قاسطین (جنگ صفین)	397
استقامت و پایداری کیلئے نصیحت	397
فرار کرنے والوں کی تنبیہ وسرزنش	397

عنوان	صفحہ نمبر
جنگ میں مالک کا کردار	398
دوحجر کی جنگ	399
حریث کا قتل	399
آخری تجویز	399
بدترین طریقے کا سہارا	400
دشمن کے سرداروں کا اعتراف	400
پھر دھوکا	401
دولائق سپہ سالاروں کی شہادت	402
حضرت عمار کی شہادت کا ردعمل	405
بارھواں سبق	407
قاسطین (جنگ صفین)	407
نجات کے لئے کوشش	407
آخری فریب	408
سپاہ عراق کا ردعمل	409
سپاہ عراق میں نظریاتی اختلاف	410
مالک کا واپس آنا	412
سرکشوں کی سرزنش	413
نفاق وحماقت کے خلاف جدوجہد	414
حکمیت وثالثی کی دعوت	415
معاویہ کی جانب روانگی	415
حکمین (ثالثوں) کا انتخاب	416
تیرھواں سبق	418
قاسطین (جنگ صفین)	418
خوارج کی نامزدگی	418
حکمیت کا معاہدہ	421
جنگ صفین کے عبرت آموز سبق	422
جنگ کے نتائج	423
سرکشوں کی تشکیل وگروہ بندی	425

عنوان	صفحہ نمبر
حضرت علیؑ خوارج کے درمیان	425
منافقین کی تحریکات	426
سوالات	427
چودھواں سبق	428
مارقین ۔حکمیت کا نتیجہ ورد عمل	428
منصفین کا اجتماع	428
حکمیت کا نتیجہ اوراس کا ردعمل	429
خوارج کے مقابل حضرت علیؑ کا موقف	431
منشور	432
مجموعی نعرہ	433
بغاوت	434
معاویہ سے جنگ	435
خوارج کے ساتھ جنگ کی ضرورت	436
جنگ کا سدّ باب کرنے کی کوشش	437
پندرھواں سبق	439
مارقین ۔جنگ نہروان	439
دوسپاہ کے درمیان جنگ ونبرد	439
جنگ کے بعد	440
اصل دشمن کی جانب توجہ	440
غالیوں کا وجود	441
جنگ نہروان کے نتائج وعواقب	441
جہاد کی دعوت	442
حضرت مالک کا صوبہ دامصر کی حیثیت سے تقرر	443
حضرت مالک کی شہادت	444
مصر پر لشکر کشی	445
محمد بن ابی بکر کی شہادت	446
لوگوں کی تنبیہ وسرزنش	447
سولھواں سبق	449

عنوان	صفحہ نمبر
نہروان کے بعد	449
دہشت پسند اور غارتگر گروہ	449
1 نعمان بن بشیر	449
2 سفیان بن عوف	450
3 عبداللہ بن مسعدہ	450
4 ضحاک بن قیس	451
5 بسر بن ارطاہ	451
حضرت علیؑ کا رد عمل	452
معاویہ کے تجاوز کارانہ اقدام کا نتیجہ	452
دومتضاد سیاسی روشیں	453
فتنہ خریت	455
آخری سعی وکوشش	457
حضرت علیؑ کے خلاف دہشت پسندانہ سازش	458
شہادت کا انتظار	459
شہادت	459
علیؑ ، بستر رسولؐ پر	469
معاویہ اور حضرت عثمان کا کرتہ	478
فاطمہ علیؑ کے گھر میں	485
ایمان وعبادت فاطمہؑ	488
معاہدہ صلح	501
مدینہ کی طرف واپسی	502
پیغمبرؐ کے دامن میں	504
والد ماجد کے ساتھ	505
الف ۔امویوں کے جھوٹے دینی نفوذ کو ختم کرنا	518
مدینہ واپسی کے بعد	527
شہادت کے بعد مبارزہ	540
امام کی پرورش کا ماحول	543
امام کا اخلاق اور انکی سیرت	544

عنوان	صفحہ نمبر
الف۔حلم وبردباری	544
ب۔عفواوردرگذر	544
ج۔حاجت مندوں کی مدد	544
د۔امام اورزراعت	545
امام کی شخصیت وعظمت	545
امام کاعلمی مقام	545
امام جعفرصادقؑ کے ہم عصرزمامداران حکومت	546
بنی امیہ کے جرائم	546
بنی امیہ کی حکومت ختم ہونے کے وجوہات	546
1۔ائمہؑ کامسلسل جہاداورانکی پھیلائی ہوئی روشنی:	546
2۔اقتصادی دباؤ:	547
3۔غیرعرب کونظرانداز کرنا:	548
امام اورتحریکوں کارابطہ	548
بنی عباس کازمانہ	549
امام جعفرصادقؑ کااصلاحی منصوبہ	550
الف۔مسئلہ امامت کابیان اوراس کی تبلیغ	551
ب۔اسلامی ثقافت کی نشرواشاعت	552
شہادت امام جعفرصادقؑ	554
جعفری یونیورسٹی کے تربیت یافتہ افراد	554
حمران بن اعینؒ	554
مفضل ابن عمر	555
جابربن یزید جعفی	555
دسواں سبق:	557
امام موسی بن جعفرؑ کی سوانح عمری	557
ولادت	557
باپ کی خدمت میں	557
اخلاقی فضائل	558
امامت حضرت موسی ابن جعفرؑ	558
امامت کازمانہ	558
الف۔امام موسی کاظمؑ کی علمی تحریک کی تحقیق	559
ب۔امامت کاتحفظ اورعمومی انقلاب کیلئے میدان کی توسیع	561
ایک استثنیٰ	561
امام کے اس موقف کوواضح کرنے والاایک نمونہ	562
ج۔خلفاء کے عیش ونشاط کے خلاف جنگ	564
شہادت	564
امام موسیٰ کاظمؑ کی عملی اوراخلاقی سیرت کے نمونے	565
1.عبادت	565
2.درگذراوربردباری	566
3.کام اورکوشش	567
4.سخاوت وکرم	567
5.تواضع اورفروتنی	567
گیارہواں سبق:	569
امام علی ابن موسی الرضاؑ کی سوانح عمری	569
ولادت	569
امامت پرنص	569
اخلاق وسیرت	570
امام کاعلمی مقام	571
امامؑ کی شخصیت	571
امامت کازمانہ	572
الف۔آغازامامت سے خراسان بھیجے جانے تک	572
علویوں کاقیام	574
ب۔سفرخراسان کی پیشکش کے آغاز سے شہادت تک	575
ولی عہدی کاواقعہ	575
الف۔خلافت کی سیاست کے اعتبار سے	576

عنوان	صفحہ نمبر
ب: امام کے نکتہ نظر سے	577
امامؑ کی ناراضگی کے دلائل	577
ولی عہدی قبول کرنے کے دلائل:	578
امامؑ کا منفی رویہ	579
شہادت امامؑ	580
بارہواں سبق:	582
امام محمد تقیؑ کی سوانح عمری	582
ولادت	582
تعیین امامت	582
والد کے ساتھ	583
آپؑ کی امامت	584
مکارم اخلاق وفضائل	584
الف۔ جود وسخاوت	584
ب۔ دوسروں کی مشکل کو حل کرنا	585
امام جوادؑ کی شخصیت	585
خلافت کے مقابلہ میں امامؑ کا موقف	586
شادی کی سازش	586
علمی اور ثقافتی کوششیں	588
نمایاں افراد کی تربیت	589
معتصم کے دور حکومت میں	590
تیرہواں سبق:	592
امام علی النقیؑ کی سوانح عمری	592
ولادت	592
امامؑ کی پرورش کا ماحول	592
امامت پر نص	593
امامؑ کا اخلاق اوران کی سیرت	593
عبادت وبندگی	594
جود وبخشش	594
عقدہ کشائی	594
امامؑ کی معنوی ہیبت وعظمت	595
امام کا علمی مقام	595
امامت کا زمانہ	596
دوران امامت کی خصوصیتیں	596
الف: دربار خلافت کی ہیبت وعظمت کا زوال اور موالی کا تسلط	596
ب: علویوں کی تحریک کی وسعت	597
امامؑ کے ساتھ متوکل کا سلوک	597
سامرا میں امام کی جلاوطنی	599
امامؑ کی فعالیت اور آپؑ کا موقف	600
الف: مدینہ میں آپ کی فعالیت اور موقف	600
ب: سامرا میں امامؑ کی فعالیت اور موقف	601
پہلا موقف	601
1۔ خلیفہ پر کھلم کھلا امام کی تنقید اور واضح بیانات۔	601
2۔ علمی کارکردگی	602
3۔ شاگردوں کی تربیت	603
4۔ زیارت جامعہ	603
دوسرا موقف	603
1۔ شیعوں کی حمایت اور پشت پناہی	603
2۔ اصحاب کو حکومت کے شیطانی پھندے میں پھنسنے سے روکنا اور ان کی ہدایت کرنا۔	604
3۔ اپنے پیروؤں سے مسلسل تحریری رابطہ رکھنا اور ان کو ضروری ہدایات دیتے رہنا۔	604
شہادت امامؑ	604
چودہواں سبق:	606
امام حسن عسکریؑ کی سوانح عمری	606
ولادت	606

عنوان	صفحہ نمبر
امامت کی تعیین	606
والد بزرگوار کے ساتھ	606
اخلاقی خصوصیات وعظمت	607
امام حسن عسکریؑ کا زھد	607
عبادت اور بندگی	608
جودوکرم	608
زمانہ امامت	608
امامؑ کے بارے میں خلفاء کی سیاست	609
شورشیں اور انقلابات	610
امام حسن عسکریؑ کی کوششیں اور موقف	611
1۔سیاسی واقعات کے سلسلہ میں امام کا موقف	611
2۔علمی اور وثقافتی تحریک میں امامؑ کا موقف	612
3۔عوامی مرکز کی نگرانی، اس کی پشت وپناہی اور تیاری	613
4۔آپ کے فرزند حضرت مہدیؑ کی غیبت کے	
بارے میں آپ کا موقف:	614
شہادت امام حسن عسکریؑ	615
پندرہواں سبق:	617
امام زمانہ حضرت حجت (عج) کی زندگی کے حالات	617
ولادت	617
پوشیدہ ولادت	619
خواص کیلئے اعلان	619
حضرت مہدیؑ کے شمائل اور خصوصیات	620
امام حسن عسکریؑ کی شہادت	621
مسئلہ غیبت:	621

عنوان	صفحہ نمبر
غیبت صغریٰ:	622
غیبت کبریٰ:	623
غیبت صغریٰ میں امام کے معجزات:	623
امام عصرؑ کے نائبین	624
الف۔نائبین خاص	624
1۔عثمان ابن سعید	624
2۔محمد ابن عثمان	625
3۔حسین ابن روح	625
4۔علی ابن محمد سمری	626
ب۔عام نائبین	626
دیدار مہدیؑ	627
سولہواں سبق:	629
مہدیؑ موعود کا عقیدہ	629
الف۔تمام ادیان کی نظر میں	629
ب۔اسلامی مآخذ ومصادر میں	630
احادیث کے نمونے	632
انتظار فرج	634
وقت ظہور	635
ظہور سے پہلے کے حالات	636
1۔ساری دنیا میں ظلم، گناہ اور بے دینی کا پھیل جانا:	636
2۔خروج سفیانی	636
3۔سید حسنی کا خروج	637
4۔ندائے آسمانی	637
ظہور کے بعد کی حالت	637

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِ مُحَمَّدٍ

مقدمہ

سیرت نگاری کی مختصر تاریخ

علم تاریخ، تمام اقوام میں رائج فنون میں سے ایک فن ہے۔مورخین ،تاریخ لکھنے کے لئے سفر کرتے اور دنیا بھر میں گھومتے رہتے ہیں جبکہ عوام اس کی معرفت کے شوقین اور علماء ومفکرین اس کی شناخت کے سلسلے میں اپنی دلچسپی کا اظہار کرتے ہیں۔

مسلمان مورخین نے تاریخ اسلام اور ماضی میں رونما ہونے والے واقعات کو اکٹھا کرکے تاریخ کے صفحات پر قلمبند کیا ہے۔

چونکہ تاریخی حقائق کو شروع ہی سے خفیہ طاقتوں نے اپنے پنجوں میں جکڑ کر جھوٹ اور فریب کے ساتھ مخلوط کردیا ہے لہٰذا تاریخی کتب واسناد کی انتہائی دقت کے ساتھ چھان بین، معتبر اور غیر معتبر کی شناخت اور تاریخی حقائق کو افسانوی و بے بنیاد مطالب سے جدا کرنا ہر محقق ومصنف کا فریضہ ہے۔

مورخین اسلام نے تاریخی واقعات کو محفوظ کئے جانے کی ضرورت محسوس کرتے ہوئے آغاز ہی سے تاریخ نگاری کا کام شروع کردیا تھا۔سب سے پہلے سیرت پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر عروۃ بن زُبیر (متولد23ھ،متوفی94ھ) نے کتاب تحریر کی۔اس کے بعد عاصم بن قتادہ (متوفی120ھ) محمد بن مسلم بن شہاب زہری (متولد51ھ،متوفی124ھ)،عبداللہ بن ابی بکر بن حزم انصاری (متوفی135) اور پھر محمد بن اسحاق بن یسار (متولد85ھ،متوفی152ھ) کہ جن کی کتاب بعد میں ابن ہشام کے کام کی بنیاد قرار پائی۔پھر ان کے بعد کتاب المغازی کہ مصنف واقدی (متولد151ھ،متوفی207ھ) اور ابن سعد (متوفی230) کا نام لیا جاسکتا ہے۔مذکورہ مورخین کی کتب میں سے اب سیرت ابن اسحاق کا کچھ حصّہ، جبکہ واقدی کی المغازی سیرت ابن ہشام اور طبقات ابن سعد ہماری دسترس میں ہیں۔دوسرے مشہور اسلامی مورخین میں یعقوبی (متوفی292ھ) طبری (متولد224،متوفی310ھ) مسعودی (متولد287،متوفی346ھ) کا نام لیا جاسکتا ہے۔جن کی کتابیں تاریخ کی قدیمی کتب شمار ہوتی ہیں انہی کتب کی جانب محققین رجوع کرتے ہیں اور انہیں بطور حوالہ پیش کرتے ہیں۔

ہدف تالیف

تاریخ اسلام کے بارے میں اب تک بہت سی کتابیں مختلف زبانوں میں لکھی جا چکی ہیں اور ہر لکھنے والے نے ایک خاص زاویہ سے معصومین علیہم السلام کی زندگی کا جائزہ لیا ہے۔

معصومین علیہم السلام کی سیرت پر قلم اٹھانے والوں کی کاوشیں لائق تحسین ہیں مگر یہ کہنا پڑتا ہے کہ ایک ایسی کتاب کی کمی محسوس ہوتی ہے جو مختصر ہونے کے ساتھ ساتھ معصومین علیہم السلام کی زندگی کے اہم واقعات کا تجزیہ بھی کرے۔

چونکہ موجودہ کتابیں درسی کتب کے عنوان سے قابل استفادہ نہیں ہیں لہذا اس کمی کو پورا کرنے کے لیے انتہائی سعی و کوشش کی گئی، جس کا نتیجہ موجودہ کتاب ہے، یہ کتاب چار حصوں پر مشتمل ہے۔ پہلا حصّہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کے آغاز سے جنگ بدر تک اور دوسرا حصّہ احد سے رحلت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک کے حالات اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ہے اور تیسرے اور چوتھے حصے میں بقیہ معصومین علیہم السلام کی حیات و حالات کو جمع کیا گیا ہے۔ اس کتاب کی خصوصیات مندرجہ ذیل ہیں:

1۔ مطالب کو جمع کرتے وقت اس بات کا لحاظ رکھا گیا ہے کہ ایسے اصلی منابع اور قدیم کتب سے استفادہ کیا جائے جو صدر اسلام سے قریب تر زمانہ میں تالیف کی گئی ہوں۔

2۔ کتاب میں بیان کئے گئے واقعات کی صحت کے بارے میں مزید اطمینان کے لئے متعدد مصادر سے رجوع کیا گیا ہے۔

3۔ کتاب میں واقعات نقل کرنے کے علاوہ، واقعات کا تجزیہ اور زمانہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جنگوں میں شکست و فتح کے اسباب کا جائزہ لیا گیا ہے۔ نیز یہود، منافقین اور مشرکین کی اسلام دشمن کاروائیوں پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔

4۔ تاریخی واقعات کے ضمن میں شان نزول کی مناسبت سے قرآنی آیات ذکر کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

5۔ قمری تاریخوں کے ساتھ ساتھ شمسی اور عیسوی تاریخوں کو بھی ذکر کیا گیا ہے تاکہ جنگوں اور صدر اسلام کے دیگر اہم واقعات کے دوران موسمی حالات واضح رہیں۔

6۔ فاصلہ اور دوری بعض جنگوں اور واقعات کا محل وقوع مدینہ سے دوری کیلومٹر میں معین کی گئی ہے۔

7۔ افراد اور مختلف مقامات کے نام پر اعراب لگا دیئے ئے ہیں تاکہ پڑھنے والوں کے لئے ان الفاظ کی صحیح تلفظ کے ساتھ ادائیگی ممکن ہو جائے۔

8۔ کتاب کے مطالب کو اسباق کی شکل میں بیان کیا گیا ہے جبکہ ہر سبق کے بعد کچھ سوالات بھی پیش کئے گئے ہیں۔

9۔ اس کتاب میں بہت سے نئے مطالب پیش کئے گئے ہیں جسکی وجہ سے یہ کتاب منفرد، انتہائی مفید اور دلچسپ ہوگئی ہے۔

پہلا حصّہ

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی

(آغاز سے جنگ بدر تک کے حالات)

سبق 1:

تاریخ کی اہمیت

تاریخ اسلام کی دوسری تواریخ پر فوقیت

تاریخ کی تعریف

لغت کی کتابوں میں تاریخ کے معنی --زمانے کی تعیین-- کے ہیں۔

اَرَخَ الْکِتَابَ وَ اَرَّخَهُ.

اس نے کتاب یا خط پر تاریخ تحریر ثبت کی[1]۔

تاریخ کے اصطلاحی معانی بیان کرتے ہوئے لوگوں نے اس کی مختلف تعریفیں کی ہیں جن میں سے چند ذیل میں درج ہیں:

1۔ایک قدیم اور مشہور واقعہ کی ابتداسے لیکراس کے بعد رونما ہونے والے دوسرے واقعہ کے ظہور تک کی مدت کا تعین۔

2۔سرگذشت یا ایسے قابل ذکر حوادث اور واقعات کہ جنہیں بلحاظ ترتیب زمان منظم ومرتب کیا گیا ہو[2]۔

اقسام تاریخ

علم تاریخ،اس کی اقسام اور خصوصیات اسی طرح ان میں سے ہر ایک کے فوائد کے بارے میں بہت زیادہ بحث وگفتگو کی جا چکی ہے۔

استاد شہید مرتضی مطہری نے علم تاریخ کی تین قسمیں بیان کی ہیں:

1:۔منقول تاریخ

موجودہ زمانہ کی کیفیت اور حالت کے برعکس،گزشتہ زمانہ کے واقعات وحادثات اور انسانوں کی حالات اور کیفیات کا علم۔

اس میں سوانح عمری فتح نامے اور سیرت کی وہ تمام کتابیں شامل ہیں جو اقوام عالم میں لکھی گئی ہیں اور اب بھی لکھی جا رہی ہیں۔

منقول تاریخ کی خصوصیات

الف:یہ تاریخ جزئی ہوتی ہے مجموعی اور کلی نہیں۔

ب:یہ محض منقول ہے اور اس میں عقل و منطق کو دخل نہیں ہوتا۔

---

[1] ملاحظہ ہو:القاموس المحیط لفظ--ارخ--۔

[2] تاریخ سیاسی معاصر ایران،ج1،ص7۔

ج: محض گذشتہ واقعات کا علم ہے تبدیلیوں اور تحولات کا نہیں۔(ماضی سے متعلق ہے، حال سے نہیں)

2: علمی تاریخ

ان آداب و رسوم کا علم جن کا رواج عہد ماضی کے انسانوں میں تھا اور یہ علم، ماضی میں رونما ہونے والے واقعات و حادثات کے مطالعہ سے حاصل ہوتا ہے۔[۱]

3: فلسفہ تاریخ

معاشروں کے ایک مرحلہ سے دوسرے مرحلہ میں تغیر اور تبدیلیوں نیز ان تبدیلیوں پر حاکم قوانین کا علم۔[۲]

اس کتاب میں ہمارا مطمح نظر

اس کتاب کے اسباق میں اس بات کو مدنظر رکھا گیا ہے کہ سب سے پہلے ان واقعات کو تفصیل سے بیان کیا جائے جو پیغمبر اکرم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت کے دوران رونما ہوئے اور اس کے ساتھ ہی ان کا تجزیہ اور تحلیل بھی کیا جائے اس کے بعد دوسرے مرحلہ میں ان واقعات سے پند و نصیحت حاصل کی جائے، ان سے کلی قواعد اور نتائج اخذ کرکے پھر انفرادی اور اجتماعی زندگی میں ان سے استفادہ کیا جائے۔ بالخصوص اس بات کے پیش نظر کہ ایران کے اسلامی انقلاب کی تاریخ بھی درحقیقت دوران رسالت و امامت کے تاریخ اسلام کا منطقی تسلسل ہے۔ چنانچہ اس عہد کے اکثر حالات و واقعات ہو بہو صدر اسلام کے حالات واقعات کی طرح تھے۔

منقول تاریخ کا درجہ اعتبار

علمی نیز منقول تاریخ کی تشکیل چونکہ ان واقعات کی بنیاد پر ہوتی ہے جو عہد ماضی میں گزر چکے ہیں اس لئے محققین نے اس بات پر بھی بحث کی ہے کہ یہ واقعات کس حد تک معتبر یا غیر معتبر ہو سکتے ہیں۔

بعض محققین کی رائے یہ ہے کہ متقدمین کی کتابوں میں منقول تاریخ سے متعلق جو کچھ درج کیا گیا ہے اسے بیان اور قلمبند کرنے والے وہ لوگ ہیں جنہوں نے واقعات کو ذاتی اغراض، شخصی محرکات، قومی تعصّبات یا اجتماعی و فکری وابستگی کی بنیاد پر نقل کیا ہے اور اس میں تصرف اور تحریف کرکے واقعات کو ایسی شکل دی ہے جیسی وہ خود چاہتے تھے یا صرف ان واقعات کو قلمبند کیا ہے جس سے ان کے اغراض و مقاصد پورے ہوتے تھے اور ان کے عقائد کے ساتھ میل کھاتے تھے۔

---

[۱] علمی اور منقول تاریخ میں فرق یہ ہے کہ علمی تاریخ صرف کلی اور عقلی ہی نہیں ہوتی ہے بلکہ یہ تاریخ مرتب ہی منقول تاریخ کی بنیاد پر ہوتی ہے (یعنی علمی تاریخ میں منقول تاریخ بھی شامل ہوتی ہے۔مترجم) جب مورخ اس نوعیت کی تاریخ لکھتا ہے تو وہ یہ بھی دریافت کرنا چاہتا ہے کہ تاریخی واقعات کی ماہیت اور طبیعت نیز ایک دوسرے کے ساتھ ان کا ربط اور تاریخ سازی میں ان کا کیا کردار رہا ہے تاکہ اصول علت و معلول کے تحت وہ ایسے عام قواعد و ضوابط مرتب کر سکے جن کا اطلاق عہد ماضی و حال دونوں پر ہو سکے اس بنا پر اس علم کا موضوع ہر چند عہد گزشتہ کے واقعات ہیں مگر اس سے مورخ ایسے مسائل اور قواعد و ضوابط استخراج کرتا ہے جن کا تعلق فقط عہد ماضی سے نہیں ہوتا بلکہ ان کا اطلاق زمانہ حال و مستقبل پر بھی ہو سکتا ہے جامعہ و تاریخ نامی کتاب کے صفحہ 352 کا خلاصہ۔

[۲] ملاحظہ ہو جامعہ و تاریخ ص 351- 352 مطبوعہ دفتر انتشارات اسلامی۔ اس مفہوم میں علم تاریخ درحقیقت کسی معاشرے کے ایک مرحلہ سے دوسرے مرحلہ میں ارتقاء کا علم ہے کسی خاص مرحلے میں ان کی بود و باش اور ان کے حالات کا علم نہیں۔ دوسرے لفظوں میں یہ صرف گذشتہ واقعات کا ہی نہیں بلکہ معاشروں میں تبدیلیوں کا علم ہے۔ اس بنا پر فلسفہ تاریخ کے موضوعات کے --- تاریخی --- ہونے کا معیار صرف یہ نہیں کہ ان کا تعلق گذشتہ زمانے سے ہے بلکہ یہ ان سلسلہ وار واقعات کا علم ہے جن کا آغاز ماضی میں ہوا اور ان کا سلسلہ ابھی تک بھی جاری و ساری ہے۔

منقول تاریخ کے بارے میں یہ بدگمانی اگر چہ بے سبب و بلاوجہ نہیں اوراس کا سرچشمہ تاریخ کی کتابوں اور مورخین کے ذاتی مزاج اوراسلوب کوقرار دیا جاسکتا ہے لیکن اس کے باوجود تاریخ بھی دیگر علوم کی طرح سلسلہ وار مسلمہ حقائق وواقعات پر مبنی ایک علم ہے جن کا تجزیہ وتحلیل کیا جاسکتا ہے۔

اس کے علاوہ ایک محقق، شواہد وقرائن کی بنیاد پر اسی طرح اپنی اجتہادی قوت کے ذریعے بعض حادثات وواقعات کی صحت وسقم معلوم کرکے انہی معلومات کی بنیاد پر بعض نتائج اخذ کرسکتا ہے۔[1]

تاریخ بالخصوص تاریخ اسلام کی اہمیت اور قدر و قیمت

مسلم وغیر مسلم محققین اور دانشوروں نے تاریخ بالخصوص تاریخ اسلام وسیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں بہت زیادہ تحقیقات کی ہیں۔انہوں نے مختلف پہلوؤں کا جائزہ لے کراس کی قدر و قیمت اور اہمیت کو بیان کیا ہے۔

الف: قرآن کی نظر میں تاریخ کی اہمیت

قرآن کی رو سے تاریخ بھی حصول علم ودانش اور انسانوں کے لئے غوروفکر کے دیگر ذرائع کی طرح ایک ذریعہ ہے قرآن نے جہاں انسانوں کوغوروفکر کرنے کی دعوت دی ہے وہاں اس نے غوروفکر کے منابع (یعنی ایسے موضوعات جن کے بارے میں انسانوں کوغورو فکر کرکے ان سے ذریعہ شناخت ومعرفت کے عنوان سے فائدہ اٹھائے) بھی ان کے سامنے پیش کئے ہیں۔

قرآن نے اکثر آیات میں انسانوں کو یہ دعوت دی ہے کہ وہ گزشتہ اقوام کی زندگی کا مطالعہ کریں۔ان کی زندگی کے سودمند نکات پیش کرنے کے بعد انہیں یہ دعوت دی ہے کہ وہ لائق اور باصلاحیت افراد کو اپنا ہادی ورہنما بنائیں اوران کی زندگی کو اپنے لئے نمونہ سمجھیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں فرماتا ہے:

قَدْ كَانَتْ لَكُمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِيٓ إِبْرٰهِيمَ وَالَّذِينَ مَعَهُۥ [2]

--تم لوگوں کے لئے ابراہیم علیہ السلام اوران کے ساتھیوں میں ایک اچھا نمونہ موجود ہے--

اسی طرح رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں قرآن فرماتا ہے:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ [3]

--درحقیقت تم لوگوں کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات ایک بہترین نمونہ ہے--

قرآن کی رو سے تاریخ بشر اوراس کا ارتقاء سلسلہ وار اصول وضوابط اور رسوم ورواج کی بنیاد پر مبنی ہے۔عزت وذلت فتح و شکست اور بدبختی وخوش بختی سب کے سب دقیق ومنظم حساب وکتاب کے تحت حاصل ہوتی ہیں ان اصول وضوابط اور رسوم ورواج کو سمجھنے کے بعد تاریخ پر تسلط حاصل کرکے اس کے ذریعے اپنی ذات اور معاشرے کو فائدہ پہنچایا جاسکتا ہے۔مثال کے طور پر درج ذیل آیت میں

---

[1] شہید مطہری کی کتاب جامعہ وتاریخ سے اقتباس۔
[2] سورہ ممتحنہ آیت 4
[3] احزاب 21

خداوند تعالیٰ فرماتا ہے:

قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ سُنَنٌ ۙ فَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِينَ [1]

--تم سے پہلے بھی رسوم و رواج اور طور طریقے موجود تھے پس زمین میں چلو پھرو اور دیکھو کہ (خدا اور انبیاء علیہ السلام کو) جھٹلانے والوں کا کیا انجام ہوا؟--

ب: نہج البلاغہ کی رو سے تاریخ کی اہمیت

قرآن کے علاوہ آئمہ طاہرین علیہم السلام نے بھی اپنے اقوال میں شناخت و معرفت کے اس عظیم اور وسیع سرچشمے کی قدر و قیمت کی جانب اشارہ فرمایا ہے چنانچہ اس بارے میں حضرت علی علیہ السلام نہج البلاغہ میں ارشاد فرماتے ہیں:

(يَاُبَنَيَّ انّي وَان لَم اَكُن عَمَرتُ عُمرَ مَن كَانَ قَبلي فَقَد نَظَرتُ فِي اَعمَالِهِم وَ فَكَّرتُ فِي اَخبَارِهِم وَ سِرتُ فِي آثَارِهِم حَتّى عُدتُ كَاَحَدِهِم بَل كَاَنّي بِمَا انتَهى اِلَيَّ مِن اُمُورِهِم قَد عَمَرتُ مَعَ اَوَّلِهِم اِلى آخِرِهِم فَعَرَفتُ صَفوَ ذَالِكَ مِن كَدَرِهِ وَ نَفعَهُ مِن ضَرَرِهِ) [2]

--یعنی اے میرے بیٹے میری عمر اگر چہ اتنی لمبی نہیں جتنی گزشتہ دور کے لوگوں کی رہی ہے (یعنی آپ علیہ السلام یہ فرمانا چاہتے ہیں کہ گرچہ میں نے گذشتہ لوگوں کے ساتھ زندگی نہیں گزاری) لیکن میں نے ان کے کاموں کو دیکھا، ان کے واقعات پر غور کیا اور ان کے آثار اور باقیات میں سیر و جستجو کی یہاں تک کہ میں بھی ان میں سے ایک ہو گیا بلکہ ان کے جو اعمال و افعال مجھ تک پہنچے ان سے مجھے یوں لگتا ہے کہ گویا میں نے ان کے ساتھ اول تا آخر زندگی بسر کی ہے پس ان کے کردار کی پاکیزگی و خوبی کو برائی اور تیرگی سے اور نفع کو نقصان سے علیحدہ کر کے پہچانا--

امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کا یہ بیان اس امر کی وضاحت کرتا ہے کہ آئمہ علیہم السلام کس حد تک عہد گزشتہ کی تاریخ کو اہمیت دیتے تھے۔

ج: غیر مسلم دانشوروں کی نظر میں تاریخ اسلام کی اہمیت

[3] عیسائی دانشور اور ادیب جرجی زیدان رقم طراز ہے کہ:

اس میں شک نہیں کہ تاریخ اسلام کا شمار دنیا کی اہم ترین تاریخوں میں ہوتا ہے۔ کیونکہ مذکورہ تاریخ قرون وسطی (2) میں پوری دنیا کی تاریخ تمدن پر محیط ہے۔

یا یوں کہنا بہتر ہوگا کہ تاریخ اسلام زنجیر کی وہ کڑی ہے جس نے دنیائے قدیم کی تاریخ کو جدید تاریخ سے متصل کیا ہے یہ تاریخ اسلام ہی ہے جس سے جدید تمدن کا آغاز اور قدیم تمدن کا اختتام ہوتا ہے۔

---

[1] آل عمران آیت 137

[2] نہج البلاغہ مکتوب نمبر 31۔ یہ خط حضرت علی علیہ السلام نے اپنے عزیز فرزند حضرت امام حسن علیہ السلام کے لئے مرقوم فرمایا تھا

[3] ۔قرون وسطی کا آغاز سنہ 476 میں ہوا اور اس کا اختتام 1453 (833 ہجری) عیسوی میں سلطان محمد فاتح کے قسطنطنیہ کو فتح کرنے کے سال ہوا (ملاحظہ ہو تاریخ سیاسی معاصر ایران ج 1/ 8)

دیگر تواریخ پر تاریخ اسلام کی برتری

تاریخ اسلام کو دوسری تمام اقوام کی تاریخوں پر بہت زیادہ فوقیت اور برتری حاصل ہے۔ہم اس کے بعض پہلوؤں کی طرف یہاں اشارہ کرتے ہیں۔

1۔سیرت: پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وائمہ معصومین علیہم السلام کی سیرت،کردار اور طرز زندگی سنت کی حیثیت رکھتی ہے اور ان کے اقوال کی طرح اسے بھی امت مسلمہ کے لئے حجت اور سند کا درجہ حاصل ہے۔

سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیں یہ درس دیتی ہے کہ ہمارے اخلاق وکردار کو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت اور راہ وروش کے مطابق ہونا چاہئے جبکہ دیگر تاریخ میں ایسا بالکل نہیں ہے۔مثال کے طور جرمنی کے فرمانروا ہٹلر اور دوسری عالمی جنگ کے دوران اس کا کردار ہمارے لئے حجت وسند نہیں بن سکتے ان کا فائدہ صرف علمی سطح پر ہی ہوسکتا ہے یا زیادہ سے زیادہ یہ ہوسکتا ہے کہ ہم اس کی زندگی سے عبرت حاصل کریں۔

2۔دقت: تاریخ کے جتنے بھی منابع وماخذ موجود ہیں ان میں معلومات کے لحاظ سے تاریخ اسلام سب سے زیادہ مالا مال ہے چنانچہ جب کوئی محقق تاریخ اسلام لکھنا چاہے تو اسے دقیق تاریخی واقعات وافر مقدار میں مل جائیں گے۔اس کے علاوہ تاریخ اسلام میں جس قدر مستند،باریک اور روشن نکات موجود ہیں وہ دیگر تاریخوں میں نظر نہیں آتے۔

اسکی وجہ یہ ہے کہ مسلمان رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت اور سیرت کو حجت تسلیم کرتے ہیں اور وہ اسے محفوظ کرنے کی کوشش میں لگے رہتے تھے۔

تاریخ اسلام کے بارے میں استاد مطہری رقم طراز ہیں:

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیگر ادیان و مذاہب پر جو دوسری فضیلت وفوقیت حاصل ہے وہ یہ ہے کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تاریخ بہت زیادہ واضح اور مستند ہے۔اس اعتبار سے دنیا کے دیگر راہنما ہماری برابری نہیں کرسکتے۔چنانچہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کی ایسی یقینی اور مسلم دقیق باتیں اور ان کی جزئیات ہمارے پاس آج بھی اسی طرح موجود ومحفوظ ہیں جو کسی اور کے بارے میں نہیں ملتیں۔آپؐ کا سال ولادت،ماہ ولادت،ہفتہ ولادت یہاں تک کہ روز ولادت تک تاریخ کے سینے میں درج ہے دوران شیرخوارگی،وہ زمانہ جو آپؐ نے صحرا میں بسر کیا آپؐ کے بچپن اور نوجوانی کا زمانہ،ملک عرب سے باہر آپؐ کے سفر،وہ مشاغل جو آپؐ نے نبوت سے پہلے انجام دیئے آپؐ نے کس سال شادی کی اور اس وقت آپؐ کا سن مبارک کیا تھا آپؐ کی ازواج کے بطن سے کتنے بچوں کی ولادت ہوئی اور جو بچے آپؐ کی رحلت سے قبل اس دنیا سے کوچ کر گئے تھے اور وفات کے وقت ان کی کیا عمریں تھی،نیز عہد رسالت تک پہنچنے تک کے اکثر واقعات ہمیں بخوبی معلوم ہیں اور کتب تاریخ میں محفوظ ہیں۔اور اس کے بعد تو یہی واقعات دقیق تر ہو جاتے ہیں کیونکہ اعلان رسالت جیسا عظیم واقعہ رونما ہوتا ہے۔یہاں وہ پہلا شخص کون تھا جو مسلمان ہوا اس کے بعد دوسرا کون مشرف با اسلام ہوا،تیسرا شخص جو ایمان لایا کون تھا؟ فلاں شخص کس عمر میں اور کب ایمان لایا۔دوسرے لوگوں سے آپؐ کی کیا گفتگو ہوئی،کس نے کیا کارنامے انجام دیئے حالات کیا تھے اور کیا راہ وروش اختیار کی سب کے سب دقیق طور پر روشن وعیاں ہیں۔

3۔سب سے زیادہ اہم بات یہ ہے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تاریخ زمانہ--وحی--کے دوران متحقق ہوئی۔تیئیس سالہ عہد نبوت کا ہر واقعہ وحی الٰہی کے نور سے منور ہوا اور اسی کے ذریعہ اس کا تجزیہ اور تحلیل کیا گیا۔قرآن مجید میں عہد نبوت کے دوران پیش آنے والے

بہت سارے مسائل وواقعات کا تذکرہ ہوا ہے جس واقعہ کو قرآن نے بیان کیا ہے اور خداوند عالم الغیب والشہادۃ نے اسکا تجزیہ وتحلیل کیا ہے، وہ تجزیہ تاریخی واقعات کے بارے میں بلاشبہ مستندترین ودقیق ترین نظریہ اور تجزیہ ہے۔ اگر ہم واقعات کے بارے میں غور وفکر کریں تو اس نظریئے اور تجزیئے کی روشنی میں ہم دیگر تمام واقعات کی حقیقت تک پہنچ سکتے ہیں اور ان سے نتائج اخذ کر کے دوسرے واقعات کا بھی اسلامی وقرآنی طرز تحلیل معلوم کرسکتے ہیں۔

عہد رسالت کی تاریخ خود ذات گرامی پیغمبر اکرم ﷺ کی طرح انسانیت کے لئے بہترین مثال اور نمونہ عمل ہے۔ چنانچہ تاریخ انسانیت کے لئے بھی یہی تاریخ بہترین نمونہ ومثال ثابت ہوسکتی ہے اور تاریخی رسوم ورواج کے لئے ہم اسے سودمندترین اور مالا مال ترین ماخذ کے طور پر بروئے کار لا سکتے ہیں۔

سوالات

1۔۔۔تاریخ۔۔کی لغوی اور اصطلاحی تعریف کیجئے؟

2۔تاریخ کی مختلف اقسام بیان کیجئے؟

3۔منقول تاریخ کی تعریف کیجئے اور خصوصیات بتائے؟

4۔بعض لوگ منقول تاریخ سے بدظن ہیں اس کا کیا سبب ہے، بیان کیجئے؟

5۔قرآن مجید کی رو سے تاریخ کی اہمیت بیان کیجئے؟

6۔تاریخ اسلام کو دیگر تواریخ پر کیا فوقیت حاصل ہے؟ اس کی کوئی ایک مثال مختصر طور پر بیان کیجئے؟

سبق ۲:

اسلام سے قبل جزیرہ نمائے عرب کی حالت

حدود اربعہ اور محل وقوع

جزیرہ نمائے عرب براعظم ایشیا کے جنوب مغرب میں واقع ہے اس کے شمال میں عراق اور اردن مشرق میں خلیج فارس جنوب میں بحر عمان اور مغرب میں بحر احمر اور خلیج عقبہ واقع ہے۔

اس جزیرہ نما کا رقبہ تیس لاکھ مربع کلومیٹر سے زیادہ ہے۔اور جغرافیائی اعتبار سے تین حصوں میں تقسیم ہوتا ہے۔

1۔مرکزی حصہ صحرائے عرب کے نام سے مشہور ہے اور یہ اس جزیرہ نما کا وسیع ترین علاقہ ہے۔

2۔شمالی علاقہ کا نام حجاز ہے۔حجاز --حَجز--سے مشتق ہے جس کے معنی حائل اور مانع ہیں۔چونکہ یہ سرزمین نجد اور تہامہ کے درمیان واقع اور دونوں علاقوں کے باہم ملاپ سے مانع ہے اسی لئے اس علاقے کو حجاز کہا جاتا ہے۔[1]

3۔اس جزیرہ نما کا جنوبی حصہ بحر ہند اور بحر احمر کے ساحل پر واقع ہے جس میں یمن اور حضرموت کے علاقے شامل ہیں۔

جنوبی علاقے کے علاوہ جزیرہ نما کا پورا علاقہ مجموعی طور پر خشک اور بے آب وگیاہ صحرا پر مشتمل ہے مگر بعض جگہوں پر اس میں نخلستان بھی پائے جاتے ہیں۔

سیاست

زمانہ جاہلیت کے عرب سیاسی اعتبار سے کسی خاص طاقت کے مطیع اور فرمانبردار اور قانون کے تابع نہ تھے۔وہ صرف اپنے ہی قبیلے کی طاقت کے بارے میں سوچتے تھے دوسروں کے ساتھ ان کا وہی سلوک تھا جو افراطی قوم پرست ونسل پرست روا رکھتے ہیں۔

جغرافیائی اور سیاسی اعتبار سے جزیرہ نمائے عرب ایسی جگہ واقع ہے کہ جنوبی علاقے کے علاوہ اس کا باقی حصہ اس قابل نہ تھا کہ ایران اور روم (موجودہ اٹلی) جیسے جنگجو اور کشورکشا ممالک اس کی جانب رخ کرتے۔چنانچہ اس زمانے میں ان فاتحین نے اس کی طرف کم توجہ دی کیونکہ اس کے خشک بے آب وگیاہ اور تپتے ہوئے ریگستان ان کے لئے قطعی بے مصرف تھے اس کے علاوہ عہد جاہلیت کے عربوں کو قابو میں لانا اور ان کے زندگی کو کسی نظام کے تحت منظم ومرتب کرنا انتہائی سخت اور دشوار کام تھا۔

قبیلہ

عرب، انفرادی زندگی کو اپنے استبدادی اور خودخواہ مزاج کے مطابق پاتے تھے چنانچہ انہوں نے جب بیابانوں میں زندگی کی مشکلات کا مقابلہ کیا تو یہ اندازہ لگایا کہ وہ تنہا رہ کر زندگی بسر نہیں کر سکتے اس بنا پر انہوں نے فیصلہ کیا کہ جن افراد کے ساتھ ان کا خونی اور نسلی یا سسرالی رشتہ داری تھی۔ان کے ساتھ مل کر اپنے گروہ کو تشکیل دیں جس کا نام انہوں نے --قبیلہ--رکھا۔قبیلہ ایسی مستقل اکائی تھی جس

---

[1] ۔معجم البلدان ج2، ص219

کے ذریعے عہد جاہلیت میں عرب قومیت کی اساس و بنیاد تشکیل پذیر ہوتی تھی اور وہ ہر اعتبار سے وہ خود کفیل ہوتی تھی۔

دور جاہلیت میں عربوں کے اقدار کا معیار قبائلی اقدار میں منحصر تھا ہر فرد کی قدر و منزلت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاتا تھا کہ قبیلے میں اس کا کیا مقام و مرتبہ اور اہل قبیلہ میں اس کا کس حد تک اثر و رسوخ ہے یہی وجہ تھی کہ قدر و منزلت کے اعتبار سے سرداران قبائل کو بالاترین مقام و مرتبہ حاصل تھا جبکہ اس کے مقابلے میں کنیزوں اور غلاموں کا شمار قبائل کے ادنی ترین و انتہائی پست ترین افراد میں ہوتا تھا۔

دیگر قبائل کے مقابلے میں جس قبیلے کے افراد کی تعداد جتنی زیادہ ہوتی اس کی اتنی ہی زیادہ عزت اور احترام ہوتا تھا اور وہ قبیلہ اتنا ہی زیادہ فخر محسوس کرتا اس لئے ہر قبیلہ اپنی قدر و منزلت بڑھانے اور افراد کی تعداد کو زیادہ کھانے کی غرض سے اپنے قبیلے کے مردوں کی قبروں کو بھی شامل اور شمار کرنے سے بھی دریغ نہ کرتا چنانچہ اس امر کی جانب قرآن نے اشارہ کرتے ہوئے بیان کیا ہے:

اَلْھٰکُمُ التَّکَاثُرُ حَتّٰی زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ

--ایک دوسرے پر (کثرت افراد کی بنیاد پر) فخر جتانے کی فکر نے تمہیں قبروں (کے دیدار) تک پہنچا دیا--[1]

معاشرتی نظام

جزیزہ نمائے عرب کے اکثر و بیشتر لوگ اپنے مشاغل کے تقاضوں کے باعث صحرانشینی کی زندگی اختیار کئے ہوئے تھے۔کل آبادی کا صرف چھوٹا حصہ ایسا تھا جو شہروں میں آباد تھا،شہروں میں ان کے جمع ہونے کی وجہ یا تو اُن شہروں کا تقدس تھا یا یہ کہ ان میں تجارت ہوتی تھی چنانچہ مکہ کو دونوں ہی اعتبار سے اہمیت حاصل تھی اس کے علاوہ شہروں میں آباد ہونے کی وجہ یہ بھی تھی کہ وہاں کی زمینیں سرسبز و شاداب تھیں اور ان کی ضروریات پوری کرنے کیلئے ان میں پانی کے علاوہ عمدہ چراگاہیں بھی موجود تھیں۔یثرب طائف یمن حیرہ حضر موت اور غسان کا شمار ایسے ہی شہروں میں ہوتا تھا۔

عرب کے بادیہ نشین (دیہاتی جنہیں بدو کہا جاتا ہے) اپنے خالص لب ولہجہ اور قومی عادت وخصلت کے اعتبار سے شہر نشین عربوں کے مقابل اچھے سمجھے جاتے تھے اسی لئے عرب کے شہری اپنے بچوں کو چند سال کے لئے صحراؤں میں بھیجتے تھے تاکہ وہاں ان کی پرورش اسی ماحول اور اسی تہذیب وتمدن کے گہوارے میں ہو سکے۔

لیکن اس کے مقابلے میں شہروں میں آباد لوگوں کی سطح فکر زیادہ وسیع اور بلند تھی اور ایسے مسائل کے بارے میں ان کی واقفیت بھی زیادہ تھی جن کا تعلق قبیلے کے مسائل سے جدا اور ہٹ کر ہوتا تھا۔

جبکہ صحرانشین لوگوں کو شہری لوگوں کے مقابل زیادہ آزادی حاصل تھی۔اپنے قبیلے کے مفادات کی خاطر ہر شخص کو یہ حق حاصل تھا کہ عملی طور پر وہ جو چاہے کرے اس معاملے میں اہل قبیلہ بھی اس کی مدد کرتے تھے اسی لئے دوسروں سے جنگ وجدال اور ان کے مال ودولت کی لوٹ مار ان کے درمیان ایک معمولی چیز بن گئی تھی۔چنانچہ عربوں میں جنہوں نے شجاعت و بہادری کے کارنامے سرانجام دیئے ہیں ان میں سے اکثر و بیشتر صحرانشین ہی تھے۔

دین اور دینداری

زمانہ جاہلیت میں ملک عرب میں بت پرستی کا رواج عام تھا اور لوگ مختلف شکلوں میں اپنے بتوں کی پوجا کرتے تھے اس دور میں

---

[1] ۔سورہ التکاثر آیت 1و2

کعبہ مکمل طور پر بت خانہ میں بدل چکا تھا جس میں انواع واقسام اور مختلف شکل وصورت کے تین سو ساٹھ سے زیادہ بت رکھے ہوئے تھے اور کوئی قبیلہ ایسا نہ تھا جس کا بت وہاں موجود نہ ہو۔ حج کے زمانے میں ہر قبیلے کے لوگ اپنے بت کے سامنے کھڑے ہوتے اس کی پوجا کرتے اور اس کو اچھے ناموں سے پکارتے نیز تلبیہ بھی کہتے تھے۔ [١]

ظہور اسلام سے قبل یہودی اور عیسائی مذہب کے لوگ بھی جو اقلیت میں تھے جزیرہ نمائے عرب میں آباد تھے۔ یہودی اکثر وبیشتر خطہ عرب کے شمالی علاقوں مثلاً یثرب وادی القری تیمائ خیبر اور فدک جیسے مقامات پر رہا کرتے تھے جبکہ عیسائی جنوبی علاقوں یعنی یمن اور نجران جیسی جگہوں پر بسے ہوئے تھے۔

انہی میں گنتی کے چند لوگ ایسے بھی تھے جو وحدانیت کے قائل اور خدا پرست تھے اور وہ خود کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین کے پیروکار سمجھتے تھے۔ مورخین نے ان لوگوں کو حُنَفاء کے عنوان سے یاد کیا ہے۔ [٢]

بعثت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وقت عربوں کی مذہبی کیفیت کو حضرت علی علیہ السلام نے اس طرح بیان کیا ہے:

(...وَاَھلُ الاَرض یومَئذ: ملَلٌ مُتَفرّقَة وَاَھوَاءٌ مُنتَشرَة وطَرَائقُ مُتَشَتّتَةٌ بَینَ مُشَبّه لله بخَلقه اَو مُلَحد: فی اسمه اَو مُشیر: الی غَیره فَهَدَاهُم به منَ الضّلَالَة وَاَنقَذَهُم بمَکَانه منَ الجَهَالَة) [٣]

اس زمانے میں لوگ مختلف مذاہب کے ماننے والے تھے ان کے افکار پریشان اور ایک دوسرے کی ضد اور طریقے مختلف تھے بعض لوگ خدا کو مخلوق سے تشبیہ دیتے تھے (ان کا خیال تھا کہ خدا کے بھی ہاتھ پیر ہیں اس کے رہنے کی بھی جگہ ہے اور اس کے بچے بھی ہیں) وہ خدا کے نام میں تصرف بھی کرتے (اپنے بتوں کا نام خدا کے مختلف ناموں سے اخذ کر کے رکھتے تھے مثلاً لات کو اللہ عزّی کو عزیز اور منات کو منان کے ناموں سے اخذ کر کے رکھا تھا) [٤] بعض ملحد لوگ خدا کے علاوہ دوسری اشیا یعنی مادیات پر یقین رکھتے تھے (جس طرح دہریے تھے جو صرف طبیعت، زمانہ، حرکات فلکیہ اور مرور زمان ہی کو امور ہستی پر مؤثر سمجھتے تھے)۔ [٥] خداوند متعال نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعے انہیں گمراہی سے نجات دلائی اور آپ کے وجود کی برکت سے انہیں جہالت کے اندھیرے سے باہر نکالا۔

جب ہم بت پرستوں کے مختلف عقائد کا مطالعہ کرتے ہیں اور ان کا جائزہ لیتے ہیں تو اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ انہیں اپنے بتوں سے ایسی زبردست عقیدت تھی کہ وہ ان کی ذرا سی بھی توہین برداشت نہیں کر سکتے تھے اسی لئے وہ حضرت ابوطالب علیہ السلام کے پاس جاتے اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شکایت کرتے ہوئے کہتے کہ وہ ہمارے خداؤں کو برا کہہ رہے ہیں اور ہمارے دین ومذہب کی عیب جوئی کر رہے ہیں [٦]۔

---

[١] ۔تاریخ یعقوبی، ج1، ص255، تلبیہ--لَبَّیْكَ اللّٰهُمَّ لَبَّیْكَ--کہنے کا نام ہے۔مترجم۔ ہر قبیلے کا لبیک کہنے کا ایک مخصوص طریقہ تھا مزید معلومات کے لئے مذکور ماخ کا مطالعہ فرمائیں۔

[٢] ۔تاریخ پیامبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ص13، علامہ آیتی مرحوم نے اس عنوان کے تحت چودہ ایسے افراد کے نام بھی بیان کئے ہیں جن کا شمار حنفا میں ہوتا تھا۔

6۔نہج البلاغہ خطبہ 1 ص 44، مرتبہ صبحی صالح

[٣] ۔ملاحظہ ہو: تفسیر مجمع البیان ج4، ص503 سورہ اعراف آیت 180 کے ذیل میں

[٤] زمانہ جاہلیت کے عربوں کے عقائد سے مزید واقفیت کے لئے ملاحظہ ہو: شرح ابن ابی الحدید ج1 صفحہ 117

[٥] السیرہ النبویہ، ج1، ص283-284

[٦] سورہ زمر آیت 38

وہ خدائے مطلق کے وجود کے معتقد اور قائل تو تھے اور اللہ کے نام سے اسے یاد بھی کرتے تھے مگر اس کے ساتھ ہی وہ بتوں کو تقدس و پاکیزگی کا مظہر اور انہیں قابل پرستش سمجھتے تھے وہ یہ بات بھی اچھی طرح جانتے تھے کہ یہ بت ان کے معبود تو ہیں مگر ان کے خالق نہیں چنانچہ یہی وجہ تھی کہ جب رسول خدا ﷺ ان سے گفتگو فرماتے تو یہ ثابت نہیں کرتے تھے کہ خداوند تعالیٰ ان کا خالق ہے بلکہ ثبوت و دلائل کے ساتھ یہ فرماتے کہ خدائے مطلق، واحد ہے اور ان لوگوں کے بنائے ہوئے معبودوں کی حیثیت و حقیقت کچھ بھی نہیں۔

قرآن مجید نے مختلف آیات میں اس حقیقت کی جانب اشارہ کیا ہے۔ یہاں اس کے چند نمونے پیش کئے جاتے ہیں:

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ [۱]

--ان لوگوں سے اگر تم پوچھو کہ زمین اور آسمان کو کس نے پیدا کیا ہے؟ تو یہ خود ہی کہیں گے کہ اللہ نے---

اس کے علاوہ وہ بت پرستی کی یہ بھی توجیہ پیش کرتے تھے کہ:

مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى [۲]

--ہم تو ان کی عبادت صرف اس لئے کرتے ہیں کہ وہ اللہ تک ہماری رسائی کرادیں گے۔

دوسرے لفظوں میں وہ یہ کہا کرتے تھے کہ:

هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ [۳]

--یہ اللہ کے ہاں ہمارے سفارشی ہیں--

تہذیب و ثقافت

زمانہ جاہلیت کے عرب ناخواندہ اور علم کی روشنی سے قطعی بے بہرہ تھے۔ ان کے اس جہل و ناخواندگی کے باعث ان کے پورے معاشرے پر جہالت اور خرافات سے اٹی بے ثقافتی حاکم تھی (وہ بے تہذیب لوگ تھے)۔ ان کی کثیر آبادی میں گنتی کے چند لوگ ہی ایسے تھے جو لکھنا اور پڑھنا جانتے تھے [۴]

دور جاہلیت میں عرب تہذیب و تمدن کے نمایاں ترین مظہر حسب و نسب کی پہچان، شعر گوئی اور تقاریر میں خوش بیانی جیسے اوصاف تھے۔ چنانچہ عیش و عشرت کی محفل ہو، میدان کارزار ہو یا قبائلی فخر فروشی کا میدان غرض وہ ہر جگہ پر شعر گوئی یا جادو بیان تقاریر کا سہارا لیتے تھے۔

اس میں شک نہیں کہ اسلام سے قبل عربوں میں شجاعت، شیریں بیانی، فصاحت و بلاغت مہمان نوازی، لوگوں کی مدد اور آزادی پسندی جیسی عمدہ خصوصیات و صفات بھی موجود تھیں مگر ان کے رگ و پے میں سرایت کر جانے والی قابل مذمت عادات و اطوار کے مقابلے میں ان کی یہ تمام خوبیاں بے حقیقت بن کر رہ گئی تھیں۔ اس کے علاوہ ان تمام خوبیوں اور ذاتی اوصاف کا اصل محرک، انسانی اقدار اور قابل

[۱] سورہ زمر آیت 38

[۲] سورہ زمر آیت 3

[۳] سورہ یونس آیت 17

[۴] بلاذری لکھتا ہے کہ ظہور اسلام کے وقت قریش میں سے صرف سترہ افراد ایسے تھے جو لکھنا پڑھنا جانتے تھے (ملاحظہ ہو فتوح البلدان صفحہ 457)

تحسین باتیں نہ تھیں۔

زمانہ جاہلیت کے عرب طمع پروری اور مادی چیزوں پر فریفتگی کا کامل نمونہ تھے۔ وہ ہر چیز کو مادی مفاد کے زاویے سے دیکھتے تھے۔ ان کی معاشرتی تہذیب بے راہروی، بدکرداری اور قتل و غارتگری جیسے برے افعال و اعمال پر مبنی تھی اور یہی پست حیوانی صفات ان کی سرشت اور عادت و جبلت کا جز بن گئی تھیں۔

دور جاہلیت میں عربوں کی ثقافت میں اخلاقیات کی توجیہ و تعبیر دوسرے انداز میں کی جاتی تھی۔ مثال کے طور پر غیرت، مروت اور شجاعت کی تعریف تو کرتے تھے مگر شجاعت سے ان کی مراد سفاکی اور دوسروں کے قتل و خونریزی کی زیادہ سے زیادہ طاقت ہوتی تھی۔ غیرت کا مفہوم ان کے تمدن میں لڑکیوں کو زندہ دفن کر دینا تھا۔ اور اپنے اس طریقہ عمل سے اپنی غیرت کی نمایاں ترین مثال پیش کرتے تھے۔ ایفائے عہد کا مطلب وہ یہ سمجھتے تھے کہ حلیف یا اپنے قبیلے کے افراد کی ہر صورت میں حمایت کریں چاہے وہ حق پر ہو یا باطل پر۔

توہم پرستی اور خرافات کی پیروی

طلوع اسلام کے وقت دنیا کی تمام اقوام کے عقائد میں کم و بیش خرافات، توہمات اور افسانے وغیرہ شامل تھے۔ اس زمانے میں یونانی اور ساسانی اقوام کا شمار دنیا کی سب سے زیادہ ترقی یافتہ اقوام میں ہوتا تھا۔ چنانچہ ان لوگوں کے اذہان اور افکار پر انہی کے قصوں اور کہانیوں کا غلبہ تھا۔ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ تہذیب و تمدن اور علم کے اعتبار سے جو بھی معاشرہ جس قدر پسماندہ ہوگا اس میں توہمات و خرافات کا انتہائی زیادہ رواج ہوگا۔ جزیرہ نمائے عرب میں توہمات اور خرافات کا رواج عام تھا ان کے بہت سے واقعات تاریخ نے اپنے سینے میں محفوظ کر رکھے ہیں۔ یہاں بطور مثال چند نمونے پیش کئے جاتے ہیں:

1۔ ایسی آنتوں اور ڈوریوں وغیرہ کو جنہیں کمانوں کی تانت بنانے کے کام میں لایا جاتا تھا لوگ اپنے اونٹوں اور گھوڑوں کی گردنوں نیز سروں پر لٹکا دیا کرتے تھے۔ ان کا عقیدہ تھا کہ ایسے ٹوٹکوں سے ان کے جانور بھوت پریت کے آسیب سے بچے رہتے ہیں اور انہیں کسی کی بری نظر بھی نہیں لگتی۔ نیز جنگ اور لوٹ مار کے موقع پر بلکہ ہر موقع پر انہیں دشمنوں کی گزند سے محفوظ رکھنے میں بھی یہ ٹوٹکے مؤثر ہیں۔[۱]

2۔ خشک سالی کے زمانے میں بارش لانے کی غرض سے جزیرہ نمائے عرب کے بوڑھے اور کاہن لوگ ـــ سَلَع ـــ نامی درخت (جس کا پھل کڑوا ہوتا ہے) اور ـــ عُشَر ـــ نامی پیڑ (جس کی لکڑی جلدی جل جاتی ہے) کی لکڑیوں کو گائے کی دُموں اور پیروں میں باندھ دیتے اور انہیں پہاڑوں کی چوٹیوں تک ہانک کر لے جاتے۔ اس کے بعد وہ ان لکڑیوں کو آگ لگا دیتے۔ آگ کے شعلوں کی تاب نہ لا کر ان کی گائے ادھر ادھر بھاگنے لگتی اور سر مار مار کر ڈکرانا شروع کر دیتی۔ ان کے خیال میں ان گائیوں کے ڈکرانے اور بے قراری کرنے سے پانی برسنے لگے گا۔ شاید اس گمان سے کہ جب بارش بھیجنے والا مؤکل یا خدا (ورشا دیوی یا جل دیوتا) ان گائیوں کو تڑپتا ہوا دیکھیں گے تو ان کی پاکیزگی اور تقدس کی خاطر جلد ہی بادلوں کو برسنے کیلئے بھیج دیں گے۔[۲]

3۔ وہ مردوں کی قبروں کے پاس اونٹ نحر کر کے اسے گڑھے میں ڈال دیتے۔ ان کا یہ عقیدہ تھا کہ ان کے اس کام سے صاحب

---

[۱] اسلام وعقائد و آراء بشری ص 491

[۲] لسان العرب، ج 9، ص 161، ملاحظہ ہو: لفظ ـــ سَلَعَ ـــ نیز اسلام وعقائد و آراء بشری، صفحہ 501

قبر عزت واحترام کے ساتھ اونٹ پر سوار محشر میں وارد ہوگا۔[1]

عہد جاہلیت میں عورتوں کا مقام

دور جاہلیت کے عرب عورتوں کی قدر ومنزلت کے ذرہ برابر بھی قائل نہ تھے۔ وہ ہر قسم کے انفرادی واجتماعی حقوق سے محروم تھیں۔ اس عہد جاہلیت کے معاشرتی نظام میں عورت صرف ورثے سے ہی محروم نہیں رکھی جاتی تھی بلکہ خود اس کا شمار بھی اپنے باپ شوہر یا بیٹے کی جائداد میں ہوتا تھا۔ چنانچہ مال وجائداد کی طرح اسے بھی ورثے اور ترکے میں تقسیم کر دیا جاتا تھا۔

عرب قحط سالی کے خوف یا اس خیال سے کہ لڑکیوں کا وجود ان کی ذات کے لئے باعث ننگ وعیب ہے انہیں پیدا ہوتے ہی زمین میں زندہ گاڑ دیتے تھے۔

اپنی معصوم لڑکیوں سے انہوں نے جو غیر انسانی وناروا سلوک اختیار کر رکھا تھا اس کی مذمت کرتے ہوئے قرآن مجید فرماتا ہے:

وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمۡ بِالۡاُنۡثٰى ظَلَّ وَجۡهُهٗ مُسۡوَدًّا وَّهُوَ كَظِيۡمٌ يَتَوَارٰى مِنَ الۡقَوۡمِ مِنۡ سُوۡٓءِ مَا بُشِّرَ بِهٖ ؕ اَيُمۡسِكُهٗ عَلٰى هُوۡنٍ اَمۡ يَدُسُّهٗ فِى التُّرَابِ ؕ اَلَا سَآءَ مَا يَحۡكُمُوۡنَ[2]

--جب ان میں سے کسی کو بیٹی کے پیدا ہونے کی خبر دی جاتی ہے تو یہ سنتے ہی اس کا چہرہ سیاہ پڑ جاتا ہے اور وہ بس خون کا گھونٹ سا پی کر رہ جاتا ہے۔ لوگوں سے منہ چھپاتا پھرتا ہے کہ بری خبر کے بعد کیا کسی کو منہ دکھائے۔ سوچتا ہے کہ ذلت کے ساتھ بیٹی کو لئے رہے یا مٹی میں دبا دے بے شک وہ لوگ بہت برا کرتے ہیں--دوسری آیت میں بھی قرآن مجید انہیں اس بری اور انسانیت سوز حرکت کے بدلے خداوند تعالیٰ کی بارگاہ میں جوابدہ قرار دیتا ہے۔ چنانچہ ارشاد فرماتا ہے:

وَاِذَا الۡمَوۡءٗدَةُ سُئِلَتۡ بِاَىِّ ذَنۡۢبٍ قُتِلَتۡ[3]

--اور جب زندہ گاڑی ہوئی لڑکی سے پوچھا جائے گا کہ وہ کس قصور میں ماری گئی--

سب سے زیادہ افسوس ناک بات یہ تھی کہ ان کے درمیان شادی بیاہ کی ایسی رسومات رائج تھیں کہ ان کی کوئی خاص بنیاد نہ تھی وہ اپنی شادی کے لئے کسی معین حد کے قائل نہ تھے (جتنی بھی دل کرتا بیویاں اپنے پاس رکھتے تھے)۔ مہر کی رقم ادا کرنے کی ذمہ داری سے سبکدوش ہونے کیلئے وہ انہیں تکلیف اور اذیت دیتے تھے۔ کبھی وہ اپنی زوجہ پر بے عصمت ہونے کا ناروا الزام لگاتے تا کہ اس بہانے سے وہ مہر کی رقم ادا کرنے سے بچ جائیں۔ ان کا باپ اگر کسی بیوی کو طلاق دے دیتا یا خود مر جاتا تو اس کی بیویوں سے شادی کر لینا ان کیلئے کوئی مشکل نہ تھا نہ ہی قابل اعتراض تھا۔

حرمت کے مہینے

دور جاہلیت کے تہذیب وتمدن میں ذی القعدہ ذی الحجۃ محرم اور رجب چار مہینے ایسے تھے جنہیں ماہ حرام سے تعبیر کیا جاتا تھا۔ ان چار ماہ کے دوران ہر قسم کی جنگ وخونریزی ممنوع تھی۔ البتہ اس کے بدلے تجارت میل ملاقات مقامات مقدسہ کی زیارت اور دینی رسومات

---

[1] اسلام وعقائد وآراء بشری صفحہ 509

[2] سورہ نحل آیت 58-59

[3] سورہ تکویر آیت 8،9

کی ادائیگی اپنے عروج پر ہوتی تھیں۔

اور چونکہ قمری مہینے سال کے موسموں کے لحاظ سے آہستہ آہستہ بدلتے رہتے تھے اور بسا اوقات یہ موسم ان کی تجارت وغیرہ کے لئے سازگار اور مناسب نہ ہوتے اسی لئے وہ قابل احترام مہینوں میں تبدیلی کرلیا کرتے تھے۔قرآن مجید نے انہیں --النسیٔ-- کے عنوان سے یاد کیا ہے۔[1] چنانچہ فرماتا ہے:

إِنَّمَا النَّسِيءُ زِيَادَةٌ فِي الْكُفْرِ

--حرام ہینوں میں تبدیلی اور تاخیر تو ان کے کفر میں ایک اضافہ ہے--۔[2]

سوالات

1۔جزیرہ نمائے عرب کا محل وقوع بتائیے؟

2۔فاتحین کس وجہ سے جزیرہ نمائے عرب کی طرف توجہ نہیں دیتے تھے؟

3۔جزیرہ نمائے عرب کی اسلام سے قبل معاشرتی حالت کیا تھی؟ صراحت سے بیان کیجئے؟

4۔دور جاہلیت کے عربوں میں کس قسم کا مسلک زیادہ رائج تھا؟

5۔کیا عربوں کا خدا پر اعتقاد تھا؟ قرآن مجید سے کوئی ایک دلیل پیش کیجئے؟

6۔عربوں میں کس قسم کے توہمات وخرافات کا رواج تھا اس کی ایک مثال پیش کیجئے؟

7۔عہد جاہلیت میں عورت کا کیا مقام تھا؟

---

[1] ۔--نسی ء--لفظ--نساء--سے مشتق ہے جس کے معنی تاخیر میں ڈالنا ہے۔عہد جاہلیت کے عرب کبھی کبھی قابل احترام مہینوں میں تاخیر کردیا کرتے تھے۔ مثال کے طور پر وہ ماہ محرم کی جگہ ماہ صفر کو قابل احترام مہینہ بنالیتے تھے۔

[2] ۔سورہ توبہ آیت 37۔

سبق 3:

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نسب اور آپؐ کی ولادت باسعادت

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تعلق خاندان بنی ہاشم اور قبیلہ قریش سے ہے۔ جزیرہ نمائے عرب میں تین سو ساٹھ (360) قبیلے آباد تھے ان میں قریش شریف ترین اور معروف ترین قبیلہ تھا نسب شناس ماہرین کی اصطلاح میں قریش انہیں کہا جاتا ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارہویں جدامجد حضرت نضر بن کنانہ کی نسل سے ہوں۔[۱]

آپ کے چوتھے جداعلی حضرت قصی بن کلاب کا شمار قبیلہ قریش کے معروف اور سرکردہ افراد میں ہوتا تھا۔ انہوں نے ہی کعبہ کی تولیت اور کنجی، قبیلہ۔۔خزاعہ۔۔کے چنگل سے نکالی تھی۔ اور حرم کے مختلف حصوں میں اپنے قبیلے کے افراد کو آباد کر کے کعبہ کی تولیت سنبھالی تھی۔[۲]

معروف مورخ یعقوبی لکھتا ہے کہ۔۔قصی بن کلاب۔۔وہ پہلے شخص تھے جنہوں نے قبیلہ قریش کو عزت و آبرو بخشی اور اس کی عظمت کو اجاگر کیا[۳]

قبیلہ قریش میں بھی خاندان بنی ہاشم سب سے زیادہ نجیب و شریف شمار ہوتا تھا۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آباء واجداد

مورخین نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آباء واجداد میں حضرت عدنان تک اکیس پشتوں کے نام بیان کئے ہیں درج ذیل ترتیب وار اسماء پر سب متفق الرائے ہیں: حضرت عبداللہ علیہ السلام، حضرت عبدالمطلب علیہ السلام، حضرت ہاشم علیہ السلام، حضرت عبدمناف علیہ السلام، حضرت قصی علیہ السلام، حضرت کلاب علیہ السلام، حضرت مرہ علیہ السلام، حضرت کعب علیہ السلام، حضرت لوی علیہ السلام، حضرت غالب علیہ السلام، حضرت فہر علیہ السلام، حضرت مالک علیہ السلام، حضرت نضر علیہ السلام، حضرت کنانہ علیہ السلام، حضرت خزیمہ علیہ السلام، حضرت مدرکہ علیہ السلام، حضرت الیاس علیہ السلام، حضرت مضر علیہ السلام، حضرت نزار علیہ السلام، حضرت معد علیہ السلام اور حضرت عدنان (ع)۔[۴]

حضرت عدنان سے اوپر حضرت ابراہیم علیہ السلام تک اور حضرت ابراہیم خلیل علیہ السلام سے حضرت آدم صفی اللہ علیہ السلام تک کی ترتیب کے بارے میں اختلاف ہے۔ اس سلسلے میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک روایت بھی بیان کی گئی ہے۔

(اِذَا بَلَغَ نَسَبِیْ اِلٰی عَدْنَانَ فَامْسُکُوا)[۵]

۔۔جب میرے نسب کے بارے میں حضرت عدنان تک پہنچو تو توقف کرو (اور آگے مت بڑھو)۔۔۔

[۱] السیرہ الحلبیہ ج1 ص16 اور لسان العرب، لفظ۔۔قریش۔۔۔

[۲] السیرۃ النبویہ ابن ہشام ج1 ص130۔

[۳] تاریخ یعقوبی ج1 ص240۔

[۴] السیرۃ النبویہ ج1 ص21۔

[۵] بحارالانوار ج15 ص280105۔

ہم یہاں مختصر طور پر آپؐ کے چند قریبی آباء واجداد کا حال بیان کریں گے۔

حضرت عبد مناف علیہ السلام

حضرت قصی کے عبدالدار، عبدمناف، عبدالعزیٰ اور عبدقصی نامی چار فرزند تھے۔ جن میں حضرت عبدمناف سب سے زیادہ شریف، محترم اور بزرگ سمجھے جاتے تھے [1] حضرت عبدمناف کا اصل نام ۔۔مغیرہ۔۔ تھا۔ انہیں اپنے والد محترم کے ہاں نیز لوگوں کے درمیان خاص مرتبہ اور مقام حاصل تھا۔ وہ بہت زیادہ سخی اور وجیہہ انسان تھے اسی وجہ سے انہیں ۔۔فیاض [2] ۔۔اور۔۔قمر البطحاء۔۔ کے القاب سے نوازا گیا ہے پرہیزگاری، خوش اخلاقی نیک چلن اور صلہ رحمی جیسے اوصاف کی طرف دعوت ان کی زندگی کا شعار تھا۔

ان کی نظر میں دنیوی مقامات ومراتب ہیچ تھے۔ وہ اہل منصب لوگوں سے حسد بھی نہیں کرتے تھے۔ اگرچہ کعبہ کے تمام عہدے اورمناصب ان کے بڑے بھائی عبدالدار کے پاس تھے مگر ان کی اپنے بھائی سے کوئی شکر رنجی نہیں تھی۔

حضرت ہاشم علیہ السلام

حضرت قصی علیہ السلام کے فرزند، مکہ سے متعلق معاملات اور کعبہ کی تولیت اور انتظام جیسے امور کو کسی اختلاف وقضیے کے بغیر انجام دیتے رہے۔ مگر ان کی وفات کے بعد عبدالدار اور عبدمناف کی اولاد کے درمیان کعبہ کے عہدوں کے بارے میں اختلاف ہوگیا۔ بالآخر اتفاق اس بات پر ہوا کہ کعبہ کی تولیت اور دارالندوہ [3] کی صدارت عبدالدار کے فرزندوں کے پاس ہی رہے اور حاجیوں کو پانی پلانے نیز ان کی پذیرائی کا معاملہ حضرت عبدالمناف کے لڑکوں کی تحویل میں دے دیا جائے۔ [4] حضرت عبدمناف کے فرزندوں میں یہ عہدہ حضرت ہاشم کے سپرد کیا گیا۔ [5]

حضرت ہاشم اوران کے بھائی عبدالشمس جڑواں پیدا ہوئے تھے پیدائش کے وقت دونوں کے بدن ایک دوسرے سے جڑے ہوئے تھے۔ جس وقت انہیں ایک دوسرے سے جدا کیا گیا تو بہت سا خون زمین پر بہہ گیا اور عربوں نے اس واقعہ کو سخت بدشگونی سے تعبیر کیا۔ اتفاق سے یہ بدشگونی اپنا کام کرگئی اور حضرت ہاشم اور عبدالشمس کے لڑکوں میں ہمیشہ کشمکش اور لڑائی رہی۔ عبدالشمس کا لڑکا امیہ پہلا شخص تھا جس نے حضرت ہاشم کی مخالفت شروع کی۔ اس نے جب فرزندان عبدمناف میں سے حضرت ہاشم میں عزت وشرف اور بزرگواری جیسے اوصاف پائے تو ان سے حسد کرنے لگا اور اپنے چچا کے ساتھ مخاصمت اور مخالفت پر اتر آیا چنانچہ یہیں سے بنی ہاشم اور بنی امیہ کے درمیان اختلاف اور دشمنی شروع ہوئی جو ظہور اسلام کے بعد بھی جاری رہی۔ [6]

حضرت ہاشم اپنی ذمہ داری نبھانے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کرتے تھے چنانچہ جیسے ہی حج کا زمانہ شروع ہوتا تھا وہ قبیلہ قریش کی پوری طاقت وقوت اور تمام وسائل اور امکانات حجاج بیت اللہ کی خدمت کیلئے بروئے کار لاتے اور زمانہ حج کے دوران جس قدر

---

[1] السیرۃ النبویہ ج1 ص123 السیرۃ الحلبیہ ج1 ص13 والکامل ج2 ص19۔

[2] 8-9 السیرۃ الحلبیہ ج1 ص713۔

[3] دارالندوہ دراصل قریش کی مجلس مشاورت تھی جسے حضرت قصی بن کلاب نے قائم کیا تھا۔

[4] السیرۃ الحلبیہ، ج1 ص13۔

[5] الکامل فی التاریخ ج2 ص16۔

[6] السیرۃ الحلبیہ ج1 ص4 البتہ مترجم کے نزدیک یہ بات نا قابل قبول ہے اس کی علت دیگر کتب میں ملاحظہ ہو۔

پانی اور خوراک کی انہیں ضرورت ہوتی وہ اسے فراہم کرتے۔ لوگوں کی خاطر داری مہمان نوازی اور حاجتمندوں کی مدد کرنے میں وہ بے مثال و یکتائے روزگار تھے۔ اسی وجہ سے انہیں ۔۔سید البطحائ [1] ۔۔کے لقب سے یاد کیا جاتا تھا۔

حضرت ہاشم علیہ السلام کے پاس اونٹ کافی تعداد میں تھے۔ چنانچہ جس سال اہل مکہ قحط اور خشک سالی کا شکار ہوئے تو انہوں نے اپنے بہت سے اونٹ قربان کردیئے اور اس طرح لوگوں کے لئے کھانے کا سامان فراہم کیا۔ [2]

حضرت ہاشم علیہ السلام کے انحصاری اور نمایاں کارناموں میں سے ایک ان کا یہ کارنامہ بھی تھا کہ انہوں نے قریش کی محدود کاروباری منڈیوں کو جاڑوں اور گرمیوں کے موسم میں لمبے تجارتی سفروں کے ذریعے وسیع کیا (دوسرے لفظوں میں لوکل بزنس کو امپورٹ ایکسپورٹ بزنس میں ترقی دی۔ مترجم) اور اس علاقے کی اقتصادی زندگی میں حرکت پیدا کی [3]

حضرت ہاشم علیہ السلام کا انتقام بیس یا پچیس سال کی عمر میں ایک تجارتی سفر کے دوران ۔۔غزہ۔۔ [4] میں ہوا۔

حضرت عبد المطلب علیہ السلام

حضرت ہاشم علیہ السلام کی وفات کے بعد ان کے بھائی ۔۔مطلب۔۔ کو قبیلہ قریش کا سردار مقرر کیا گیا اور جب ان کی وفات ہوگئی تو حضرت ہاشم علیہ السلام کے فرزند حضرت ۔۔شیبہ علیہ السلام۔۔ کو، جنہیں لوگ عبد المطلب علیہ السلام کہتے تھے قریش کی سرداری سپرد کی گئی۔

حضرت عبد المطلب علیہ السلام کو اپنی قوم میں خاص مقام و مرتبہ حاصل تھا اور لوگوں میں وہ بہت مقبول اور ہر دل عزیز تھے جس کا سبب وہ مختلف اچھے اوصاف اور فضائل تھے جو ان کی ذات میں جمع ہو گئے تھے۔ وہ عاجز و مجبور لوگوں کے حامی اور ان کے پشت پناہ تھے، ان کی جود و بخشش کا یہ عالم تھا کہ ان کے دسترخوان سے صرف انسان ہی نہیں بلکہ پرندے اور حیوانات تک بھی فیضیاب ہوتے اسی وجہ سے انہیں ۔۔فیاض۔۔ کا لقب دیا گیا تھا۔ [5]

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دادا بہت ہی دانشمند و بردبار شخص تھے۔ وہ اپنی قوم کو اخلاق حسنہ، جور و ستم سے کنارہ کشی برائیوں سے بچنے اور پست باتوں سے دور رہنے کی تعلیم دیتے۔ ان کا موقف یہ تھا کہ ۔۔ظالم آدمی اپنے کئے کی سزا اسی دنیا میں ہی پاتا ہے اور اگر اسے اپنے کئے کا بدلہ اس دنیا میں نہیں ملتا تو آخرت میں یہ سزا اسے ضرور ملے گی۔۔۔ [6]

اپنے اس عقیدے کی بنا پر انہوں نے اپنی زندگی میں نہ تو کبھی شراب کو ہاتھ لگایا نہ کسی بے گناہ کو قتل کیا اور نہ ہی کسی برے کام کی طرف رغبت کی بلکہ اس کے برعکس انہوں نے بعض ایسے نیک کاموں کی بنیاد رکھی جن کی دین اسلام نے بھی تائید کی، ان کی قائم کردہ بعض

---

[1] السیرۃ الحلبیہ ج 1 ص 5۔

[2] السیرۃ الحلبیہ ج 1 ص 5۔

[3] 16۔ ان کی خدمات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

هُوَ الَّذِی سَنَّ الرَّحِیلَ لِقَومِهِ رِحلَ الشِّتَاءِ وَرِحلَةَ الأَصیَافِ

وہ ہاشم ہی تھے جنہوں نے اپنی قوم میں جاڑے اور گرمی کے دنوں میں تجارتی سفر کرنے کی روایت پیدا کی۔ (م۔ لاحظہ ہو انساب الاشراف ج 1 ص 59)۔

[4] ۔ یہ فلسطین کا شہر ہے جو عسقلان کے مغرب میں واقع ہے۔ اس کے اور عسقلان کے درمیان تقریباً دو فرسخ کا فاصلہ ہے۔ ملاحظہ ہو معجم البلدان ج 4 ص 202۔

[5] ۔ السیرۃ الحلبیہ ج 1 ص 6 معجم البلدان ج 4 ص 202۔

[6] السیرۃ الحلبیہ ج 1 ص 4۔

روایات درج ذیل ہیں:

1۔ باپ کی کسی زوجہ کو بیٹے کیلئے حرام کرنا

2۔ مال ودولت کا پانچواں حصہ (خمس) راہ خدا میں خرچ کرنا۔

3۔ چاہ زمزم کا --سقایۃ الحاج-- نام رکھنا۔

4۔ قتل کے بدلے سو اونٹ بطور خوں بہا ادا کرنا۔

5۔ کعبہ کے گرد سات مرتبہ طواف کرنا۔[1]

البتہ تاریخ کی دیگر کتابوں میں ان کی قائم کردہ دیگر روایات کا بھی ذکر ملتا ہے جن میں سے چند یہ ہیں: منت مان لینے کے بعد اسے پورا کرنا چور کا ہاتھ کاٹنا لڑکیوں کے قتل کی ممانعت اور مذمت شراب وزنا کو حرام قرار دینے کا حکم جاری کرنا اور برہنہ ہو کر کعبہ کا طواف کرنے کی ممانعت وغیرہ۔[2]

واقعہ فیل

حضرت عبدالمطلب کی زندگی میں جو اہم واقعات رونما ہوئے ان میں سے ایک واقعہ --عام الفیل-- تھا۔ اس واقعہ کا خلاصہ یہ ہے کہ: یمن کے حکمران ابرہہ نے اس ملک پر اپنا تسلط برقرار کرنے کے بعد یہ محسوس کیا کہ اس کی حکومت کے گرد ونواح میں آباد عربوں کی خاص توجہ کعبہ پر مرکوز ہے اور ہر سال کثیر تعداد میں لوگ اس کی زیارت کے لئے جاتے ہیں۔ اس نے سوچا کہ عربوں کا یہ عمل اس کے نیز ان حبشی لوگوں کے لئے جو یمن اور جزیرہ نمائے عرب کے دیگر مقامات پر آباد ہیں کوئی مصیبت پیدا نہ کردے چنانچہ اس نے یمن میں --قلیس-- نام کا بہت ہی بڑا گرجا تیار کیا اور تمام لوگوں کو وہاں آنے کی دعوت دی تاکہ کعبہ جانے کی بجائے لوگ اس کے بنائے ہوئے کلیسا میں زیارت کی غرض سے آئیں لیکن لوگوں نے نہ صرف اس کی دعوت کی طرف کوئی توجہ نہیں دی تھی بلکہ الٹا اس کے کلیسا کی بھی توہین کی گئی تھی۔ لوگوں کے اس رویہ سے ابرہہ کو سخت طیش آگیا اور اس نے فیصلہ کیا کہ لوگوں کے اس جرم کے پاداش میں کعبہ کا وجود ہی ختم کردے گا، اس مقصد کے تحت اس نے عظیم لشکر تیار کیا جس میں جنگجو ہاتھی پیش پیش تھے۔ چنانچہ پورے جنگی سازوسامان سے لیس ہو کر وہ مکہ کے جانب روانہ ہوا۔ سردار قریش حضرت عبدالمطلب اور دیگر اہل مکہ کو جب ابرہہ کے ارادے کا علم ہوا تو انہوں نے شہر خالی کردیا اور نتیجے کا انتظار کرنے لگے۔

جنگی سازوسامان سے لیس اور طاقت کے نشے میں چور ابرہہ کا لشکر جب کعبہ کی طرف بڑھا تو ابابیل جیسے پرندوں کے جھنڈ اپنی چونچوں اور پنجوں میں کنکریاں لے کر اس کے لشکر پر چھا گئے اور انہیں ان پر برسانا شروع کردیا جس کی وجہ سے ان کے جسم ایسے چرمرا گئے جیسے چبائے ہوئے پتے۔

یہ واقعہ بعثت سے چالیس سال قبل پیش آیا چنانچہ عربوں نے اس واقعے سے ہی اپنی تاریخ شروع کردی جو رسول خدا ﷺ کے مکہ سے مدینہ کی جانب ہجرت تک جاری رہی اور واقعات اسی سے منسوب کئے جانے لگے۔

---

[1] بحارالانوار ج15 ص127۔129۔

[2] السیرۃ الحلبیہ ج1 ص4 و تاریخ یعقوبی ج2 ص10۔

چند قابل ذکر نکات

1۔ابرہہ کا حملہ اگر چہ مذہبی محرک کا ہی نتیجہ تھا مگر اس کا سیاسی پہلو یہ تھا کہ سرزمین عرب پر سلطنت روم کا غلبہ ہو جائے۔ چنانچہ اس کی اہمیت مذہبی پہلو سے کسی طرح بھی کم نہ تھی ابرہہ کا مکہ اور حجاز کے دیگر شہروں پر قابض ہو جانا سیاسی اور اقتصادی اعتبار سے روم جیسی عظیم طاقت کی اہم فتح و کامرانی تھی۔ کیونکہ یہی ایک ایسا واحد طریقہ تھا جسے بروئے کار لا کر شمالی عرب کو جنوبی عرب سے متصل کیا جاسکتا تھا۔ اس طرح پورے جزیرہ نمائے عرب پر حکومت روم کا غلبہ و تسلط ہو سکتا تھا نیز اسے ایران پر حملہ کرنے کیلئے فوجی چھاؤنی کے طور پر استعمال کیا جاسکتا تھا۔

2۔خداوند تعالیٰ کے حکم سے معجزہ کی شکل میں ابرہہ کے لشکر کی جس طرح تباہی و بربادی ہوئی اس کی تائید قرآن مجید اور اہلبیت علیہم السلام کی ان روایات سے ہوتی ہے جو ہم تک پہنچی ہے چنانچہ قرآن مجید کے سورہ فیل میں ارشاد ہے کہ:

(بسم الله الرّحمن الرّحيم اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِاَصْحٰبِ الْفِيْلِ اَلَمْ يَجْعَلْ كَيْدَهُمْ فِيْ تَضْلِيْلٍ وَّاَرْسَلَ عَلَيْهِمْ طَيْرًا اَبَابِيْلَ تَرْمِيْهِمْ بِحِجَارَةٍ مِّنْ سِجِّيْلٍ فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ مَّاْكُوْلٍ(5)

--تم نے دیکھا کہ تمہارے رب نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیا سلوک کیا اس نے ان کی تدبیر اکارت نہیں کر دی اور ان پر پرندوں کے جھنڈ کے جھنڈ بھیج دیئے جو ان پر کنکر پتھر پھینک رہے تھے پھر ان کا یہ حال کر دیا جیسے (جانوروں کا) کھایا ہوا بھوسا--۔

جو لوگ اس واقعہ کی توجیہہ کرتے ہیں کہ اس سال مکہ میں چیچک کی بیماری ابرہہ کے سپاہیوں میں مکھیوں اور مچھروں کی ذریعے پھیلی اور ان کی ہلاکت کا باعث ہوئی۔اس کا سبب یہ ہے کہ ان کا مافوق فطرت چیزوں اور معجزات پر اعتقاد اور ایمان نہیں چنانچہ بعض وہ مسلمان جو خود کو روشن فکر خیال کرتے ہیں وہ بھی مغرب کے مادہ پرستوں کے ہم خیال ہو گئے ہیں اور سب سے زیادہ قابل افسوس بات تو یہ ہے کہ بعض مسلم مؤرخین اور مفسرین بھی اس مغرب پرستی کا شکار ہو گئے ہیں۔

3۔ابرہہ کے لشکر کی شکست اور خانہ کعبہ کو گزند نہ پہنچنے کے باعث قریش پہلے سے بھی زیادہ مغرور و متکبر ہو گئے چنانچہ حرام کاموں کے ارتکاب، اخلاقی پستیوں کی جانب جانے اور ان لوگوں پر ظلم و ستم روا رکھنے میں جو حرم کے باہر آباد تھے ان کی گستاخیاں اور دست درازیاں پہلے سے کہیں زیادہ ہو گئیں۔وہ برملا کہنے لگے کہ ہم ہی آل ابراہیم علیہ السلام ہیں، ہم ہی پاسبان حرم ہیں، ہم ہی کعبہ کے اصل وارث ہیں، ان کا یہ بھی دعوی تھا کہ جاہ و مرتبت میں عربوں کے درمیان کوئی ہمارا ہم پلہ نہیں۔

ان نظریات کی بنا پر انہوں نے حج کے بعض احکام جو حرم کے باہر انجام دیئے جاتے ہیں جیسے عرفہ میں قیام قطعی ترک کر دیئے تھے۔ان کا حکم تھا کہ حج یا عمرہ کی غرض سے آنے والے زائرین بیت اللہ کو یہ حق نہیں کہ اس کھانے کو کھائیں جسے وہ اپنی ساتھ لاتے ہیں یا اپنے کپڑے پہن کر خانہ کعبہ کا طواف کریں۔

حضرت عبداللہ علیہ السلام

حضرت عبدالمطلب علیہ السلام کے سب سے چھوٹے بیٹے حضرت عبداللہ تھے کہ [1] جنہیں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والد ہونے کا فخر

---

[1] ۔بعض مورخین نے لکھا ہے کہ...حمزہ اور حضرت عباس حضرت عبداللہ علیہ السلام سے چھوٹے تھے۔ملاحظہ ہو:السیرۃ النبویہ ج 1 ص 161 حاشیہ منقول از روض الانف۔

حاصل ہوا وہ، حضرت ابوطالب علیہ السلام (امیرالمومنین علی علیہ السلام علیہ السلام کے والد) اور زبیر ایک ہی ماں یعنی حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کے بطن سے تھے [۱] ۔حضرت عبداللہ علیہ السلام اپنے والد کی نظروں میں دوسرے بھائیوں سے زیادہ قدر و منزلت کے حامل تھے۔جس کی وجہ ان کے ذاتی اوصاف اور معنوی کمالات تھے اس کے علاوہ دانشوروں اور کاہنوں نے بھی یہ پیشین گوئی کی تھی کہ انکی نسل سے ایسا فرزند پیدا ہوگا جسے پیغمبری کے لئے منتخب کیا جائے گا، اس خوشخبری کی تائید و تصدیق اس خاص چمک دمک سے بھی ہوتی تھی جو حضرت عبداللہ علیہ السلام کے چہرے سے عیاں تھی [۲]

حضرت عبدالمطلب علیہ السلام نے اپنے جواں سال فرزند حضرت عبداللہ علیہ السلام کے لئے خاندان بنی زہرہ کے سردار حضرت وہب بن عبدمناف کی دختر نیک اختر حضرت آمنہ سلام اللہ علیہا کا رشتہ مانگا اور انہیں اپنے فرزند دلبند کے حبالہ نکاح میں لے آئے اس شادی خانہ آبادی کا حاصل وثمرہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وجود مسعود تھا اور یہی وہ ذات گرامی ہے جسے بعد میں خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہا گیا۔

حضرت آمنہ علیہا السلام سے شادی کرنے کے بعد حضرت عبداللہ علیہ السلام تجارتی قافلے کے ہمراہ سفر پر روانہ ہوئے۔سفر سے واپس آئے تو شہر یثرب میں بیمار ہو گئے اور اس بیماری کی وجہ سے وہیں ان کا انتقال ہو گیا اور اسی شہر میں انہیں دفن کیا گیا۔[۳]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت باسعادت

اکثر محدثین اور مورخین اس بات پر متفق ہیں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت باسعادت عام الفیل میں یعنی نزول وحی سے چالیس سال قبل ماہ ربیع الاول میں ہوئی لیکن یوم پیدائش کے بارے میں اختلاف ہے۔شیعہ محدثین ودانشوروں کی رائے میں آپؐ کی ولادت 17 ربیع الاول کو ہوئی اور اہل سنت کے مورخین نے آپؐ کا روز ولادت 12 ربیع الاول قرار دیا ہے۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت کے وقت چند حادثات اور غیر معمولی واقعات بھی رونما ہوئے جن میں سے بعض یہ ہیں:

1۔ایوان کسریٰ میں شگاف پڑ گیا اور اس کے چودہ کنگرے زمین پر گر گئے۔

2۔فارس کا وہ آتشکدہ جو گزشتہ ایک ہزار سال سے مسلسل روشن تھا یکایک خاموش ہو گیا۔

3۔ساوہ کی جھیل خشک ہو کر نیچے بیٹھ گئی۔

4۔تمام بت منہ کے بل زمین پر گر پڑے۔

5۔زرتشتی عالموں اور ایران کے بادشاہ کسریٰ نے پریشان کن خواب دیکھے۔

6۔دنیا کے بادشاہوں کے تخت سلطنت سرنگوں ہو گئے۔

7۔پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نور آسمان کی طرف بلند ہوا اور بہت وسیع حصے میں پھیل گیا۔[۴]

پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت کے وقت ایسے حیرتناک واقعات کا رونما ہونا کہ جنہیں اصطلاح میں --ارہاصات-- کہتے ہیں،

---

[۱] السیرۃ النبویہ ج1 ص161۔

[۲] کمال الدین وتمام النعمۃ ج1 ص175۔

[۳] السیرۃ الحلبیہ ج 1 ص 5049۔حضرت عبداللہ علیہ السلام کی قبر کچھ عرصہ قبل تک شہر مدینہ میں مسجد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مغربی کنارے پر محفوظ تھی جسے آل سعود وہابی حکمرانوں نے شہید کرا دیا اور اسے صحن مسجد میں شامل کر لیا۔اب یہ جگہ نمازیوں کی جائے نماز ہے۔

[۴] بحارالانوار ج15 ص257-258۔

درحقیقت لوگوں کوخطرے سے آگاہ اورخواب غفلت سے بیدار کرنے کے لئے تھا بالخصوص ہم عصر حکمرانوں کی تنبیہہ کرنا مقصود تھی تاکہ وہ اس بات پر غور کریں کہ ان حادثات کے رونما ہونے کا کیا سبب ہے۔ نیز خود سے سوال کریں کہ بت اور بت پرستی کے مظاہر اورنشانات کیونکر منہ کے بل زمین پر آرہے ہیں اور وہ لوگ جوخود کو خدا اور زمین کا آقا و مالک سمجھتے تھے کیوں مضطرب و پریشان ہوگئے؟۔کیا اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ان سے بھی برتر و بہتر طاقت کا ظہور ہو چکا ہے اور بت پرستی اور شیطانی طاقتوں کے عروج کا زمانہ ختم ہو چکا ہے؟۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بچپن

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس دنیا میں اس وقت آنکھ کھولی جب ان کے والد کا سایہ سر سے اٹھ چکا تھا[1] اسی لئے ایک قول کے مطابق رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تربیت بچپن سے ہی آپؐ کے دادا حضرت عبدالمطلب علیہ السلام کے زیر سرپرستی ہوئی۔حضرت عبدالمطلب علیہ السلام نے آپؐ کی ولادت کے ساتویں دن بھیڑ ذبح کر کے اپنے پوتے کا عقیقہ کیا اور نام محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم [2] رکھا۔ اس نومولو بچے کے لئے دایہ کی تلاش شروع ہوئی اور چندروز کے لئے انہوں نے بچے کو ابولہب کی کنیز ثویبہ کے حوالہ کردیا[3] اس کے بعد قبیلہ بنی سعد کے معزز فرد ابوذویب کی مہربان و پاکدامن دختر حضرت حلیمہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی تحویل میں لے لیا اور صحرا کی جانب لے گئیں تاکہ فطرت کی آغوش اور صحت افزا آزاد فضا میں لے جاکر، ان وبائی بیماریوں سے دور جو کبھی کبھی شہر مکہ کے لئے خطرہ پیدا کردیتی تھیں، ان کی پرورش کرسکیں۔قبیلہ بنی سعد کے درمیان رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی موجودگی حضرت حلیمہ علیہا السلام نیز بنی سعد کے دیگر تمام افراد کے لئے نعمت کی فراوانی اور برکت کا باعث ہوئی چنانچہ جب دودھ پلانے کی مدت ختم ہوگئی اور حضرت حلیمہ علیہا السلام اس نونہال کو ان کی والدہ کی خدمت میں لے گئیں تو انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دوبارہ اپنے ساتھ لے جانے کی درخواست کی چنانچہ حضرت آمنہ علیہا السلام نے بھی ان سے اتفاق کیا۔[4]

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پانچ سال تک [5] صحرا کے دامن میں قبیلہ بنی سعد کے درمیان زندگی بسر کرتے رہے۔اس کے بعد آپؐ کو واپس آپؐ کی والدہ اور دادا کے پاس بھیج دیا گیا۔ جب آپؐ کی عمر مبارک چھ سال ہوئی تو آپ کی والدہ ماجدہ حضرت عبداللہ کے مزار کی زیارت سے مشرف ہونے اور ماموں سے ملاقات کرنے کی غرض سے یثرب گئیں، جہاں ان کا ایک ماہ تک قیام رہا وہ جب واپس مکہ تشریف لارہی تھیں تو راستہ میں --ابوا-- کے مقام پر شدید بیمار ہوگئیں اور وہیں ان کا انتقال ہوا[6]، اس حادثے نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سخت پریشان اور رنجیدہ خاطر کیا اور آپؐ کے مصائب میں دوگنا اضافہ ہوگیا لیکن اس واقعہ نے آپؐ کو دادا سے بہت نزدیک کردیا۔

قرآن مجید نے ان مصائب و رنج و تکالیف کے زمانے کی یاد دلاتے ہوئے فرمایا ہے:

---

[1] اس سلسلہ میں اختلاف ہے۔اکثر مورخین نے لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت حضرت عبداللہ کی رحلت کے دو ماہ بعد ہوئی لیکن بعض نے یہ بھی لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت کے دو ماہ بعد حضرت عبداللہ نے وفات پائی اس کے علاوہ بھی مختلف اقوال ملتے ہیں۔ملاحظہ ہو: السیرۃ حلبیہ ج1 ص 49-50 و کافی ج1 ص439۔

[2] پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت سے پہلے --ثویبہ-- آپؐ کے چچا حضرت حمزہ کو دودھ پلا چکی تھیں چنانچہ اس اعتبار سے حضرت حمزہ علیہ السلام پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رضاعی بھائی بھی تھے۔السیرۃ الحلبیہ ج1 ص85۔البتہ مترجم کے نزدیک ثویبہ کے دودھ پلانے والی بات بھی ناقابل قبول ہے۔

[3] السیرۃ الحلبیہ ج1 ص173۔

[4] چار سال یا چھ سال بھی لکھی گئی ہے۔ملاحظہ ہو السیرۃ الحلبیہ ج1 ص93۔

[5] یہ مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک قصبہ ہے جس کا جحفہ سے فاصلہ تقریباً 23 میل (46 کلومیٹر) ہے ملاحظہ ہو: معجم البلدان ج1 ص79۔

[6] السیرۃ النبویہ ج1 ص177۔

اَلَمۡ یَجِدۡكَ یَتِیۡمًا فَاٰوٰی[1]

--کیا اس نے تمہیں یتیم نہیں پایا اور پھر ٹھکانہ فراہم کیا---

ابھی آپؐ نے زندگی کی آٹھ بہاریں بھی نہ دیکھی تھیں کہ دادا کا سایہ بھی سر سے اٹھ گیا اور آپ حضرت عبد المطلب علیہ السلام کی وصیت کے مطابق اپنے چچا ابو طالب کی سرپرستی میں آ گئے۔

حضرت ابو طالب علیہ السلام اور ان کی زوجہ محترمہ فاطمہ علیہا السلام بنت اسد کو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہت زیادہ عزیز تھے وہ لوگ آپؐ کا اپنے بچوں سے زیادہ خیال رکھتے تھے چنانچہ جس وقت کھانے کا وقت ہوتا تو حضرت ابو طالب علیہ السلام اپنے بچوں سے فرماتے کہ: --ٹھہرو فرزند عزیز (حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے آنے کا انتظار کرو---[2]

چنانچہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت فاطمہ علیہا السلام بنت اسد کے بارے میں فرماتے ہیں: --وہ بالکل میری ماں کی طرح تھیں کیونکہ وہ اکثر اپنے بچوں کو تو بھوکا رکھتیں مگر مجھے اتنا کھانا دیتیں کہ شکم سیر ہو جاتا اور اپنے بچوں سے پہلے مجھے نہلاتی، دھلاتی اور سنوارتی تھیں---[3]

خدائی تربیت

امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بچپن کے بارے میں فرماتے ہیں کہ:

(لَقَدۡ قَرَنَ اللهُ بِهٖ مِنۡ لَدُنۡ اَنۡ كَانَ فَطِيماً اَعۡظَمَ مَلَكٍ: مِنۡ مَلَائِكَتِهٖ يَسۡلُكُ بِهٖ طَرِيقَ الۡمَكَارِمِ وَمَحَاسِنَ اَخۡلَاقِ الۡعَالَمِ لَيۡلَهٗ وَنَهَارَهٗ)[4]

--رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دودھ بڑھائی کے دن سے خداوند تعالیٰ نے سب سے بڑے فرشتے کو آپؐ کے ہمراہ کر دیا تاکہ دن رات عظمت و بزرگواری کی راہوں اور کائنات کے قابل قدر اوصاف کی جانب آپؐ کی راہنمائی کرتا رہے---

سوالات

1۔ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تیسرے جد امجد تک آپؐ کا شجرہ نسب بیان کیجئے۔

2۔ حضرت ہاشم علیہ السلام پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اجداد میں کون سی پشت تھے اور انہوں نے کیا خدمات انجام دیں؟

3۔ حضرت عبد المطلب علیہ السلام کی بنیاد رکھی ہوئی روایات بیان کیجئے۔

4۔ عام الفیل میں کونسا واقعہ رونما ہوا اور پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اجداد میں کون سے جد کی زندگی کے دوران پیش آیا؟

5۔ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والد کون تھے؟ ان کا کہاں اور کب انتقال ہوا؟

6۔ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت کب ہوئی اور اس وقت کیا واقعات رونما ہوئے؟

7۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا زمانہ شیر خوارگی کیسے گزرا؟

---

[1] سورہ ضحیٰ آیت 6۔

[2] مناقب ابن شہر آشوب ج1 ص36-37۔

[3] تاریخ یعقوبی ج2 ص14۔

[4] نہج البلاغہ خطبہ نمبر 192 قاصعہ (صبحی صالح صفحہ 300)۔

سبق 4:

رسالت کی جانب پہلا قدم

شام کی طرف پہلا سفر

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حضرت ابوطالب علیہ السلام کے گھر میں منتقل ہونے کے بعد آپؐ کی زندگی کے ایک نئے باب کا آغاز ہوا یہ باب لوگوں سے میل ملاپ اور مختلف قسم کے سفر اختیار کرنے سے شروع ہوا چنانچہ ان سفروں اور لوگوں سے ملاقاتوں کے ذریعے ہی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذاتی جوہر اس تاریک وسیاہ ماحول میں کھلا اور یہیں سے آپؐ کو معاشرے نے --امین قریش-- کہنا شروع کیا۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر بارہ سال تھی [۱] کہ آپؐ اپنے چچا حضرت ابوطالب کے ہمراہ (اس کاروان قریش کے ساتھ جو تجارت کے لئے ملک شام کی جانب جا رہا تھا) سفر پر روانہ ہوئے جس وقت یہ کارواں --بُصری-- [۲] پہنچا اور --بَحیرا-- نامی عیسائی راہب دانشور [۳] نے اس کارواں کے لوگوں سے ملاقات کی تو اس کی نظر رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر پڑی اس نے انجیل مقدس میں پیغمبر آخر الزماں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے متعلق جو علامات پڑھی تھیں وہ تمام علامات اور نشانیاں اسے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں نظر آئیں تو وہ آپؐ کو فوراً پہچان گیا چنانچہ اس نے حضرت ابوطالب علیہ السلام کو مستقبل میں آپؐ کے نبی ہونے کی خوشخبری دی اور اس کے ساتھ ہی اس نے یہ درخواست بھی کی کہ اس بچے کا خاص خیال رکھیں اس ضمن میں اس نے مزید کہا:

--ان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں جو کچھ میں جانتا ہوں اگر وہی باتیں یہودی بھی جان لیں تو وہ گزند پہنچائے بغیر نہ رہیں گے اس لئے بھلائی اسی میں ہے کہ انھیں جتنی جلدی ہو سکے واپس مکہ لے جایئے--۔

حضرت ابوطالب علیہ السلام نے اپنے کاروبار کے معاملات کو جلد از جلد نمٹایا اور مکہ واپس آ گئے اور پوری طرح اپنے بھتیجے کی حفاظت و نگرانی کرنے لگے [۴]۔

مستشرقین کی دروغ گوئی

راہب کی اس روایت کو اگر صحیح تسلیم کر بھی لیا جائے [۵] تو یہ تاریخ کا ایک معمولی سا واقعہ ہے۔لیکن بعض بدنیت مستشرقین نے

---

[۱] ۔پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کس سن میں سفر پر روانہ ہوئے اس کے بارے میں اختلاف ہے بعض نے سفر کے وقت آپؐ کی عمر نو سال کچھ مورخین نے بارہ اور تیرہ سال بھی لکھی ہے ملاحظہ ہو السیرۃ الحلبیہ ج 1 ص 117 و مروج الذہب ج 2 ص 275۔

[۲] یہ شہر دمشق کی سمت واقع ہے اور --حوران-- کا مرکز شمار کیا جاتا ہے۔(معجم البلدان ج 1 ص 441 و ج 2 ص 317)۔

[۳] ۔بعض مورخین نے اسے --تیمائی-- کا یہودی عالم لکھا ہے، ملاحظہ ہو السیرۃ الحلبیہ ج 1 ص 118

[۴] السیرۃ الحلبیہ ج 1 ص 119 و السیرۃ النبویہ ج 1 ص 193 و 194۔

[۵] ۔بعض مورخین اور صاحب نظر محققین نے ان شواہد و قرائن کی بنیاد پر جو اس روایت میں موجود ہیں اس کی صحت پر شک و تردید کا اظہار کیا ہے ان کی رائے میں یہ دشمنان اسلام کے ذہن کی اختراع ہے، ان نظریات کے بارے میں مزید اطلاع حاصل کرنے کیلئے ملاحظہ ہو الصحیح من السیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ج 1 ص 91 و 94 و تاریخ تحلیلی اسلام تالیف رسول محلاتی ج 1 ص 272۔

اسے دستاویز بنا کر اس بات کو ثابت کرنے کی بھر پور کوشش کی ہے اور ان کا اس پر اصرار ہے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی اس غیر معمولی ذہانت کی بنا پر اس سفر کے دوران بحیرا عیسائی سے بہت سی باتیں سیکھیں اور چونکہ حافظہ بہت ہی طاقتور تھا انہیں اپنے ذہن میں محفوظ رکھا اور اٹھائیس سال گزرنے کے بعد انہی تعلیمات کو اپنے دین و آئین کی بنیاد قرار دیا اور یہ کہہ کر لوگوں کے سامنے پیش کیا کہ یہ باتیں وحی کے ذریعے آپؐ پر نازل ہوئی ہیں لیکن پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سوانح حیات آپؐ کے دین و آئین کی الہامی خصوصیات نیز علمی و عقلی دلائل و براہین سے اس گمان کی نفی اور تردید ہوتی ہے ذیل میں ہم اس موضوع سے متعلق چند نکات بیان کریں گے:

1۔ عقل کی رو سے یہ بات بعید ہے کہ ایک بارہ سالہ نوجوان جس نے کبھی مکتب اور مدرسہ کی شکل تک نہ دیکھی ہو وہ چند گھنٹوں کی ملاقات میں تورات اور انجیل جیسی کتابوں کی تعلیمات سیکھ لے اور اٹھائیس سال بعد انہیں شریعت آسمانی (اسلام) کے نام سے پیش کرے

2۔ اگر پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بحیرا سے کچھ باتیں سیکھ لی ہوتیں تو وہ یقینا قریش کے درمیان پھیل گئی ہوتیں اور وہ لوگ جو کارواں کے ساتھ گئے تھے ضرور واپس آکر انہیں بیان کرتے اس کے علاوہ اس واقعے کے بعد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی قوم کے افراد سے یہ نہیں فرما سکتے تھے کہ میں امی ہوں۔

3۔ اگر تورات اور انجیل کا قرآن مجید سے موازنہ کیا جائے تو یہ بات واضح ہوجائے گی کہ قرآن کے مطالب اور مفاہیم ان دونوں کتابوں کے مطالب سے بہت مختلف ہیں۔

4۔ اگر عیسائی راہب کو اتنی زیادہ مذہبی و علمی معلومات حاصل تھیں تو وہ اپنے زمانے میں مشہور کیوں نہ ہوا اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علاوہ کسی دوسرے کو اپنا علم کیوں نہ سکھایا؟

شام کا دوسرا سفر

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صداقت، نجابت و شرافت، امانت داری اور اخلاق و کردار کی بلندی کا ہر شخص قائل تھا۔

حضرت خویلد کی دختر حضرت خدیجہ سلام اللہ علیہا بہت نیک سیرت اور شریف خاتون تھیں۔ انہیں اپنے والد سے بہت سا مال ورثے میں ملا تھا وہ بھی مکہ کے بہت سے مردوں اور عورتوں کی طرح اپنے مال کے ذریعے تجارت کرتی تھیں جس وقت انہوں نے امین قریش کے اوصاف سنے تو انہوں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے یہ تجویز رکھی کہ اگر آپ میرے سرمائے کے ذریعہ تجارت کرنے کیلئے ملک شام تشریف لے جائیں تو میں جتنا حصہ دوسروں کو دیتی ہوں اس سے زیادہ حصہ آپؐ کو دونگی۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے چچا حضرت ابوطالب علیہ السلام سے مشورہ کرنے کے بعد حضرت خدیجہ سلام اللہ علیہا کی تجویز کو قبول کرلیا اور آپؐ ان کے --میسرہ-- نامی غلام کے ہمراہ پچیس سال کی عمر میں مال تجارت لے کر ملک شام کی طرف روانہ ہوئے۔[1]

کاروان تجارت میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بابرکت وجود قریش کے تاجروں کے لئے نہایت ہی سودمند اور نفع بخش ثابت ہوا اور انہیں امید سے زیادہ منافع ملا نیز رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سب سے زیادہ نفع حاصل ہوا، سفر کے خاتمے پر --میسرہ-- نے سفر کی پوری روداد

---

[1] یعقوبی نے اپنی تاریخ (ج 2 ص 21) میں لکھا ہے کہ: --رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی زندگی میں کبھی اجرت پر کام نہیں کیا--، اس کے قول کو مدنظر رکھتے ہوئے یہاں یہ کہنا پڑے گا کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حضرت خدیجہ سلام اللہ علیہا کے ساتھ تجارت، شراکت کی بنیاد پر تھی اور انہوں نے اپنا مال بطور شریک تجارت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تحویل میں دیا تھا۔

حضرت خدیجہ سلام اللہ علیہا کو بتائی اور آپؐ کے فضائل اور اخلاقی اوصاف ومکارم نیز کرامات کو تفصیل سے بیان کیا۔[1]

حضرت خدیجہ سلام اللہ علیہا کے ساتھ شادی

حضرت خدیجہ سلام اللہ علیہا رشتے میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چچازاد بہن لگتی تھیں اور دونوں کا شجرہ نسب جناب قصی بن کلاب سے جاملتا تھا، حضرت خدیجہ سلام اللہ علیہا کی ولادت وپرورش اس خاندان میں ہوئی تھی جو دانا نسب کے اعتبار سے اصیل، ایثار پسند اور خانہ کعبہ کا حامی[2] و پاسدار تھا اور خود حضرت خدیجہ سلام اللہ علیہا اپنی عفت و پاکدامنی میں ایسی مشہور تھیں کہ دور جاہلیت میں بھی انہیں --طاہرہ-- اور --سیدہ قریش-- کے لقب سے یاد کیا جاتا تھا، ان کیلئے بہت سے رشتے آئے اگرچہ شادی کے خواہشمند مہر ادا کرنے کے لئے کثیر رقم دینے کیلئے تیار تھے مگر وہ کسی سے بھی شادی کرنے کیلئے آمادہ نہ ہوئیں۔ جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ملک شام کے تجارتی سفر سے واپس مکہ تشریف لائے تو حضرت خدیجہ سلام اللہ علیہا نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں قاصد بھیجا اور آپؐ سے شادی کی خواہش کا اظہار کیا۔[3]

حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس مسئلے کو حضرت ابوطالب علیہ السلام اور دیگر چچاؤں کے درمیان رکھا اور جب سب نے اس رشتے سے اتفاق کیا تو آپؐ نے حضرت خدیجہ سلام اللہ علیہا کے قاصد کو مثبت جواب دیا، رشتے کی منظوری کے بعد حضرت ابوطالب علیہ السلام اور دوسرے چچا حضرت حمزہ نیز حضرت خدیجہ سلام اللہ علیہا کے قرابت داروں کی موجودگی میں حضرت خدیجہ سلام اللہ علیہا کے گھر پر نکاح کی شایان شان تقریب منعقد ہوئی اور نکاح کا خطبہ دولہا اور دلہن کے چچاؤں --حضرت ابوطالب علیہ السلام-- اور --عمرو ابن اسد-- نے پڑھا۔

جس وقت یہ شادی ہوئی اس وقت مشہور قول کی بنا پر رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سن مبارک پچیس سال اور حضرت خدیجہ سلام اللہ علیہا کی عمر چالیس سال تھی۔[4]

حضرت خدیجہ سلام اللہ علیہا سے شادی کے محرکات

ہر چیز کو مادی نظر سے دیکھنے والے بعض لوگوں نے اس شادی کو بھی مادی پہلو سے ہی دیکھتے ہوئے یہ کہنا چاہا ہے:

--چونکہ حضرت خدیجہ سلام اللہ علیہا کو تجارتی امور کیلئے کسی مشہور ومعروف اور معتبر شخص کی ضرورت تھی اسی لئے انہوں نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شادی کا پیغام بھیجا، دوسری طرف پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یتیم ونادار تھے اور حضرت خدیجہ سلام اللہ علیہا کی شرافتمندانہ زندگی سے واقف تھے اسی لئے ان کی دولت حاصل کرنے کی غرض سے یہ رشتہ منظور کرلیا گیا حالانکہ سن کے اعتبار سے دونوں کی عمروں میں کافی فرق تھا--۔

جبکہ اس کے برعکس اگر تاریخ کے اوراق کا مطالعہ کیا جائے تو اس شادی کے محرکات میں بہت سے معنوی پہلو نظر آتے ہیں اس

---

[1] السیرۃ الحلبیہ ج1 ص132-135۔

[2] ۔مثال کے طور پر جب یمن کے بادشاہ تبع نے حجر اسود کو مکہ سے یمن لے جانے کا عزم کیا تو حضرت خدیجہ سلام اللہ علیہا کے والد خویلد نے اپنی سعی وکوشش سے تبع کو اس ارادے سے باز رکھا ملاحظہ ہو السیرۃ الحلبیہ ج1 ص138۔

[3] تاریخ کی بعض کتابوں میں آیا ہے کہ حضرت خدیجہ سلام اللہ علیہا نے براہ راست پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شادی کا پیغام بھیجا ملاحظہ ہو سیرہ ابن اسحاق ص60۔

[4] السیرۃ الحلبیہ ج1 ص137-139۔

سلسلے میں ہم یہاں پہلے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جانب سے اور بعد میں حضرت خدیجہ سلام اللہ علیہا کی جانب سے شادی کے اسباب اور محرکات کے بیان میں ذیل میں چند نکات بیان کریں گے:

1۔ ہمیں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ساری زندگی زہد وتقوی ومعنوی اقدار سے پر نظر آتی ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نظر میں دنیاوی مال ودولت اور جاہ وحشم کی کوئی قدر وقیمت نہ تھی، آپؐ نے حضرت خدیجہ سلام اللہ علیہا کی دولت کو کبھی بھی اپنے ذاتی آرام وآسائش کی خاطر استعمال نہیں کیا۔

2۔ اس شادی کی پیشکش حضرت خدیجہ سلام اللہ علیہا کی جانب سے کی گئی تھی نہ کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے۔

اب ہم یہاں حضرت خدیجہ سلام اللہ علیہا کی جانب سے اس شادی کے محرکات بیان کرتے ہیں:

1۔ چونکہ کہ وہ بذات خود عفیف و پاکدامن خاتون تھیں اس لئے انہیں ایسے شوہر کی تلاش تھی جو متقی اور پرہیزگار ہو۔

2۔ ملک شام سے واپس آنے کے بعد جب --میسرہ-- غلام نے سفر کے واقعات حضرت خدیجہ سلام اللہ علیہا کو بتائے تو ان کے دل میں --امین قریش-- کیلئے جذبہ محبت والفت بڑھ گیا البتہ اس محبت کا سرچشمہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذاتی کمالات اور اخلاقی فضائل تھے اور حضرت خدیجہ سلام اللہ علیہا کو ان ہی کمالات سے تعلق اور واسطہ تھا۔

3۔ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے شادی کرنے کے بعد حضرت خدیجہ سلام اللہ علیہا نے آپؐ کو کبھی سفر تجارت پر جانے کی ترغیب نہیں دلائی۔ اگر انہوں نے یہ شادی اپنے مال ودولت میں اضافہ کرنے کی غرض سے کی ہوتی تو وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ضرور کئی مرتبہ سفر پر روانہ کرتیں تاکہ بہت زیادہ مال ودولت جمع ہوسکے، بلکہ اس کے برعکس حضرت خدیجہ سلام اللہ علیہا نے اپنی دولت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حوالے کردی تھی تاکہ اسے آپؐ ضرورت مند لوگوں پر خرچ کریں۔

حضرت خدیجہ سلام اللہ علیہا نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے گفتگو کرتے ہوئے شادی کی درخواست کے اصل محرک کو اس طرح بیان کیا ہے: --اے میرے چچازاد بھائی چونکہ میں نے تمہیں ایک شریف، دیانتدار، خوش خلق اور راست گو انسان پایا اسی وجہ سے میں تمہاری جانب مائل ہوئی (اور شادی کے لئے پیغام بھیجا)--[1]

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے منہ بولے بیٹے

حضرت خدیجہ سلام اللہ علیہا سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شادی کے بعد یک مرتبہ حضرت خدیجہ سلام اللہ علیہا کے بھتیجے حکیم بن حزام ملک شام سے اپنے ساتھ کچھ غلام لے کر آئے جن میں ایک آٹھ سالہ لڑکا زید ابن حارثہ بھی تھا، جس وقت حضرت خدیجہ سلام اللہ علیہا اس سے ملنے کے لئے آئیں تو حکیم نے ان سے کہا کہ پھوپی جان آپ علیہا السلام ان غلاموں میں سے جسے بھی چن لیں وہ آپ ہی کا ہوگا[2] حضرت خدیجہ سلام اللہ علیہا نے زید کو چن لیا۔

جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زید کو حضرت خدیجہ سلام اللہ علیہا کے پاس دیکھا تو آپؐ نے یہ خواہش ظاہر کی کہ یہ غلام مجھے دے

---

[1] السیرۃ الحلبیہ ج1 ص271۔

[2] ۔حلبی نے لکھا ہے کہ حضرت خدیجہ سلام اللہ علیہا نے اپنے بھتیجے سے کہہ رکھا تھا کہ ایک اچھا سا عرب غلام خرید کر ان کے لئے لیتے آئیں (السیرۃ الحلبیہ ج1 ص 271)۔

دیا جائے، حضرت خدیجہ سلام اللہ علیہا نے اس غلام کو پیغمبر اکرم ﷺ کے حوالے کر دیا پیغمبر اکرم ﷺ نے اسے آزاد کر کے اپنا منہ بولا فرزند (متبنی) بنا لیا لیکن جب پیغمبر خدا ﷺ پر وحی نازل ہونا شروع ہوئی تو قرآن نے حکم دیا کہ انہیں لے پالک فرزند نہیں صرف فرزند کہا جائے۔

جب زید کے والد --حارثہ-- کو یہ معلوم ہوا کہ ان کا بیٹا شہر مکہ میں رسول خدا ﷺ کے گھر میں ہے تو وہ آنحضرت ﷺ کے پاس آیا اور کہا کہ ان کا بیٹا ان کو واپس دے دیا جائے اس پر آنحضرت ﷺ نے زید سے فرمایا:

--اگر چاہو تو ہمارے ساتھ رہو اور چاہو تو اپنے والد کے ساتھ واپس چلے جاؤ--۔مگر حضرت زید نے پیغمبر اکرم ﷺ کے پاس ہی رہنا پسند کیا، بعثت کے موقع پر حضرت علی علیہ السلام کے بعد وہ پہلے مرد تھے جو آنحضرت ﷺ پر ایمان لائے۔[۱]

رسول خدا ﷺ نے پاک دامن اور ایثار پسند خاتون --ام ایمن-- سے ان کا نکاح کر دیا جن سے --اسامہ-- کی ولادت ہوئی، اس کے بعد آپؐ نے اپنے چچا کی لڑکی --زینب بنت جحش-- سے ان کی شادی کر دی۔[۲]

حضرت علی علیہ السلام کی ولادت

شہر مکہ کے اس تاریخ ساز عہد میں جو اہم واقعات رونما ہوئے ان میں سے ایک حضرت علی علیہ السلام کی کعبہ میں ولادت باسعادت تھی، مورخین نے لکھا ہے کہ حضرت علی علیہ السلام کی پیدائش واقعہ عام الفیل کے تیس سال بعد ہوئی۔[۳] خانہ کعبہ میں امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کی پیدائش کا شمار آپؐ کے عظیم و ممتاز فضائل میں ہوتا ہے اس فضیلت کا نہ صرف شیعہ دانشوروں نے ذکر کیا ہے بلکہ اہل سنت کے محدثین و مورخین بھی اس کے معترف ہیں[۴]۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دامن میں تربیت

حضرت علی علیہ السلام نے بچپن اور شیر خوارگی کا زمانہ اپنے مہربان اور پاکدامن والدین حضرت ابوطالب علیہ السلام اور حضرت فاطمہ علیہا السلام کی آغوش اور گھر میں بسر کیا جہاں نور رسالت اور آفتاب نبوت تاباں تھا۔حضرت ابوطالب علیہ السلام کے اس نونہال پر حضرت محمد ﷺ کی شروع سے ہی خاص توجہ و عنایت رہی، رسول اکرم ﷺ چونکہ اکثر و بیشتر اپنے چچا کے گھر تشریف لے جایا کرتے تھے اسی لئے آپؐ نے حضرت علی علیہ السلام کے ساتھ محبت و مہربانی کے سلوک اور تربیت میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔

رسول خدا ﷺ نے اسی پر ہی اکتفا نہ کی بلکہ حضرت علی علیہ السلام نے اپنی عمر کی جب چھ بہاریں دیکھ لیں[۵] تو آپؐ انہیں ان کے

---

[۱] السیرۃ النبویہ ج1 ص264-265۔

[۲]۔یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ حضرت زینب نے کچھ عرصہ بعد زید سے طلاق لے لی تو پیغمبر اکرم ﷺ نے خدا کے حکم سے ان کے ساتھ نکاح کر لیا۔چنانچہ سورہ احزاب کی آیات 36-37-38 میں اس امر کی جانب اشارہ کیا گیا ہے۔

[۳] السیرۃ الحلبیہ ج1 ص139۔

[۴] علمائے اہل سنت کے نظریات اور اقوال جاننے کیلئے ملاحظہ ہو: کتاب (الغدیر) ج2 ص21-23۔

[۵] مناقب ابن شہر آشوب ج2 ص180 نیز بعض کتب میں ایک ضعیف قول لکھا ہے کہ اس وقت حضرت علی علیہ السلام کی عمر آٹھ سال تھی۔ملاحظہ ہو سیرۃ الائمہ اثناعشر ج1 ص155۔

والد کے گھر سے اپنے گھر لے آئے اور بذات خود ان علیہ السلام کی تربیت وسرپرستی فرمانے لگے۔[1]

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حضرت علی علیہ السلام سے وہ شغف تھا کہ آپؐ انہیں اپنے سے ہرگز جدا نہیں کرتے تھے چنانچہ جب کبھی آپؐ عبادت کے لئے مکہ سے باہر غار حرا میں تشریف لے جاتے حضرت علی علیہ السلام آپؐ کے ساتھ ہوتے۔[2]

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زیر سایہ حضرت علی علیہ السلام کی جو تربیت ہوئی اس کی اہمیت وقدر و قیمت کے بارے میں خود حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں:

(وَلَقَد عَلمتُم مَوضعی من رَسُوْل الله بالقَرَابَة القَریبَة وَالَمنزلَة الخَصیصَة وَضَعَنی فی حجره وَاَنَا وَلَدٌ یَضُمُّنیِ الی صَدره وَیَکنُفُنی فی فرَاشه وَیُمُسُّنیِ جَسَدَهُ وَیَشُمُّنیِ عَرفَهُ وَ کَانَ یَمضُغُ النَّبیُّ ثُمَّ یُلَقّینیِ ... وَلَقَد کُنتُ اَتَّبعَہٗ اتّبَاعَ الفَصیل اَثَرَاُمّه یرفَعُ لی کُلَّ یَوم: منْ اَخلَاقهُ عَلَماً وَیَامُرُنی بالاقتدَاء به)[3]

--یہ تو تم سب جانتے ہی ہو کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مجھ سے کیسی قربت تھی اور آپؐ کی نظروں میں میری کیا قدر ومنزلت تھی، اس وقت جب میں بچہ تھا آپؐ مجھے اپنی گود میں جگہ دیتے اور سینے سے لگاتے، مجھے اپنے بستر پر جگہ دیتے، میں آپ سے بغلگیر ہوتا اور آپؐ کے جسم مبارک کی عطر آگیں بو میرے مشام کو معطر کر دیتی، آپؐ نوالے چبا کر میرے منہ میں رکھتے... میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نقش قدم پر اس طرح چلتا جیسے شیر خوار بچہ اپنی ماں کی پیروی کرتا ہے، آپؐ ہر روز اپنے اخلاق کا نیا پرچم میرے سامنے لہراتے اور حکم فرماتے کہ میں بھی آپؐ کی پیروی کروں---

معبود حقیقی سے انس ومحبت

امین قریش نے اپنی زندگی کے تقریبا چالیس سال ان سختیوں اور محرومیوں کے باوجود جو ہمیشہ ان کے دامن گیر رہیں نہایت صداقت، شرافت، نجابت، کردار کی درستی اور پاکدامنی کے ساتھ گزارے آپؐ نے اس عرصے میں خدائے واحد کے علاوہ کسی کی پرستش نہیں کی اور انس عبادت اور معرفت خداوندی کو ہر چیز پر ترجیح دی چنانچہ یہی وجہ تھی کہ آپؐ ہر سال کچھ عرصہ جبل نور کے--غار حرا--میں تنہا رہ کر عبادت خداوندی میں گزارتے۔

---

[1] مورخین نے نقل مکانی کی یہ وجہ بتائی ہے کہ: ایک مرتبہ قریش سخت قحط سالی کا شکار ہو گئے، حضرت ابو طالب علیہ السلام چونکہ کثیر العیال تھے اس لئے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تجویز پر یہ طے ہوا کہ ان کے برادری کے لوگوں میں سے ہر ایک کسی ایک بچے کی پرورش ونگہداشت کی ذمہ داری قبول کرے اسی وجہ سے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی علیہ السلام کی پرورش اپنے ذمہ لی ملاحظہ ہو السیرۃ النبویہ ج1 ص262 وکامل ابن اثیر ج2 ص58۔ لیکن نقل مکانی کی یہ وجہ معقول نظر نہیں آتی بالخصوص اس حالت میں جب حضرت علی علیہ السلام کے سن مبارک کو نظر میں رکھا جائے۔ شاید اس قدر بڑھا کر بیان کرنے کا سبب یہ تھا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس عظیم کارنامے کو کم کر کے پیش کیا جائے البتہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ آپؐ نے قحط سالی کو بہانہ بنایا اور چونکہ اس بچے کے تابناک مستقبل سے آپؐ واقف تھے اسی لئے طے شدہ دستور العمل کے تحت آپؐ حضرت علی علیہ السلام کو اپنے گھر لے آئے، اس میں شک نہیں کہ حضرت علی علیہ السلام اپنے والد کے سب سے چھوٹے فرزند تھے اور اس وقت آپؐ کی عمر چھ سال سے زیادہ نہ تھی، چھ سال کے بچے کا خرچ اتنا نہیں ہوتا کہ باپ اسے برداشت نہ کر سکے اور باپ بھی کیسا جس کی اپنی برادری میں اعلی مرتبہ کی وجہ سے عزت تھی اور انہیں شیخ البطحہ کہا جاتا تھا۔

[2] تاریخ طبری ج2 ص213 وشرح ابن حدید ج3 ص119۔۳

[3] نہج البلاغہ خطبہ قاصعہ (192)۔ اس خطبے میں امام کے الفاظ اس بات کو بیان کر رہے ہیں کہ آپ علیہ السلام پر شیر خوارگی کے زمانہ سے ہی پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی توجہ مرکوز تھی اور ان کی زیر تربیت تھے کیونکہ لقمہ چبانا اور منہ میں رکھنا بچے ہی سے متعلق ہے۔

جناب امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام اس بارے میں فرماتے ہیں:

(وَلَقَدْ كَانَ يُجَاوِرُ فِي كُلِّ سَنَةٍ: بِحِرَاءَ فَأَرَاهُ وَلَا يَرَاهُ غَيْرِي)[1]

--رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر سال کچھ عرصے کیلئے حرا میں قیام فرماتے اس وقت میں ہی انہیں دیکھتا میرے علاوہ انہیں کوئی نہیں دیکھتا تھا--۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آباء و اجداد بھی سب ہی توحید پرست تھے اور سب ان آلودگیوں سے دور تھے جن میں لوگوں کی اکثریت ڈوبی ہوئی تھی۔

اس بارے میں حضرت علامہ مجلسی فرماتے ہیں:

شیعہ امامیہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والدین اور آباء و اجداد مسلمان ہی نہیں بلکہ سب صدیقین میں سے تھے وہ یا تو نبی مرسل تھے یا معصوم اوصیا، ان میں سے بعض تقیہ کی وجہ سے یا مذہبی مصلحتوں کی بنا پر دین اسلام کو ظاہر نہیں کرتے تھے۔[2]

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

(لَمْ أَزَلْ أُنْقَلُ مِنْ أَصْلَابِ الطَّاهِرِينَ إِلَى أَرْحَامِ الْمُطَهَّرَاتِ)[3]

--میں مسلسل پاک شخصیات کے صلب سے پاکیزہ خواتین کے رحم میں منتقل ہوتا رہا--۔

سوالات

1۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ملک شام کا پہلا سفر کب کیا اور وہاں کیا واقعہ پیش آیا؟

2۔ بحیرا نے حضرت ابوطالب علیہ السلام کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں کیا ہدایت کی تھیں؟

3۔ مستشرقین نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بحیرا سے ملاقات کو کس پیرائے میں پیش کیا ان کی بے دلیل تاویلات کے بارے میں مختصر طور پر اظہار خیال کیجئے؟

4۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ملک شام کا دوسرا سفر کس وجہ سے کیا اور اس سفر سے آپ کو کیا نتیجہ حاصل ہوا؟

5۔ حضرت خدیجہ سلام اللہ علیہا کی رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے شادی کس سال ہوئی، حضرت خدیجہ سلام اللہ علیہا نے اس شادی کی پیشکش کس وجہ سے کی خود ان کے اقوال کی روشنی میں سوال کا جواب دیجئے؟

6۔ حضرت زید اپنے والد کے ہمراہ کیوں نہ گئے اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ کس وجہ سے رہنا پسند کیا؟

7۔ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کس طرح حضرت علی علیہ السلام کی تربیت فرمائی حضرت علی علیہ السلام کے اقوال کی روشنی میں جواب دیجئے؟

8۔ نزول وحی سے قبل پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کیا دین و مسلک تھا؟

---

[1] نہج البلاغہ خطبہ قاصعہ (192)۔

[2] بحار الانوار ج15 ص117۔

[3] ایضا ص118۔

سبق5:

مکہ میں اسلام کی تبلیغ اور قریش کا ردعمل

بعثت (نزول وحی)

خداوند تعالیٰ کی عبادت و پرستش میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو چالیس سال گزر چکے تھے۔ایک مرتبہ جب آپؐ غار حرا میں اپنے معبود حقیقی سے راز و نیاز اور عبادت میں مصروف تھے اس وقت آپؐ رسالت پر مبعوث ہوئے، حضرت جبرئیل امین علیہ السلام آپؐ کے پاس آئے اور اولین آیات الٰہی کی تلاوت کی:

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اِقۡرَاۡ بِاسۡمِ رَبِّكَ الَّذِیۡ خَلَقَ خَلَقَ الۡاِنۡسَانَ مِنۡ عَلَقٍ ۚ اِقۡرَاۡ وَرَبُّكَ الۡاَكۡرَمُ الَّذِیۡ عَلَّمَ بِالۡقَلَمِ عَلَّمَ الۡاِنۡسَانَ مَا لَمۡ یَعۡلَمۡ۔[1]

--اپنے پروردگار کا نام لے کر پڑھو کہ جس نے انسان کو جمے ہوئے خون سے پیدا کیا۔ پڑھو کہ تمہارا پروردگار بڑا کریم ہے، جس نے قلم کے ذریعہ تعلیم دی ہے اور انسان کو وہ سب کچھ سکھا دیا جو وہ نہیں جانتا تھا---رسول اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب یہ آیت مبارکہ سنی اور خداوند تعالیٰ کی جانب سے پیغمبری کی خوشخبری ملی نیز آپؐ نے مقام کبریائی کی عظمت وشان کا مشاہدہ کیا تو اس نعمت عظمیٰ کو حاصل کرنے کے بعد آپؐ نے اپنے وجود مبارک میں مسرت وشادمانی محسوس کی چنانچہ آپؐ غار سے باہر تشریف لائے اور حضرت خدیجہ سلام اللہ علیہا کے گھر کی جانب روانہ ہوگئے۔[2]

راستے میں جتنی پہاڑیاں اور چٹانیں تھیں وہ سب کی سب قدرت حق سے گویا ہوگئی تھیں اور پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ادب واحترام بجالاتے ہوئے--اَلسَّلَامُ عَلَیکَ یَا نَبِیَّ اللہ--کہہ کر آپؐ سے مخاطب ہوہی تھیں۔[3]

شیعہ محدثین اور مورخین کے مشہور نظریے کی رو سے واقعہ--عام الفیل--کے چالیس سال گزر جانے کے بعد 27 رجب پیر کے دن رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مبعوث بہ رسالت ہوئے[4]۔

سب سے پہلے اسلام لانے والے

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غار حرا سے گھر تشریف لے گئے اور آپؐ نے نبوت کا اعلان کردیا، سب سے پہلے آپؐ کے چچازاد بھائی حضرت علی علیہ السلام نے آپؐ کی تصدیق کی اور عورتوں میں سب سے پہلے آپؐ کی زوجہ مطہرہ حضرت خدیجہ سلام اللہ علیہا تھیں جنہوں نے آپؐ کے

---

[1] سورہ علق آیت 1 سے 5 تک۔

[2] الصحیح من السیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ج 1 ص 233۔اس کتاب کا اردو ترجمہ بھی مترجم کے قلم سے منظر عام پر آرہا ہے۔

[3] مناقب ابن شہرآشوب ج 1 ص 46، بحارالانوار ج 18 صفحہ 196 وتفسیر برہان ج 4 صفحہ 479۔

[4] ملاحظہ ہو: بحارالانوار 18، ص 189، ص 190، ص 240۔

پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہونے کی تصدیق کی، اہل سنت کے اکثر و بیشتر مورخین بھی اس بات سے متفق ہیں۔[1]

اس سلسلے میں چند روایات ملاحظہ ہوں:

1۔ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

(هذَا اَوَّلُ مَنۡ آمَنَ بِی وَصَدَّقَنی وَصَلّٰی مَعِی)[2]

یہ (علی علیہ السلام) وہ پہلا شخص تھا جو مجھ پر ایمان لایا، میری تصدیق کی اور میرے ساتھ نماز ادا کی۔

2۔ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

اَوَّلُكُم وَارِداً عَلَیَّ الحَوضَ وَاَوَّلُكُم اِسلَاماً، عَلِیُّ ابنُ اَبِی طَالِب:[3]

تم میں سب سے پہلے حوض کوثر کے کنارے مجھ سے ملاقات کرنے والا تم میں سابق الاسلام علی ابن ابی طالب علیہ السلام ہے۔

3۔ حضرت علی علیہ السلام

اَللّٰهُمَّ اِنّی اَوَّلُ مَنۡ اَنَابَ وَسَمِعَ وَاَجَابَ، لَمۡ یَسۡبَقۡنی اِلّا رَسُوۡلُ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیۡهِ وَآله[4]

بارالہا میں وہ پہلا شخص ہوں جو دین کی طرف آیا، اسے سنا اور قبول کیا، پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علاوہ کسی شخص نے نماز میں مجھ سے سبقت حاصل نہیں کی۔

دعوت کا آغاز

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غار حرا سے نکل کر جب گھر میں داخل ہوئے تو آپؐ نے بستر پر آرام فرمایا، ابھی آپؐ اسلام کے مستقبل اور تبلیغ دین کی کیفیت کے بارے میں سوچ ہی رہے تھے کہ سورہ مدثر نازل ہوا[5] اور اللہ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اٹھ کھڑے ہونے اور ڈرانے (تبلیغ دین کرنے) پر مامور کیا چنانچہ اس طرح پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعوت حق کا آغاز کیا، اس دعوت کے تین مرحلے تھے، خفیہ دعوت رشتہ داروں کو دعوت اور عام لوگوں کو دعوت۔

الف۔ خفیہ دعوت

دعوت حق کے اس مرحلے کی مدت مورخین نے تین سے پانچ سال لکھی ہے۔[6] مشرکین کی سازش سے محفوظ رہنے کیلئے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم ملا کہ عوام پر توجہ دینے کی بجائے لوگوں کو فرداً فرداً دعوت حق کیلئے تیار کریں اور پوشیدہ طور پر باصلاحیت لوگوں سے

---

[1] اہلسنت کے مورخین کی مزید رائے جاننے کیلئے ملاحظہ ہو الغدیر ج 3 ص 224-236 بعض مورخین نے لکھا ہے کہ حضرت خدیجہ سلام اللہ علیہا وہ پہلی خاتون تھیں جو دین اسلام سے مشرف ہوئیں (ملاحظہ ہو السیرۃ النبویہ وسیرہ ابن ہشام ج 1 ص 257 والسیرۃ الحلبیہ ج 1 ص 267) البتہ دونوں نظریات کو اکٹھا کرتے ہوئے یہ کہا جا سکتا ہے کہ حضرت خدیجہ سلام اللہ علیہا اسلام قبول کرنے والی پہلی خاتون ہیں نہ یہ کہ وہ سب افراد سے پیشقدم ہوں۔

[2] شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج 13 ص 220۔

[3] المستدرک حاکم نیشاپوری ج 3 ص 136۔

[4] نہج البلاغہ، فیض الاسلام خطبہ 131۔

[5] اس سورہ کے شروع میں آیا ہے۔۔یا اَیُّھَا المُدَّثِّرُ۔ قُمۡ فَاَنذِر (اے اوڑھ لپیٹنے والے اٹھو اور لوگوں کو ڈراؤ)۔

[6] ملاحظہ ہو الصحیح من سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ج 1 ص 259 والسیرۃ الحلبیہ ج 1 ص 283۔

ملاقات کرکے ان کے سامنے اللہ کا دین پیش کریں چنانچہ آپؐ کی جدو جہد سے چند لوگ اسلام لے آئے مگر ان کی ہمیشہ یہی کوشش رہی کہ اپنے دین کو مشرکین سے پوشیدہ رکھیں اور فرائض عبادت لوگوں کی نظروں سے دور رہ کر انجام دیں۔

جب مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ ہوا اور تعداد تیس تک پہنچ گئی تو رسول خدا ﷺ نے --ارقم-- نامی مسلمان صحابی کے گھر کو، جو صفا کے دامن میں واقع تھا، تبلیغ اسلام اور عبادت خداوند تعالیٰ کا مرکز قرار دیا، آپؐ اس گھر میں ایک ماہ تک تشریف فرما رہے یہاں تک کہ مسلمانوں کی تعداد چالیس افراد تک پہنچ گئی[1]۔

قریش کا ردعمل

اگر چہ قریش کو کم وبیش علم تھا کہ رسول خدا ﷺ کی پوشیدہ طور پر دعوت دین حق جاری ہے لیکن انہیں اس تحریک کی گہرائی سے واقفیت نہ تھی اور اس طرف سے کوئی خطرہ محسوس نہیں کرتے تھے اس لئے انہوں نے اس جانب کوئی توجہ نہ کی اور اس پر کسی بھی ردعمل کا اظہار نہیں کرتے تھے مگر اس کے ساتھ ہی وہ اپنے گردوپیش کے ماحول سے بھی بے خبر نہ تھے چنانچہ وہ ان واقعات کی کیفیت ایک دوسرے سے بیان کرتے رہتے تھے، رسول خدا ﷺ نے اس سنہری موقعہ سے نہایت فائدہ اٹھایا اور اس عرصے میں آپؐ نے جماعت حق --حزب اللہ-- کی داغ بیل ڈال دی۔

ب۔ اعزاء واقرباء کو دعوت

دعوت کا یہ مرحلہ اس آیت مبارکہ کے نزول کے ساتھ شروع ہوا:

وَأَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ[2]

اپنے رشتہ داروں کو عذاب الٰہی سے ڈراؤ۔

پیغمبر اکرم ﷺ نے حضرت علی علیہ السلام کو کھانے کا انتظام کرنے پر مامور کیا اور آنحضرت ﷺ نے اپنے عزیز واقارب کو کھانے پر بلایا تاکہ خداوند تعالیٰ کا پیغام ان تک پہنچا دیں۔

تقریباً چالیس یا پینتالیس آدمی آپؐ کے دسترخوان پر جمع ہوئے۔[3] رسول خدا ﷺ ابھی لوگوں سے گفتگو کرنا ہی چاہتے تھے کہ ابولہب نے غیر متعلقہ باتیں شروع کر دیں اور آپؐ پر سحر وجادوگری کا الزام لگا کر محفل کو ایسا درہم برہم کیا کہ اس میں اصل مسئلے کو پیش نہ کیا جا سکا۔

اگلے روز آپؐ نے دوبارہ لوگوں کو کھانے پر مدعو کیا جب لوگ کھانے سے فارغ ہو گئے تو رسول خدا ﷺ اپنی جگہ سے اٹھے اور تقریر کے دوران فرمایا کہ:

--اے عبدالمطلب کے بیٹو خدا کی قسم مجھے قوم عرب میں ایک بھی ایسا جوان نظر نہیں آتا جو اپنی قوم کے لئے اس سے بہتر چیز لے کر آیا ہو جسے میں اپنی قوم کے لئے لے کر آیا ہوں، میں تمہارے لئے دنیا اور آخرت کی خیر (بھلائی) لے کر آیا ہوں، خداوند تعالیٰ نے

[1] ملاحظہ ہو: سیرہ حلبیہ ج1 ص283 والاصابہ ج1 ص28۔

[2] سورہ شعرا آیت 214۔

[3] السیرۃ الحلبیہ ج1 ص285۔

مجھے اس کام پر مامور کیا ہے کہ میں تمہیں اس کی طرف دعوت دوں، تم میں سے کون ایسا شخص ہے جو میری اس کام میں مدد کرے تا کہ وہ تمہارے درمیان میرا بھائی، وصی اور جانشین بن سکے؟ آخری الفاظ کچھ اس طرح ہیں:

(فَاَیُّکُم یُوَازِرُنی عَلی هذَا الاَمرِ عَلی اَن یَکُونَ اَخی وَوَصِیّی وَ خَلیفَتی؟)

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تین مرتبہ اپنی بات دہرائی اور ہر مرتبہ حضرت علی علیہ السلام ہی اپنی جگہ سے اٹھ کر کھڑے ہوئے اور اعلان کیا کہ میں آپؐ کی مدد اور حمایت کروں گا، اس پر رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

(انَّ هٰذا اَخی وَوَصِیّی وَ خَلیفَتی فیکُم فَاسمَعُوا لَهُ وَاَطیعُوه)[۱]

یہ علی علیہ السلام تمہارے درمیان میرے بھائی، وصی اور خلیفہ ہیں ان کی بات سنو اور اطاعت کرو۔

اس نشست میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو تقریر کی اس سے مسئلہ --امامت-- کی اہمیت واضح ہوجاتی ہے اور یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اصل --نبوت-- کو --امامت-- سے جدا نہیں کیا جاسکتا۔

پہلے عزیز و اقارب ہی کیوں؟

مندرجہ بالا سوال کے جواب میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ عمومی دعوت سے قبل عقل ودانش کی رو سے عزیز و اقارب کو ہی دعوت دی جانی چاہئے کیونکہ حقیقت یہ ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ اقدام انتہائی حساس مرحلے اور خطرناک حالات میں، دعوت حق کی بنیادوں کو استوار کرنے کا بہترین ذریعہ تھا کیونکہ:

1۔ عزیز و اقارب کو اپنی جانب مائل کر کے ہی پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دشمنان اسلام کے خلاف طاقتور دفاعی محاذ قائم کر سکتے تھے، اس کے علاوہ کچھ اور نہیں تو کم از کم اتنا فائدہ تو تھا ہی کہ اگر ان کے دل آپؐ کے دین کی طرف مائل نہ بھی تو بھی رشتہ داری اور قرابت کے تقاضوں کے مطابق وہ لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تحفظ و دفاع کیلئے اٹھ کھڑے ہوں۔

2۔ اس کام سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی داخلی تشکیلات میں موجود خوبیوں، خامیوں اور کمزوریوں کا خوب اندازہ لگالیا، آپؐ مخالف اور ہٹ دھرم قوتوں سے خوب واقف ہو گئے۔

ج۔ عام دعوت حق

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعوت کے تیسرے مرحلے میں اپنی تبلیغ کو وسعت دی اور پہلی محدودیت کو ختم کر دیا ارشاد خداوندی ہوا:

فَاصدَع بِمَا تُؤمَرُ وَاَعرِض عَنِ الْمُشْرِكِينَ اِنَّا كَفَيْنٰكَ الْمُسْتَهْزِءِينَ[۲]

--پس اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جس چیز کا حکم دیا جارہا ہے اسے آشکارا بیان کرو اور شرک کرنے والوں کی ذرا برابر پروا نہ کرو، (تمہاری طرف سے) ہم ان مذاق اڑانے والوں کی خبر لینے کیلئے کافی ہیں--

ان آیات کے نزول کے بعد آپؐ سب لوگوں کو دین اسلام قبول کرنے کی دعوت دینے پر مامور ہوئے، چنانچہ اس مقصد کی خاطر آپؐ کوہ صفا پر تشریف لے گئے اور اس جم غفیر کے سامنے جو اس وقت وہاں موجود تھا آپؐ نے اس تمہید کے ساتھ تقریر شروع کی:

---

[۱] ملاحظہ ہو تاریخ طبری ج 2 ص 320-321 مجمع البیان ج 2 ص 187 والغدیر ج 2 ص 279۔

[۲] سورہ حجر آیہ 94-95۔

--اگر میں یہ کہوں کہ اس پہاڑ کے پیچھے تمہاری گھات میں دشمن بیٹھا ہوا ہے اور تمہارے لئے اس کا وجود سخت خطرے کا باعث ہے تو کیا تم میری بات کا یقین کرو گے؟--سب نے یک زبان ہو کر کہا کہ ہاں ہم آپؐ کی بات کا یقین کریں گے کیونکہ ہم نے آپؐ کی زبان سے اب تک کوئی جھوٹی بات نہیں سنی ہے، یہ سننے کے بعد آپؐ نے فرمایا:

فَاِنِّیْ نَذِیْرٌ لَّکُمْ بَیْنَ یَدَیْ عَذَابٍ شَدِیْدٍ ۴۶

اب (جب کہ تم نے میری راست گوئی کی تصدیق کر دی ہے تو) میں تمہیں بہت ہی سخت عذاب سے آگاہ و خبردار کر رہا ہوں۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ بات سن کر ابولہب بول اٹھا اور کہنے لگا:

--تمہارا برا ہو کیا تم نے یہی بات کہنے کیلئے ہمیں یہاں جمع کیا تھا--۔

خداوند تعالیٰ نے اس گستاخ کی تنبیہ کرنے اور اس کا معاندانہ چہرہ برملا کرنے کی خاطر یہ سورت[1] نازل فرمائی[2]

بسم اللہ الرحمن الرحیم تَبَّتْ یَدَآ اَبِیْ لَھَبٍ وَّتَبَّ مَآ اَغْنٰی عَنْہُ مَالُہٗ وَمَا کَسَبَ سَیَصْلٰی نَارًا ذَاتَ لَھَبٍ وَّامْرَاَتُہٗ حَمَّالَۃَ الْحَطَبِ فِیْ جِیْدِھَا حَبْلٌ مِّنْ مَّسَدٍ

--ابولہب کے ہاتھ ٹوٹ جائیں نہ اس کا مال اس کے کام آیا اور نہ کمایا ہوا، عنقریب اُسے آگ میں ڈالا جائے گا اور اس کی بیوی لکڑی ڈھونے والی کو، جس کے گلے میں بٹی ہوئی رسی ہے--

قریش کا ردعمل

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کی خبر جیسے ہی مکہ میں پھیلی اُسی وقت سے ہی قریش کے اعتراضات شروع ہو گئے، جب انہوں نے محسوس کیا کہ یہ مسئلہ سنگین صورت اختیار کر گیا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تحریک ان کے خس و خاشاک جیسے دینی عقائد اور مادی مفادات کیلئے خطرہ ہے تو انہوں نے آپؐ کے آسمانی دین (اسلام) کے خلاف محاذ بنا لیا اور آپؐ کی مخالفت پر کمربستہ ہو گئے یہاں ہم ان کی بعض ناکام کوششوں کا ذکر کرتے ہیں:

الف۔ مذاکرہ

مشرکین قریش کی شروع میں تو یہی کوشش رہی کہ وہ حضرت ابوطالب علیہ السلام اور بنی ہاشم کے مقابلے پر نہ آئیں بلکہ انہیں مجبور کریں کہ وہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حمایت و پشت پناہی کے اپنے موقف سے دستبردار ہو جائیں تاکہ وہ آسانی سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سرکوبی کر سکیں۔

اس مقصد کے حصول کیلئے انہوں نے پہلے تو یہ کوشش کی کہ حضرت ابوطالب علیہ السلام کو یہ کہنے پر مجبور کر دیں کہ ان کے بھتیجے کی تحریک نہ صرف ان (مشرکین قریش) کیلئے مضر ہے بلکہ قوم و برادری میں حضرت ابوطالب علیہ السلام کو جو عزت و حیثیت حاصل ہے اس کیلئے بھی خطرہ پیدا ہو گیا۔

مشرکین قریش نے خوبرو، تنومند اور وجیہہ جوان شاعر عمارۃ بن ولید بن مغیرہ کو حضرت ابوطالب علیہ السلام کی فرزندی میں دینے کی

---

[1] اللھب جسے سورہ تبت کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔

[2] ملاحظہ ہو تاریخ طبری ج 2 ص 319۔

کوشش کی تاوہ کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حمایت سے دست بردار ہوجائیں اور آپ گوان کے حوالے کردیں۔[۱]

حضرت ابوطالب علیہ السلام نے ان کی ہر بات کا منفی جواب دیا اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حمایت سے دست بردار ہونے سے کسی بھی قیمت پر آمادہ نہ ہوئے۔

ب۔ لالچ

سرداران قریش جب پہلے مرحلے میں شکست و ناکامی سے دوچار ہوئے تو انہوں نے فیصلہ کیا کہ چراغ نبوت کو خاموش کرنے کیلئے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مال و دولت کا لالچ دیا جائے چنانچہ اس مقصد کے تحت پہلے وہ حضرت ابوطالب علیہ السلام کے پاس پہنچے اور یہ شکوہ و شکایت کرتے ہوئے کہ ان کے بھتیجے (حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ان کے بتوں کے خلاف جو رویہ اختیار کیا ہے وہ سخت نازیبا ہے، یہ پیشکش کی کہ اگر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے بتوں کی مخالفت سے دستبردار ہوجائیں تو ہم انہیں دولت سے مالامال کردیں گے، ان کی اس پیشکش کے بارے میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب دیا:

خداوند تعالیٰ نے مجھے دنیا پرستی اور زراندوزی کیلئے انتخاب نہیں کیا ہے بلکہ مجھے منتخب کیا گیا ہے کہ لوگوں کو اللہ کی جانب آنے کی دعوت دوں اور اس مقصد کیلئے ان کی رہنمائی کروں۔[۲]

یہ بات آپ نے دوسری جگہ ان الفاظ میں بیان فرمائی:

--چچا جان خدا کی قسم اگر سورج کو میرے دائیں ہاتھ میں اور چاند کو بائیں ہاتھ میں رکھ دیں تو بھی میں رسالت الٰہی سے دست بردار ہونے والا نہیں، اس تحریک خداوندی کو فروغ دینے کیلئے میں جان کی بازی تو لگا سکتا ہوں مگر اس سے دستبردار ہونے کیلئے تیار نہیں --۔[۳]

سرداران قریش نے اگلے مرحلے پر یہ فیصلہ کیا کہ وہ براہ راست پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے گفتگو کریں چنانچہ اس مقصد کے تحت انہوں نے اپنا نمائندہ آپ کی خدمت میں روانہ کیا اور آپ گو اپنی محفل میں آنے کی دعوت دی جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان لوگوں میں پہنچ گئے تو کفار قریش نے آپ کے رویے کے خلاف شکایت کرتے ہوئے کہا کہ اگر آپ گو مال و دولت کی تمنا ہے تو ہم اتنا وافر مال و متاع دینے کے لئے تیار ہیں کہ آپ سب سے زیادہ مالدار ہوجائیں گے، اگر آپ گو سرداری کی خواہش ہے تو ہم آپ گو اپنا امیر و سردار بنانے کیلئے تیار ہیں اور ایسے مطیع فرمانبردار بن کر رہے ہیں کہ آپ کی اجازت کے بغیر کوئی کام بھی نہ کریں گے اور اگر آپ کے دل میں حکومت اور سلطنت کی آرزو ہے تو ہم آپ گو اپنا حکمران و فرمانروا تسلیم کرنے کیلئے آمادہ ہیں۔

یہ سن کر رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

میں مال و دولت جمع کرنے، تمہارا سردار بننے اور تخت سلطنت پر پہنچنے کیلئے مبعوث نہیں ہوا ہوں، خداوند تعالیٰ نے مجھے تمہاری جانب ایک پیغمبر کی حیثیت سے بھیجا ہے اور مجھ پر اپنی کتاب نازل فرمائی ہے مجھے تمہارے پاس جنت کی خوشخبری دینے اور عذاب دوزخ

---

[۱] السیرۃ النبویہ ج1 ص285۔

[۲] تاریخ یعقوبی ج2 ص24۔

[۳] السیرۃ النبویہ ابن ہشام ج1 ص285 و تاریخ طبری ج2 ص326۔

سے ڈرانے کیلئے بھیجا گیا ہے جس پیغام کو پہنچانے کی ذمہ داری مجھے سونپی گئی ہے اسے میں نے تم تک پہنچا دیا ہے، اگر تم میری بات مانو گے تو تمہیں دنیا و آخرت کی خوشیاں نصیب ہوں گی اور اگر تم میری بات قبول کرنے سے انکار کرو گے تو میں اس راہ میں اس وقت تک استقامت و پائیداری سے کام لوں گا کہ خداوند تعالیٰ میرے اور تمہارے درمیان فیصلہ کر دے۔[1]

ج۔ تہمت و افترا پردازی

پیغمبر اکرم ﷺ کی عالی شان شخصیت کو داغدار کرنے کیلئے قریش نے جو پست طریقے اختیار کئے ان میں سے ایک احمقانہ حربہ یہ بھی تھا کہ انہوں نے آپؐ پر تہمتیں لگائیں اور آپؐ کے خلاف غلط پروپیگنڈا کیا۔ چنانچہ آپؐ کو (نعوذ باللہ) جھوٹا، کاہن، اور ساحر و جادوگر قرار دیا گیا۔ وہ لوگوں میں کہتے پھرتے تھے کہ اس شخص کے پاس کوئی ایسا جادو ہے کہ جس کے ذریعے یہ شخص باپ، بیٹے، میاں بیوی، دوستوں اور رشتہ داروں کے درمیان جدائی ڈال دیتا ہے۔[2]

قرآن مجید نے ان تہمتوں کے بارے میں کئی جگہ پر اشارہ کیا ہے اور پیغمبر اکرم ﷺ کی بابرکت و مقدس ذات گرامی کو اس قسم کے الزامات سے منزہ و مبرہ قرار دیا ہے۔[3] چنانچہ ایک آیت میں پیغمبر اکرم ﷺ کی یہ کہہ کر دلجوئی کی ہے کہ یہ پست شیوہ صرف ان کفار کی خصوصیت نہیں بلکہ ان سے پہلے بھی دشمنان انبیاء اسی قسم کے حربے استعمال کر چکے ہیں۔

كَذٰلِكَ مَآ اَتَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا قَالُوْا سَاحِرٌ اَوْ مَجْنُوْنٌ اَتَوَاصَوْا بِهٖ ۚ بَلْ هُمْ قَوْمٌ طَاغُوْنَ[4]

--اے رسول (ﷺ جس طرح انہوں نے تجھے اذیت دی اسی طرح) ان سے پہلے کی قوموں کے پاس بھی کوئی رسول ایسا نہیں آیا جسے انہوں نے ساحر یا مجنون، نہ کہا ہو کیا ان سب نے آپس میں اس پر کوئی سمجھوتہ کر لیا ہے؟ نہیں بلکہ یہ سرکش لوگ ہیں---

د۔ شکنجہ و ایذا رسانی

آپ پر الزامات کی بوچھاڑ کے ساتھ ساتھ، انہوں نے آپؐ کو اذیت و آزار دینا بھی شروع کر دیا اور جس حد تک ممکن تھا انہوں نے اذیت دینے میں کوئی کسر نہ چھوڑی، قریش نے یہ غیر انسانی طرز عمل نہ صرف پیغمبر اکرم ﷺ کے ساتھ روا رکھا ہوا تھا بلکہ وہ مسلمانوں کے ساتھ بھی اسی طرح کا سلوک کرتے تھے۔

پیغمبر اکرم ﷺ کو ابولہب اس کی بیوی ام جمیل حکم ابن ابی العاص عقبہ ابن ابی معیط اور ان کے ساتھیوں نے دوسروں کے مقابلے میں بہت زیادہ ایذا و تکلیف پہنچائی۔[5]

رسول خدا ﷺ تبلیغ اسلام کے لئے بازار --عکاظ-- کی جانب تشریف لے جاتے تھے کہ ابولہب بھی آپؐ کے پیچھے پیچھے

---

[1] تاریخ طبری ج2 ص315-316۔

[2] السیرۃ النبویہ ج1 ص289۔

[3] بطور مثال ملاحظہ ہو سورہ ص آیت 4 و سورہ شعرا آیت 153 و سورہ قلم آیت 2-51 و سورہ تکویر آیت 22۔

[4] سورہ الذاریات آیت 52-53۔

[5] السیرۃ النبویہ ج1 ص24۔

ہو لیتا اور چلا چلا کر کہنے لگتا: لوگو میرا یہ بھتیجا جھوٹا ہے اس سے بچ کر رہنا۔[1]

قریش آوارہ لڑکوں اور اپنے اوباش اور بے ادب غلاموں کو پیغمبر اکرمﷺ کے راستے پر بٹھا دیتے چنانچہ جب آنحضرتﷺ اس راستے سے گزرتے تو سب آپؐ کے پیچھے لگ جاتے اور آپؐ کا مذاق اڑاتے۔ جس وقت آپؐ نماز کیلئے کھڑے ہوتے تو آپؐ پر اونٹ کی اوجھڑی اور فضلہ انڈیل دیتے۔[2]

رسول اکرمﷺ نے دشمن کے ہاتھوں ایسی سختیاں برداشت کیں کہ آپؐ کو یہ فرمانا پڑا:

مَا اُوذِیَ اَحَدٌ مثلُ مَا اُوذیتُ فی اللہ[3]

--راہ خدا میں کسی بھی پیغمبر پر اتنی سختیاں نہیں ہوئیں جتنی مجھ پر---

اصحاب رسولﷺ کے بارے میں بھی انہوں نے یہ فیصلہ کیا کہ ہر قبیلہ کو چاہئے کہ اپنے تازہ مسلمان ہونے والے افراد کو ہر طرح کی ایذا و تکلیف پہنچائیں تاکہ وہ مجبور ہو کر اپنے نئے دین سے دستبردار ہو جائیں۔

--حضرت یاسر اور ان کی اہلیہ--سمیہ--اور فرزند--عمار--،--خباب ابن ارت--،--عامر بن فہیرہ--اور--بلال حبشی--نے دوسرے مسلمانوں کے مقابلے میں زیادہ مصائب و تکالیف برداشت کیں۔[4]

حضرت--سمیہ--وہ پہلی مسلم خاتون تھیں جو فرعون قریش ابوجہل کی طاقت فرسا ایذا رسانی و شکنجہ کے باعث اس کے نیزے کے وار سے زخمی ہو کر شہید ہو گئیں، ان کے شوہر یاسر دوسرے شخص تھے جو راہ اسلام میں شہید ہوئے عمار نے بھی اگر تقیہ نہ کیا ہوتا تو وہ بھی قتل کر دیئے جاتے۔[5]

امیہ بن خلف اپنے غلام حضرت بلال کو بھوکا پیاسا مکہ کی تپتی دوپہر میں جلتی ریت پر لٹا دیتا اور سینے پر بھاری پتھر رکھ کر کہتا کہ لات و عزی کی پوجا کرو ورنہ اسی حالت میں مر جاؤ گے، مگر بلال سخت تکالیف میں بھی یہی جواب دیتے:--اَحد اَحد--۔[6]

اس کے علاوہ دیگر مسلمانوں کو بھی ہر قسم کی ایذا و تکلیف پہنچاتے، انہیں قید و بند میں رکھتے، سخت زد و کوب کرتے، بھوکا پیاسا رکھتے اور گلے میں رسی باندھ کر گلیوں میں گھسیٹتے تھے[7]

---

[1] کنز العمال ج3 ص130 حدیث 5818-

[2] ملاحظہ ہو السیرۃ الحلبیہ ج1 ص297-301 و تاریخ یعقوبی ج2 ص28-

[3] الصحیح من سیرۃ النبیﷺ ج2 ص38-39

[4] السیرۃ الحلبیہ ج1 ص29-

[5]

[6]

[7] السیرۃ النبویہ ج1 ص339 و السیرۃ الحلبیہ ج1 ص297

سوالات

1۔رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کس سال مبعوث بہ رسالت ہوئے اور پہلے پہل کون سی آیات آپ پر نازل ہوئیں؟

2۔سب سے پہلے کون اسلام لایا؟ اوراس کی دلیل کیا ہے؟

3۔پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مراحل دعوت کا حال آیات کی روشنی میں بیان کریں؟

4۔رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب تبلیغ دین اسلام شروع کی تو پہلے مرحلے پر قریش کا کیا ردعمل رہا؟

5۔قریش کے سرداروں اور حضرت ابوطالب علیہ السلام کے درمیان پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں جو گفتگو ہوئی تھی اس میں کیا باتیں ہوئیں؟

6۔قریش کی تجاویز اوران کے وعدوں کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کیا جواب دیا؟

7۔رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مشرکین قریش نے کیا تکالیف پہنچائیں بیان کیجئے؟

8۔دین اسلام قبول کرنے کے بعد کس کو سب سے پہلے شہادت نصیب ہوئی اور کس شخص نے شہید کیا؟

سبق 6:

قریش کی سازشیں اور ہجرت حبشہ

ھ: پیغمبر اکرم ﷺ کے پاس پہنچنے سے لوگوں کو روکنا گردونواح سے وہ لوگ جن کے دلوں میں دین اسلام کی محبت پیدا ہوگئی تھی وہ پیغمبر اکرم ﷺ سے ملاقات کرنے کی خاطر مکہ آتے مگر مشرکین انہیں پیغمبر اکرم ﷺ تک پہنچنے سے منع کرتے تا کہ دین اسلام کے اثر ونفوذ کو روک سکیں وہ ہر حیلے اور بہانے سے انہیں اسلام لانے اور رسول خدا ﷺ سے ملاقات کرنے سے روکتے ، یہاں بطور مثال ایک واقعہ پیش کیا جاتا ہے۔

اعشیٰ زمانہ جاہلیت کا مشہور شاعر تھا اسے رسول خدا ﷺ پر نزول وحی اور آپؐ کی اسلامی تعلیمات کا کچھ نہ کچھ علم ہو گیا تھا، چنانچہ اس نے آنحضرت ﷺ کی شان میں قصیدہ کہا اور اسے لے کر مکہ کی جانب روانہ ہوا تا کہ دین اسلام قبول کرنے کا شرف حاصل کر سکے، جس وقت وہ مکے میں داخل ہوا مشرکین اس سے ملنے آئے اور اس سے شہر میں آنے کا سبب دریافت کیا جب انہیں اعشیٰ کے قصد و ارادے کا علم ہوا تو انہوں نے اپنی فطری شیطنت اور حیلہ گری کے ذریعے اسے پیغمبر اکرم ﷺ کے ساتھ ملاقات کرنے سے روکا چنانچہ اس نے فیصلہ کیا کہ اس وقت وہ واپس اپنے شہر چلا جائے اور آئندہ سال پیغمبر اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر دین اسلام قبول کرنے کا شرف حاصل کرے مگر موت نے اسے اس سعادت کی مہلت نہ دی اور سال ختم ہونے سے پہلے وہ انتقال کر گیا۔[1]

و: قرآن سے مقابلہ

دشمنان اسلام کو جب یہ علم ہوا کہ آسمانی دین وآئین کی تبلیغ میں پیغمبر اکرم ﷺ کی کامیابی کا اہم ترین عامل آیات الٰہی کی وہ معنوی کشش ہے جو لوگوں کے دلوں پر اثر کرتی ہے اور انہیں اپنا گرویدہ بنالیتی ہے، تو انہیں یہ بچگانہ تدبیر سوجھی کہ کوئی ایسی سازش کریں جس کے ذریعے لوگوں کو قرآن کی جانب متوجہ ہونے سے روک سکیں اور اس مقدس کتاب کی مقبولیت اور دلچسپی کو ختم کر سکیں۔

نضر بن حارث کا شماران دشمنان اسلام میں ہوتا ہے جو رسول خدا ﷺ کو بہت زیادہ اذیت پہنچایا کرتے تھے۔ اس نے --حیرہ-- کے سفر میں رستم واسفندیار کی داستانیں سن کر یاد کر لی تھیں چنانچہ اسے قریش کی طرف سے یہ کام سونپا گیا کہ جب مسجد الحرام میں پیغمبر اکرم ﷺ کا تبلیغی دستور العمل ختم ہو جایا کرے تو وہ آنحضرت ﷺ کی جگہ پر جا کر بیٹھے اور لوگوں کو رستم اور اسفندیار کی داستانیں سنائے شاید اس طریقے سے پیغمبر اکرم ﷺ کے مرتبے کو کم کیا جا سکے اور آپؐ کی تبلیغ نیز آیات الٰہی کو بے قدر و قیمت بنایا جا سکے، وہ بڑی ہی گستاخی اور دریدہ دلیری سے کہتا: لوگو تم میری طرف آؤ میں تمہیں محمد ﷺ سے کہیں بہتر قصے اور کہانیاں سناؤں گا۔

اس نے اسی پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ گستاخی اور بے باکی میں اس سے بھی کہیں آگے بڑھ گیا اور اپنے خدا ہونے کا دعوی کر دیا وہ لوگوں سے کہتا کہ میں بھی جلد ہی وہ چیز اتاروں گا جو محمد ﷺ کا خدا اس پر نازل کیا کرتا ہے۔[2]

---

[1] السیرۃ النبویہ ج2 ص25-28۔

[2] السیرۃ النبویہ ج1 ص321۔

اس سلسلے میں قرآن مجید میں چند آیات نازل ہوئیں کہ البتہ بطور نمونہ ہم ایک کا ذکر کر رہے ہیں:

وَقَالُوْٓا اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ اكْتَتَبَهَا فَهِيَ تُمْلٰى عَلَيْهِ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًاقُلْ اَنْزَلَهُ الَّذِيْ يَعْلَمُ السِّرَّ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ اِنَّهٗ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا[۱]

--کہتے ہیں یہ تو اگلے لوگوں کے افسانے ہیں جنہیں لکھوالیا ہے اور صبح وشام ان کے سامنے پڑھے جاتے ہیں، آپ کہہ دیجئے کہ اسے اس نے نازل کیا ہے جو زمین وآسمان کے راز جانتا ہے اور وہ بڑا بخشنے والا اور مہربان ہے---

قرآن مجید کے خلاف مشرکین نے دوسرا محاذ یہ تیار کیا کہ انہوں نے اپنے پیروکاروں کو یہ حکم دیا کہ جس وقت رسول خدا ﷺ قرآن مجید کی تلاوت فرماتے ہیں تو اسے نہ صرف سنا ہی نہ جائے بلکہ ایسا شور وغل بپا کیا جائے کہ دوسرے لوگ بھی اسے سننے سے باز رہیں چنانچہ اس سلسلہ میں قرآن مجید کا ارشاد ہے:

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ[۲]

--اور کافروں نے ایک دوسرے سے یہ کہا کہ: اس قرآن پر کان نہ دھرو اور جب پڑھا جائے تو شور وغل بپا کیا کرو شاید تم کامیاب ہو جاؤ---

ہجرت حبشہ:

اگر چہ رسول خدا ﷺ اور بنی ہاشم کے دیگر چند حضرات، حضرت ابوطالب علیہ السلام کی زیر حمایت کچھ حد تک دشمنوں کی گزند سے بالخصوص جسمانی آزار وایذا سے محفوظ تھے مگر دوسرے بے پناہ اور بے یار ومددگار مسلمان ایذا اور اذیت کی انتہائی سخت تکالیف ومشکلات سے گزر رہے تھے۔

پیغمبر اکرم ﷺ کے لئے یہ بات سخت شاق اور ناگوار تھی کہ آپؐ کے اصحاب وہمنوا ایسی سخت مشقت میں مبتلا رہیں اور ہر طرح کے مصائب وآلام سے گزرتے ہیں۔ دوسری طرف اس بات کا بھی امکان تھا کہ اگر یہی کیفیت برقرار رہی تو ہو سکتا ہے کہ نو مسلم اپنے عقیدے میں سست ہو جائیں۔[۳]

اس کے علاوہ یہی حالت دوسرے لوگوں کو اسلام کی جانب عمل ہونے سے روک بھی سکتی تھی، چنانچہ ان حالات کے پیش نظر یہ لازم سمجھا گیا کہ اس دیوار کو بھی گرا دیا جائے تا کہ قریش یہ جان لیں کہ حقیقت اسلام ان کے حد تصور اور تسلط واقتدار سے کہیں زیادہ بالا وبرتر ہے۔

اس گھٹن اور دباؤ کے ماحول سے نجات حاصل کرنے کیلئے مسلمانوں کو اس بات کی اجازت دی گئی کہ وہ ترک وطن کر کے حبشہ چلے جائیں، اس ملک کے انتخاب کئے جانے کی چند وجوہات تھیں:

---

[۱] سورہ فرقان آیہ 5، 6۔

[۲] سورہ فصلت آیہ 26۔

[۳] آیتی مرحوم نے اپنی تاریخ میں پانچ ایسے افراد کا نام ذکر کیا ہے جنہوں نے قریش کے کمر توڑ دباؤ کی وجہ سے دین اسلام کو ترک کر دیا اور دوبارہ بت پرستی شروع کر دی۔ ملاحظہ ہو تاریخ پیامبر ﷺ ص 128-129۔

1۔ یہ ملک شہنشاہ روم کے ساتھ اچھے تعلقات رکھنے کے باوجود، سیاسی نقطہ نظر سے بہت حد تک مستقل اور اس زمانے کے دو بڑی طاقتوں (ایران اور روم) کے اثر و نفوذ سے دور تھا۔

2۔ حبشہ اور حجاز کے درمیان بحیرہ احمر کے واقع ہونے کی وجہ سے قریش کی مسلمان مہاجروں تک رسائی کا امکان کم تھا۔

3۔ عادل حکمران اور نسبتاً صحیح اور بہتر ثقافتی ماحول کی وجہ سے حبشہ کا ملک دیگر ممالک پر برتری رکھتا تھا۔ مہاجروں کو الوداع کرتے وقت رسول اکرم ﷺ کی یہ باتیں بھی اس حقیقت کی تائید کرتی ہیں کہ ۔۔اس ملک کے حکمران کی وجہ سے کسی پر ستم نہیں کیا جاتا اور وہ پاک اور سچائی کی سرزمین ہے۔۔۔[1]

مہاجرین کا وہ پہلا گروہ جو پندرہ افراد پر مشتمل تھا عثمان ابن مظعون کی زیر سرپرستی بعثت کے پانچویں سال رجب کے مہینے میں اس عیسائی ملک حبشہ (ایتھوپیا) کی جانب روانہ ہوا اور دو ماہ بعد واپس مکہ آ گیا۔

دوسرے گروہ میں تراسی مرد اور اٹھارہ عورتیں اور چند بچے شامل تھے یہ گروہ حضرت جعفر ابن ابی طالب علیہ السلام کی زیر سرپرستی ہجرت کر کے حبشہ چلا گیا جس کا وہاں کے فرمانروا۔۔نجاشی ۔۔۔نے بہت پرتپاک طریقے سے استقبال کیا۔

قریش کو جب اس واقعے کا علم ہوا تو انہوں نے عمرو بن عاص اور عبداللہ ابن ابی ربیعہ کو اپنا نمائندہ بنا کر حبشہ روانہ کیا ان کے ساتھ انہوں نے نجاشی اور اس کے درباریوں کے لئے بہت سے عمدہ تحفے تحائف بھی بھیجے اور اس سے یہ درخواست کی کہ پناہ گزیں مسلمانوں کو واپس کر دیا جائے۔

قریش کے نمائندوں نے بادشاہ نجاشی اور اس کے درباریوں کو مسلمانوں سے بدظن کرانے کی ہر ممکن کوشش کی اور بہت اصرار کیا کہ مہاجر مسلمانوں کو واپس کر دیا جائے مگر انہیں اپنے مقصد میں کامیابی نہ ہوئی اور وہ نجاشی بادشاہ کو اپنا ہم خیال نہ بنا سکے۔

نجاشی نے جب مہاجرین کے نمائندے حضرت جعفر ابن ابی طالب علیہ السلام کی دلچسپ اور منطقی باتیں سنیں اور حضرت جعفر علیہ السلام نے جب اس کے سامنے قرآنی آیات کی قرات کی تو وہ انہیں سن کر مسلمانوں پر فریفتہ اور ان کے عقائد کا شیدا ہو گیا چنانچہ اس نے سرکاری سطح پر مسلمانوں کی واضح اور قطعی حمایت کا اعلان کر دیا اور قریش کے نمائندوں کو حکم دیا کہ اس کے ملک سے نکل جائیں۔

ملک حبشہ میں مہاجرین انتہائی آرام اور سہولت کی زندگی بسر کرتے رہے اور جب رسول خدا ﷺ ہجرت کر کے مدینہ تشریف لے گئے تو وہ بھی آہستہ آہستہ وہاں سے واپس آ کر آنحضرت ﷺ سے مل گئے۔[2]

اس ہجرت کے فوائد

ترک وطن کر کے حبشہ کی جانب روانہ ہونے اور اس ملک میں کافی عرصہ تک قیام کرنے کے باعث مسلمانوں کو بہت سے فائدے ہوئے اور وہاں انہیں بہت سی برکات حاصل ہوئیں جن میں سے چند کا ہم ذیل میں ذکر کریں گے۔

1۔ جو مسلمان ترک وطن کر کے حبشہ چلے گئے تھے انہیں قریش کے مظالم سے نجات مل گئی وہ مشرکین مکہ کی شکنجہ و ایذا رسانی سے محفوظ ہو گئے۔

---

[1] السیرۃ النبویہ ج1 ص344۔

[2] السیرۃ النبویہ ج ص344-362۔

2۔ اسلام کا پیغام اور اعلان رسالت اہل حبشہ بالخصوص حبشہ کے بادشاہ اور اس کے درباریوں تک پہنچ گیا۔

3۔ قریش کی رسوائی ہوئی اور ان کے وہ نمائندے جو نجاشی بادشاہ کے پاس گئے تھے ذلیل وخوار ہو کر وہاں سے نکلے۔

4۔ حبشہ کے لوگوں کے درمیان دین اسلام کی تبلیغ وتوسیع کا راستہ ہموار ہو گیا۔

عیسائیوں کے ساتھ مسلم مہاجرین کا اسلامی اور انسانی سلوک، شرافتمندانہ طرز زندگی اور اسلامی احکام کی سخت پابندی اس امر کا باعث ہوئی کہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ حبشہ کے لوگ دین اسلام کے شیدائی ہونے لگے چنانچہ آج ایتھوپیا (حبشہ) اریٹیریا اور صومالیہ میں جو کروڑوں مسلمان آباد ہیں وہ مسلمانوں کی اسی ہجرت کا ہی فیض ہے۔

ز: اقتصادی ناکہ بندی[1]

مختلف قبائل میں اور حجاز کے اندر اور باہر اسلام کی مقبولیت نیز ملک حبشہ میں مہاجرین کی کامیاب پناہ گزینی نے قریش کے سرداروں کو اس بات پر مجبور کر دیا کہ وہ اسلامی تحریک کو روکنے کے لئے کوئی بنیادی اقدام کریں، چنانچہ انہوں نے فیصلہ کیا کہ ایسے معاہدے پر دستخط کرائے جائیں جس کی رو سے --بنی ہاشم-- اور --بنی مطلب-- کے ساتھ مکمل تعلقات قطع ہو جائیں، کوئی رشتہ داری نہ کی جائے، ان کے ساتھ کاروبار بند کر دیا جائے اور کوئی بھی شخص ان کے ساتھ کسی طرح کا سروکار نہ رکھے۔[2]

قریش کے اس تحریری معاہدہ کا مقصد یہ تھا کہ یا تو حضرت ابوطالب علیہ السلام مجبور ہو کر پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حمایت وسرپرستی سے دست بردار ہو جائیں اور آپؐ کو قریش کے حوالے کر دیں، یا رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لوگوں کو دعوت حق دینا ترک کر دیں اور قریش کی تمام شرائط کو مان لیں، یا پھر آپؐ اور آپؐ کے حامی گوشہ نشینی اور کسمپرسی کی حالت میں رہ کر بھوک وپیاس سے تڑپ تڑپ کر مر جائیں۔

قریش نے اس معاہدے کا نام (صحیفہ) رکھا جس پر چالیس سربرآوردہ اشخاص نے دستخط کئے اور اسے کعبے کی دیوار پر آویزاں کر دیا گیا[3]۔ اس معاہدے میں شامل تمام افراد نے یہ عہد کیا کہ تمام لوگ اس کے مندرجات پر حرب بحرف عمل پیرا ہوں گے۔

حضرت ابوطالب علیہ السلام کو جب --معاہدہ صحیفہ-- کا علم ہوا تو انہوں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان رسالت کی تائید میں چند اشعار کہے، جن میں انہوں نے تاکید کے ساتھ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حمایت کا از سر نو اعلان کیا، اس کے ساتھ ہی انہوں نے --بنی ہاشم-- اور --بنی مطلب-- سے خواہش کی کہ مکہ کو خیر باد کہہ کر اس درے میں جا بسیں جو شہر سے باہر واقع ہے اور یہی درہ بعد میں --شعب ابوطالب-- کے نام سے مشہور ہوا۔[4]

--ابولہب-- کے علاوہ --بنی ہاشم-- اور --بنی مطلب-- کے سبھی افراد بعثت کے ساتویں سال یکم محرم کو رات کے وقت --شعب ابوطالب-- میں داخل ہوئے[5] جہاں انہوں نے چھوٹے چھوٹے گھر اور سائبان بنائے اور وہ حرمت کے مہینوں (رجب، ذی القعدہ، ذی الحجہ اور محرم) کے علاوہ تمام سال اسی درے میں محصور رہتے۔

---

[1] البتہ اس معاہدے کے مندرجات کی رو سے اسے اقتصادی ناکہ بندی کی بجائے صرف --بائیکاٹ-- کہنا زیادہ مناسب رہے گا۔ مترجم۔

[2] السیرۃ النبویہ ابن ہشام ج1 ص375 والکامل فی التاریخ ج2 ص87۔

[3] ۔ ملاحظہ ہو الصحیح من سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ج2 ص107۔

[4] ۔ السیرۃ النبویہ ج1 ص377 والسیرۃ الحلبیہ ج1 ص337۔

[5] الطبقات الکبریٰ ج1 ص209 والسیرۃ الحلبیہ ج1 ص337۔

--شعب ابوطالب--میں مسلمانوں پر ایسا سخت دور بھی آیا کہ کبھی کبھی تو انہیں پیٹ کی آگ بجھانے کے لئے درخت کے پتوں پر گزارہ کرنا پڑتا۔

حرمت کے مہینوں میں اگر چہ قریش ان سے کوئی باز پرس نہ کرتے البتہ دوسرے طریقوں سے انہیں پریشان کیا جاتا، انہوں نے مسلمانوں کی قوت خرید کو ختم کرنے کیلئے چور بازاری (بلیک مارکیٹنگ) کا دھندا شروع کر دیا، کبھی کبھی تو وہ دوکانداروں اور چیزیں بیچنے والوں کو سختی کے ساتھ یہ تنبیہہ کرتے کہ وہ مسلمانوں کے ہاتھ کوئی چیز فروخت نہ کریں۔[1]

امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام حرمت کے چار مہینوں کے علاوہ بھی کبھی کبھی چھپ کر مکہ جاتے اور وہاں سے کھانے کا سامان جمع کر کے شعب ابوطالب میں لے کر آتے۔[2]

حضرت ابوطالب علیہ السلام کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فکر ہر وقت دامنگیر رہتی کیونکہ انہیں اپنے بھتیجے کی جان کا خطرہ تھا، چنانچہ وہ شعب ابوطالب کے بلند مقامات پر پہرہ دار مقرر کرنے کے علاوہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے بستر پر سلاتے اور جب سب سوجاتے تو وہ اپنے فرزند علی علیہ السلام کو رسول خدا کے بستر پر سونے کے لئے کہتے اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہتے کہ آپ دوسرے بستر پر سو جائیں۔[3]

محاصرے کا خاتمہ

تین سال تک سخت رنج و تکلیف برداشت کرنے کے بعد بالآخر امداد غیبی مسلمانوں کے شامل حال ہوئی اور جبرئیل امین علیہ السلام نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ خوشخبری دی کہ خداوند متعال نے دیمک کو اس عہد نامے پر مسلط کر دیا ہے جس نے پوری تحریر کو چاٹ لیا ہے اور صرف اس پر--باسمک اللھم--لکھا ہوا باقی ہے۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس واقعے کی اطلاع اپنے چچا کو دی یہ سن کر حضرت ابوطالب علیہ السلام قریش کے مجمع عام میں تشریف لے گئے اور ان سے واقعہ کو بیان کر کے فرمایا کہ جو صحیفہ تم لوگوں نے لکھا تھا اسے پیش کیا جائے، اسی ضمن میں مزید فرمایا کہ:

--اگر بات وہی ہے جو میرے بھتیجے نے مجھ سے کہی ہے تو تم اپنے جور وستم سے باز آجاؤ اور اگر اس کا کہنا غلط اور بے بنیاد ثابت ہوا تو میں خود اسے تمہارے حوالے کر دوں گا--قریش کو حضرت ابوطالب علیہ السلام کی تجویز پسند آئی چنانچہ جب انہوں نے اس صحیفے کی مہر کو توڑا تو بات وہی صحیح ثابت ہوئی جو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمائی تھی۔

قریش میں جب اُن لوگوں نے، جو صاحب فہم و فراست اور عدل و انصاف تھے، یہ معجزہ دیکھا تو انہوں نے قریش کی اس پست و کمینہ حرکت کی سخت مذمت کی جو انہوں نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے اصحاب کے ساتھ اختیار کر رکھی تھی اور انہوں نے یہ مطالبہ کیا کہ عہد نامہ--صحیفہ--کو باطل قرار دے کر محاصرہ ختم کیا جائے۔[4]

چنانچہ اس طرح رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے اصحاب تین سال تک استقامت و پائیداری کے ساتھ سخت مصائب برداشت

---

[1] الصحیح من سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ج2 ص108 والسیرۃ الحلبیہ ج1 ص337۔

[2] ۔شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج13 ص254

[3] الصحیح من سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ج2 ص109۔

[4] السیرۃ النبویہ ج2 ص16 و تاریخ یعقوبی ج2 ص31-32۔

کرنے کے بعثت کے دسویں سال[1] ماہ رجب[2] کے وسط میں، سرخرو اور کامیاب ہو کر واپس مکہ آ گئے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس عیسائیوں کے ایک وفد کی آمد

مسلمانوں کی ہجرت --حبشہ-- کا ایک فائدہ یہ بھی ہوا کہ جب --حبشہ-- یا --نجران-- کے عیسائیوں کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کی اطلاع ملی تو انہوں نے یہ فیصلہ کیا کہ اپنا وفد مکہ روانہ کریں تا کہ وہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے براہ راست گفتگو کر سکیں چنانچہ یہ پہلا وفد تھا جو مکہ کے باہر سے آیا اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔

نصاری کا یہ نمائندہ وفد بیس افراد پر مشتمل تھا جو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے --مسجد الحرام-- میں ملاقات سے مشرف ہوا اور اسی جگہ باہمی گفتگو کا آغاز ہوا جب مذاکرات کا سلسلہ ختم ہوا تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قرآن مجید کی چند آیات تلاوت کر کے انہیں سنائیں اور انہیں دین اسلام قبول کرنے کی دعوت دی۔

عیسائیوں نے جب قرآنی آیات سنیں تو ان کی آنکھیں اشکوں سے لبریز ہو گئیں اور دین اسلام قبول کرنے کا انہوں نے شرف حاصل کر لیا جس کی وجہ یہ تھی کہ رسول خدا حضرت محمد صلی اللہ علی وآلہ وسلم کے جو اوصاف ان کی کتابوں میں بیان کئے گئے تھے وہ آپؐ کی ذات مبارک میں انہوں نے پائے۔

یہ نمائندہ وفد جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ملاقات سے مشرف ہو کر واپس جانے لگا تو ابوجہل اور قریش کے گروہ نے ان کا راستہ روک لیا اور کہا کہ تم کیسے نادان ہو، تمہاری قوم نے تمہیں اس مقصد کے لئے بھیجا تھا کہ وہاں جا کر اصل واقعے کی تحقیق کرو اور اس کا جائزہ لو لیکن تم فوراً نے بے خوف وخطر اپنے دین وآئین کو ترک کر دیا اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت پر کاربند ہو گئے۔

نصاری کے نمائندوں نے کہا: --ہم تمہارے ساتھ بحث ومباحثہ کرنے کی غرض سے تو نہیں آئے۔ تم اپنا دین اپنے پاس رکھو اور ہمیں ہمارے آئین ومسلک پر رہنے دو۔[3]

حضرت ابو طالب علیہ السلام اور حضرت خدیجہ سلام اللہ علیہا کی رحلت

جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شعب ابو طالب سے نجات ملی تو اس بات کی امید تھی کہ مصائب وآلام کے بعد ان کے حالات سازگار ہو جائیں گے اور خوشی کے دن آئیں گے مگر ابھی دو سال بھی نہ گزرے تھے کہ دو ایسے تلخ اور جانکاہ صدمات سے دوچار ہوئے جن کے باعث رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر گویا غم واندوہ کا پہاڑ ٹوٹ پڑا، رنج واندوہ کا سبب حضرت ابو طالب علیہ السلام کی رحلت اور اس کے تین دن یا ایک ماہ بعد آپؐ کی جان نثار شریکہ حیات (حضرت خدیجہ سلام اللہ علیہا) کی بھی اس جہان فانی سے رحلت تھی۔[4]

حضرت ابو طالب علیہ السلام اور حضرت خدیجہ سلام اللہ علیہا کو --حجون-- نامی قریش کے قبرستان میں سپرد خاک کیا گیا۔

---

[1] الطبقات الکبری ج1 ص210۔

[2] مصباح المتہجد اعمال نیمہ رجب ص741۔

[3] السیرۃ النبویہ ج2 ص32 والسیرۃ الحلبیہ ج1 ص345۔

[4] الصحیح من سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ج2 ص128۔

حضرت ابوطالب اور حضرت خدیجہ سلام اللہ علیہا کی رحلت نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بہت مغموم ومحزون کیا چنانچہ آپ ؐ نے اس غم والم کا اظہار ان الفاظ میں فرمایا کہ ان چند دنوں میں اس امت پر دو ایسی مصیبتیں نازل ہوئی ہیں کہ میں نہیں جانتا کہ ان میں سے کس نے مجھے زیادہ متاثر کیا ہے۔[۱]

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اپنے واجب الاحترام چچا اور وفا شعار شریکہ حیات کی رحلت کا اس قدر صدمہ ہوا کہ آپ ؐ بہت ہی کم، گھر سے باہر تشریف لاتے چونکہ یہ دونوں عظیم حادثات بعثت کے دسویں سال میں واقع ہوئے تھے اسی لئے ان کی اہمیت کو مدنظر رکھتے ہوئے اس سال کو۔۔عام الحزن۔۔یعنی غم واندوہ کا سال کہا جانے لگا۔[۲]

حضرت ابوطالب علیہ السلام کی مظلومیت

حضرت ابوطالب علیہ السلام کو چونکہ اپنے بھتیجے کے اوصاف حمیدہ کا علم تھا اور اس امر سے بھی واقف تھے کہ آپ ؐ کو رسالت تفویض کی گئی ہے اسی لئے وہ آپ ؐ کی تنہائی کے وقت نہایت خاموشی سے آپ ؐ پر ایمان لے آئے تھے وہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیالیس سال سے زیادہ عرصہ تک حفاظت ونگرانی کرتے رہے (یعنی اس وقت سے جب کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سن مبارک آٹھ سال تھا اس وقت تک جبکہ آپ ؐ کا سن شریف پچاس سال کو پہنچ گیا) وہ چونکہ حفاظت وحمایت کو اپنی ذمہ داری سمجھتے تھے اسی لئے وہ آپ ؐ کے پروانہ وار شیدائی تھے، یہی وجہ تھی کہ انہوں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آسمانی دین کی ترویج کی خاطر کبھی بھی جان ومال قربان کرنے سے دریغ نہیں کیا، یہاں تک کہ انہوں نے اسی (80) سال سے زیادہ کی عمر میں اس وقت انتقال کیا جبکہ آپ علیہ السلام کا دل خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان سے منور تھا۔

حضرت ابوطالب علیہ السلام کی رحلت کے بعد دشمنوں کے آستینوں میں پوشیدہ ہاتھ بھی باہر نکل آئے اور وہ اس بات کو ثابت کرنے کی کوشش کرنے لگے کہ صدر اسلام کے اس مرد مجاہد کی موت بحالت کفر واقع ہوئی ہے تا کہ لوگوں پر یہ ظاہر کر سکیں کہ یہ ان کا قومی جذبہ تھا جس نے انہیں اس ایثار وقربانی پر مجبور کیا۔

حضرت ابوطالب علیہ السلام کے ایمان کے متعلق شک وشبہ پیدا کرنے میں جو محرک کار فرما تھا اس کا مذہبی عقیدے سے زیادہ سیاسی پہلو تھا، بنی امیہ کی سیاسی حکمت عملی کی بنیاد چونکہ خاندان رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ دشمنی اور کینہ توزی پر قائم تھی اسی لئے انہوں نے بعض جعلی روایات پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منسوب کر کے حضرت ابوطالب علیہ السلام کو کافر مشہور کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا وہ اس بات کو کہ وہ ایمان نہیں لائے تھے، فروغ دیکر لوگوں کو یہ باور کرانا چاہتے تھے کہ ان کے فرزند عزیز حضرت علی علیہ السلام کو عظمت وفضیلت کے اعتبار سے دوسروں پر کوئی فوقیت وبرتری حاصل نہیں ہے اور اس طرح آپ علیہ السلام کی شخصیت داغدار ہو سکے اگر حضرت ابوطالب علیہ السلام حضرت علی علیہ السلام کے والد بزرگوار نہ ہوتے تو وہ ہرگز اس بات کا اتنا زیادہ چرچا نہ کرتے اور نہ ہی اس قدر نمایاں طور پر اتنا جوش وخروش دکھاتے۔

کوئی بھی ایسا انصاف پسند شخص جسے تاریخ اسلام سے معمولی واقفیت ہوگی اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس عظیم حامی اور مددگار کی جدوجہد سے لبریز زندگی کے بارے میں علم رکھتا ہوگا وہ اپنے دل میں حضرت ابوطالب علیہ السلام کے بارے میں ذرا بھی شک وشبہ نہ لائے گا جس کی دو وجوہات ہیں:

---

[۱] تاریخ یعقوبی ج2 ص35۔

[۲] السیرۃ الحلبیہ ج1 ص347۔

اول:۔ ممکن ہے کوئی شخص قومی تعصب کی بنا پر، کسی دوسری شخص یا قبیلے کی حمایت وحفاظت کی خاطر کچھ عرصے تک مرنے مارنے پر آمادہ ہوجائے لیکن یہ اس امر کا باعث نہیں ہوسکتا کہ وہ شخص چالیس سال تک نہ صرف حمایت و پشت پناہی کرے بلکہ اس شخص کا پروانہ وار شیفتہ بھی ہو نیز اپنے جان سے بھی پیارے بیٹے کو اس پر قربان کردے۔

دوم:۔ یہ کہ حضرت ابوطالب علیہ السلام کے اقوال واشعار، پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آئمہ معصومین علیہم السلام کی احادیث اور روایات اس وہم وگمان کی تردید کرتے ہیں اور اس بات پر متفق ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حمایت کا اصل محرک ان کا وہ راسخ عقیدہ اور محکم ایمان تھا جو انہیں رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات بابرکت پر تھا۔

چنانچہ امام زین العابدین علیہ السلام کی محفل میں حضرت ابوطالب علیہ السلام کا ذکر آ گیا تو آپ علیہ السلام نے فرمایا:

--مجھے حیرت ہے کہ لوگوں کو حضرت ابوطالب علیہ السلام کے ایمان پر کیوں شک وتردد ہے کیونکہ کوئی ایسی عورت جس نے دین اسلام قبول کرنے کا شرف حاصل کرلیا وہ اپنے کافر شوہر کے عقد میں کیسے رہ سکتی ہے، حضرت فاطمہ بنت اسد سلام اللہ علیہا ان اولین خواتین میں سے تھیں جو دین اسلام کی سعادت سے مشرف ہوئیں چنانچہ جب تک حضرت ابوطالب علیہ السلام زندہ رہے وہ ان سے جدا نہ ہوئے---

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے حضرت ابوطالب علیہ السلام کے ایمان سے متعلق سوال کیا گیا تو آپ علیہ السلام نے فرمایا:

--اگر حضرت ابوطالب علیہ السلام کے ایمان کو ترازو کے ایک پلڑے میں رکھا جائے اور دوسرے پلڑے میں دیگر لوگوں کے ایمان کو رکھ کر تولا جائے تو یقینا حضرت ابوطالب علیہ السلام کے ایمان کا پلڑا بھاری رہے گا۔ کیا آپ لوگوں کو اس بات کا علم نہیں کہ امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام نے بعض لوگوں کو یہ حکم دیا تھا کہ وہ حضرت ابوطالب علیہ السلام کی جانب سے فریضہ حج ادا کریں---[1]

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث بیان کرتے ہوئے فرمایا:

--حضرت ابوطالب علیہ السلام کا ایمان اصحاب کہف کے ایمان کی طرح تھا کہ وہ لوگ دل سے تو ایمان لے آئے تھے مگر زبان سے اس کا اظہار نہیں کرتے تھے ان کے اس عمل کا خداوندتعالیٰ انہیں دوگنا اجر دے گا---

دین اسلام کی ترویج وتبلیغ کے لئے حضرت ابوطالب علیہ السلام کی خدمات کے بارے میں ابن ابی الحدید لکھتا ہے کہ:

--کسی شخص نے حضرت ابوطالب علیہ السلام کے ایمان سے متعلق کتاب لکھی اور مجھ سے کہا کہ اس کے بارے میں اپنی رائے کا اظہار کروں اور اس پر اپنے ہاتھ سے کچھ لکھوں، میں نے کچھ اشعار اس کتاب کی پشت پر لکھ دیئے جن کا مضمون یہ تھا:

وَ لَوْلَا اَبُوْطَالِبٌ وَابنُهُ لَمَا مُثِّلَ الدّينُ شَخصاً فَقَاما فذاك بمَكّةَ آوَى وَحامى وَهذَا بيَثرَب جَسَّ الحماما

اگر ابوطالب علیہ السلام اور ان کے فرزند حضرت علی علیہ السلام نہ ہوتے تو دین اسلام ہرگز قائم نہیں ہوسکتا تھا باپ نے مکے میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حمایت کی اور بیٹا یثرب میں دین کی حمایت میں موت کی سرحد تک آگے بڑھ گیا۔

[1] شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج14 ص68-70 والغدیر ج7 ص380-24۔ شرح نہج البلاغہ ج14 ص83۔

سوالات

1۔رسول خدا ﷺ کی ملاقات سے مشرف ہونے کیلئے قریش لوگوں کو کس طرح منع کیا کرتے تھے اس کی کوئی مثال پیش کریں؟

2۔مشرکین نہیں چاہتے تھے کہ لوگ تلاوت قرآن سنیں، اس مقصد کے حصول کیلئے انہوں نے کیا طریقہ استعمال کیا؟

3۔رسول خدا ﷺ نے اصحاب کو ترک وطن کر کے حبشہ جانے کی اجازت کس وجہ سے دی؟

4۔کیا وجہ تھی کہ مسلمانوں نے اپنی پناہ کیلئے ملک حبشہ کا ہی انتخاب کیا؟

5۔وطن ترک کرنے والوں کا پہلا گروہ کس تاریخ کو حبشہ کی جانب روانہ ہوا اس گروہ میں کتنے لوگ شامل تھے اور ان کی سرپرستی کون سے صحابی کر رہے تھے؟

6۔ہجرت حبشہ کے کیا فوائد اور برکات تھے؟

7۔قریش کی طرف سے مسلمانوں کے اقتصادی محاصرہ کے کیا محرکات تھے؟ اور یہ محاصرہ کتنے عرصے تک جاری رہا؟

8۔پیغمبر اکرم ﷺ نے شعب ابوطالب سے کب اور کس طرح رہائی حاصل کی، اس کی تاریخ بتائیے؟

9۔مکہ کے باہر سے جو پہلا وفد رسول خدا ﷺ کے پاس مذاکرہ کے لئے آیا تھا اس کا تعلق کس ملک سے تھا؟ اور اس مذاکرے کا کیا نتیجہ برآمد ہوا؟

10۔بعثت کے دسویں سال کو کیوں (عام الحزن) کہا جاتا ہے؟

11۔حضرت ابوطالب علیہ السلام کے ایمان سے متعلق دشمنوں نے جو شک وشبہات پیدا کئے اس کے کیا محرکات تھے؟

سبق 7:

معراج اور یثرب کے لوگوں کی دین اسلام سے آشنائی

معراج

تاریخ اسلام کے بعثت سے عہد ہجرت تک کے دور میں جو اہم واقعات رونما ہوئے ان میں سے ایک واقعہ معراج ہے، یہ کب پیش آیا اس کی صحیح و دقیق تاریخ کے بارے میں اختلاف ہے، بعض نے لکھا ہے کہ یہ بعثت کے چھ ماہ بعد اور بعض کی رائے میں بعثت کے دوسرے تیسرے پانچویں دسویں یا گیارہویں حتی کہ بارہویں سال میں رونما ہوا۔[1]

جب ہم رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معراج کے بارے میں گفتگو کرتے ہیں تو ہمارے سامنے دو عنوان آتے ہیں، ان میں سے ایک اسراء ہے اور دوسرا معراج۔

واقعہ اسراء یا رات کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مسجد الحرام سے مسجد الاقصی تک کے سفر کے بارے میں قرآن مجید کا صریح ارشاد ہے:

سُبۡحٰنَ الَّذِیۡۤ اَسۡرٰی بِعَبۡدِہٖ لَیۡلًا مِّنَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ اِلَی الۡمَسۡجِدِ الۡاَقۡصَا الَّذِیۡ بٰرَکۡنَا حَوۡلَہٗ لِنُرِیَہٗ مِنۡ اٰیٰتِنَا[2]

--پاک ہے وہ ذات جو راتوں رات اپنے بندے کو مسجد الحرام سے مسجد اقصی تک لے گئی جس کے ماحول کو اس نے برکت دی تاکہ اسے اپنی کچھ نشانیوں کا مشاہدہ کرائے--۔

جملہ--سُبۡحٰنَ الَّذِیۡ--اس حقیقت کو بیان کر رہا ہے کہ یہ سفر خداوند تعالیٰ کی قدرت کے سائے میں انجام پذیر ہوا۔

جملہ--اَسۡرٰی بِعَبۡدِہٖ لَیۡلًا--سے یہ مطلب واضح ہے کہ:

1۔ سیر کرانے والی ذات خداوندی تھی۔

2۔ یہ سفر رات کے وقت ہوا، یہ مفہوم لفظ--لَیۡلًا--کے علاوہ لفظ--اَسۡرٰی--سے بھی سمجھ میں آتا ہے کیونکہ عربی زبان میں یہ لفظ رات کے وقت کے حرکت (سفر) کے مفہوم میں استعمال ہوتا ہے۔

3۔ یہ--سفر--جسمانی تھا اور اگر فقط روحانی ہوتا تو اس کے لئے لفظ--بِعَبۡدِہٖ--کے ذکر کی ضرورت پیش نہ آتی۔

مذکورہ آیت کی رو سے اس--سفر--کا آغاز--مسجد الحرام--سے ہوتا ہے اور اختتام--مسجد الاقصی--پر اور آخر میں اس--سفر--کا مقصد یہ بتایا گیا ہے کہ اس سے خداوند تعالیٰ کی نشانیاں دکھانا مقصود تھا۔

---

[1] مزید معلومات کیلئے ملاحظہ ہو الصحیح من سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ج 1 ص 269-270

[2] بنی اسرائیل آیت 1۔

--معراج--اور ملکوت اعلی کی سیر بہت سے کا واقعہ بھی محدثین اور مؤرخین کی نظر میں اسی رات میں ہی وقوع پذیر اہو [1]

ہر چند مذکورہ بالا آیات سے مکمل طور پر یہ مفہوم واضح نہیں ہوتا لیکن سورہ--النجم--کی چند آیات اور اس واقعہ سے متعلق بہت سی روایات کی مدد سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ چکی ہے۔

چنانچہ علامہ مجلسی متعلقہ آیات بیان کرنے کے بعد معراج کے بارے میں لکھتے ہیں:

--رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بیت المقدس کی جانب عروج کرنا اور وہاں سے ایک ہی رات میں آسمانوں پر پہنچنا اور وہ بھی اپنے بدن مبارک کے ساتھ ایک ایسا موضوع ہے جس کے وقوع پر آیات اور متواتر شیعہ سنی روایات دلالت کرتی ہیں، اس حقیقت سے انکار کرنا یا اس حقیقت کی روحانی معراج کی تاویل پیش کرنا یا اس واقعے کا خواب میں رونما ہونے کا عقیدہ رکھنا اس بات کی غمازی کرتا ہے کہ کہنے والے نے پیشوایان دین علیہ السلام کی کتابوں کا دقیق مطالعہ نہیں کیا ہے یا یہ بات اس کے ایمان کی سستی اور اعتقادی کمزوری پر مبنی ہے--۔ [2]

حضرت ابوطالب علیہ السلام کی وفات کے بعد قریش کا ردعمل

حضرت ابوطالب علیہ السلام کی رحلت کے بعد قریش اور زیادہ بے باک اور گستاخ ہو گئے اور وہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پہلے سے کہیں زیادہ آزار و تکلیف پہنچانے لگے دین اسلام کی تبلیغ کے حوالے سے انہوں نے آپؐ پر سخت پابندیاں لگا دیں اور اس کا دائرہ بہت ہی محدود کر دیا چنانچہ نوبت یہاں تک آ پہنچی کہ آپؐ حج کے زمانے کے علاوہ اپنے دین کی تبلیغ نہیں کر سکتے تھے۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ فرمان کہ: جب تک ابوطالب علیہ السلام زندہ رہے قریش مجھے ایسی گزند نہیں پہنچا سکے جو میرے لئے سخت ناگوار ہوتی۔ [3] اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ حضرت ابوطالب علیہ السلام کی وفات کے بعد قریش کی جانب سے ایذا رسانی کی وارداتوں میں اضافہ ہو گیا تھا مگر ان سختیوں اور پابندیوں کے باوجود رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حرام مہینوں میں، فرصت کو غنیمت سمجھتے اور اس فرصت سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھاتے چنانچہ حج کے تین ماہ کے دوران--عکاظ----مجنۃ--اور--ذوالمجاز--کے بازاروں کے علاوہ دیگر جن مقامات پر بھی لوگ جمع ہوتے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے پاس تشریف لے جاتے وہاں سرداران قبائل نیز سربرآوردہ اشخاص سے ملاقات کرتے اور ہر ایک کو آسمانی دین کی دعوت دیتے۔ ان ملاقاتوں میں ہر چند رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مخالفت کی جاتی اور ان کے بعد سرداران قبائل کا ردعمل ظاہر ہوتا لیکن مخالفت اور ردعمل کے باوجود یہ ملاقاتیں نہایت ہی مفید اور ثمر بخش ثابت ہوئیں کیونکہ مکہ میں داخل ہونے والے ہر قبیلے کے ہر فرد تک کسی نہ کسی طرح رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت دین کا پیغام پہنچ جاتا چنانچہ فریضہ حج کی ادائیگی کے بعد جب وہ لوگ واپس اپنے اپنے گھروں کو جاتے تو وہ اس دعوت و ملاقات کو دوران حج کے تازہ ترین اہم واقعے یا خبر کی صورت میں دوسروں کو بیان کرتے۔

قبیلہ بنی عامر بن صعصعہ ان مشہور قبائل میں سے تھا جس کے افراد کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسلام کی دعوت دی۔

--بیجرۃ ابن فراس--کا شمار اس کے قبیلے کے سرکردہ اشخاص میں ہوتا تھا اسے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شہرت اور حالات کے بارے میں کم و بیش علم تھا اس نے جب یہ بات سنی تو کہنے لگا: --خدا کی قسم اگر قریش کے اس نوجوان کو میں حاصل کر لوں تو اس کے ذریعہ

---

[1] تاریخ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تالیف آیتی مرحوم ص159

[2] بحار الانوار ج18 ص289۔

[3] السیرۃ النبویہ ج2 ص58۔

سے میں پورے عرب کونگل جاؤں گا۔۔۔[1]

چنانچہ یہ سوچ کر وہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ اگر ہم تمہارے ہاتھ پر بیعت کرلیں اور تمہارا خدا ہمیں تمہارے مخالفین پر کامیاب بھی کردے تو کیا تمہارے انتقال کے بعد تمہاری قوم کی رہبری وسرداری ہمیں حاصل ہوجائے گی؟ اس پر رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ۔۔۔یہ خدا کا کام ہے وہ جسے اہل سمجھے گا اسے جانشین مقرر کرے گا۔۔۔[2]

بحیرہ نے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ جواب سنا تو کہنے لگا کہ ہم تمہاری خاطر عربوں سے جنگ کریں اور جب کامیاب ہوجائیں تو قوم کی رہبری دوسروں کے ہاتھوں میں چلی جائے ایسی جنگ اور حمایت سے ہم باز آئے۔[3]

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس گفتگو کے اہم نکات

1۔ عام مشاہدہ ہے کہ سیاست دان حصول اقتدار سے قبل عوام کے ساتھ بڑے بڑے وعدے کرتے ہیں، جنہیں بعد میں وہ کبھی پورا نہیں کرتے لیکن پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سیاست دانوں کی روش کے برعکس قبیلہ۔۔بنی عامر۔۔کی اس شرط پر کسی قسم کا وعدہ نہیں کیا۔

2۔ قول پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس حقیقت کا آئینہ دار ہے کہ مسئلہ امامت امر الہی پر منحصر ہے اور خداوند تعالیٰ جسے اس کا اہل سمجھے گا اسے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جانشین مقرر کرے گا۔

یثرب کے لوگوں کی دین اسلام سے آشنائی

جس وقت بنی ہاشم اور بنی مطلب شعب ابوطالب میں محصور تھے اس وقت یثرب سے اسعد ابن زرارہ اور ذکوان ابن عبدالقیس قبیلہ خزرج کے نمائندے کی حیثیت سے مکہ میں اپنے حلیف عتبۃ بن ربیعہ کے پاس آئے اور قبیلہ اوس سے جنگ کے سلسلے میں اس سے مدد چاہی۔

۔۔عتبہ۔۔نے مدد کرنے سے معذرت کرتے ہوئے کہا کہ مکہ اور مدینہ کے درمیان فاصلہ کے طویل ہونے کے علاوہ ہم یہاں ایسی ایک مصیبت میں گرفتار ہیں کہ جس کی وجہ سے ہم کسی اور کام میں ہاتھ ڈال ہی نہیں سکتے اس نے ۔۔نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ۔۔اور آپؐ کی تبلیغی سرگرمیوں کے واقعات قبیلہ۔۔خزرج۔۔کے نمائندوں کو بتائے اور تاکید سے کہا کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہرگز ملاقات نہ کریں کیونکہ وہ ایسا جادوگر ہے جو اپنی باتوں سے لوگوں کو مسحور کرلیتا ہے اس کے ساتھ ہی اس نے ۔۔اسعد۔۔کو حکم دیا کہ کعبہ کا طواف کرتے وقت وہ اپنے کانوں میں روئی ٹھونس لے تاکہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آواز اس کے کانوں تک پہنچے۔

۔۔اسعد۔۔طواف کعبہ کے ارادے سے ۔۔مسجد الحرام۔۔میں داخل ہوا وہاں اس نے دیکھا کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ۔۔حجر اسماعیل۔۔میں تشریف فرما ہیں، اس نے خود سے کہا کہ میں بھی کیسا نادان ہوں بھلا ایسی خبر مکہ میں گرم ہو اور میں اس سے بے خبر رہوں میں بھی تو سنوں کہ یہ شخص کیا کہتا ہے تاکہ واپس اپنے وطن جاکر لوگوں کو اس کے بارے میں بتاؤں، رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی باتیں سننے کی خاطر اس نے روئی اپنے کانوں سے نکال دی اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا آنحضرت نے اسے دین اسلام قبول کرنے کی دعوت دی

---

[1] ۔لَو اَنّی اَخَذتُ هذَا الفَتی مِن قُرَیش: لَاَ کَلتُ بِه العَرَب یہ اس بات سے کنایہ ہے کہ میں اس وسیلے سے دنیوی مال ومتاع حاصل کرلوں گا۔

[2] اَلاَمرُ اِلَی اللهِ یَضَعُهُ حَیثُ یَشَاءُ۔

[3] السیرۃ النبویہ ج2 ص66۔

جسے اس نے قبول کیا اور ایمان لے آیا اس کے بعد --ذکوان-- نے بھی دین اسلام قبول کرنے کا شرف حاصل کرلیا۔[1]

اہل یثرب میں یہ پہلے دو افراد تھے جو ایمان لائے اور دین اسلام سے مشرف ہوکر واپس اپنی قوم میں پہنچے۔

دوسرے مرحلے میں یثرب والوں سے قبیلہ --خزرج-- سے تعلق رکھنے والے چھ افراد بعثت کے گیارہویں سال میں دوران حج پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ملاقات سے مشرف ہوئے[2]

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں دین اسلام کی دعوت دی اور قرآن مجید کی چند آیتوں کی تلاوت فرمائی، وہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ملاقات کا شرف حاصل کرکے اور آپ کی زبان مبارک سے بیان حق سن کر ایک دوسرے سے کہنے لگے: --خدا کی قسم یہ وہی پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے جس کے ظہور کی خبر دے کر یہودی ہمیں ڈرایا کرتے تھے آؤ پہلے ہم ہی دین اسلام قبول کرلیں تاکہ ایسا نہ ہو کہ اس کار خیر میں وہ ہم پر سبقت لے جائیں-- یہ کہہ کر ان سب نے دین اسلام اختیار کرلیا جب وہ واپس یثرب گئے تو انہوں نے اپنے عزیز واقارب کو بتایا کہ انہوں نے کیسے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملاقات کا شرف حاصل کیا اور انہیں بھی دین اسلام قبول کرنے کی دعوت دی۔

انکی سرگرمیوں کی وجہ سے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اسلام کا چرچا اہل یثرب میں ہونے لگا اور کوئی گھر ایسا نہ تھا جہاں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور دین اسلام کا تذکرہ نہ ہو۔

پہلی بیعت عقبہ

تیسرے مرحلے میں اہل یثرب کے بارہ اشخاص جن میں سے دس کا تعلق قبیلہ --خزرج-- سے تھا اور دو کا قبیلہ --اوس-- سے تھا، بعثت کے بارھویں سال میں --عقبہ منا[3] -- میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ملاقات سے شرف یاب ہوئے ان بارہ اشخاص میں سے جابر ابن عبداللہ کے علاوہ پانچ افراد وہی تھے جو ایک سال قبل بھی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونے کا شرف حاصل کرچکے تھے۔

ان اشخاص نے دین اسلام قبول کرنے کے بعد پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دست مبارک پر --بیعت نساء--[4] کے طریقے پر بیعت کی اور عہد کیا کہ خدا کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں گے، چوری سے باز رہیں گے، زنا کے مرتکب نہ ہوں گے، اپنی اولاد کو قتل نہیں کریں گے، ایک دوسرے پر جھوٹے الزام اور بہتان نہ لگائیں گے نیز کار خیر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہر حکم بجالائیں گے۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مصعب ابن عمیر کو ان کے ہمراہ یثرب کے طرف روانہ کیا تاکہ وہاں پہنچ کر وہ دین اسلام کی تبلیغ کریں اور لوگوں کو قرآن مجید کی تعلیم دیں اس کے ساتھ ہی وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شہر کی حالت کے بارے میں اطلاع دیں نیز یہ بتائیں کہ وہاں کے لوگ دین اسلام کا کس طرح استقبال کررہے ہیں۔ --مصعب-- وہ پہلے مسلمان مہاجر تھے جو یثرب پہنچے اور روزانہ باجماعت نماز کا

---

[1] الصحیح من سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ج 2 ص 190-191-

[2] ان چھ افراد کے نام یہ ہیں: اسعد بن زرارہ۔ جابر بن عبداللہ۔ عوف بن حارث۔ رافع بن مالک۔ قطبہ بن عامر اور عقبہ بن عامر۔

[3] عقبہ کے لفظی معنی تنگ درہ کے ہیں یہ مکہ اور منی کے درمیان واقع ہے۔

[4] اس بیعت کو اس وجہ سے --بیعت النساء-- کہا جاتا ہے کہ اس میں جنگ وجدال کو دخل نہ تھا اور کوئی عسکری معاہدہ بھی نہیں کیا گیا تھا۔ قرآن نے سورہ --ممتحنہ-- کی آیت 12 میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ عورتوں کی بیعت کو بھی انہی شرائط کے ساتھ بیان کیا ہے۔

انھوں نے وہاں انتظام کیا۔[1]

دوسری بیعت عقبہ

یثرب میں رسول خداؐ کے نمائندے کی موجودگی نیز خزرجی اور اوسی قبائل کے افراد کی بے دریغ حمایت اس امر کا باعث ہوئی کہ ان قبائل کے بہت سے لوگ دین اسلام کے شیدائی اور مجذوب ہو گئے۔

چنانچہ اسی وجہ سے چوتھے مرحلے اور بعثت کے بارہویں سال میں تقریباً پانچ سو عورتوں اور مردوں نے خود کو حج کے لئے آمادہ کیا ان میں تہتر افراد مسلمان اور دو مسلم خواتین شامل تھیں۔

قبل اس کے کہ اہل یثرب سفر پر روانہ ہوں --معصب-- مکہ کی جانب روانہ ہوئے اور اپنے سفر کی پوری کیفیت پیغمبر اکرمؐ کی خدمت میں پیش کی۔

یثرب کے مسلمانوں نے مناسک حج (حج کے مخصوص اعمال) انجام دینے کے بعد بارہ ذی الحجہ بوقت نصف شب عقبہ منا میں رسول خداؐ کی خدمت میں حاضر ہونے کا شرف حاصل کیا۔

رسول خداؐ نے اس مرتبہ ملاقات کے دوران قرآن مجید کی چند آیات حاضرین کے سامنے تلاوت فرمائیں اور انہیں دین اسلام قبول کرنے کی دعوت دی اس ضمن میں آنحضرتؐ نے حاضرین سے فرمایا: --میں تم سے اس بات پر بیعت کرتا ہوں کہ جس طرح تم اپنے بیوی بچوں کی حفاظت کرتے ہو میری بھی حمایت کرو گے--۔انہوں نے آنحضرتؐ کی بات سے اتفاق کیا اور یہ عہد کیا کہ وہ آپؐ کی حمایت کریں گے آخر میں رسول خداؐ کے حکم سے ان میں سے بارہ افراد--نقیب[2]--مقرر کئے گئے تاکہ وہ لوگ اپنی قوم کے حالات کی نگرانی کر سکیں۔

--خزرج-- اور --اوس-- جیسے طاقتور قبائل کے ساتھ عہد و پیمان استوار کرنے نیز دین اسلام کے لئے جدید مرکز قائم ہو جانے کے باعث اب رسول اکرمؐ اور مسلمانوں کیلئے نئی ساز گار صورت حال پیدا ہو گئی تھی۔

اس عہد و پیمان کے بعد پیغمبر اکرمؐ کی جانب سے مسلمانوں کو اجازت دے دی گئی کہ وہ چاہیں تو یثرب کو ہجرت کر سکتے ہیں، اس ضمن میں آپؐ نے فرمایا: --خداوند تعالیٰ نے تمہارے لئے ایسے بھائی اور گھر پیدا کر دیئے ہیں جن کی مدد سے تم وہاں امن وامان سے رہو گے۔

رسول خداؐ کی اجازت ملنے کے بعد مسلمان گروہ در گروہ یثرب کا سفر اختیار کرنے لگے اور اب پیغمبر اکرمؐ خود بھی حکم خداوندی کے منتظر تھے۔[3]

اہل یثرب کے اسلام لانے کے اسباب

یثرب کے لوگ دین اسلام قبول کرنے میں کیوں پیش پیش رہے اس کی کچھ وجوہات تھیں جو ذیل میں درج کی جاتی ہیں۔

---

[1] السیرۃ النبویہ ج2 ص73-77۔
[2] نقیب کے معنی سردار و سرپرست قوم یا قبیلہ ہیں۔
[3] السیرۃ النبویہ ج2 ص111۔

1۔وہ لوگ چونکہ یہودیوں کے نزدیک زندگی بسر کررہے تھے اس لئے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ظہور پذیر ہونے کی خبریں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی خصوصیات ان کی زبان سے اکثر سنتے رہتے تھے۔حتی کہ جب کبھی ان کے اور یہودیوں کے درمیان کوئی تصادم ہوجاتا تو یہودی ان سے کہا کرتے تھے کہ:

جلد ہی اس علاقے میں پیغمبر صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا ظہور ہوگا ہم اس کی پیروی کریں گے اور تمہیں قوم --عاد-- اور --ارم-- کی طرح تباہ وبرباد کرکے رکھ دیں گے۔[1]

2۔قبیلہ --اوس-- اور --خزرج-- کے درمیان سالہا سال سے خانہ جنگی اور قتل وغارت کا سلسلہ چلا آرہا تھا، اہل یثرب اس داخلی جنگ سے تنگ آچکے تھے دونوں قبائل کے بزرگ اس فکر میں تھے کہ کوئی ایسی راہ نکل آئے جس کے ذریعے اس مصیبت بھری صورتحال سے نجات ملے ، رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی بعثت ان کیلئے درحقیقت امید بخش خوشخبری تھی چنانچہ یہی وجہ تھی کہ انہوں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے پہلی ملاقات میں عرض کیا:

--ہم اپنے قبائل کے افراد کو جنگ ونزاع میں چھوڑ کر آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں امید ہے کہ خداوندتعالیٰ آپؐ کے ذریعے ان میں صلح کرادے اور وہ ایک دوسرے کے ساتھ مل کر زندگی گزاریں۔اگر ایسا ہوجائے تو ہمارے نزدیک آپؐ سے بڑھ کر کوئی شخص عزیز تر نہ ہوگا۔[2]

3۔حقیقت کی جستجو کرنے والوں کی رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی خدمت میں بار بار حاضری:

اہل یثرب کی زمانہ حج میں آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے بار بار اور مسلسل ملاقاتیں کلام اللہ کی تاثیر پیغمبر صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی معنوی کشش اور ان ملاقاتوں کے دوران آسمانی دین کے بارے میں آپؐ کی سودمند و پرمغز گفتگو اس امر کا باعث ہوئی کہ قبائل --اوس-- اور --خزرج-- کے افراد جانب حق کشاں کشاں چلے آئے اور دین اسلام کو انہوں نے خوشی خوشی قبول کرلیا۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو قتل کرنے کی سازش

جب مسلمانوں کی غالب اکثریت --یثرب-- منتقل ہوگئی اور وہ شہر دین اسلام کا جدید مرکز بن گیا تو قریش کے سردار جو اس وقت تک اس گمان میں مبتلا تھے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اور اصحاب رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ہمیشہ ان کی مٹھی میں رہیں گے اور ایذا و آزار پہنچا کر انہیں کسی بھی وقت فنا کیا جاسکتا ہے یہ کیفیت دیکھ کر سخت مضطرب اور پریشان ہوئے ، رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ساتھ اہل یثرب کے دفاعی عہد وپیمان نے بھی ان کے لئے خطرہ کی اہمیت اور شدت کو واضح کردیا تھا چنانچہ اب وہ اس کی سنگینی کے بارے میں سوچنے لگے کیونکہ اب انہیں یہ خوف لاحق تھا کہ کہیں رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ان لوگوں کی مدد سے جو آپؐ کے ساتھ عہد وپیمان میں شریک ہیں ان سے انتقام لینے پر کمر بستہ نہ ہوجائیں یا کم از کم --یثرب-- کے علاقے پر غالب آنے کے بعد مسلمان ان کی تجارتی اور معاشی زندگی کو تو تباہ کر ہی سکتے ہیں۔

---

[1] السیرۃ النبویہ ج2 ص70۔

[2] السیرۃ النبویہ ج2 ص71۔

ان حالات کے پیش نظر قریش کے سردار --دارالندوہ--[1] میں جمع ہوئے۔طویل بحث وگفتگو اور تبادلہ خیال کے بعد انہوں نے اس رائے سے اتفاق کیا کہ ہر قبیلے سے ایک دلیر جوان منتخب کیا جائے اور وہ سب مل کر راتوں رات رسول اکرم ﷺ کے گھر کا محاصرہ کرلیں اور آنحضرت ﷺ پر حملہ آور ہوکر آپؐ کو قتل کرڈالیں ایسی صورت میں آپؐ کا خون تمام قبائل میں تقسیم ہوجائے گا اور حضرت عبدمناف کا خاندان قریش کی پوری طاقت کا مقابلہ نہیں کرسکے گا اور اگر انہوں نے خون بہا کا مطالبہ کیا تو سب مل کر اسے ادا کردیں گے۔

رسول اکرم ﷺ کو وحی کے ذریعے ان کی سازش کے بارے میں علم ہوگیا تھا چنانچہ آنحضرت ﷺ کو حکم دیا گیا کہ ہجرت کر کے یثرب تشریف لے جائیں۔قریش نے اپنی پوری طاقت کے ساتھ یکم ربیع الاول کی شب بعثت کے چودھویں سال آپؐ کے گھر کا محاصرہ کرلیا، رسول اکرم ﷺ نے حضرت علی علیہ السلام سے فرمایا کہ تم میرے بستر پر آرام کرو اور چادر اپنے سر مبارک پر ڈال لو تاکہ دشمن کو یہ علم نہ ہوسکے کہ آپؐ گھر سے تشریف لے جارہے ہیں اس کے بعد آپؐ نے مٹھی بھر خاک دست مبارک میں اٹھائی اور محاصرہ کرنے والوں کے سروں پر پھینک دی اور سورہ یسین کی پہلی نو آیتوں کی تلاوت فرمائی اور گھر سے باہر اس طرح تشریف لے آئے کہ کسی کو آپؐ کے وہاں سے جانے کا علم نہ ہوسکا۔

رسول خدا ﷺ نے گھر سے باہر تشریف لانے کے بعد شمال کی جانب رخ نہیں فرمایا کیونکہ اس طرف سے --یثرب-- کا راستہ گزرتا تھا بلکہ اس کے برعکس آپؐ نے جنوب مکہ کی راہ اختیار فرمائی اور ابوبکر کو لے کر --غار ثور-- میں تشریف لے گئے۔

جب قریش کو یہ علم ہوا کہ رسول خدا ﷺ گھر سے باہر تشریف لے گئے ہیں تو وہ شہر مکہ اور --یثرب-- کی طرف جانے والے تمام راستوں کی نگرانی کرنے لگے۔یہی نہیں بلکہ انہوں نے ماہر کھوجیوں کی خدمات بھی حاصل کیں اور یہ اعلان کیا کہ جو شخص بھی آپؐ کو گرفتار کرکے لائے گا اسے سو اونٹ بطور انعام دیئے جائیں گے لیکن انہوں نے جس قدر جستجو کی اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہوئے چنانچہ تین دن کے بعد تھک ہار کر بیٹھے رہے

رسول اکرم ﷺ جتنے عرصے غار --ثور-- میں تشریف فرمارہے حضرت علی علیہ السلام پیغمبر خدا ﷺ اور حضرت ابوبکر کے لئے کھانا پہنچاتے رہے اس کے ساتھ ہی آپ علیہ السلام مکہ کے حالات وواقعات سے بھی آنحضرت ﷺ کو مطلع فرماتے رہے[2]

چوتھی رات میں رسول خدا ﷺ حضرت علی علیہ السلام کو کچھ خاص ہدایات دے کر انجان راستہ سے یثرب کی طرف روانہ ہوئے۔[3]

ہجرت، انقلاب کی ضرورت

ایمان وجہاد کے ساتھ ساتھ قرآن مجید میں جن اہم اور تعمیری اصول وقواعد کا ذکر کیا گیا ہے ان میں سے ایک --ہجرت-- بھی

---

[1] دارالندوۃ درحقیقت قریش کی مشاورتی کونسل تھی یہ جگہ رسول اکرم ﷺ کے چوتھے جد حضرت قصی ابن کلاب نے قائم کی تھی۔اسلامی دور میں معاویہ نے اسے حکیم ابن حزام سے خرید لیا اور اسے --دارالامارۃ-- (ایوان صدرات) قرار دیا اس کے بعد اسے مسجد الحرام میں شامل کرلیا گیا (معجم البلدان ج 2 ص 423)۔

[2] الاحتجاج تالیف مرحوم طبرسی ج1 ص 141

[3] السیرۃ النبویہ ج2 ص 124-136۔

ہے[1]۔

ہجرت کے معنی ان قیود وبندشوں سے نجات اور رہائی حاصل کرلینا ہے جو انسان کے وجود یا اس کی زندگی کے اطراف میں موجود ہوتے ہیں ہوا وہوس اور باطنی آلودگیوں سے دل ودماغ کو پاک کرلینا اور ان سے فراغت پالینا ہی انسان کی ہجرت کا عالی ترین مرحلہ ہے :چنانچہ اس بارے میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اَشرَفُ الْهِجرَةِ اَن تُهجُرَ السَّيئَات[2]

بہترین ہجرت گناہوں سے ہجرت ہے۔

چنانچہ یہی وجہ ہے کہ خداوند تعالیٰ کی جانب سے مقرر کردہ انبیاء، اولیاء اور مصلحین انسانیت نے درجہ کمال پر پہنچنے اور اپنی مقدس آرزوں کو عملی شکل میں دیکھنے کے لئے --ہجرت --کی تحریک کا آغاز ہر گناہ وآلائش سے اجتناب کے ساتھ کیا۔ بعثت کے ابتدائی دنوں میں نازل نے والی آیتوں میں قرآن مجید کا ارشاد ہے[3] کہ:

يَآيُّهَا الْمُدَّثِّرُ قُمْ فَاَنْذِرْ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ[4]

--اے اوڑھ لپیٹ کر لیٹنے والے، اٹھو اور ڈراؤ...اور اپنے کپڑے پاک رکھو اور گندگی سے دور رہو--۔

اگلے مرحلے میں --آفاقی ہجرت --کی ہدایت دی گئی ہے یعنی اس مردہ معاشرے سے ہجرت جس میں کفر کے باعث جمود طاری ہوگیا ہے یہ ہجرت اس ماحول کی جانب ہے جو زندہ وآزاد ہے اور اس کا مقصد عقائد کا تحفظ نیز انقلاب کے اغراض ومقاصد کو حقیقت کی شکل میں پیش کرنا ہے۔ اس مرحلے پر ہجرت کا مفہوم دشمن یا میدان جنگ سے فرار نہیں بلکہ یہ وہ مقام ہے جہاں سے انقلاب کے نئے مرحلے کا آغاز ہوتا ہے اگر حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے معاشرے کے اس ماحول سے ہجرت کی جہاں کفر وشرک کا دور دورہ تھا تو اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں تھا کہ یہ انبیاء علیہم السلام اپنی جدوجہد سے دست بردار ہوگئے تھے اور انہیں اپنی جان ومال کی فکر لاحق ہوگئی تھی بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب انہیں اپنے وطن میں تبلیغ اور سرگرمی کے مواقع نظر نہ آئے تو انہوں نے فیصلہ کیا کہ یہاں سے ہجرت کرکے مناسب اور آزاد ماحول میں پہنچیں اور مزید طاقت وتوانائی اور وسائل کے ساتھ اپنی جدوجہد کو جاری رکھیں۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب یہ دیکھا کہ آپؐ کی ہر اصلاح پسندانہ سعی وکوشش مکہ کے مایوس کن اور گھٹے ہوئے ماحول میں لاحاصل اور بے نتیجہ ہے نیز دوسری طرف سے ان حالات کا مقابلہ کرنے کی تاب اور طاقت بھی نہیں تو آپؐ نے مجبوری کی حالت میں اپنے انقلاب کے تحفظ اور اسے جاری رکھنے کی خاطر ہجرت کو ترجیح دی تاکہ اپنی تحریک کی کتاب کا نیا باب شروع کرسکیں اور دین مبین اسلام کو محدود علاقائی ماحول سے نکال کر اس کی دعوت آزاد اور عالمی فضاء کے ماحول میں پیش کریں۔

---

[1] مثال کے طور پر سورہ توبہ کی آیت 20 میں اللہ نے فرمایا ہے کہ الَّذ ینَ آمَنُوا وَہاجَرُوا وَجَاہَدُوا فی سَبیل اللہ، أموَالہم وَأنفُسہم أعظَمُ دَرَجَۃً عندَ اللہ۔ اللہ کے یہاں تو انہی لوگوں کا درجہ بڑا ہے جو ایمان لائے اور جنہوں نے اس کی راہ میں گھر بار چھوڑ دیا اور جان ومال سے جہاد کیا

[2] کنز العمال ج 1 ص 37 حدیث 65۔

[3] بعض محققین کی یہ رائے ہے کہ سورہ مدثر وہ سورہ ہے جو سب سے پہلے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہوا لیکن دوسرے لوگوں کا یہ نظریہ ہے کہ جب عام دعوت اسلام کے لئے خداوند تعالیٰ کی جانب سے حکم ہوا تو اس کے بعد یہ پہلی سورت تھی جو نازل ہوئی (المیزان) ج 20، ص 79۔

[4] سورہ مدثر آیات 1-5

عالمی اسلامی تحریک کا یہ نیا عظیم باب اس قدر اہم اور تاریخ ساز تھا کہ اسے تاریخ اسلام کا مبداء و آغاز قرار دیا گیا چنانچہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دین کو جو اس وقت تک واقعہ -- عام الفیل -- سے وابستہ تھا اور اب اس سے رہائی اور نجات مل گئی تھی اور وہ تاریخ کے لحاظ سے بھی مستقل ہو گیا تھا۔

سوالات

1۔آیت مبارکہ (سُبحَانَ الَّذی أسریٰ بِعَبدہ لَیلاً من المَسجد الحَرام إلَی المَسجد الأقصَی الَّذی بَارَکنا حَولَہُ لنُریَہُ من آیاتنا)۔کس حدتک مسئلہ معراج پر دلالت کرتی ہے اور اس سے کون کون سے نکات اخذ کئے گئے ہیں؟

2۔حضرت ابو طالب علیہ السلام کی وفات کے بعد قریش نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ کیا رویہ اختیار کیا؟

3۔قبیلہ بنی عامر کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے واقعہ دعوت اسلام کا مختصر حال بیان کیجئے؟

4۔وہ پہلے دو شخص کون تھے جو یثرب کے رہنے والے تھے اور ان کی رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پہلی ملاقات کس طرح ہوئی؟ بیان کیجئے۔

5۔بعثت کے بارھویں سال اہل یثرب کے کتنے افراد رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ملاقات سے شرفیاب ہوئے نیز ان کے اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے درمیان کیا معاہدہ ہوا؟

6۔دوسرے تمام علاقوں سے قبل یثرب کے لوگوں نے کس وجہ سے دین اسلام قبول کیا؟

7۔مشرکین قریش نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قتل کرنے کیلئے کیا سازش تیار کی تھی اور وہ کس طرح اپنے مقصد میں ناکام ہوئے؟ وضاحت کیجئے۔

سبق 8:

مدینہ ہجرت کرنے کے بعد رسول خدا صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے اقدام

قبا میں رسول خدا صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی تشریف آوری

رسول خدا صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نو دن تک سفر کرنے کے بعد بتاریخ 12 ربیع الاول بروز پیر --قبا--[1] میں تشریف فرما ہوئے، جہاں لوگوں نے آپؐ کا نہایت ہی گرم جوشی سے استقبال کیا کیونکہ انہوں نے کافی عرصے قبل یہ خبر سنی تھی کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم مکہ سے یثرب تشریف لانے والے ہیں اسی لئے وہ لوگ بے صبری سے آپؐ کی تشریف آوری کا انتظار کر رہے تھے۔

پیغمبر اکرم صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم --کلثوم بن ہدم-- کے گھر پر قیام فرما ہوئے اور --سعد ابن خثیمہ-- کی قیام گاہ کو اس بنا پر کہ وہ مجرد آدمی تھے عام لوگوں سے ملاقات کے لئے پسند کیا۔[2]

رسول خدا صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم مکہ سے ہجرت فرما کر یثرب تشریف لے گئے تو حضرت علی علیہ السلام تین روز تک مکہ میں قیام پذیر رہے اور پیغمبر صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے جو ہدایت فرمائی تھی انہیں انجام دیتے رہے اس کے بعد اپنی والدہ محترمہ حضرت فاطمہ بنت اسد علیہا السلام، فاطمہ بنت زبیر، حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا اور دیگر اصحاب کے ہمراہ مکہ سے مدینے کی جانب روانہ ہوئے اور آج کے حساب سے گویا تقریباً چار سو کیلومیٹر طویل راستہ پیدل طے کیا چنانچہ بروز جمعرات ربیع الاول کے نصف میں، قبا میں پیغمبر صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی ملاقات سے مشرف ہوئے[3]، رسول خدا صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے قبا میں قیام کے دوران بنی عمر ابن عوف قبیلے کی عبادت کیلئے ایک مسجد کی بنیاد رکھی[4]، یہ مسجد آج بھی مسجد قبا کے نام سے مشہور ہے اور یہی وہ پہلی مسجد ہے جسے مسلمانوں نے تعمیر کی۔

مدینے میں تشریف آوری

رسول اکرم صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم، حضرت علی علیہ السلام اپنی دختر عزیز حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا اور دیگر اصحاب کے ہمراہ بروز جمعہ قبا سے مدینہ کے لئے روانہ ہوئے، آنحضرت صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے پہلی بار نماز جمعہ راستے میں قبیلہ --بنی سالم بن عوف-- کے درمیان ادا کی آپؐ نے خطبات میں مسئلہ توحید، لوگوں کی ہدایت کے لئے پیغمبروں کی آمد، قرآن مجید کی اہمیت نیز افراد کی تعمیر میں اس کتاب مقدس کے کردار اور مسئلہ موت اور معاد کو بیان فرمایا آپؐ نے لوگوں کو یہ ہدایت فرمائی کہ تقوی اور پاکیزگی پر کاربند رہیں، جو زبان سے کہیں اس پر عمل کریں اور راہ حق کے اپنے ساتھیوں کے ساتھ محبت اور خندہ روئی کے ساتھ پیش آئیں۔[5]

---

[1] قبا کسی زمانے میں مدینہ سے دو فرسخ کے فاصلے پر ایک گاؤں تھا اور اس کا شمار قبیلہ --بنی عمرو ابن عوف-- کے مرکز میں ہوتا تھا۔ اب چونکہ مدینہ کافی وسیع ہو چکا ہے اسی لئے یہ اسی شہر میں شمار ہوتا ہے۔

[2] السیرۃ النبویہ ج2 ص137-138۔

[3] ایضاً صفحہ 138۔

[4] ایضاً صفحہ 139

[5] اس خطبے کے متن کیلئے --بحار الانوار-- کی جلد 19 صفحہ 126 اور تاریخ طبری کی جلد 2 صفحہ 394 ملاحظہ فرمائیں۔

نماز ادا کرنے کے بعد آنحضرت ﷺ ناقے پر سوار ہوئے اگر چہ راستے میں کتنے ہی قبیلے ایسے آئے جنھوں نے بہت اصرار کیا کہ آپؐ ان کے درمیان قیام فرما ہوں مگر آنحضرت ﷺ نے مدینے کی جانب اپنا سفر جاری رکھا۔

اس روز یثرب کی رونق ہی کچھ اور تھی انصار نو جوانوں نے فضا کو بتوں کی کثافت آلود ماحول سے پاک وصاف کرنے کیلئے جان ودل کی بازی لگا دی راہ میں ہر طرف نعرہ تکبر کی گونج تھی مرد عورتیں اور بچے آپؐ کا دیدار کرنے کیلئے مشتاق و بے قرار تھے ہر شخص کی کوشش تھی کہ آنحضرت ﷺ کا دیدار کرنے میں دوسروں پر سبقت لے جائے ،خوشیوں کے ترانے ان کی زبان پر جاری تھے اور سب مل کر پڑھ رہے تھے:

طَلَعَ البَدْرُ عَلَينَا من ثَنِيّات الودَاع
وَجَبَ الشُّكرُ عَلَينَا مَادَعَالله دَاع:
ايُّهَا المَبعُوثُ فينَا جئتَ بالأمر المُطَاع[1]

(ماہ کامل ثنیات ،الوداع[2] سے ہم پر طلوع ہوا ہے،ہم پر شکر خدا اس وقت تک واجب ہے جب تک خدا کو پکارنے والا پکارتا رہے گا آپؐ وہ شخص ہیں جو ہمارے لئے ایسا فرمان لے کے آئے ہیں جس کی اطاعت کرنا ہمارے اوپر واجب ہے)۔

بالآخر ناقہ رسول ﷺ اس زمین پر رکی جو دو یتیموں کی ملکیت تھی ،رسول خدا ﷺ نے اس سے اتر کر زمین پر قدم رنجہ فرمایا اس کے بعد آپؐ ۔۔ابوایوب انصاری ۔۔کے گھر تشریف لے گئے اور وہیں قیام فرمایا۔[3]

جب رسول خدا ﷺ ہجرت فرما کر یثرب تشریف لے آئے تو اس شہر کا نام بدل کر مدینۃ الرسول ﷺ رکھ دیا گیا۔

الف:۔مسجد کی تعمیر

مورخین نے لکھا ہے کہ آنحضرت ﷺ جب ہجرت کر کے مدینہ تشریف لے گئے تو آپؐ نے سب سے پہلے جو اقدام یہاں فرمایا وہ مسجد کی تعمیر تھی اسی ضمن میں انہوں نے اس بات کا بھی ذکر کیا ہے: کہ یہ مسجد اس جگہ تعمیر کی گئی جہاں آپؐ کی ناقہ زمین پر بیٹھی تھی اور اس کی زمین مبلغ دس دینار کے عوض دو یتیم بچوں سے خریدی گئی[4]

تمام مسلمانوں نے پورے ذوق وشوق اور خاص اہتمام سے اس مسجد کے بنانے کی کوشش کی ،اس کے ساتھ ہی پیغمبر اکرم ﷺ کی جدو جہد نے اس جوش وخروش میں کئی گنا اضافہ کر دیا یہ ذوق وشوق حضرت عمار جیسے بعض لوگوں میں زیادہ نمایاں اور جلوہ گر تھا[5]

---

[1] السیر ۃ الحلبیہ ج 2 ص 54-57 ،بعض محققین کی رائے میں یہ اشعار اس وقت پڑھے گئے تھے جب آنحضرت ﷺ غزوہ تبوک سے واپس تشریف لا رہے تھے(ملاحظہ ہو الصحیح من سیرۃ النبی ج 2 ص 313)۔

[2] السیر ۃ الحلبیہ ج 2 ص 54-57 ،بعض محققین کی رائے میں یہ اشعار اس وقت پڑھے گئے تھے جب آنحضرت ﷺ غزوہ تبوک سے واپس تشریف لا رہے تھے(ملاحظہ ہو الصحیح من سیرۃ النبی ج 2 ص 313)۔

[3] السیر ۃ النبویہ ج 2 ص 139-141 ،بحار الانوار ص 104-109۔

[4] السیر ۃ الحلبیہ ج 2 ص 66-71۔

[5] السیر ۃ الحلبیہ ج 2 ص 66-71۔

مسلمانوں کی انتھک کوشش اور لگن سے یہ مسجد بن کر تیار ہوگئی، اس کی دیواریں مٹی اور پتھروں سے بنائی گئی تھیں ستونوں کے لئے کھجور کے تنے استعمال کئے گئے تھے چھت بھی کھجور کے تختوں اور اس کی شاخوں سے پاٹی گئی تھی[1]، مسجد کے ایک کونے میں کمرہ نما ایک جگہ مخصوص کی گئی تھی تا کہ وہ نادار اصحاب رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم جن کے پاس سر چھپانے کیلئے کوئی جگہ نہ تھی یہاں قیام پذیر ہوں[2] یہی وہ لوگ تھے جنہیں بعد میں --اصحاب صُفّہ-- کہا گیا۔[3]

اس مسجد کے بن جانے کے بعد مسلمانوں کو مرکزیت حاصل ہوگئی چنانچہ عام مسلمان جن میں صاحب خانہ اور بے گھر سب ہی شامل تھے بلا روک ٹوک یہاں جمع ہوتے اور عبادت و نماز با جماعت ادا کرنے کے علاوہ مسلمانوں کے اہم مسائل سے متعلق تبادلہ خیالات میں حصہ لیتے اس کے ساتھ ہی رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے یا ان اصحاب میں سے جنہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم مقرر فرماتے احکام دین اور دیگر مسائل کی تعلیم حاصل کرتے۔

جب مسجد کی تعمیر مکمل ہوگئی تو اس کے اطراف میں رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اور اصحاب کیلئے اس طرح مکانات بنائے گئے کہ ہر گھر کا ایک دروازہ مسجد کی جانب کھلتا تھا۔

کچھ عرصے کے بعد خداوند تعالیٰ کی طرف سے حکم ہوا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اور حضرت علی علیہ السلام کے گھروں کے علاوہ جن لوگوں کے گھروں کے دروازے مسجد کی جانب کھلتے ہیں بند کر دیئے جائیں، رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے جب یہ حکم خداوندی لوگوں تک پہنچایا تو بعض اصحاب کو یہ بات بہت گراں گزری اور انہیں یہ گمان ہونے لگا کہ یہ فرق و امتیاز خود رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا اپنا پیدا کردہ ہے اور یہ کام جذباتی پہلو رکھتا ہے لیکن رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے انہیں جواب دیتے ہوئے فرمایا: --یہ فرمان میں نے اپنی طرف سے نہیں دیا ہے بلکہ یہ حکم خداوندی ہے--۔[4]

رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے یہ قطعی موقف اس وقت اختیار کیا جبکہ مسلمان بالخصوص مہاجرین خاص حساسیت اور نازک صورت حال سے دو چار تھے اور انہیں پیغمبر صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے یہ توقع تھی کہ ان کی دلجوئی کریں گے اور ان پر مزید لطف و عنایت فرمائیں گے ان کیلئے یہ بھی بہت بڑی سعادت تھی کہ ان کے گھروں کے دروازے مسجد کی جانب کھلتے ہیں اس میں شک نہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو صحابہ کرام سے تعلق خاطر تھا مگر یہ واقعہ اس حقیقت کا آئینہ دار تھا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا تعلق خاطر اور جذبہ لطف و عنایت، حکم الٰہی کو ان تک پہنچانے میں مانع نہیں ہوا تھا اور کوئی چیز آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو فرمان حق صادر کرنے سے نہیں روک سکتی تھی۔

ب:۔رشتہ اخوت و برادری

اس میں شک نہیں کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے مکہ میں مسلمانوں کے درمیان رشتہ اخوت و برادری برقرار فرمایا تھا۔[5] لیکن ہجرت کرکے ان مسلمانوں کا مکہ سے مدینہ چلے آنا اور نئے اقتصادی و اجتماعی مسائل و حالات کا پیدا ہونا یہ سب اس امر کا باعث ہوئے

---

[1] السیرۃ الحلبیہ ج2 ص66-71۔
[2] بعض روایات میں آیا ہے کہ ان کی تعداد چار سو افراد پر مشتمل تھی (ملاحظہ ہو بحار الانوار ج67 ص128)
[3] السیرۃ الحلبیہ ج2 ص81
[4] بحار الانوار ج19 ص112۔
[5] ملاحظہ ہو السیرۃ الحلبیہ ج2 ص90۔

کہ مہاجر وانصار مسلمانوں کے درمیان نئے سرے سے رشتہ اخوت و برادری برقرار ہو چنانچہ یہی وجہ تھی کہ آپؐ نے مسلمانوں کو جمع کیا اوران سے فرمایا:

(تَآخَّوا فی اللہ اَخَوَین اَخَوَین)

--راہ خدا میں تم دو دو مل کر بھائی بن جاؤ--۔[1]

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اس دانشمندانہ اقدام سے ان مہاجرین کے مسائل زندگی کو حل کر دیا جو اپنے مقدس اہداف اور ایمان کی حفاظت کے لئے اپنی ہر چیز مکہ میں چھوڑ کر مدینہ چلے آئے تھے اگرچہ مہاجرین اور انصار دو مختلف ماحول کے پروردہ تھے اوران کے طرز فکر و معاشرت میں بھی نمایاں فرق تھا لیکن آپؐ نے انہیں اپنی دانشمندی سے نہ صرف یک جان و دو قالب کر دیا بلکہ دونوں کے حقوق اور مراعات کو بھی مقرر اور مرتب فرمایا۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مہاجرین اور انصار کے درمیان رشتہ اخوت اور برادری برقرار کرنے کے بعد حضرت علی علیہ السلام کے دست مبارک کو اپنے دست مبارک میں لے کر فرمایا: --ہذا اخی--- یہ میرا بھائی ہے--۔[2]

ج:۔ یہودیوں کے ساتھ عہد و پیمان

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہجرت کرنے سے قبل مقامی مشرکین کے علاوہ یہودیوں کے --بنی قینقاع--، --بنی نضیر-- اور --بنی قریظہ-- نامی تین قبیلے مدینے میں آباد تھے اورانہی کے ہاتھوں میں اس شہر کی صنعت و تجارت تھی۔

اگر چہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مہاجرین اور انصار کے درمیان رشتہ اخوت و برادری برقرار کر کے اپنی طاقت کو متحد کرنے کیلئے بہت ہی اہم اقدام کیا مگر آپؐ کے سامنے ایک اور دشوار داخلی مرحلہ تھا اور وہ تھا ان یہودیوں کا وجود جو اس سرزمین پر آباد تھے۔

حالات کے پیش نظر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہودیوں کے ساتھ ایک معاہدے پر دستخط کئے جس کی بعض شقیں ذیل میں درج ہیں:

1۔جن لوگوں نے اس معاہدے پر دستخط کئے ہیں وہ ایک قوم بن کر یہاں زندگی بسر کریں گے۔

2۔اس معاہدے میں جو فریقین شامل ہیں ان میں سے ہر فریق کو اپنی دینی رسومات انجام دینے کی آزادی ہوگی۔

3۔مدینے کی حدود میں ہر قسم کی خونریزی حرام ہوگی اور اگر باہر سے کسی دشمن نے حملہ کیا تو سب مل کر شہر کا دفاع کریں گے، معاہدے میں جو فریقین شامل ہیں اگر ان میں سے کسی ایک فریق پر کسی بیرونی طاقت نے حملہ کیا تو فریق ثانی اس کی مدد کرے گا بشرطیکہ وہ خود تجاوز کار نہ ہو۔

4۔اختلافی مسائل میں اختلاف کو دور کرنے کیلئے خدا اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے رجوع کیا جائے گا۔[3]

اس معاہدے کی برقراری کے بعد پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حکومت معمولی حکومت نہیں رہ گئی بلکہ اس نے مستقل حیثیت اختیار کر لی

---

[1] السیرۃ النبویہ ج2 ص150۔

[2] السیرۃ الحلبیہ ج2 ص90 السیرۃ النبویہ ج2 ص150۔

[3] السیرۃ النبویہ ج2 ص147-149۔

اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سرکاری سطح پر حاکم مدینہ تسلیم کرلیا گیا اور حلقہ اسلام کے اندر سیاسی وحدت تشکیل پائی نیز بیرونی دشمنوں کے مقابل اسلام کی دفاعی بنیاد کو تقویت حاصل ہوئی نیز رہبر اسلام کیلئے دین کی تبلیغ کے لئے وسیع ترین میدان ہموار ہوگیا اور بالآخر اس طرح معاشرتی حدود نیز انفرادی گروہی اور مذہبی اقلیتوں کے حقوق اور ان کے باہمی روابط وتعلقات نیز دشمن کے ساتھ ان کے تعلقات کی کیفیت کی تعیین ہوئی۔

عہد شکنی

مسلمانوں اور یہودیوں کے درمیان باہمی مسالمت آمیز عہد مدینے کے یہودیوں کیلئے بہت زیادہ سازگار ثابت ہوسکتا تھا وہ اس عہد و پیمان کی بدولت اسلامی حکومت کے زیر سایہ آزادی کے ساتھ زندگی بسر کر سکتے تھے لیکن انہوں نے اس نعمت کی قدر نہ کی چنانچہ کچھ عرصہ گزرنے کے بعد جب انہوں نے جدید حکومت سے اپنی سیاسی و اجتماعی زندگی اور برتری کو خطرہ میں محسوس کیا تو انہوں نے اس عہد کو جو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ کیا تھا نظر انداز کرنا شروع کردیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف سازشیں کرنے لگے وہ مسلمانوں کے دینی عقائد [1] میں شکوک وشبہات پیدا کرکے اور دور جاہلیت کے کینہ واختلاف کو یاد دلاکر [2] ان کے عقائد میں ضعف وسستی اور ان کی صفوں میں انتشار پیدا کرنے کی کوشش کرنے لگے۔

منافقین (بالخصوص ان کا سرغنہ عبداللہ ابن ابی) جو خفیہ طور پر یہودیوں کے ساتھ مل گئے تھے اس سازش میں ان کے ساتھ شریک ہوگئے چنانچہ وہ لوگ مسلمانوں کے عقائد کا مذاق اڑاتے اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ ایک مرتبہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجبور ہوکر حکم دیا کہ انہیں مسجد سے باہر نکال دیا جائے۔ [3]

جنگی اور جاسوسی اقدامات کا آغاز

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مملکت اسلامی کی طاقت کو وسعت دینے اور اسلامی حکومت کے مقدس اغراض ومقاصد کے تحقق کیلئے جو اقدامات فرمائے ان میں جنگی اور جاسوسی ٹیموں کی تشکیل بھی تھی۔ دستوں کو مدینہ سے باہر روانہ کیا اور یہیں سے یہودیوں سے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سرایا اور غزوات شروع ہوئے اس کے علاوہ دشمن کے خلاف جنگ ودفاع کا جو فرسودہ نظام اب تک چلا آرہا تھا اس میں آپؐ نے تبدیلی پیدا کرکے اس کیلئے جدید اصول وقواعد مرتب کئے۔

مورخین نے جنگ بدر سے قبل کے سرایا اور غزوات کی تعداد آٹھ عدد لکھی ہے [4] ان مہمات میں شریک سپاہیوں کی تعداد

---

[1] ان کے اعتراضات اور شکوک وشبہات کے بارے میں مزید اطلاع حاصل کرنے کیلئے ملاحظہ ہو السیرۃ الحلبیہ ج 1 ص 338 کے حاشیے پر السیرۃ النبویہ دحلان۔

[2] مثال کے طور پر ایک مرتبہ ان میں سے ایک شخص نے --اوس-- اور --خزرج-- قبائل کے اجتماع میں اس جنگ کا ذکر چھیڑ دیا جو مذکورہ بالا دونوں قبائل کے درمیان لڑی گئی تھی اور جنگ --بعاث-- کے نام سے مشہور تھی۔ اور اس طرح ایک دوسرے کے خلاف ان کے جذبات مشتعل کرنے کی کوشش کی۔ اگر اس وقت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم درمیان میں نہ آگئے ہوتے تو عین ممکن تھا کہ یہ دونوں بھائی تلواروں سے ایک دوسرے پر ٹوٹ پڑتے۔ ملاحظہ ہو السیرۃ النبویہ ج 2 ص 204-205

[3] السیرۃ النبویہ ج 2 ص 175-

[4] ان غزوات اور سرایا سے متعلق بیشتر اطلاع کیلئے ملاحظہ ہو السیرۃ النبویہ ج 2 ص 241-256

محدود تھی اور وہ سب کے سب مہاجر ہی تھے[1] ہم یہاں دو نکات کا بطور اختصار ذکر کریں گے:

1۔انصار کے ان مہموں میں شریک نہ ہونے کا سبب 2۔ان مہمات اور غزوات کا مقصد

انصار کا ان مہمات میں شریک نہ ہونے کا سبب

1۔عقبہ کے معاہدے کی رو سے انصار اس شرط کے پابند تھے کہ وہ رسول خدا ﷺ کا دفاع شہر کی حدود کے اندر کریں گے اس کے باہر نہیں۔

2۔انصار چونکہ کچھ عرصہ قبل ہی مشرف با اسلام ہوئے تھے اور آئندہ جو مشکلات نیز جو دشواریاں درپیش تھیں ان کا مقابلہ کرنے کیلئے وہ خود کو تیار کر رہے تھے اسی لئے ان حقائق کو مدنظر رکھتے ہوئے پیغمبر اکرم ﷺ نے مصلحت اس امر میں دیکھی کہ ان کی طاقت کو اس موقع پر بروئے کار نہ لایا جائے۔

3۔مہاجرین کا انتخاب بھی شاید اس مقصد کے تحت کیا گیا تھا کہ ان میں ایسی جنگی مہمات میں شرکت کا جذبہ انصار سے کہیں زیادہ تھا جس کی وجہ یہ تھی کہ انہوں نے قریش کے ہاتھوں جو تکالیف و سختیاں برداشت کی تھیں ان کے باعث وہ ان سے سخت رنجیدہ خاطر تھا اس کے علاوہ ان کیلئے مدینہ میں کوئی مادی وابستگی بھی نہ تھی۔ دوسری طرف وہ یہ بھی چاہتے تھے کہ مدینہ اور اطراف مدینہ کے جغرافیہ کے بارے میں بیشتر اطلاعات کسب کریں۔

4۔رسول اکرم ﷺ اس تحریک کے ذریعے انصار پر یہ بات واضح کر دینا چاہتے تھے کہ آپ اپنے مقاصد کو ہر حال حاصل کرنے کا قطعی فیصلہ اور مصمم ارادہ کر چکے ہیں وہ مہاجرین جنہوں نے راہ خدا میں ہر چیز کو ترک کر دیا تھا وہ مکہ کی طرح اس وقت بھی فرمان رسول ﷺ کی خاطر شرک سے جنگ کرنے میں اپنی جان قربان کرنے کیلئے تیار تھے یہ درحقیقت ان لوگوں کیلئے عملی درس تھا جو حال ہی میں مشرف با اسلام ہوئے تھے۔

ان جنگوں اور غزوات کا مقصد:

1۔ہادی و رہبر کی حیثیت کو مستحکم کرنا اور اسلام کی مرکزی حکومت کو تقویت پہنچانا۔

2۔مسلمانوں کی جنگی استعداد و طاقت کو بلند و مضبوط کرنا نیز لشکر اسلام کو آئندہ کی مشکلات کیلئے آمادہ کرنا۔

3۔اطراف و مضافات میں بسنے والے قبائل کے ساتھ دفاعی معاہدے خصوصاً ان لوگوں سے معاہدہ کرنا جو قریش کے تجارتی قافلوں کے راستے میں آباد تھے۔

4۔جغرافیائی ماحول اور شہروں کو متصل کرنے والے راستوں سے واقفیت اس کے ساتھ ہی اطراف مدینہ میں آباد قبائل کے بارے میں معلومات حاصل کرنا۔

5۔قریش کو جنگ کی تنبیہ کرنا اور ان کے رابطوں اور تجارتی راستوں کو غیر محفوظ بنانا اور دشمن کو مسلمانوں کی طاقت اور مقام سے آگاہ کرنا۔

قبلہ کی تبدیلی

[1] الصحیح من سیرۃ النبی ﷺ ج 3 ص 145۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ میں اور ہجرت کے بعد مدینہ میں سترہ ماہ تک بیت المقدس کی جانب رخ کر کے نماز ادا کرتے رہے یہاں تک کہ پیر کے دن پندرہ ماہ رجب سنہ 2ھ میں یہ واقعہ پیش آیا کہ جب آپ مسجد بنی سالم بن عوف میں[1] جہاں سب سے پہلی نماز جمعہ ادا کی گئی تھی، نماز ظہر ادا فرما رہے تھے آپ کو یہ حکم دیا گیا کہ اپنا قبلہ تبدیل کر دیں۔

قبلہ جن وجوہات کی بنا پر تبدیل کیا گیا ان میں سے چند یہ تھیں:

1۔ایک طرف تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر یہودی یہ اعتراض کرتے تھے کہ جب تم ہماری مخالفت کرتے ہو تو ہمارے قبلہ کی جانب رخ کر کے نماز کیوں پڑھتے ہو اس کے ساتھ ہی وہ مسلمانوں سے یہ کہتے کہ:

اگر ہم حق پر نہ ہوتے تو تم ہمارے قبلے کی جانب رخ کر کے نماز کیوں پڑھتے؟[2]

دوسری طرف مشرکین یہ طعنہ دیتے کہ: تم جبکہ قبلہ ابراہیم علیہ السلام کو ترک کر کے قبلہ یہود کی طرف نماز پڑھتے ہو تو یہ کیسے دعوی کرتے ہو کہ ہم ملت ابراہیم علیہ السلام پر قائم ہیں[3]

اس قسم کے اعتراضات اور طعنے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سخت رنجیدہ اور آزردہ خاطر کرتے تھے چنانچہ یہی وجہ تھی کہ آپ راتوں کو بارگاہ خداوندی میں دعا فرماتے اور مقام رب ذوالجلال کی جانب رخ کر کے اپنی آنکھیں آسمان کی جانب لگا دیتے تا کہ خداوند تعالیٰ کی جانب سے اس بارے میں کوئی حکم صادر ہو۔[4]

قرآن مجید نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس ذہنی کیفیت کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَاءِ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰهَا

--اے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم آپ کی توجہ آسمان کی جانب دیکھ رہے ہیں لو ہم اس قبلے کی طرف تمہیں پھیرے دیتے ہیں جسے تم پسند کرتے ہو--۔[5]

2۔خداوند تعالیٰ قبلہ کا رخ تبدیل کر کے مسلمانوں کو آزمانا چاہتا تھا کہ یہ معلوم ہو جائے کہ کون لوگ حکم خدا کے مطیع اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمانبردار ہیں۔

وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِي كُنْتَ عَلَيْهَا إِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَتَّبِعُ الرَّسُولَ مِمَّنْ يَنْقَلِبُ عَلٰى عَقِبَيْهِ وَإِنْ كَانَتْ لَكَبِيرَةً إِلَّا عَلَى الَّذِينَ هَدَى اللّٰهُ[6]

--پہلے جس طرف تم رخ کرتے تھے اس کو تو ہم نے صرف یہ دیکھنے کیلئے قبلہ مقرر کیا تھا کہ کون رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی کرتا ہے اور کون الٹا پھر جاتا ہے یہ معاملہ تھا تو بڑا سخت مگر ان لوگوں کیلئے کچھ بھی سخت نہ تھا جو اللہ کی جانب سے ہدایت سے فیضیاب تھے--۔

[1] اعلام الوری ص 82۔
[2] السیرۃ الحلبیہ ج 2 ص 128۔
[3] السیرۃ الحلبیہ ج 2 ص 128۔
[4] بحار الانوار ج 19 ص 201۔
[5] سورہ بقرہ آیہ 144۔
[6] سورہ بقرہ آیہ 143۔

3۔ بعض روایات [1] اور تاریخی کی کتابوں [2] میں اس کا ایک سبب یہ بھی بتایا گیا ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ میں اس وقت جبکہ آپ ؐ کا رخ مبارک بیت المقدس کی جانب ہوتا ہرگز کعبہ کی جانب پشت نہیں فرماتے تھے لیکن ہجرت کے بعد مدینے میں جس وقت آپ ؐ نماز ادا کرتے تو اس وقت مجبوراً آپ ؐ کی پشت کعبہ کی جانب ہوتی، رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قلب مبارک میں بیت ابراہیمی کیلئے جو جو احترام تھا اور اس کی جانب پشت کرنے سے آپ ؐ کو تکلیف ہوتی تھی اسے ملحوظ رکھتے ہوئے خداوند تعالیٰ نے تحویل قبلہ کے ذریعے آپ ؐ کی رضامندی کا اہتمام کیا۔

سمت قبلہ تبدیل کئے جانے کے بعد یہودیوں نے دوبارہ اعتراضات کرنا شروع کر دیئے کہ آخر وہ کیا عوامل تھے جن کے باعث مسلمان قبلہ اول سے روگرداں ہو گئے؟ اس کے ساتھ ہی انہوں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے یہ شرط رکھی کہ اگر آپ ؐ قبلہ یہود کی طرف رخ فرمالیں تو ہم آپ ؐ کی پیروی واطاعت کرنے لگیں گے [3]۔

بعض سادہ لوح مسلمان یہودیوں کے پروپیگنڈے کا شکار ہو کر دریافت کرنے لگے کہ وہ نماز جو انہوں نے بیت المقدس کی جانب رخ کر کے ادا کی ہیں ان کا کیا ہوگا۔

قرآن مجید نے ان کے اس سوال کا جواب دیتے ہوئے فرمایا:

مَا كَانَ لِيُضِيعَ اِيمَانَكُم۔ [4]

--اللہ تعالیٰ تمہارے ایمان (یعنی بیت المقدس کی جانب ادا کی جانے والی نماز) کو ہرگز ضائع نہ کرے گا--۔ [5]

سوالات

1۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کس تاریخ کو قبا پہنچے؟ آپ ؐ نے کتنے عرصے اور کس مقصد کیلئے توقف فرمایا اور دوران قیام کیا اقدامات کئے؟

2۔ جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ میں تشریف لائے تو لوگوں نے آپ ؐ کا کس طرح استقبال کیا اور آپ ؐ نے کس صحابی کے گھر پر قیام فرمایا؟

3۔ ہجرت کے بعد مدینے میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کن لوگوں کے درمیان رشتہ اخوت و برادری قائم کیا؟ اپ کے اس اقدام کے کیا نتائج برامد ہوئے؟

4۔ ہجرت کے بعد مدینہ میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سب سے پہلے کیا اقدام کیا اور اس کا کیا فائدہ ہوا؟

5۔ پیغمبر اکرم ؐ نے داخلی امن وامان فراہم کرنے کے لئے کیا اقدامات کئے؟ ان اقدامات میں کیا خوبیاں اور برکات تھیں؟

6۔ جنگ بدر سے قبل سرایا اور غزوات میں صرف مہاجرین ہی کیوں شریک رہا کرتے تھے؟

7۔ جنگ بدر سے قبل رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سرایا اور غزوات کے ذریعے کن مقاصد کی تکمیل چاہتے تھے؟

8۔ سمت قبلہ بیت المقدس سے کعبہ کی جانب کس تاریخ میں تبدیل ہوئی اور تبدیلی کی کیا وجوہات تھیں؟

---

[1] بحارالانوار ج19 ص200۔

[2] ملاحظہ ہو: السیرۃ الحلبیہ ج2 ص128-130۔

[3] ملاحظہ ہو: السیرۃ النبویہ ج2 ص198، 199 و بحارالانوار ج19 ص195۔

[4] بقرہ آیت 143۔

[5] بحارالانوار ج19 ص197۔

سبق9:

جنگ بدر

2 ہجری میں جو واقعات رونما ہوئے ان میں سے ایک جنگ بدر کا تقدیر ساز معرکہ تھا اس جنگ کا تعلق ارادہ ایزدی سے تھا۔
قرآن مجید کی آیات سے جو بات سمجھ میں آتی ہے وہ یہ ہے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مدینہ سے قریش کے تجارتی قافلہ کے تعاقب اور نتیجہ میں جنگ کیلئے نکلنا وحی اور آسمانی حکم کے مطابق تھا جیسا کہ ارشاد ہے:

كَمَآ اَخۡرَجَكَ رَبُّكَ مِنۡۢ بَيۡتِكَ بِالۡحَقِّ۪ [1]

--جس طرح تمہارے رب نے تمہیں تمہارے گھر سے حق [2] کے ساتھ برآمد کیا--۔

لیکن بعض سست عقیدہ لوگ کہ جو اسلامی مسائل کو اچھی طرح نہیں سمجھتے تھے انہیں اس جنگ میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ روانہ ہونا گوارہ نہ تھا۔

بِالۡحَقِّ۪ وَاِنَّ فَرِيۡقًا مِّنَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ لَكٰرِهُوۡنَۙ [3]

اور مومنوں میں ایک گروہ کو یہ گوارہ نہ تھا۔

یہ ظاہر بین گروہ اس حقیقت کو جاننے کے باوجود کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ اقدام حکم خدا کے عین مطابق ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ جنگ بدر پر جانے کیلئے جھگڑا کرنے پر لگا ہوا تھا۔

يُجَادِلُوۡنَكَ فِى الۡحَـقِّ بَعۡدَمَا تَبَيَّنَ [4]

یہ لوگ حق کے واضح ہو جانے کے بعد بھی آپؐ سے بحث کرتے ہیں

قرآن مجید نے اس گروہ کی ذہنی کیفیت کو اس طرح بیان کیا ہے۔

كَاَنَّمَا يُسَاقُوۡنَ اِلَى الۡمَوۡتِ وَهُمۡ يَنۡظُرُوۡنَ [5]

جیسے یہ موت کی طرف ہنکائے جا رہے ہیں اور حسرت سے اپنا انجام دیکھ رہے ہیں۔ اگر چہ بعض مورخین نے لکھا ہے کہ جو لوگ بدر کی طرف جانے کے مخالف تھے ان کی مخالفت میں بدنیتی اور ایمان کی کمزوری شامل نہ تھی بلکہ اس کی وجہ یہ تھی کہ انہیں چونکہ یہ یقین تھا نہ کہ یہ جنگ وقوع پذیر ہوگی اسی لئے وہ ساتھ چلنے سے انکار کر رہے تھے [6] مگر اس بارے میں قرآن مجید کا صریح ارشاد ہے کہ: اگر چہ

---

[1] سورہ انفال آیت 5
[2] مجمع البیان ج4 ص521 میں ایک روایت کی بنا پر --بالحق-- سے مراد --بالوحی-- ہے۔
[3] سورہ انفال آیت 5
[4] سورہ انفال/6
[5] سورہ انفال/6
[6] ملاحظہ ہو المغازی، واقدی، ج1 ص21 و شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج14 ص85

حق ان پر واضح وروشن ہو چکا تھا مگر اس کے باوجود انہیں اسے قبول کرنا گوارہ نہ تھا ان کی دلیل یہ تھی کہ ہماری تعداد بہت کم ہے اور دشمن بہت زیادہ ہیں ایسی صورت میں ہم اتنے بڑے دشمن کا مقابلہ کرنے کیلئے مدینہ سے باہر کیسے جا سکتے ہیں۔[1] یا ہم بلا سوچے سمجھے اندھا دھند یہ کام کر رہے ہیں، کیونکہ یہ بھی تو نہیں معلوم کہ ہدف کاروان جنگ ہے یا قافلہ تجارت[2]؟

دوسری دلیل جو اس حقیقت کو ثابت کرتی ہے کہ مسلمین وکفار کے درمیان یہ جنگ حکم الٰہی کا قطعی وحتمی نتیجہ تھی اور انہیں ایک دوسرے کا مقابلہ کرنے کی ترغیب دلا رہی تھی یہ تھی کہ جنگ سے پہلے ہی دونوں گروہوں میں سے ہر ایک کو دوسرے کی تعداد کم نظر آ رہی تھی۔

وَاِذْ يُرِيْكُمُوْهُمْ اِذِ الْتَقَيْتُمْ فِيْٓ اَعْيُنِكُمْ قَلِيْلًا وَّيُقَلِّلُكُمْ فِيْٓ اَعْيُنِهِمْ۔[3]

--اس وقت کو یاد کرو جب تم ایک دوسرے کے مقابلے میں آئے تو خدا نے انہیں تمہاری نگاہوں میں کم دکھایا اور تمہیں اس کی نگاہوں میں کم دکھایا--۔

دشمن کی تعداد کو قلیل کر کے دکھانے کی وجہ یہ تھی کہ اگر کچھ مسلمانوں کو دشمن کی تعداد طاقت اور جنگی تیاری کا اندازہ ہو جاتا تو اس بات کا امکان تھا کہ وہ جنگ میں سستی سے کام لیتے اور ان کے درمیان باہمی اختلاف پیدا ہو جاتا۔

وَلَوْ اَرٰىكَهُمْ كَثِيْرًا لَّفَشِلْتُمْ وَلَتَنَازَعْتُمْ فِي الْاَمْرِ[4]

--اگر کہیں وہ تمہیں ان کی تعداد زیادہ دکھا دیتا تو ضرور تم لوگ ہمت ہار جاتے اور جنگ کے معاملے میں جھگڑا شروع کر دیتے--۔

اس وقت سیاسی اور فوجی صورت حال ایسی تھی کہ اگر وہ آپس میں ایک دوسرے کی مدد کا وعدہ بھی کرتے تو وہ اس سے روگرداں ہو جاتے۔

وَلَوْ تَوَاعَدْتُّمْ لَاخْتَلَفْتُمْ فِي الْمِيْعٰدِ۔[5]

--اگر کہیں تم ایک دوسرے کی مدد کا وعدہ بھی کر چکے ہوتے تو تم ضرور اس موقع پر پہلو تہی کر جاتے--۔

دوسری طرف اگر دشمن کو مسلمان طاقت وتعداد میں زیادہ نظر آتے تو اس میں کوئی تعجب کی بات نہ تھی کہ کفار مسلمانوں کا مقابلہ کرنے سے گریز کر جاتے اور اس تقدیر ساز جنگ کے لئے آمادہ نہ ہوتے۔

چنانچہ یہی وجہ تھی کہ خداوند تعالیٰ نے حالات ایسے پیدا کر دیئے کہ اب دونوں گروہوں کیلئے اس کے علاوہ چارہ نہ تھا کہ وہ ایک دوسرے کے مقابل آ جائیں اور ایک دوسرے کے ساتھ جنگ کریں تا کہ ارادہ خداوندی حقیقت کی صورت اختیار کر جائے۔

---

[1] مجمع البیان ج3-4 ص520

[2] مجمع البیان ج3-4 ص520

[3] سورہ انفال/44

[4] سورہ انفال/43

[5] سورہ انفال/42

لِيَقْضِيَ اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا.[1]

--تا کہ خدا کی ہو کر رہنے والی بات ہو کر رہے--۔اس زمانے میں اسلامی معاشرے کی جو سیاسی و اجتماعی حالت تھی اگر ہم اس کا مطالعہ کریں تو ہم اس نتیجے پر پہنچیں گے کہ اس وقت کی سیاسی و اجتماعی حالت کے پیش نظر ایسی فاتحانہ جنگ کی اشد ضرورت تھی کیونکہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تیرہ (13) سال تک علی الاعلان امت کی اصلاح و نجات کے لئے دعوت اسلام دیتے رہے مگر ان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس صدائے حق وعدل کو معدودے چند کے علاوہ باقی لوگوں نے نہ صرف سننا گوارہ نہ کیا بلکہ ہر قسم کی ایذا و تکلیف پہنچا کر آپ کو جلا وطنی پر مجبور کر دیا اور جو لوگ وہاں رہ گئے تھے وہ بھی سخت اذیت و آزار میں مبتلا تھے اور انہوں نے ان پر ایسی سخت پابندیاں لگا رکھی تھیں کہ وہ ہجرت کر کے مدینہ بھی نہیں جا سکتے تھے۔[2]

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہجرت کے بعد بھی دشمنوں نے چین کا سانس لینے نہ دیا، ابوجہل نے خط لکھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ دھمکی دی کہ یہ مت سمجھ لینا کہ تم نے ہجرت کر کے قریش کے چنگل سے نجات پالی ہے، دیکھنا جلد ہی تم پر چاروں طرف سے قریش اور دوسرے دشمنوں کی طرف سے یلغار ہوگی اور یہ ایسا سخت حملہ ہوگا کہ تمہارا اور تمہارے دین اسلام کا نام صفحۂ ہستی سے نیست و نابود ہو جائے گا۔[3]

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ خط جنگ شروع ہونے سے 29 دن پہلے ملا تھا۔[4]

دوسری طرف انصار مسلمین کی تعداد میں روز بروز اضافہ ہو رہا تھا اور وہ کئی مناسب مواقع پر رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تحفظ اور آپ کے دین کی پاسداری کا اعلان کر چکے تھے۔

مہاجرین نے بھی ان مہمات و غزوات میں جو جنگ بدر سے پہلے وقوع پذیر ہو چکے تھے شرکت کر کے یہ ثابت کر دیا تھا کہ وہ اب بھی حسب سابق اپنے ارادے پر قائم اور ہر قسم کی قربانی دینے کیلئے تیار ہیں۔دوسری طرف منافقین اور یہودیوں کی تحریک اپنا کام کر رہی تھی، ابتداء میں جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو انہوں نے پہلے پہل تو آپ کا خندہ پیشانی سے استقبال کیا لیکن جب وہ اپنے ناپاک ارادوں میں کامیاب نہ ہو سکے تو مخالفت و سرکشی پر اتر آئے۔رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی اٹھارہ (18) ماہ سے زیادہ قیام کے دوران جہاں تک ہو سکتا تھا دشمن سے مقابلہ کیلئے فوج تیار کی تھی۔

ان تمام پہلوؤں کو مدنظر رکھتے ہوئے کہا جا سکتا ہے کہ اب وہ وقت آن پہنچا تھا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وسیع پیمانے پر فتح مندانہ عسکری تحریک کے ساتھ دین اسلام کو گوشہ نشینی کی حالت سے نکال کر اسے طاقتور اجتماعی تحریک میں بدل دیں تا کہ شرک کے دعویدار اچھی طرح سمجھ لیں کہ مکہ میں جو مسلمانوں کی حالت تھی اب وہ بدل چکی ہے اور اگر اس کے بعد مخالفت و خلل اندازی کی گئی تو وہ ہوں گے اور اسلام کی ایسی کاٹ دار تلوار ہوگی جس سے ان کی جڑیں تک کٹ جائیں گی اور بنیاد تباہ و برباد ہو کر رہ جائے گی، کیونکہ یہ حق کا ارادہ ہے اور اس میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہو سکتی۔

---

[1] سورہ انفال/44

[2] السیرۃ النبویہ ج2 ص144

[3] بحار الانوار ج19 ص265-267

[4] بحار الانوار ج19 ص265-267

وَيُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَيَقْطَعَ دَابِرَ الْكٰفِرِيْنَ۔ [1]

--خدا اپنے کلمات کے ذریعے حق کو ثابت کردینا چاہتا ہے اور کافروں کے سلسلے کو قطع کردینا چاہتا ہے--۔

جنگ بدر کی مختصر تاریخ

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اتوار کے روز 12 رمضان سنہ 2 ہجری کو 313 مسلمان افراد کے ہمراہ (جن میں 82 مہاجرین اور 231 انصار شامل تھے) مدینہ سے --بدر-- کی جانب روانہ ہوئے اس وقت آپؐ کے پاس صرف دو گھوڑے اور سترہ اونٹ تھے اور ابتدائی مقصد قریش کے اس تجارتی قافلے کا تعاقب کرنا تھا جو ابوسفیان کی سرکردگی میں چلا جارہا تھا۔ [2]

--ذفران-- کے مقام پر آپؐ کو اطلاع ملی کہ ابوسفیان اپنے قافلے کی حفاظت کی خاطر راستہ بدل کر مکہ چلا گیا ہے لیکن مسلح سپاہی مکہ سے مسلمانوں کے ساتھ جنگ کرنے کیلئے --بدر-- کی جانب روانہ ہوچکے ہیں۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اصحاب کے درمیان اس خبر کا اعلان کرنے کے بعد ان سے مشورہ کیا، متفقہ طور پر یہ فیصلہ ہوا کہ اس مختصر لشکر کے ساتھ ہی دشمن کا مقابلہ کیا جائے چنانچہ اب یہ قافلہ --بدر-- کی جانب روانہ ہوا۔

آخر 17 رمضان کو دونوں لشکروں کے سپاہیوں میں بدر کے کنویں کے پاس مقابلہ ہوا۔

جنگ کا آغاز دشمن کی طرف سے ہوا پہلے مشرکین کے تین شہسوار --عتبہ--، --شیبہ-- اور --ولید-- نکلے تھے جو --حضرت علی علیہ السلام--، --حضرت حمزہ علیہ السلام-- اور --حضرت عبیدہ علیہ السلام-- کے ہاتھوں جہنم رسید ہوئے

عام جنگ میں بھی سپاہ اسلام نے پروردگار کی غیبی امداد نیز پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دانشمندانہ قیادت کے تحت اور جہاد سے متعلق آیات سن کر پہلے تو دشمن کے ابتدائی حملوں کا دفاع کیا اس کے بعد اس کی صفوں میں گھس کر ایسی سخت یلغار کی کہ اس کی تمام صفیں درہم برہم ہوکر رہ گئی اور بہت سی سپاہ بالخصوص فرعون قریش یعنی ابوجہل کو موت کے گھاٹ اتار دیا دشمن کا لشکر جو نو سو پچاس (950) سپاہیوں پر مشتمل اور پورے ساز و سامان جنگ سے مسلح و آراستہ تھا سپاہ اسلام کے مقابلے کی تاب نہ لاسکا چنانچہ کثیر جانی و مالی (ستر (70) مقتول اور ستر (70) قیدی) کا نقصان برداشت کرنے کے بعد اس نے فرار اختیار کرنے میں ہی اپنی عافیت سمجھی اس جنگ میں سپاہ اسلام میں سے صرف 14 صحابیوں نے جام شہادت نوش کیا [3]

یہاں ہم مختصر طور پر چند مسائل کا ذکر و تجزیہ کریں گے

1۔ مال غنیمت اور قیدیوں کا انجام
2۔ فتح و کامیابی کے عوامل
3۔ جنگ کے نتائج

الف۔ مال غنیمت اور قیدیوں کا انجام

جنگ بدر میں ایک سو پچاس (150) اونٹ، دس (10) اور بعض روایات کے مطابق تیس (30) گھوڑے، بہت سے ہتھیار اور

---

[1] سورہ انفال/7

[2] المغازی واقدی ج1 ص21-27

[3] تاریخ پیامبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تالیف آیتی مرحوم ص253-291

کھالیں مسلمانوں کے ہاتھ بطور مال غنیمت آئے[1] مگر اس مال کی تقسیم پر ان کے درمیان اختلاف ہو گیا جس کا سبب یہ تھا کہ انہیں معلوم نہیں تھا کہ مال غنیمت میں ان مجاہدین کا بھی حصہ ہے جنہوں نے جنگ میں ہر طرح سے شرکت کی تھی یا یہ صرف ان سپاہیوں کا حصہ ہے جو دشمن سے نبرد آزما ہوئے تھے، اس مال غنیمت میں آیا سب کا حصہ برابر تھا یا پیدل اور سوار سپاہ کے درمیان کوئی فرق و امتیاز رکھا گیا تھا۔

یہ معاملہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا گیا اور سورہ --انفال-- کی پہلی آیت نازل ہوئی جس نے مسئلہ مال غنیمت کو روشن کر دیا۔

يَسْئَلُونَكَ عَنِ الْأَنْفَالِ قُلِ الْأَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُولِ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَأَصْلِحُوا ذَاتَ بَيْنِكُمْ وَأَطِيعُوا اللّٰهَ وَرَسُولَهُ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ۔

--تم سے انفال (مال غنیمت) کے متعلق پوچھتے ہیں کہہ دو یہ انفال تو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ہیں پس تم لوگ اللہ سے ڈرو اور آپس کے تعلقات میں فرق نہ آنے دو اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اگر تم مومن ہو--۔

اس آیہ شریفہ کی بنیاد پر مال غنیمت خدا اور رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا حق ہے، پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اس کے تین سو تیرہ (313) حصہ کر کے اسے سب کے درمیان تقسیم کر دیا (تقسیم کے اعتبار سے دونوں سوار سپاہیوں کیلئے دو اضافی حصے مقرر کئے گئے تھے اور شہداء کا حصہ ان کے پس ماندگان کو دے دیا گیا۔ ایک روایت یہ بھی ملتی ہے کہ وہ لوگ جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے حکم سے مدینہ میں اپنی خدمات انجام دینے کیلئے مقرر کئے گئے تھے اور وہ وہیں مقیم تھے ان کا بھی حصہ مقرر کیا گیا تھا)۔[2]

رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے حکم کے مطابق قیدیوں کو مدینہ لے جایا گیا، راستے میں ایک منزل پر دو آدمیوں کو جن میں سے ایک کا نام --نصر بن حارث-- اور دوسرے کا نام --عقبہ بن ابی معیط-- تھا رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے حکم سے قتل کر دیا گیا۔[3]

مذکورہ اشخاص کے قتل کئے جانے کی وجہ شاید یہ تھی کہ یہ دونوں ہی کفر کے سرغنہ تھے اور اسلام کے خلاف سازشیں تیار کرنے میں پیش پیش رہا کرتے تھے انہوں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اور مسلمانوں کو جس طرح تکالیف پہنچائی تھیں اس کی ایک طویل داستان ہے اگر یہ لوگ آزاد ہو کر واپس مکہ پہنچ جاتے تو یہ امکان تھا کہ وہ از سر نو اسلام کی بیخ کنی کیلئے سازشوں میں ملوث ہو جاتے چنانچہ ان کا قتل کیا جانا اسلام کی مصلحت کے تحت تھا نہ کہ انتقام لینے کی غرض سے۔

ان تمام قیدیوں کو فدیہ وصول کر کے (جو کہ فی کس ہزار سے چار ہزار درہم تک تھا) بتدریج آزاد کر دیا گیا، ان میں جو لوگ نادار تھے مگر لکھنا اور پڑھنا جانتے تھے انہیں آزاد کرنے کی یہ شرط رکھی گئی کہ اگر وہ دس مسلمانوں کو لکھنا اور پڑھنا سکھا دیں گے انہیں آزاد کر دیا جائے گا۔

ان قیدیوں میں چند اشخاص رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اور حضرت علی علیہ السلام کے رشتہ دار بھی تھے چنانچہ رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے چچا عباس اپنا اور --عقیل-- و --نوفل-- نامی اپنے دو بھتیجوں کا فدیہ ادا کر کے آزاد ہوئے۔[4]

---

[1] المغازی واقدی ج1 ص102-103
[2] المیزان ج9 ص9
[3] المغازی ج1 ص100-101
[4] المغازی ج1 ص100-114، السیرۃ النبویہ ج2 ص298

ب۔ فتح وکامیابی کے اسباب

اس میں شک نہیں کہ جنگ بدر میں کفار کو طاقت اور اسلحہ کے اعتبار سے مسلمانوں پر فوقیت حاصل تھی مگر مسلمانوں کو مختلف عوامل کی بنا پر فتح حاصل ہوئی تھی جن کی بنیاد اسلام پر ایمان و اعتقاد جیسی نعمت اور مدد خداوندی تھی۔ ہم دو اہم عنوانات کے تحت ان عوامل کی وضاحت کریں گے۔

1۔ معنوی عوامل

2۔ مادی اور عسکری عوامل

معنوی عوامل

1۔ خداوند تعالیٰ کے قریش کے ایک گروہ پر (تجارتی قافلے یا اس لشکر پر جو مکہ سے روانہ ہوا تھا) فتح وکامیابی دینے کے وعدہ کو، پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے --- ذفران --- میں سپاہ اسلام تک پہنچا دیا چنانچہ یہی وعدہ ان کیلئے جنگ میں جرات و حوصلہ افزائی کا سبب ہوا۔

وَاِذْ يَعِدُكُمُ اللّٰهُ اِحْدَى الطَّآئِفَتَيْنِ اَنَّهَا لَكُمْ ۔ [۱]

یاد کرو وہ موقع جب اللہ تم سے وعدہ کر رہا تھا کہ دونوں گروہوں میں سے ایک تمہیں مل جائے گا---

2۔ جس روز جنگی کاروائی ہونے والی تھی اسی شب بارش ہوئی جس کے باعث:

الف: مسلمانوں نے جن کی بدر کے کنویں تک رسائی نہ تھی، غسل کرکے خود کو ہر طرح کی نجاست سے پاک کیا۔

ب: چونکہ بارش کثرت سے ہوئی تھی اسی لئے دشمن کی سپاہ کیچڑ اور دلدل میں پھنس گئی اور اسے جنگ کے لئے حرکت کرنے کا موقع نہ مل سکا لیکن جس طرف مسلم سپاہ تھی وہاں کی زمین کنکریلی تھی جو بارش کے پانی سے مزید پختہ ہوگئی۔

وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً لِّيُطَهِّرَكُمْ بِهٖ وَيُذْهِبَ عَنْكُمْ رِجْزَ الشَّيْطٰنِ وَلِيَرْبِطَ عَلٰى قُلُوْبِكُمْ وَيُثَبِّتَ بِهِ الْاَقْدَامَ ۔ [۲]

--اور آسمان سے تمہارے اوپر پانی برس رہا تھا کہ تمہیں پاک کرے اور تم سے شیطان کی ڈالی ہوئی نجاست دور کرے اور تمہاری ہمت بندھائے اور اس کے ذریعے تمہارے قدم جم جائیں---

3۔ جس روز جنگ ہوئی اس سے پہلی رات مسلمانوں کو عالم خواب میں بشارت ملی تھی اور ان کے دل مطمئن ہو گئے تھے۔

4۔ مسلمانوں کی مدد کے لئے تین ہزار فرشتوں کا زمین پر اترنا[۳]۔

5۔ دونوں لشکر ایک دوسرے کی تعداد کے بارے میں غلط فہمی میں مبتلا تھے، اس سے قبل کہ مسلمانوں اور مشرکین کے درمیان جنگ شروع ہو وہ ایک دوسرے کی تعداد کو کم سمجھ رہے تھے لیکن جیسے ہی جنگ شروع ہوئی دشمن کو مسلمانوں کی تعداد دوگنا نظر آنے لگی۔

قَدْ كَانَ لَكُمْ اٰيَةٌ فِيْ فِئَتَيْنِ الْتَقَتَا ۭ فِئَةٌ تُقَاتِلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَاُخْرٰى كَافِرَةٌ يَّرَوْنَهُمْ مِّثْلَيْهِمْ رَاْيَ

---

[۱] سورہ انفال/7

[۲] سورہ انفال/11

[۳] سورہ آل عمران کی آیت 124 کی طرف اشارہ ہے۔

الْعَيْنِ۔ [1]

--تمہارے لئے ان دو گروہوں میں ایک نشان عبرت تھا جو (بدر) میں ایک دوسرے سے نبرد آزما ہوئے تھے ایک گروہ اللہ کی راہ میں لڑ رہا تھا اور دوسرا گروہ کافر تھا دیکھنے والے کافر لوگ بچشم خود مؤمنوں کو دوگنا دیکھ رہے تھے---

6۔ کفار کے دلوں پر مسلمانوں کا وہ رعب چھا جانا جسے --رعب نصریہ-- سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔

سَأُلْقِي فِي قُلُوبِ الَّذِينَ كَفَرُوا الرُّعْبَ۔ [2]

--میں ابھی ان کافروں کے دلوں میں رعب ڈالے دیتا ہوں---

7۔ سپاہ کی کثرت اور سامان جنگ کی فراوانی کے باعث لشکر کفار کا غرور وتکبر۔

وَإِذْ زَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطَانُ أَعْمَالَهُمْ وَقَالَ لَا غَالِبَ لَكُمُ الْيَوْمَ مِنَ النَّاسِ وَإِنِّي جَارٌ لَّكُمْ۔ [3]

--اور اس وقت کو یاد کرو جب شیطان نے ان لوگوں کے کرتوت ان کی نگاہوں میں خوش نما بنا کر دکھائے تھے اور ان سے کہا تھا کہ آج کوئی تم پر غالب نہیں آ سکتا اور پھر میں بھی تمہارے ساتھ ہوں---

جب ہم اس کامیابی اور غیبی مدد کے بارے میں غور کرتے ہیں تو اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ یہ فتح ونصرت خداوند تعالی کی جانب سے تھی۔

فَلَمْ تَقْتُلُوهُمْ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ قَتَلَهُمْ ۚ وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ رَمَىٰ۔ [4]

--پس حقیقت یہ ہے کہ تم نے انہیں قتل نہیں کیا بلکہ اللہ نے ان کو قتل کیا اور اے نبی تم نے ان پر ایک مٹھی خاک نہیں پھینکی بلکہ اللہ نے پھینکی---

مادی اور عسکری عوامل

1۔ پیغمبر اکرم ﷺ کی دانشمندانہ قیادت اور لشکر کی سپہ سالاری نیز آنحضرت ﷺ کا بذات خود جنگ کی صف اول میں دشمن کے روبرو موجود رہنا۔

امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں کہ جب جنگ وقتال کے شعلے پوری طرح مشتعل ہو جاتے تو ہم رسول خدا ﷺ کی پناہ تلاش کرتے اور ہم میں سے کوئی شخص دشمن کے اس قدر نزدیک نہ ہوتا جتنے آنحضرت ﷺ ہوتے۔ [5]

2۔ امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کے شجاعتمندانہ اور دلیرانہ کارناموں کا ذکر کرتے ہوئے مورخین نے لکھا ہے کہ: اس جنگ میں بیشتر مشرکین کا خون حضرت علی علیہ السلام کی تیغ سے ہوا [6] جناب شیخ مفید مرحوم نے لکھا ہے کہ حضرت علی علیہ السلام کے ہاتھوں چھتیس (36) مشرک تہ

---

[1] سورہ انفال/13

[2] سورہ انفال/11

[3] سورہ انفال/48

[4] سورہ انفال/17

[5] كُنَّا اِذَا احْمَرَّ الْبَاسُ اتَّقَيْنَا بِرَسُولِ اللهِ فَلَمْ يَكُنْ اَحَدٌ مِنَّا اَقْرَبَ اِلَى الْعَدُوِّ مِنْهُ (نہج البلاغہ، صبحی صالح کلمات قصار ح9 ص520)

[6] بحار الانوار ج19 ص291

تیغ ہوئے اگر چہ باقی مقتولین کی تعداد کے بارے میں اختلاف ہے کیونکہ ان کے متعلق کہا جاتا ہے کہ ان کے قتل میں حضرت علی علیہ السلام شریک تھے۔[۱]

چنانچہ حضرت علی علیہ السلام کے عظیم حوصلے اور تقدیر ساز کردار کو مدنظر رکھتے ہوئے ہی کفار قریش نے آپ علیہ السلام کو --سرخ موت-- کا لقب دیا تھا۔[۲]

3۔سپاہ اسلام کا جذبہ نظم وضبط، اپنے فرماندار کے حکم کی اطاعت پذیری اور رن میں صبر و پائیداری سے ڈٹے رہنا۔

4۔دشمن کی صورتحال کے بارے میں صحیح و دقیق معلومات اور اس کے ساتھ ہی رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جانب سے جن جنگی حربوں کو بروئے کار لانے کی ہدایت دی جاتی تھی اس کی مکمل اطاعت۔

جنگ بدر کے نتائج

زمانہ کے اعتبار سے --غزوہ بدر-- کی مدت اگر چہ ایک روز سے زیادہ نہ تھی لیکن سیاسی و اجتماعی اعتبار سے جو نتائج برآمد ہوئے ان کی بنیاد پر کہا جا سکتا ہے کہ یہ جنگ نہ صرف مسلمانوں کی تاریخی معرکہ آرائی تھی بلکہ حیات اسلام کو ایک نئے رخ کی جانب لے جانے میں مدد و معاون ثابت ہوئی جس کی وجہ یہ تھی کہ یہ جنگ دونوں ہی گروہوں کے لئے تقدیر ساز تھی، مسلمانوں کے واسطے یہ جنگ اس اعتبار سے اہمیت کی حامل تھی کہ وہ جانتے تھے کہ اگر اس جنگ میں وہ کامیاب ہو جاتے ہیں (اور ہوئے بھی) تو عسکری طاقت کا توازن تبدیل ہو کر مسلمانوں کے حق میں ہو جائے گا، وہ اس علاقے کی قابل ذکر طاقت بن جائیں گے اور رائے عامہ ان کی جانب متوجہ ہوگی اس کے علاوہ اور بھی مفید نتائج برآمد ہو سکتے تھے جن میں سے بعض کا ذکر ہم ذیل میں کریں گے، اس کے برعکس اگر اس جنگ میں مسلمانوں کو شکست ہو جاتی تو اس کے بعد اسلام کا نام ونشان باقی نہ رہتا چنانچہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جنگ سے پہلے کا وہ ارشاد جو بصورت دعا بیان فرمایا اس حقیقت کی تائید کرتا ہے:

(اَللّٰھُمَّ ان تَھلِكْ ھذہِ العِصَابَةُ الیومَ لا تُعبَد)[۳]

--پروردگارا! اگر آج یہ جماعت تباہ ہو گئی تو تیری عبادت کرنے والا کوئی نہ رہے گا--۔

لیکن جب اس مسئلے کو کفار کے اعتبار سے دیکھتے ہیں تو اگر وہ اس جنگ میں کامیاب ہو جاتے تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مسلمانوں کا خاتمہ ہو جاتا جو یہ سمجھ رہے تھے کہ وہ مدینہ کو ہجرت کر کے قریش کے چنگل سے نکل گئے ہیں اس کے علاوہ اہل مدینہ کے لئے یہ درس عبرت ہوتا کہ وہ آئندہ دشمنان قریش کو اپنے گھروں میں پناہ دینے اور اہل مکہ کا سامنا کرنے کی جرات نہ کر سکیں۔

جنگ بدر میں خداوند تعالیٰ کی مرضی سے جو پیشرفت ہوئی اس کے باعث اسلامی نیز مشرک دونوں معاشرے سیاسی اجتماعی عسکری اور اقتصادی لحاظ سے بہت متاثر ہوئے بطور مثال:

1۔مسلمانوں بالخصوص انصار کے دلوں میں نفسیاتی طور پر مکتب اسلام کی حقانیت کے بارے میں پہلے سے کہیں زیادہ اطمینان و

---

[۱] ارشاد مفید ص40

[۲] مناقب ابن شہر آشوب ج2 ص68

[۳] السیرة النبویہ ج2 ص279

اعتقاد پیدا ہو گیا اور اسلام کے درخشاں مستقبل کے متعلق اب وہ بہت زیادہ پر امید ہو گئے تھے کیونکہ میدان جنگ میں طاقت ایمان کے مظاہرے کو انہوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا تھا۔

دوسری طرف --جزیرۃ العرب-- کے لوگوں میں اسلام کو برتر طاقت کی حیثیت سے دیکھا جانے لگا چنانچہ اب سب ہی لوگ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دین اسلام کی جانب متوجہ ہونے لگے۔

2۔ جنگ بدر ایسی طوفانی جنگ ثابت ہوئی کہ اس نے مخالفین اسلام (مشرکین یہود اور منافقین) کی بنیادوں کو لرزا کر رکھ دیا تھا۔ چنانچہ ان کے دلوں میں ایسا خوف و ہراس پیدا ہوا کہ اب وہ یہ سوچنے پر مجبور ہو گئے کہ اپنی حفظ و بقا کی خاطر اپنے تمام اختلافات کے باوجود یک جا جمع ہوں اور مسلمانوں کو تہ تیغ کرنے کیلئے کوئی راہ تلاش کریں[1]۔

جنگ بدر کے بعد پورے شہر مکہ میں صف ماتم بچھ گئی، قریش کا کوئی گھر ایسا نہ بچا جہاں کسی عزیز کے مرنے کی وجہ سے رسم سوگواری نہ منائی جا رہی ہو اور جو چند قریش باقی بچے رہے انہوں نے اضطراری حالت کے تحت جلسہ طلب کیا اور وہ اس بات پر غور کرنے لگے کہ اس شرمناک شکست کے منفی اثرات کو کیسے دور کریں اور اس کی تلافی کس طرح کی جائے[2]۔

--ابولہب-- کو تو ایسا صدمہ ہوا کہ وہ جنگ بدر کے بعد دس دن کے اندر اندر ہی غم غصے سے گھل کر واصل جہنم ہوا[3]۔

مدینہ میں بھی جس منافق یہودی نے مسلمانوں کی فتح و کامرانی کے بارے میں سنا اس کا شرم سے سر جھک گیا[4]۔

ان میں سے بعض نے تو یہاں تک کہنا شروع کر دیا کہ جنگ --بدر-- میں اتنے اشراف سرداران قوم حکمرانان عرب اور اہل حرم مارے گئے ہیں کہ اب اس کے بعد ہمارے لئے بہتر یہی ہے کہ زمین کے سینے پر رہنے کی بجائے اس کی کوکھ میں چلے جائیں[5]۔

اور بعض کی زبان پر یہ بات بار بار آ رہی تھی کہ --اب جہاں کہیں پرچم محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لہرائے گا فتح و نصرت اس کے دوش بدوش ہوگی۔[6]۔

3۔ جنگ بدر سے مسلمانوں کو جو مال غنیمت ملا اس کی وجہ سے مسلمانوں کی اقتصادی حالت بہتر ہو گئی اور اس کی وجہ سے ان کی ڈھیر ساری ذاتی اور جنگی ضروریات بھی پوری ہو گئیں ان کے واسطے وسیع جنگ کے راستے زیادہ ہموار ہو گئے اس کے مقابل قریش کی اقتصادی زندگی کو سخت نقصان پہنچا کیونکہ ایک طرف تو وہ تمام تجارتی راستے جو شمال کی طرف جاتے تھے ان کیلئے مخدوش ہو گئے دوسری طرف جنگ میں وہ تمام لوگ مارے گئے جو فن تجارت کے ماہر سمجھے جاتے تھے اور مکہ کی اقتصادی زندگی کا انحصار انہی کے ہاتھوں میں تھا۔

---

[1] ان کی اس کوشش کے بارے میں آئندہ ذکر کیا جائے گا۔

[2] ملاحظہ ہو: السیرۃ النبویہ ج2 ص302

[3] ملاحظہ ہو: السیرۃ النبویہ ج2 ص302

[4] المغازی واقدی ج1 ص121

[5] المغازی واقدی ج1 ص121

[6] المغازی واقدی ج1 ص121

سوالات

1۔ جنگ بدر میں مشیت الٰہی کیا تھی؟

2۔ کیا جنگ بدر میں کسی شخص نے محاذ پر جانے سے روگردانی کی اور کیوں؟

3۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کس تاریخ کو کتنے مسلمانوں کے ساتھ اور کیسے حالات کے تحت مدینہ سے بدر کی جانب روانگی کا ارادہ کیا؟

4۔ جنگ بدر میں دشمن کا کتنا جانی و مالی نقصان ہوا؟

5۔ آیہ شریفہ: (یَسْئَلُونَکَ عَنِ الاَنفَالِ قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰہِ وَالرَّسُولِ...) کی شان نزول کے بارے میں مختصر طور پر لکھیں۔

6۔ جنگ بدر کے قیدیوں کا کیا انجام ہوا؟

7۔ جنگ بدر میں مسلمانوں کی کامیابی کے کیا اسباب تھے؟ ان میں سے دو معنوی اور دو مادی عوامل کا ذکر کیجئے۔

8۔ غزوہ بدر کے نتائج مختصر طور پر بیان کیجئے۔

سبق 10:

حضرت علی علیہ السلام کی شادی خانہ آبادی ''جنگ اُحد''

غزوہ بنی قنیقاع

مدینہ میں آباد یہودیوں کی خیانت و نیرنگی کم وبیش جنگ بدر سے قبل مسلمانوں پر عیاں ہوچکی تھی۔ جب مسلمانوں کو جنگ بدر میں غیر متوقع طور پر مشرکین پر فتح و کامرانی نصیب ہوئی تو وہ سخت مضطرب و پریشان ہوئے اور ان کے خلاف ریشہ دوانیوں میں لگ گئے، قبیلہ بنی قنیقاع اندرون مدینہ آباد تھا اور اس شہر کی معیشت اسی کے ہاتھوں میں تھی اور یہی وہ قبیلہ تھا جس کی سازش و شرارت مسلمانوں پر سب سے پہلے عیاں ہوئی تھی۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابتداء میں انہیں نصیحت کی اور اس بات پر زور دیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ انہوں نے جو عہد و پیمان کیا ہے اس پر قائم رہیں اس کے ساتھ ہی مشرکین قریش پر جو گزر گئی تھی اس سے بھی آپؐ نے انہیں آگاہ کیا لیکن جب آپؐ نے دیکھا کہ وہ لوگ خودسری و بے حیائی پر اتر آئے ہیں اور قانون کی پاسداری نیز مذہبی جذبات کی پاکیزگی کا احترام کرنے کی بجائے الٹا اس کا مذاق اڑا رہے ہیں اور مسلمانوں کی عزت و ناموس پر مسلسل اہانت آمیز وار کررہے ہیں تو آپؐ نے نصف ماہ شوال سن 2 ہجری میں ان کے قلعے کا محاصرہ کرلیا تا کہ اس مسئلہ کا فیصلہ ہوجائے۔

یہودی تعداد میں تقریباً سات سو سپاہی تھے جن میں سے تین سو زرہ پوش تھے پندرہ دن تک مقابلہ کرنے کے بعد انہوں نے اپنی شکست تسلیم کرلی، رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہی کی تجویز پر ان کا مال و اسلحہ ضبط کرلیا اور انہیں مدینہ سے باہر نکال دیا۔[1]

''بنی قنیقاع'' کے شرپسندوں کو جب اسلحہ سے محروم اور شہر بدر کردیا گیا تو مدینہ میں دوبارہ امن و اتحاد اور سیاسی استحکام کا ماحول بحال ہوگیا۔ اس کے ساتھ ہی اسلامی حکومت کے مرکز یعنی مدینہ میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیاسی حیثیت و رہبرانہ طاقت پہلے سے کہیں زیادہ مستحکم ہوگئی اس کے علاوہ قریش کے ان حملوں کے مقابل جو وہ انتقام جوئی کی غرض سے کیا کرتے تھے مسلمانوں کا دفاعی میدان کافی محکم و مضبوط ہوگیا اور یہی بات قریش کے اس خط سے جو انہوں نے جنگ بدر کے بعد مدینہ کے یہودیوں کو لکھا تھا عیاں ہوتی ہے کہ جب مسلمانوں سے انتقام جوئی کی غرض سے آئندہ کبھی جنگ کی جائے تو ان اسلام دشمن عناصر سے جو خود مسلمانوں میں موجود ہیں جاسوسی اور تباہ کاری کا کام لیا جائے۔

سازشوں کو ناکام کرنا

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صرف مدینہ میں موجود خیانت کار اور عہد شکن افراد کا قلع قمع نہیں کیا بلکہ آپؐ ان قبائل پر بھی کڑی نظر رکھے ہوئے تھے جو مدینے کے اطراف میں آباد اور اسلام دشمن تحریکوں نیز سازشوں میں شریک تھے چنانچہ جب بھی حملے کی ضرورت پیش آتی تو آپؐ کی تلوار بجلی کی مانند کوندتی ہوئی ان جتھوں پر گرتی اور ان کی سازشوں کو ناکام بنا دیتی ''بنی غطفان'' اور ''بنی سلیم'' دو ایسے طاقتور

[1] ملاحظہ ہو: المغازی ج1 ص176-178۔

قبیلے تھے جو قریش کے تجارتی راستے پر آباد تھے اوران کا قریش کے ساتھ مصالحتی عہدو پیمان بھی تھا ان کے ساتھ جو جنگ ہوئی وہ ''غزوہ بنی سلیم'' کے نام سے مشہور ہے، قبائل ''ثعلبۃ'' اور ''محارب'' کے ساتھ جو جنگ لڑی گئی وہ غزوہ ''ذی امر'' کہلائی، قریش نے جنگ بدر کے بعد چونکہ اپنا تجارتی راستہ بدل دیا تھا اور بحر احمر کے ساحل کی بجائے وہ عراق کے راستے سے تجارت کیلئے جانے لگے تھے ان پر جو لشکر کشی کی گئی وہ سریہ ''قروہ'' کے عنوان سے مشہور ہوئی۔

لشکر اسلام کی ہوشمندی اور ہر وقت پیش قدمی کے باعث نوعمر اسلامی حکومت اپنی جاسوسی ہوشیاری اور لشکر کشی کی استعداد و اہلیت کی وجہ سے مدینہ کے گردونواح میں غالب آ گئی اور اب وہ سیاسی عسکری طاقت کے عنوان سے منظر عام پر نمودار ہونے لگی۔

تجارتی راستوں پر مسلمانوں کی مستقل موجودگی کے باعث قریش کی اقتصادی وسیاسی طاقت سلب ہوگئی اوران کے جتنے بھی تجارتی راستے تھے وہ مسلمانوں کے تحت تصرف آ گئے۔

اس عسکری کیفیت کی حفاظت وتوسیع، اس کے ساتھ ہی لشکر اسلام کا فطری جذبہ شجاعت اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دانشورانہ دستور عمل ایسے عناصر تھے جن پر اس وقت بھی عمل کیا جاتا تھا جبکہ دین اسلام طاقت کے اعتبار سے اپنے عروج کو پہنچ چکا تھا، تحفظ وتوسیع کا اس قدر پاس رکھا جاتا کہ ان مہینوں میں بھی جنہیں ماہ حرام قرار دیا گیا تھا اس مقصد سے غفلت نہیں برتی جاتی تھی۔

حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کی شادی خانہ آبادی

جنگ بدر کے بعد جو اہم واقعات رونما ہوئے ان میں دین مبین اسلام کی نامور خاتون حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کا حضرت علی علیہ السلام کے ساتھ رشتہ ازدواج قابل ذکر واقعہ ہے۔[1]

دور جاہلیت کی ایک ناپسندیدہ رسم یہ بھی تھی کہ عرب بالخصوص اشراف اپنی بیٹیوں کے رشتے صرف ایسے آدمیوں سے کرتے تھے جنہیں دولتمندی اقتدار اور جاہ ومرتبہ کے باعث شہرت ونام آوری حاصل ہو۔

اس رسم کی بنیاد پر بعض اشرافی اور مقتدر صحابہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حضرت فاطمہ علیہا السلام کے ساتھ اپنی شادی کا پیغام بھیجا اس مقصد کیلئے انہوں نے بہت زیادہ حق مہر ادا کرنے کی بھی پیشکش کی[2] لیکن وہ لوگ اس بات سے بے خبر تھے کہ اسلام کی نظر میں ان کی دولت، اشراف زادگی اور قبائلی ناموری کی کوئی قدرومنزلت نہیں ہے۔

اس کے علاوہ حضرت فاطمہ علیہا السلام آپ کی وہ دختر نیک اختر ہیں جن کی عظمت ومنزلت آیہ ۔۔مباہلہ۔۔[3] کی رو سے بہت بلند ہے۔

فَمَنْ حَاجَّكَ فِيهِ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ أَبْنَاءَنَا وَأَبْنَاءَكُمْ وَنِسَاءَنَا وَنِسَاءَكُمْ وَأَنْفُسَنَا وَأَنْفُسَكُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَعْنَتَ اللَّهِ عَلَى الْكَاذِبِينَ

---

[1] مرحوم شیخ طوسی نے بعض روایات کی بنا پر لکھا ہے کہ یہ شادی ماہ شوال میں ہوئی۔ ملاحظہ ہو بحار الانوار ج 43 ص 97۔

[2] ملاحظہ ہو: بحار الانوار ج 43 ص 108۔

[3] سورہ آل عمران آیۃ 61: رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم احقاق حق کیلئے علمائے نجران سے مباہلہ کرنے کیلئے تیار ہو گئے تاکہ ایک دوسرے پر اللہ کی پھٹکار ڈالیں اس وقت حضرت علی علیہ السلام، حضرت فاطمہ علیہا السلام اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دونوں فرزند حضرات حسن علیہ السلام اور حسین علیہ السلام آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ تھے۔

''علم آجانے کے بعداب جوکوئی اس معاملے میں تم سے حجت کرے تو اے نبی اس سے کہو کہ آؤ ہم اور تم خود بھی آجائیں اور اپنے اپنے بال بچوں کو بھی لے آئیں اور خدا سے دعا کریں کہ جو جھوٹا ہو اس پر خدا کی لعنت ہو'' ۔آیہ ''تطہیر''[1] کے مطابق آپ علیہا السلام کو معصوم اور گناہ سے مبرا قرار دیا گیا ہے۔

اِنَّمَا یُرِیۡدُ اللّٰہُ لِیُذۡہِبَ عَنۡکُمُ الرِّجۡسَ اَہۡلَ الۡبَیۡتِ وَ یُطَہِّرَکُمۡ تَطۡہِیۡرًا

''اللہ تو یہ چاہتا ہے کہ تم اہل بیت نبی علیہم السلام سے رجس کو دور رکھے اور تمہیں پوری طرح پاک رکھے''۔

ایسی صورت میں آپؑ کا شریک حیات ایسے شخص کو ہی بنایا جاسکتا ہے جو فضیلت تقوا ایمان اخلاص زہد اور عبادت میں آپ علیہا السلام کا ہم پلہ ہو۔

چنانچہ جب بھی آپ علیہا السلام کا رشتہ آتا تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے:

''انَّ اَمرَهَا الی رَبِّهَا''

یعنی حضرت فاطمہ علیہا السلام کی شادی کا مسئلہ خداوند تعالیٰ سے متعلق ہے۔[2]

چنانچہ جب حضرت علی علیہ السلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں تشریف لائے اور حضرت زہرا علیہا السلام کیلئے پیغام دیا تو آپؐ نے اپنی جانب سے اظہار رضامندی کردی مگر اس شرط کے ساتھ کہ حضرت فاطمہ علیہا السلام بھی اس رشتے کو قبول فرمالیں، جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس بات کا ذکر اپنی دختر نیک اختر سے فرمایا تو آپ علیہا السلام نے سکوت کیا، اس بنا پر رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سکوت کو رضامندی کی علامت سمجھا اور فرمایا:

--اَللّٰهُ اَکبَرُ سُکُوتُهَا اقرَارُهَا--۔[3]

--اللہ سب سے بڑا ہے یہ سکوت ہی اس کا اقرار ہے--۔اس کے بعد آپؐ نے حضرت علی علیہ السلام کی جانب رخ کیا اور فرمایا کہ: تمہارے پاس کیا اثاثہ ہے جس کی بنا پر میں اپنی لڑکی کو تمہاری زوجیت میں دے سکوں یہ سن کر حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا:

یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے ماں باپ آپؐ پر قربان میرے پاس ایسی کوئی چیز نہیں جو آپؐ سے پنہان اور پوشیدہ ہو، میرا کل اثاثہ ایک تلوار ایک زرہ اور ایک اونٹ ہے۔

حضرت علی علیہ السلام کو حکم دیا گیا کہ آپ علیہ السلام اپنی زرہ بکتر فروخت کردیں اور اس سے جو رقم حاصل ہوا سے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حوالے کردیں۔

زرہ بکتر فروخت کرنے سے جو رقم حاصل ہوئی اس میں سے کچھ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بعض صحابہ کو دی اور کہا کہ اس سے وہ ضروریات زندگی کا سامان خرید لائیں باقی رقم کو آپؐ نے بطور امانت --حضرت ام سلمہ-- کے پاس رکھ دیا۔[4]

---

[1] سورہ احزاب آیت 33۔

[2] بحارالانوار ج43 ص125۔

[3] بحارالانوار ج111-112۔

[4] ملاحظہ ہو: بحارالانوار ج27 ص130۔

حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کا مہر

مورخین نے لکھا ہے کہ حضرت علی علیہ السلام نے شادی کیلئے جو رقم رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ادا کی وہ کسی طرح سے بھی پانچ سو درہم سے زیادہ نہ تھی اور یہی حضرت زہرا علیہا السلام کا مہر بھی تھا اور اسی ہی رقم سے جہیز، دلہن کا لباس اور سامان آرائش بھی خریدا گیا نیز اسی رقم سے (بقولے) دعوت ولیمہ کا اہتمام بھی کیا گیا۔[1]

رقم کی یہ مقدار درحقیقت --مہر سنت-- ہے اور تمام مسلمانوں کیلئے عمدہ مثال بالخصوص ان والدین کیلئے جو مہر کی کثیر رقم کا مطالبہ کر کے نوجوانوں کی شادی میں رکاوٹ پیدا کرتے ہیں، اس کے ساتھ ہی یہ ان کیلئے اچھا سبق بھی ہے جو یہ سمجھتے ہیں کہ عورت کی حیثیت کا انحصار مہر کی کثیر رقم اور بھاری جہیز سے وابستہ ہے۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس اقدام کے ذریعے عام لوگوں کو انسانیت کی اعلی اقدار اور عورت کے معنوی و روحانی مرتبے کی جانب متوجہ کیا ہے چنانچہ جب قریش نے اعتراض کیا کہ فاطمہ علیہا السلام کو بہت معمولی مہر کی رقم پر علی علیہ السلام کی زوجیت میں دے دیا تو آپؐ نے فرمایا کہ :--یہ اقدام حکم خدا کی بنا پر کیا گیا ہے یہ کام میں نے انجام نہیں دیا بلکہ خداوند تعالیٰ کے حکم سے انجام پایا ہے--۔[2]

احمد ابن یوسفی دمشقی نے لکھا ہے کہ جب حضرت زہرا علیہا السلام کو معلوم ہوا کہ مہر کی رقم کتنی معین کی گئی ہے تو آپ علیہا السلام نے اپنے والد محترم یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا--عام لڑکیوں کی شادی اس وقت طے ہوتی ہے جب مہر کی رقم کے درہم مقرر کر لئے جاتے ہیں اگر میں بھی ایسا کروں تو میرے اور ان کے درمیان کیا فرق باقی رہ جائے گا اسی لئے میری آپؐ سے یہ درخواست ہے کہ مہر کی رقم علی علیہ السلام کو ہی واپس کر دیجئے اور اس کے عوض خداوند تعالیٰ کی بارگاہ میں یہ درخواست کیجئے کہ میرے مہر کی رقم بروز قیامت آپؐ کی امت کے گناہگار بندوں کی شفاعت قرار دے[3]۔

شادی کی رسومات

جب ایک ماہ سے زیادہ عرصہ گزر گیا تو حضرت علی علیہ السلام نے فیصلہ کیا کہ اپنی زوجہ مطہرہ علیہا السلام کو (رخصتی کے ساتھ) اپنے گھر لے آئیں اس مقصد کے تحت آپ علیہ السلام نے دعوت ولیمہ کا اہتمام کیا اور اس میں شرکت کی دعوت عام دی[4]، جب شادی کی رسومات ختم ہو گئیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی دختر نیک اختر کی سواری کیلئے خچر کا بندوبست کی اور مسلمانوں سے کہا کہ وہ دلہن کے آگے آگے چلیں اور خود صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سواری کے پیچھے چلنے لگے اور اس طرح بنی ہاشم کے مرد و زن اور ازواج مطہرات حضرت زہرا علیہا السلام کی سواری کی ہمراہی کر رہی تھیں۔

حضرت علی علیہ السلام کے گھر پہنچ کر پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی پیاری لڑکی کا ہاتھ پکڑ کر حضرت علی علیہ السلام کے ہاتھ میں دے دیا اس کے ساتھ ہی آپؐ نے حضرت علی علیہ السلام کے اوصاف حمیدہ حضرت فاطمہ علیہا السلام سے اور حضرت فاطمہ علیہا السلام کی شخصیت نیز اوصاف حضرت علی علیہ السلام سے بیان فرمائے اور اس کے بعد آپؐ نے دونوں کیلئے دعائے خیر فرمائی۔[5]

---

[1] ایضاً ص132۔

[2] ایضاً104۔

[3] اخبار الدُوَل وآثار الاُوَل نقل از فاطمۃ علیہا السلام الزہراء قزوینی ص184۔

[4] بعض روایات میں ہے کہ اس دعوت ولیمہ میں سات سو عورتوں اور مردوں نے شرکت کی اور بعض میں ہے کہ چار ہزار سے زیادہ افراد حضرت علی علیہ السلام کے اس ولیمہ میں مدعو تھے، ملاحظہ ہو: بحار الانوار ج43 ص132، 96۔

[5] ملاحظہ ہو: بحار الانوار ج43 ص115-116- والمغازی ج1 ص199-203۔

غزوہ احد

ہجرت کے تیسرے سال کے دوران جو واقعات رونما ہوئے۔ان میں --غزوہ احد[1] --قابل ذکر ہے یہ جنگ ماہ شوال میں وقوع پذیر ہوئی جو خاص اہمیت وعظمت کی حامل ہے۔ہم یہاں اس جنگ کا اجمالی طور پر جائزہ لیں گے اور اس سے پیدا ہونے والے مسائل کا تجزیہ کریں گے۔

غزوہ احد کی اجمالی تاریخ

جنگ بدر میں شرمناک شکست کے بعد قریش نے اندازہ لگایا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ان کی جنگ نے نیا رخ اختیار کیا اور یہ ایک نئے مرحلے میں داخل ہوگئی ہے چنانچہ دوسرے مرحلے پر جب انہوں نے نوعمر اسلامی حکومت کے خلاف جنگ کا ارادہ کیا تو اس کیلئے انہوں نے وسیع پیمانے پر تیاری کی تا کہ اس طریقے سے ایک تو ان مقتولین کا مسلمانوں سے بدلہ لے سکیں جو جنگ بدر میں مارے گئے تھے اور دوسرے یہ کہ مکہ اور شام کے درمیان واقع جس تجارتی شاہراہ کی ناکہ بندی مسلمانوں نے کر دی تھی اسے ان کے چنگل سے آزاد کرا کے اپنی اقتصادی مشکلات کا حل نکالیں اور اس کے ساتھ ہی اپنی حاکمیت و بالادستی کو بحال کرلیں جو زمانے کے انقلاب کے تحت ان کے ہاتھوں سے نکل چکی تھی اور اپنی ساکھ کو اپنے لوگوں نیز اطراف وجوانب کے قبائل پر قائم کرسکیں۔

جن محرکات کا اوپر ذکر کیا گیا ہے ان کے علاوہ --ابورافع --اور --کعب الاشراف-- جیسے یہودیوں کی ایماء بھی اس جنگ کے شعلوں کو ہوا دینے میں مؤثر ثابت ہوئی۔سرداران مشرکین --دارالندوہ-- میں جمع ہوئے جہاں انہوں نے لشکر بھیجنے کی کیفیت اور جنگ کے اخراجات اور اسلحہ کی فراہمی کے بجٹ کے حصول کی کیفیت کے متعلق کئی فیصلے کئے، بالآخر بہت زیادہ کوشش کے بعد تین ہزار سپاہیوں پر مشتمل ایسا لشکر تیار ہوگیا جس میں (700) زرہ پوش، دوسو (200) گھڑسوار اور باقی پیدل سپاہی شامل تھے اس مقصد کے لئے انہوں نے تین ہزار اونٹ بھی جمع کر لئے اور سپاہ میں جوش وولولہ پیدا کرنے اور سپاہیوں کو جنگ پر اکسانے کیلئے 15 عورتیں بھی ساتھ ہوگئیں چنانچہ اس ساز وسامان کے ساتھ یہ لشکر مدینے کی جانب روانہ ہوا۔[2]

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا حضرت عباس نے جو مکہ میں قیام پذیر تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قریش کی سازش سے مطلع کر دیا، دشمن کی طاقت وحیثیت کا اندازہ لگانے اور اس سے متعلق مزید اطلاعات حاصل کرنے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اہل نظر مہاجرین اور انصار کو جمع کیا اور انہیں پوری کیفیت سمجھا کر اس مسئلے پر غور کیا کہ دشمن کا مقابلہ کس طرح کیا جائے اس سے متعلق دونظریے زیر بحث آئے:

الف:۔شہر میں محصور رہ کر عورتوں اور بچوں سے مدد حاصل کی جائے اور فصیل شہر کو دفاعی مقصد کیلئے استعمال کیا جائے۔

ب:۔شہر سے باہر نکل کر کھلے میدان میں دشمن کا مقابلہ کیا جائے۔

معمر اور منافق لوگ پہلے نظریئے سے متفق تھے لیکن جوانوں کی تعداد چونکہ بہت زیادہ تھی اسی لئے وہ دوسرے نظریئے کے حامی تھے اور اس پر ان کا سخت اصرار تھا۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے طرفین کے نظریات اور استدلال سننے کے بعد دوسرے نظریئے کو پسند فرمایا اور یہ فیصلہ کیا کہ دشمن کا مقابلہ

---

[1] احد ایک پہاڑ ہے جو مدینہ سے تقریباً 6 کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔

[2] السیرۃ الحلبیہ ج2 ص217 (معجم البلدان ج3 ص372)۔

شہر سے باہر نکل کر کیا جائے، 6 شوال کو آپؐ نے نماز جمعہ کی امامت فرمائی، فریضہ نماز ادا کرنے کے بعد آپؐ نے اصحاب کو صبر، حوصلے سنجیدگی اور عزم راسخ کے ساتھ جہاد کی تلقین فرمائی، لشکر (1000) ہزار افراد پر مشتمل تھا جس میں صرف (100) سو سپاہی زرہ پوش تھے [1]، آپؐ نے فوج کا علم حضرت علی علیہ السلام کو دیا [2] اور جہاد کی خاطر مدینے سے باہر تشریف لے گئے۔

جب لشکر اسلام --شوط-- [3] کی حدود میں پہنچا تو منافقین کا سردار --عبداللہ بن ابی-- اپنے (300) تین سو ساتھیوں کے ساتھ یہ بہانہ بنا کر علیحدہ ہو گیا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جوانوں کے نظریئے واس کے مشورے پر ترجیح دی ہے۔ اور وہ اپنے ساتھیوں کے ہمراہ واپس مدینہ آ گیا۔ [4] دراصل اس منافق کی روگردانی کے پس پردہ یہ محرک کارفرما تھا کہ جنگ جیسے حساس و نازک موقعے پر پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہمراہی کو ترک کر کے آپؐ کی قیادت کو کمزور کر دے تا کہ سپاہ اسلام کی صفوں میں تزلزل، اضطراب اور اختلاف پیدا ہو جائے۔

اسی تفرقہ انگیز حرکت کے بعد قبیلہ --خزرج-- کے گروہ --بنی سلمہ-- اور قبیلہ --اوس-- کے گروہ --بنی حارث-- کے لوگ بھی اپنی ثابت قدمی میں متزلزل ہونے لگے اور واپس جانا ہی چاہتے تھے [5] کہ خدا کی مدد اور دوسرے مسلمانوں کی ثابت قدمی نے ان کے ارادے کو مضبوط کیا وراس طرح منافقین کی بزدلانہ سازش ناکام ہو گئی چنانچہ قرآن مجید نے بھی سورہ آل عمران میں اس مسئلے کی جانب اشارہ کیا ہے [6]۔

إِذْ هَمَّتْ طَّآئِفَتَانِ مِنكُمْ أَن تَفْشَلَا ۚ وَاللَّهُ وَلِيُّهُمَا ۗ وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ

--یاد کرو جب تمہارے دو گروہ بزدلی پر آمادہ ہو گئے تھے، حالانکہ اللہ ان کی مدد پر موجود تھا اور مومنوں کو اللہ ہی پر بھروسہ کرنا چاہئے--۔

ہفتہ کے دن 7 شوال کو احد کے دامن میں دونوں لشکر ایک دوسرے کے مقابل آ گئے۔

اگر چہ لشکر اسلام کی پشت پر کوہ احد تھا مگر اس کے باوجود رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے --عبداللہ بن جبیر-- کے زیر فرمان پچاس کمانڈروں کو درہ --عینین-- کے دہانے پر اس مقصد کے تحت مقرر کر دیا تھا کہ دشمن کو درے کے راستے سے میدان کارزار میں نہ گھسنے دیں۔

جنگ کا آغاز دشمن کے سپاہی --ابو عامر-- کی تیر اندازی سے ہوا اس کے بعد تن بہ تن جنگ کی نوبت آئی اس مرحلے میں مشرکین کے نوشہسوار چند دیگر افراد کے ساتھ میدان کارزار میں اترے اور سب کے سب حضرت علی علیہ السلام کے ہاتھوں ہلاک ہوئے۔

دوسرے عمومی مرحلے میں دشمن کا پورا ریلا سپاہ اسلام پر حملہ آور ہوا جس پر قریش نے اپنی پوری طاقت صرف کر دی گلوکارائیں بھی اشعار نیز نغمہ وسرود کے ذریعے مردوں کو مسلمانوں سے بدلہ لینے کی ترغیب دلا رہی تھیں تا کہ اس گہرے سیاہ داغ کو جو جنگ بدر میں ان کے دامن پر لگا تھا مٹا سکیں لیکن مجاہدین اسلام کی بہادرانہ استقامت اور دشمنوں کی صفوں پر ہر جانب سے حملہ آوری بالخصوص امیر المومنین

---

[1] المغازی ج 1 ص 199-3-2 المغازی ج 1 ص 203-214۔
[2] الصحیح من سیرۃ النبی ج 4 ص 193۔
[3] مدینہ اور احد کے درمیان باغ تھا جو --شواط-- کے نام سے مشہور تھا۔
[4] السیرۃ الحلبیہ ج 2 ص 221۔
[5] السیرۃ الحلبیہ ج 2 ص 221۔
[6] سورہ آل عمران آیت 124۔

حضرت علی علیہ السلام، حضرت حمزہ علیہ السلام اور حضرت ابو دجانہ کی گردن توڑ پے در پے ضربوں کے باعث مشرکین کی فوج میں مقابلے کی تاب نہ رہی اور اس نے اپنی عافیت فرار میں ہی سمجھی۔

جب مشرکین فرار ہونے لگے تو بہت سے مسلمانوں نے یہ سمجھا کہ جنگ ختم ہوگئی ہے چنانچہ وہ مال غنیمت جمع کرنے میں مشغول ہوگئے اگرچہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سخت تاکید تھی کہ جن سپاہیوں کو درہ عینین کی پہرہ داری پر مقرر کیا ہے وہ اپنی ذمہ داری سے ہرگز غافل نہ ہوں مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تاکید اور جرنیلوں کی سخت کوشش کے باوجود (10) دس افراد کے علاوہ باقی تمام سپاہی جو اس درہ کی نگرانی پر مامور تھے اپنی پہرہ داری کو چھوڑ کر مال غنیمت جمع کرنے میں لگ گئے۔

خالد بن ولید دشمن کی سوار فوج کا کمانڈر تھا، درہ عینین کی عسکری اہمیت سے بھی وہ بخوبی واقف تھا اس نے کتنی ہی مرتبہ یہ کوشش کی تھی کہ سپاہ اسلام کے گرد چکر لگائے لیکن مسلمان تیراندازوں نے اسے ہر مرتبہ پسپا کر دیا تھا اس نے جب مسلمانوں کو مال غنیمت جمع کرتے دیکھا تو جلدی سے کوہ احد کا چکر لگایا اور ان باقی سپاہیوں کو قتل کر دیا جو وہاں موجود تھے جب درے کی پاسبانی کیلئے کوئی سپاہی نہ رہا تو وہ وہاں سے اتر کر نیچے آیا اور ان سپاہیوں پر جو مال غنیمت سمیٹنے میں لگے ہوئے تھے اچانک حملہ کر دیا۔

عورتوں نے جب خالد بن ولید کے سپاہیوں کو حملہ کرتے دیکھا تو انہوں نے بھی اپنے بال کھول کر بکھیر دیئے اور گریبان چاک کر ڈالے وہ چیخ چیخ کر مشرکین کو اشتعال دلا کر فرار کرنے والے لوگوں کو واپس پلٹانے کی کوشش کرنے لگیں۔

دشمن کے ان دو اقدام کے باعث مشرکین مکّہ کی طاقت دوبارہ منظم ہوگئی چنانچہ اس نے مسلمانوں پر سامنے اور پشت دونوں اطراف سے حملہ کر دیا اگرچہ مسلمانوں نے اپنا دفاع کرنا بھی چاہا مگر چونکہ وہ بکھرے ہوئے تھے اسی لئے ان کی کوشش کارگر نہ ہوئی۔

اسی اثنا میں میدان جنگ سے صدا بلند ہوئی کہ: --انَّ مُحَمَّدً اُقَدْ قُتِلَ --محمد قتل کر دیئے گئے ہیں [1]، جب یہ افواہ ہر طرف پھیل گئی تو لشکر اسلام ان تین دستوں میں تقسیم ہوگیا:

1۔ایک دستہ میدان جنگ سے ایسا گیا کہ واپس نہ آیا اور جب تین دن بعد اس کے افراد رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پہنچے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی سرزنش کرتے ہوئے فرمایا تم نے گویا تنگی سے نکل کر کشادہ راہ اختیار کی تھی [2]۔

2۔دوسرے دستے میں وہ لوگ شامل تھے جو فرار کر کے گرد و نواح کے پہاڑوں میں چھپ گئے اور یہ انتظار کر رہے تھے کہ دیکھئے کیا پیش آتا ہے ان میں سے بعض حواس باختہ ہو کر یہ کہنے لگے کہ اے کاش ہم میں سے کوئی عبداللہ ابن ابی کے پاس جا کر اس سے کہتا کہ وہ ابوسفیان سے ہماری امان کیلئے سفارش کرتا۔ [3]

--انس ابن نضر--کو راستے میں کچھ ایسے لوگ مل گئے جو فرار کر چکے تھے اس نے پریشان ہو کر ان سے دریافت کیا کہ تم لوگ یہاں بیٹھے کیا کر رہے ہو؟ انہوں نے جواب دیا کہ: رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قتل کر دیا گیا ہے، اس پر انس نے جواب دیا کہ جب رسول

---

[1] یہ صدا کس شخص نے بلند کی تھی اس کے بارے میں اختلاف ہے بعض نے لکھا ہے کہ وہ شیطان تھا جو جُعال بن سُراقہ کی شکل میں ظاہر ہوا۔ بعض کے بقول وہ عبداللہ بن قمئہ تھا اس نے جب حضرت--مصعب بن عمیر--کو شہید کر دیا تو وہ یہ سمجھا کہ اس نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شہادت سے ہمکنار کیا ہے (ملاحظہ ہو السیرۃ الحلبیہ ج2 ص226، السیرۃ النبویہ ج3 ص77)۔

[2] ملاحظہ ہو: السیرۃ الحلبیہ ج2 ص227 و تاریخ طبری ج2 ص520۔

[3] تاریخ طبری ج2 ص517 و السیرۃ النبویہ ج3 صفحہ 88۔

خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس دنیا میں نہیں رہے تو یہ زندگی کس کام کی، اٹھو اور جہاں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خون گرا ہے تم بھی اپنا لہو وہاں بہا دو۔ [۱]

اس گروہ نے جو اکثریت پر مشتمل تھا نہ صرف انس کی بات کا مثبت جواب نہ دیا بلکہ انہوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس دعوت کو بھی نظر انداز کر دیا کہ اے لوگو: فرار کر کے کہاں جا رہے ہو خدا کا وعدہ ہے کہ فتح و نصرت ہمیں حاصل ہوگی۔ لیکن انہوں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک نہ سنی اور فرار کرتے ہی چلے گئے۔ [۲]

سورہ آل عمران کی آیت 153 میں بھی اس امر کی جانب اشارہ ہے:

إِذْ تُصْعِدُونَ وَلَا تَلْوُونَ عَلَىٰ أَحَدٍ وَالرَّسُولُ يَدْعُوكُمْ فِي أُخْرَاكُمْ

--یاد کرو جب تم بھاگے چلے جا رہے تھے کسی کی طرف پلٹ کر دیکھنے تک کا ہوش تمہیں نہ تھا اور تمہارے پیچھے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تم کو پکار رہا تھا--۔

3۔ تیسرے گروہ میں وہ لوگ شامل تھے جنہوں نے ایسے حساس و نازک موقع پر بے نظیر ایثار و قربانی کی مثال پیش کی، اگرچہ دشمن نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہر طرف سے نرغے میں لے رکھا تھا مگر وہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گرد پروانہ وار چکر لگا رہے تھے اور آپ کی ذات گرامی کا ہر طرح سے تحفظ اور دفاع کر رہے تھے۔

امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام نمایاں طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دفاع کر رہے تھے اور سب سے پیش پیش تھے بلکہ بعض قطعی دلائل، شواہد اور قرائن کی رو سے حضرت علی علیہ السلام کے سوا باقی سب اپنی جان بچانے کی فکر میں لگے ہوئے تھے [۳]۔ امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام بے حد زخمی ہو جانے کے باوجود رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تحفظ کر رہے تھے، انہوں نے اس راہ میں ایسی استقامت و پائداری دکھائی کہ ان کی تلوار تک میدان جنگ میں ٹوٹ گئی، اس موقع پر رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی وہ تلوار جس کا نام --ذوالفقار-- تھا حضرت علی علیہ السلام کو عنایت فرمائی اور آپ علیہ السلام نے اسی تلوار سے نبرد آزمائی جاری رکھی۔ [۴]

یہ جذبہ ایثار و قربانی اس قدر قابل قدر تھا کہ خداوند تعالی نے اس کی مبارک باد رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دی چنانچہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس فرمان کے ذریعے کہ --علی علیہ السلام مجھ سے ہے اور میں علی علیہ السلام سے ہوں-- اس جذبہ ایثار و قربانی کو قدر کی نگاہ سے دیکھا اور اس کو سراہا۔

چنانچہ جب ہاتف غیبی سے یہ صدا آئی کہ: --لَا سَیفَ اِلَّا ذُوالفَقار وَلَا فَتیٰ اِلَّا علی-- تو سب لوگ بالخصوص فرار کرنے والے اور اپنی ہی فکر میں غرق لوگ اس بے نظیر جرات مندانہ اقدام کی جانب متوجہ ہوئے۔ [۵]

جان نثاران اسلام کے سردار حضرت --حمزہ بن عبد المطلب-- دوسرے شخص تھے جو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تحفظ کر رہے تھے اور اسی حالت میں وہ --جبیر بن مطعم-- کے غلام --وحشی-- کے ہاتھوں شہید ہوئے۔ [۶]

---

[۱] بحار الانوار ج 20-93۔

[۲] ان شواہد و قرائن سے مزید واقفیت کیلئے ملاحظہ ہو کتاب الصحیح من سیرۃ النبی، ج 4 ص 236-241۔

[۳] بحار الانور ج 20 ص 54-71۔

[۴] تاریخ طبری ج 2 ص 514 و شرح ابن ابی الحدید ج 14 ص 250۔

[۵] السیرۃ النبویہ ج 3 ص 129۔

[۶] ایضا صفحات 86-87۔

--ابودجانہ-- اور --ام عمارہ-- عرف --نُسَیبَہ-- بھی ان حساس اور نازک لمحات میں رسول خدا ﷺ کے دوش بدوش رہے۔[1]

سپاہ کی دوبارہ جمع آوری

رسول خدا ﷺ کے بدن مبارک پر اگر چہ کاری زخم لگ چکے تھے اور آنحضرت ﷺ دشمن کے نرغے میں گھرے ہوئے تھے مگر اس کے باوجود آپؐ نے نہ صرف میدان کارزار سے فرار نہیں کیا بلکہ مسلسل با آواز بلند --الیَّ عبادَ اللہ الیَّ عبادَ اللہ-- کہہ کر لوگوں کو میدان جنگ میں آنے کی دعوت دیتے رہے بالآخر آپؐ اپنے مقصد میں کامیاب ہوئے اور اپنی عسکری طاقت کو دوبارہ منظم کرکے مرکز اور محاذ کی صف اول میں لے آئے۔[2] ان سپاہیوں نے بھی تعداد کی کمی کے باوجود جنگ میں ایسے نمایاں کارنامے انجام دیئے کہ کفار کے دلوں میں اس کا رعب و دبدبہ پیدا ہو گیا اور انہیں یہ خوف لاحق ہونے لگا کہ کہیں جنگ کا پانسہ نہ پلٹ جائے اور جو فتح انہیں حاصل ہوئی ہے وہ شکست میں نہ بدل جائے چنانچہ اس خیال کے پیش نظر ابوسفیان نے اپنے لشکر کو پسپا ہونے کا حکم دیا اور جنگ بند کرنے کا اعلان کر دیا۔[3]
اس طرح جنگ احد کا خاتمہ ہوا جس میں لشکر اسلام کے ستر سپاہی شہید ہوئے اور مشرکین کے بائیس یا تیئیس افراد مارے گئے۔[4]

سوالات

1۔ --بنی قنیقاع-- والے کون لوگ تھے، انہوں نے رسول خدا ﷺ سے کیوں عہد شکنی کی؟ اور رسول خدا ﷺ ان کے ساتھ کس طرح پیش آئے؟
2۔ حضرت علی علیہ السلام کی حضرت زہرا علیہا السلام کے ساتھ شادی کب اور کس طرح ہوئی؟
3۔ حضرت علی علیہ السلام اور حضرت زہرا علیہا السلام کی شادی سے ہمیں کیا سبق ملتا ہے؟
4۔ جنگ احد کے موقع پر قریش نے مدینہ جو پر لشکر کشی کی اس کے کیا عوامل و محرکات تھے؟
5۔ جنگ احد کے موقع پر دونوں لشکروں کی تیاریوں کا جائزہ لیجئے؟
6۔ جنگ احد میں پہلی مرتبہ میدان جنگ کس لشکر کے ہاتھ میں رہا اس جنگ میں بہترین کردار کس کا رہا؟
7۔ جنگ احد میں دشمن شکست کھا کر کس طرح بھاگا اور واپس آ کر اس نے سپاہ اسلام پر کس طرح حملہ کیا؟
8۔ جب مسلمان شکست سے دوچار ہوئے تو وہ منتشر ہونے کے بعد کتنے گروہوں میں تقسیم ہو گئے تھے؟
9۔ جو لوگ جنگ احد میں رسول خدا ﷺ کے ساتھ رہ گئے تھے اور آنحضرت ﷺ کا تحفظ کر رہے تھے ان کا نام بتایئے؟
10۔ جب مسلمان فوج شکست سے دوچار ہوئی اور فرار کر کے پہاڑوں میں چلی گئی تو وہ دوبارہ کس طرح منظم ہوئی؟

---

[1] ملاحظہ ہو تاریخ طبری ج 2 ص 519-520۔
[2] الصحیح من سیرۃ النبی ﷺ ج 4 ص 276۔
[3] ابن ابی الحدید نے لکھا ہے کہ ان میں سے بارہ افراد حضرت علی علیہ السلام کے ہاتھوں قتل ہوئے (شرح نہج البلاغہ ج 15 ص 54)۔
[4] السیرۃ الحلبیہ ج 2 ص 255۔

سبق11:

جنگ احد سے جنگ احزاب تک

جنگ احد میں مسلمانوں کی شکست کے اسباب

پہلے مرحلے میں مسلمانوں کی فتح اور دوسرے مرحلے میں شکست کے بعض اسباب کے بارے میں قرآن مجید نے بھی اشارہ کیا ہے یہاں ہم مسلمانوں کی شکست کے اہم ترین عوامل کا ذکر کریں گے جس کے باعث ان عوامل کی بھی وضاحت ہوجائے گی جن کی وجہ سے مسلمانوں کو پہلے مرحلے میں فتح نصیب ہوئی تھی۔

1۔سپاہ کے ایک گروہ میں عسکری نظم وضبط کا فقدان اور رسول خدا ﷺ کے اس سخت تاکیدی حکم سے روگردانی جو درہ عینین کے تحفظ کے بارے میں تھا۔

وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعْدَهٗٓ اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ بِاِذْنِهٖ۔ حَتّٰٓى اِذَا فَشِلْتُمْ وَتَنَازَعْتُمْ فِي الْاَمْرِ وَعَصَيْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَآ اَرٰىكُمْ مَّا تُحِبُّوْنَ [1]

--اللہ نے (تائید نصرت کا) جو وعدہ تم سے کیا تھا وہ تو اس نے پورا کر دیا، ابتدا میں اس کے حکم سے تم ہی ان کو قتل کر رہے تھے مگر جب تم نے کمزوری دکھائی اور اپنے کام میں باہم اختلاف کیا اور جونہی وہ چیز اللہ نے تمہیں دکھائی جس کی محبت میں تم گرفتار تھے (یعنی مال غنیمت) تم اپنے سردار کے حکم کی خلاف ورزی کر بیٹھے---

2۔ایمان کی کمزوری اور دنیا کی محبت: سپاہیوں کے دلوں میں رسول خدا ﷺ کی طرف سے بدگمانی [2] پیدا ہوگئی اور انہوں نے یہ کہنا شروع کر دیا تھا کہ ہمیں اندیشہ ہے کہ رسول خدا ﷺ ہمیں مال غنیمت میں شریک نہ کریں اسی لئے وہ پناہ گاہوں کو خالی چھوڑ کر مال غنیمت سمیٹنے میں لگ گئے اور اسی بنا پر انہوں نے مال غنیمت کو حکم رسول خدا ﷺ اور دشمن سے نبرد آزمائی پر فوقیت دی:

مِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الدُّنْيَا وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الْاٰخِرَةَ۔ [3]

دوسرے مرحلے میں بہت بڑی تعداد میں سپاہ کا فرار کر جانا اور رسول خدا ﷺ کو تنہا چھوڑ دینا اور اس قسم کی باتیں کرنا کہ اے کاش ہم عبداللہ ابن ابی کے پاس چلے گئے ہوتے تاکہ وہ ہمارے لئے ابوسفیان سے جان کی امان مانگتا...ان کے یہ خیالات اس حقیقت کے آئینہ دار تھے کہ ان کے عقیدے کمزور اور وہ دنیا کی محبت میں مبتلا تھے۔

3۔غزوہ بدر میں مسلمانوں کو جو فتح ونصرت حاصل ہوئی تھی اس سے انہوں نے جو نتیجہ اخذ کیا وہ درست نہ تھا انہیں یہ گمان ہو گیا تھا

---

[1] سورہ آل عمران 152

[2] ان کی اس بدگمانی کے جواب میں آل عمران کی آیت 161 نازل ہوئی: وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّغُلَّ (...---کسی نبی کا یہ کام نہیں ہوسکتا کہ وہ خیانت کر جائے)

[3] سورہ آل عمران آیہ 152

کہ چونکہ ان کا دین حق پر مبنی ہے اس لئے انہیں کبھی دشمن کے ہاتھوں شکست نہ ہوگی اور وہ اسلحہ وجنگی وسائل سے خواہ کتنی ہی غفلت برتیں خداوندتعالیٰ بہرصورت غیبی مدد کے ذریعے مشرکین کے مقابلے میں ان کا دفاع کرے گا۔[۱]

دوسری طرف وہ یہ سمجھتے تھے کہ ایمان کا اظہار ہی کامیابی وسعادت کے حصول کیلئے کافی ہے اور اس گمان میں مبتلا ہو گئے تھے کہ جہاد اور راہ خدا میں استقامت و پائیداری کے بغیر وہ جنت میں داخل ہو جائیں گے[۲] درحالیکہ قرآن کا ان کے اس غلط گمان کے بارے میں صریح ارشاد ہے کہ:

اَمۡ حَسِبۡتُمۡ اَنۡ تَدۡخُلُوا الۡجَنَّةَ وَلَمَّا يَعۡلَمِ اللّٰهُ الَّذِيۡنَ جٰهَدُوۡا مِنۡكُمۡ وَيَعۡلَمَ الصّٰبِرِيۡنَ

--کیاتم نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ یونہی جنت میں چلے جاؤ گے حالانکہ ابھی اس نے یہ تو دیکھا ہی نہیں کہ تم میں کون وہ لوگ ہیں جو اس کی راہ میں جانیں لڑانے والے اور اس کی خاطر صبر کرنے والے ہیں--۔ چنانچہ وہ اپنے اس گمان اور خیال خام کے باعث ہی دشمن کے معمولی دباؤ کی وجہ سے میدان کارزار سے فرار ہو گئے اور انتہائی مایوسی کی حالت میں ایک دوسرے سے کہنے لگے: --ہل لنا من الا مر--۔[۳]

کیا اس دل آزار حالت کے باوجود ہمیں نصرت و فتح حاصل ہوگی؟

4۔جب قریش نے یہ افواہ پھیلائی کہ رسول خدا ﷺ کو قتل کر دیا گیا ہے[۴] تو اس کے باعث ایک طرف تو دشمن کی جرات و گستاخی بڑھ گئی اور دوسری طرف مسلمانوں کے دلوں پر رعب طاری ہو گیا کیونکہ انہیں یہ گمان ہونے لگا کہ اسلام محض ذات رسول ﷺ کی وجہ سے قائم ہے اور اس گمان نے ہی ان کے دلوں سے جنگ جاری رکھنے کی خواہش وولولے اور اسلام پر قائم رہنے کے عزم وارادے کو سلب کر لیا اور نوبت یہاں تک آن پہنچی تھی کہ انہوں نے ایک دوسرے سے یہ کہنا شروع کر دیا تھا کہ: محمد ﷺ کو قتل کر دیا گیا ہے اس سے پہلے کہ قریش تم پر یورش کریں تم خود ہی ان کے پاس جاؤ اور ان کے ساتھ تعاون کا اعلان کر دو۔[۵]

تعمیری شکست

اس میں شک نہیں کہ مسلمانوں کو جنگ احد میں وقتی شکست ہوئی اور اس کے باعث (70) ستر افراد شہید ہوئے، مگر اس کے باوجود یہی جنگ بعض اعتبار سے سبق آموز اور تعمیری بھی ثابت ہوئی، قرآن مجید نے اس کا کلی طور پر جس طرح جائزہ لیا ہے اور اس شکست

---

[۱] خداوندتعالیٰ نے سورہ آل عمران کی آیت 154 میں ان کے اس گمان کے بارے میں ذکر کیا ہے (ملاحظہ ہو: المیزان ج4 صفحات 47-48)

[۲] آل عمران/42

[۳] آل عمران/154

[۴] یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ اس افواہ کا بڑا فائدہ یہ ہوا کہ اس کی وجہ سے رسول خدا ﷺ کو دشمن کی چنگل سے نجات مل گئی کیونکہ جب رسول خدا ﷺ کے قتل کئے جانے کی افواہ گشت کر گئی تو دشمن نے لاشوں کی درمیان آنحضرت ﷺ کو تلاش کرنا شروع کر دیا اور اسے آپ ﷺ کا تعاقب کرنے کا خیال ہی نہ آیا۔

[۵] السیرۃ الحلبیہ ج2 ص227، قرآن مجید نے سورہ آل عمران کی آیت 144 میں اس طرز فکر کو بیان کیا ہے:

وَمَا مُحَمَّدٌ إِلاَّ رَسُولٌ قَدۡ خَلَتۡ مِن قَبۡلِهِ الرُّسُلُ أَفَإِين مَّاتَ أَوۡ قُتِلَ انقَلَبۡتُمۡ عَلَى أَعۡقَابِكُمۡ وَمَن يَنقَلِبۡ عَلَىَ عَقِبَيۡهِ فَلَن يَضُرَّ اللّهَ شَيۡئًا۔ --محمدؐ بس ایک رسول ہیں، ان سے پہلے اور رسول بھی گزر چکے ہیں پھر کیا اگر وہ مر جائیں یا قتل کر دیئے جائیں تو تم لوگ الٹے پاؤں پھر جاؤ گے؟ یاد رکھو جو الٹا پھرے گا وہ اللہ کا کچھ نقصان نہ کرے گا--۔

سے متعلق رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو موقف اختیار کیا اسے مدنظر رکھتے ہوئے یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ جنگ درحقیقت تعمیری تھی کیونکہ اس کے ذریعے مسلمانوں کی توجہ ان غلطیوں کی جانب مبذول کرائی گئی جوان سے سرزد ہوئی تھیں اور ان کی کمزوریوں کو ان پر عیاں کیا گیا اس کے ساتھ ہی انہیں یہ درس بھی دیا گیا کہ وہ خود کو کس طرح منظم کریں اور جو تلخ تجربات انہیں حاصل ہوئے ہیں انہیں مدنظر رکھتے ہوئے وہ اپنے حوصلے بلند کریں اور اس شکست کی تلافی کیلئے خود میں ضروری طاقت و اعتماد پیدا کریں تا کہ آئندہ جب بھی دشمن سے مقابلہ ہو تو انہیں نصرت و کامیابی نصیب ہو۔ یہاں ہم آیات قرآنی کی روشنی میں ان بعض پہلوؤں کا جائزہ لیں گے جو تعمیری اور سبق آموز ثابت ہوئے۔

الف۔ اس جنگ میں مسلمانوں کو جو شکست ہوئی اگر قرآن مجید کی روشنی میں دیکھا جائے تو اس میں خداوند تعالیٰ کی مرضی شامل تھی:

وَمَآ اَصَابَکُمۡ یَوۡمَ الۡتَقَی الۡجَمۡعٰنِ فَبِاِذۡنِ اللّٰہِ۔ [1]

--جو نقصان لڑائی کے دن تمہیں پہنچا وہ اللہ کے اذن سے تھا--۔

البتہ یہ وہی مرضی و مشیت الٰہی ہے جو نظام ہستی میں --قانون علیت-- کے نام سے جاری و ساری ہے اور اس کی بنیاد پر ہر وجود کی مخصوص علت ہے لیکن اس شکست کا ذمہ دار مسلمانوں کو قرار دیا ہے اور ان کی اس بات کے جواب میں کہ: یہ بلا کہاں سے آ کر ہماری جان کو لگ گئی، صریحاً فرمایا کہ ہُوَ مِن عِندِ اَنفُسِکُم۔ [2] (یہ مصیبت تمہاری اپنی لائی ہوئی ہے) یعنی اس شکست کا سرچشمہ تمہاری اپنی ہی ذات ہے اور اس شکست کے اسباب کی تلاش تم اپنے ہی اندر کرو۔

پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کی خلاف ورزی، اپنے فرائض سے غفلت، جنگ ختم ہوجانے سے قبل مال غنیمت جمع کرنے میں دلچسپی وسرگرمی، میدان کارزار سے گریز اور جہاد سے روگردانی ایسے افعال ہیں جو تم سے ہی سرزد ہوئے ہیں اور یہ قانون الٰہی ہے کہ جو بھی سپاہی میدان جنگ میں سستی دکھائے گا، اپنے باخبر اور ہمدرد جرنیل کے حکم سے چشم پوشی کرے گا اور دشمن کے بارے میں سوچنے کی بجائے اسکی نظر مال غنیمت پر رہے گی تو ناچار اس کی سزا شکست ہوگی۔

ب۔ قرآن مجید نے اس امر کی صراحت کرنے کے بعد کہ اس حادثے کے وقوع پذیر ہونے کا اصل عامل مسلمانوں کی سستی تھی، انہیں یہ بھی بتادیا ہے کہ یہ شکست وقتی ہے اس کے ساتھ ہی اس مقدس کتاب نے یہ بھی تنبیہ کی ہے کہ وہ اس شکست کے باعث سست ورنجیدہ خاطر اور فتح و کامرانی سے مایوس نہ ہوں: --وَلَا تَہِنُوا وَلَا تَحۡزَنُوا--۔ [3] (دل شکستہ نہ ہو غم نہ کرو) اس کے بعد اس نے یہ ہدایت بھی کی کہ جب سستی اور پریشان دلی سے نکل آؤ گے تو --اَنتُمُ الاَعلَونَ اِن کُنتُم مُؤمِنِینَ-- --تم ہی غالب ہوگے اگر تم مومن ہو-- اس آیت نے اس بات کی وضاحت کرنے کے علاوہ کہ ایمان ہی وہ عامل ہے جسے ہر چیز پر برتری حاصل ہے اس حقیقت کو بھی ان کے گوش گزار کردیا ہے کہ شکست کا اصل سبب ان میں روح ایمانی کا ضعف تھا۔

دوسری جگہ ارشاد ہے کہ:

---

[1] سورہ آل عمران/166

[2] سورہ آل عمران/165

[3] سورہ آل عمران/139

اِنۡ یَّمۡسَسۡکُمۡ قَرۡحٌ فَقَدۡ مَسَّ الۡقَوۡمَ قَرۡحٌ مِّثۡلُہٗ ؕ وَ تِلۡکَ الۡاَیَّامُ نُدَاوِلُہَا بَیۡنَ النَّاسِ ۔ [1]

--اس وقت اگر تمہیں چوٹ لگی ہے تو اس سے پہلے ایسی ہی چوٹ تمہارے مخالف فریق کو بھی لگ چکی ہے یہ تو زمانے کے نشیب وفراز ہیں جنہیں ہم لوگوں کے درمیان گردش دیتے رہتے ہیں---

دوسری جگہ اسی بات کو اس پیرائے میں بیان فرمایا ہے کہ:

اَوَ لَمَّاۤ اَصَابَتۡکُمۡ مُّصِیۡبَۃٌ قَدۡ اَصَبۡتُمۡ مِّثۡلَیۡہَا ۙ قُلۡتُمۡ اَنّٰی ہٰذَا ؕ قُلۡ ہُوَ مِنۡ عِنۡدِ اَنۡفُسِکُمۡ ؕ اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ [2]

--جب تم پر مصیبت آ پڑی تو تم کہنے لگے کہ یہ کہاں سے آئی ؟ حالانکہ (جنگ بدر میں) اس سے دوگنی مصیبت تمہارے ہاتھوں (فریق مخالف پر) پڑ چکی ہے اے نبی ﷺ ان سے کہہ دیجئے کہ یہ مصیبت تمہارے اپنی لائی ہوئی ہے، اللہ ہر چیز پر قادر ہے---

اس آیت میں خداوند تعالیٰ نے مسلمانوں کو دلاسہ دیتے ہوئے فرمایا ہے کہ تم نے جنگ بدر میں دشمن کے (70) ستر آدمی قتل کئے اور (70) آدمیوں کو قیدی بھی بنایا اور یہ تعداد ان سے دوگنا ہے جو جنگ احد میں تمہاری طرف سے کام آئے اس آیت کے ضمن میں خداوند تعالیٰ نے اس امر کی جانب بھی توجہ دلائی کہ اس قادر مطلق کو ہر چیز پر قدرت وتوانائی حاصل ہے اور اگر تم اپنی کوتاہیوں کی تلافی اور کمزوریاں دور کرلو تو جنگ بدر کی طرح عنایت الٰہی تمہارے شامل حال رہے گی۔

ج۔قرآن مجید نے اس شکست کے جو مثبت پہلو بیان کئے ہیں انہیں ذیل میں درج کیا جاتا ہے:

1۔جنگ بدر کے ختم ہونے اور لشکر اسلام کے چند لوگوں کی شہادت کے بعد بعض مسلمان یہ آرزو کرتے رہتے کہ وہ کاش بھی شہادت سے سرخرو ہوں اور باہمی گفتگو میں ان کی زبان پر بھی ذکر آجاتا کہ کاش یہ فخر ہمیں بھی نصیب ہوتا مگر انہی میں چند لوگ جھوٹے اور ریا کار بھی تھے چنانچہ جب جنگ احد کا سانحہ پیش آیا تو وہ لوگ جو حقیقی معنوں میں مومن اور شہادت کے عاشق وتمنائی تھے وہ تو جی جان سے دشمن کے ساتھ نبرد آزما ہوئے مگر انہی میں جو لوگ جھوٹے اور ریاکار تھے انہوں نے جیسے ہی اپنے لئے خطرہ محسوس کیا میدان کارزار سے فرار ہوگئے اور ان کا اصلی چہرہ ہمیشہ کیلئے بے نقاب ہوگیا جیسا کہ قرآن مجید نے ارشاد فرمایا ہے کہ:

وَ لَقَدۡ کُنۡتُمۡ تَمَنَّوۡنَ الۡمَوۡتَ مِنۡ قَبۡلِ اَنۡ تَلۡقَوۡہُ ۪ فَقَدۡ رَاَیۡتُمُوۡہُ وَ اَنۡتُمۡ تَنۡظُرُوۡنَ ۔ [3]

--تم تو راہ خدا میں شہادت کا سامنا کرنے سے قبل موت کی تمنائیں کررہے تھے لو اب وہ تمہارے سامنے آگئی اور تم نے اسے آنکھ سے دیکھ لیا---

2۔احد کا سانحہ حقیقت نما آئینہ تھا جس نے ہر مسلمان کے اصلی چہرے کو آشکار، کے درجات ایمان کو واضح اور ان ان کا رسول خدا ﷺ سے کس حد تک تعلق خاطر تھا اسے ظاہر وعیاں کردیا، اس موقع پر حقیقی مومنین ومنافقین کی پوری شناخت ہوگئی اور دونوں کی صفیں ایک دوسرے سے بالکل علیحدہ نظر آنے لگیں: (...لِیَعلَمَ المُومنین وَلِیَعلَمَ الَّذینَ نَافَقُوا)۔ [4] تا کہ مومنین کو بھی پہچان لیا جائے اور منافقوں کو

---

[1] سورہ آل عمران/140

[2] سورہ آل عمران/165

[3] سورہ آل عمران/143

[4] سورہ آل عمران/146-147

بھی پہچان لیا جائے۔

اس موقع پر مومنوں کو اپنی غلطیوں اور کوتاہیوں کا اندازہ ہوگیا اور وہ اپنی اصلاح کی کوشش کرنے لگے اور جنگ احد ایسی آتش ثابت ہوئی جس کی تپش نے کثافتیں اور آلودگیاں دور کر کے انہیں عیوب سے پاک وصاف کر دیا۔۔۔ وَلِيُمَحِّصَ الَّذِينَ آمَنُوا ۔۔[1] اور وہ اس آزمائش کے ذریعے مومنوں کو چھانٹ کر کافروں سے الگ کر دینا چاہتا تھا۔

اس کے ساتھ ہی حضرت علی علیہ السلام ، حضرت حمزہ علیہ السلام ، حضرت ابودجانہ ، حضرت حنظلہ اور حضرت ام عمارہ وغیرہ جیسے صحابہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرے نمایاں ہو گئے ان حضرات نے اپنے کردار سے ثابت کر دیا کہ ان کے دلوں میں دین اسلام اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علاوہ کسی چیز کا خیال واندیشہ تک نہیں، اس کے برعکس وہ چہرے بھی سامنے آ گئے جن کو قرآن مجید نے ان الفاظ میں یاد کیا ہے: (اَهَمَّتْهُمْ اَنْفُسُهُمْ)۔[2] ۔۔ انکی ساری اہمیت اپنی ذات ہی کیلئے تھی۔۔ انہیں بس اپنی ہی جان کی فکر تھی اور دین اسلام و پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کوئی سروکار نہ تھا۔

آخری بات جس کا استفادہ قرآن مجید سے ہوتا ہے یہ ہے کہ: اس قسم کے واقعات کا ہر قوم وملت کی زندگی میں رونما ہونا لازمی امر ہے تا کہ ہر شخص کے دل میں جو کچھ ہے وہ ظاہر و آشکار ہو جائے اور ان کی صفیں ایک دوسرے سے علیحدہ ہو جائیں اس کے علاوہ جب افراد اس طرح کے حادثات سے دوچار ہوں گے تو ان حوادث کے ذریعے ان کی تربیت ہوگی اس کے ساتھ ہی ان کے قلب پاک اور نیت خالص ہو جائیں گی۔

وَلِيَبْتَلِيَ اللّٰهُ مَا فِي صُدُوْرِكُمْ وَلِيُمَحِّصَ مَا فِيْ قُلُوْبِكُمْ ۔[3]

۔۔ اور جو کھوٹ تمہارے دلوں میں ہے اسے چھانٹ دے۔۔۔

طاقت کا اظہار

جنگ احد میں مسلمانوں کی غیر متوقع شکست نے مدینہ کے منافقوں اور یہودیوں کو بہت گستاخ و بے باک بنا دیا تھا چنانچہ مسلمانوں کی حقارت وسرزنش کے ساتھ ساتھ زبان درازی تک کرنے لگے تھے[4]، ان بیرونی سازشوں اور منفی پروپیگنڈوں کو ناکام بنانے کیلئے جن کے رونما ہونے کا احتمال ہوسکتا تھا خداوند تعالیٰ کی طرف سے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم دیا گیا کہ وہ اتوار کے دن 8 شوال کو دشمن کا تعاقب کریں اس مشق میں وہ لوگ شریک ہو سکتے ہیں جو گزشتہ جنگ کے موقع پر میدان کارزار میں موجود تھے۔[5]

اس شرط میں ممکن ہے یہ راز پنہاں ہو کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ چاہتے تھے کہ اس گروہ کو، جو جہاد میں شرکت کرنے کیلئے لیت ولعل سے کام لے رہا تھا، نفسیاتی واجتماعی اعتبار سے تنبیہ کر سکیں اور ان سپاہیوں کیلئے یہ بھی درس عبرت ثابت ہو، تا کہ گزشتہ جنگ میں ان سے جو تقصیر ہوئی تھی اس کی تلافی ہو سکے اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر یہ امر واضح ہو جائے کہ وہ اپنے ایمان اور خلوص کے کس درجے پر ہیں، اس کے

---

[1] سورہ آل عمران/ 141

[2] سورہ آل عمران/ 154

[3] سورہ آل عمران/ 72

[4] ملاحظہ ہو: السیرۃ الحلبیہ ج 2 ص 256

[5] قمی مرحوم نے ایک روایت کی بنا پر یہ بھی بیان کیا ہے کہ: اس مشق میں صرف زخمیوں کو شرکت کرنے کی دعوت دی گئی تھی۔ ملاحظہ ہو: بحار الانوار ج 20 ص 64

علاوہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ بھی جانتے تھے کہ اس اقدام کے ذریعے کوئی جنگ واقع نہیں ہوگی اور دشمن مسلمانوں کے چنگل سے نکل کر فرار ہو جائیں گے، رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زخمیوں کو اس جنگی مشق میں شرکت کی دعوت اس لئے دی تھی کہ ان کے حوصلے بلند ہوں اور ان میں خود اعتمادی پیدا ہو سکے۔ فوج بالخصوص زخمیوں نے اس کے باوجود کہ ان کو کاری زخم آئے تھے اور جس رنج و تکلیف سے وہ دو چار ہوئے تھے اس کے کرب کو وہ ابھی تک محسوس کر رہے تھے، انہوں نے حکم خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو لبیک کہا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ مدینے سے اپنی منزل --حمراء الاسد--[۱] کی جانب روانہ ہو گئے، قرآن مجید ان کے اس مخلصانہ اور ایثار پسندانہ اقدام کی تعریف کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ:

اَلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ مِنْۢ بَعْدِ مَآ اَصَابَهُمُ الْقَرْحُ ۛ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا مِنْهُمْ وَاتَّقَوْا اَجْرٌ عَظِيْمٌ ۔[۲]

--جنہوں نے زخم کھانے کے بعد بھی اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پکار پر لبیک کہا ان میں جو اشخاص نیکوکار اور پرہیزگار رہیں ان کے لئے بہت بڑا اجر ہے--۔

قریش کا وہ لشکر جو اس ارادے سے --روحاء[۳]-- میں اترا تھا کہ مدینہ جا کر مسلمانوں کو تہس نہس کرے گا، جب اسے لشکر اسلام کی روانگی کا علم ہوا اور بالخصوص --معبد خزاعی-- نے اس کی کیفیت کو ابوسفیان سے بیان کیا تو اس نے اپنا فیصلہ بدل دیا اور فرار ہو کر مدینہ چلا گیا۔

مسلمانوں نے تین روز تک --حمراء الاسد-- میں سپاہ قریش کا انتظار کیا اور دشمن کے دل میں رعب و ہیبت پیدا کرنے کی غرض سے انہوں نے ہر رات مختلف جگہوں پر آگ روشن کی چنانچہ انہیں جب یہ اطمینان ہو گیا کہ دشمن مرعوب ہو کر فرار ہو گیا ہے تو وہ واپس مدینہ آ گئے۔[۴]

سپاہ اسلام کی اس دلیرانہ جنگی مشق نے دشمنان دین، منافقین اور یہودیوں کی نفسیات پر بہت زیادہ اثر ڈالا اس کے جو منفی اور مثبت اثرات نمایاں ہوئے ان کی کیفیت ذیل میں درج کی جاتی ہے۔

1۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دوراندیشی، تدبر و انتظامی صلاحیت، کمانڈنگ کی سوج بوجھ، قطعی فیصلے کی قوت اور ہر صورت میں شرک والحاد کے خلاف قاطعانہ استقامت اور پائیداری سب پر عیاں ہو گئی اس کے ساتھ ہی قیادت کا مقام بھی پہلے سے زیادہ ثابت اور پختہ ہو گیا۔

2۔ جن سپاہیوں کے حوصلے پست ہو گئے تھے ان کے دلوں میں دوبارہ حملے کی امنگ پیدا ہو گئی، چند روز قبل والی جنگ میں شکست کے باعث جو اضطراب و پریشان حالی کی کیفیت پیدا ہو گئی تھی وہ اب سپاہیوں کے دلوں سے قطعی زائل ہو گئی اور وہ کامیابی کے احساس کے ساتھ واپس مدینہ آ گئے۔

---

[۱] یہ جگہ مدینہ سے تقریباً 8 میل (16 کلومیٹر) کے فاصلے پر واقع ہے ملاحظہ ہو: معجم البلدان ج2 ص301

[۲] سورہ آل عمران/172

[۳] مدینہ سے 35 یا 42 یا 43 میل کے فاصلے پر یہ جگہ تھی (ملاحظہ ہو: الصحیح من السیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ج4 ص335-336)

[۴] السیرۃ الحلبیہ ج2 ص257-259

3۔وہ دشمن جو اپنی طاقت کے نشے میں چور اور اپنی عسکری طاقت کی برتری کے خیال میں مست مکہ کی جانب چلا جانا چاہتے تھے راستے میں ان کے اسی باطل احساس نے انہیں اس بات پر مجبور کیا کہ دوبارہ مدینہ کی طرف رخ کریں اور وہاں پہنچ کر وہ اسلام نیز رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کام تمام کردیں مگر جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی غیر متوقع فوجی طاقت اور جنگی تیاری کو اپنی آنکھوں سے دیکھا تو ان پر دہشت و سراسیمگی طاری ہوگئی چنانچہ جس طرح جنگ احد سے قبل وہ مایوس و ناکام مکہ واپس گیا تھا اس مرتبہ بھی اسی حالت میں وہ فرار ہو کے مکہ پہنچے۔

4۔مسلمانوں کو جو شکست ہوئی تھی اس کی خبر یہودیوں اور منافقین نے سارے شہر میں پھیلا دی تھی وہ اپنی جگہ یہ فرض کئے ہوئے تھے کہ مسلمانوں پر ایسی کاری ضرب لگ چکی ہے کہ وہ اب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطراف سے متفرق ہو جائیں گے اور ان میں اتنا حوصلہ نہ رہے گا کہ اپنی عسکری کاروائی کو جاری رکھ سکیں لیکن اپنی اس خام خیالی کے برعکس جب انہوں نے مسلمانوں کے جذبہ ایثار و قربانی اور دلیرانہ اقدام کو اپنی آنکھوں سے دیکھا تو انہیں پہلے سے کہیں زیادہ مایوسی و ناامیدی ہوئی اور وہ لوگ جو مسلمانوں کو حقیر نظروں سے دیکھا کرتے تھے اب خود ہی ایسے ذلیل و خوار ہوئے کہ منہ چھپائے پھرتے تھے اور نوبت یہاں تک پہنچی کے جس وقت منافقین کے لیڈر نے دستور کے مطابق یہ چاہا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد سے قبل، زبان کھولے اور کچھ کہے تو لوگوں نے اس کے قمیص کا دامن پکڑ کر اسے نیچے کھینچ لیا اور دشمن خدا کہہ کر اس پر لعن طعن کی۔[1]

احد سے خندق تک

جنگ احد اور جنگ خندق کے درمیان تقریبا دو سال کا فاصلہ تھا۔اس عرصے میں مشرکین، بالخصوص مدینہ کے اطراف میں آباد قبائل اور یہودی، اسلام کے خلاف سازش کرنے میں سرگرم عمل رہے اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پوری ذہانت و ہوشمندی اور مکمل تیاری اور ہمت کے ساتھ ان کے ہر حربے کا مقابلہ کرتے رہے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دین اسلام کی ترویج و اشاعت کی خاطر اطراف و جوانب میں آباد قبائل کے درمیان تبلیغی جماعتیں بھی بھیجتے رہے لیکن افسوس کہ وہ قبائل مبلغین اسلام کے ارشادات عالیہ سے مستفید ہونے کی بجائے ان کے ساتھ جنگ کرتے تھے چنانچہ --رجیع-- میں وہ چھ مبلغ جنہیں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دین اسلام کی اشاعت کی خاطر روانہ کیا تھا قبائل --عضل-- اور --قارہ-- کے لوگوں کی وجہ سے شہید ہوئے اسی طرح --بئر معونہ-- کے جانکاہ حادثے میں تقریباً چالیس معلمین قرآن اور مبلغین اسلام قبیلہ --بنی لحیان-- اور ان دیگر قبائل کے ہاتھوں شہادت سے ہمکنار ہوئے دراصل یہ واقعات و حادثات اس حقیقت کے آئینہ دار ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کوشش یہی تھی کہ دین اسلام کی اشاعت و ترویج ہو اگرچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس واقعیت سے بھی بے خبر نہ تھے کہ اس خطے میں دشمن اس تحریک کو روکنے کیلئے اپنی عسکری طاقت کو استعمال کر رہا ہے اور اس راہ میں خطرات و دشواریاں بہت ہیں مگر اس کے باجود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ تمنا تھی کہ کسی تصادم کے بغیر دین اسلام کی اشاعت و تبلیغ کے ذریعے لوگ توحید کی جانب کشاں کشاں چلے آئیں۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جن سریوں اور غزوات میں دشمنوں کا مقابلہ کیا ان کی مختصر فہرست ذیل میں درج ہے۔

1۔سریہ--ابوسلمہ--میں ایک سو پچاس مسلمانوں شرکت فرمائی اور پہلی محرم سنہ 4 ہجری کو قبیلہ--بنی اسد--سے مقابلہ ہوا۔

2۔سریہ--عبداللہ بن انیس--میں--سفیان ابن خالد--کے ساتھ عرنہ--نامی مقام پر 5 محرم سنہ 4 ہجری کو مقابلہ ہوا۔

---

[1] السیرۃ الحلبیہ ج2 ص256

3۔غزوہ ۔۔بنی نضیر ۔۔میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ۔۔بنی نضیر ۔۔قبیلے کے یہودیوں کی شر پسندیوں اور خیانت کاریوں کو روکنے نیز انہیں مدینہ سے شہر بدر کرنے کیلئے ربیع الاول سنہ 4 ہجری میں شرکت فرمائی۔

4۔غزوہ ۔۔بدر موعد ۔۔میں ابوسفیان کی دریدہ دہنی کا دندان شکست جواب دینے کیلئے جنگ احد کے بعد بدر کے علاقہ میں بتاریخ 16 ذیقعدہ سنہ 4 ہجری میں شرکت فرمائی۔

5۔غزوہ ۔۔دومتہ الجندل ۔۔میں ان شر پسندوں کی سرکوبی کیلئے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شرکت فرمائی جنہوں نے مسافروں پر راستے تنگ کر دیئے تھے اور ان کے ساتھ ظلم وستم روا رکھا ہوا تھا اس کے علاوہ انہوں نے اسلامی مرکزی حکومت پر بھی دست اندازی شروع کر دی تھی، یہ غزوہ 25 ربیع الاول سنہ ہجری میں پیش آیا۔

غزوہ احزاب

غزوہ ۔۔احزاب ۔۔یا ۔۔خندق ۔۔رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف دشمنان اسلام کا عظیم ترین اور وسیع ترین معرکہ تھا اس جنگ میں قریش یہود اور جزیرۃ العرب کے بہت سے بت پرست قبائل نے متحد ہو کر عہد و پیمان کیا تھا کہ مسلمانوں پر ایسا سخت حملہ کیا جائے کہ ان کا کام ہی تمام ہو جائے۔

عملی طور پر یہ سازش اس وقت شروع ہوئی جب یہودی قبیلہ ۔۔بنی نضیر ۔۔کے سرداروں کو دین اسلام کے ہاتھوں کاری ضرب لگی تھی اور انہیں مدینہ سے نکال باہر کر دیا گیا تھا یہاں سے انہوں نے مکہ کا رخ کیا تا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے انتقام لینے کیلئے وہ قریش سے گفتگو کر کے ان سے مدد لیں۔

ابوسفیان نے ان کا پورے جوش وخروش سے استقبال کیا اور کہا کہ ۔۔ہمارے نزدیک عزیز ترین افراد وہ ہیں جو محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ دشمنی میں ہمارے معاون و مددگار رہوں ۔۔اس کے بعد انہوں نے باہمی طور پر عہد و پیمان کیا اور یہ قسم کھائی کہ ایک دوسرے کا ساتھ دیں گے اور ان میں سے جب تک ایک مرد بھی زندہ رہے گا وہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف جنگ وجدال کرتا رہے گا۔[1]

قریش کو جنگ کیلئے آمادہ کرنے کے بعد یہی فتنہ انگیز یہودی نجد کی جانب روانہ ہوئے اور وہاں ۔۔قبیلہ غطفان ۔۔اور قبیلہ ۔۔بنی سلیما ۔۔سے گفتگو کی اور ایک سال تک خیبر کا محصول ادا کرنے کا وعدہ کر کے انہیں بھی رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف جنگ کرنے کی ترغیب دلائی۔

آخر کار اسلام کے خلاف متحدہ محاذ قائم ہو گیا اور تقریباً دس ہزار ایسے جنگ آزما بہادر جن کا شمار قوی ترین اسلام دشمن عناصر میں ہوتا تھا ابوسفیان کی قیادت میں اسلام کو نیست و نابود کرنے کی خاطر مدینہ کی جانب روانہ ہوئے۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جب اس عظیم سازش کا علم ہوا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ سے مشورہ کیا، حضرت ۔۔سلمان فارسی ۔۔نے یہ تجویز پیش کی کہ خندق کھودی جائے یہ تجویز پسند کی گئی اور فوراً ہی یہ کام شروع کر دیا گیا۔

اس زمانے میں مدینہ کا بیشتر علاقہ پہاڑوں ایک دوسرے سے متصل مکانوں اور نخلستان سے گھرا ہوا تھا چنانچہ یہی سب چیزیں مل کر شہر کی فصیل کا کام کرتی تھیں صرف ۔۔ابوعبید ۔۔اور ۔۔راتج ۔۔کے درمیان کی جگہ سے حملہ ہوسکتا تھا، رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا

[1] السیرۃ الحلبیہ ج 2 ص 309

کہ دس دس آدمی مل کر چالیس چالیس ذراع خندق کھود ڈالیں۔

مسلمان پوری لگن، تعلق خاطر اور دلچسپی کے ساتھ اس کام میں مشغول ہو گئے اگر کوئی بہت ہی ضروری کام ہوتا تو وہ رسول خداؐ سے اجازت لے کر اپنے کام سے دست کش ہو کر اس جگہ سے جاتے جہاں انہیں متعین کیا گیا تھا چنانچہ ان کے بارے میں قرآن کا ارشاد ہے۔:

اِنّمَا المُؤمِنُونَ الّذِینَ آمَنُوْا بِاللہِ وَرَسُولِہ وَاِذَا کَانُوامَعَہُ عَلٰی اَمرٍ جَامِعٍ لَم یَذہَبُوا حَتّٰی یَستَاذِنُوہُ اِنَّ الّذِینَ یَستَاذِنُونَکَ اُولٰئِکَ الّذِینَ یُؤمِنُونَ بِاللہِ وَرَسُولِہ۔[1]

--مؤمن تو در اصل وہی ہیں جو اللہ اور اس کے رسولؐ کو دل سے مانیں اور جب کسی اجتماعی کام کے موقع پر رسولؐ کے ساتھ ہوں تو اس سے اجازت لئے بغیر نہ جائیں، اے نبیؐ جو لوگ تم سے اجازت مانگتے ہیں وہی اللہ اور رسولؐ کے ماننے والے ہیں--۔

اس وقت حضرت سلمان فارسی سب سے زیادہ محنت و ہمت سے کام لے رہے تھے چنانچہ واقدی اور حلبی نے لکھا ہے کہ وہ دس آدمیوں کے برابر کام کر رہے تھے ان کی اس لگن و جانفشانی کو دیکھ کر مہاجرین و انصار دونوں کو ہی حیرت ہوتی تھی اور ہر گروہ ان کے بارے میں یہی کہتا تھا کہ--سلمان ہمارے اپنے ہیں--اور جب رسول خداؐ نے ان گروہوں کی یہ گفتگو سنی تو فرمایا کہ:--سَلمانُ مِنّا اَہلَ البَیت--[2] سلمان تو میرے اہل بیت میں سے ہیں۔

اگر چہ منافقین بھی بظاہر مومنین کے دوش بدوش خندق کھودنے کے کام میں لگے ہوئے تھے لیکن انہیں جب بھی موقع ملتا کوئی نہ کوئی بہانہ بنا کر رسول خداؐ سے اجازت لئے بغیر اپنے کام سے دستکش ہو جاتے اور مختلف بہانوں سے محاذ حق کو کمزور کرنے کی جستجو میں لگے رہتے۔[3]

قَدۡ یَعۡلَمُ اللّٰہُ الَّذِیۡنَ یَتَسَلَّلُوۡنَ مِنۡکُمۡ لِوَاذًا ۚ فَلۡیَحۡذَرِ الَّذِیۡنَ یُخَالِفُوۡنَ عَنۡ اَمۡرِہٖۤ اَنۡ تُصِیۡبَہُمۡ فِتۡنَۃٌ اَوۡ یُصِیۡبَہُمۡ عَذَابٌ اَلِیۡمٌ

--اللہ ان لوگوں کو خوب جانتا ہے جو تم میں ایسے ہیں کہ ایک دوسرے کی آڑ لیتے ہوئے چپکے سے چلے جاتے ہیں، رسولؐ کے حکم کی خلاف ورزی کرنے والوں کو کسی فتنے میں گرفتار ہونے یا دردناک عذاب میں مبتلا ہونے سے ڈرنا چاہئے--۔

خندق کی کھدائی کا کام چھ روز[4] یعنی احزاب کی سپاہ کے مدینے پہنچنے سے تین روز قبل[5] مکمل ہو گیا اور تین ہزار جنگجو مسلمان اس کی پشت پر اپنی اپنی جگہ متعین ہو گئے۔[6]

---

[1] سورہ نور آیت 62

[2] المغازی ج2 ص446-447 والسیرۃ الحلبیہ ج2 ص313

[3] السیرۃ النبویہ ج3 ص226 ابن ہشام نے لکھا ہے کہ سورہ نور کی آیت 63 ایسے ہی لوگوں کیلئے نازل ہوئی ہے۔

[4] المغازی ج2 ص454

[5] بحار الانوار ج20 ص221

[6] تاریخ طبری ج2 ص570

احزاب کی فوج کو جب یہ خندق نظر آئی تو وہ مجبوراً خندق کے اس پار ہی رک گئی اور وہیں انہوں نے اپنے خیمے لگائے۔

اندرون مدینہ جنگی محاذ کا کھولنا

سپاہ احزاب کی کثرت سامان خوراک کی کمی مکہ و مدینہ کے درمیان دوری اور اس قول نے جو قبیلہ --بنی نضیر-- کے سرداروں نے قریش کو دیا تھا، لشکر احزاب کے سپہ سالاروں کو اس بات پر مجبور کیا کہ مسلمانوں کو جلد از جلد شکست دینے کیلئے اندرون شہر محاذ قائم کریں چنانچہ --حُیَّی ابن اخطب-- بنی قریظہ کے قلعہ میں داخل ہوا اور اس کے سردار سے گفتگو کی، اسے شیطانی مکر و فریب سے مجبور کیا کہ رسول خدا ﷺ سے اس نے جو معاہدہ کیا تھا اس کی خلاف ورزی کرے[1] اور اس طرح --بنی قریظہ-- کے نو سو جنگجو سپاہی مسلمانوں کے خلاف جنگ کیلئے آمادہ ہو گئے تا کہ خندق کے اس پار احزاب کے لشکر کی فتح و نصرت کے لئے پل کا کام دے۔ اس خبر کے پھیلنے سے مسلمانوں میں پریشانی و سراسیمگی کی لہر دوڑ گئی کیونکہ ایک طرف تو دشمن کے دس ہزار سپاہیوں نے ان کا محاصرہ کر رکھا تھا اور دوسری طرف --بنی قریظہ-- کے یہودی عہد شکنی کر کے دشمن کے ساتھ مل گئے تھے اس کے ساتھ ہی منافقین نے بھی رسول خدا ﷺ کو طعنہ دینے شروع کر دیئے وہ آنحضرت ﷺ کا مذاق اڑا کر کہتے تھے کہ: محمد ﷺ تو ہمیں --قیصر-- اور --کسریٰ-- کے خزانوں کے سبز باغ دیکھا رہے ہیں اور ہماری حالت یہ ہے کہ رفع حاجت تک کیلئے بھی اپنے گھروں سے باہر قدم نہیں نکال سکتے، خدا و پیغمبر ﷺ نے ہمیں فریب کے علاوہ دیا ہی کیا ہے۔[2] قرآن مجید نے اس بحرانی کیفیت کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے:

إِذْ جَآءُوكُم مِّن فَوْقِكُمْ وَمِنْ أَسْفَلَ مِنكُمْ وَإِذْ زَاغَتِ الْأَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوبُ الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّونَ بِاللَّهِ الظُّنُونَا

هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُونَ وَزُلْزِلُوا زِلْزَالًا شَدِيدًا۔[3]

--جب دشمن اوپر نیچے سے تم پر چڑھ آئے اور خوف کے مارے تمہاری آنکھیں پتھرا گئیں، کلیجے منہ کو آ گئے اور تم لوگ اللہ کے بارے میں طرح طرح کے گمان کرنے لگے، اس وقت ایمان لانے والے خوب آزمائے گئے اور وہ سخت تزلزل کا شکار ہوئے--۔

مومن اس کے باوجود خدا پر توکل اور رسول اکرم ﷺ کے وعدوں پر اعتماد کر کے ایمان و استقامت پر قائم رہے۔

وَلَمَّا رَأَ الْمُؤْمِنُونَ الْأَحْزَابَ. قَالُوا هَذَا مَا وَعَدَنَا اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَصَدَقَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ. وَمَا زَادَهُمْ إِلَّا إِيمَانًا وَتَسْلِيمًا[4]

--اور سچے مومنوں کا حال اس وقت یہ تھا کہ جب انہوں نے حملہ آور لشکروں کو دیکھا تو پکار اٹھے کہ --یہ وہی چیز ہے جس کا اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے ہم سے وعدہ کیا تھا اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی بات بالکل سچی تھی-- اور اس واقعہ نے ان کے ایمان اور اطاعت کو اور زیادہ بڑھا دیا--۔

---

[1] السیرۃ النبویہ ج3 ص231

[2] السیرۃ الحلبیہ ج2 ص318

[3] سورہ احزاب آیت 10-11

[4] سورہ احزاب آیت 22

لیکن منافق اور۔۔ضعیف الایمان۔۔لوگ ایسے مرعوب ووحشت زدہ ہوئے کہ وہ مختلف بہانے بنا کر یہ کوشش کرنے لگے کہ محاذ جنگ سے فرار کر کے کسی طرح مدینے چلے جائیں۔

وَإِذْ قَالَت طَّائِفَةٌ مِّنْهُمْ يَا أَهْلَ يَثْرِبَ لَا مُقَامَ لَكُمْ فَارْجِعُوا ۚ وَيَسْتَأْذِنُ فَرِيقٌ مِّنْهُمُ النَّبِيَّ يَقُولُونَ إِنَّ بُيُوتَنَا عَوْرَةٌ وَمَا هِيَ بِعَوْرَةٍ ۖ إِن يُرِيدُونَ إِلَّا فِرَارًا [1]

۔۔جب ان میں سے ایک گروہ نے کہا کہ۔۔اے یثرب کے لوگو تمہارے لئے اب ٹھہرنے کا کوئی موقع نہیں ہے پلٹ چلو جب ان کا ایک فریق یہ کہہ کر نبی سے رخصت طلب کر رہا تھا کہ۔۔ہمارے گھر خطرے میں ہیں۔۔حالانکہ ان کے گھر خطرے میں نہ تھے دراصل وہ محاذ سے بھاگنا چاہتے تھے۔۔۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذمہ داری اس وقت بہت سخت اور دشوار تھی ایک طرف تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس سپاہ کے مقابل جس کی تعداد سپاہ اسلام سے تین گنا سے بھی زیادہ تھی، اپنے کمزور محاذ کو مضبوط و آمادہ کرنا تھا دوسری طرف ان غداروں کی سرکوبی تھی جو محاذ کے اندر ریشہ دوانی کر رہے تھے، اس کے ساتھ ہی اس سپاہ کی آپ کو حوصلہ افزائی کرنی تھی جن کے دل مضطرب اور جانیں لبوں تک پہنچ گئیں تھی، ان تمام نامساعد حالات کے باوجود جو اس وقت رونما ہو رہے تھے آپؐ اپنے اصحاب کو فتح و کامرانی کی خوشخبری بھی دے رہے تھے، جو ان ظاہری نامساعد (نامناسب) حالت کے پس پشت پنہاں تھی۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انتہائی سخت و دشوار حالات یہاں تک کہ بنی قریظہ کی عہد شکنی کے بعد بھی اپنی سپاہ کے حوصلے بلند کرنے کیلئے برابر فتح و کامرانی کا یقین دلا رہے تھے۔[2] اور عہد شکنوں کی سازشوں کا توڑ کرنے کے لئے پانچ سو (500) سپاہیوں کو تکبیر کہتے ہوئے مدینہ کی گلیوں میں گشت کرنے کا حکم دیا تھا۔[3]

ایمان و کفر کے نمائندوں کی جنگ

تقریباً ایک ماہ تک مدینہ کا محاصرہ رہا اور قریش کی کوشش لا حاصل رہی، آخر کار سپاہ مکہ کے پانچ جنگجو خندق کا وہ حصہ تلاش کرنے میں کامیاب ہو گئے جس کی چوڑائی نسبتاً کم تھا چنانچہ اسے انہوں نے عبور کیا اور سپاہ اسلام کو جنگ کیلئے للکارا۔۔۔عمرو ابن عبدود۔۔ سب سے زیادہ رجز یہ اشعار پڑھ رہا تھا[4] وہ لشکر اسلام کو مخاطب کر کے کہہ رہا تھا۔۔تمہیں للکارتے ہوئے اور لڑنے کی دعوت دیتے دیتے میری آواز بیٹھ گئی ہے اور میں تھک گیا ہوں۔۔لیکن کسی نے اسکی للکار کا جواب نہ دیا۔

سپاہ اسلام میں حضرت علی علیہ السلام کے علاوہ کسی اور نے اس کی للکار کا جواب دینے کی جرات نہیں کی۔رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی شمشیر حضرت علی علیہ السلام کو عنایت فرمائی اور آپ علیہ السلام کے حق میں دعا کی جس وقت حضرت علی علیہ السلام۔۔عمرو۔۔کے مقابل آئے تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔۔بَرَزَ الایمانُ کُلُّہُ الی الشرک کُلّہ۔۔یعنی اب کل ایمان سراپا شرک کے مقابلے کیلئے میدان میں آ گیا ہے۔دونوں

---

[1] سورہ احزاب آیت 13

[2] السیرۃ النبویہ ج3ص 233

[3] المغازی ج2ص 460۔

[4] وہ جنگ بدر میں ایسا سخت زخمی ہوا تھا کہ جنگ احد میں شریک ہونے کے قابل نہ رہا تھا۔اس کے بارے میں مشہور تھا کہ بہادری میں وہ اکیلا ایک ہزار پر بھاری ہے۔بحار الانوار ج20ص 202

جنگجوؤں نے رجزیہ اشعار پڑھتے ہوئے قبضہ شمشیر کو ہاتھ میں لیا اور ایک دوسرے پر وار کرنے لگے دیکھتے ہی دیکھتے امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کا نعرہ تکبیر میدان کارزار میں بلند ہوا اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ خدا کی قسم علی علیہ السلام نے اسے مار گرایا۔

--عمرو-- کے ساتھیوں نے جب اسے خاک وخون میں لوٹتے دیکھا تو وہ میدان جنگ سے بے محابہ بھاگ نکلے۔[1]

--عمرو-- کے مارے جانے کے بعد قریش کے حوصلے پست پڑ گئے، احزاب کے سرداروں نے جب اپنی انتقام جویانہ کاروائی اور دیگران عوامل میں جن کا آئندہ ذکر کیا جائے گا، خود کو بے دست و پا پایا تو انہوں نے محاصرہ کو جاری رکھنے کا خیال ترک کر دیا اور واپس مکہ چلے گئے۔

غزوہ احزاب میں جانبازان اسلام میں سے چھ افراد نے جام شہادت نوش کیا اور مشرکین کے آٹھ سپاہی مارے گئے[2] اور اسطرح 23 ذیقعدہ سنہ 5 ہجری کو یہ جنگ ختم ہوئی[3] اور احزاب کا لشکر شرمناک شکست سے دوچار ہو کر اپنے گھروں کو سدھارا۔

سوالات

1۔ جنگ احد میں مسلمانوں کی شکست کے کیا اسباب تھے؟ مختصر طور پر بیان کیجئے۔

2۔ جنگ احد میں مسلمان جس شکست سے دوچار ہوئے اس کے بارے میں قرآن کا نظریہ مختصر طور پر بیان کیجئے؟

3۔ جنگ احد کی شکست سے مسلمانوں کو کیا فائدہ پہنچا اور اس کے کیا مثبت نتائج برآمد ہوئے؟

4۔ غزوہ --حمراء الاسد-- کا واقعہ کس طرح پیش آیا، اس میں کن لوگوں نے شرکت کی اور اس کے کیا نتائج برآمد ہوئے؟

5۔ جنگ --احد-- اور --احزاب-- کے درمیان کون سے اہم واقعات رونما ہوئے مختصر طور پر ان کی کیفیت بیان کیجئے۔

6۔ جنگ احزاب کن لوگوں کی تحریک کی باعث وقوع پذیر ہوئی؟

7۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جب لشکر احزاب کی سازش کا علم ہوا تو آپ نے کیا اقدام فرمایا؟

8۔ جب مسلمانوں کو --بنی قریظہ-- کی عہد شکنی کا علم ہوا تو ان کے دلوں پر کیا گزری؟

9۔ جنگ احزاب کس تاریخ کو اور کس طرح اختتام پذیر ہوئی؟

---

[1] بحار الانوار ج 20 ص 203-215

[2] تاریخ یعقوبی ج 2 ص 51

[3] المغازی ج 2 ص 440

سبق 12:

غزوات بنی قریظہ، بنی مصطلق اور صلح حدیبیہ

لشکر احزاب کی شکست کے اسباب

جنگ احزاب میں اسلام کے خلاف شرک کی سب سے بڑی طاقت کے شکست پذیر ہونے کے مختلف اسباب وعوامل تھے جن میں سے چند ذیل میں درج ہیں:

1۔ خداوند تعالیٰ کی مخفی اور علانیہ مدد:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ اِذْ جَآءَتْكُمْ جُنُوْدٌ فَاَرْسَلْنَا عَلَیْهِمْ رِیْحًا وَّجُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرًا۔ [۱]

--اے ایمان والو یاد کرو اللہ کے احسان کو جو (ابھی ابھی) اس نے تم پر پر کیا ہے، جب تم پر (احزاب کے) لشکر چڑھ آئے تو ہم نے ان پر شدید آندھی بھیجی اور ایسی فوجیں روانہ کیں جو تم کو نظر نہ آتی تھی اللہ وہ سب کچھ دیکھ رہا تھا جو تم اس وقت کر رہے--۔

2۔ لشکر احزاب کے پہنچنے سے قبل خندق کا تیار ہو جانا جس کی وجہ سے نہ صرف دشمن شہر میں داخل نہ ہو سکا بلکہ اس کے حوصلے بھی پست ہو گئے اور نفسیاتی لحاظ سے اس پر کاری ضرب تھی۔

3۔ امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کی دلیری اور شجاعت کے باعث مشرکین کا سب سے بڑا بہادر --عمرو بن عبدود-- ہلاک ہوا، حضرت علی علیہ السلام کی (تقدیر ساز کاری) ضرب مسلمانوں کے حوصلے بلند کرنے میں نہایت مفید اور کفار کے حوصلے پست کرنے میں انتہائی کارآمد ثابت ہوئی۔ [۲]

4۔ --نعیم بن مسعود-- کی وجہ سے دشمن کی صفوں میں اختلاف و خلیج کا پیدا ہونا۔ وہ قریش و یہود کے درمیان ممتاز اور قابل اعتماد شخص تھے، جنگ سے کچھ عرصہ قبل تک وہ محاذ کفر میں شامل رہے مگر ایک دن خفیہ طور پر رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور دین اسلام سے مشرف ہونے کے بعد رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اجازت سے انہوں نے جنگی چال کا حربہ استعمال کیا اور لشکر کفار کے ذہنوں میں شک و وسواس پیدا کر کے احزاب کی فوج اور ان کی یکسوئی کو درہم برہم کر دیا۔

انہوں نے سب سے پہلے --بنی قریظہ-- کے یہودیوں سے ملاقات کی اور گفتگو کے درمیان ان کے دلوں میں قریش کی طرف

---

[۱] سورہ احزاب آیت 9۔

[۲] اس کے سلسلے میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا: لَمْ یَبْقَ بَیْتٌ مِنْ بُیُوْتِ الْمُشْرِكِیْنَ اِلَّا وَقَدْ دَخَلَهٗ وَهْنٌ بِقَتْلِ عَمْرٍو:۔ وَلَمْ یَبْقَ بَیْتٌ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ اِلَّا وَقَدْ دَخَلَهٗ عِزٌّ بِقَتْلِ عَمْرٍو:۔ بحار الانوار ج 20۔ ص 205 (مشرکین کے گھروں میں کوئی گھر ایسا نہ بچا جس نے عمرو ابن عبدود کے قتل پر سوگ اور ذلت محسوس نہ کی ہو اور مسلمانوں کے گھروں میں کوئی گھر ایسا نہ تھا جس نے عمر کے قتل پر اظہار خوشی اور اس میں اپنی عزت محسوس نہ کی ہو--۔

سے بدگمانی پیدا کردی اس کے ساتھ باتوں ہی باتوں میں انہوں نے اُن کو اس بات کیلئے آمادہ کرلیا کہ وہ سپاہ احزاب کے سامنے یہ شرط رکھیں کہ ہم اس صورت میں تمہارے ساتھ تعاون کر سکتے ہیں کہ اپنے سرداروں میں سے چند افراد کو ہمارے پاس بطور یرغمال بھیجو۔

اس کے بعد وہ --ابوسفیان-- کے پاس گئے اور کہنے لگے کہ --بنی قریظہ-- نے محمد ﷺ کے ساتھ جو عہد شکنی کی ہے اس پر وہ پشیمان ہیں اپنے اس اقدام کی تلافی کیلئے انہوں نے فیصلہ کیا ہے کہ تم میں سے چند لوگوں کو بطور یرغمال پکڑ لیں اور انہیں محمد ﷺ کے حوالے کردیں۔ --نعیم-- کی کوشش کا ہی یہ نتیجہ تھا کہ وہ دو گروہ جو باہمی طور پر متحد ہوگئے تھے اب ایسے بدظن ہوگئے کہ ایک نے دوسرے سے جو بھی پیشکش کی اسے رد کردیا گیا[1]۔

5۔دشمن کے مقابل رسول خدا ﷺ کی استقامت و پائداری اگرچہ اس وقت مسلمان دشوارترین مراحل سے گزر رہے تھے اور پوری فضا ان کے خلاف ہوچکی تھی مگر ان صبر آزما حالات کے باوجود لشکر اسلام اس بات کیلئے تیار نہ تھا کہ دشمن کو ذرہ برابر بھی رعایت دی جائے۔

6۔رسول خدا ﷺ کی دانشمندانہ قیادت، میدان کارزار میں مسلسل موجودگی، عین وقت پر صحیح تدبیر سیاسی اور جنگی چالوں کے باعث بیرونی اور اندرونی دشمن کے دلوں پر مایوسی کا چھا جانا۔

7۔فوجی نظم وضبط خندق کے نگہبانوں نیز گشتی پہرہ داروں کی زود فہمی اور محاذ جنگ کے متعلق تمام قواعد و آداب جنگ سے مکمل واقفیت۔

8۔سردی دشمن کے جانوروں کیلئے چارے کی کمی، میدان کارزار کی مکہ سے دوری حملہ آور سپاہ کی جسمانی کوفت بالخصوص اس وقت جبکہ وہ بار بار سعی وکوشش کے بعد بھی خندق کو عبور کرنے میں ناکام رہے۔

جنگ --احزاب-- کا خاتمہ اور مسلمانوں کی یورش کا آغاز

جنگ احزاب، دشمن کی قوت نمائی کا آخری مظہر تھی، ایسی عظیم طاقت کا اسلام کے ہاتھوں شکست سے دوچار ہونا فطری طور پر اس حقیقت کا آئینہ دار ہے کہ اب دشمن کے حوصلے قطعی پست پڑ گئے اور اس کی ہر امید یاس میں بدل گئی اور یہ بات جنگ احزاب کے بہترین نتائج میں سے تھی۔

چنانچہ اسی وجہ سے رسول خدا ﷺ نے مسلمانوں کو خوشخبری دی تھی کہ اس مرحلے پر پہنچ کر اسلامی تحریک کے نئے دور کا آغاز ہوگا اور اس ضمن میں فرمایا تھا کہ:--اَلیَومَ نَغزُوہُم وَلَا یَغزُونَا--۔[2] یعنی اس کے بعد ہم ان سے جنگ کریں گے وہ ہم سے آکر جنگ نہیں کرسکیں گے۔

اور اس کے بعد کے واقعات بھی اسی طرح رونما ہوئے جس طرح رسول اکرم ﷺ نے پیشین گوئی کی تھی۔مسلمانوں کی فتح ونصرت نے سیاسی، عسکری اور اقتصادی اعتبار سے مشرکین پر ایسی کاری ضرب لگائی کہ رسول خدا ﷺ کی حیات میں تو ان میں اتنی بھی سکت باقی نہ رہی کہ اپنی کمر سیدھی کرسکیں اور اپنی اس شکست کی تلافی کرسکیں۔

---

[1] اس واقعہ کی تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو: السیرۃ الحلبیہ ج2 ص324-326۔

[2] الارشاد ص56 وبحار الانوار ج20 ص209۔

اس کے برعکس مسلمانوں نے ان مختلف پہلوؤں سے جن کا اوپر ذکر نے میں کامیاب ہو کیا جا چکا ہے وہ مقام و مرتبہ حاصل کر لیا کہ اپنی توانائی اور برتری کے بل پر ہر سازش کو اس سے پہلے کہ وہ وجود میں آئے نسیت و نابود کر دیں۔

عہد شکن لوگوں کی سزا

لشکر احزاب اگرچہ وقتی طور پر مسلمانوں کے چنگل سے نکل کر فرار کرنے میں کامیاب ہو گیا لیکن وہ داخلی خیانت کار (یہود بنی قریظہ) جو دشمن کے سپاہ کی تعداد، اور سامان جنگ کی کثرت نیز اس کے پرفریب وعدوں کا شکار ہو گئے تھے اور اس کی فتح و نصرت کا انہیں پورا یقین تھا وہ اب بھی مسلمانوں کے ساتھ زندگی بسر کر رہے تھے، اس خیال کے پیش نظر کہ وہ عدل و انصاف کے چنگل سے بچ کر نہ نکل جائیں انہیں ان کی خیانت کاریوں کی سزا دینی ضروری تھی۔

چنانچہ رسول خدا ﷺ جیسے ہی غزوہ خندق سے واپس تشریف لائے فوراً ہی فرشتہ وحی نازل ہوا اور پیغمبر اکرم ﷺ کو ہدایت دی کہ آنحضرت ﷺ --بنی قریظہ-- کے قلعہ کی جانب تشریف لے جائیں۔

رسول خدا ﷺ 23 ذی القعدہ[1] کو تین ہزار جنگجو افراد کو ساتھ لے کر دشمن کے قلعہ کی جانب روانہ ہوئے اس لشکر کے علم بردار حضرت علی علیہ السلام تھے اور وہ لشکر کے ہراول دستے کے ساتھ ان کی طرف بڑھ رہے تھے۔[2]

نماز عصر ادا کرنے کے بعد دشمن کے قلعے کا محاصرہ ہوا جو پندرہ[3] یا پچیس روز[4] تک جاری رہا اس عرصے میں دونوں طرف سے صرف تیراندازی ہوتی رہی اور اس کے علاوہ کوئی واقعہ رونما نہیں ہوا۔

یہودیوں نے جب دیکھا کہ مقابلے کا کوئی فائدہ نہیں تو وہ کچھ غور و فکر کرنے لگے چنانچہ انہوں نے اس طرح کی تجاویز پیش کیں کہ انہیں مدینہ سے چلے جانے کی اجازت دے دی جائے پہلے تو وہ اپنا مال و اسباب بھی ساتھ لے جانا چاہتے تھے مگر بعد میں اس بات پر بھی راضی ہو گئے کہ وہ اپنے سارے ساز و سامان کو یہیں چھوڑ کر کوچ کر جائیں لیکن رسول خدا ﷺ کو ابھی تک یہ یاد تھا کہ --بنی قینقاع-- اور --بنی نضیر-- نے مدینہ سے باہر نکل جانے کے بعد کیا کیا خیانت کاریاں کی تھیں اور آنحضرت ﷺ یہ بات اچھی طرح جانتے تھے کہ اگر یہ لوگ بھی عدل و انصاف کے چنگل سے نکل گئے تو ممکن ہے کہ اسلام کے خلاف نئی سازشیں تیار کرنے میں لگ جائیں اسی لئے آپؐ نے ان کی تجاویز کو رد کر دیا اور یہ مطالبہ کیا کہ وہ بلا قید و شرط ہتھیار ڈال دیں۔

محاصرہ کو جاری دیکھ کر بنی قریظہ کے لئے خود کو تسلیم کرنے کے علاوہ اور کوئی چارہ نہ رہا چنانچہ انہوں نے قلعے کے دروازے کھول دیئے اور رسول خدا ﷺ کے حکم سے اسلحہ ان سے ضبط کر کے انہیں ایک گوشہ میں حراست میں لے لیا گیا رسول خدا ﷺ کی تجویز اور مقید یہودیوں کے مشورے سے قبیلہ اوس کے سردار حضرت --سعد بن معاذ-- اور جنگ احزاب کے ایک زخمی کو ان کے بارے میں قائم

---

[1] المغازی ج2 ص496۔

[2] السیرۃ الحلبیہ ج2 ص333۔

[3] المغازی ج2 ص496۔

[4] السیرۃ الحلبیہ ج2 ص333۔

کی گئی عدالت کا حاکم مقرر کیا گیا۔[1]

سعد نے مردوں کے قتل، عورتوں اور بچوں کی اسیری اور ان کے تمام مال و اسباب پر بطور مال غنیمت قابض ہو جانے کا حکم صادر کیا، جب سعد نے اپنا حکم صادر کر دیا تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ:--سچ تو یہ ہے کہ ان کے بارے میں تم نے وہی حکم صادر کیا ہے جو خداوند تعالیٰ نے سات آسمانوں پر سے جاری کیا تھا--۔

حضرت سعد ایک مومن متقی دانشمند اور سیاسی شخص تھے اسی لئے انہوں نے جو فیصلہ صادر کیا وہ اس دور کے اسلامی معاشرے سے واقفیت پر مبنی تھا اور چونکہ وہ خیانت کار و سازشی عناصر کی کیفیت سے بخوبی واقف تھے اسی لئے انہوں نے اس پہلو کو بھی مد نظر رکھا نیز دیگر مسلمانوں پر بھی بارہا ثابت ہو چکا تھا کہ یہودی شر پسند اور ضدی ہونے کے باعث ہمیشہ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف سازشیں کرنے میں منہمک رہتے ہیں اگر چہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیشہ نرمی اور درگزر سے کام لیا لیکن اس کے باوجود انہی لوگوں نے جنگ احد اور جنگ احزاب کے فتنے کو ہوا دی اور قتل و غارت گری نیز تمام نقصانات کا سبب بنے۔

کیا یہ تجربات اس مقصد کیلئے کافی نہ تھے کہ سعد ان خیانت کاروں کے بارے میں وہی اقدام کریں جو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم --ابو عزہ--خیانت کار کے بارے میں فرما چکے تھے۔[2] اور وہی بات نہ دہراتے جو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مبارک زبان سے نکل چکی تھی یعنی مومن ایک سوراخ سے دو بار نہیں ڈسا جاتا اور وہ بھی --حُیّی ابن اخطب--جیسے خیانت کار کے بارے میں جس نے تختہ دار پر بھی نہایت گستاخی کے ساتھ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا تھا کہ--اس دشمنی کے باعث جو میرے اور تیرے درمیان ہے میں خود کو قابل ملامت نہیں سمجھتا--۔[3]

اس کے علاوہ --بنی قریظہ-- نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جو عہد و پیمان کیا تھا اس میں وہ اس شرط کے پابند تھے کہ وہ ہرگز رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف کوئی اقدام نہ کریں گے نیز ہاتھ اور زبان سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کوئی اے ذا و تکلیف نہیں پہنچائیں گے اور اگر وہ ان شرائط کی خلاف ورزی کریں گے تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیلئے ان کا خون بہانا ان کے مال کو ضبط کرنا اور ان کی عورتوں نیز بچوں کو اسیر کرنا مباح ہوگا[4] اس بنا پر سعد نے جو حکم جاری کیا وہ اس عہد و پیمان کی بنیاد پر تھا جو بنی قریظہ کر چکے تھے۔

---

[1] --سعد--کے حاکم مقرر کئے جانے کی ممکن ہے یہ وجہ ہو کہ چونکہ قبیلہ اوس اور یہود بنی قریظہ ایک دوسرے کے حلیف تھے اور جب مسلمانوں کے ہاتھوں یہودی گرفتار ہو کر آرہے تھے تو اوس قبیلہ کی ایک جماعت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی تھی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اصرار کے ساتھ درخواست کی تھی کہ ان کی خاطر--بنی قریظہ--کو بالکل اسی طرح آزاد کر دیا جائے جیسے کہ--بنی قینقاع--کو عبداللہ ابن ابی خزرجی کی درخواست پر رہا کیا گیا تھا۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس خیال کے پیش نظر کہ وہ یہ محسوس نہ کریں کہ ان کے ساتھ امتیازی سلوک روا رکھا جا رہا ہے ان کے سردار کو حاکم مقرر فرمایا۔

[2] --ابوعزہ--وہ مشرک تھا جو اشعار میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور دین اسلام کی ہجو کیا کرتا تھا جنگ بدر میں وہ اسیر ہوا۔ اور اس قدر گریہ وزاری کی کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے فدیہ لئے بغیر ہی اس شرط پر آزاد کر دیا کہ وہ اسلام کے خلاف آئندہ کوئی اقدام نہ کرے گا لیکن اس نے اپنے عہد کا پاس نہ کیا اور جنگ احد میں بھی شریک ہوا اور اشعار میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہجو بھی کی چنانچہ غزوہ --حمراء الاسد-- میں جب دوبارہ گرفتار ہو کر آیا اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے معافی کی درخواست کی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ:--لَایُلدَغُ الْمُؤمِنُ مِنْ جُحْر: وَاحِد: مَرَّتَیْن --(مومن ایک سوراخ سے دو بار نہیں ڈسا جاتا) اور اس کے قتل کئے جانے کا حکم صادر فرمایا۔

[3] السیرۃ النبویہ ج3 ص252 السیرۃ الحلبیہ ج2 ص340۔

[4] اعلام الوری ص79۔

--بنی قریظہ--کی خیانت کاریوں پر اگر غور کیا جائے تو ہم پر یہ حقیقت عیاں ہو جائے گی کہ رسول خدا ﷺ نے ان کے ساتھ جو سلوک کیا وہ اسلام و یہودیت کا مسئلہ نہ تھا بلکہ اس کا سبب وہ عہد شکنی تھی جو اسلام کے ساتھ وہ ہمیشہ سے کرتے آئے تھے، قبیلہ --بنی قنیقاع--و--بنی نضیر--کے علاوہ--خیبر--اور--وادی القری--کے یہودیوں کے ساتھ رسول خدا ﷺ کا جو بزرگوارانہ رویہ رہا اور جس تحمل و بردباری کا آنحضرت ﷺ سلوک فرماتے رہے نیز--بنی قریظہ--کے ساتھ جو مسالمت آمیز معاہدہ آپ نے کیا وہ ان حقائق کو سمجھنے میں ہمیں مدد دیتے ہیں۔

اس بنا پر کہا جا سکتا ہے کہ دشمنان اسلام جب اسلام و یہودیت کی دشمنی کا ذکر کرتے ہوئے ان واقعات کو بطور سند بیان کرتے ہیں تو وہ یا تو اسلام اور سیرت رسول خدا ﷺ سے واقف نہیں ہوتے اور یا اس میں ان کی کوئی خاص غرض شامل ہوتی ہے۔

اس کے باوجود بعض مسلم مورخین [1] نے اس واقعہ قتل کی صحت کے بارے میں شک و تردید کا اظہار کر کے مسلمانوں کی اس تقدیر ساز جنگ میں ان کی عظیم خیانت کاری کو نہایت ہی معمولی واقعہ سمجھا ہے بقول رسول خدا ﷺ کل ایمان کا سراپا کفر کے ساتھ مقابلہ تھا اور یہودی کفر کے ساتھ تھے [2]۔اس کے ساتھ ہی اس تردید کا مطلب--غزوہ احد--اور--غزوہ احزاب--میں ان کے مجرمانہ افعال سے بھی چشم پوشی اور حق کے سامنے ان کے غیر لچک دار اور ہٹ دھرم رویہ پر عدم توجہ ہے۔ چنانچہ یہی کینہ توزی اور اسلام دشمنی ہم یہودی--بنی قریظہ--کی موجودہ نسل اسرائیل اور صہیونیت کے ان تمام پیروکاروں میں دیکھتے ہیں جو ساری دنیا میں پھیلے ہوئے ہیں۔

--بنی قریظہ--کی خیانت کاری اور انہیں اس کی سزا دیئے جانے کے واقعے کو تمام مورخین کے علاوہ شیخ مفید مرحوم [3] ابن شہر آشوب [4] قمی [5] طبرسی [6] علامہ مجلسی [7] اور معاصرین میں علامہ طباطبائی [8] جیسے محدثین اور مفسرین نے اپنی تصانیف میں بیان کیا ہے اس بنا پر خیانت کاروں کو ان کے کئے کی سزا دیئے جانے کے اصل واقعہ کے بارے میں کسی توجیہ یا خدشے کی گنجائش باقی نہیں۔

---

[1] تاریخ اسلام تالیف ڈاکٹر سید جعفر شہیدی ص73-75۔

[2] قرآن مجید نے جنگ احزاب میں--بنی قریظہ--کے کردار کو اس طرح بیان فرمایا ہے:

وَأَنزَلَ الَّذِينَ ظَاهَرُوهُم مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ مِن صَيَاصِيهِمْ وَقَذَفَ فِي قُلُوبِهِمُ الرُّعْبَ فَرِيقًا تَقْتُلُونَ وَتَأْسِرُونَ فَرِيقًا۔ وَأَوْرَثَكُمْ أَرْضَهُمْ وَدِيَارَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ وَأَرْضًا لَّمْ تَطَئُوهَا وَكَانَ اللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرًا۔--(احزاب 26۔27)

۔--پھر اہل کتاب میں سے جن لوگوں نے ان حملہ آوروں کا ساتھ دیا تھا اللہ ان کے قلعوں سے انہیں اتار لایا اور ان کے دلوں میں ایسا رعب ڈال دیا کہ آج ان میں سے ایک گروہ کو تم قتل کر رہے ہو اور دوسرے گروہ کو قید کر رہے ہو اور ان کے اموال کا وارث بنا دیا اور وہ علاقہ تمہیں دیا جس پر تم نے کبھی قدم بھی نہیں رکھا تھا اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے--۔

[3] الارشاد ص58۔

[4] مناقب آل ابی طالب ج1 ص19-20۔

[5] تفسیر القمی ج2 ص189-192۔

[6] اعلام الوری ص102 و مجمع البیان ج7 ص352-353۔

[7] بحار الانوار ج20 ص210-212۔

[8] المیزان ج16 ص302۔

غزوہ بنی قریظہ کا سودمند پہلو

--بنی قریظہ--کے یہودیوں کا قلع قمع کئے جانے کے بعد مسلمانوں کو یہ اطمینان حاصل ہو گیا کہ ان جاسوسوں کا خاتمہ ہو گیا ہے جو اندرون محاذ میں سرگرم عمل تھے اور اس کی وجہ سے اسلامی حکومت کے مرکز میں قائم مشرکین کی فوجی اور انٹیلی جنس ایجنسی کی سرگرمیوں کا خطرہ بھی باقی نہ رہا اور چونکہ مال غنیمت میں مسلمانوں کے ہاتھ اسلحہ بھی لگا تھا اس لئے مسلمانوں کی اقتصادی اور عسکری طاقت کو ایسی تقویت پہنچی کہ اس کی وجہ سے آئندہ فتوحات بالخصوص یہودیوں پر غلبہ پانے کی راہیں ہموار ہو گئیں اس کے ساتھ ہی رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مقام و مرتبہ بحیثیت قائد اور اسلامی طاقت کا رعب و دبدبہ ہر دوست و دشمن کے دل میں جم گیا۔

صلح و محبت کا سال

سنہ 6 ہجری کو--سنۃ الاستئناس--[۱] یعنی انس و محبت کا سال کہا جاتا ہے[۲] چنانچہ یہ سال مسلمانوں کیلئے نہایت ہی پر خیر و برکت اور سازگار رہا۔

اس سال مسلمانوں نے تقریباً تیس جنگی معرکے کئے اور بیشتر مواقع پر وہ فتح و کامیابی سے ہمکنار ہوئے اور دشمن کا بہت سا مال غنیمت ہاتھ لگا[۳] ذیل میں ہم مختصر طور پر دو غزوات کا جائزہ لیں گے۔

1۔غزوہ--بنی مصطلق--

قبیلہ--بنی مصطلق--کی چونکہ جنگ احد میں قریش کے ساتھ ساز باز تھی اسی لئے انہوں نے مسلمانوں کے ساتھ نبرد آزما ہونے کے لئے جنگی سامان کی فراہمی شروع کر دی۔[۴]

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جب ان کی سازش کا علم ہوا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے لشکر کو آمادہ جنگ ہونے کا حکم دیا چنانچہ ماہ شعبان 6 ہجری میں مسلمانوں کو ایک گروہ کو ساتھ لے کر آپ دشمن کی جانب روانہ ہوئے--مریسیع--[۵] نامی مقام پر غنیم سے مقابلہ ہوا اس معرکہ میں سازشی گروہ کے دس (10) افراد مارے گئے اور باقی چونکہ مقابلے کی تاب نہ لا سکے اس لئے انہوں نے راہ فرار اختیار کرنے میں ہی عافیت سمجھی اور چونکہ وہ عورتوں اور بچوں کے ساتھ گرفتار ہو کر آئے تھے نیز ان کا مال جو تقریباً دو ہزار اونٹوں اور پانچ ہزار بھیڑوں پر مشتمل تھا، بطور غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ لگا۔

قیدیوں کو مدینہ منتقل کرنے کے بعد رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قبیلہ--بنی مصطلق--کے سردار--حارث ابن ابی ضرار--کی لڑکی --جویریہ--سے فدیہ ادا کرنے کے بعد نکاح کر لیا۔

مسلمانوں نے جب یہ دیکھا کہ اس شادی کے ذریعہ قبیلہ بنی مصطلق اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے درمیان قرابت داری ہو گئی ہے تو

---

[۱] التنبیہ والاشراف مسعودی ص218۔

[۲] اس کی وجہ تسمیہ شاید یہ تھی کہ اس سال صلح حدیبیہ کے فیض سے مسلمین اور غیر مسلمین کے درمیان دیگر برسوں کی نسبت تعلقات زیادہ خوشگوار رہے اور مختلف افراد ایک دوسرے کے ساتھ بالخصوص اسلام اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے زیادہ مانوس ہوئے۔ مترجم۔

[۳] ان غزوات اور سرایا سے متعلق مزید اطلاع کیلئے ملاحظہ ہو: تاریخ پیامبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تالیف آیتی مرحوم ص390-425۔

[۴] واقدی اور ابن سعد نے لکھا ہے کہ یہ غزوہ ماہ شعبان سنہ 5 ہجری میں پیش آیا ملاحظہ ہو المغازی ج1 ص404 و الطبقات الکبری ج2 ص63۔

[۵] قُرید--نامی مقام کے نواح میں ساحل کی جانب ایک علاقہ ہے معجم البلدان ج5 ص118۔

انہوں نے فدیہ لئے بغیر ہی تمام قیدیوں کو یہ کہہ کر آزاد کر دیا کہ یہ بھی رسول خداﷺ کے رشتہ دار ہیں۔

اس پر برکت رشتہ ازدواج اور رسول خداﷺ نیز مسلمانوں کے حسن سلوک کے باعث قیدیوں کے دل دین اسلام کی جانب مائل ہو گئے چنانچہ ان سب نے دین اسلام قبول کرنے کا شرف حاصل کیا اور ہنسی خوشی اپنے اپنے وطن واپس چلے گئے۔[1]

2۔صلح حدیبیہ

سنہ 65 ہجری کے دوران محاذ حق پر مسلمانوں کو جو پے در پے فتوحات نصیب ہوئیں ان کے باعث سیاسی اقتصادی نیز عسکری اعتبار سے اسلام کی حیثیت --جزیرہ نمائے عرب-- میں پہلے سے کہیں زیادہ مستحکم و پائدار ہو گئی اس کے ساتھ ہی رسول خداﷺ کے لئے یہ امکان پیدا ہو گیا کہ قریش کی سازشوں سے بلاخوف وخطر اور اسلحہ وساز وسامان جنگ کے بغیر مکہ کا سفر اختیار کر کے زیارت کعبہ سے مشرف ہو سکیں چنانچہ آپؐ نے اندرون وبیرون مدینہ اعلان کرایا کہ لوگ اپنے اس عبادی، سیاسی سفر کی تیاری کریں۔

تقریباً چودہ(1400) پندرہ(1500) یا سولہ(1600) سو سے زیادہ افراد نے اس سفر پر روانہ ہونے کے لئے آمادگی ظاہر کر دی، رسول خداﷺ نے ان سے فرمایا کہ:اس سفر پر جانے کا ہمارا مقصد جنگ نہیں بلکہ عمرہ کرنا ہے چنانچہ ہر شخص اپنے ساتھ ایک تلوار اس وجہ سے لے سکتا ہے کہ یہ مسافروں کے لئے ضروری ہے۔

اس کے بعد رسول خداﷺ نے قربانی کیلئے ستر(70) اونٹ اپنے ساتھ لئے۔آنحضرتﷺ کے علاوہ اصحاب نے بھی قربانی کے مقصد کیلئے اونٹ اپنے ساتھ لئے۔رسول خداﷺ نے --ذوالحلیفہ-- نامی مقام پر احرام باندھا اور پہلی ذی القعدہ سنہ 6 ہجری کو خانہ خدا کی زیارت کی خاطر مدینہ سے مکہ کی جانب روانہ ہوئے۔[2]

مسلمانوں کی اس مختصر تعداد کے ساتھ رسول خداﷺ کا سفر مکہ اختیار کرنا اور وہ بھی عسکری ساز وسامان کے بغیر خطرات سے خالی نہ تھا کیونکہ یہ واضح تھا کہ قریش اسلام پر کاری ضرب لگانے نیز رسول خداﷺ کو اپنے راستے سے ہٹانے کے علاوہ کچھ سوچتے ہی نہیں تھے اور گزشتہ چند سال کے دوران ان کا سابقہ رسول خداﷺ کے ساتھ میدان جنگ میں اس طرح پڑا تھا کہ ہر بار منہ کی کھائی تھی تو جب رسول خداﷺ کو صحابہ کی اس مختصر جماعت کے ساتھ دیکھیں گے اور انہیں معلوم ہوگا کہ آنحضرتﷺ بغیر اسلحہ کے تشریف لا رہے ہیں تو وہ لامحالہ اس موقع سے فائدہ اٹھانے کی کوشش گے اور اسلام و پیغمبر اکرمﷺ کا کام ہی تمام کر دیں گے۔

چنانچہ اسی وجہ سے منافقین اور صحرانشین عربوں نے رسول خداﷺ کے ساتھ مکہ جانے سے اجتناب کیا اور یہ نتیجہ اخذ کیا کہ اگر وہ مسلمانوں کی اس مختصر جماعت کے ساتھ بغیر اسلحہ کے جائیں گے تو ہرگز مدینہ واپس نہ آسکیں گے اور جب قریش اس جماعت کو معمولی ساز وسامان کے ساتھ دیکھیں گے تو انہیں نیست ونابود کر دیں گے۔[3]

چنانچہ قرآن مجید نے ان کے گمان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ:

بَلْ ظَنَنْتُمْ اَنْ لَّنْ یَّنْقَلِبَ الرَّسُوْلُ وَالْمُؤْمِنُوْنَ اِلٰۤی اَهْلِیْهِمْ اَبَدًا۔[4]

---

[1] ملاحظہ ہو:السیرۃ النبویہ ج3ص307-308۔

[2] المغازی ج2ص572-574،الطبقات الکبری ج2ص95۔

[3] المغازی ج2ص574-575۔

[4] سورہ فتح آیت12۔

--بلکہ تم لوگوں نے تو یہ سمجھا کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مومنین اپنے گھروں کو ہرگز پلٹ کر نہ آسکیں گے--۔

قریش کی مخالفت

مشرکین مکہ کو معلوم ہوگیا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے شہر کی طرف تشریف لا رہے ہیں چنانچہ انہوں نے سپاہ اسلام کو مکہ میں داخل ہونے سے روکنے کیلئے --خالد بن ولید--کو دوسو(200) سواروں کے ہمراہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جانب روانہ کیا۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس خیال کے پیش نظر کہ دشمن سے مقابلہ نہ ہو راستہ کو بدل کر اپنا سفر جاری رکھا اور --حدیبیہ--[۱] نامی جگہ پر قیام فرمایا۔(30) لشکر--خالد بن ولید--بھی رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تعاقب کرتا ہوا سپاہ اسلام کے نزدیک پہنچ گیا اور وہیں اس نے پڑاؤ ڈالا۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حرمت کے مہینے کے احترام اور اپنے پیش نظر اہداف و مقاصد کے تحت ہر قسم کے تصادم سے بچنے کے لئے کوشاں تھے۔

مذاکرات کا آغاز

پہلے قریش نے اپنے نمائندے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں بھیجے تا کہ یہ جاننے کے ساتھ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ سفر کس مقصد سے اختیار کیا ہے ضروری اطلاعات بھی حاصل کرلیں، رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نمائندگان قریش کو جواب دیتے ہوئے تاکید سے فرمایا کہ ہم جنگ کرنے کیلئے نہیں آئے ہیں بلکہ ہمارا مقصد تو عمرہ اور زیارت کعبہ سے مشرف ہونا ہے لیکن ہٹ دھرم قریش نے ایسی سخت پالیسی اختیار کی کہ وہ کسی طرح بھی پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مسالمت آمیز برتاؤ نہیں کرنا چاہتے تھے بلکہ انہوں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس نرم رویے کا غلط فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنے لشکر کے پچاس (50) سپاہیوں کو اس کام کے لئے مقرر کردیا کہ وہ سپاہ اسلام کے نزدیک جا کر چند لوگوں کو گرفتار کر کے لے آئیں۔لیکن سپاہ اسلام کے مستعد پاسبانوں نے ان سب کو گرفتار کرلیا اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پیش کر دیا، رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں یہ بتانے کیلئے کہ آپ کا رویہ صلح آمیز ہے ان سب کو آزاد کر دیا۔

جب قریش کے نمائندوں کی آمدورفت کا کوئی فائدہ نہ ہوا تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے نمائندے قریش کی جانب روانہ کئے، لیکن انہوں نے نمائندوں کے ساتھ بدسلوکی کی بلکہ ان میں سے ایک کے پیچھے اونٹ دوڑا کر ان کی جان لینے کا قصد کیا اور دوسرے کو اپنے پاس روک لیا۔[۲]

بیعت رضوان

جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آخری نمائندے (عثمان) صحیح وقت پر واپس نہ آئے تو اس افواہ کو تقویت ملی کہ انہیں قتل کر دیا گیا ہے اور یہ بات رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مسلمانوں پر بہت شاق گزری۔

اس پر رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جب تک قریش کا خاتمہ نہیں کر لیتے ہم یہاں سے نہیں جائیں گے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

---

[۱] یہ جگہ مکہ سے تقریباً 20 کیلومٹر دور واقع ہے اور چونکہ یہاں اس نام کا پانی کا کنواں تھا یا اس نام کے درخت کثرت سے تھے اس لئے یہ جگہ اس نام سے مشہور ہوئی (ملاحظہ ہو: معجم البلدان ج2 ص229) آج یہ مقام مکہ کے بالکل کنارے پر واقع ہے۔

[۲] ملاحظہ ہو: السیرۃ النبویہ ج3 ص325-329۔

نے مسلمانوں سے کہا کہ وہ اس مسئلے کے بارے میں آپؐ کے دست مبارک پر بیعت کرلیں، مسلمین نے اس درخت کے نیچے جس کا نام --سمرہ-- تھا یہ بیعت کی کہ مرتے دم تک ہم آپؐ کے ساتھ ہیں چنانچہ یہی وہ بیعت ہے جسے --بیعت رضوان-- سے تعبیر کیا گیا ہے اور قرآن مجید میں بھی اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

لَقَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِي قُلُوبِهِمْ فَأَنزَلَ السَّكِينَةَ عَلَيْهِمْ وَأَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيبًا [۱]

--اللہ مومنین سے اس وقت خوش ہوگیا جب وہ درخت کے نیچے تم سے بیعت کر رہے تھے ان کے دلوں کا حال اس کو معلوم تھا اسی لئے اس نے ان اطمینان و پرسکون نازل فرمایا اوران کو انعام میں عنقریب ہونے والی فتح بخشی--۔

جب لوگ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دست مبارک پر بیعت کرچکے تو معلوم ہوا کہ آپؐ کا نمائندہ قتل نہیں ہوا ہے۔اس واقعہ کے بعد قریش نے --سہیل بن عمرو-- کو مصالحت کی غرض سے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں روانہ کیا طویل بحث وگفتگو کے بعد صلح کا معاہدہ کیا گیا جس کی بنیاد پر طرفین میں یہ طے ہوا کہ دس سال تک ایک دوسرے سے جنگ نہ کریں گے، اس سال تو مسلمان یہیں سے واپس مدینہ چلے جائیں لیکن آئندہ سال بیت اللہ کی زیارت کو آسکتے ہیں، مسلمین ومشرکین کو اپنی دینی رسومات ادا کرنے کی اجازت ہوگی، طرفین کو اس بات کی بھی اجازت ہوگی کہ وہ جس قبیلے کو بھی چاہیں اپنا حلیف بنالیں اگر قریش کے کسی فرد نے مسلمانوں کی پناہ لی تو ان کیلئے یہ لازم ہوگا کہ وہ اسے واپس کریں لیکن قریش کے لئے یہ ضروری نہیں ہوگا کہ وہ بھی کسی مسلمان پناہ گزین کو واپس کریں۔

جب صلح کا عہدو پیمان ہوگیا تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مسلمانوں نے اپنی قربانی کے اونٹوں کو نحر کیا، سروں کے بال ترشوا کر احرام سے باہر نکلے اور مدینہ واپس آگئے۔[۲]

صلح حدیبیہ کے سیاسی، مذہبی اور معاشرتی نتائج

بعض مسلمانوں کی رائے کے برعکس [۳] صلح حدیبیہ اسلام کی عظیم الشان فتح و کامرانی تھی چنانچہ قرآن نے اسے --فتح مبین-- کے عنوان [۴] سے یاد کرتے ہوئے فرمایا ہے:

إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا

--اے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم نے تم کو کھلی فتح عطا کردی--۔

اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے --اعظم الفتوح-- یعنی عظیم ترین فتح سے تعبیر فرمایا ہے [۵]

اس دور کے اسلامی معاشرے کیلئے اس فتح و نصرت کے بہت سے عمدہ اور سودمند نتائج برآمد ہوئے جن میں سے ہم بعض کا ذکر

---

[۱] سورہ فتح آیت 18۔

[۲] السیرۃ النبویہ ج3 ص330-334۔

[۳] ان لوگوں کا کہنا تھا کہ یہ کیسی فتح ہے ہمیں نہ تو زیارت خانہ کعبہ میسر آئی اور نہ ہی ہم منا میں قربانی کرسکے: نورالثقلین ج5 ص48 بلکہ بعض تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کے متعلق بھی شکوک وشبہات کا شکار ہوگئے۔

[۴] سورہ فتح آیت 1۔

[۵] تفسیر نورالثقلین ج5 ص48۔

ذیل میں کریں گے۔

1۔رسول خداﷺ کی پیش قدمی کے باعث ایک طرف توصلح وامن کے امکانات روشن ہوگئے اور دوسری طرف مکہ کے فریب خوردہ لوگوں پر یہ حقیقت عیاں ہوگئی کہ رسول خداﷺ کے دل میں حرمت کے مہینوں شہر مکہ اور خانہ خدا کے لئے بہت زیادہ عقیدت و احترام پایا جاتا ہے۔

2۔صلح حدیبیہ کی وجہ سے اسلام کو باقاعدہ طور پر تسلیم کرلیا گیا اور قریش کے دلوں پر اس کی طاقت وعظمت بیٹھ گئی، اس صلح کے باعث ہی جزیرہ نمائے عرب میں اسلام کے وقار کو بلندی حاصل ہوئی اور مسلمانوں کے اثر ورسوخ کے امکانات وسیع ہو گئے۔

3۔مسلمانوں پر اس وقت تک جو پابندیاں عائد تھیں وہ ختم ہوگئیں اور وہ ہر جگہ رفت وآمد کر سکتے تھے چنانچہ اس باہمی ربط وضبط کا ہی نتیجہ تھا کہ لوگوں نے اسلام کے بارے میں پہلے سے کہیں زیادہ واقفیت حاصل کی۔

4۔جزیرہ نمائے عرب میں دین اسلام کی اشاعت کیلئے مناسب میدان فراہم ہوگیا اب تک مختلف قبائل کے دلوں میں اسلام کے بارے میں غلط فہمی اور بدگمانی تھی ان افراد کو جب رسول خداﷺ نے صلح پسندی کی دعوت عام دی تو وہ لوگ اسلام کے بارے میں از سرنو غور وفکر کرنے مجبور ہوگئے اور اس کی وجہ سے وہ رسول خداﷺ نیز مسلمانوں کے زیادہ نزدیک آگئے۔صلح حدیبیہ اور فتح مکہ کے درمیان تقریباً دوسال کا ہی فاصلہ ہے اور یہ فتح اس حقیقت پر دلالت کرتی ہے کہ اس کے باعث مسلمانوں کے اثر ورسوخ میں روز بروز اضافہ ہوا۔

5۔اس فتح کے باعث ہی مسلمانوں پر--فتح خیبر--کی راہیں کھلیں--خیبر--درحقیقت یہودیوں کی وہ سرطانی غدود تھی جو اسلامی حکومت کیلئے بہت بڑا خطرہ بنی ہوئی تھی اسی طرح مرکز شرک، مکہ کی فتح کا باعث بنی اور سب سے اہم بات یہ تھی کہ عرب معاشرے میں جو انقلاب رونما ہوا تھا اب وہ حجاز کی باہر پہنچنے لگا چنانچہ یہ صلح حدیبیہ کا ہی فیض تھا کہ رسول خداﷺ کو یہ موقع مل گیا کہ آنحضرتﷺ ایران، روم اور حبشہ جیسے ممالک کے حکمرانوں کو متعدد خط روانہ کریں اور انہیں دعوت اسلام دیں۔

سوالات

1۔سپاہ احزاب کی شکست کے کیا اسباب تھے؟مختصر طور پر بیان کیجئے۔

2۔رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کونسی جنگ کے بعد:--اَلْیَوْمَ نَغْزُوْہُمْ وَلَا یَغْزُوْنَا--کا جملہ ارشاد فرمایا؟ مختصر الفاظ میں اس کا جواب دیجئے۔

3۔رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے --بنی قریظہ--کے عہد شکن لوگوں کے ساتھ کیا سلوک کیا؟

4۔--بنی قریظہ--پر جو مسلمانوں کو فتح ونصرت حاصل ہوئی اس کے کیا نتائج برآمد ہوئے؟

5۔غزوہ--بنی مصطلق--کا واقعہ کب اور کس وجہ سے پیش آیا اور اس کے کیا نتائج برآمد ہوئے؟

6۔قبیلہ--بنی مصطلق--کے لوگ کس وجہ سے دین اسلام کی جانب مائل ہوئے؟

7۔رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کب اور کتنے مسلمانوں کے ہمراہ عمرہ کرنے کی خاطر مکہ کی جانب روانہ ہوئے؟

8۔وہ کون لوگ تھے جنہوں نے غزوہ حدیبیہ میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ شرکت کرنے سے روگردانی کی؟ اس سفر کے بارے میں ان کی کیا رائے تھی؟

9۔--بیعت رضوان--کس طرح اور کس مقصد کے تحت کی گئی تھی؟

10۔صلح حدیبیہ کے کیا سودمند اور مفید نتائج برآمد ہوئے؟

سبق 13:

جنگ موتہ

دنیا کے بڑے بڑے حکمرانوں کو دعوت اسلام

صلح --حدیبیہ-- کے بعد رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قریش کی جانب سے اطمینان خاطر ہوگیا۔ اب وقت آ گیا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تبلیغ دینکے محدودے کو سرزمین حجاز سے باہر تک پھیلائیں چنانچہ آپؐ نے دنیا کے ارباب اقتدار کو دین اسلام کی دعوت دینے کا عزم کرلیا اور ماہ محرم سنہ ۷ ہجری میں چھ سفیر رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چھ خط لے کر ایران، روم، حبشہ، مصر، اسکندریہ اور یمامہ کی جانب روانہ ہوئے۔[1]

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خطوط جب مذکورہ بالا ممالک کے بادشاہوں تک پہنچے تو ہر ایک سے مختلف رد عمل ظاہر ہوا، حبشہ کے بادشاہ نجاشی اور روم کے فرمانروا--ہرقل--نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہونے کی گواہی دی اور کہا کہ انجیل میں ہمیں آپؐ کی آمد کے بارے میں خوشخبری دی جا چکی ہے اور یہ آرزو کی کہ آپؐ کی رکاب میں رہنے کا شرف حاصل کریں۔[2]

مصر اور اسکندریہ کا فرمانروا--مقوقس--اگر چہ دین اسلام سے تو مشرف نہ ہوسکا لیکن رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خط کا جواب اس نے بہت نرم لہجے میں دیا اور ساتھ ہی چند تحائف بھی روانہ کئے انہی میں حضرت --ماریہ قبطیہ-- بھی شامل تھیں جن کے بطن سے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرزند حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ولادت ہوئی۔[3]

--تخوم شام-- کے حاکم --حارث بن ابی شمر--، یمامہ کے فرمانروا --سلیط بن عمرو-- اور بادشاہ ایران --خسرو پرویز--نے اس بنا پر کہ ان کے دلوں میں حکومت کی چاہ تھی رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خط کا جواب نفی میں دیا۔

بادشاہ ایران نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نامہ مبارک کو چاک کرنے کے علاوہ یمن کے فرمانروا کو جو اس کے تابع تھا، اس کام پر مامور کیا کہ وہ افراد کو حجاز بھیجے تاکہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں تحقیقات کریں۔[4]

حجاز سے یہودیوں کے نفوذ کا خاتمہ

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب صلح --حدیبیہ-- کے فیض و برکت سے جنوبی علاقے (مکہ) کی طرف سے مطمئن ہوگئے تو آپؐ نے فیصلہ کیا کہ وہ یہودی جو مدینہ کے شمال میں آباد ہیں ان کا معاملہ بھی بنٹا دیں کیونکہ ان کا وجود اسلامی حکومت کیلئے خطرہ ہونے کے علاوہ شمالی حدود میں اسلام کی توسیع و تبلیغ میں بھی مانع تھا اس لئے کہ جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قطعی لہجے اور عزم راسخ کی بنیاد پر بڑی طاقتوں نے یا تو

---

[1] الطبقات الکبریٰ ج 1 ص 258-262۔

[2] ایضا ص 259۔

[3] ایضا ص 260۔

[4] اے ضا ص 259-262۔

دین اسلام قبول کیا تھا یا پھر انہیں حکومت کی چاہ نے شدید ردعمل کیلئے مجبور کیا تھا صورت ضروری تھا کہ اسلامی حکومت کا اندرونی حلقہ ان خیانت کار عوامل اور ان غدار اقلیتوں سے پاک وصاف رہے جو دشمن کے ساتھ ساز باز کرنے والی تھیں اور ان کے لئے پانچویں ستون کا کام دے رہی تھیں تا کہ جنگ --احد-- اور--احزاب-- جیسے واقعات دوبارہ رونما نہ ہوں اور ایسا میدان ہموار ہو جائے کہ بالفرض باہر سے کسی عسکری و اقتصادی خطرے کا احتمال ہو تو اس کا اطمینان سے سدباب کیا جا سکے۔

غزوہ خیبر

خیبر [1] یہودیوں کا مضبوط ترین عسکری مرکز تھا کہ جس میں دس ہزار سے زیادہ جنگجو [2] سپاہی مقیم تھے، رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فیصلہ کیا کہ سب سے پہلے اس جگہ کو ان کے وجود سے پاک کیا جائے [3] چنانچہ ماہ محرم سنہ 7 ہجری میں سولہ سو (1600) جنگ آزما سپاہیوں کو ساتھ لے کر آپ مدینہ سے خیبر کی جانب روانہ ہوئے اور راتوں رات ان کے قلعوں کا محاصرہ کر لیا، اس لشکر کے علمدار حضرت علی علیہ السلام تھے۔

قلعہ والوں نے یہ فیصلہ کیا کہ عورتوں اور بچوں کو ایک اور ساز وسامان و خوراک کو دوسرے مطمئن قلعے میں محفوظ کر دیں، اس اقدام کے بعد انہوں نے ہر قلعے کے تیر اندازوں کو حکم دیا کہ مسلم سپاہ کو اندر داخل ہونے سے روکیں اور ضرورت پڑنے پر قلعے کے باہر موجود دشمن سے بھی جنگ کریں۔

سپاہ اسلام نے دشمن کے سات میں سے پانچ قلعے فتح کر لئے اس جنگ میں تقریباً پچاس (50) مجاہدین اسلام زخمی ہوئے اور ایک کو شہادت نصیب ہوئی۔

باقی دو قلعوں کو فتح کرنے کیلئے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پہلے پرچم جناب ابوبکر کو دیا مگر انہیں اس مقصد میں کامیابی نصیب نہ ہوئی اگلے دن حضرت عمر کو سپاہ کی قیادت دی گئی لیکن وہ بھی کامیاب نہ ہو سکے۔

تیسرے روز حضرت علی علیہ السلام کو یہ قلعہ فتح کرنے پر مامور کیا گیا، آپ علیہ السلام نے پرچم سنبھالا اور دشمن پر حملہ کرنے کیلئے روانہ ہوئے۔

ادھر سے یہودیوں کے معروف دلیر شہ زور --مرحب-- بھی زرہ وفولاد میں غرق قلعے سے نکل کر باہر آیا اور پھر دونوں شہ زوروں کے درمیان نبرد آزمائی شروع ہوئی دونوں ایک دوسرے پر وار کرتے رہے کہ اچانک حضرت علیہ السلام کی شمشیر براں مرحب کے فرق پر پڑی جس کے باعث اس کے خود اور سر کی ہڈی کے دو ٹکڑے ہو گئے، مرحب کے ساتھیوں نے جب یہ منظر دیکھا تو ان کے حوصلے پست ہو گئے اور وہ فرار کر کے قلعوں میں پناہ گزیں ہوئے جہاں انہوں نے اپنے اوپر اس کا دروازہ بھی بند کر لیا لیکن حضرت علی علیہ السلام نے اپنی روحانی

---

[1] یہ جگہ مدینہ سے 8 برید یعنی تقریباً 96 کیلومٹر کے فاصلے پر واقع ہے (ہر برید دو فرسخ کا ہوتا ہے اور ہر فرسخ تین میل کا ہوتا ہے۔ بنابرایں لفظ برید کیلئے ملاحظہ ہو: لسان العرب ج 3 ص 86) خیبر میں بہت سے قلعے، کشت زار اور نخلستان واقع تھے (ملاحظہ ہو: معجم البلدان ج 2 ص 409 وفاء الوفا ج 3-4 ص 1209)۔

[2] المغازی ج 2 ص 634-637-642، لیکن یعقوبی نے جنگجو سپاہ کی تعداد بیس ہزار لکھی ہے تاریخ یعقوبی ج 2 ص 56۔

[3] منقول ہے کہ: خیبر میں ایسے مضبوط قلعے تھے اور ان میں اسلحہ سے لیس سپاہ اس کثرت سے موجود تھی کہ یہودی یہ تصور بھی نہیں کر سکتے تھے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے ساتھ جنگ کا ارادہ کریں گے۔ ہر روز دس ہزار نبرد آزما سپاہی صف آرائی کرتے اور کہتے کہ کیا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اتنی جرات ہو سکتی ہے کہ وہ ہم سے جنگ کریں ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا (المغازی ج 2 ص 637)۔

طاقت اور قدرت خدا کی مدد سے قلعے کے اس دروازے کو جسے کھولنے اور بند کرنے پر بیس [1] آدمی مقرر تھے اکھاڑ لیا اور قلعہ کے باہر بنی ہوئی خندق پر رکھ دیا تاکہ سپاہی اس پر سے گزر کر قلعے میں داخل ہوسکیں۔ [2]

امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام نے دشمن کے سب سے زیادہ محکم و مضبوط قلعہ کو فتح کر کے فتنہ خیبر کا خاتمہ کر دیا اور یہودیوں نے اپنی شکست تسلیم کر لی، اس جنگ میں پندرہ مسلمان شہید اور ترانوے (93) یہودی تہ تیغ ہوئے۔ [3]

یہودیوں پر فتح پانے کے بعد اگر رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چاہتے تو تمام خیانت کاروں کو سزائے موت دے سکتے تھے، انہیں شہر بدر اور ان کے تمام مال کو ضبط کیا جاسکتا تھا مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے حق میں نہایت درگذر اور فراخ دلی سے کام لیا چنانچہ انہی کی تجویز پر انہیں یہ اجازت دے دی گئی کہ اگر چاہیں تو اپنے ہی وطن میں رہیں اور اپنے دینی احکام کو پوری آزادی کے ساتھ انجام دیں بشرطیکہ ہر سال اپنی آمدنی کا نصف حصہ بطور جزیہ اسلامی حکومت کو ادا کریں اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب بھی مصلحت سمجھیں گے انہیں خیبر سے نکال دیں گے۔ [4]

غزوہ خیبر میں --حُیَّی بن اخطب-- کی بیٹی --صفیہ-- دوران جنگ مسلمانوں کی قید میں آئی تھیں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے --غزوہ خیبر-- سے فراغت پانے کے بعد پہلے تو انہیں آزاد کیا اور پھر اس سے نکاح کر لیا۔ [5] اسی عرصے میں یہ اطلاع بھی ملی کہ حضرت --جعفر بن ابی طالب-- حبشہ سے واپس آگئے ہیں جسے سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: --ان دو خبروں میں سے کس پر اپنی مسرت کا اظہار کروں، جعفر کی آمد پر یا خیبر کے فتح ہونے پر۔ [6]

فدک

خیبر کے یہودیوں پر فتح پانے کے بعد مسلمانوں کا سیاسی، اقتصادی اور عسکری مقام و مرتبہ بہت بلند ہوگیا اس علاقے میں آباد یہودیوں پر کاری ضرب لگی اور ان پر مسلمانوں کا رعب بیٹھ گیا۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جب خیبر کے یہودیوں کی طرف سے یکسوئی ہوئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی علیہ السلام کو وفد کے ہمراہ --فدک-- [7] کے یہودیوں کے پاس روانہ کیا اور فرمایا کہ یا تو وہ دین اسلام قبول کریں یا جزیہ دیں یا پھر جنگ کے لئے تیار ہوجائیں۔

فدک کے یہودی اپنی آنکھوں سے خیبر کے یہودیوں کی شکست دیکھ چکے تھے اور انہیں یہ بھی معلوم تھا کہ انہوں نے رسول خد

---

[1] دروازہ قلعہ خیبر کے بڑے اور وزنی ہونے کے بارے میں دیگر روایات بھی ملتی ہیں جن کی رو سے اس قلعے کے کھولنے اور بند کرنے پر چالیس افراد اور بقولے ستر افراد مقرر تھے۔ (ملاحظہ ہو بحار الانوار ج 21 ص 4)۔

[2] ملاحظہ ہو: الارشاد ص 65-67 بعض ماخذ میں یہ بھی درج ہے کہ جب حضرت علی علیہ السلام کی سپر اس یہودی کے حملہ کرنے کی وجہ سے گرگئی تو آپ علیہ السلام نے اس قلعے کے دروازے کو اکھاڑ لیا اور اسے بطور ڈھال استعمال کیا ملاحظہ ہو السیرۃ النبویہ ج 3 ص 349-350۔

[3] المغازی ج 2 ص 700۔

[4] السیرۃ النبویہ، ابن کثیر ج 3 ص 375۔

[5] بحار الانوار ج 21 ص 22۔

[6] بحار الانوار ج 21 ص 25۔

[7] یہ جگہ حجاز میں خیبر کے نزدیک واقع ہے اور مدینہ سے یہاں تک دو یا تین دن کا راستہ ہے۔ معجم البلدان ج 2 ص 238۔

اصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مصالحت کرلی ہے اسی لئے انہوں نے صلح کو قتل اور قید و بند پر ترجیح دی اور اس بات کیلئے آمادہ ہو گئے کہ ان کے ساتھ بھی وہی سلوک کیا جائے جو خیبر کے یہودیوں کے ساتھ روا رکھا گیا ہے، رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی درخواست کو قبول کرلیا[1] چونکہ فدک کسی جنگ و خون ریزی کے بغیر فتح ہو گیا تھا اسی لئے اسے خالص رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتی ملکیت میں شامل کرلیا گیا اس جگہ کے متعلق ایسی بہت سی روایات موجود ہیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ خداوند تعالیٰ کے حکم سے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فدک اپنی دختر نیک اختر حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کو عطا کر دیا۔[2]

غزوہ وادی القری

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہود کی --خیبر-- اور --فدک-- جیسی پناہ گاہوں کو نیست و نابود کرنے کے بعد --وادی القری-- کی تسخیر کا ارادہ کیا اور یہودیوں کے قلعے کا محاصرہ کرلیا، انہوں نے جب یہ دیکھا کہ قلعہ بند رہنے سے کوئی فائدہ نہیں تو انہوں نے بھی اپنی شکست تسلیم کرلی، رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے ساتھ بھی وہی معاہدہ کیا جو اس سے قبل خیبر کے یہودیوں کے ساتھ کیا جا چکا تھا[3]۔

--تیماء یہود-- کے نام سے مشہور[4] علاقہ --تیماء--[5] کے یہودی باشندوں نے جو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سخت دشمن تھے، جب دوسرے بھائیوں کی یہ حالت دیکھی تو ان سے درس عبرت حاصل کیا اور اس سے قبل کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انکی گوشمالی کے لئے ان کی جانب رخ کریں وہ خود ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہ وعدہ کر کے کہ --جزیہ-- ادا کریں گے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے معاہدہ صلح کرلیا[6] اور اس طرح حجاز میں جتنے بھی یہودی آباد تھے انہوں نے اپنی شکست قبول کرلی اور یہ تسلیم کرلیا کہ اس علاقے کی اصل طاقت اسلام ہی ہے۔

مکہ کی جانب روانگی

جب حجاز میں اندرونی طور پر امن بحال ہو گیا اور دشمنوں کو غیر مسلح کر کے شورشوں اور سازشوں کا قلع قمع کر دیا گیا نیز صلح --حدیبیہ-- کو ایک سال گزر گیا تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فیصلہ کیا کہ اصحاب کے ہمراہ مکہ تشریف لے جائیں اور زیارت کعبہ سے مشرف ہوں چنانچہ یکم ذی القعدہ سنہ 7 ہجری کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دو ہزار (2000) مسلم افراد کے ہمراہ عمرہ کرنے کی نیت سے مکہ کی جانب روانہ ہوئے۔

وہ قافلہ جو عمرہ کرنے کی نیت سے روانہ ہوا تھا اس کے آگے آگے (100) مسلح گھڑسوار چل رہے تھے تاکہ دشمن کی طرف سے کوئی خطرہ ہو تو وہ ان مسافرین کا دفاع کر سکیں جن کے پاس اتنا ہی اسلحہ تھا جسے عام مسافر وقت سفر ان دنوں رکھا کرتے تھے۔

---

[1] بحار الانوار ج 21 ص 22-23۔

[2] تفسیر برہان ج 2 ص 414-416 ذیل آیہ شریفہ --وَآتِ ذَا الْقُرْبَىٰ حَقَّهُ--۔

[3] الکامل فی تاریخ ج 2 ص 222۔

[4] معجم البلدان ج 2 ص 67۔

[5] یہ جگہ شام اور وادی القری کے درمیان اور عہد نبوی میں مدینہ سے آٹھ منزل تک فاصلے پر واقع تھی ملاحظہ ہو معجم البلدان ج 2 ص 67 و وفاء الوفاء ج 3-4 ص 1164۔

[6] التنبیہ والاشراف ص 224۔

جس وقت سپاہ اسلام کا مسلح ہراول دستہ--مرالظہر ان--[1] نامی مقام پر پہنچا تو قریش کے سرداروں کو مسافرین کی آمد کا علم ہو اچنانچہ انہوں نے یہ اعتراض کیا کہ اسلحہ کے ساتھ مکہ میں داخل ہونا--صلح حدیبیہ--کے معاہدے کی خلاف ورزی ہے۔

اس پر رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ہم اسلحہ ساتھ لے کر حرم میں نہیں جائیں گے، مشرکین نے مکہ خالی کر دیا اور اطراف کے پہاڑوں پر چڑھ گئے تا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تبلیغ سے محفوظ رہتے ہوئے اوران کی حرکات نیز افعال کا مشاہدہ کر سکیں۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے دو ہزار صحابیوں سمیت خاص جاہ وجلال کے ساتھ مکہ میں تشریف فرما ہوئے، جس وقت آپؐ خانہ کعبہ کی جانب تشریف لے جارہے تھے تو فضا--لبیّک اللّٰھمّ لبیّک--کے نعروں سے ایسی گونج رہی تھی کہ مشرکین کے دلوں پر غیر معمولی خوف طار تھا۔

ناقہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مہار حضرت--عبداللہ ابن رواحہ--پکڑ کر چل رہے تھے وہ نہایت ہی فخریہ انداز میں رجزیہ بیت پڑھ رہے تھے۔

خَلُّوا بَنِی الکُفَّارَ عَن سَبِیلِه خَلُّوا فَکُلُّ الخَیرِ فِی رَسُولِه[2]

--اے کفار کی اولاد رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے راستہ صاف کردو انہیں آگے آنے کیلئے راستہ دو کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر خیر کا منبع اور ہر نیکی کا سر چشمہ ہیں---رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پروانہ وار نثار تھے چنانچہ آپؐ ان کے حلقے میں خاص رعب ودبدبے کے ساتھ داخل مکہ ہوئے اور طواف کرنے کیلئے--مسجد الحرام--میں تشریف لے گئے۔

اس سیاسی عبادی سفر سے ممکن فائدہ اٹھانے کی خاطر رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ زائرین زیادہ سے زیادہ اپنی دینی قوت کا مظاہرہ کریں[3] نیز جس وقت طواف کریں تو حرکت تیزی کے ساتھ کی جائے، احرام کے کپڑے کو اپنے جسم کے ساتھ اس طرح لپیٹیں کہ قوی وتندمند بازو لوگوں کو نظر آئیں تا کہ دیکھنے والوں پر ان کی ہیبت طاری ہو۔[4]

ظہر کے وقت حضرت--بلال--کو حکم دیا گیا کہ وہ خانہ کعبہ کی چھت پر جائیں اور وہاں سے اذان دیں تا کہ خداوند تعالیٰ کی وحدانیت اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عظمت مجسم کا اہل مکہ عینی مشاہدہ کر سکیں اور جو لوگ فرار کر کے پہاڑوں پر چلے گئے ہیں وہ یہ بات اچھی طرح جان لیں کہ اب وقت فرار گزر چکا ہے واپس آجاؤ، نماز اور فلاح کی جانب آنے میں جلدی کرو۔

--حَیَّ عَلَی الصَّلوٰۃ، حَیَّ عَلَی الفَلاَح--

حضرت بلال کی آواز نے قریش کے سرداروں پر ہر کچل دینے والی ضرب اور ہر شمشیر براں سے زیادہ اثر کیا اور انتہائی طیش وغضب میں آکر ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ--خدا کا شکر ہے کہ ہمارے باپ دادا اس غلام کی آواز سننے سے پہلے ہی اس دنیا سے کوچ کر گئے اور انہیں یہ دن دیکھنا نصیب نہ ہوا--۔

---

[1] یہ جگہ حرم کے نزدیک مکہ سے پانچ میل (تقریباً دس کلومیٹر) کے فاصلے پر واقع تھی۔معجم البلدان ج5 ص104۔

[2] السیرۃ النبویہ ج4 ص13۔

[3] ملاحظہ ہو: تاریخ طبری ج3 ص24۔

[4] ملاحظہ ہو: السیرۃ النبویہ، ابن کثیر ج3 ص432۔

اس طرح --عمرہ القضا--کامیابی اور کامرانی کے ساتھ ادا ہوا، جس کے ذریعے خانہ کعبہ کی زیارت بھی ہوگئی اور عبادت بھی اس کے ساتھ ہی کفر کو اسلام کی طاقت کا اندازہ ہوا اور آئندہ سال فتح مکہ کا میدان بھی ہموار ہوگیا چنانچہ اس کے بہت سے سیاسی، عسکری اور ثقافتی اثرات نہ صرف اہل مکہ وقبائل اطراف بلکہ خود مسلمانوں کے قلوب پر نقش ہوئے۔

یہ سیاسی عبادی تحریک قریش کے سرداروں کے دلوں پر ایسی شاق وگراں گزری کہ انہوں نے تین دن بعد ہی رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں اپنا نمائندہ روانہ کیا اور کہا کہ جس قدر جلد ممکن ہو سکے مکہ سے چلے جائیں۔

اس سفر میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکہ کی --میمونہ-- نامی خاتون سے رشتہ ازدواج قائم کیا تا کہ قریش کا تعلق آپ کے ساتھ مستحکم اور دشمنی وعداوت کا جذبہ کم ہوجائے کیونکہ اس کی قریش کے سرداروں سے قرابت داری تھی [1] یہی نہیں بلکہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بھی چاہا کہ شادی کی رسومات مکہ میں ادا کردی جائیں اور آپ قریش کو دعوت ولیمہ میں مدعو فرمائیں اگر یہ کام انجام پذیر ہوجاتا تو اہل مکہ کو اپنی طرف مائل کرنے میں مؤثر ہوتا مگر افسوس اہل مکہ نے اس تجویز کو قبول نہ کیا چنانچہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ رسم مکہ سے واپس آتے وقت --سرف--[2] نامی مقام پر پوری کی۔[3]

جنگ --موتہ--

مدینہ کے شمال میں اور مدینہ سے شام کی طرف پڑنے والے تجارتی رستے میں آباد خیبر فدک وادی القریٰ اور تیماء جیسے یہودیوں کے مراکز اور اہم مقامات کا قلع قمع ہونے کے ساتھ ہی اسلام کے سیاسی اور معنوی نفوذ کا میدان شمالی سرحدوں کی جانب مزید ہموار ہوگیا۔ اس علاقے کی اولاً اہمیت اس وجہ سے تھی کہ وہ عظیم ترین تمدن جو اس زمانے میں سیاسی عسکری اجتماعی اور ثقافتی اعتبار سے انسانی معاشرے کا اعلیٰ ونمایاں ترین تمدن شمار کیا جاتا تھا یہیں پرورش پارہا تھا دوسری وجہ اس کا سرچشمہ آسمانی آئین وقانون تھا یعنی وہ آئین وقانون جس کی دین اسلام سے بیشتر واقفیت وہم آہنگی ہونے کے علاوہ اس کے اور اسلام کے درمیان بہت سی مشترک اقدار تھیں اور یہ مقام دیگر مقامات کی نسبت بہتر طور پر اور زیادہ جلدی حالات کو درک کرسکتا تھا اس کے علاوہ جغرافیائی اعتبار سے بھی یہ جگہ مدینہ سے نزدیک تر تھی اور شاید یہی وجہ تھی کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فتح مکہ سے قبل روم کی جانب توجہ فرمائی۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت --حارث بن عمیر-- کے ہاتھ اپنا خط --بصرہ-- کے بادشاہ کے نام جو --قیصر-- کا دست

---

[1] پروفیسر گیور گیوجن کی کتاب کا فارسی ترجمہ --محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پیغمبری کہ از نو باید شناخت-- کے زیر عنوان طبع ہو چکا ہے، اس شادی کے بارے میں لکھتے ہیں کہ: یہ ازدواجی رشتہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے نمایاں سیاسی اقدام تھا اس ضمن میں موصوف نے مزید لکھا ہے کہ حضرت میمونہ علیہا السلام کی چونکہ آٹھ بہنیں اور تھیں اور ان میں سے ہر ایک کی شادی مکہ کے کسی سر برآوردہ شخص سے ہوچکی تھی اسی لئے اس کے ذریعے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تعلق مکہ کے آٹھ برجستہ افراد سے قائم ہوگیا اس کے علاوہ حضرت میمونہ علیہا السلام کی والدہ اپنی شان وشوکت کے اعتبار سے عرب خواتین میں بے مثال سمجھی جاتی تھیں، اس کے بعد پروفیسر مذکور نے ابن ہشام اور دیگر سیرت نگاروں کے قول کو نقل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ حضرت میمونہ علیہا السلام کی شادی کے ذریعے درحقیقت تمام اہل مکہ کے ساتھ رشتہ وقرابت قائم کرنا مقصود تھا اس شادی کا قابل ذکر پہلو یہ تھا کہ حضرت میمونہ کے بھتیجے خالد بن ولید مشرف بہ اسلام ہوئے۔ ملاحظہ ہو مذکورہ کتاب ص 347۔

[2] یہ جگہ --تنعیم کے نزدیک واقع ہے۔ السیرۃ النبویہ ج 4 ص 14۔

[3] المغازی ج 2 ص 731 و 741 والطبقات الکبری ج 2 ص 120-123۔

پروردہ تھا روانہ کیا جس وقت رسول خداؐ کا یہ ایلچی --موتہ--[1] نامی گاؤں پہنچا تو شرحبیل غسانی نے اسے قتل کر دیا یہ واقعہ رسول خداؐ پر انتہائی شاق گزرا اور آنحضرتؐ نے فوراً یہ فیصلہ کر لیا کہ اس کا سد باب کیا جائے چنانچہ آپؐ نے ماہ جمادی الاول سنہ 8 ہجری میں تین ہزار سپاہیوں پر مشتمل لشکر --موتہ-- کی جانب روانہ کر دیا۔

اس وقت تک مدینہ سے باہر جتنے بھی لشکر روانہ کئے گئے ان میں سے سب سے بڑا لشکر تھا، رسول خداؐ اسے رخصت کرنے کیلئے مسلمانوں اور سپاہیوں کے قرابت داروں کے ہمراہ مدینہ کے باہر تک تشریف لائے حضرت --زید بن حارثہ-- کو سپہ سالار نیز حضرت --جعفر ابن ابی طالب-- وحضرت --عبداللہ بن رواحہ-- کو حضرت زید کا پہلا اور دوسرا نائب مقرر کرنے[2] کے بعد آپؐ نے اس کی وضاحت فرمائی کہ جس معرکہ کو سر کرنے کیلئے جا رہے ہیں اس کی کیا اہمیت ہے اس کے ساتھ ہی آنحضرتؐ نے ان کے حق میں دعائے خیر فرمائی۔

لشکر اسلام شام کی جانب روانہ ہوا، --معان--[3] نامی جگہ پر اطلاع ملی کہ قیصر کے دو لاکھ عرب اور رومی سپاہی --مآب-- نامی مقام پر جمع ہو گئے ہیں۔

یہ خبر سننے کے بعد مسلمانوں میں تردد پیدا ہو گیا اور یہ فیصلہ نہ کر سکے کہ واپس چلے جائیں یا وہیں مقیم رہیں اور پورے واقعے کی اطلاع رسول خداؐ کو پہنچائیں یا پھر اسی مختصر سپاہ کے ساتھ اس فرض کو انجام دیں جس پر انہیں مامور کیا گیا ہے اور سپاہ روم کے ساتھ جنگ کریں۔

اس اثناء میں حضرت --عبداللہ بن رواحہ-- اپنی جگہ سے اٹھے اور لشکر کے سامنے تقریر کرتے ہوئے انہیں یہ ترغیب دلائی کہ اپنے فرض کو ادا کریں اور سپاہ روم کے ساتھ نبرد آزما ہوں ان کی تقریر نے سپاہ کے اندر ایسا جوش و ولولہ پیدا کیا کہ سب نے متفقہ طور پر فیصلہ کیا کہ سپاہ روم کے ساتھ جنگ کی جائے چنانچہ اس کے بعد وہ لشکر موتہ میں ایک دوسرے کے مقابل تھے۔

حضرت زید نے پرچم سنبھالا اور جان پر کھیل کر وہ دوسرے مجاہدین کے ساتھ شہادت کے شوق میں بجلی کی طرح کوندتے ہوئے سپاہ دشمن پر ٹوٹ پڑے دشمن تجربہ کار اور جنگ آموزدہ تھا اس کا لشکر نیزوں تلواروں اور تیز دھار تیروں سے آراستہ تھا اور اس طرف کلمہ توحید جسے بلند و بالا کرنے کیلئے سپاہ اسلام نے ہر خطرہ اپنی جان پر مول لیا تھا اور سپاہ روم پر یہ ثابت کر دیا کہ وہ اپنے دین و آئین اور مقدس مقصد کو فروغ دینے کی خاطر جان تک دینے کیلئے دریغ نہیں کرتے۔

دشمن کی توجہ سپاہ اسلام کے عملدار کی جانب مبذول ہوئی اس نے اسے اپنے نیزوں کے حلقے میں لے کر اسے زمین پر گرا دیا، حضرت --جعفرؑ ابن ابی طالبؑ-- نے فوراً ہی پرچم کو اپنے ہاتھ میں لے کر لہرایا اور دشمن پر حملہ کر دیا، جس وقت انہوں نے خود کو

---

[1] اس کا شمار حدود شام میں بلقاء کے دیہات میں ہوتا تھا۔ معجم البلدان ج5 ص220۔

[2] اوپر متن میں جو کچھ تحریر کیا گیا ہے وہ مورخین کی تحریروں پر مبنی ہے لیکن حضرت امام صادقؑ سے حضرت ابان بن عثمان نے جو روایت نقل کی ہے (بحارالانوار ج12۔ ص55) اور جو اشعار حضرت کعب بن مالک نے موتہ کے شہداء کے مرثیے میں کہے ہیں: اذ یَہدُونَ بجَعفَر: وَلواۂ قُدَّام اَوَّلہم فَنعمَ الاوَّل--(سیرہ ابن ہشام ج4 ص28) وہ اس امر پر دلالت کرتے ہیں کہ سپہ سالار حضرت --جعفر ابن ابی طالب-- تھے نہ کہ --زید بن حارثہ-- چنانچہ علامہ مجلسی نے بھی بحارالانوار کی ج21 ص56 پر یہ عبادت درج کی ہے کہ شیعوں کا عقیدہ ہے کہ جعفر امیر اول مقرر کئے گئے تھے۔

[3] ملک شام میں بلقاء کے ساتھ حجاز کے راستے پر واقع ہے معجم البلدان ج5 ص153۔

دشمن کے نرغے میں پایا اور یہ یقین ہوگیا کہ شہادت قطعی ہے تو اس خیال سے کہ ان کا گھوڑا دشمن کے ہاتھ نہ لگے اس سے اتر گئے اور پیدل جنگ کرنے لگے یہاں تک کہ ان کے دونوں ہاتھ قطع ہوگئے آخرکار تقریباً اسی (80) کاری زخم کھا کر شہادت سے سرفراز ہوئے۔

حضرت جعفر علیہ السلام کی شہادت کے بعد حضرت عبداللہ بن رواحہ نے پرچم اسلام سنبھالا اور سپاہ روم کے قلب پر حملہ کردیا وہ بھی دلیرانہ جنگ کرتے کرتے شہادت سے ہمکنار ہوئے۔

--خالد بن ولید حال ہی میں مشرف بہ اسلام ہوئے تھے وہ بڑے ہی چالاک اور جنگجو انسان تھے، مجاہدوں کی تجویز اور رائے پر اسے سپہ سالار مقرر کردیا گیا جب انہیں جنگ کرنے میں کوئی فائدہ نظر نہ آیا تو انہوں نے اب جنگی حربہ تبدیل کیا[1] جس کی وجہ سے رومیوں میں تردد پیدا ہوگیا اور اس نے اپنی فوج کو یہ سوچ کر پیچھے ہٹا دیا کہ آیا جنگ کی جائے یا نہیں؟۔ اپنی اس حکمت عملی سے انہوں نے دشمن کے دو لاکھ سپاہیوں سے سپاہ اسلام کو نجات دلائی اور واپس مدینہ آگئے۔[2]

ابن ہشام نے جنگ میں شہداء کی تعداد بارہ[3] اور واقدی نے آٹھ آدمی بیان کی ہے[4]۔

جنگ موتہ کے نتائج

جنگ موتہ گرچہ بظاہر مسلمانوں کی شکست اور سپہ سالاروں کی شہادت پر تمام ہوئی اور قریش نے اسے اپنی دانست میں مسلمانوں کی ناتوانی سے تعبیر کی۔ اس لئے اس جنگ کے بعد وہ ایسے دلیر ہوگئے کہ انہوں نے قبیلہ --بنی بکر-- کو اس وجہ سے مدد دینی شروع کردی کہ اس کی ان لوگوں کے ساتھ ساز و باز ہوچکی تھی جس کے پس پردہ یہ سازش تھی کہ وہ ان کے اور قبیلہ --خزاعہ-- کے درمیان اس بنا پر کشت و کشتار کا بازار گرم کردایں کہ اس قبیلے کا رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ دوستی کا عہد و پیمان ہے چنانچہ انہوں نے قبیلہ --خزاعہ-- کے چند افراد کو قتل کردیا اور صلحنامہ حدیبیہ سے بھی روگردان ہوگئے نیز رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف اعلان جنگ کردیا[5] لیکن جب ہم اس جنگ کی اہمیت کے بارے میں غور و فکر کریں گے تو اس نتیجے پر پہنچیں گے یہ جنگ سیاسی طور پر اور دین اسلام کی اشاعت کیلئے نہایت سودمند ثابت ہوئی کیونکہ اس وقت ایران وروم جیسی دو بڑی طاقتوں کا اس عہد کی دنیا پر غلبہ تھا ان کے علاوہ جو بھی دوسری حکومتیں تھیں وہ سب کسی نہ کسی طرح سے انہی کی دست پروردہ تھیں اور ان میں اتنی تاب و مجال تک نہ تھی کہ یہ سوچ سکیں کہ ایسا دن بھی آسکتا ہے کہ وہ ان کے مقابلے پر آسکیں گے ان دونوں حکومتوں میں بھی رومیوں کو ایرانیوں پر اس وجہ سے برتری حاصل تھی کہ انہوں نے ایران سے جنگ میں مسلسل کئی فتوحات حاصل کی تھیں۔

جزیرہ نمائے عرب کو ایران نے مشرقی جانب سے اور روم نے مغربی طرف سے اس طرح اپنے حلقے اور نرغے میں لے رکھا تھا

---

[1] جنگی حربہ یہ تھا کہ رات ہوگئی تو خالد نے سپاہ کے دائیں بائیں آگے اور پیچھے کے حصے بدل دیئے اور مجاہدوں کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کردیا اور ساتھ ہی نئے پرچم لہرادیئے چنانچہ جب رومی سپاہیوں کی نظر سپاہ و پرچم اسلام پر گئی تو انہوں نے سمجھا کہ مسلمانوں کی مدد کے لئے تازہ دم لشکر آن پہنچا ہے چنانچہ اسی وجہ سے ان کے دلوں پر خوف طاری ہوگیا۔ اور وہ یہ فیصلہ نہ کرسکے کہ آیا جنگ جاری رکھی جائے یا نہیں۔ المغازی ج2 ص764۔

[2] ملاحظہ ہو المغازی ج2 ص764755 السیرۃ النبویہ ج4 ص15-21۔

[3] السیرۃ النبویہ ج4 ص30۔

[4] المغازی ج2 ص769۔

[5] السیرۃ النبویہ ج4 ص31-33۔

جیسے انگوٹھی کے درمیان نگینہ اوران دونوں ہی بڑی طاقتوں کے اس خطہ ارض سے مفادات وابستہ تھے اورانھوں نے یہاں اپنی نوآبادیات بھی قائم کررکھی تھیں[1] ۔

جنگ موتہ نے ان دونوں بڑی طاقتوں بالخصوص روم کو یہ بات سمجھادی کہ اس کے اقتدار کا زمانہ اب ختم ہوا چاہتا ہے اور دنیا میں تیسری طاقت --اسلام-- کے نام سے پورے کروفر کے ساتھ منظر عام پر آچکی ہے اور اس کے پیروکار ایمان کے زیر سایہ اور خلوص وعقیدت کی بنا پر جو انہیں اس دین اور اس کے قائد سے ملا ہے اپنے ،اعلی مقاصد کو حاصل کر لیتے ہیں اور اس کے حصول کی خاطر وہ دشمن کی کثیر تعداد اور سامان جنگ کی فراوانی سے ذرا بھی خوف زدہ نہیں ہوتے چنانچہ یہی وہ کیفیت تھی جس نے ان بڑی طاقتوں کے دلوں میں اسلام کا رعب ودبدبہ قائم کردیا۔

دوسری طرف جزیرہ نمائے عرب میں ان طاقتوں کے دست پروردہ افراد کو عملی طور پر یہ معلوم ہوگیا کہ وہ قلیل افراد جو اپنے مقصد وارادے میں مضبوط ومحکم ہیں روم جیسی بڑی طاقت سے جس کی سپاہ کی تعداد کل مسلمانوں کی تعداد سے ساٹھ گنا زیادہ ہے ٹکر لے سکتے ہیں اوران کے گھروں میں گھس کر انہیں ذلیل وخوار تک کر سکتے ہیں چنانچہ یہی وجہ تھی کہ اب دشمنان، اسلام کی عسکری طاقت کا اعتراف کرنے لگے اور اس کی عظمت کا رعب ان کے دلوں میں بیٹھ گیا اور اب انہیں یہ بخوبی اندازہ ہوگیا کہ آئندہ مسلمان ان کے سامنے زیادہ قوت اور حوصلہ مندی کے ساتھ اب سے زیادہ وسیع میدانوں میں نبرد آزما ہونے کیلئے ظاہر ہوں گے۔

سوالات

1۔رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کب اور دنیا کے کن ممالک کو دین اسلام کی دعوت کا پیغام بھیجا؟

2۔اس دعوت کا مختلف ممالک کے سربراہوں پر کیا ردعمل ہوا؟ مختصر طور پر بیان کیجئے۔

3۔غزوہ خیبر کب پیش آیا اور اس میں کیا محرکات کارفرما تھے؟

4۔غزوہ خیبر کس طرح اختتام پذیر ہوا؟ اس جنگ میں حضرت علی علیہ السلام نے کیا کردار ادا کیا؟

5۔کیا رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خیبر کے یہودیوں کے علاوہ ان دیگر یہود کے ساتھ بھی جو مدینہ کے شمال میں تھے کوئی مقابلہ ہوا؟ وہ مقابلہ کس طرح اور کہاں ہوا؟

6۔--عمرۃ القضاء--کا واقعہ کب پیش آیا؟ اس کی ادائیگی میں کتنے لوگوں نے شرکت کی اور اس کے کیا نتائج برآمد ہوئے؟

7۔سریہ--موتہ--کا واقعہ کب ہوا؟ اس میں کتنے مسلمانوں نے شرکت کی؟ ان کے فرمانرواکے نام کیا تھے اس سریہ کی سیاسی و ثقافتی اہمیت کے بارے میں بتایئے۔

8۔سریہ موتہ کا کیسے خاتمہ ہوا؟ اور اس کے کیا نتائج برآمد ہوئے؟

[1] البتہ مؤلف کی یہ بات پہلے سبق میں ان کی اس بات سے بالکل متضاد ہے کہ ایران اور روم جیسے کشورکشا ممالک یہاں کا رخ ہی نہیں کرتے تھے۔اس پر مزید توجہ کی ضرورت ہے۔مترجم

سبق 14:

فتح مکہ اور غزوات حونین اور طائف

فتح مکّہ

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیلئے صلح --حدیبیہ-- کے بعد یہودیوں کے خطرات دور کرنے اور عراق اور شام کی حدود تک مدینہ کے شمال میں آباد عرب قبائل کے درمیان اشاعت اسلام کے امکانات زیادہ ہو گئے، قلمرو اسلام میں اب تنہا جو طاقت باقی رہ گئی تھی اور جس کا وجود جزیرۃ العرب کے باہر ترویج اسلام کیلئے خطرہ بنا ہوا تھا وہ قریش مکہ تھے، دشمن کے اس مرکز کی دو اہم ترین خصوصیات یہ تھیں پہلی تو یہ کہ یہ شہر بہت سے مسلمانوں بلکہ خود رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وطن تھا اور دوسری وجہ یہ تھی کہ کعبہ ابراہیم علیہ السلام یعنی مرکز توحید اور مسلمانوں کا قبلہ اسی شہر میں واقع تھا ان دو وجوہات کے علاوہ مسلمانوں نے اپنی اسلامی زندگی کے دوران جو صدمات برداشت کئے ان میں سے اکثر و بیشتر اسی شہر کے لوگوں نے انہیں پہنچائے تھے مذکورہ بالا وجوہات کی بنا پر مکہ کا شمار ان اہم ترین مراکز میں ہوتا تھا جنہیں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جزیرہ نمائے عرب میں دشمن کے وجود سے پاک وصاف کر دینا چاہتے تھے اور یہی منصوبہ عرصے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیش نظر تھا۔

غزوہ --حدیبیہ-- اور --عمرۃ القضاء-- دو ایسے بڑے کامیاب معرکے تھے کہ جن کے باعث قریش کی عسکری بالا دستی اور مکہ پر اجارہ داری ختم ہوگئی اور مسلمانوں کیلئے مکہ واپس آنے مناسک حج ادا کرنے اور اشاعت دین کی راہیں ہموار ہوگئیں مگر اس کے باوجود قریش کی سیاسی وثقافتی برتری اور لعنت شرک وبت پرستی اب بھی مثل سابق وہاں موجود تھی۔

قریش کے خلاف تیسرا اور آخری قدم اٹھانے کیلئے اب مسلمانوں کے سیاسی حالات وعسکری انتظامات قطعی طور پر موافق و سازگار تھے اور جو چیز اس راہ میں مانع بنی ہوئی تھی وہ یہ تھی کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صلح حدیبیہ کی کسی قسم کی عہد شکنی نہیں کرنا چاہتے تھے مگر قریش نے اپنی طرف سے اس معاہدے کی خلاف ورزی میں پہل کرتے ہوئے قبیلہ --بنی بکر-- کی حمایت میں قبیلہ --بنی خزاعہ-- کے بیس افراد کو محض اس بنا پر بے دردی سے قتل کر ڈالا کہ ان کا رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ باہمی معاہدہ تھا اسی لئے یہ دشواری بھی دور ہوگئی چنانچہ اب وہ وقت آن پہنچا تھا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس موقع کا فائدہ اٹھاتے ہوئے مکہ پر تسلط حاصل کریں اور کعبہ کو بتوں سے نجات دلا کر اپنی دیرینہ آرزو کو عملی جامہ پہنائیں تاکہ شرک کے سب سے بڑے مرکز کے وجود کو نیست و نابود کر دیں بالخصوص ان حالات میں جبکہ قبیلہ خزاعہ کا سردار اپنے ہم قبیلہ افراد کو ساتھ لے کر رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو چکا تھا اور اس نے ان رقت انگیز واقعات کو بیان کرکے، جو اس کے قبیلے کے لوگوں پر گذرے تھے، قریش کی عہد شکنی کا ذکر کیا اور ان کے خلاف اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مدد کی درخواست کی۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عام تیاری کا حکم دیا اس کے ساتھ ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ کی جانب اپنے ایلچی روانہ کئے تاکہ انہیں بھی اس میں شریک ہونے کی دعوت دی جائے، تیاری کا حکم ملتے ہی دس ہزار سپاہی جمع ہو گئے اور یہ ایسی کثیر تعداد تھی جو اہل مدینہ نے کبھی اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھی تھی۔

رسول خداصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قریش کو غفلت میں ڈالنے کیلئے تمام ممکنہ حفاظتی اقدامات کئے ابتداء میں آپؐ نے اپنے قصد وارادے کو کسی پر ظاہر نہیں کیا وہ تمام راستے جو مکہ کی طرف جاتے تھے ان کی سخت ناکہ بندی کردی گئی لوگوں کو دوسری جانب متوجہ کرنے کیلئے رسول خداصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سپاہ کا ایک دستہ --ابوقتادہ-- کی قیادت میں --اضم-- نامی مقام کی جانب روانہ کیا تاکہ لوگ یہ سمجھیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا رخ اسی جانب ہے اس کے بعد آپؐ نے بارگاہ ایزدی میں التجا کی کہ قریش کی آنکھوں اور کانوں پر غفلت کا پردہ پڑ جائے اور ہوش انہیں اس وقت آئے جب وہ اچانک سپاہ اسلام کو اپنے سروں پر مسلط پائیں۔[1]

یہ اقدام اس وجہ سے کیا گیا کہ دشمن اس سے قبل کہ اپنے دفاع کی خاطر اپنی عسکری طاقت کا استعمال کرے خود ہی بغیر کسی تصادم کے حق کے سامنے سر تسلیم خم کردے اور حرم مکہ یعنی مقدس ومعنوی پناہ گاہ ایزدی حتی الامکان خونریزی کے بغیر فتح ہوجائے۔

لیکن تمام ممکنہ حفاظتی اقدامات کے باوجود --حاطب بن ابی بلتعہ--نامی شخص نے قریش کو خط لکھ ہی دیا اور --سارہ--نامی عورت کو قریش مکہ تک پہنچانے کے لئے روانہ کردیا تاکہ انہیں معلوم ہوجائے کہ رسول خداصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ممکنہ اقدام کیا ہو سکتا ہے۔

رسول خداصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو وحی کے ذریعے اس شخص کی خیانت کا علم ہوگیا چنانچہ اپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فوراً ہی حضرت علی علیہ السلام اور زبیر کو اس کام پر مامور فرمایا کہ اس عورت سے خط حاصل کریں اور اسے واپس مدینہ لے ائیں[2]

رسول خداصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دس ماہ رمضان سنہ 8 ہجری کو دس ہزار مسلمانوں کے ساتھ مدینہ سے مکہ کی جانب روانہ ہوئے چنانچہ جب اپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم --مرالظہران--نامی مقام پر تشریف فرما ہوئے تو دشمن کو اپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے انے کا ذرا بھی علم نہ ہوسکا۔

یہاں رسول خداصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا کہ سپاہی وسیع میدان میں منتشر و پراکندہ ہوجائیں اور ان میں سے ہر شخص اگ روشن کرے۔رسول خداصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس حربے نے اہل مکہ کو سخت وحشت میں مبتلا کردیا[3]

ابوسفیان کے ہمراہ کچھ قریش سردار حالات کا جائزہ لینے کے لئے مکّہ سے باہر نکل آئے،راستے میں ان کی ملاقات سب سے پہلے رسول خداصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا حضرت عباس سے ہوئی جو سپاہ اسلام کے پہنچنے سے قبل ہی وہاں پہنچ گئے تھے۔اوران سے حالات کے بارے میں پوچھا۔حضرت عباسنے کہا کہ رسول خداصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تم پر دس ہزار سپاہ کے ساتھ شب خون مارا ہے۔اب تمہارے لئے راہ نجات یہی ہے کہ دین اسلام قبول کرلو۔ابوسفیان کے ساتھ --حکیم بن حزام--اور--بُدَیل بن وقار--بھی تھے یہی بات انہوں نے ان لوگوں سے بھی کہی۔

یہ بات سن کر قریش کے سرداروں کے اوسان خطا ہوگئے اور حضرت عباس سے اتنا ہی کہا کہ اب ہم اپ کے رحم وکرم پر ہیں۔حضرت عباس انہیں رسول خداصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں لے گئے[4]۔رسول خداصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے قریش کی حالت اور کیفیت کے

---

[1] المغازی ج2 صفحہ 796۔

[2] السیرۃ النبویہ ج4 صفحات 40-41۔

[3] المغازی ج2 صفحات 801-814۔

[4] بعض کتب تاریخ میں یہ آیا ہے کہ ابوسفیان کے ساتھی اسی جگہ سے واپس چلے گئے اور صرف ابوسفیان کو رسول خداصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر کیا گیا (السیرۃ النبویہ ابن ہشام ج4 صفحہ 45)۔

بارے میں کچھ سوالات کئے اور ضروری معلومات حاصل کرنے بعد انہیں دین اسلام قبول کرنے کی دعوت دی۔ انہیں رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی بات تسلیم کرنے کے علاوہ کوئی چارہ نظر نہ ایا۔ اور اس رات وہ حضرت عباس کے ساتھ ہی رہے۔ صبح کے وقت تمام سپاہ نے باواز بلند اذان دی جسے سن کر ابوسفیان پر خوف طاری ہوگیا[1] اس کے بعد رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے حکم سے اسے ایک ٹیلے پر لے جایا گیا اور سپاہیوں نے منظم دستوں کی شکل میں اس کے سامنے مسلح پریڈ کی اور اس نے اسلام کی شان وعظمت اور عسکری ومعنوی طاقت اپنی انکھوں سے دے کھ لی[2]۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اسلام کی طاقت کے جاہ وجلال کا مظاہرہ کر کے شرک کی استقامت و پائداری کے ہر ارادے کو پاش پاش کر دیا۔ اور اب اپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے یہ سعی وکوشش کی کہ ابوسفیان کے ذریعے قریش کی استقامت و پائداری کو بھی چکنا چور کر دیں لہٰذا اپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ابوسفیان سے کہا کہ وہ قریش کے درمیان جا کر ان سے کہے کہ جو کوئی اسلحہ زمین پر رکھ کر اپنے گھر میں بیٹھا رہے گا یا مسجد الحرام میں پناہ لے گا یا ابوسفیان کے گھر میں پناہ گزیں ہوگا اسے کوئی نقصان نہیں ہوگا اور وہ امان میں ہوگا[3]۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا یہ اقدام اس امر کا باعث ہوا کہ قریش کے ان سرداروں نے جو ڈٹ کر سپاہ اسلام کا مقابلہ کرنا چاہتے تھے ابوسفیان کی یہ کیفیت دیکھ کر اپنا ارادہ بدل دیا[4]۔

قریش کو زیر کرنے کے جتنے بھی مراحل ہو سکتے تھے وہ اب طے ہو چکے تھے۔ اور وہ وقت آن پہنچا تھا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم مکہ میں تشریف فرما ہوں۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی یہ سعی وکوشش تھی کہ سپاہ اسلام شہر میں اس طرح داخل ہو کہ جس حد تک ممکن ہو سکے کوئی تصادم نہ ہو چنانچہ اس مقصد کے تحت آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے کل سپاہ کو چار دستوں میں تقسیم کر کے ہر ایک کا ایک جرنیل مقرر فرمیا، اور ہر دستے کو یہ حکم دیا کہ اندرون شہر اس راستے سے جائیں جو ان کے داخل ہونے کے لئے مقرر کر دیا گیا ہے تا کہ فوج چاروں طرف سے شہر یکبارگی داخل ہو اور لڑائی کا کوئی امکان نہ رہے۔ اور سب کو یہ ہدایت دی کہ صرف اسی سے جنگ کرنا جو تمہارے مقابلے پر اتر آئے مگر اس کے ساتھ ہی دس ایسے افراد کے نام بھی اپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے دئے جن کا خون بہانا جائز ومباح قرار دیا گیا تھا[5]۔

اہل لشکر مقررہ راستوں سے مکہ میں داخل ہوئے۔ اندروں شہر دشمن کی ایک مختصر سی جماعت نے ہی استقامت و پائداری کی کو شش کی مگر جب اس کے چند افراد قتل ہو گئے تو ان کی استقامت کا بھی خاتمہ ہوگیا اور پھر سپاہ اسلام نے کسی خونریزی کے بغیر مکہ کو فتح کر لیا[6]۔

حضرت خدیجہ علیہا السلام اور حضرت ابوطالب علیہ السلام کی قبر کی زیارت اور طواف کعبہ کے بعد رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم، حضرت علی علیہ السلام کے

---

[1] المغازی ج2 صفحات 814-815۔

[2] ایضا صفحات 818-821۔

[3] السیرۃ النبویہ ابن ہشام ج4 صفحات 46-47۔

[4] السیرۃ النبویہ ابن ہشام ج4 صفحات 46-47۔

[5] المغازی ج2 صفحہ 825۔

[6] المغازی ج2 صفحہ 825۔

ہمراہ خانہ خدا کو تصوے روں اور بتوں سے پاک کرنے میں مشغول ہو گئے [1]۔

اہل مکہ خاص کر مشرکین کے سردار نہاےت ہی اضطراب و بے چےنی سے اپنا انجام دیکھنے کا انتظار کر رہے تھے۔ مسلمانوں پر وہ اب تک جو مظالم کر چکے تھے انہیں دیکھ کے انہیں اپنی موت سامنے نظر آرہی تھی۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پہلے تو بتوں کو سرنگوں کیا اور اس کام سے فارغ ہونے کے بعد وہاں موجود لوگوں کے سامنے تقرےر فرمائی۔ اس فتح و کامیابی پر خداوند تعالی کی حمد کرنے کے بعد آپؐ نے قرےش سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا-- اب بتاؤ کیا کہتے ہو اور تمہارے دلوں میں کیا وسوسے ہیں؟-- سب نے بلند آواز سے انحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا:-- ہمیں اپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہی توقع ہے کہ اپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے ساتھ نےرونےکی کا سلوک فرمائیں گے۔ ہمیں یہی عرض کرنا ہے اور اس کے علاوہ ہمارے دلوں میں کوئی خیال و فکر نہیں۔ آپؐ ہمارے قابل احترام بھائی ہیں اور ہم آپؐ کو اپنے بھائی کا فرزند ہی سمجھتے ہیں۔ باقی آپؐ کو اختیار ہے اور طاقت بھی اب آپؐ کے پاس ہے۔[2]--

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں جواب دےتے ہوئے فرمایا:-- میں تم سے اپنے بھائی حضرت ےوسف علیہ السلام کی طرح چشم پوشی کرتے ہوئے کہتا ہوں:

لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ ۭ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ ۡ وَهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ۹۲ [3]

--اج تم پر کوئی گرفت نہیں۔ اللہ تمہیں معاف کرے وہ سب سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے--[4]۔

چنانچہ جب انہوں نے معافی کی درخواست کی تو رسولخدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

--اذهَبُو فَاَنتُمُ الطُّلَقَاءُ--[5]

جاؤ تم سب ازاد ہو۔

جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عام معافی کا اعلان کر دیا اور مشرکین کے سرداروں کے اعمال سے چشم پوشی کی تو مکہ کے لوگ جوق در جوق اپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر دےن اسلام قبول کرنے کا شرف حاصل کرنے لگے یہی نہیں بلکہ عرب خواتےن نے بھی ان خاص آداب کے مطابق جو مقرر کئے گئے تھے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بےعت کی [6] قران مجےد نے اس بے نظےر تبدےلی اور رجحان کی جانب اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ہے۔

وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا [7]۔

---

[1] ملاحظہ ہو: اعیان الشیعہ ج1 صفحہ 409۔

[2] المغازی ج2 صفحہ 835۔

[3] سورہ یوسف آیت 92۔

[4] المغازی ج2 صفحہ 835۔

[5] تاریخ طبری ج3 صفحہ 61۔

[6] تاریخ طبری ج3 صفحہ 61۔

[7] سورہ نصر آیت 2۔

اے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تم نے دیکھا کہ لوگ فوج در فوج اللہ کے دےن میں داخل ہو رہے ہیں [۱]

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بت پرستی کو ہر جگہ سے کلی طور پر نےست و نابود کرنے کے لئے لوگوں کو ہداےت کی کہ جس کسی کے پاس کوئی بت ہو وہ اسے پاش پاش کر دے۔اس کے علاوہ آپؐ نے مکہ کے باہر بھی چند افراد کو بھےجا تا کہ جہاں کہیں بھی کوئی بت خانہ ہو اسے وےران کر دیں،اور لوگوں کو دےن اسلام کی دعوت دیں [۲]

پیغمبر ہدایت و اصلاح

مسلمانوں کے ہاتھوں شہر مکہ کی تسخےر مشرکےن کے سرداروں کی شکست اور تسلیم اور ان لوگوں کے ساتھ جو بےس سال سے زیادہ عرصہ تک اسلام دشمنی میں رسولخدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے برسر پےکار رہے رسولخدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غےر متوقع و بے مثال درگزر و چشم پوشی نے ثابت کر دیا کہ انحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مقصد گمراہ و نادان لوگوں کی ہداےت و اصلاح کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے۔اور جنگ و تصادم کے جو واقعات پےش ائے ان میں اپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مقصد انکی ہداےت و اصلاح ہی تھا نا کہ انتقام جوئی اور جاہ و فضےلت طلبی چنانچہ ایسی عظےم الشان فتح کے با وجود صرف وہ دس افراد (چھ مرد اور چار عورتیں) جو سخت و سنگےن جرائم کے مرتکب ہوئے تھے قابل سزا قرار دیئے گئے اور --مَہدُ ورُالدَّم-- کے عنوان سے انہیں یاد کیا گیا [۳]۔

ان میں بھی چار افراد کو قتل کر دیا گیا اور باقی کسی نہ کسی بہانے سے امان پانے میں کامیاب ہو گئے [۴] اگر چہ ایسے موقعوں پر دنیاوی انقلابی لیڈر سے نکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں افراد کو بالخصوص انہیں جو دشمن کے محاذ پر پےش پےش ہوتے ہیں،تہ تےغ کر دےتے ہیں۔لےکن جب ساری دنیا کے پےغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رحمت ےعنی --رحمۃ اللعالمےن-- سے بعض مسلمان سپاہیوں نے یہ کہا کہ --اَلیَومَ یَومُ المَلحَمَۃ-- اج کا دن انتقام لےنے اور جنگ کرنے کا دن ہے تو انحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ موقف اپنایا کہ --اَلیَومَ یَومُ المَرحَمَۃ-- آج کا دن رحمت کا دن ہے [۵] چنانچہ اس کے فےت کو پروفےسر حمےد اللہ نے اپنے الفاظ میں اس طرح بیان کیا ہے۔جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی شہر کا فاتح ہو تو اُن سے اس عظمت و بزرگواری کے علاوہ اور کوئی توقع رکھنی ہی نہیں چاہئے [۶]

غزوہ حنےن و طائف:

جب شرک کا سب سے عظےم مرکز تسخیر ہو گیا اور --سواع---مناۃ--اور--عزی--جےسے بت کدے مسلمانوں کے ہاتھوں ویراں ہو گئے [۷] تو اسلام کا عسکری و سیاسی اثر و نفوذ تمام --جزےرہ نمائے عرب-- پر چھا گیا۔چنانچہ یہی وجہ تھی کہ مشرکےن کے اکثر و بےشتر قبائل نے اسلام کی اطاعت قبول کر لی اور اس کے سامنے سر تسلیم خم کر لیا لکین--ہوازن--اور--ثقےف--ایسے دو

---

[۱] ملاحظہ ہو:تفسیر المیزان ج20 صفحہ 376۔

[۲] ملاحظہ ہو:المغازی ج3 صفحہ 873 والسیرۃ النبویہ ج4 صفحہ 70۔

[۳] ملاحظہ ہو:المغازی ج2 صفحہ 825۔

[۴] ملاحظہ ہو:تاریخ طبری ج3 صفحہ 60۔

[۵] المغازی ج2 صفحات 822821۔

[۶] ملاحظہ ہو--کتاب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میدان جنگ میں،،ترجمہ سید غلام رضا سعیدی ص148

[۷] ملاحظہ ہو:بحار الانوار ج21 صفحہ 145۔

قبیلہ تھے جو اسلام سے نفرت میں پیش پیش اور جنگجوئی میں سب پر فوقیت رکھتے تھے۔اس کے علاوہ ان کے پاس اسلحہ بھی سب سے زیادہ رہا کرتا تھا انہیں یہ علم ہوا کہ مسلمانوں کو مشرکین پر فتح و نصرت حاصل ہے ہوئے تو وہ سخت سراسیمہ اور پریشان خاطر ہوئے اور اب انہیں یہ خوف لاحق رہنے لگا کہ قریش کو مغلوب کرنے کے بعد لشکر اسلام انہیں اپنے حملے کا نشانہ بنائے گا چنانچہ انہوں نے خود ہی پیش قدمی کرتے ہوئے مسلمانوں کے ساتھ برسرپیکار ہونے کا ارادہ کرلیا اور انہوں نے چند دیگر قبائل سے بھی عہد و پیمان کرلیا تھا۔

چنانچہ سب نے مجموعی طور پر طاقتور سپاہ کی شکل اختیار کر کے -- مالک بن عوف -- کی سپہ سالاری میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ جنگ و نبرد کرنے کے لئے خود کو آمادہ کرلیا۔

دشمن نے اس خیال کے پیش نظر کہ محاذ جنگ کی پشت سے اس کا کوئی تعلق نہ رہے اور مسلمانوں کے ساتھ جان توڑ کر جنگ کرے اس نے اپنی عورتوں بچوں، مویشیوں اور مال غنیمت کو اپنے ساتھ لے لیا۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جب دشمن کے ارادے کی اطلاع ملی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بتاریخ 6 شوال سنہ 8 ہجری کو بارہ (12000) ہزار سپاہیوں کا لشکر (جس میں دس ہزار افراد مدینہ کے اور دو ہزار نومسلم شامل تھے) لے کر دشمن کی جانب روانہ ہوئے۔ دونوں لشکروں کا مقابلہ -- حُنَین [1] نامی جگہ پر ہوا مشرکین کا لشکر پہلے ہی وادی حنین میں اتر چکا تھا اور اس نے سارے ناکوں پر قبضہ کرلیا تھا وہ سپاہ اسلام کے اس ہراول دستے پر جس کا سپہ سالار -- خالد بن ولید -- تھا اچانک حملہ آور ہوا اور اس دستے کو منتشر و پراکندہ کردیا، یہ صورتحال دیکھ کر باقی سپاہیوں نے بھی فرار کو قرار پر ترجیح دی اور سر پاؤں رکھ کر بھاگے۔صرف دس افراد ہی ایسے تھے جو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دوش بدوش رہے [2]

ابوسفیان اور وہ قریش جو چند روز قبل ہی مسلمان ہوئے تھے مسلمانوں کی اس شکست پر بہت مسرور ہوئے اور اس پر تمسخر کرنے لے [3]۔

اگرچہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس وقت تنہا رہ گئے تھے لیکن ان چند اصحاب کے ساتھ جو اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تھے میدان جنگ میں پوری استقامت اور پائداری کے ساتھ اپنی جگہ پر رہے اور جو لوگ فرار کرنے لگے تھے انہیں واپس آنے کی دعوت دی۔ اس موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: -- اے لوگو کہاں بھاگے چلے جا رہے ہو؟ واپس آجاؤ میں محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بن عبد اللہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمہیں بلا رہا ہوں -- ۔ [4]

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایماء پر حضرت -- عباس بن عبد المطلب -- نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پیغام باواز بلند لوگوں تک پہنچایا جسے سن کر مسلمان ایک ایک کر کے واپس آنے لگے۔رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں ازسرنو مرتب کیا اور جنگ کی آگ دوبارہ شعلہ ور ہو گئی۔

---

[1] دور جاہلیت میں -- ذوالمجاز -- عربوں کا مشہور بازار تھا یہ جگہ اس بازار کے قریب مکہ و طائف کے درمیان واقع تھی البتہ یہ جگہ مکے کی نسبت طائف سے نزدیک تر ہے اور یہاں سے مکے کا فاصلہ تین راتوں میں طے ہوتا تھا ملاحظہ ہو: التنبیہ والاشراف ص 234 و معجم البلدان ج 2 صفحہ 313۔

[2] تاریخ یعقوبی ج 2 ص 62 والارشاد مفید ص 74۔

[3] تاریخ طبری ج 3 ص 74۔

[4] السیرۃ النبویہ، ابن ہشام ج 4 ص 85۔

امیرالمومنین حضرت علی علیہ السلام سب سے زیادہ جوش وخروش میں تھے اور دشمنوں کو خاک وخون میں ملا رہے تھے یہاں تک کہ قبیلہ ہوازن کے چالیس افراد آپ علیہ السلام کی شمشیر سے ہلاک ہوئے [1] دوسرے مسلمانوں نے بھی شکست کی تلافیاں کیں اور چند لمحہ فرار رہنے کی وجہ سے جو خفت ہوئی تھی اسے دور کرنے کیلئے جان کی بازی لگا دی بالخصوص اس وقت جب کہ انہوں نے یہ دیکھا کہ --ام عمارہ، --ام سلیم، --ام سلیط ،،اور--ام حارث --جیسی دلیر خواتین بھی میدان کارزار میں اتر آئیں ہیں اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مردانہ وار دفاع وکررہی ہیں [2]۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سپاہ میں مزید جوش وخروش پیدا کرنے کی خاطر اعلان فرمایا کہ جو کوئی کسی کافر کو قتل کرے گا وہ مقتول کے لباس اور اسلحہ کا مالک ہوگا-- [3]

اس وقت ہوازن کا پرچمدار--ابوجرول--سرخ اونٹ کے اوپر سوار بلند نیزہ ہاتھ میں لئے اس پر سیاہ جھنڈا لہرا رہا تھا وہ اپنے لشکر کے آگے آگے چل رہا تھا حضرت علی علیہ السلام کے ہاتھوں اس کے قتل [4] کی وجہ سے دشمن کیلئے فرار کے علاوہ کوئی چارہ نہ رہا چنانچہ فتح اسلام کے حصے میں آئی

اس جنگ میں چھ ہزار سپاہی قید ہوئے ان کے علاوہ چوبیس ہزار (24000) اونٹ، چالیس ہزار بھیڑیں اور وزن میں چار ہزار اوقیہ (تقریبا 850 کلوگرام) چاندی بطور مال غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ آئی [5]۔ باقی جو سپاہ بچی تھی وہ بھاگ کر--طائف،--نخلہ،،اور--اوطاس،، کی طرف نکل گئی [6]۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے--بُدَیل بن ورقاء--کو اس کام پر مامور فرمایا کہ وہ مال غنیمت کو--جعرانہ-- [7] نامی مقام پر لے جائیں اور وہیں اس کی حفاظت کریں تا کہ جنگ ختم ہونے کے بعد اسے تقسیم کیا جا سکے اور آپؐ بذات خود سپاہ اسلام کو ساتھ لے کر--طائف--کی جانب روانہ ہوئے کیونکہ--مالک بن عوف--ثقیف کے دیگر لشکروں کے ہمراہ بھاگ کر اس طرف نکل گیا تھا وہاں پہنچ کر آپؐ نے قلعے کا محاصرہ کرلیا۔ قلعہ طائف کا محاصرہ تقریبا بیس روز تک جاری رہا [8]۔ دشمن کی استقامت و پایداری کو ختم کرنے کیلئے مسلمانوں نے منجنیقیں اور جنگی گاڑیاں بھی استعمال کیں لیکن اس کا کوئی نتیجہ برآمد نہ ہوا۔ قلعے کے استحکام، اسلحہ جنگ اور سامان خوراک کے ذخیرے کی وجہ سے دشمن کی استقامت و پائداری پہلے سے کہیں زیادہ بڑھ گئی۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کے مشورے سے محاصرہ جاری رکھنے کا خیال ملتوی کر دیا اور جعرانہ کی طرف روانہ ہو گئے [9]۔

اس فیصلے کی شاید یہ وجہ یہ تھی کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دشمن کے وسائل واسلحہ کا جائزہ لینے کے بعد یہی نتیجہ اخذ کیا کہ طائف کو فتح

---

[1] الارشاد مفید 76۔

[2] المغازی ج 3 ص 902۔

[3] السیرۃ النبویہ ابن کثیر ج 3 ص 620۔

[4] ملاحظہ ہو: الارشاد ص 75 وتاریخ یعقوبی ج 2 ص 63۔

[5] ملاحظہ ہو: الطبقات الکبری ج 2 ص 152 وتفسیر المنار ج 10 ص 258۔

[6] الطبقات الکبری ج 2 ص 151۔

[7] یہ کنویں کا نام تھا جو مکہ اور طائف کے درمیان واقعہ تھا البتہ مکے سے زیادہ نزدیک تھا معجم البلدان ج 2 ص 142 اس کنویں کا نام جعرّانہ بھی لکھا گیا ہے۔

[8] ملاحظہ ہو: المغازی ج 3 ص 927 تاریخ طبری ج 3 ص 83۔

[9] ملاحظہ ہو: المغازی ج 3 ص 936-937 وتاریخ طبری ج 3 ص 84۔

کرنے کیلئے زیادہ وقت درکار ہے اور مدینہ سے آنحضرت ﷺ کوسوں دور تھے۔اس کے علاوہ مختلف افکار وخیالات کے حامل بارہ ہزار سپاہیوں کو کافی عرصے تک قلعہ طائف کے محاصرہ کے لئے یکجا رکھا بھی نہیں جا سکتا تھا۔کیونکہ ایک طرف تو لشکر کیلئے سامان خوراک کم ہوتا چلا جارہا تھا۔اور دوسری طرف ماہ حرام اور حج کا زمانہ قریب چلا آرہا تھا۔[1] اس کے علاوہ چھ ہزار جنگی قیدیوں کے مسئلے کے بارے میں بھی غور کرنا تھا تاکہ جس قدر جلد ہو سکے یہ مسئلہ حل ہو جائے۔

مال غنیمت کی تقسیم

رسول خدا ﷺ جب --جعرانہ-- واپس تشریف لائے تو ہوازن کا وفد آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا انہوں نے دین اسلام قبول کرنے کے بعد رسول خدا ﷺ سے درخواست کی کہ قیدیوں کو آزاد کر دیا جائے رسول اکرم ﷺ نے مسلمانوں کے ساتھ گفتگو کرنے کے بعد اوران کا دل جیتنے کی خاطر ہوازن کے چھ ہزار قیدیوں کو فدیہ لئے بغیر آزاد کر دیا[2]۔اور باقی مال غنیمت کو آپؐ نے قریش کے درمیان تقسیم کر دیا اور وہ لوگ جو حال ہی میں مشرف با اسلام ہوئے تھے ان کے سرداروں کو آپؐ نے بیشتر حصہ[3] عطا کیا تاکہ اس طریقے سے ان کے دل اسلام کی جانب بیشتر مائل ہو سکیں

جو لوگ چند روز قبل ہی مسلمان ہوئے تھے ان کے سرداروں کو آنحضرت ﷺ کی زیادہ عطا بعض افراد بالخصوص انصار کو ناگوار گزری حالانکہ یہ بخشش رسول خدا ﷺ کے اپنے حصے--خمس-- سے ہی تھی[4] جس کی وجہ یہ تھی کہ مال غنیمت سے ان کا حصہ نظر انداز کر دیا گیا تھا لیکن جب انہوں نے رسول خدا ﷺ کی نصیحتیں سنیں اور اس کی حکمت کے بارے میں انہیں علم ہوا تو وہ آنحضرت ﷺ کے اس اقدام سے مطمئن ہو گئے[5]۔

رسول خدا ﷺ نے عمرہ کرنے کے ارادے سے --جعرانہ-- میں احرام باندھا عمرہ کرنے کے بعد آپؐ نے --عتاب بن اسید-- کو مکہ کا گورنر مقرر فرمایا اور حضرت --معاذ بن جبل-- کو احکام دین کی تعلیم دینے کیلئے متعین فرمایا اور خود آنحضرت ﷺ واپس مدینہ تشریف لے آئے[6]۔

---

[1] بعض کتب تاریخ میں درج ہے کہ رسول خدا ﷺ نے یہ محاصرہ اول ماہ ذی القعدہ تک جاری رکھا ملاحظہ ہو بحار الانوار ج 21 ص 181، اور یہ قول اس بنا پر کہ جنگ حنین بتاریخ دہم شوال واقعہ ہوئی (المغازی ج 3 ص 892) حقیقت کے زیادہ نزدیک ہے۔

[2] بحار الانوار ج 21 ص 182۔ یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ چند قیدیوں نے فدیہ ادا کر کے بھی آزادی حاصل کی تھی۔

[3] ملاحظہ ہو: الارشاد ص 76۔

[4] الطبقات الکبری ج 2 ص 153۔

[5] ملاحظہ ہو: الارشاد ص 76۔77 رسول خدا ﷺ کے اس اقدام میں شاید یہ نقطہ پنہاں تھا کہ مکہ کے تازہ مسلمان بالخصوص ان کے سرداروں میں عقل و بصیرت نہ تھی بلکہ وہ خوف و مجبوری کی وجہ سے مسلمان ہوئے تھے اسی لئے پیغمبر اکرم ﷺ پر ان کی دلجوئی کرنا ضروری تھی تاکہ ان کے دل اسلام کی جانب زیادہ مائل ہو جائیں فقہ اسلامی میں اس عمل کو --تالیف قلوب-- کہا جاتا ہے اور اس کا شمار مصارف زکات میں ہوتا ہے۔

[6] المختصر فی اخبار البشر تاریخ ابوالفداء ج 1 ص 148۔

غزوہ حنین کی ابتدا میں مسلمانوں کی شکست اور آخر میں کامیابی کے اسباب

الف۔ابتدائی مرحلے میں شکست

1۔کثرت سپاہ کی وجہ سے احساس تکبر اور غیبی مدد کی جانب سے غفلت وچشم پوشی۔جس وقت بارہ ہزار افراد پر مشتمل سپاہ اسلام کی شان وشوکت اور طاقت، جناب ابوبکر نے دیکھی تو اسکی کی زبان پر یہ جملہ آہی گیا کہ اب طاقت کی کمی کے باعث اب ہم مغلوب نہ ہوں گے [1]۔

اوراس کے بارے میں قرآن مجید کا ارشاد ہے کہ

لَقَدۡ نَصَرَکُمُ اللّٰهُ فِیۡ مَوَاطِنَ کَثِیۡرَۃٍ ۙ وَّ یَوۡمَ حُنَیۡنٍ ۙ اِذۡ اَعۡجَبَتۡکُمۡ کَثۡرَتُکُمۡ فَلَمۡ تُغۡنِ عَنۡکُمۡ شَیۡئًا وَّ ضَاقَتۡ عَلَیۡکُمُ الۡاَرۡضُ بِمَا رَحُبَتۡ ثُمَّ وَلَّیۡتُمۡ مُّدۡبِرِیۡنَ

--اللہ اس سے پہلے بہت سے مواقع پر تمہاری مدد کر چکا ہے ابھی غزوہ حنین کے روز بھی اس نے تمہاری دستگیری کی جس کی شان تم دیکھ چکے ہو اس روز تمہیں اپنی کثرت تعداد کا غرور تھا مگر وہ تمہارے کچھ کام نہ آئی اور زمین اپنی وسعت کے باوجود تم پر تنگ ہوگئی اور تم پیٹھ دکھا کر بھاگ نکلے--۔[2]

2۔سپاہ اسلام میں اہل مکہ کے دو ہزار ایسے افراد کی موجودگی جو حال ہی میں مسلمان ہوئے تھے ان میں سے بعض منافق تھے اور بعض محض مال غنیمت جمع کرنے کی خاطر سپاہ اسلام کے ساتھ ہو گئے تھے نیز کچھ لوگ بغیر مقصد وارادہ ہی مکہ سے باہر نکل آئے تھے چنانچہ یہی وجہ تھی کہ ابتدائی مرحلے پر جب دشمن کا اچانک حملہ ہوا تو سب سے پہلے جو سر پر پیر رکھ کر بھاگے وہ یہی لوگ تھے [3]۔اور یہی وہ لوگ تھے جنہوں نے سپاہ اسلام پر لعن وطعن شروع کر دی تھی حتی کہ بعض نے تو رسول خدا ﷺ کو قتل کرنے کا ارادہ تک کر لیا تھا[4]۔چنانچہ ایسے عناصر کی ان حرکات کا باقی سپاہ پر اثر انداز ہونا اور ان کی قوت ارادی وحوصلہ مندی میں ضعف آنا طبیعی اور وقدرتی امر تھا۔

3۔دشمن کے سپاہی جس جگہ جمع تھے نیز جہاں دونوں لشکروں کے درمیان معرکہ ہوا اس جگہ کا محل وقوع ،دشمن کا کمین گاہوں ،دروں اور پہاڑی شگافوں پر قبضہ اور اذان فجر کے وقت جبکہ مطلع صاف وروشن نہیں تھا دشمن کا اچانک حملہ وغیرہ ایسے عوامل تھے جن کے باعث مسلمانوں میں یہ قوت فیصلہ سلب ہوگئی کہ وہ کیا اقدام کریں۔

ب: آخری فتح

---

[1] ملاحظہ ہو:المغازی ج3 ص890 والطبقات الکبری ج2 ص150۔

[2] سورہ توبہ آیت25۔

[3] ملاحظہ ہو:المغازی ج3 ص897۔

[4] ملاحظہ ہو:تاریخ یعقوبی ج2 ص62۔

1۔غیبی مدد اور خداوند تعالیٰ کی طرف سے نصرت وکامیابی۔اس کے بارے میں قرآن مجید کا ارشاد ہے

ثُمَّ اَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِیْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِیْنَ وَاَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا وَعَذَّبَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا ؕ وَذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِیْنَ[1]

--پھر اللہ نے اپنا سکون اپنے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اور مومنین پر نازل فرمایا اور وہ لشکر اتارے جو تم کو نظر نہ آتے تھے اور منکرین حق کو سزا دی کہ یہی بدلہ ہے ان لوگوں کے لئے جو حق کا انکار کرتے ہیں---

2۔رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، حضرت علی علیہ السلام اور دیگر ایثار پسند اور جان نثار مردوں نیز عورتوں کی میدان کارزار میں پائداری، اس کے ساتھ ہی میدان جنگ میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سپاہ کو واپس بلانا اور انھیں از سرنو منظم کرنا۔

3۔حضرت علی علیہ السلام کے ہاتھوں دشمن کے پرچمدار اور دیگر مسلمانوں کے ہاتھوں دشمن کے سردار --دُرَید بن صَمَّہ،، کا قتل کیا جانا۔

سوالات

1--صلحنامہ حدیبیہ،، کی شرائط کے مطابق رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قریش کے ساتھ دس سال تک جنگ نہیں کرنی چاہئے تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کس وجہ سے دو سال بعد ہی مکہ پر لشکر کشی کر دی؟

2۔رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب مکہ پر لشکر کشی کی تو اس مہم کو قریش سے پوشیدہ رکھنے کیلئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کیا اقدامات کئے ؟

3۔رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکہ کے نزدیک پہنچنے کے بعد خونریزی اور قریش کے ساتھ تصادم کو روکنے کیلئے کیا اقدامات کئے؟

4۔رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکہ کو فتح کرنے کے بعد جب مشرکین کو قید کر لیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے ساتھ کیا سلوک کیا؟ اور آپؐ کے رویے کا ان پر کیا اثر ہوا؟

5۔غزوہ حنین کا کب اور کس طرح آغاز ہوا؟

6۔غزوہ حنین کی ابتدا میں مسلمانوں کے شکست کا کیا سبب تھا؟

7۔فتح حاصل کرنے کیلئے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت علی علیہ السلام کا کیا کردار رہا؟ اس کی وضاحت کیجئے۔

8۔غزوہ حنین میں مسلمانوں کو ابتداء میں شکست ہوئی اور بعد میں فتح ونصرت سے ہمکنار ہوئے قرآن مجید نے ان واقعات کا کس طرح تجزیہ کیا ہے؟۔

---

[1] سورہ توبہ آیت 26۔

سبق 15:

غزوہ تبوک

غزوہ تبوک [1]

جزیرہ نمائے عرب میں مشرک کے عظیم ترین مرکز کی شکست اور تسخیر کے ساتھ ہی حجاز کے سرداروں نے بھی رسول خدا صلى الله عليه وآله وسلم کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا اور اس طرح جب ملک کی شمالی حدود میں دین اسلام کی اشاعت کے امکانات زیادہ ہو گئے تو رومی حکومت کے ایوانوں میں وحشت و اضطراب کے باعث لرزہ پیدا ہونے لگا اس کی عظیم ترین عسکری طاقت چونکہ انتہائی مرتب و منظم تھی اور جنگوں میں اپنے طاقتور حریف یعنی ملک ایران پر وہ پے در پے فتوحات حاصل کر چکا تھا اسی لئے اسے اپنی طاقت پر ناز و غرور تھا چنانچہ اس طاقت کے زعم میں اس نے فیصلہ کر لیا کہ اپنے اس مسلح و منظم لشکر کے ساتھ مسلمانوں پر حملہ کر دے۔

رسول خدا صلى الله عليه وآله وسلم کو علم ہو گیا کہ شہنشاہ روم --ہرقل-- نے عظیم لشکر جمع کر لیا ہے اور فوجیوں کو انکی ایک سال کی تنخواہ پیشگی ادا کر دی ہے، اس کے ساتھ ہی اس نے سرحدوں پر واقع --لخم--، --جذام--، --غسان-- اور --عاملہ-- نامی علاقے کے لوگوں کو بھی اپنے ساتھ ملا لیا ہے نیز اس کا ہراول دستہ --بلقائ [2] --تک آن پہنچا ہے [3]۔

رسول خدا صلى الله عليه وآله وسلم کو جب یہ اطلاع ملی تو اس وقت موسم انتہائی گرم تھا اور کھجور پک کر اتارنے کے قابل ہو چکی تھی ایک طرف راستے کی دوری اور دوسری طرف سپاہ روم کی کثرت ایسے عوامل تھے جن کے باعث سپاہ کو روانہ کرنا سخت دشوار کام تھا بالخصوص ان واقعات کو مد نظر رکھتے ہوئے جو معرکہ موتہ کے موقع پر پیش آ چکے تھے لیکن ان لوگوں کیلئے جو واقعی مسلمان تھے اسلام کی قدر و قیمت ذاتی آسائش و آرام اور مادی منفعت سے کہیں زیادہ تھی اور وہ اسلام کی فلاح کی خاطر ان کو نظر انداز کر سکتے تھے چنانچہ اس خیال کے پیش نظر رسول خدا صلى الله عليه وآله وسلم نے صحابہ کو جمع کیا اور مختصر طور پر دشمن کے استعداد اور اس کی عسکری بالادستی کے بارے میں مطلع کیا اس کے ساتھ ہی آنحضرت صلى الله عليه وآله وسلم نے لشکر کی تیاری اور روانگی کے لئے سعی و کوشش شروع کر دی [4] چنانچہ قبائل کے درمیان اور مکہ کی جانب رسول

---

[1] یہ جگہ --وادی القری-- اور شام کے درمیان واقع ہے مدینہ سے اس جگہ تک بارہ منزل کا فاصلہ ہے، معجم البلدان ج 2 ص 14-15، مسعودی نے اپنی کتاب التنبیہ والاشراف میں ص 235 پر لکھا ہے کہ مذکورہ بارہ منزلوں کا فاصلہ نوے فرسخ ہے (تقریباً 540 کلومیٹر)۔

[2] یہ جگہ شام اور وادی القری کے درمیان دمشق کے علاقے میں واقع ہے، معجم البلدان ج 1 ص 489۔

[3] ملاحظہ ہو: المغازی ج 3 ص 990۔

[4] علامہ --مفید-- مرحوم نے اپنی کتاب --الارشاد-- میں ص 82 پر لکھتے ہیں کہ --رسول خدا صلى الله عليه وآله وسلم-- کو وحی کے ذریعے علم ہو گیا تھا کہ اس سفر میں جنگ نہیں ہو گی-- اور تلوار چلائے بغیر ہی کام آنحضرت صلى الله عليه وآله وسلم کی مرضی کے مطابق انجام پذیر ہوں گے، سپاہ کو تبوک کی جانب روانہ کئے جانے کا حکم محض مسلمانوں کی آزمائش کی خاطر دیا گیا تھا تا کہ مومن و منافق کی تشخیص ہو سکے، موصوف اپنی کتاب میں دو صفحات کے بعد لکھتے ہیں کہ اگر اس سفر میں جنگ واقع ہوتی اور رسول خدا صلى الله عليه وآله وسلم کو مدد کی ضرورت پیش آتی تو خداوند تعالیٰ کی طرف سے یہ حکم نازل نہ ہوتا کہ آپ صلى الله عليه وآله وسلم حضرت علی علیہ السلام کو مدینہ میں اپنا جانشین مقرر فرمائیں بلکہ انہیں مدینہ ٹھہرانے کی آپ صلى الله عليه وآله وسلم کو اجازت ہی نہیں ملتی۔

خداﷺ کے نمائندے روانہ کئے گئے تاکہ وہ لوگوں کو مقدس جہاد میں شرکت کی دعوت دیں۔[1]

ناسازگار حالات کے باوجود تیس ہزار جنگجو سپاہیوں نے جن میں دس ہزار سوار بھی تھے رسول خداﷺ کی پکار پر لبیک کہا۔[2]

رسول خداﷺ نے جنگ کے اخراجات کیلئے مالدار لوگوں سے کہا کہ سپاہ کی مال و اسلحہ کے ذریعے مدد کریں[3] اس کے علاوہ جب پیغمبر خداﷺ کی طرف سے یہ اعلان کر دیا گیا کہ اس سفر کا مقصد کیا ہے تو مسلمان اس اسلحہ اور ساز و سامان کے ساتھ جو ان کے پاس تھا اسے لے کر بیرکوں میں جمع ہو گئے۔

رسول خداﷺ کے فرمان پر لوگوں کے مختلف موقف

جب ہم تاریخ کی کتابوں کے صفحات اور ان آیات پر نظر ڈالتے ہیں جو اس سلسلے میں نازل[4] ہوئی ہیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ اس غزوہ کے بارے میں مسلمانوں کے افکار و نظریات مختلف و گوناگوں تھے جس کی کیفیت ذیل میں درج ہے۔

1۔ خاص مومن افراد کو (اور اکثریت ان ہی پر مشتمل تھی) جیسے ہی رسول خداﷺ کی دعوت کا علم ہوا تو اس ساز و سامان کے ساتھ جو ان کے پاس موجود تھا رسول خداﷺ کی سپاہ میں شامل ہو گئے۔

2۔ ایک گروہ ایسا بھی تھا جو رسول خداﷺ کے ساتھ جانا تو چاہتا تھا مگر اس کے پاس سواری کے جانور نہ تھے چنانچہ انہوں نے رسول خداﷺ سے کہا کہ اگر سواری کا بندوبست ہو جائے تو وہ چلنے کو تیار ہیں لیکن جب رسول خداﷺ نے کہا کہ سواری کے جانور کا فراہم کرنا تو ممکن نہیں تو ان کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور وہ اشک بار اپنے اپنے گھروں کی طرف واپس چلے گئے۔[5]

3۔ کچھ لوگ ایسے بھی تھے جنہوں نے نہ فقط یہ کہ فرمان رسولﷺ کے سامنے سر نہیں جھکایا بلکہ سپاہ کی روانگی میں جس حد تک ممکن ہو سکتا تھا خلل اندازی سے بھی باز نہ آئے چنانچہ وہ مجاہدین جو جنگ میں شرکت کرنا چاہتے تھے ان سے یہ لوگ کہتے تھے کہ: اس سخت گرمی میں جنگ پر مت جاؤ[6] اس کے علاوہ جو لوگ ان مجاہدین کو مالی مدد دینا چاہتے تھے تو ان کا بھی یہ لوگ مذاق اڑاتے[7] کسی پر ریا کا رہونے کا الزام لگاتے اور کسی کی یہ کہہ کر حوصلہ شکنی کرتے کہ تمہارے پاس سامان سفر بہت کم ہے جنگ پر جا کر کیا کرو گے[8]

4۔ کچھ لوگ ایسے بھی آرام طلب تھے جو جنگ سے فرار کرنے کی غرض سے رسول خداﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور کوئی بے بنیاد بہانہ تراش کر آنحضرتﷺ سے یہ درخواست کرتے کہ انہیں مدینہ میں ہی رہنے دیا جائے[9]

---

[1] ملاحظہ ہو: المغازی ج3 ص990۔

[2] ایضاً ص1002۔

[3] بحار الانوار ج21 ص210۔

[4] سورہ توبہ کی 42 سے 110 تک کی آیات اسی سلسلے میں نازل ہوئی ہیں۔

[5] ملاحظہ ہو: سورہ توبہ کی آیت 92۔

[6] ملاحظہ ہو: سورہ توبہ آیت 81۔

[7] ملاحظہ ہو: سورہ توبہ آیت 79۔

[8] ملاحظہ ہو: تفسیر برہان ج2 ص148۔

[9] سورہ توبہ آیت 49، 90۔

5۔بعض نے سپاہ اسلام کے ساتھ جنگ میں شریک ہونے سے ہچکچاہٹ کا مظاہرہ کیا لیکن تردّد میں ان کی بدنیتی شامل نہیں تھی بلکہ اس کا سرچشمہ جنگ کے معاملے میں ان کی سستی اور غفلت تھی دشمن کے ساتھ جنگ کرنے سے زیادہ انہیں اپنے درختوں اور محصولات کے ساتھ دلچسپی تھی اور یہ کہتے تھے کہ ہم کھجوریں جمع کرنے کے بعد ہی جنگ میں شرکت کریں گے۔[1]

تبوک کی جانب روانگی

منافقین کی ہر قسم کی رخنہ اندازی، افترا پردازی اور منفی پروپیگنڈے کے باوجود رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے حضرت علی علیہ السلام کو مدینہ میں اپنا جانشین مقرر کر دیا اور ماہ رجب سنہ 9 ہجری قمری کو اس عظیم لشکر کے ہمراہ جسے اس دن تک مدینہ میں کسی کی آنکھ نے نہ دیکھا تھا شمال کا طویل اور پر مشقت راستہ اختیار کیا۔

تاریخ کی بعض کتابوں میں درج ہے[2] کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے حضرت علی علیہ السلام کو مدینہ میں اپنا جانشین اسی وجہ سے مقرر کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو عربوں کی بدنیتی کے بارے میں بخوبی علم تھا جن کے ساتھ آپؐ نے جنگ کی تھی اور ان کے بہت سے رشتہ داروں کو تہ تیغ کیا تھا اس کے علاوہ آپؐ مدینہ کے ان منافقین کی کارستانیوں سے بھی بے خبر نہ تھے جنہوں نے کوئی نہ کوئی بہانہ بنا کر اس جنگ میں شرکت کرنے سے اجتناب کیا تھا اور یہ احتمال تھا کہ جب رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کافی عرصے تک مدینہ سے باہر تشریف فرما رہیں گے تو آپؐ کی غیر موجودگی نیز مسلمانوں کی تنہائی کا وہ غلط فائدہ اٹھانا چاہیں گے اور مدینہ پر حملہ کر دیں گے، حضرت علی علیہ السلام کی مدینہ میں موجودگی رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی موجودگی کی طرح دشمنوں کو خوف زدہ رکھنے، ان کی سازشوں کو ناکام بنانے اور مرکزی حکومت کی حفاظت و پاسداری کیلئے اشد ضروری تھی۔

چنانچہ یہی وجہ تھی جب رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے حضرت علی علیہ السلام کو اپنا جانشین مقرر کیا تو اس سلسلے میں آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ:

--انَّ الْمَدِیْنَةَ لَا تَصْلَحُ اِلَّا بِیْ اَوْبِكَ--

--مدینہ میرے یا تمہارے بغیر اصلاح پذیر نہ ہوگا--۔[3]

سپاہ اسلام کے سامنے چونکہ اقتصادی مشکلات، راستے کی دوری، سواری کے جانوروں کی کافی کمی، سخت گرمی، جھلسا دنے والی ہوا کی تپش جیسی مشکلات تھیں اسی لئے اس لشکر کو --جَیشُ العُسرَ ۃ-- کے عنوان سے یاد کیا گیا ہے[4] چنانچہ یہ سپاہ ان تمام سختیوں کو برداشت کرتی ہوئی --تبوک-- نامی مقام پر پہنچ گئی مگر یہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ دشمن کا دور دور تک اتا پتہ نہیں گویا ہرقل کو جب اسلام کی عظیم سپاہ کی روانگی کا علم ہوا تو اس نے عافیت اسی میں سمجھی کہ وہ پسپا ہو کر اپنے ملک کی حدود میں چلا جائے[5] لیکن سپاہ اسلام نے وسیع پیمانے پر انتہائی تیزی کے ساتھ شمالی حدود کے کنارے پہنچ کر اور بیس روز تک وہاں قیام پذیر رہ کر دشمنان اسلام کو بہت سے پند آموز سبق سکھا دیئے جن میں سے چند کا ہم یہاں ذکر کریں گے۔

---

[1] ایضا آیت 118۔

[2] الارشاد، مفید ص 82۔

[3] ایضا ص 83۔

[4] التنبیہ والاشراف ص 235۔

[5] المغازی ج 3 ص 1015۔

1۔روم کی شہنشاہیت اور اسکے دست پروردہ سرحدی نگہبانوں پر اسلام کی طاقت وعظمت قطعی طور آشکار وعیاں ہوگئی اور یہ حقیقت پایہ ثبوت کو پہنچ گئی کہ مسلمانوں کی عظیم عسکری طاقت اس حد تک ہے کہ اگر دنیا کے طاقتور ترین لشکر سے بھی ٹکر لینے کی نوبت آجائے تو اس کا مقابلہ کرنے میں انہیں ذرا بھی باک نہیں چنانچہ یہی وجہ تھی کہ لشکر اسلام کے سرزمین تبوک تک پہنچنے کی اطلاع ملتے ہی بعض سرحدی صوبوں کے فرمانروا رسول خداصلى الله عليه وآله وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اس معاہدے کے ساتھ کہ وہ کسی طرح کا تعرض نہ کریں گے یہ بھی وعدہ کیا کہ ہر سال معقول رقم اسلامی حکومت کو بطور خراج بھی ادا کریں گے۔[1]

2۔مدینہ وتبوک کے راستے پر--دَوْمَۃ الجندل--نامی محکم قلعہ[2] بنا ہوا تھا جس پر--اُکَیدَر--نامی عیسائی بادشاہ کی حکمرانی تھی چونکہ اس کے تعلقات ہرقل کے ساتھ خوشگوار تھے اسی لئے اس کا شمار ان مراکز میں ہوتا تھا جو مسلمانوں کیلئے خطرات پیدا کرسکتے تھے چنانچہ رسول خداصلى الله عليه وآله وسلم نے خالد بن ولید کو تبوک سے چارسو بیس سواروں کے ہمراہ دومۃ الجندل کی جانب روانہ تاکہ وہاں پہنچ کر انہیں غیر مسلح کردے، خالد نے دشمن کو نہتا کرنے کے بعد اس علاقے کے فرمانروا کو گرفتار کرلیا اور اسے مال غنیمت کے ساتھ لے کر رسول خداصلى الله عليه وآله وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا رسول خداصلى الله عليه وآله وسلم نے اسے اس شرط پر آزاد کردیا کہ وہ--جزیہ--ادا کرے گا۔[3]

3۔اس غزوہ کے باعث دین اسلام اور رسول خداصلى الله عليه وآله وسلم کا نام نامی روم کے عیسائیوں کی زبان پر جاری رہنے لگا اور اس کا چرچا تازہ ترین خبر کی طرح ہر جگہ رہتا چنانچہ میدان ایسا ہموار ہوگیا کہ رومی دین اسلام کو عالمی طاقت کی نظر سے دیکھنے لگے۔

4۔جزیرہ نمائے عرب میں وہ عرب ومشرکین جو دین اسلام قبول کرنے کی سعادت سے محروم رہ گئے تھے اب انہیں بھی دین اسلام کی قوت کا پوری طرح اندازہ ہونے لگا تھا اور یہ بات اچھی طرح ان کی سمجھ میں آگئی کہ جب رومیوں کا طاقت ورلشکر اپنے پورے جنگی ساز وسامان کے باوجود لشکر اسلام کا مقابلہ نہ کرسکا تو ایسی زبردست طاقت کے سامنے ان کا سینہ سپر رہنا لاحاصل ہے،ان خیالات کے پیش نظر ان قبائل نے یہ فیصلہ کرلیا کہ اس سے قبل کہ رسول خداصلى الله عليه وآله وسلم ان کی خبر لینے کیلئے آئیں وہ خود ہی اپنے نمائندے رسول خداصلى الله عليه وآله وسلم کی خدمت میں روانہ کردیں اور یا تو دین اسلام قبول کرلیں اور یا پھر ایسا معاہدہ کریں جس کی رو سے وہ اسلامی حکومت کے معاملات میں متعرض نہ ہوں گے اور اسلامی حکومت کے سائے میں ہی رہیں گے[4] چونکہ بیشتر وفد غزوہ تبوک کے بعد سنہ 9 ہجری میں رسول خداصلى الله عليه وآله وسلم کی ملاقات سے مشرف ہوئے[5] اسی وجہ سے سنہ 9 ہجری کو--سَنَۃُ الوُفُود--کہا جانے لگا۔[6]

اس کے علاوہ رومی لشکر مسلمانوں کا مقابلہ کرنے سے پہلے ہی چونکہ فرار کرگیا تھا اس لئے سپاہ کے حوصلے اس واقعے سے بہت

---

[1] ملاحظہ ہو:المغازی ج3 ص1031 وسیرۃ النبویہ ج4 ص169۔

[2] یہ قلعہ شام کے نواح میں تھا جس کا فاصلہ دمشق سے پانچ رات(تقریبا190 کلومیٹر)اور مدینہ تک اس کا سفر تقریباً پندرہ یا سولہ رات(تقریباً570 کلومیٹر)کا تھا۔الطبقات الکبری ج2 ص62 ووفاء الوفاء ج2 ص1213۔

[3] ملاحظہ ہو:المغازی ج3 ص1025 والسیرۃ النبویہ ج4 ص169

[4] محمد بن سعد نے--الطبقات الکبری--کی جلد اول کے صفحات 35۔291 میں لکھا ہے کہ تہتر(73)وفد رسول خداصلى الله عليه وآله وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے چنانچہ ہر وفد کی اس نے علیحدہ خصوصیات بھی بیان کی ہیں۔

[5] ملاحظہ ہو:الکامل فی التاریخ ج3 ص286۔

[6] ملاحظہ ہو:السیرۃ النبویہ ج4 ص205۔

زیادہ بلند ہو گئے چنانچہ مسلمانوں کے روم پر بعد والے حملوں پر اس کے بہت عمدہ اثرات رونما ہوئے۔

پہلا تو یہی کہ: ان کے حوصلے اتنے قوی ہو گئے کہ وہ کسی بھی طاقت کو خاطر میں نہیں لاتے تھے اور شاید اسی حوصلہ کی وجہ سے انہوں نے اپنا اسلحہ فروخت کر دینا چاہا تھا کیونکہ وہ اکثر کہا کرتے تھے کہ --اب جہاد کی ضرورت ہی باقی نہیں رہی ہے-- مگر رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں اس اقدام سے منع فرمایا۔[1]

مدینہ کے رہنے والوں کو جب یہ اطلاع ملی کہ رومیوں پر فتح حاصل ہوئی ہے تو وہ ایسے مسرور ہوئے کہ بقول --بیہقی-- عورتوں بچوں اور نوجوانوں نے یہ ترانے گا کر لشکر اسلام کا استقبال کیا۔

طَلَعَ البَدرُ عَلَینَا من ثَنِیَّاتِ الوَدَاع وَجَبَ الشُّکرُ عَلَینَا مَا دَعَا للهِ دَاع اَیُّھَا المَبعُوثُ فِینَا جِئتَ بِالاَمرِ المُطَاع

--ہم پر ثنیات الوداع سے چودھویں کے چاند نے طلوع کیا جب تک کوئی دعا کرنے والا ہے ہم پر شکر واجب ہے، اے ہم میں مبعوث ہونے والے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ ایسا حکم لے کر آئے ہیں جس کی اطاعت ضروری ہے--۔[2]

دوسرا یہ کہ: مسلمان اتنا طویل پر مشقت سفر کرنے کے باعث چونکہ اس کی مشکلات وخصوصیات سے واقف ہو گئے تھے اسی لئے مستقبل میں شام کو فتح کرنے کا راستہ ان کے لئے ہموار ہو گیا اور شاید یہی وجہ تھی کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت کے بعد دیگر ممالک کو فتح کرنے سے قبل مسلمان شام کو فتح کرنے کی جانب متوجہ ہوئے۔

منافقوں کی رسوائی

غزوہ تبوک --صدر اسلام کی دیگر جنگوں سے زیادہ منافقین کی جولان گاہ اور ان کے خیانت کارانہ ومجرمانہ افعال کی آماجگاہ رہا چنانچہ انہوں نے جتنی بھی بداعمالیاں اور بدعنوانیاں کیں خداوند تعالیٰ نے دوسری جنگوں کے مقابل ان کے اتنے ہی برے ارادوں اور ان کے منافقانہ چہروں کو بے نقاب کیا اور شاید اسی وجہ سے اس غزوہ کو --فاضحہ-- (رسوا کن) کہا گیا ہے۔[3]

اس سے قبل کہ سپاہ اسلام --تبوک-- کی جانب روانہ ہو منافقین نے جو بھی خیانت کاریاں کیں ان کے بعض نمونے اوپر پیش کئے جا چکے ہیں انہوں نے انہی خیانت کاریوں اور اپنی بداعمالیوں پر اکتفا نہ کی بلکہ جتنے عرصے تک لشکر اسلام غزوہ تبوک پر رہا ان کے سازشیں بھی جاری رہیں چنانچہ ذیل میں ہم اس کے چند نمونے پیش کریں گے۔

1۔منافقین کے ایک گروہ نے --سُویلم-- نامی یہودی کے گھر پر میٹنگ کی جس میں انہوں نے اس مسئلے پر غور وفکر کیا کہ جنگی امور اور لشکر کی روانگی میں کس طرح خلل اندازی کی جائے چنانچہ جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان کے ارادے کا علم ہوا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چند لوگوں کو اس کے گھر کی طرف روانہ کیا جنہوں نے اسے نذر آتش کر دیا۔[4]

---

[1] ملاحظہ ہو: الطبقات الکبریٰ ج2 ص167 والمغازی ج3 ص1057۔

[2] السیرۃ النبویہ ابن کثیر ج4 ص41-42۔

[3] ملاحظہ ہو: السیرۃ الحلبیہ ج3 ص129۔

[4] ملاحظہ ہو: السیرۃ النبویہ ج4 ص160۔

2۔جس وقت سپاہ اسلام نے --ثنیۃ الوداع-- نامی جگہ پر پڑاؤ کیا تو منافقین کے سردار عبداللہ ابن ابی نے اپنے ساتھیوں اور یہودی حلیفوں کے ہمراہ کوہ --ذباب-- کے کنارے اپنا خیمہ لگایا اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف اس طرح زہر اگلنا شروع کیا۔

--محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو رومیوں کے ساتھ جنگ کرنے کی سوجھی ہے اور وہ بھی اس جھلس دینے والی گرمی میں اور اتنی دور جا کر۔ ادھر سپاہ اسلام کا یہ حال ہے کہ اس میں جنگ کرنے کی ذرا بھی تاب نہیں، رومیوں کے ساتھ جنگ کرنے کو اس نے کھیل تماشا سمجھ رکھا ہے مجھے تو ابھی یہ نظر آرہا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جتنے بھی ساتھی ہیں سب ہی کل قیدی ہوں گے اور سب کی مشکیں کسی ہوئی نظر آئیں گی --۔

وہ اپنی اس خیانت کارانہ گفتار اور بدکرداری سے چاہتا تھا کہ مسلمانوں کے حوصلے پست کردے اور انہیں اس جہاد مقدس پر جانے سے باز رکھے، مگر اس کہ یہ نیرنگی وحیلہ گری کارگر ثابت نہ ہوئی اور بہت ہی یاس وناامیدی کی حالت میں مدینہ پہنچا۔[1]

3۔سپاہ اسلام کی تبوک کی جانب روانگی اور حضرت علی علیہ السلام کے مدینہ میں قیام سے منافقوں کو اپنی تمام کوششیں ناکام ہوتی نظر آئیں چنانچہ اب وہ اس فکر میں رہنے لگے کہ کس طرح ایسا ماحول پیدا کریں اور اس قسم کی افواہیں پھیلا دیں کہ حضرت علی علیہ السلام مرکزی حکومت سے دور چلے جائیں تا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت علی علیہ السلام کی غیر موجودگی میں پورے اطمینان کے ساتھ اپنی سازشوں کو عملی جامہ پہنا سکیں۔

حضرت علی علیہ السلام نے جب یہ افواہیں سنیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ علیہ السلام کو اپنی سرد مہری اور بے توجہی کی وجہ سے محاذ جنگ پر لے کر نہیں جا رہے ہیں تو آپ علیہ السلام نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر تمام واقعات آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے بیان کئے جنہیں سن کر رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ:

--یہ لوگ جھوٹ بول رہے ہیں میں تو تمہیں اس وجہ سے چھوڑ کر آیا ہو کہ وہاں جو کچھ ہے تم اس کی حفاظت ونگہبانی کرو کیا تمہیں یہ بات پسند نہیں ہے کہ تم میرے لئے ایسے ہی ہو جیسے موسی علیہ السلام کے لئے ہارون علیہ السلام تھے، فرق صرف یہ ہے کہ میرے بعد نبوت کا سلسلہ ختم ہو جائے گا --۔

اس کے بعد رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی علیہ السلام سے ارشاد فرمایا کہ: --آپ علیہ السلام واپس مدینہ چلے جائیں اور اپنے خاندان اور --دارالہجرۃ-- میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جانشین کی حیثیت سے ساتھ مقیم رہیں۔[2]

4۔سپاہ اسلام کے خوف سے لشکر روم کے فرار نیز ان فتوحات کے باعث جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو --تبوک-- میں مقیم رہنے کی دوران حاصل ہوئیں، منافقین کا حسد وکینہ پہلے سے کہیں زیادہ بڑھ گیا اسی لئے جس وقت سپاہ اسلام تبوک سے واپس آرہی تھی تو ان منافقین نے نہایت ہی خطرناک چال چلنے کا فیصلہ کیا، ان کی سازش یہ تھی کہ جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رات کی تاریکی میں بلند درے سے گذریں گے تو منافقین میں سے دس بارہ آدمی[3] آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی گھات میں بیٹھ رہیں تا کہ جیسے ہی آپ کی سواری کا اونٹ اس راستے سے گذرے تو اسے بھڑکا دیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس گہرے درے میں گر کر مارے جائیں۔

---

[1] ملاحظہ ہو: المغازی ج3 ص995۔

[2] ملاحظہ ہو: تاریخ طبری ج3 ص103-104 والسیرۃ الحلبیہ ج3 ص132۔

[3] بعض کتب میں ان کی تعداد چودہ اور پندرہ بھی بتائی گئی ہے (السیرۃ الحلبیہ ج3 ص142۔

لیکن خداوندتعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان کی سازش سے آگاہ کر دیا چنانچہ جب منافقین نے یہ دیکھا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان کی سازش کا علم ہوگیا ہے تو وہ وہاں سے فرار ہوگئے اور اپنے ساتھیوں سے جا ملے اگر چہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سب کو پہچان لیا تھا اور صحابہ نے بھی انہیں قتل کرنے پر اصرار کیا تھا مگر رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں معاف کر دیا۔[1]

5۔منافقین اپنے جرائم کی پردہ پوشی کرنے کیلئے ہمیشہ اس بات کی کوشش کرتے کہ انہیں دین کا لبادہ پہنائے رہیں، مذہب کے پردے میں اپنے ان مجرمانہ افعال کو جاری رکھنے کیلئے انہوں نے محلہ --قبا-- میں مسجد کے نام سے ایک سازشی مرکز قائم کیا تا کہ وہاں سے اپنی سیاسی سرگرمیوں کو جاری رکھ سکیں، رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تبوک کی طرف روانگی سے پہلے انہوں نے مسجد کی تعمیر شروع کی اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے بارے میں مطلع بھی ہوئے اور جس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم واپس تشریف لا رہے تھے تو مدینہ کے نزدیک قاصد غیب وحی لے کر نازل ہوا اور آیات قرآنی کے ذریعہ مسجد بنانے والوں کے گمراہ کن ارادوں سے مطلع کر دیا[2] رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم صادر فرمایا کہ اس مسجد کو آگ لگا کر خاکستر کر دیں اور جو کچھ وہاں ہے اسے تباہ و برباد کر دیں اور اس جگہ کو گندگی کے ڈھیر کے طور پر استعمال کریں۔[3]

غزوہ تبوک میں مسلمانوں کی فتح اس جنگ کے بارے میں منافقین کے تمام تجزیوں اور اندازوں کا بطلان، جنگ کے دوران ان کی سازشوں کی ناکامی، مسجد ضرار کی ویرانی، اسلام دشمن عناصر کے چہروں پر سے ریا اور نفاق کی نقاب کشائی اور آیات قرآنی[4] میں ان کی خصوصیات کی نشاندہی کے باعث کفر کے پیکر پر پے در پے ایسی سخت ضربات لگیں کہ اس کا سر کچل کر رہ گیا اور وہ خیانت کار خطرناک گروہ جو اسلامی معاشرے میں پل رہا تھا منہ کے بل گرا اور وہ لوگ جو محاذ نفاق کی جانب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف نبرد آزمائی کر رہے تھے سخت مایوسی و ناامیدی کے شکار ہوئے چنانچہ مسلسل ناکامیوں اور نامرادیوں کا ہی نتیجہ تھا کہ منافقین کا سرغنہ --عبداللہ بن ابی-- غزوہ تبوک کے ایک ماہ بعد ہی بیمار پڑ گیا اور غموں میں گھل گھل کر مر گیا۔[5]

مشرکین سے بیزاری

سنہ 9 ہجری کے اواخر میں زمانہ حج کے شروع ہونے سے قبل قاصد پیغام وحی نے سورہ توبہ کی چند ابتدائی آیات رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پڑھ کر سنائیں ان آیات میں خدا اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مشرکین سے بیزاری، مسلمانوں کے ساتھ ان سے قطع تعلق اور ان معاہدوں کو منسوخ کرنے کی ہدایت کی گئی جو مسلمانوں نے ان کے ساتھ کئے تھے۔

حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پہلے تو حضرت ابوبکر کو امیر حج مقرر کر کے انہیں یہ ہدایت فرمائی کہ مشرکین تک سورہ توبہ کی آیات پہنچا دیں لیکن جب وہ روانہ ہوگئے تو دوبارہ فرشتہ وحی نازل ہوا اور یہ پیغام سنایا کہ اس کام کو پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یا خاندان رسالت کے کسی فرد

---

[1] ملاحظہ ہو: السیرۃ الحلبیہ ج3 ص142 والمغازی ج3 ص1042-1045۔

[2] ملاحظہ ہو: السیرۃ الحلبیہ ج3 ص142 والمغازی ج3 ص1042-1045۔

[3] ملاحظہ ہو: سورہ توبہ کی آیات 107 سے 110 تک، خداوندتعالیٰ نے اس مسجد کو مسجد ضرار کے عنوان سے یاد کیا ہے اور اس مرکز کے قائم کئے جانے کا سبب مسلمانوں کو زک پہنچانا کفر کی بنیادوں کو محکم کرنا اور مسلمانوں کی صفوں میں تفرقہ ڈالنا بیان کیا ہے اور اسے دشمنان رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مرکز سے تعبیر کیا ہے۔

[4] ملاحظہ ہو: السیرۃ النبویہ ج4 ص173 و بحارالانوار ج21 ص252-255۔

[5] سورہ توبہ کی آیات 42 سے 110 تک ان منافقین کی خیانت کاریوں اور سازشوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے جو جنگ تبوک کے دوران اپنی سازشوں میں سرگرم عمل تھے، مذکورہ آیات میں خداوندتعالیٰ کی طرف سے ان کی ذہنی کیفیات و خصوصیات بیان کی گئی ہیں۔

کے علاوہ کوئی دوسرا فرد انجام نہیں دے سکتا[1] چنانچہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی علیہ السلام کو بلایا اور انہیں مشرکین تک ان آیات کو پہنچانے کی ذمہ داری سونپی۔

حضرت علی علیہ السلام راستے میں ہی حضرت ابوبکر سے جا ملے اور ان سے فرمایا کہ یہ آیات مجھے دیں، حضرت علی علیہ السلام مذکورہ آیات کو لے کر خود مکہ کی جانب روانہ ہوئے جب مناسک حج کا زمانہ آگیا تو آپ علیہ السلام نے مسلمانوں اور کفار کے مجمع کثیر میں آیات تلاوت فرمائیں اور اس کے ساتھ ہی رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پیغام بھی پہنچا دیا اس پیغام میں جو باتیں کہی گئی تھیں وہ یہ ہیں کہ:[2]

1۔ کافر جنت میں داخل نہ ہوں گے۔

2۔ آئندہ مشرکین کو مکہ میں داخل ہونے اور مناسک حج ادا کرنے کی اجازت نہیں دی جائے گی۔

3۔ آئندہ کسی شخص کو یہ اجازت نہیں ہوگی کہ وہ برہنہ خانہ کعبہ کا طواف کرے۔

4۔ جن لوگوں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کوئی معاہدہ کیا ہوا ہے وہ تو مدت معینہ تک معتبر و قابل عمل ہے لیکن جن کے ساتھ کوئی معاہدہ نہیں کیا گیا ہے انہیں چار ماہ کی مہلت دی جاتی ہے کہ وہ اس عرصے میں اپنے معاہدے کے بارے میں غور کریں اور جب یہ عرصہ گزر جائے تو کسی بھی مشرک کے ساتھ عہد و پیمان نہ کیا جائے گا۔[3]

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو یہ صریح و قطعی اقدام کیا اس کی شاید وجہ یہ تھی کہ اس وقت سے جب کہ یہ پیغام مشرکین کو پہنچایا گیا نزول رسالت تک تقریباً بائیس (22) سال کا عرصہ گزر چکا تھا اور اس طویل عرصے میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تمام تر سعی و کوشش یہ رہی کہ مشرکین راہ راست پر آجائیں چنانچہ اس کے بعد کسی شک کی گنجائش نہیں رہتی کہ بت پرستوں کے شرک اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ جنگ و جدال کی اصل وجہ ان کی ضد اور ذاتی دشمنی تھی اور اب اس چیز کی سخت ضرورت تھی کہ اسلامی معاشرہ جس قدر جلد ہو سکے ایسے عناصر سے پاک ہو جائے اگر کسی زمانے میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سیاسی حالات کے تحت مجبور ہو کر مشرکین کے ساتھ معاہدہ صلح کیا تھا تو اب جبکہ تمام علاقہ دین اسلام کے تحت اثر آچکا تھا اور اس نے صرف اندرونی ہی نہیں بلکہ بیرونی محاذوں پر بھی عظیم ترین فتح حاصل کر لی تھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے ایسے عناصر کو اسلامی معاشرے کے اندر برداشت کرنا ضروری نہیں تھا جو توہمات و خرافات اور خلل اندازی کے پردے میں زمین پر فساد بپا کئے رہیں، انہیں چار ماہ کی مہلت اس لئے دی گئی تھی کہ انہیں اپنے بارے میں سوچنے کیلئے کافی وقت مل سکے اور اپنے توہمات و خرافات سے دست بردار ہونے کے بارے میں غور و فکر کر سکیں۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قطعی فیصلہ سورہ توبہ کی آیات کا نزول اور مشرکین کے مقابل رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جراتمندانہ مگر انسان دوستی پر مبنی اقدام بالخصوص چار ماہ کی مہلت، اس امر کے باعث ہوئے کہ وہ اپنے بارے میں سوچیں اور موقع سے فائدہ اٹھائیں، اس کے ساتھ ہی دین اسلام کی آسمانی تعلیمات اور اپنے خرافات مبنی طور پر طریقے کے بارے میں غور و فکر کرنے کے بعد دین اسلام کی آغوش میں چلے جائیں۔

---

[1] رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ماہ رمضان میں مدینہ واپس تشریف لائے، عبداللہ بن ابی ماہ شوال میں بیمار ہوا اور ماہ ذی القعدہ میں مرگیا، ملاحظہ ہو: المغازی ج 3 ص 1057-1056۔

[2] لَا يُؤَدِّيْ عَنْكَ اِلَّا اَنْتَ اَوْ رَجُلٌ مِنْكَ۔

[3]

سوالات

1۔ جس وقت رسول خدا ﷺ نے رومیوں سے جنگ کیلئے سپاہ روانہ کرنے کا اقدام کیا تو آنحضرت ﷺ کو کیا مشکلات اور دشواریاں پیش آئیں؟

2۔ جب رسول خدا ﷺ نے مسلمانوں کو رومیوں کے ساتھ جنگ کرنے کی دعوت دی تو ان کی طرف سے کیا ردعمل ظاہر ہوا؟

3۔ رسول خدا ﷺ جب غزوہ تبوک پر تشریف لے جا رہے تھے تو آنحضرت ﷺ نے مدینہ میں کسے اپنا جانشین مقرر فرمایا اور اس شخص کے انتخاب کئے جانے کا کیا سبب تھا؟

4۔ اگرچہ غزوہ تبوک کے موقع پر جنگ تو نہیں ہوئی مگر اسلام دشمنوں نے اس سے کچھ سبق ضرور حاصل کئے ان کے بارے میں لکھئے وہ کیا تھے؟

5۔ غزوہ تبوک کا مسلمانوں کے دل و دماغ پر کیا اثر ہوا؟

6۔ غزوہ تبوک کے موقع پر منافقین نے جو ریشہ دوانیاں کیں اس کے دو نمونے پیش کیجئے۔

7۔ غزوہ تبوک کو۔۔فاضحہ۔۔کس وجہ سے کہا گیا؟ وضاحت کیجئے۔

8۔ سورہ توبہ کی ابتدائی آیات ہجرت کے کس سال رسول خدا ﷺ پر نازل ہوئیں اور آنحضرت ﷺ نے کس شخص کے ذریعے انہیں مشرکین تک پہنچایا؟

9۔ سورہ توبہ کے علاوہ بھی کیا رسول خدا ﷺ کی طرف سے کوئی پیغام مشرکین کو بھیجا گیا تھا؟ وہ کیا پیغام تھا اس کے بارے میں لکھئے۔

10۔ کیا سورہ توبہ کی ابتدائی آیات اور اس کا مفہوم جو حضرت علی علیہ السلام کی جانب سے مشرکین کو بھیجا گیا تھا، ان پر کسی عقیدے کو مسلط کرنے اور ان کی آزادی سلب کرنے کے مترادف ہے یا نہیں؟، اس کی وضاحب کیجئے۔

سبق 16:

حجۃ الوداع، جانشین کا تعین اور رحلت پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

حجۃ الوداع

اسلام کے ہاتھوں تبوک میں سلطنت روم کی سیاسی شکست، جزیرہ نمائے عرب میں شرک و بت پرستی کی بیخ کنی [1] اور مشرکین کے نہ صرف مناسک حج میں شرکت کرنے بلکہ مکہ میں داخل ہونے پر مکمل پابندی کے بعد جب زمانہ حج نزدیک آیا تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مامور کیا گیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بذات خود ہجرت کے دسویں سال میں مناسک حج ادا کریں تاکہ اسلام کی طاقت کو اور زیادہ نمایاں کرنے کے ساتھ عہد جاہلیت کے آداب و رسوم کو ترک کرنے اور سنت ابراہیمی کے اصول کے تحت حج کی بجا آوری بالخصوص مستقبل میں مسئلہ قیادت اسلام کے بارے میں براہ راست مسلمانوں کو ہدایت فرمائیں تاکہ سب پر حجت تمام ہو جائے۔ [2]

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو وحی کے ذریعے اس کام پر مامور کیا گیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام مسلمانوں کو حج بیت اللہ پر چلنے کے لئے آمادہ کریں اور انہیں اس عظیم اسلامی اجتماع میں شرکت کرنے کی دعوت دیں چنانچہ اس بارے میں خداوند تعالیٰ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے کہ:

وَاَذِّنۡ فِى النَّاسِ بِالۡحَجِّ يَاۡتُوۡكَ رِجَالًا وَّعَلٰى كُلِّ ضَامِرٍ يَّاۡتِيۡنَ مِنۡ كُلِّ فَجٍّ عَمِيۡقٍ

--اور لوگوں کو حج کیلئے دعوت عام دو کہ وہ تمہارے پاس ہر دور دراز مقام سے پیدل اور سواری پر آئیں تاکہ وہ فائدے دیکھیں جو یہاں ان کیلئے رکھے گئے ہیں-- [3]

جس وقت یہ اعلان کیا گیا اگرچہ اس وقت مدینہ اور اس کے اطراف میں چیچک کی وبا پھیلی ہوئی تھی اور بہت سے مسلمان اس مرض کی وجہ سے ارکان حج ادا کرنے کیلئے شرکت نہیں کر سکتے تھے [4] مگر جیسے ہی انہوں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ پیغام سنا مسلمان دور و نزدیک سے کثیر تعداد میں مدینہ کی جانب روانہ ہو گئے تاکہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مناسک حج ادا کرنے کا فخر حاصل کر سکیں، مورخین نے ان کی تعداد چالیس ہزار سے ایک لاکھ چوبیس ہزار تک اور بعض نے اس سے بھی زیادہ لکھی ہے۔ [5]

---

[1] بعض مورخین نے لکھا ہے کہ جزیرہ نمائے عرب میں بت پرستی کا قلع قمع ہجرت کے دسویں سال کے وسط میں ہو گیا تھا، ملاحظہ ہو: فروغ ابدیت ج 2 ص 809۔

[2] شاید اسی وجہ سے اسے --حِجَّۃُ البَلاغ-- کہا گیا ہے۔

[3] سورہ حج آیت 27 اس بنا پر کہ اس آیت کے مخاطب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہوں ملاحظہ ہو مجمع البیان ج 7-8 ص 80۔

[4] ملاحظہ ہو: السیرۃ الحلبیہ ج 3 ص 257۔

[5] یہ تعداد چالیس ہزار، ستر ہزار نوے ہزار ایک لاکھ بیس ہزار اور ایک لاکھ چوبیس ہزار تک درج ہے اور یہ تعداد ان لوگوں کے علاوہ ہے جو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ سفر میں شامل ہوئے تھے اور ان میں اہل مکہ بھی شامل نہیں ملاحظہ ہو: السیرۃ الحلبیہ ج 3 ص 257 والغدیر ج 1 ص 9۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابودجانہ کو مدینہ میں اپنا جانشین مقرر فرمایا اور ہفتہ کے دن بتاریخ پچیس ذی القعدہ [1] مکہ کی جانب روانہ ہوئے اس سفر میں مسلمانون کا ذوق وشوق اس قدر زیادہ تھا کہ ان میں سے کثیر تعداد نے مدینہ ومکہ کے درمیان کا فاصلہ پیدل چل کر طے کیا۔[2]

یہ قافلہ دس روز بعد منگل کے دن (8) بتاریخ چہارم ذی الحجہ [3] مکہ میں داخل ہوا۔[4] جہاں اس نے عمرہ کے ارکان ادا کئے۔

آٹھ ذی الحجہ تک مسلمانوں کی دوسری جماعت بھی مکہ پہنچ گئی جس میں حضرت علی علیہ السلام اور آپ علیہ السلام کے وہ ساتھی بھی شامل تھے جو اس وقت آپ علیہ السلام یمن کے دورے پر تشریف لے گئے تھے۔[5]

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس عظےم اسلامی اجتماع میں سنت ابراہیمی کے مطابق مناسک حج ادا کرنے کی تعلیم دینے کے ساتھ یہ بھی ہدایت فرمائی کہ کس طرح صحیح طور پر ارکان حج پر عمل پیرا ہوں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے --مکہ--،--منی--اور میدان--عرفات--میں مختلف مواقع پر خطاب فرما کر آخری مرتبہ مسلمانوں کو پند ونصائح اور ارشادات عالیہ سے نوازا[6] ان تقاریر میں آپؐ نے انہیں یہ نصیحت فرمائی کہ لوگوں کے جان ومال کی حفاظت کریں، قتل نفس کی حرمت کا خیال رکھیں، سود کی رقم کھانے، دوسروں کا مال غصب کرنے سے بچیں، دور جاہلیت میں جو خون بہایا گیا تھا اس سے چشم پوشی کو ہی بہتر سمجھیں، کتاب اللہ پر سختی سے عمل پیرا ہوں، ایک دوسرے کے ساتھ برادرانہ سلوک کریں، نیز استقامت وپائیداری کے ساتھ احکام الٰہی وقوانین دین مقدس اسلام پر کاربند رہیں، اس ضمن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مزید ارشاد فرمایا کہ: حاضرین ان لوگوں کو جو یہاں موجود نہیں ہیں یہ پیغام دیں کہ میرے بعد کوئی نبی وپیغمبر نہیں ہوگا اور تمہارے بعد کوئی امت نہ ہوگی [7] آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بات تاکید سے کہی کہ: اے لوگو میری بات کو اچھی طرح سے سنو اور اس پر خوب غور وفکر کرو کیونکہ یہ ممکن ہے کہ اس کے بعد یہ موقع نہ ملے کہ میری تم سے ملاقات ہوسکے [8] چنانچہ ان الفاظ کے ذریعے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لوگوں کو مطلع کر رہے تھے کہ وقت رحلت نزدیک آگیا ہے اور شاید اسی وجہ سے اس حج کو--حجۃ الوداع--کے عنوان سے یاد کیا جاتا ہے۔

جانشین کا تعین

مناسک حج مکمل ہوگئے اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم واپس مدینہ تشریف لے آرہے تھے لیکن جو فرض آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر واجب تھا وہ ابھی پورا نہیں ہوا تھا، مسلمانوں نے یہ سمجھ کر کہ کام انجام پذیر ہوچکا ہے اور ہر شخص نے اس سفر سے معنوی فیض کسب کرلیا ہے اب ان کے دلوں میں یہی تمنا تھی کہ جس قدر جلد ہوسکے تپتے ہوئے بے آب وگیا صحرا اور ویراں ریگزاروں کو پار کرکے واپس اپنے وطن پہنچ جائیں لیکن

---

[1] بحار الانوار ج21 ص384، المغازی ج3 ص1089 والارشاد ص91۔

[2] ملاحظہ ہو: الارشاد ص91۔

[3] بحار الانوار ج21 ص389-390۔

[4] الغدیر ج1 ص10۔

[5] بحار الانوار ج12، ص391۔ الارشاد ص92۔

[6] ملاحظہ ہو: السیرۃ المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ص688-689۔

[7] رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس خطبے کے متعلق مزید معلومات کے لئے ملاحظہ ہوں: بحار الانوار ج21 ص380 وتاریخ یعقوبی ج2 ص109-112۔

[8] السیرۃ النبویہ ج4 ص250-251۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چونکہ اپنی عمر عزیز کے تیئیس سال، اول سے آخر تک رنج وتکالیف میں گزار کر آسمانی دین یعنی دین اسلام کی اشاعت وترویج کے ذریعے انسانوں کو پستی وگمراہی اور جہالت ونادانی کی دلدل سے نکالنے میں صرف کئے تھے اور آپؐ اپنے اس مقصد میں کامیاب بھی ہوئے کہ پراکندہ انسانوں کو ایک پرچم کے نیچے جمع کرلیں اور انہیں امت واحد کی شکل میں لے آئیں انہیں اب دوسرا خیال درپیش تھا، اب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے اسلام کے مستقبل اور قیادت کا مسئلہ تھا بالخصوص اس صورت میں جبکہ آپؐ کے روبرو یہ حقیقت بھی تھی کہ اس پرافتخار زندگی کے صرف چندروز ہی باقی رہ گئے ہیں۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہرشخص سے زیادہ اپنے معاشرے کی سیاسی، معاشرتی، اجتماعی اور ثقافتی وضع وکیفیت سے واقف تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس بات کا بخوبی علم تھا کہ آسمانی تعلیمات، آپؐ کی دانشورانہ قیادت ورہبری اور حضرت علی علیہ السلام جیسے اصحاب کی قربانی کے باعث قبائل کے سردار واشراف قریش اسلام کے زیر پرچم جمع ہوگئے ہیں لیکن ابھی تک بعض کے دل ودماغ مکمل طور پر تسلیم حق نہیں ہوئے اور وہ ہر وقت اس فکر میں رہتے ہیں کہ کوئی موقع ملے اور وہ اندر سے اس دین پر ایسی کاری ضرب لگائیں کہ بیرونی طاقتوں کیلئے اس پر حملہ کرنے کیلئے میدان ہموار ہوجائے۔

(اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ)[1] کے مصداق کوئی ایسا ہی لائق اور باصلاحیت شخص جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مقرر کردہ شرائط کو پورا کرسکے، دین اسلام کو حد کمال تک پہنچا سکتا ہے نیز امت مسلمہ کی کشتی کو اختلافات کی تلاطم خیز لہروں سے نکال کر نجات کے ساحل کی طرف لے جاسکتا ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اگرچہ جانتے تھے کہ امت مسلمہ میں وہ کون شخص ہے جو آپؐ کی جانشینی اور مستقبل میں اس امت کی رہبری کیلئے مناسب وموزوں ہے اور خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کتنی ہی مرتبہ مختلف پیرائے میں یہ بات لوگوں کے گوش گذار بھی کردی تھی لیکن ان حقائق کے باوجود اس وقت کے مختلف حالات اس امر کے متقاضی تھے کہ جانشینی کیلئے خداوند تعالیٰ کی طرف سے واضح وصریح الفاظ میں جدید حکم نازل ہو، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ بات بھی خوب جانتے تھے کہ اس معاملے میں اللہ تعالیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدد بھی فرمائے گا۔ کیونکہ رسالت کی طرح مقام خلافت وامامت بھی ایک الٰہی منصب ہے اور حکمت الٰہی اس امر کی متقاضی ہے کہ اس منصب کیلئے کسی لائق شخص کو ہی منتخب کیا جائے لیکن اس کے ساتھ ہی رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خدشہ بھی لاحق تھا کہ اگر یہ عظیم اجتماع پراکندہ ہوگیا اور ہر مسلمان اپنے اپنے وطن چلا گیا تو پھر کبھی ایسا موقع نہ مل سکے گا کہ کسی جانشین کے مقرر کئے جانے کا اعلان ہوسکے اور آپؐ کا پیغام لوگوں تک پہنچ سکے۔

قافلہ اپنی منزل کی جانب رواں دواں تھا کہ بتاریخ 18 ذی الحجہ --جحفہ-- کے نزدیک --غدیر خم-- پر پہنچا اور یہ وہ جگہ ہے جہاں سے مدینہ، مصر اور عراق کی جانب جانے والی راہیں ایک دوسرے سے جدا ہوتی ہیں، اس وقت فرشتہ وحی نازل ہوا اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جس پیغام کی توقع تھی اسے اس نے ان الفاظ میں پہنچا دیا:

يٰۤاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ۚ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ ۚ وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ۚ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ[2]۔

---

[1] آج میں نے تمہارے لئے تمہارے دین کو مکمل کردیا ہے سورہ مائدہ آیت 3۔

[2] سورہ مائدہ آیت 67۔

--اے پیغمبرصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو کچھ تمہارے رب کی طرف سے تم پر نازل کیا گیا ہے اسے لوگوں تک پہنچا دو، اگر تم نے ایسا نہ کیا تو تم نے اس کی پیغمبری کا حق ادا نہیں کیا اللہ تم کو لوگوں کے شر سے بچائے گا اور خدا کافروں کو ہدایت نہیں کرتا--۔

گرمی سخت تھی اور کافی طویل قافلہ زنجیر کے حلقوں کی مانند پیوستہ اپنی منزل کی جانب گامزن تھا، رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم سے یہ قافلہ رک گیا اور سب لوگ ایک جگہ جمع ہو گئے اور یہ جاننے کے متمنی تھے کہ کون سا اہم واقعہ رونما ہونے والا ہے۔

رسو۔ل خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پہلے تو نماز ظہر کی امامت فرمائی اور اس کے بعد ایک (منبر نما) اونچی جگہ پر جو اونٹ کے کجاوؤں سے بنائی گئی تھی تشریف فرما ہوئے اس موقع پر آپ نے مختلف مسائل کے بارے میں تفصیلی خطبہ دیا اور ایک بار پھر لوگوں کو یہ نصیحت فرمائی کہ کتاب اللہ اور اہلبیت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پوری دیانتداری کے ساتھ پیروی کریں کیونکہ یہی دونوں --متاع گرانمایہ--یعنی بیش قیمت اثاثے ہیں، اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اصل مقصد کی جانب توجہ فرمائی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی علیہ السلام کا دست مبارک اپنے دست مبارک میں لے کر اس طرح بلند کیا کہ سب لوگوں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نیز حضرت علی علیہ السلام کو ایک دوسرے کے دوش بدوش دیکھا چنانچہ انہوں نے سمجھ لیا کہ اس اجتماع میں کسی ایسی بات کا اعلان کیا جائے گا جو حضرت علی علیہ السلام کے متعلق ہے۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجمع سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

--اے مومنو تم لوگوں میں سے کونسا شخص خود ان سے زیادہ اَولی اور ان کی جانوں کا زیادہ حق دار ہے؟--مجمع نے جواب دیا کہ خدا اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی بہتر جانتے ہیں۔

اس پر رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:--میرا مولا خدا ہے اور میں مومنین کا مولا ہوں میں خود ان سے زیادہ اَولی اور ان کی جانوں پر تصرف کا زیادہ حق رکھتا ہوں اور سب پر مجھے فضیلت حاصل ہے اور جس کا مولا میں ہوں یہ علی علیہ السلام بھی اس کے سردار اور مولا ہیں، اے خداوندا جو علی علیہ السلام کے دوست ہوں انہیں تو عزیز رکھ اور جو علی علیہ السلام کے دشمن ہوں تو ان کے ساتھ دشمنی کر، علی علیہ السلام کے دوستوں کو فتح و نصرت عطا فرما اور دشمنان علی علیہ السلام کو ذلیل و خوار کر--۔ [۱]

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خطبہ ختم ہو جانے کے بعد مسلمان حضرت علی علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے مقام خلافت و قیادت تفویض کئے جانے پر انہوں نے آپ علیہ السلام کو مبارک باد پیش کی اور آپ علیہ السلام سے امیر المومنین اور مولائے مسلمین کہہ کر ہمکلام ہوئے، خداوند تعالیٰ نے بھی حضرت جبرئیل علیہ السلام کو بھیج کر اور مندرجہ ذیل آیت نازل فرما کر لوگوں کو اس نعمت عظمی کی بشارت اور مبارک باد دی۔

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا۔ [۲]

--آج میں نے تمہارے دین کو تمہارے لئے مکمل کر دیا ہے اور اپنی نعمت تم پر تمام کر دی ہے اور تمہارے لئے اسلام کو دین کی

---

[۱] مَنْ كُنْتُ مَوْلَاهُ فَهٰذَا عَلِيٌّ مَوْلَاهُ اَللّٰهُمَّ وَآلِ مَنْ وَالَاهُ وَعَادِ مَنْ عَادَاهُ وَانْصُرْ مَنْ نَصَرَهُ وَاخْذُلْ مَنْ خَذَلَهُ۔

[۲] سورہ مائدہ آیت 3۔

حیثیت سے پسند فرمایا ہے--[1]۔

اس روز (18 ذی الحجہ) سے مسلمان اور حضرت علی علیہ السلام کے پیروکار --عید غدیر-- کے نام سے ہر سال جشن مناتے ہیں اور اس عید کا شمار اسلام کی عظیم عیدوں میں ہوتا ہے۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آخری عسکری کوشش

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم --حجۃ الوداع-- سے واپس آنے کے بعد خداوند تعالیٰ کی طرف سے عائد کردہ دو اہم فرائض (فریضہ حج اور حضرت علی علیہ السلام کی جانشینی کے اعلان) کو انجام دینے کے بعد اگرچہ بہت زیادہ اطمینان محسوس کر رہے تھے لیکن اس کے باوجود آپؐ کی دوررس نگاہیں دیکھ رہی تھیں کہ ابھی امت مسلمہ کے سامنے ایسے مسائل ہیں جن کی وجہ سے وہ فتنہ وفساد سے دوچار رہے گی چنانچہ یہی فکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیلئے تشویش خاطر کا باعث تھی۔

سنہ 11 ہجری کے اوائل میں جب کچھ لوگوں نے یہ خبر سنی کہ سفر کی وجہ سے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طبیعت ناساز ہے تو انہوں نے نبوت کا دعویٰ کر کے فتنہ وغوغا برپا کر دیا، چنانچہ --مُسیلمہ-- نے --یمامہ-- میں --اسود عنسی-- نے --یمن-- میں اور --طلیحہ-- نے --بنی اسد-- کے علاقوں میں لوگوں کو فریب دے کر گمراہ کرنا شروع کر دیا۔[2]

مسیلمہ نے تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خط بھی لکھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا کہ اسے بھی امر نبوت میں شریک کر لیا جائے۔[3]

دوسری طرف ان لوگوں کو، جو کل تک کافر اور آج منافق تھے اور جن کے دلوں میں پہلے سے ہی اسلام کے خلاف بغض وکینہ بھرا ہوا تھا، جب یہ معلوم ہوا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی علیہ السلام کے پیشوائے اسلام اور جانشین پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہونے کا اعلان کر دیا ہے تو ان کا غصہ پہلے سے کہیں زیادہ ہوگا چنانچہ جب انہیں یہ علم ہوا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طبیعت ناساز ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت عنقریب ہی واقع ہونے والی ہے تو ان کا جوش وخروش کئی گنا زیادہ ہو گیا۔

ان واقعات کے علاوہ مشرقی روم کی مغرور وخودسر حکومت اور اس کی نوآبادیات کو مسلمانوں کے ساتھ چند مرتبہ نبرد آزمائی کرنے کے بعد ان کی طاقت کا اندازہ ہو گیا تھا اور ان سے کاری ضربیں کھا چکے تھے اسی لئے ان کا وجود مدینہ کی حکومت کے لئے خطرہ بنا ہوا تھا کیونکہ سیاسی عوامل سے قطع نظر اس خاص مذہبی حساسیت کے باعث بھی جو عیسائی سربراہوں کے دلوں میں اسلام کے خلاف تھی شمالی سرحدوں پر ہمیشہ ناامنی سایہ فگن تھی۔

ان حالات میں بقول پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم --فتنے وفسادات سیاہ رات کی طرح یکے بعد دیگرے اسلامی معاشرے پر چھانے شروع ہو گئے ہیں--۔[4]

چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے خاتمہ کیلئے بعض آخری اور انتہائی اقدامات بھی کئے۔

---

[1] ملاحظہ ہو: الغدیر ج1 ص9-11۔

[2] ملاحظہ ہو: تاریخ طبری ج3 ص184-185۔

[3] ایضا ص146۔

[4] اَقبَلَت اَلفِتَنُ کَقطَعِ اللَّیلِ المُظلِم یَتبَعُ اَوَّلُہَا آخِرُہَا۔ الارشاد ص97۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے --یمن-- اور --یمامہ-- میں اپنے گورنروں اور قبیلہ بنی اسد کے درمیان موجود اپنے نمائندے کو حکم دیا کہ نبوت کے دعویداروں کی شورش کو دبا دیں، اس کے علاوہ یہ حکم بھی صادر فرمایا کہ --اسامہ بن زید-- نامی اٹھارہ یا انیس [1] سالہ سپہ سالار کی زیر قیادت طاقتور سپاہ تیار کی جائے چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت اسامہ کی تحویل میں پرچم دینے کے بعد فرمایا کہ پوری امت مسلمہ کے ساتھ جس میں مہاجر وانصار شامل ہوں بلادروم میں اپنے والد --زید بن حارثہ-- کی شہادت گاہ کی جانب روانہ ہوں [2]

حضرت اسامہ کے سپہ سالار مقرر کرنے کی وجہ ان کی مہارت ولیاقت کے علاوہ یہ بھی ہوسکتی تھی کہ:

1۔ یہ عمل آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جانب سے ان خرافات کے خلاف عملی جدوجہد تھی جو دور جاہلیت سے بعض صحابہ کے ذہنوں میں سمائی ہوئی تھیں کیونکہ ان کی نظر میں کسی مقام ومرتبہ کے حصول کا معیار یہی تھا کہ صاحب جاہ ومرتبہ معمر شخص ہو اور کسی قبیلے کے سردار سے وابستہ شخص ہی اس کا حقدار ہوسکتا ہے۔

2۔ حضرت زید ابن حارثہ کی شہادت چونکہ رومیوں کے ہاتھوں ہوئی تھی اسی لئے ان کے دل میں رومیوں کے ساتھ جنگ کرنے کا جوش وولولہ بہت زیادہ تھا، رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ کوشش تھی کہ ان کے اس جوش وولولے میں مزید شدت اور حدت پیدا ہو چنانچہ اسی وجہ سے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سپہ سالاری کی ذمہ داری ان کو دی تو اس کے ساتھ یہ بھی ارشاد فرمایا کہ --اپنے باپ کی شہادت گاہ کی جانب روانہ ہو--۔ [3]

3۔ اگر اس وقت کے حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے سپاہ کی قیادت مہاجر وانصار میں سے کسی معمر شخص کی تحویل میں دے دی جاتی تو اس بات کا امکان تھا کہ وہ شخص اس عہدے سے سوء استفادہ کرتا اور اسی وجہ سے خود کو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خلیفہ وجانشین سمجھنے لگتا لیکن حضرت اسامہ کی یہ حیثیت نہیں تھی اور ان کے خلیفہ بننے کا کوئی امکان بھی نہیں تھا۔

حضرت اسامہ نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کے مطابق --جُرف-- [4] نامی مقام پر خیمے نصب کئے اور دیگر مسلمانوں کی آمد کا انتظار کرنے لگے۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں بالخصوص مہاجر وانصار کے سرداروں کو حضرت اسامہ کے لشکر میں شامل کرنے کیلئے بہت زیادہ تاکید اور اہتمام سے کام لیا اور جو لوگ اس اقدام کے مخالف تھے ان پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لعنت بھی بھیجی۔ [5]

حضرت اسامہ کی عسکری طاقت کو تقویت دینے کے علاوہ اس اہتمام کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چاہتے تھے کہ وقت رحلت وہ لوگ مدینہ میں موجود نہ رہیں جو امت میں اختلاف پیدا کرنے اور منصب خلافت کے حصول کی فکر میں ہیں تاکہ حضرت

---

[1] حلبی نے اپنی سیرت کی کتاب میں حضرت اسامہ کی عمر (18) سال لکھی ہے، احتمال ہے کہ اس وقت ان کی عمر (17)، (19) یا بیس سال ہوگی کیونکہ لفظ --قیلَ-- سے یہی مطلب اخذ ہوتا ہے ملاحظہ ہو: السیرۃ الحلبیہ ج3 ص207۔

[2] ملاحظہ ہو: المغازی ج3 ص117۔

[3] سِرْ الی مَقْتَلِ اَبِیْکَ۔ ملاحظہ ہو: شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج1 ص159۔

[4] یہ جگہ شام کے راستے پر مدینہ سے تین میل (6 کلومیٹر) کے فاصلے پر واقع ہے۔ معجم البلدان ج2 ص128

[5] ملاحظہ ہو: الملل والنحل شہرستانی ج1 ص23 (مقدمہ چہارم کے ذیل میں) یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ امیر المؤمنین حضرت علی علیہ السلام ابن عباس، سلمان، ابوذر اور مقداد جیسی بعض شخصیات اپنی ذاتی فضیلت اور خاندان رسالت سے متعلق ہونے کے باعث حضرت اسامہ کی سپاہ میں شریک ہونے سے مستثنی تھے۔

علی علیہ السلام کی قیادت وپیشوائی کے بارے میں فرمان خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جاری کئے جانے کیلئے راستہ ہموار رہے۔[1]

لیکن افسوس بعض مسلمانوں نے جنہیں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ سے باہر بھیجنے کیلئے کوشاں تھے یہ بہانہ بنا کر کہ حضرت اسامہ بہت کم عمر ہیں مخالفت شروع کردی اوران کی خمیہ گاہ کی جانب جانے سے انکار کردیا۔[2] نیز یہ دیکھ کر کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طبیعت ناساز ہے تو انہوں نے حضرت اسامہ کے لشکر کو روم کی طرف جانے سے یہ کہہ کر روکنا چاہا[3] کہ چونکہ اس وقت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہت علیل ہیں اسی لئے ان حالات کے تحت ہمارے دلوں میں آپؐ سے جدائی کی تاب وطاقت نہیں۔[4]

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو منافقین کے اس رویے سے سخت تکلیف پہنچی آپؐ طبیعت کی ناسازی کے باوجود مسجد میں تشریف لے گئے اور مخالفت کرنے والوں سے فرمایا کہ: --اسامہ کو سپہ سالار مقرر کئے جانے کے بارے میں میں یہ کیا سن رہا ہوں، اس سے پہلے جب ان کے باپ کو سپہ سالار مقرر کیا تھا تو اس وقت بھی تم طعن وتشنیع کر رہے تھے خدا گواہ ہے کہ وہ بھی لشکر کی سپہ سالاری کے لئے مناسب تھے اور اسامہ بھی اس قیادت کے اہل اور لائق ہیں--۔[5]

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس وقت بھی جب کہ صاحب فراش تھے تو ان لوگوں سے جو عیادت کیلئے آئے تھے مسلسل یہی فرماتے کہ --انْفُذُوْ ابْعَثَ اُسَامَۃَ --[6] اسامہ کے لشکر کو تو روانہ کرو لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ سعی وکوشش بھی بے سود ثابت ہوئی کیونکہ صحابہ میں جو سردار تھے انہوں نے اس قدر سستی اور سہل انگاری سے کام لیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت واقع ہوگئی اور سپاہ واپس مدینہ آ گئی۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مزاج کی ناسازی میں روز بروز اضافہ ہوتا چلا جارہا تھا علالت کے دوران آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بقیع کی جانب تشریف لے گئے اور جو لوگ وہاں ابدی نیند سو رہے تھے ان کی طلب مغفرت کے بعد حضرت علی علیہ السلام کی جانب رخ کیا اور فرمایا کہ جبرئیل سال میں ایک مرتبہ مجھے قرآن پیش کرتے تھے لیکن اس مرتبہ انہوں نے دو مرتبہ پیش کیا اس کی وجہ اس کے علاوہ کچھ اور نہیں ہوسکتی کہ میری رحلت قریب ہے، اس کے بعد آپؐ نے فرمایا کہ:

--اے علی علیہ السلام مجھے یہ اختیار دیا گیا ہے کہ دنیا کے خزانوں، اس کی جاویدانی زندگی اور بہشت کے درمیان میں سے کسی کا انتخاب کرلوں میں نے ان میں سے بہشت اور دیدار پروردگار کو چن لیا ہے--۔[7]

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بستر علالت پر فروکش اور انتہائی اشتیاق کے ساتھ فرمان حق کا انتظار فرما رہے تھے لیکن یہ اشتیاق آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو امت کی ہدایت کے خیال اور اس کے درمیان اختلاف کی وجہ سے فتنہ پیدا ہونے کے اندیشے سے نہ روک سکا، صحابہ

---

[1] ملاحظہ ہو: الارشاد ص96۔

[2] ملاحظہ ہو: المغازی ج3 ص1118۔

[3] ملاحظہ ہو: الارشاد ص97۔

[4] ملاحظہ ہو: الملل والنحل ج1 ص23۔

[5] الطبقات الکبری ج2 ص190 والمغازی ج3 ص1119۔

[6] الطبقات الکبری ج2 ص190۔

[7] الارشاد ص97۔

میں سے بعض برگزیدہ حضرت آپؐ کی عیادت کیلئے حاضر ہوئے ان سے رسول خداصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہی ارشاد فرمایا کہ: --قلم و دوات لے آو تا کہ میں تمہارے لئے ایسی چیز لکھ دوں جس سے تم کبھی گمراہ نہ ہوگے--۔[۱] اس پر عمر نے کہا: رسول خداصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر مرض کا غلبہ ہے قرآن تو ہمارے پاس ہے ہی ہمارے لئے یہی کتاب اللہ کافی ہے، حاضرین میں سے بعض نے عمر کے نظریے سے اختلاف کیا اور بعض ان کی جانب دار ہوگئے، رسول خداصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیلئے ان کی یہ جسارت و بے باکی سخت پریشانی خاطر کا باعث ہوئی جس پر آپؐ نے فرمایا کہ: --میری نظروں سے دور ہو جاؤ--۔[۲]

بعض صحابہ کی اعلانیہ مخالفت نے اگر چہ رسول خداصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو وصیت لکھنے سے باز رکھا لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا مدعا دوسرے طریقے سے بیان کر دیا اگر چہ مرض کا غلبہ تھا مگر درد و تکلیف کے باوجود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد کی جانب روانہ ہوئے اور وہاں منبر پر تشریف فرما ہو کر آخری مرتبہ لوگوں سے خطاب فرمایا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا آخری خطبہ تھا آپؐ نے فرمایا کہ:

--اے لوگو میں تمہارے درمیان دو گرانبہا چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں، ان میں سے ایک کلام اللہ ہے اور دوسرے میرے اہل بیت--۔[۳]

بالآخر جدوجہد سے بھرپور تریسٹھ سالہ حیات طیّبہ کے بعد 28 صفر بروز ہفتہ 11 ہجری کو اس سفیر حق کی مقدس روح اس وقت جب کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سر مبارک حضرت علی علیہ السلام کے گود میں تھا عالم ملکوت کی جانب پرواز کر گئی۔[۴]

امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام نے آپؐ کے جسد پاک کو غسل دیا اور کفن پہنایا۔[۵]

اس کے بعد آپؐ کے چہرے مبارک سے کفن مبارک کی گرہوں کو کھول دیا اگر چہ آنکھوں سے آنسو جاری تھے مگر اسی حالت میں آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ:

--یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے ماں باپ آپؐ پر فدا ہوں، آپؐ کی رحلت کے باعث نبوت وحی الٰہی اور آسمانی پیغامات کی آمد کا سلسلہ منقطع ہوا... اگر چہ آپؐ نے ہمیشہ ہمیں صبر کی تلقین اور عجلت و بے تابی سے منع فرمایا مگر آج صبر و تحمل کا یارا نہیں اگر آپؐ نے ہمیں صبر و تحمل کا حکم نہ دیا ہوتا تو ہم اتنا گریہ و زاری کرتے کہ آنکھوں کے آنسو ہی خشک ہو جاتے[۶]

اس کے بعد آپ علیہ السلام نے نماز جنازہ پڑھائی، حضرت علی علیہ السلام کے بعد صحابہ نے یکے بعد دیگرے کئی ٹولیاں بنا کر جماعتوں کی صورت میں نماز ادا کی اس کے بعد اسی حجرے میں جہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت ہوئی اس جسد پاک کو سپرد خاک کر دیا گیا۔[۷]

خداوند، ملائکہ اور کل مومنین کی طرف سے آپؐ پر اور خاندان رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر لاکھوں درود و سلام۔

---

[۱] اُئتُونِی بِدَوَاۃٍ: وَصَحِیفَۃٍ اَکتُبُ لَکُم کِتَاباً لَن تَضِلُّوا بَعدَہُ اَبَداً۔ البتہ دیگر احادیث میں --اُئتُونِی بِقَلَمٍ: وَقِرطَاسٍ:...-- کے الفاظ آئے ہیں جن کا معنی ایک ہی ہے۔

[۲] الطبقات الکبری ج 2 ص 244۔

[۳] ملاحظہ ہو: بحار الانوار ج 22 ص 475-476۔

[۴] ارشاد ص 100-101۔

[۵] ایضا ص 100-101۔

[۶] نہج البلاغہ مرتبہ صبحی صالح خطبہ 235 ص 355۔ البتہ یاد رہے کہ ترجمہ نسبتاً آزاد کیا گیا ہے۔

[۷] الارشاد ص 101۔

سوالات

1۔ حجۃ الوداع کس سال منعقد ہوا اس میں کتنے لوگوں نے شرکت کی اس کی کیا خصوصیات تھیں؟

2۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حجۃ الوداع کے خطبات میں کن باتوں کو تاکید سے بیان کیا؟

3۔ سنہ 10 ہجری کے سیاسی اجتماعی حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے واضح کیجئے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جانشین مقرر کرنے کی ضرورت کیوں محسوس کی؟

4۔ --غدیر خم-- کے مقام پر کیا اہم واقعہ رونما ہوا، اس واقعے کی قرآن کی رو سے کیا اہمیت تھی؟

5۔ وہ کون سے عوامل تھے جن کے باعث رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی زندگی کے آخری دنوں میں حضرت اسامہ کے لشکر کو عسکری اعتبار سے تقویت پہنچانے کی کوشش کی؟

6۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کس وجہ سے یہ اصرار تھا کہ حضرت اسامہ کا لشکر روم کی جانب روانہ ہو جائے؟

7۔ بعض صحابہ نے کس وجہ سے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان کی اطاعت نہیں کی اور حضرت اسامہ کے لشکر میں شریک ہونے سے انکار کر دیا؟۔

8۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت کس روز ہوئی؟ آپ کو کہاں دفن کیا گیا اور تجہیز و تکفین کے فرائض کس نے انجام دیئے؟

دوسرا حصّہ

پیغمبر اسلام صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی زندگی

(اُحد سے رحلت رسول خدا صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم تک کے حالات)

پہلا سبق

غزوہ بنی قَینُقاع

بدر کی زبردست لڑائی نے علاقہ کے جنگی توازن کو مسلمانوں کے حق میں کر دیا۔ جنگ کے بعد منافقین اور یہودی، مسلمانوں کی فتح مبین سے حسد کرنے لگے اس لئے کہ وہ مسلمانوں کی ترقی سے سخت خائف تھے۔ انھوں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کئے گئے معاہدوں کے برخلاف مسلمانوں اور اسلام کو بدگوئی اور دشنام طرازی کا نشانہ بنایا اور مگر مچھ کے آنسو بہاتے ہوئے قریش کو مسلمانوں سے انتقام لینے کے لئے بھڑکانے لگے۔ ان کے شعراء ہجویہ نظموں میں کفار کے لیے مسلمان خواتین کے اوصاف بیان کر کے مسلمانوں کی ناموس کی اہانت کرتے تھے۔

رسول خدا نے مذکورہ مفسدین فی الارض (زمین پر فساد پھیلانے والوں) کے قتل کا حکم صادر فرمایا اور وہ لوگ قتل کر دیئے گئے۔ [1]

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بخوبی جانتے تھے کہ یہودی آئندہ انتقامی جنگ میں مدینہ سے باہر کے دشمنوں کے لئے راستہ ہموار اور اسلام کی پیٹھ پر خنجر کا وار کریں گے۔ اس لئے آپؐ اس مشکل سے بچنے کے لئے راستہ ڈھونڈتے رہے اور سیاسی و دفاعی طاقت کو زیادہ سے زیادہ مضبوط کرنے کی کوشش فرماتے رہے۔

مدینہ کے یہودیوں میں بنی قینقاع کے یہودیوں نے سب سے بڑھ چڑھ کر پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف سرد جنگ چھیڑ رکھی تھی، انہوں نے ناز یبا اور توہین آمیز نعرے بلند کر کے عملی طور پر عہد و پیمان کو لغو کر دیا تھا۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حجت تمام کرنے کی غرض سے بنی قینقاع کے بازار میں مجمع سے خطاب کے دوران انہیں نصیحت کی اور اُس اجتماعی معاہدئے پر کاربند رہنے کی تاکید فرمائی جو دونوں طرف سے کیا گیا تھا۔ اور فرمایا کہ قریش کی سرگذشت سے عبرت حاصل کرو اس لئے کہ مجھے ڈر ہے کہ جن مصیبتوں نے قریش کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا وہ تمھیں بھی نہ جکڑ لیں

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نصیحتیں یہودیوں کے لئے بے اثر ثابت ہوئیں انہوں نے گستاخانہ جواب دیا: اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیا آپؐ نے ہمیں قریش سمجھ رکھا ہے؟ ناتجربہ کاروں سے جنگ میں کامیابی کے بعد آپؐ مغرور ہو گئے ہیں (معاذ اللہ) خدا کی قسم اگر ہم تمہارے خلاف جنگ کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے تو آپ۔۔۔ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو معلوم ہو جائے گا کہ مرد میدان ہم ہیں یا کوئی اور؟

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی تمام گستاخیوں اور جسارتوں کے باوجود اپنے غصّہ کو پی لیا اور انھیں ان کے حال پر چھوڑ دیا، مسلمانوں نے بھی بردباری سے کام لیا تا کہ دیکھیں آئندہ کیا ہوتا ہے؟

ابھی چند دن بھی نہ گذرے تھے کہ فتنہ کی آگ بھڑک اُٹھی۔ ایک مسلمان عورت بنی قینقاع کے بازار میں زیورات خریدنے کی غرض سے ایک سُنار کی دُکان کے سامنے بیٹھ گئی، یہودیوں نے اس عورت کے چہرے سے نقاب اتروانا چاہا لیکن اس نے انکار کر دیا اس

---

[1] کعب بن اشرف یہودی، ابی عفک یہودی اور مشرکین میں سے ایک عورت عصماء بنت مروان، طبقات ابن سعد جلد 2 ص 27 / 28۔

یہودی سنار نے چپکے سے اس عورت کی لاعلمی میں اس کے کپڑے کے کنارہ کو اس کی پشت پر باندھ دیا جب وہ عورت کھڑی ہوئی تو اس کا جسم عریاں ہو گیا تمام یہودی ہنسنے لگے، عورت نے فریاد شروع کی اور مسلمانوں کو مدد کے لئے پکارا ایک مسلمان نے اس یہودی سنار کو قتل کر ڈالا، یہودیوں نے بھی حملہ کر کے اس مسلمان کو قتل کر دیا۔

بات بڑھ گئی اور مسلمان انتقام لینے کے لئے اُٹھ کھڑے ہوئے، بنی قینقاع کے یہودی دکانیں بند کر کے اپنے قلعوں میں چھپ گئے۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ میں ابولبابہ [1] کو اپنا جانشین معیّن فرمایا اور لشکر اسلام کے ہمراہ 15 شوال بروز ہفتہ 2ھ (ہجرت کے 20 ماہ بعد اور جنگ بدر کے 38 دن بعد) بنی قینقاع کے قلعہ کا محاصرہ کر لیا، یہ محاصرہ پندرہ روز تک جاری رہا یہاں تک کہ یہودیوں نے تنگ آ کر خود کو مسلمانوں کے حوالہ کر دیا۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منافقین کے سربراہ عبداللہ بن اُبَیّ کی منّت وسماجت کی وجہ سے ان کے قتل سے درگزر فرمایا اور انھیں شام کے مقام اذراعات کی جانب ملک بدر کر دیا، ان کے اموال کو مسلمانوں کے لئے مال غنیمت قرار دیا اور خمس نکالنے کے بعد مسلمانوں کے درمیان تقسیم کر دیا۔ [2]

حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کا حضرت علی علیہ السلام کے ساتھ عقد

اسلام کی عظیم ترین خاتون حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کا عقد ہجرت کے دوسرے سال بدر کی لڑائی کے دو ماہ بعد حضرت علی علیہ السلام سے ہوا۔

شادی کی تقریب نہایت سادہ مگر معنوی شان وشوکت کے ساتھ منعقد ہوئی، حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کا مہر 500 درہم [3] تھا جو حضرت علی علیہ السلام نے اپنی زرہ فروخت کر کے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس میں سے کچھ درہم اپنے اصحاب کو دیئے تاکہ بازار سے حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کے لیے جہیز کا سامان خرید لائیں۔

مندرجہ ذیل چیزیں جہیز کے عنوان سے خریدی گئیں:

1. سات درہم کا ایک پیراہن
2. یک درہم کی سر پر اوڑھنے والی چھوٹی چادر
3. ایک کالی چادر (قطیفہ)
4. ایک عربی چارپائی جو لکڑی اور کھجور کے پتوں کی بنی ہوئی تھی
5. دو توشک جن کا اوپر والا حصّہ مصری کتان کا بنا ہوا تھا اور ایک میں اون اور دوسرے میں کھجور کے پتّے بھرے ہوئے تھے۔

---

[1] ابن ہشام کی تحریر کے مطابق بشیر بن عبدالمنذر (ابولبابہ) اور ابن اسحاق کی تحریر کے مطابق عبادہ بن ولید بن عبادہ بن صامت۔

[2] مغازی واقعدی جلد 1 ص 176، سیرۃ ابن ہشام جلد 3 ص 47، تاریخ طبری جلد 2 ص 497، طبقات ابن سعد جلد 2 ص 27۔

[3] ہر درہم 12 نخود کے یعنی آدھا مثقال چاندی کے برابر ہے اس حساب سے آپ کا مہر 250 مثقال چاندی ہے۔

6. چار تکیے جن میں سے دو اون اور دو کھجور کی چھال سے بھرے ہوئے تھے۔

7. پردہ

8. چٹائی

9. چکی (ہاتھ سے چلانے والی)

10. ایک بڑا طشت

11. کھال کی ایک مشک

12. ایک لکڑی کا پیالہ (دودھ کے لئے)

13. ایک کھال کا برتن (پانی کے لئے)

14. لوٹا

15. تانبے کے چند بڑے برتن

16. مٹی کے چند کوزے

17. چاندی کا دست بند

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب جب بازار سے لوٹے تو انھوں نے سامان آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے رکھا آپؐ نے جب اپنی بیٹی کا جہیز دیکھا تو فرمایا: خدایا ان لوگوں کی زندگی کو مبارک قرار دے جن کے زیادہ تر ظروف مٹی کے ہیں[1]

اس بابرکت شادی کا پہلا ثمرہ حضرت امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام ہیں آپ 15 رمضان المبارک تین ہجری کو جنگ احد سے پہلے متولد ہوئے۔[2]

غزوہ سویق

پانچ ذی الحجہ 3ھ،ق بمطابق 5 جون 624ء جنگ بدر میں ذلّت آمیز شکست کے بعد ابوسفیان نے یہ نذر کی کہ جب تک محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جنگ اور بدر کا انتقام نہیں لوں گا اس وقت تک عورتوں کے پاس نہیں جاوں گا۔ لہٰذا اس نے قبیلہ قریش کے دوسو، سواروں کو جمع کر کے مدینہ کی جانب کوچ کیا۔

چونکہ دوسو، سواروں کے ذریعہ مدینہ پر حملہ کرنے کی جرات اسمیں نہیں تھی اس لئے شہر سے دور اس نے لشکر کو ٹھہرایا اور رات کی تاریکی سے فائدہ اُٹھا کر سلاّم بن مشکم کے پاس پہنچا جو کہ بنی نُضیر کے یہودیوں کا ایک بڑا آدمی تھا۔ اس نے ابوسفیان کو مسلمانوں کی دفاعی کمزوریوں سے آگاہ کیا۔ ابوسفیان لشکر گاہ کی طرف پلٹ آیا اور کچھ سپاہیوں کے ہمراہ حملے کی نیت سے مدینہ کی طرف بڑھا اور عُرَیض۔ نامی جگہ پر لوٹ مار کی، دوگھروں، کھجور کے چند درختوں یا کھیتوں میں آگ لگائی اور نخلستان میں کام کرنے والے دو مسلمانوں کو قتل کر دیا۔

جب دشمنوں کے حملے کی خبر پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پہنچی تو آپؐ نے بغیر کسی تاخیر کے ابولبابہ کو مدینہ میں اپنا جانشین بنایا اور مہاجرین وانصار میں سے دوسو آدمیوں کا لشکر لے کر دشمن کے تعاقب میں نکل پڑے، رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قَرقَرۃُ الکُدر تک دشمن کا پیچھا

---

[1] اللھم بارك لقوم: جُلّ انیتھم الخزف۔ کشف الغمہ جلد 1 ص 359۔

[2] مزید معلومات کے لئے کشف الغمہ کی طرف رجوع کریں ج 1 ص 374 / 348، بحار الانوار ج 43 ص 145 / 92 مطبوعہ بیروت، سیرۃ المصطفیٰ ص 329-326

کیالیکن دشمن فرار ہو چکا تھا اور بھاگتے ہوئے سویق [۱] کے تھیلے کو گراں باری سے بچنے کے لئے راستہ ہی میں پھینک گیا تھا اس وجہ سے یہ غزوہ۔غزوہ سویق کے نام سے مشہور ہوا۔ [۲]

غزوہ بنی سُلَیم

15 محرم 3ھق بمطابق 15 جولائی 624ء رسول خداﷺ کو یہ خبر ملی کہ غطفان و بنی سلیم کے قبائل مکہ اور شام کے درمیان بخاری کے راستے میں (اطراف قر قر الکُدر میں) مدینہ پر حملہ کرنے کی تیاریاں کر رہے ہیں۔

رسول خداﷺ دوسو افراد کے ساتھ ان کی طرف بڑھے دشمن نے جب لشکر اسلام کو نزدیک ہوتے ہوئے محسوس کیا تو رات کی تاریکی کا فائدہ اٹھاتے ہوئے بھاگ کھڑے ہوئے۔

لشکر اسلام نے دشمنوں کے پانچ سو اونٹ غنیمت میں حاصل کئے اور مدینہ کی طرف لوٹ آئے۔ [۳]

قَرَدَۃ میں سریّہ زید بن حارثہ

یکم جمادی الثانی 3ھ ق بمطابق 22 نومبر 624ء جنگ بدر اور یثرب میں اسلامی تحریک کے نفوذ کے بعد۔قریش کا مغربی تجارتی راستہ جو مکہ سے شام کی طرف جاتا تھا مسلمانوں کے زیر نگین آجانے کی وجہ سے غیر محفوظ ہو گیا تھا قریش نے یہ ارادہ کیا کہ اپنے اور قافلہ کے تحفظ کے لئے اس راستہ کو چھوڑ کر طویل مشرقی راستہ اپنائیں۔یہ راستہ نجد کی آبادیوں سے ہوکر، عراق اور عراق سے شام جاتا تھا۔انھوں نے اس راستہ سے گزرنے کے لئے راہنما کا انتظام کیا۔

اس راستے سے پہلا قافلہ صفوان بن اُمیّہ اور قریش کے دیگر سرداروں کی سربراہی میں شام گیا۔

رسول خداﷺ نے قافلے کی روانگی سے باخبر ہوتے ہی بلا تاخیر ایک سو سواروں پر مشتمل ایک مضبوط لشکر تشکیل دیا اور زید بن حارثہ کو اس کا کمانڈر بنا کر حکم دیا کہ اس نئے راستے پر پہلے سے پہنچ کر قریش کے قافلے کا راستہ بند کر دیں۔جناب زید نجد کی طرف روانہ ہوئے اور اونٹوں کے نشان قدم کے ذریعہ قافلے کا تعاقب کیا، یہاں تک کہ مقام قَرَدہ پر کارواں کو جالیا۔

قافلے کے نگران اور سربراہ افراد بھاگ کھڑے ہوئے اور پورا قافلہ بغیر کسی خونریزی کے مسلمانوں کے ہاتھ آگیا اور قافلے کے دو نگہبان اسیر ہو گئے۔

خمس نکالنے کے بعد بقیہ مال جو کہ اسی 80 ہزار درہم تھے جنگی دستے کے سپاہیوں
کے درمیان تقسیم دیا گیا۔ [۴]

غزوہ غَطَفان

نجد میں ذی امرّ کے مقام پر ریاض سے 11 کیلومیٹر شمال مغرب میں 12 ربیع الاول 3ھ۔ق بمطابق 5 ستمبر 624ء کو یہ غزوہ ہوا۔

---

[۱] انشاءاللہ حضرت علی علیہ السلام و فاطمہ سلام اللہ علیہا کے عقد کا تفصیلی حال امامت کی تاریخ میں بیان کیا جائے گا۔

[۲] سویق ایک غذا ہے جو چاول اور جو کے آٹے، شہد اور دودھ سے یا پھر خرمے آٹے اور روغن سے بنتی ہے۔جیسے ستّو۔

[۳] مغازی واقدی جلد 1 ص 181 طبقات ابن سعد جلد 2 ص 130 سیرۃ ابن ہشام جلد 2 ص 44، دلائل النبوۃ بیہقی جلد 2 ص 322

[۴] مغازی واقدی جلد 1 ص 183 طبقات ابن سعد جلد 2 ص 35 سیرۃ ابن ہشام جلد 4 / 3 ص 43

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خبر ملی کہ بنی ثَعلَبہ اور بنی مُحارب کی ایک بڑی جمعیت نے ذی امَرّ کے مقام پر ڈیرہ ڈال رکھا ہے اور دُعثور بن حارث نامی شخص کی کمان میں مدینہ پر حملے کا ارادہ رکھتے ہیں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چار سو پچاس جنگجو افراد کو جمع کر کے دشمن کی طرف بڑھے۔ یہ اطلاع ملتے ہی دشمن پہاڑیوں کی جانب بھاگ گیا غرض کہ کوئی ٹکراؤ نہیں ہوا۔[1]

جنگ احد کے مقدمات

بروز ہفتہ 7 شوال 3ھ ق بمطابق 26 مارچ 625ء

جنگ رونما ہونے کے اسباب

اسلامی مرکز مدینہ پر قریش کے فوجی حملے کے مختلف اسباب ہیں جنکی جانب مختصر طور پر اشارہ کیا جا رہا ہے۔

1 جنگ بدر میں مسلمانوں کی شاندار فتح، قریش، یہود اور منافقین کے لئے باعث ننگ اور ناگوار تھی۔ قریش نہ صرف اپنے سردار بلکہ اپنی سرداری، ہیبت اور عربوں کے درمیان موجود اثر و رسوخ کو بھی کھو بیٹھے اور یہ زمانہ جاہلیت کے عربوں کے لئے نہایت رنج کا باعث تھا جو سرداری کو اپنا قومی فخر سمجھتے تھے۔

2 کینہ وانتقام کی آگ ٭ قریش اور ان کے مقتولین کے وارثوں کے دلوں میں کینہ اور انتقام کی آگ شعلہ ور تھی اور قریش کے سرداروں نے کشتگان بدر پر رونے کو حرام قرار دیا تھا تا کہ مناسب موقع پر ان کے جذبات بھڑکا کر منظم طریقے سے اسلام اور مسلمانوں سے انتقام لیا جا سکے۔

3 یہودیوں کا بھڑکانا ٭ یہودیوں کے لئے اسلام کا پھیلنا خوش آئند نہ تھا۔ لہٰذا انھوں نے مشرکین قریش کو بھڑکانے میں بڑا زبردست کردار ادا کیا۔ بطور نمونہ ملاحظہ ہو۔ کعب بن اشرف جنگ بدر کے بعد مدینہ سے مکہ کی طرف دوڑا اور وہاں قریش کے مقتولین کے لئے مرثیہ کہا اور مگر مچھ کے آنسو بہا کر ان کے زخم تازہ کر دیئے یہاں تک کہ انہیں جنگ پر آمادہ کرنے کے لئے پاک باز مسلمان عورتوں کی خوبصورتی کا نقشہ اشعار کے قالب میں ڈھال کر پیش کیا تا کہ مشرکین کو مسلمانوں کے ساتھ جنگ کرنے، اور ان کی عورتوں اور لڑکیوں کو اسیر بنانے پر اُکسائے۔

4 اقتصادی محاصرے کا توڑ ٭ قریش کی اقتصادی و معاشی زندگی کا دار و مدار تجارت پر تھا، تجارتی راستے غیر محفوظ ہونے اور مسلمانوں کے حملے کے ڈر سے ان کی تجارت خطرے میں پڑ گئی تھی اور اقتصادی و معاشی زندگی جاری رکھنا مشکل ہو گیا تھا اس لئے اس محاصرے کو توڑنا اور ان مشکلات سے جان چھڑوانا بہت ضروری ہو گیا تھا۔

5 آئندہ کے لئے پیش بندی: قریش اس بات سے بخوبی واقف تھے کہ اگر مسلمانوں کو قدرت حاصل ہو گئی تو وہ انہیں ہرگز نہیں چھوڑیں گے اور گذشتہ چند سالہ آزار و اذیت کا جواب ضرور دیں گے۔ اس کے علاوہ بُت پرستوں کے ہاتھوں سے مسجد الحرام کو آزاد کروانے کے لئے کسی بھی کوشش سے دریغ نہیں کریں گے۔ یہ ساری باتیں سبب بنیں کہ قریش حملہ کرنے میں پیش قدمی کریں اور بزعم خود اسلام اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کام تمام کر دیں۔

---

[1] مغازی واقدی جلد 1 ص 197 طبقات جلد 2 ص 36 متاع الاسماع ص 112

پہلا قدم،جنگی بجٹ کی فراہمی

اس وسیع فوج کشی کے سلسلے میں سب سے پہلا عملی اقدام جنگی مشقوں اور دیگر امور کے لئے زیادہ سے زیادہ بجٹ کی فراہمی تھا، قریش ، دارالندوہ (قریش کے مشورہ کرنے کی جگہ) میں جمع ہوئے اور بحث ومباحثہ کے بعد آخر میں یہ طے پایا کہ پچاس ہزار طلائی دینار (تقریباً ساڑھے سات کروڑ تومان) ہونا چاہیئے ور یہ رقم اس تجارتی کارواں کے منافع سے مہیّا کی گئی جس کو جنگ بدر سے پہلے ابوسفیان مکّہ میں صحیح وسالم لے آیا تھا۔[۱]

قرآن اس سلسلے میں کہتا ہے کہ بیشک کافر اپنے اموال کو خرچ کرتے ہیں تا کہ (لوگوں کو) خدا کے راستہ سے باز رکھیں وہ لوگ ان اموال کو خرچ کررہے ہیں لیکن یہ ان کی حسرت کا باعث ہوگا۔اس کے بعد ان کو شکست ہوگی اور آخرت میں کافر جہنّم میں جائیں گے۔[۲]

لشکر کی جمع آوری

کفار قریش،جنھوں نے نزدیک سے اسلامی سپاہیوں کی شجاعت اور جذبہ شہادت کو دیکھا تھا،انھوں نے تہیّہ کیا کہ پوری توانائی کے ساتھ جنگ کے لئے اُٹھ کھڑے ہوں اور قریش کے علاوہ مکّہ کے اطراف و جوانب میں موجود قبائل کے بہادروں کو بھی جنگ میں شرکت کی دعوت دیں۔چار آدمیوں کو عرب کے بادیہ نشین قبائل کے درمیان بھیجا گیا تاکہ انھیں لڑنے اور مدد کرنے کی دعوت دیں، یہ چار آدمی،عَمرو بن عاص،ہُبَیرہ بن ابووَہَب،ابن الزّبَعری اور ابوعَزّہ تھے۔

ابوعزہ شروع میں اس ذمّہ داری کو قبول نہیں کررہا تھا،وہ کہتا تھا کہ جنگ بدر کے بعد محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنہا مجھ پر احسان کیا اور مجھ کو بغیر تاوان کے آزاد کردیا میں نے اُن سے وعدہ کیا تھا کہ ان کے مقابل آنے والے کسی بھی دشمن کی مدد نہیں کروں گا۔میں اپنے پیمان کا وفادار ہوں۔

لیکن لوگوں نے اس کو قانع کیا تو وہ بادیہ نشین قبائل کے درمیان جا کر اشعار کے ذریعہ لوگوں کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف جنگ کرنے پر اکساتا اور لشکر اکٹھا کرتا رہا۔دوسرے تین آدمیوں نے بھی قبائل کو لڑائی پر اکسا کر جمع کیا اور انجام کار قبائل کنانہ اور تھامہ کے کچھ لوگ قریش کے ساتھ مل کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف جنگ کرنے پر تیار ہوگئے۔[۳]

سیاسی پناہ گزین

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مدینہ ہجرت کے بعد ابوعامر فاسق ،قبیلہ اَوس کے 50 افراد کے ساتھ مشرکین کے سر برآوردہ افراد کی پناہ میں آگیا تھا وہ مشرکین مکّہ کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف جنگ کرنے پر اکساتا رہتا تھا اور اپنے قبیلے کے افراد کے ساتھ مشرکین کی تیاریوں میں شریک تھا اس نے کہا کہ یہ 50 افراد میرے قبیلے کے ہیں اور جس وقت ہم سر زمین مدینہ پر پہنچیں گے اس وقت قبیلہ اوس کے تمام افراد ہماری طرفداری کے لئے اُٹھ کھڑے ہوں گے۔

---

[۱] مغازی واقعدی جلد 1 ص 190193 طبقات ابن سعد جلد 2 ص 34

[۲] مغازی واقدی جلد 1 ص 200

[۳] سورہ انفال آیت 36

لشکر قریش کی مدینہ روانگی

مکمل تیاری کے بعد قریش نے لشکر کو کوچ کا حکم دیا، یہ لشکر تین ہزار افراد پر مشتمل تھا جس میں سات سو زرہ پوش، دو سو گھڑ سوار، تین ہزار اونٹ اور بے پناہ اسلحہ کے علاوہ دوران جنگ گا بجا کر سپاہیوں کو تازہ دم کرنے کے لیے 15 عورتیں بھی شریک تھیں۔

مشرکین کے لشکر کا سپہ سالار ابوسفیان تھا، سواروں کی کمان خالد بن ولید کے ہاتھ میں تھی اور عکرمہ بن ابی جہل خالد کے نائب کی حیثیت سے شریک تھا اس بار لشکر مشرکین ہر ایسے اختلاف سے اجتناب کر رہا تھا جو ان کو دو گروہوں میں بانٹ دیتا۔

عبّاس کی خبر رسانی

جب لشکر نے کوچ کا ارادہ کیا تو پیغمبر اکرم ﷺ کے چچا عبّاس بن عبد المطلب نے جو مخفی طور پر مسلمان ہو چکے تھے اور بہت قریب سے قریش کی تیاریوں اور کوچ پر نظر رکھے ہوئے تھے پیغمبر اسلام ﷺ کو مشرکین کے لشکر کی جنگی صورتحال کی اطلاع دینے کے لیے ایک خط تحریر کیا۔

اور قبیلہ بنی غفار کے ایک قابل اعتماد شخص کے ذریعہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں بھیجا۔ یہ فرستادہ اتنی تیزی سے روانہ ہوا کہ مکّہ اور مدینہ کا درمیانی فاصلہ صرف تین دن میں طے کر لیا۔ جب یہ سوار مدینہ پہنچا تو اس وقت پیغمبر اکرم ﷺ۔۔ قُبا میں تھے۔ وہ آنحضرت ﷺ کے پاس پہنچا اور خط دیا۔ رسول خدا ﷺ نے خط ایک شخص کو دیا تا کہ آنحضرت ﷺ کو سنائے پھر آپؐ نے اس سے فرمایا کہ اس کا مضمون کسی کو نہ بتانا۔

مدینہ کے یہودی اور منافقین نامہ بر کے آنے سے آگاہ ہو چکے تھے۔ اور انھوں نے مشہور کر دیا کہ محمد ﷺ کے پاس بُری خبر پہنچی ہے۔ تھوڑی ہی دیر میں لوگ قریش کی لشکر کشی سے باخبر ہو گئے۔ [1]

سپاہ قریش راستہ میں

راستہ میں جہاں کہیں پڑاؤ ہوتا لشکر کے ہمراہ موجود عورتیں گانا بجانا شروع کر دیتیں اور مقتولین قریش کی یاد دلا کر سپاہیوں کو بھڑکاتی قریش کے سپاہی جہاں کہیں پانی کے کنارے رُکتے اونٹوں کو ذبح کر کے اُن کا گوشت کھاتے۔ [2]

عمرو بن سالم خزاعی نے مکّہ اور مدینہ کے درمیان مقام ذی طوی میں قریش کو خیمہ زن دیکھا تو مدینہ آئے اور جو کچھ دیکھا تھا اس کی خبر پیغمبر اکرم ﷺ کو دی۔ [3]

معلومات کی فراہمی

پیغمبر اکرم ﷺ نے جمعرات کی رات 5 شوال 3ھ ق، بمطابق 24 مارچ 625 کو فضالہ کے سراغ رساں بیٹوں انس اور مونس کو دشمن کی نقل و حرکت کے بارے میں معلومات اکھٹی کرنے کے لئے بھیجا۔ انھوں نے قریش کو عقیق کے مقام پر دیکھا اور ان کے پیچھے ہو لئے

---

[1] مغازی واقدی جلد 1 ص 20

[2] مغازی واقدی جلد 1 ص 204

[3] مغازی واقدی جلد 1 ص 205، 206

جب لشکر نے وطاء کے مقام پر پڑاؤ ڈالا تو وہاں سے پیغمبر اکرم ﷺ کی خدمت میں رپورٹ پیش کرنے کے لئے واپس آ گئے۔ [1]

لشکر ٹھہرنے کی خبر

جیسے ہی سپاہ مشرکین نے احد کے نزدیک وطاء کے مقام پر پڑاؤ ڈالا تو پیغمبر اکرم ﷺ نے حُباب بن مُنذر کو پوشیدہ طور پر مامور فرمایا کہ دشمن کی قوت کا اندازہ کریں اور ضروری معلومات جمع کر کے اس کی رپورٹ دیں۔ رسول خدا ﷺ نے اس بات کی تاکید کی کہ اپنی رپورٹ دوسروں کی موجودگی میں پیش نہ کریں مگر یہ کہ دشمن کی تعداد کم ہو (تو اس وقت کوئی حرج نہیں ہے)۔

حُباب دشمن کے لشکر کے قریب پہنچے اور نہایت دقت نظر سے جائزہ لے کر واپس آئے اور پیغمبر اکرم ﷺ سے تنہائی میں ملاقات کی اور کہا کہ اے رسول خدا ﷺ میں نے ایک بڑا لشکر دیکھا ہے میرا اندازہ ہے کہ کم و بیش تین ہزار افراد، دوسو گھوڑے اور زرہ پوش سپاہیوں کی تعداد تقریباً سات سو کے قریب ہوگی، رسول خدا ﷺ نے پوچھا کہ تم نے عورتوں کو بھی دیکھا؟ حباب نے کہا کہ ایسی عورتیں دیکھی ہیں جن کے پاس گانے بجانے کا سامان ہے۔ پیغمبر اکرم ﷺ نے فرمایا کہ یہ عورتیں مردوں کو لڑائی پر اُکسانا اور مقتولین بدر کی یاد دلانا چاہتی ہیں، اس سلسلہ میں تم کسی سے کوئی بات نہ کرنا خدا ہماری مدد کے لئے کافی اور بہترین حفاظت کرنے والا ہے اے خدا ہماری روانگی اور حملہ تیری مدد سے ہوگا۔ [2]

مدینہ میں ہنگامی حالت

شب جمعہ 6 شوال 3ھ ق، بمطابق 25 مارچ 625ء۔ اوس و خزرج کے برجستہ افراد سعد بن معاذ، اُسید بن حُضیر اور سعد بن عُبادہ چند مسلح افراد کے ہمراہ مسجد اور پیغمبر ﷺ خدا کے گھر کے دروازہ پر حفاظت کے لئے کھڑے ہو گئے۔ مشرکین کے شب خون مارنے کے خوف سے صبح تک شہر مدینہ کی نگرانی کی جاتی رہی۔ [3]

فوجی شوریٰ کی تشکیل

رسول خدا ﷺ اس فکر میں تھے کہ اگر مسلمان مدینہ میں رہ کر شہر کا دفاع کریں گے تو مسلمانوں کی فوجی شان و شوکت کمزور پڑ جائے گی اور دشمن جری ہو جائے گا اور ممکن ہے دشمن کے شہر کے قریب ہوتے ہی منافقین و یہود اندرونی سازش (یا بغاوت) کے ذریعہ دشمن کی کامیابی کی راہ ہموار کریں دوسری طرف شہر میں رہنے کا فائدہ یہ ہے کہ قریش مجبور ہوں گے کہ شہر پر حملہ کریں اور اس صورت میں دست بدست لڑائی کے حربوں کو بروئے کار لا کر دشمن پر میدان تنگ اور شکست سے دوچار کیا جا سکتا ہے اور شہر میں رہنا سپاہیوں میں دفاع کے لئے زیادہ سے زیادہ جوش پیدا کرے گا۔

قریش بھی اسی فکر میں تھے کہ اگر مسلمان مدینہ میں رہے تو درختوں کو کاٹ کر اور نخلستان میں آگ لگا کر ناقابل تلافی اقتصادی نقصان پہنچایا جائے گا۔

رسول خدا ﷺ نے دفاعی حکمت عملی کی تعیین کے لئے اجلاس بلایا اور اصحاب سے مشورہ طلب کیا اجلاس میں

---

[1] مغازی واقدی جلد 1، ص 205

[2] مغازی واقدی جلد 1، ص 206، 207

[3] مغازی واقدی جلد 1 ص 270، 208

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اعلان کیا کہ اگر آپ لوگ مصلحت سمجھیں تو ہم مدینہ میں رہیں اور دشمنوں کو اسی جگہ چھوڑ دیا جائے جہاں وہ اُترے ہیں تا کہ اگر وہ وہیں رہیں تو زحمت میں مبتلا رہیں اور اگر مدینہ پر حملہ کریں تو ہم ان کے ساتھ جنگ کریں۔

عبداللہ بن اُبی نے اُٹھ کر کہا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ابھی تک کوئی دشمن اس شہر پر فتحیاب نہیں ہو سکا ماضی میں ہم نے دشمن کے ساتھ جب بھی میدان میں لڑائی کی شکست سے دوچار ہوئے اور جب بھی دشمن نے چاہا ہمارے شہر میں آئے تو ہم نے شکست دی لہٰذا آپ انھیں ان کے حال پر چھوڑ دیجئے۔ اس لئے کہ اگر وہ وہیں رہے تو بدترین قید میں ہیں اور اگر حملہ آور ہوئے تو ہمارے بہادر ان سے لڑیں گے، ہماری عورتیں اور بچّے چھتوں سے ان پر پتھراؤ کریں گے اور اگر پلٹ گئے تو شرمندہ رسوا، نا اُمید اور بغیر کسی کامیابی کے واپس جائیں گے مہاجرین و انصار کے بزرگ افراد حسن نیّت کے ساتھ اسی خیال کے حامی تھے لیکن شہادت کے شوقین نوجوانوں کی بڑی تعداد خصوصاً وہ لوگ جو جنگ بدر میں شریک نہیں ہو سکے تھے دشمن سے روبرو لڑنے کے لئے بے قرار تھے اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ خواہش ظاہر کر رہے تھے کہ دشمن کے مقابل میدان کارزار میں لے چلیں۔

اس اکثریت میں لشکر اسلام کے دلیر سردار حضرت حمزہ علیہ السلام بھی تھے انھوں نے فرمایا: اس خدا کی قسم جس نے قرآن کو نازل فرمایا ہم اس وقت تک کھانا نہیں کھائیں گے جب تک شہر سے باہر دشمنوں سے نبرد آزمائی نہ کر لیں۔

جواں سال افراد کچھ اس طرح کا استدلال پیش کر رہے تھے کہ: اے خدا کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم اس بات سے ڈر رہے ہیں کہ کہیں دشمن یہ خیال نہ کر بیٹھیں کہ ہم ان کے سامنے آنے سے ڈرتے ہیں اور شہر سے باہر نکلنا نہیں چاہتے۔ ہمیں اچھا نہیں لگتا قریش اپنے رشتہ داروں کی طرف واپس جا کر کہیں کہ ہم نے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یثرب میں محصور کر دیا اور (اس طرح) اعراب کو ہمارے مقابلے میں دلیر بنا دیں۔ [1]

آخری فیصلہ

جوانوں کے اصرار پر رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اکثریت کی رائے کو قبول فرمایا اور مسلمانوں کے ساتھ نماز جمعہ ادا کی، خطبہ میں انہیں جانفشانی اور جہاد کی دعوت دی اور حکم دیا کہ دشمن سے جنگ کرنے کے لئے تیار ہو جائیں، پھر آپؐ نے نماز عصر جماعت کے ساتھ پڑھائی، اس کے بعد فوراً گھر کے اندر تشریف لے گئے، جنگی لباس زیب تن فرمایا خود سر پر رکھی تلوار حمائل کی اور جب اس حلیہ میں گھر سے باہر تشریف لائے تو وہ لوگ جو باہر نکلنے کے سلسلہ میں اصرار کر رہے تھے، شرمندہ ہوئے اور اپنے دل میں کہنے لگے کہ جس بات کی طرف پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا میلان نہیں تھا ہمیں اس کے خلاف اصرار کرنے کا حق نہیں تھا۔ اس وجہ سے وہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قریب آئے اور کہا کہ اگر آپ چاہیں تو مدینہ میں رہیں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا یہ مناسب نہیں ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لباس جنگ پہن لے اور قبل اس کے کہ خدا دشمنوں کے ساتھ جنگ کی سرنوشت کو روشن کر دے وہ لباس جنگ کو اُتار پھینکے [2]۔ اب ہم جو کہہ رہے ہیں وہ کرتے جائیں خدا کا نام لے کر راستہ پر گامزن ہو جاؤ اگر صبر کرو گے تو کامیاب رہو گے۔ [3]

---

[1] مغازی واقدی جلد 1، ص 208

[2] مغازی واقدی جلد 1، ص 219، 209

[3] مغازی واقدی جلد 3، ص 241213

سوالات:

1 غزوہ بنی قینقاع کب واقع ہوا اور اس کا نتیجہ کیا رہا؟
2 ذی قرد کے مقام پر سّریہ زید بن حارثہ کس مقصد کے تحت انجام پایا؟
3 حضرت علی علیہ السلام و حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کا عقد مبارک کس سال ہوا؟
4 جنگ احد شروع ہونے کے اسباب کیا تھے؟
5 جنگ احد کا بجٹ کفّار نے کس طرح پورا کیا؟
6 راہ خدا سے روکنے کی خاطر مال خرچ کرنے کے سلسلہ میں قرآن کیا کہتا ہے؟
7 رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قریش کی روانگی سے کیسے واقف ہوئے؟
8 دشمن کا مقابلہ کرنے کیلئے مسلمانوں نے آخری فیصلہ کیا کیا؟

دوسرا سبق

لشکر اسلام کی روانگی

روانگی کے وقت رسول خداﷺ نے تین نیزے طلب فرمائے اور تین پرچم تیار کیئے لشکر کا عَلَم علی بن طالب علیہ السلام، قبیلہ اوس کا پرچم اُسَید بن حُضَیر اور قبیلہ خزرج کا پرچم سعد بن عبادۃ کے سپُرد کیا۔ رسول خداﷺ جمعہ کے دن عصر کے وقت ایک ہزار افراد کے ساتھ مدینہ سے باہر نکلے آپ گھوڑے پر سوار اور ہاتھ میں نیزہ لیے ہوئے تھے۔ مسلمانوں کے درمیان صرف سو افراد کے جسم پر زرہ تھی۔

لشکر اسلام مقام شیخان پر پہنچا تو ناگہاں ایک گروہ شور و غل کرتا ہوا پیچھے سے آن پہنچا رسول خداﷺ نے پوچھا کہ یہ کون ہیں؟ لوگوں نے عرض کیا: اللہ کے رسولﷺ یہ عبیداللہ بن اُبّی کے ہم پیمان یہودی ہیں۔ آپؐ نے فرمایا کہ ان تک یہ بات پہنچا دو کہ ہم ان کی مدد سے بے نیاز ہیں اس کے بعد فرمایا کہ مشرکین سے جنگ کرنے کے لئے مشرکین سے مدد نہ لی جائے۔ [۱]

لشکر توحید کا پڑاؤ

رسول خداﷺ نے شیخان کے پاس پڑاؤ ڈالا اور محمد بن مسلمہ کو 50 افراد کے ساتھ لشکر اسلام کے خیموں کی حفاظت پر مامور فرمایا۔

اس مقام پر جنگ میں شرکت کے خواہشمند نوجوان آپؐ کے پاس آئے اور جنگ میں شرکت کی اجازت چاہی، رسول خداﷺ نے انہیں جنگ میں شرکت کرنے کی اجازت نہ دی، انہوں آنحضرتﷺ سے عرض کیا کہ رافع بن خَدیج ایک ماہر تیر انداز ہے اور رافع نے بھی اونچی ایڑی والے جوتے پہن کر اپنے قد کی بلندی کا مظاہرہ کیا رسول خداﷺ نے رافع کو شرکت کی اجازت دے دی۔ سُمَرۃ بن جُندَب نے عرض کیا کہ میں رافع سے زیادہ قوی ہوں، میں ان سے کُشتی لڑنے کے لئے تیار ہوں رسول خداﷺ نے فرمایا ٹھیک ہے، کُشتی لڑو۔ سمرہ نے رافع کو پچھاڑ دیا تو رسول خداﷺ نے اسے بھی شرکت کی اجازت دیدی۔ [۲]

عبداللہ بن جحش نے پیغمبر اکرمﷺ سے عرض کیا کہ: اے رسول خداﷺ دشمنوں نے وہاں ڈیرہ ڈال رکھا ہے۔ میں نے پہلے ہی خدا کی بارگاہ میں دُعا کی ہے کہ کل جب دشمن سے مقابلہ ہو تو وہ مجھے قتل کردیں، میرا پیٹ پھاڑ ڈالیں، میرے جسم کو مثلہ کردیں تاکہ اسی حالت میں خدا کا دیدار کروں اور جس وقت خدا مجھ سے پوچھے کہ کس راہ میں تیری یہ حالت کی گئی؟ تو میں کہہ سکوں کہ اے خدا تیری راہ میں۔ [۳]

عمرو بن جموح ایک پاؤں سے اپاہج تھے جن کے چار بیٹے پیغمبر اکرمﷺ کے ہمراہ جنگوں میں شیر کی طرح لڑتے تھے، جب جنگ اُحد پیش آئی تو عزیز و اقارب نے عمرو بن جموح کو شرکت سے منع کیا اور کہا کہ چونکہ تم پاؤں سے اپاہج ہو لہٰذا فریضہ جہاد کا بار تمہارے

[۱] الصحیح من سیرۃ النبی ج4، ص193 و مغازی واقدی ج1، ص215
[۲] مغازی واقدی ج1، ص216
[۳] مغازی واقدی ج1، ص219

دوش پر نہیں ہے، اس کے علاوہ تمہارے بیٹے تو پیغمبر اکرم ﷺ کے ہمراہ جنگ کیلئے جا رہے ہیں۔ اس نے کہا کہ وہ لوگ تو جنّت میں چلے جائیں۔ اور میں یہاں تمہارے پاس رہ جاؤں؟ ان کی بیوی نے دیکھا کہ وہ ہتھیاروں سے لیس ہوتے ہوئے زیر لب یہ دعا کر رہے ہیں کہ خدایا مجھے گھر واپس نہ پلٹا۔ بیٹوں نے اصرار کیا کہ جنگ میں شرکت سے اجتناب کریں تو وہ پیغمبر اکرم کی خدمت میں پہنچے اور عرض کیا اے رسول خدا ﷺ میرے بیٹے نہیں چاہتے کہ مجھے آپؐ کے ساتھ اس جنگ میں شرکت کرنے دیں، بخدا میری خواہش ہے کہ اس ناقص پاؤں کو بہشت کی سرزمین سے مَس کروں۔

پیغمبر اکرم ﷺ نے فرمایا:

خدا نے تمہیں جنگ سے معاف رکھا ہے اور فریضہ جہاد تمہارے کندھوں سے اٹھا لیا ہے۔

وہ نہیں مانے تو رسول خدا ﷺ نے ان کے بیٹوں سے فرمایا کہ اگر تم ان کو نہ روکو تو تمہارے اوپر کوئی گناہ نہیں ہے۔ شاید خدا ان کو شہادت نصیب کر دے۔ [1]

آفتاب غروب ہوا، جناب بلال نے اذان دی، رسول خدا ﷺ نے مجاہدین اسلام کے ساتھ نماز جماعت ادا کی۔ دوسری طرف دشمن کے لشکر میں عکرمہ بن ابی جہل کو چند سواروں کے ساتھ خیموں کی حفاظت پر مامور کر دیا گیا۔ [2]

منافقین کی خیانت

رسول خدا ﷺ صبح سویرے شیخان سے احد (مدینہ سے 6 کلومیٹر دور) کی طرف روانہ ہوئے۔ مقام شوط پر منافقین کا سرغنہ عبداللہ بن ابی بن سلول اپنے تین سو ساتھیوں سمیت مدینہ واپس لوٹ گیا۔ اس نے اپنے بہانہ کی توجیہ کے لئے کہا کہ محمد ﷺ نے جوانوں کی بات سنی ہماری بات نہیں سنی اے لوگو ہمیں نہیں معلوم کہ ہم کس لئے اپنے آپ کو قتل کئے جانے کے لئے پیش کر دیں:؟ عبداللہ بن عمرو بن حرام ان کے پیچھے گئے اور کہا کہ اے قوم خدا سے ڈرو، ایسے موقع پر کہ جب دشمن نزدیک ہے اپنے قبیلے اور پیغمبر خدا ﷺ کو تنہا نہ چھوڑو منافقین نے جواب دیا اگر ہمیں یقین ہوتا کہ جنگ ہوگی تو ہم تمہیں نہ چھوڑتے، لیکن ہمیں معلوم ہے کہ کسی طرح کی جنگ نہیں ہوگی۔ عبداللہ بن عمرو جو کہ ان سے ناامید ہو چکے تھے ان سے کہنے لگے، اے دشمنان خدا خدا تمہیں اپنی رحمت سے دور کرے اور بہت جلد خدا اپنے پیغمبر ﷺ کو تم سے بے نیاز کر دے گا۔ ان تین سو افراد کے چلے جانے کے بعد قبیلہ بنی حارثہ اور قبیلہ بنی سلمہ کے افراد بھی سست پڑ گئے اور واپس جانے کیلئے سوچنے لگے مگر خدا نے انھیں استوار رکھا۔ [3]

صف آرائی

7/ شوال 3ھ ق بمطابق 26 مارچ 625ء بروز ہفتہ رسول خدا ﷺ نے احد میں نماز صبح ادا کرنے کے بعد لشکر کی صف آرائی شروع کر دی۔ کوہ احد کو پیچھے اور مدینہ کو اپنے سامنے قرار دیا۔ سپاہیوں کو مکمل طور پر ترتیب دینے کے بعد آپؐ نے تقریر فرمائی اور کہا کہ

---

[1] مغازی واقدی ج 1 ص 264

[2] مغازی واقدی ج 1 ص 317

[3] إِذْ هَمَّتْ طَّآئِفَتَانِ مِنكُمْ أَن تَفْشَلَا وَاللَّهُ وَلِيُّهُمَا ۗ وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ ﴿١٢٢﴾ (آل عمران 122) مغازی واقدی ج 1 ص 319 جوامع السیرۃ ص 159 تاریخ پیامبر دکتر آیتی ص 286 طبع ششم اعیان الشیعہ ج 1 ص 254۔

تعریف اور جزاء اس شخص کے لئے ہے جو اپنے فریضے کو صبر و سکون اور متانت و یقین کے ساتھ انجام دیتا ہے، اس لئے کہ جہاد انتہائی دشوار کام اور بہت سی مشکلات و پریشانیوں کا حامل ہے۔ ایسے لوگ بہت کم ہیں جو اس میں ثابت قدم ہیں، مگر وہ لوگ جن کو خدا ہدایت و پائیداری عطا فرمائے، خدا اس کا دوست ہے جو اس کا فرماں بردار ہے اور شیطان اس کا دوست ہے جو اس کی پیروی کرتا ہے۔

ہر چیز سے پہلے جہاد میں ثابت قدم رہو اور اس وسیلے سے ان سعادتوں کو اپنے لئے فراہم کرو جن کا خدا نے وعدہ کیا ہے۔ اختلاف، کشمکش اور ایک دوسرے کو کمزور بنانے کا ارادہ ترک کردو کیونکہ یہ باتیں حقارت و ناتوانی کا سبب ہیں۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عبداللہ بن جُبیر کو 50 تیر اندازوں کے ساتھ درّہ کوہ عینین کی نگرانی پر معین فرمایا اور درّہ کی حفاظت کے لئے جنگی حکمت عملی بتاتے ہوئے فرمایا: ہم فتحیاب ہوں یا شکست کھائیں تم اپنی جگہ ڈٹے رہنا اور دشمن کے سواروں کو تیراندازی کے ذریعہ ہم سے دور کرتے رہنا۔ تاکہ وہ پیچھے سے ہم پر حملہ نہ کریں اگر ہم قتل کردیے جائیں تو ہماری مدد نہ کرنا اور اگر ہم فتحیاب ہوجائیں اور مال غنیمت حاصل کرنے لگیں پھر بھی تم ہمارے پاس نہ آنا تم اپنی جگہ مضبوطی سے ڈٹے رہنا یہاں تک کہ ہمارا کوئی حکم تمہارے پاس آجائے۔ [1]

دشمن اپنی صفوں کو منظم کرتا ہے

ابوسفیان نے بھی اپنی فوج کی صفوں کو منظم کیا پیادہ زرہ پوش لشکر کو درمیان میں خالد بن ولید کی کمان میں سواروں کا ایک دستہ دائیں جانب اور دوسرا دستہ عکرمہ بن ابی جہل کی سرکردگی میں بائیں جانب ترتیب دیا، سیاہ پرچم قبیلہ بنی عبدالدّار کے افراد کے سپرد کیا اور شرک و الحاد کے وجود کی حفاظت کے لئے حکم دیتے ہوئے کہا کہ لشکر کی کامیابی پرچم داروں کی استقامت میں پوشیدہ ہے ہم نے بدر کے دن اسی وجہ سے شکست کھائی تھی اب اگر اپنے آپ کو تم اس کے لائق ثابت نہیں کروگے تو پرچم داری کا فخر کسی اور قبیلے کو نصیب ہوگا، ان باتوں سے اس نے بنی عبدالدار کے جاہلی احساسات کو ابھارا یہاں تک کہ وہ آخری دم تک جان کی بازی لگانے کیلئے آمادہ ہوگئے۔

جنگی توازن

اب ایک ہولناک جنگ کے دہانہ پر لشکر توحید و شرک ایک دوسرے کے مقابل کھڑے ہیں اور ان دونوں لشکروں کا جنگی توازن مندرجہ ذیل ہے۔ [2]

تفصیل لشکر اسلام لشکر مشرکین باہمی نسبت

فوجی 3000700 مسلمانوں کی نسبت 7 / 4:2 زیادہ

زرہ پوش 700100 مشرکین 7 گنا زیادہ

نیزہ بردار 700100 مشرکین 7 گنا زیادہ

شہ سوار 2002 مشرکین 100 گنا زیادہ

جنگ کیسے شروع ہوئی؟

دونوں لشکروں کے درمیان ٹکراؤ کا باعث بننے والا پہلا شخص ابو عامر تھا۔ احد کے دن آگے بڑھتا ہوا لشکر اسلام کے مقابل آیا اور

---

[1] مغازی واقدی ج 1، ص 220 سے 224 تک

[2] یہ نقشہ جنرل طلاس کی کتاب۔۔۔ پیامبر و آئین نبرد۔۔۔ سے استفادہ کرتے ہوئے تھوڑی سی تبدیلی کے ساتھ تیار کیا گیا ہے۔

آواز دے کر کہنے لگا، اے اوس میں ابو عامر ہوں، لوگوں نے کہا اے فاسق تیری آنکھیں اندھی ہوجائیں ابو عامر اس غیر متوقع جواب کے سننے سے اہل مکّہ کے درمیان ذلیل ہوگیا۔ اس نے کہا کہ میری غیر موجودگی میں میرا قبیلہ فتنہ وفساد میں مبتلا ہوگیا ہے۔ اسکے بعد اس نے مسلمانوں سے جنگ کا آغاز کردیا لشکر اسلام نے اس پر اور اس کے ساتھیوں پر سنگ باری کی اس کے بیٹے حنظلہ جو کہ لشکر اسلام میں تھے، انھوں نے رسول خدا ﷺ سے اجازت مانگی تا کہ اپنے باپ کو قتل کردیں لیکن رسول خدا ﷺ نے اجازت نہیں دی۔ [1]

ابو عامر کی عقب نشینی کے بعد مشرکوں کا پرچمدار طلحہ بن ابی طلحہ جسے لشکر کا مینڈھا کہا جاتا تھا، مغرورانہ انداز میں آگے بڑھا اور چلّا کر کہا کہ تم کہتے ہو کہ ہمارے مقتولین دوزخ میں اور تمہارے مقتولین بہشت میں جائیں گے۔ اس صورت میں آیا کوئی ہے جسے میں بہشت میں بھیجوں یا وہ مجھے دوزخ میں پہنچادے؟ حضرت علی علیہ السلام مقابلے کے لئے آگے بڑھے۔

جنگ شروع ہوئی اور تھوڑی ہی دیر میں مشرکین کا پرچم دار شمشیر علی علیہ السلام کی بدولت کیفر کردار کو پہنچا۔ رسول خدا ﷺ خوش ہوگئے اور مجاہدین اسلام نے صدائے تکبیر بلند کی طلحہ کے بھائی نے پرچم اُٹھالیا اور آگے بڑھا جبکہ دوسرے چند افراد بھی پرچم سرنگوں ہوجانے کی صورت میں شرک کا دفاع کرنے اور دوبارہ پرچم اٹھانے کے لئے تیار بیٹھے تھے۔ [2]

دشمن کے حوصلے بلند کرنے میں موسیقی کا کردار

اسلام کے مجاہد اپنے مقدّس دین کے دفاع کے لئے لڑ رہے تھے اور اپنے دل و دماغ میں شہادت کی آرزو کو پروان چڑھا رہے تھے لیکن مشرکین کے سپاہیوں کا مقصد پست مادّی آرزوؤں کا حصول اور انتقام کے سوا کچھ نہ تھا۔ مشرکین کے نامور افراد جنگ کے دوران سپاہیوں کے ان ہی جذبات کو بھڑکا رہے تھے اور یہ ذمّہ داری ان آوارہ عورتوں کی تھی جو آلات موسیقی بجاتیں اور مخصوص آواز میں ترانے گاتی تھیں تا کہ ایک طرف لشکر کے جنسی جذبات بھڑکائیں اور دوسری طرف انتقام کی آگ شعلہ ور کریں تا کہ وہ لوگ نفسیاتی دباؤ کے تحت جنگ جاری رکھیں جو شعر یہ بدقماش عورتیں پڑھ رہی تھیں ان کا مطلب کچھ اس طرح تھا ہم طارق کی بیٹیاں (وقت سحر طلوع ہونے والا ستارہ) ہیں اور بہترین فرش پر قدم رکھتی ہیں۔ اگر دشمن کی طرف بڑھو گے تو ہم تمہارے ساتھ بغل گیر ہوگئیں، اگر دشمن کو پیٹھ دکھاؤ گے اور فرار کرو گے تو ہم تم سے جدا ہوجائے گئیں۔ [3]

اجتماعی حملہ

حضرت علی علیہ السلام نے نئے پرچم دار پر حملہ کیا اور وہ بھی اپنے گندے خون میں لوٹنے لگا۔ رسول خدا ﷺ کے حکم سے اجتماعی حملہ شروع ہوا، مجاہدین اسلام ایسی شجاعت سے لڑ رہے تھے جس کی تعریف بیان سے باہر ہے۔ اس دوران علی علیہ السلام، حمزہ علیہ السلام اور ابودجانہ بے خوفی کی عظیم مثال تاریخ بشریت میں ثبت کرتے ہوئے سپاہ دشمن پر بجلیاں گرا رہے تھے ان کی تمام تر کوشش یہ تھی کہ پرچم داروں کے پیر اُکھاڑ دیں اس لیے جنگ زیادہ تر اسی حصّہ میں ہورہی تھی۔ چونکہ اس زمانے میں پرچم کا سرنگوں ہوجانا شکست اور خاتمہ جنگ سمجھا جاتا تھا اسی وجہ سے مشرکین کے پرچم دار انتہائی شجاعت کا مظاہرہ کررہے تھے اور بنی عبدالدار کے قبیلہ کے افراد نہایت غیظ وغضب کے عالم

---

[1] مغازی واقدی ج1۔ص223

[2] مغازی واقدی ج1 ص223

[3] نحن بنات الطارق۔نمشی علی النّمارق۔ان تقبلو۔اونفر بروالفارق۔مغازی واقدی ج1،ص223/225۔

میں اپنے پرچم دار کے اردگرد جنگ کرتے جاتے تھے اور جب کوئی پرچم دار قتل ہوجاتا تو احتیاطی فوجیں بلا فاصلہ جلدی سے بڑھ کر پرچم کھول دیتی تھیں۔اس دوران دشمن کے شہ سواروں نے تین مرتبہ سپاہیان اسلام کے محاصرہ کو توڑنا چاہا اور ہر بار عبداللہ بن جبیر کے دستے نے مردانہ وار،نہایت بہادری کے ساتھ تیر اندازی کے ذریعے ان کو پیچھے دھکیل دیا۔

حضرت علی علیہ السلام کی تلوار،حمزہ علیہ السلام کی دلیری اور عاصم بن ثابت کی تیر اندازی سے بنی عبدالدار کے نو پرچم دار یکے بعد دیگرے ہوا ہوگئے اور رعب و وحشت نے مشرکین کے سپاہیوں کو گھیر لیا۔آخری بار انہوں نے صواب نامی غلام کو پرچم دیا۔صواب سیاہ چہرے اور وحشت ناک حُلیے کے ساتھ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف بڑھا،شدت غضب سے آنکھیں سرخ اور منہ سے کف جاری تھا۔لیکن علی علیہ السلام نے حملہ کیا اور تلوار کی ایسی ضربت اس کی کمر پر لگائی کہ وہ وہیں ڈھیر ہوگیا۔مسلمانوں نے مشرکین کی صفوف کو درہم برہم کردیا وہ عورتیں، جو دف بجارہی تھیں اور گانے گارہی تھیں، دف پھینک کر پہاڑوں کی طرف بھاگیں،مشرکین کے لشکر میں فرار اور شکست شروع ہوئی اور تھوڑی ہی دیر میں زیادہ تر لوگ بھاگ گئے اور اس طرح جنگ کا پہلا مرحلہ مشرکین کی شکست اور مجاہدین اسلام کی کامیابی پر ختم ہوا۔

فتح کے بعد شکست

راہ خدا میں جہاد، رضائے خدا کی طلب، آئین اسلام کی نشر و اشاعت کے علاوہ مجاہدین اسلام کا کوئی اور مقصد نہ تھا وہ آخری وقت تک بہادری کے ساتھ جنگ کرتے رہے اور نتیجہ میں فتحیاب ہوئے۔لیکن فتح کے بعد بہت سے مسلمان مقصد سے ہٹ گئے اور ان کی نیت بدل گئی۔قریش نے جو مال غنیمت چھوڑا تھا اس نے بہت سے لوگوں کے اخلاص کی بنیادیں ہلادیں انہوں نے فرمان رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور جنگ کے مقصد کو بُھلا دیا۔دشمنوں کے تعاقب سے چشم پوشی کرکے مال غنیمت کی جمع آوری میں مشغول ہوگئے۔انہوں نے اپنی جگہ یہ سوچ لیا تھا کہ دشمن کا کام تمام ہوگیا ہے۔درّہ کی پشت پر موجود محافظوں نے جب دشمن کو فرار اور مجاہدین کو مال غنیمت جمع کرتے ہوئے دیکھا تو جنگی حکمت عملی کے اعتبار سے اس اہم درّے کی حفاظت کی حساس ذمّہ داری کو بُھلا دیا اور کہا کہ ہم یہاں کیوں رُکے رہیں؟ خدا نے دشمن کو شکست دی اور اب تمہارے بھائی مال غنیمت جمع کررہے ہیں۔چلو تاکہ ہم بھی ان کے ساتھ شرکت کریں۔عبداللہ بن جبیر نے یاد دلایا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا تھا کہ اگر ہم قتل کردیئے ائیں تو ہماری مدد نہ کرنا اور اگر ہم کامیاب ہوگئے اور مال غنیمت جمع کرنے لگے تب بھی ہمارے ساتھ شرکت نہ کرنا بلکہ عقب سے ہماری حفاظت کرتے رہنا؟ عبداللہ نے بہت سمجھایا کہ کمانڈر کے حکم سے سرتابی نہ کرو،لیکن کوئی فائدہ نہیں ہوا۔انہوں نے غنیمت کے لالچ میں اپنی جگہ کو چھوڑ دیا اور درّے سے نکل آئے عبداللہ صرف دس 10 افراد کے ساتھ وہاں باقی رہ گئے۔

مشرکین کی فوج کے شہ سواروں کے سردار خالد بن ولید نے جب درّے کو خالی دیکھا تو اپنے ماتحت فوجیوں کو لیکر وہاں حملہ کردیا اور چند بچے ہوئے تیر اندازوں پر ٹوٹ پڑا عکرمہ بن ابی جہل نے اپنی ٹولی کے ساتھ خالد بن ولید کی پشت پناہی کی،جن تیر اندازوں نے درّہ نہیں چھوڑا تھا انھوں نے مردانہ وار مقابلہ کیا یہاں تک کہ ان کے ترکش کے تمام تیر خالی ہوگئے اس کے بعد انھوں نے نیزے اور پھر آخر میں شمشیر سے جنگ کی یہاں تک کہ سب شہید ہوگئے۔

سپاہیان اسلام اطمینان کے ساتھ مال غنیمت جمع کرنے میں مشغول تھے کہ یکا یک خالد بن ولید لشکر اسلام کی پشت پر آ پہنچا اور جنگی حکمت عملی والے اہم حصّہ کو فتح کرلیا۔دوسری طرف سے مشرکین اپنے فرار کو جاری رکھے ہوئے تھے جبکہ خالد بن ولید چلّا چلّا کر شکست

خوردہ لشکر قریش کو مدد کے لیے پکار رہا تھا۔اسی دوران بھاگنے والوں میں پیچھے رہ جانے والی ایک عورت نے کُفر کے سرنگوں پرچم کو لہرا دیا۔تھوڑی ہی دیر میں قریش کا بھاگا ہوا لشکر واپس آ گیا اور شکست خوردہ لشکر پھر سے منظم ہو گیا۔

سپاہ اسلام افراتفری اور بدنظمی کی وجہ سے تھوڑی ہی دیر میں سامنے اور پیچھے سے محاصرہ میں آ گئیں اور پھر نئے سرے سے دو لشکروں کے درمیان جنگ شروع ہو گئی۔مسلمان حواس باختہ ہو گئے اور نہ صرف دشمن کے ہاتھ سے مارے جانے لگے بلکہ ایک دوسرے کو بھی مارنے لگ گئے۔

دوبارہ شروع ہونے والی غیر مساوی جنگ کے شور وغوغہ کے دوران ابن قمئہ نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دفاع میں مصروف اسلامی لشکر کے اہم سردار مصعب بن عُمیر پر حملہ کر دیا اور وہ خدا سے عہد و پیمان نبھاتے ہوئے اپنے خون میں غلطان ہو گئے۔

مصعب نے لڑائی کے وقت چہرے کو چھپا رکھا تھا تا کہ پہچانے نہ جائیں۔ابن قمئہ نے سمجھا کہ اس نے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قتل کر دیا ہے۔اس وجہ سے چلّایا کہ اے لوگو محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قتل ہو گئے۔اس خبر سے قریش کے سردار اس قدر خوش ہوئے کہ ہم آواز ہو کر چلّانے لگے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قتل ہو گئے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قتل ہو گئے۔[۱]

اس بے بنیاد خبر کا پھیلنا دشمن کی جرات کا باعث بنا اور لشکر قریش سیلاب کی طرح اُمنڈ پڑا،مشرکین کی عورتوں نے مصعب کے پاک جسم اور شہدا میں سے بہت سے افراد کے اجساد اطہار کو مثلہ کر دیا۔دوسری طرف اس خبر نے جنگ میں مصروف مجاہدین اسلام کو بہت بڑا روحانی صدمہ پہنچایا،اکثر لوگوں نے ہاتھ روک لیا اور پہاڑ پر پناہ لینے کے لئے بھاگ گئے۔بعض ایسے حواس باختہ ہوئے کہ انھوں نے یہ سوچا کہ کسی کو فوراً مدینہ میں عبداللہ بن اُبّی کے پاس بھیجیں تا کہ وہ واسطہ بن جائے اور قریش سے ان کے لئے امان مانگے

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسلمانوں کو اپنی طرف بُلا رہے تھے اور فرماتے تھے اے بندگان خدا میری طرف آؤ اے فلاں فلاں میری طرف آؤ لیکن جو لوگ ایمان سے بے بہرہ تھے اپنی جان بچانے کے لیے جیسے بھاگ رہے تھے ویسے ہی بھاگتے رہے۔ان میں سے بعض پہاڑ کے دامن میں بھاگتے ہوئے خدا کی جانب سے کئے گئے وعدہ فتح سے بدگمان ہو گئے زمانہ جاہلیت کے افکار و خیالات نے ان کا پیچھا کرنا شروع کر دیا بعض نے قرار پر فرار کو ترجیح دی اور مدینہ چلے گئے اور تین دن تک اپنے آپ کو چھپائے رکھا۔[۲]

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دفاع کرنے والوں کی شجاعت

درّے میں چند افراد باقی رہ گئے اور ایسی شجاعت کے ساتھ دشمن کے پے در پے حملوں کو روک کر پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دفاع کر رہے تھے جس کی تعریف نہیں کی جا سکتی علی علیہ السلام نے ایک لمحہ کے لئے بھی میدان نہیں چھوڑا۔آپ اپنی تلوار سے مسلسل دشمن کے سَر پر مَوت برسا رہے تھے اور بعض کو موت کے گھاٹ اتار کر دوسروں کو فرار پر مجبور کر رہے تھے۔

حضرت علی علیہ السلام نے بہت زخم کھائے لیکن پھر بھی نہایت تیزی کے ساتھ شیر کی طرح غُرا کر شکار پر حملہ کرتے اور پروانہ وار پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گرد چکّر لگاتے کہ مبادا کوئی نور خدا کی اس شمع کے وجود کو خاموش کر دے ایسا منظر بار بار آتا رہا کہ خدا اس بہادری کا گواہ ہے

---

[۱] مغازی واقدی ج1 ص229،232

[۲] مغازی واقدی ج1 ص237،الصحیح ج3،ص226 کامل ج2،ص109

جبرئیل علیہ السلام نے آسمان سے آواز بلند کی۔

لا فتی الا علی لا سیف الا ذوالفقار [1]

تاریخ بھی اس حقیقت کی گواہ ہے۔ اہل سنت کے مورخ ابن ہشام لکھتے ہیں کہ احد کی جنگ میں قریش کے زیادہ تر افراد حضرت علی علیہ السلام کے ہاتھوں قتل ہوئے [2]

احد کے معرکہ میں بہادری کا جوہر دکھانیوالوں میں لشکر اسلام کے دلیر سردار جناب حمزہ بن عبدالمطلب بھی تھے جنھوں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دفاع کرتے ہوئے دلاورانہ جنگ میں بہت سے مشرکین کو واصل جہنم کیا۔ ابوسفیان کی بیوی ہند نے جبیر ابن مطعم کے وحشی نامی غلام سے وعدہ کیا تھا کہ اگر تم محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، حمزہ علیہ السلام یا علی علیہ السلام کو قتل کردو تو آزاد ہو جاؤ گے۔ وہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک تو نہ پہنچ سکا اور علی علیہ السلام بھی میدان جنگ میں ہر طرف سے چوکنے تھے۔ اس نے جب جناب حمزہ کو دیکھا کہ وہ شدّت غیظ و غضب میں ارد گرد سے بے خبر ہیں تو اپنے ذہن میں ان کے قتل کا نقشہ ترتیب دینے لگا جناب حمزہ شیر کی طرح قلب لشکر پر حملہ آور ہوتے اور جس شخص تک پہنچتے اس کو خاک و خون میں غلطان کر دیتے۔

وحشی ایک پتّھر کی آڑ میں چھپ گیا اور جب جناب حمزہ مصروف جنگ تھے اس وقت اُس نے اپنے نیزے کا نشانہ ان کی طرف لگا کر ان کو شہید کر دیا۔ جبکہ ابوسفیان کی بیوی ہند نے جناب حمزہ علیہ السلام کے جسم پاک کو مثلہ کیا۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دفاع کرنے والوں میں سے ایک ابودجانہ بھی تھے مسلمانوں کے میدان جنگ میں واپس آجانے کے بعد جب آتش جنگ دوبارہ بھڑکی تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک تلوار لی اور فرمایا کہ کون ہے جو اس تلوار کو لے اور اس کا حق ادا کرے؟ چند افراد اٹھے، لیکن ان میں سے کسی کو آپؐ نے تلوار نہیں دی اور پھر اپنی بات دُہرائی۔ اس دفعہ ابودجانہ اٹھے اور انہوں نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں آمادہ ہوں۔ [3]

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اس شمشیر کا حق یہ ہے کہ اسے دشمن کے سر پر اتنا مارو کہ یہ ٹیڑھی ہو جائے اور اس بات سے مکمل طور پر ہوشیار رہو کہ کہیں دھوکے میں تم کسی مسلمان کو قتل نہ کر دینا۔ یہ کہہ کر آپؐ نے وہ تلوار ان کو عطا فرمائی۔

ابودجانہ نے ایک سُرخ رنگ کا کپڑا اپنے سر پر باندھا اور دشمن کی طرف مغرورانہ انداز میں بڑھے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اس طرح کی چال کو خدا پسند نہیں کرتا مگر یہ کہ جنگ کا ہنگام ہو، ابودجانہ نے راہ خدا میں قلب دشمن پر حملہ کیا اور ان کے سروں پر تلوار کے اتنے وار کئے کہ تلوار ٹیڑھی ہو گئی۔

اُمّ عمارہ شیر دل خاتون

اُمّ عمارہ وہ شیر دل خاتون ہیں جو مدینہ سے سپاہ اسلام کے ساتھ آئی تھیں تا کہ محاذ کے پیچھے رہ کر دیگر خواتین کے ساتھ لشکر اسلام کیلئے امدادی کاموں میں شرکت کریں، ان کے زخموں کی مرہم پٹی کا انتظام کریں، زخمیوں کے زخموں پر پٹی باندھیں اور مجاہدین کو پانی

[1] علی علیہ السلام جیسا کوئی جواں مرد اور ذوالفقار جیسی کوئی تلوار نہیں ہے۔
[2] سیرۃ ابن ہشام ج2، ص100 تفسیر البرہان ج1، ص313
[3] سیرۃ ابن ہشام ج2، ص68 مغازی واقدی ج2، ص259

پہنچائیں اگر چہ جہاد عورتوں پر واجب نہ تھا مگر جب اُمّ عمارہ نے دیکھا کہ لوگ رسول خداﷺ کے پاس سے پراگندہ ہو گئے ہیں اور آنحضرتﷺ کو آگ وخون کے درمیان تنہا اور بے یار و مددگار چھوڑ دیا ہے اور ان کی جان خطرے میں ہے تو ام عمارہ نے وجود اسلام خطرے میں گھرا ہوا دیکھ کر ایک بھاگنے والے کی تلوار اُچک لی اور مردانہ وار دشمن کے لشکر کی طرف بڑھیں اور ہر طرف لڑنے لگیں تا کہ رسول خداﷺ کی جان محفوظ رہے۔ پیغمبر اکرمﷺ اس شیر دل خاتون کی شجاعت سے بہت خوش ہوئے اور آپؐ نے فرمایا کہ نُسَیبہ (اُمّ عمارہ) دختر کعب کی منزلت آج کے دن میرے نزدیک فلاں فلاں سے زیادہ بلند ہے۔[1]

رسول خداﷺ کے لئے سپَر بنے ہوئے چند افراد کی بے مثال فداکاری کے باوجود آپؐ شدید زخمی ہوئے۔

عتبہ نے چار پتّھر پھینک کر آپؐ کے چند دانت شہید کر دیئے۔ ابن قمئہ نے آپؐ کے چہرے پر ایسا شدید زخم لگایا کہ آپ کے خود کی کڑیاں آپ کے رخساروں میں پیوست ہوگئیں پیغمبر اکرمﷺ زخموں کی بنا پر کافی کمزور ہوگئے اور آپؐ نے ظہر کی نماز بیٹھ کر ادا کی۔

میدان چھوڑ دینے والوں میں سے سب سے پہلے کعب بن مالک نے رسول خداﷺ کو پہچانا اور چلّا کر کہا پیغمبرﷺ زندہ ہیں لیکن رسول خداﷺ نے اسے خاموش رہنے کا حکم دیا۔

آنحضرتﷺ کو درّے کے دہانے تک لے جایا گیا جب آپؐ وہاں پہنچے تو بھاگ کر وہاں آئے ہوئے مسلمان بہت شرمندہ ہوئے۔ ابوعبیدہ جراح نے رسول خداﷺ کے چہرہ مبارک میں در آنے والی زنجیر کی کڑیوں کو باہر نکالا حضرت علی علیہ السلام اپنی سپر میں پانی بھرا اور رسول خداﷺ نے اپنا خون آلود سر اور چہرہ دھویا۔

لشکر کی جمع آوری

رسول خداﷺ درّے کے دہانے پر پہنچ گئے تو آپؐ نے مسلمانوں کو بلایا، جب لشکر اسلام نے رسول خداﷺ کو زندہ دیکھا تو گروہ گروہ اور فرد فرد اکٹھے ہونے لگے رسول خداﷺ نے ان کو راہ خدا میں جنگ و جہاد اور پہلی جگھوں پر واپسی کی دعوت دی شکست کے بعد پھر سے اسلامی فوجیں منظم ہوگئیں، افراد اور سامان جنگ کی کمی کے باوجود دوبارہ حملہ شروع کر دیا گیا اور جنگ کی آگ بھڑکانے والوں کو پھر سے اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ مشرکین کی فوج نے عقب نشینی شروع کی اور مسلمان دوبارہ اپنی اپنی جگھوں پر پہنچ گئے۔

اسلامی لشکر کی شجاعت و بہادری نے دوبارہ دشمن کے سیاہ قلب کو خوف و وحشت میں مبتلا کر دیا، مشرکین کے لشکر کے سردار ابوسفیان نے اس خطرے کے باعث کہ کہیں مجاہدین اسلام آغاز جنگ کی طرح دوبارہ ان پر جھپٹ پڑیں، جنگ بندی کے حکم کے ساتھ جنگ کے خاتمے کا اعلان کر دیا۔

سوالات

1 منافقین نے جنگ میں کیسے خیانت کی؟
2 لشکر اسلام اور شرک کا جنگی توازن بیان فرمائیں؟
3 کیا وجہ تھی کہ دشمن نے سپاہ اسلام کا محاصرہ کر لیا تھا؟
4 کن لوگوں نے رسول خداﷺ کا دفاع کرنے میں جواں مردی کا ثبوت دیا؟

---

[1] مغازی واقدی ج1، ص269 تفسیر علی ابن ابراہیم ج1، ص116 اور شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج4، ص266

تیسرا سبق

شہیدوں کے پاکیزہ جسم کے ساتھ کیا سلوک ہوا؟

جنگ کے خاتمہ اورمیدان جنگ کے خالی ہوجانے کے بعدقریش کی اوباش عورتیں اورمشرکین کے سپاہی،شہیدوں کے پاکیزہ اجسام کی طرف بڑھے اورانتقام کی آگ بجھانے کے لئے انہوں نےلرزادینے والےمظالم ڈھائے اورشہیدوں کے پاکیزہ اجسام کومثلہ کیا ،ابوسفیان کی بیوی ہنداس گروہ میں شامل عورتوں میں پیش پیش تھی اس نے جناب حمزہ اورتمام شہیدوں کے اعضا کاٹ کرگلوبنداوردست بند بنایااورجب جناب حمزہ کے جسداطہر کے پاس پہنچی اُن کے سینہ کوچاک کرکےجگرنکال کردانت سے چبانا چاہالیکن کوشش کے باوجود چبانہ سکی بالآخرزمین پر پھینک دیا۔

اس بدترین جُرم کے ارتکاب کے بعدوہ ہندجگرخوار کے نام سے مشہور ہوگئی حنظلہ کے علاوہ کہ جن کا باپ (ابوعامر) سپاہ مشرکین میں تھا،تمام شہیدوں کے جسموں کومثلہ کردیا گیا۔[1]

طرفین کےنقصانات

جنگ احد میں مسلمانوں کی طرف سے ستّر (70) آدمیوں نے جام شہادت نوش فرمایاان میں چارافرادمہاجرین اور بقیہ انصارمیں سے تھےاورتقریباً ستر(70)افرادزخمی ہوئے۔مشرکین میں سے بائیس (22) سےلیکرچھبیس (26)افرادتک ہلاک ہوئے جن میں سے آدھےحضرت علی علیہ السلام کی تلوارکانشانہ بنے۔[2]

مفہوم شہادت

منافقین مدینہ میں سےقزمان نامی ایک شخص تھا۔جب بھی رسول خداصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے اس کا ذکرکیا جاتا توآپؐ فرماتے کہ وہ جہنمی ہے۔جب جنگ احدکا آغازہواتوقزمان لشکراسلام سے روگردانی کرکےعبداللہ بن ابیّ اوردیگرمنافقین سے جاملا۔جب وہ مدینہ پہنچاتو عورتوں نے اس کولعنت وملامت کی اسے غیرت محسوس ہوئی تووہ اسلحہ سے لیس ہوکراحدکی طرف روانہ ہوا،مردانہ وار جنگ کی اورنہایت شجاعت اوردلیری کے ساتھ چندمشرکین کوقتل اورزخمی کیا۔جنگ کے آخری لمحات میں بہت زیادہ زخمی ہوکرمیدان جنگ میں گرپڑامسلمان اس کی طرف دوڑے اورکہاخوش ہوجاؤ کہ جنت تمہاراٹھکانہ ہےاس نے کہا کہ میں کیوں خوش ہوں؟ میں نے صرف اپنے قبیلے کی عزت کے لئے جنگ کی ہےاگرمیراقبیلہ نہ ہوتاتو میں جنگ نہ کرتازخموں کے دردکواس سے زیادہ برداشت نہ کرسکااورترکش سے ایک تیرنکال کے خودکشی کرلی۔[3]

نفسیاتی جنگ

---

[1] مغازی واقدی ج1،ص274

[2] الصحیح ج4،ص319ارشادشیخ مفیدص43بحارالانوارج20،ص90

[3] سیرۃابن ہشام ص93مغازی واقدی ج1،ص22-223

لوگوں کے افکار وعقائد میں نفوذ کرنے کے لئے مناسب وقت کی ضرورت ہوتی ہے جبکہ افکار وعقائد کوخراب کرنے کے لیے شکست اور مصیبتوں میں مبتلا ہونے والے زمانے جیسا مناسب اور کوئی زمانہ نہیں ہوتا، موقع کی تلاش میں رہنے والے دشمن نے اس اصول کے تحت شکست کے آخری لمحات کو اپنے عقائد کی نشر واشاعت کے لئے غنیمت سمجھا اور مخالف اسلام نعروں کے ذریعہ سادہ لوح افراد کو دھوکہ دینے اور انہیں متاثر کرنے کی کوشش کی۔ کیونکہ یہ ایسا موقع تھا جب غلط پروپیگنڈہ نہایت آسانی کے ساتھ شکست خوردہ قوم کے دلوں پر اثر کرسکتا تھا۔

ابوسفیان اور عکرمہ بن ابی جہل نے اُعلُ ھُبل (ھبل سرفراز رہے) کا نعرہ بلند کیا۔ یعنی ہمارے بتوں نے ہمیں کامیاب کیا۔

رسول خدا ﷺ نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ تم کہو اللہ اَعلی وَ اَجلّ خدا برتر اور بزرگ ہے۔ مشرکین کا نعرہ تبدیل ہوا اور ابوسفیان چلایا: نَحنُ لَنَا العُزّی وَلاعزّی لَکُم ہمارے پاس عُزّی نامی بُت ہے لیکن تمہارے پاس نہیں ہے۔ رسول خدا ﷺ نے فرمایا کہ تم بھی بلند آواز سے کہو اللہ مَولانَا وَلامَولی لَکُم اللہ ہمارا مولا ہے اور تمہارا کوئی مولا نہیں ہے۔

مشرکین کا نعرہ دوبارہ بدل گیا ابوسفیان نے نعرہ بلند کیا کہ یہ دن روز بدر کا بدل ہے۔ مسلمانوں نے پیغمبر اکرم ﷺ کے حکم سے کہا کہ یہ دونوں دن آپس میں برابر نہیں ہیں ہمارے مقتولین بہشت میں اور تمہارے مقتولین جہنم میں ہیں۔ ابوسفیان نے کہا کہ ہمارا اور تمہارا آئندہ سال مقام بدر میں وعدہ رہا۔[1]

کہاں جا رہے ہیں؟ جنگ کی آگ بُجھ گئی، دونوں لشکر ایک دوسرے سے جُدا ہوگئے، مشرکین کے لشکر نے کوچ کا ارادہ کیا پیغمبر اکرم ﷺ سوچنے لگے، دیکھیں یہ لوگ کہاں جاتے ہیں؟ کیا یہ لوگ موقع سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے مدینہ پر حملہ کرنا چاہتے ہیں یا مکّہ کا راستہ اختیار کرتے ہیں؟ حالات سے آگاہی کے لئے رسول خدا ﷺ نے حضرت علی علیہ السلام سے فرمایا اے علی علیہ السلام تم جا کر دشمن کی خبر لاؤ اگر تم نے دیکھا کہ یہ لوگ گھوڑوں پر سوار اونٹوں کو کھینچتے ہوئے لے جاتے ہیں تو سمجھنا کہ مدینہ پر حملہ کا ارادہ ہے۔ اس صورت میں خدا کی قسم ہم ان سے لڑیں گے۔ اور اگر وہ اونٹوں پر سوار ہو کر گھوڑوں کو کھینچتے ہوئے لے چلے تو سمجھنا کہ مکّہ جانے کا ارادہ رکھتے ہیں[2]۔

حضرت علی علیہ السلام دور سے دشمن پر نظر رکھے ہوئے دیکھ رہے تھے کہ وہ انٹوں پر سوار ہو کر اپنے دیار پلٹ جانے کا ارادہ رکھتے ہیں۔

احد میں مسلمانوں کی شکست کے اسباب کا جائزہ

جنگ کے پہلے مرحلے میں سپاہ اسلام کی فتح اور بعد کے مرحلہ میں ان کی شکست کی وجہ احد کے واقعات دیکھنے کے بعد بڑی آسانی سے واضح ہوجاتی ہے۔ لیکن وحی کی زبان سے مسلمانوں کی شکست کے اسباب مختصراً بیان کیئے جاتے ہیں۔

1 جنگی نظم وضبط کی کمی، سردار کی نافرمانی اور جنگی اعتبار سے اہم جگہ کو چھوڑ دینا مسلمانوں کی شکست کی اہم وجوہات ہیں۔ قرآن کہتا ہے کہ خدا نے (احد میں دشمنوں پر) فتحیابی کا تم سے سچّا وعدہ کیا۔ اس موقع پر تم اس کے فرمان کے مطابق جنگ کر رہے تھے (اور یہ کامیابی جاری تھی)۔ یہاں تک کہ تم سست ہوگئے اور اپنے کام میں نزاع کرنے لگے۔ جس چیز کو تم دوست رکھتے تھے (دشمن پر غلبہ کو) تمہیں

---

[1] بحارالانوار ج20 ص44

[2] بحارالانوار ج20 ص97، واقدی ج1 ص298 پر کہتا ہے کہ پیغمبر اکرم ﷺ نے سعد بن ابی وقاص کو بھیجا۔

دکھا دیا گیا پھر اس کے بعد تم نے نافرمانی کی۔[1]

2 ایمان کی کمزوری اور دنیا پرستی، نئے نئے مسلمان ہونے والوں میں ایک گروہ نے دشمن کا پیچھا کرنے کی بجائے مال غنیمت جمع کرنے کو ترجیح دی اور اسلحہ رکھ کر مال غنیمت جمع کرنے لگا۔ قرآن مندرجہ بالا آیات کے آخر میں کہتا ہے کہ تم میں سے بعض دُنیا طلب تھے اور بعض آخرت کے خواہاں، اس کے بعد اللہ نے تم کو ان سے منصرف کر دیا (اور تمہاری کامیابی شکست پر تمام ہوئی) تا کہ تم کو آزمائے۔[2]

دوران جنگ ایک بڑی تعداد کا اپنی جان بچانے کیلئے میدان فرار اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تنہا دشمن کے نرغے میں دشمن کے حوالے کرنا، ان افراد کے دنیا پرست اور ضعیف ایمان کا بہت بڑا نمونہ ہے۔

پیغمبر کے قتل کی افواہ، اور وہ اس طرح کہ بعض مسلمان تو اسلام کی بنیاد ہی سے ناامید ہو گئے تھے قرآن اس سلسلہ میں کہتا ہے کہ محمد نہیں ہیں مگر فرستادہ خدا کہ اُن سے پہلے بہت سے پیامبر ہو چکے اور اس دنیا سے جا چکے ہیں۔ اگر وہ بھی مر جائیں یا شہادت پا جائیں تو کیا تم اپنے جاہلیت کے دین پر پلٹ جاؤ گے؟[3]

شہداء کی لاشیں

مشرکین کے لشکر کے میدان جنگ سے نکل جانے کے بعد رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لشکر اسلام کے مجاہدین کے ساتھ شہیدوں کی میّت پر حاضر ہوئے تا کہ ان کو سپرد خاک کریں۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شہیدوں کے مُثلہ شدہ اجسام، خصوصاً سیّد الشہداء حضرت حمزہ کے پارہ پارہ بدن کو دیکھا تو دل غم سے پاش پاش ہو گیا اور مشرکین کی طرف سے آپ کے دل میں مزید غصّہ اور نفرت کا طوفان اُٹھ کھڑا ہوا۔ وہاں مسلمانوں نے یہ عہد کیا کہ اگر دوسری لڑائی میں وہ مشرکین پر فتح پائیں گے تو ایک آدمی کی تلافی میں کافروں کے تیس اجسام کو مثلہ کریں گے لیکن مندرجہ ذیل آیت نازل ہوئی اور مسلمانوں نے اس خیال کو ترک کر دیا۔ اگر تم چاہتے ہو کہ ان کو سزا دو تو اپنی سزا میں میانہ روی اختیار کرو اور حد اعتدال سے خارج نہ ہو جاؤ اور اگر صبر کرو تو یہ صبر کرنیوالوں کے لئے بہتر ہے۔[4]

پھر رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت حمزہ کے پاکیزہ جسم پر نماز پڑھی اور ان کے پہلو میں ایک ایک شہید کو لٹا کر ہر ایک پر الگ الگ نماز پڑھی اس طرح ستر نمازیں پڑھی گئیں۔[5]

حضرت حمزہ کی بہن صفیہ اپنے شہید بھائی کا جنازہ دیکھنے آئیں تو ان کے بیٹے زبیر نے روکنا چاہا (تا کہ بہن اس حال میں بھائی کو نہ دیکھے) لیکن جناب صفیہ نے فرمایا کہ مجھے معلوم ہے میری بھائی کو مثلہ کیا گیا ہے۔ بخدا اگر میں ان کے سرہانے پہنچوں گی تو اپنے غمگین ہونے کا اظہار نہیں کروں گی اور راہ خدا میں اس مصیبت کو برداشت کروں گی لوگوں نے ان کو چھوڑ دیا وہ اپنے بھائی کے سرہانے آئیں اور

---

[1] وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعْدَهٗۤ اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ بِاِذْنِهٖ ۚ حَتّٰۤى اِذَا فَشِلْتُمْ وَتَنَازَعْتُمْ فِي الْاَمْرِ وَعَصَيْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَاۤ اَرٰىكُمْ مَّا تُحِبُّوْنَ ؕ (آل عمران-152)

[2] مِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الدُّنْيَا وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ۚ ثُمَّ صَرَفَكُمْ عَنْهُمْ لِيَبْتَلِيَكُمْ ۚ (آل عمران-152)۔

[3] وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ؕ اَفَا۟ئِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰۤى اَعْقَابِكُمْ ؕ (آل عمران/144)۔

[4] ۔وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ ؕ وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۲۶﴾ (نحل، آیت 126) نیز رجوع کریں۔ شرف النبی ص 347۔

[5] مغازی واقدی ج 2، ص 267 ابن ہشام ج 2، ص 95، 97

ان کے لئے خدا سے دُعائے مغفرت کی۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا کہ قبریں کھودی جائیں اور ان اجسام کو دفن کر دیا جائے شہدا اپنے لباس کے ساتھ دفن ہوئے اور جس شہید کے تن پر مناسب لباس نہ تھا اس کے جسم کو ایک پارچے سے ڈھانپ دیا گیا۔ اکثر شہدا کو اسی میدان جنگ میں سپرد خاک کیا گیا کچھ لوگ اپنے شہدا کو مدینہ لے گئے۔ اس طرح سے شہیدوں کا پہلا قبرستان گلزار شہداء مدینہ کے نزدیک کوہ احد کے دامن [1] میں بنا۔

ان کو یہیں دفن کروانیکی دُعا مستجاب ہوگئی

عمرو بن حرام کی بیٹی ہند جس کے شوہر عمرو بن جموح بیٹے خلاد اور بھائی عبداللہ عمرو اس مقدس جہاد میں شہید ہوئے، احد میں آئی تا کہ اپنے عزیزوں کی میتیں مدینہ لے جائے۔ ہند نے ان تینوں کے جنازے اونٹ پر رکھے اور مدینہ کا راستہ لیا۔ مدینہ جاتے وقت راستے میں کچھ عورتیں ملیں جو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحیح خبر پانے کے لئے احد کی طرف آ رہی تھیں۔ عورتوں نے ہند سے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حال دریافت کیا تو اس نے نہایت خندہ پیشانی سے جواب دیا کہ۔۔ الحمد للہ رسول خدا زندہ ہیں۔ (گویا اس نعمت کے مقابل تمام مصیبتیں ہیچ تھیں) دوسرا مدہ یہ ہے کہ خدا نے کافروں کے رُخ کو پھیر دیا جبکہ وہ غیظ وغضب سے بھرے ہوئے تھے۔ عورتوں نے اس سے پوچھا یہ جنازے کس کے ہیں؟ اس نے کہا ایک میرے شوہر، دوسرا میرے بیٹے اور تیسرا میرے بھائی کا جنازہ ہے۔

وہ عورت اونٹ کی مہار کو مدینہ کی طرف کھینچ رہی تھی لیکن اونٹ بڑی مشکل سے راستہ طے کر رہا تھا۔ ان عورتوں میں سے ایک نے کہا کہ شاید اونٹ کا بار بہت گراں ہے ہند نے جواب دیا: نہیں یہ اونٹ بہت آسانی سے دو اونٹوں کا بار اٹھاتا ہے۔ ہند جب اونٹ کو احد کی طرف پلٹاتی تو اونٹ بڑی آسانی سے چلنے لگتا، اس نے اپنے دل میں کہا کہ یہ کیا بات ہے؟ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئی اور آپؐ سے سارا ماجرا بیان کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہند سے سوال کیا کہ جب تیرا شوہر گھر سے باہر نکلا تو اس نے خدا سے کیا مانگا تھا؟ ہند نے کہا، اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہ جب گھر سے باہر نکلے تھے تو اس وقت انکی دُعا تھی خدایا مجھے میرے گھر واپس نہ پلٹانا رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تیرے شوہر کی دُعا مستجاب ہوئی خدا نہیں چاہتا کہ یہ جنازے گھر کی طرف واپس جائیں تم تینوں جنازوں کو احد ہی میں دفن کرو اور یہ جان لو کہ یہ تینوں افراد دوسری دُنیا میں بھی ساتھ ہی رہیں گے۔ ہند نے سسکتے ہوئے کہا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ خدا سے دُعا کیجئے کہ میں بھی (آخرت میں) ان کی پاس رہوں۔ [2]

مدینہ کی طرف

جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے شہید اصحاب کو دفن کر چکے تو انہوں نے مدینہ کی طرف روانہ ہونے کا حکم دیا۔ بہت سے مسلمان زخمی تھے۔ جناب فاطمہ زہرا علیہا السلام کے ساتھ زخمیوں کے دیکھ بھال کے لئے احد میں جو چودہ عورتیں آئی تھیں وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تھیں۔ کچھ لوگ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دیدار اور استقبال کے لئے شہر سے باہر آئے تا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سلامتی کا اطمینان حاصل کریں۔ قبیلہ بنی دینار کی ایک عورت نے جب اپنے باپ، شوہر اور بھائی کے شہید ہو جانے کی خبر سُنی تو اس نے کہا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کیا خبر ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ٹھیک ہیں۔ اس عورت نے کہا کہ ذرا مجھے راستہ دیدو تا کہ میں خود ان کی زیارت کروں اور

---

[1] مغازی واقدی ج1، ص267 سیرت ابن ہشام ج2، ص97

[2] مغازی واقدی ص264، 266

جب اس نے پیغمبر اکرم ﷺ کو زندہ وسلامت دیکھا تو کہا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ جب آپؐ زندہ ہیں تو اب اسکے بعد ہر مصیبت آپکے وجود کی وجہ سے بے وقعت ہے۔[1]

حمنہ بنت جحش رسول خدا ﷺ کے پاس آئیں تو آنحضرت ﷺ نے ان سے فرمایا حمنہ میں تجھے تعزیت پیش کرتا ہوں۔انہوں نے پوچھا کہ کس کی تعزیت؟ آپؐ نے فرمایا تمھارے ماموں حمزہ کی حمنہ نے کہا: انا للہ وانا الیہ راجعون، خدا ان کی مغفرت کرے اوران پر اپنی رحمت نازل فرمائے انہیں شہادت مبارک ہو، رسول خدا ﷺ نے فرمایا میں پھر تعزیت پیش کرتا ہوں حمنہ نے کہا کس کی تعزیت؟ رسول خدا ﷺ نے فرمایا تمہارے بھائی عبداللہ بن جحش کی حمنہ نے کہا خدا ان کی مغفرت کرے اوران پر اپنی رحمتیں نازل کرے اوران کو بہشت مبارک ہو آنحضرت ﷺ نے پھر فرمایا کہ میں پھر تم کو تعزیت پیش کرتا ہوں حمنہ نے پوچھا کس کی تعزیت؟ آپ نے فرمایا کہ تمہارے شوہر مصعب بن عمیر کی حمنہ نے ایک آہ سرد بھری اور گریہ کرنا شروع کیا۔رسول خدا ﷺ نے فرمایا کہ شوہر جو مقام عورت کے دل میں رکھتا ہے وہ کسی کا نہیں ہوتا۔اس کے بعد لوگوں نے حمنہ سے پوچھا کہ تم اس قدر کیوں غمزدہ ہوگئیں؟ حمنہ نے کہا کہ میں نے اپنے بچّوں کی یتیمی کو یاد کیا تو میرا دل بھر آیا۔[2]

شہید عمرو بن معاذ کی ماں کبشہ آگے بڑھیں اورانہوں نے بڑے غور سے رسول اللہ ﷺ کا چہرہ مبارک دیکھا اوراس کے بعد کہا اب جب میں نے آپؐ کو صحیح وسالم دیکھ لیا تو مصیبت کا اثر میرے دل سے زائل ہوگیا۔رسول خدا ﷺ نے ان کے بیٹے عمرو بن معاذ کی شہادت پر ان کو تعزیت پیش کی، دلاسہ دیا اور فرمایا اے عمرو کی ماں میں تجھے مدہ سناتا ہوں اور تم شہیدوں کے اہل وعیال کو مدہ سنادو کہ ان کے شہدا بہشت میں ایک دوسرے کے ساتھ ہیں اور ہر ایک اپنے عزیزوں اور خاندان والوں کی شفاعت کرے گا۔عمرو کی ماں نے کہا اے پیغمبر خدا ﷺ اب میں خوش ہوں اوراس کے بعد عرض کیا اے پیغمبر خدا ﷺ ان کے پس ماندگان کے لئے دعا فرمایئے رسول خدا ﷺ نے اس طرح دعا کی خدایا ان کے دلوں سے غم کو زائل کردے، ان کے مصیبت زدہ دل کے زخموں پر مرہم رکھ اوران کے پس ماندگان کے لئے بہترین سرپرست قرار دے۔[3]

نماز مغرب کا وقت آن پہنچا

بلال نے اذان دی، رسول خدا ﷺ مسجد میں اس حالت میں تشریف لائے کہ لوگ ان کے شانوں کو پکڑے ہوئے تھے۔آپؐ نے نماز پڑھی واپسی پر دیکھا کہ نالہ وشیون کی آوازوں میں شہر مدینہ ڈوبا ہوا ہے، لوگ اپنے شہیدوں کی عزاداری اوران پر رونے میں مصروف ہیں۔آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

لیکن حمزہ کا کوئی نہیں ہے جو ان پر گریہ کرے مدینہ کی عورتیں رسول خدا ﷺ کے گھر آئیں اور مغرب سے لے کر رات تک نوحہ وعزاداری میں مصروف رہیں

شہیدوں کی ایک جھلک

[1] سیرۃ ابن ہشام ج2،ص99۔مغازی واقدی ج1 ص292۔

[2] مغازی واقدی ج1 ص291۔سیرۃ ابن ہشام ج2،ص98

[3] مغازی واقدی ص315-316

صرف ایک سجدہ وہ بھی محراب عشق میں خون بھرا سجدہ۔

انصار میں سے عمرو بن ثابت نامی ایک شخص جن کی عرفیت اصیرام تھی۔ہجرت کے بعد جب انکے سامنے اسلام پیش کیا گیا۔انھوں نے اسے قبول کرنے سے انکار کردیا لیکن جب رسول خداصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم احد کے لئے نکلے تو ان کے دل میں نور ایمان جگمگا اُٹھا۔انھوں نے تلوار اُٹھائی اور نہایت سرعت کے ساتھ لشکر اسلام سے جا ملے،مردانہ وار جنگ کی اور زخموں سے چور ہو کر گر پڑے۔جب مسلمانوں نے اپنے مقتول سپاہیوں کو میدان جنگ میں ڈھونڈھنا شروع کیا تو اس وقت ان کو بھی دیکھا کہ ابھی زندہ ہیں،لوگوں نے ان سے دریافت کیا کہ تم نے اپنے قبیلہ کی حمایت میں جنگ کی ہے یا تم مسلمان ہو گئے ہو؟انھوں نے جواب دیا کہ میں مسلمان ہو گیا ہوں میں نے میدان جہاد میں قدم رکھ دیا ہے اور اب اپنے خون میں غلطاں ہوں۔ابھی تھوڑی دیر نہ گذری تھی کہ وہ شہید ہو گئے،جب ان کا واقعہ رسول خداصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بیان کیا گیا تو آپؐ نے فرمایا کہ وہ جنّتی ہے ہاں قبل اس کے وہ نماز پڑھے اور خدا کے لئے سجدہ کرے،اس نے جنّت کی راہ لی،اس نے صرف ایک سجدہ کیا وہ بھی خون بھرا سجدہ محراب عشق میں۔[1]

ایک عقلمند صاحب ثروت کی شہادت

مخیرق ایک یہودی دانش منداور مال دار آدمی تھا خرمے کے درخت اور بہت زیادہ مال ومتاع کا مالک تھا جب احد کا دن آیا تو اس نے یہودیوں سے مخاطب ہو کر کہا خدا کی قسم تمہیں خوب معلوم ہے کہ محمدصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نصرت تم پر واجب ہے۔یہودیوں نے عذر پیش کیا کہ آج ہفتے کا دن ہے[2]۔اس نے کہا کہ تمھارے نزدیک اب کوئی ہفتہ نہیں ہے۔پھر اس نے لباس جنگ زیب تن کیا اپنے جسم پر ہتھیار سجائے اور احد کی طرف روانہ ہونے کے لئے تیار ہوا نکلنے سے پہلے اس نے اپنے رشتہ داروں سے کہا اگر میں آج قتل کر دیا جاؤں تو میرے سارے مال کا اختیار محمدصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہے،وہ جہاں چاہیں خرچ کریں۔اس کے بعد وہ احد کی طرف چل پڑا اور مجاہدین راہ خدا سے جا ملا،جہاد کرتے ہوئے شہید ہوا۔رسول خداصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی وصیّت کے مطابق ان کے مال کو اپنی تحویل میں لے لیا اور ابن اسحاق کی تحریر کے مطابق مدینہ میں رسول خداصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بہت سے اوقاف اور امور خیر انجام دینے والی چیزیں انہی کے مال سے تھیں۔[3]

بوڑھے عارف کی شہادت

خیثمہ بوڑھے مگر صاحب معرفت تھے ان کے بیٹے بدر کی لڑائی میں شہادت کے درجے پر فائز ہو چکے تھے لشکر اسلام کی احد کی طرف روانگی سے قبل انہوں نے رسول خداصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کہ کل رات خواب میں،میں نے اپنے بیٹے کو دیکھا ہے کہ بہشت کے باغوں میں چلا جا رہا ہے،بہشت کے درختوں کے نیچے اس کی نہروں کے کنارے ٹہل رہا ہے،میرے بیٹے نے مجھ سے کہا کہ بابا جان ہمارے پاس آجایئے ہم نے خدا کے وعدے کو سچّا پایا ہے اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں اس بات کا مشتاق ہوں کہ اپنے بیٹے کے پاس پہنچ جاؤں اے پیغمبر خداصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میری داڑھی سفید اور میری ہڈیاں کمزور ہو چکی ہیں میں چاہتا ہوں کہ آپؐ میرے لئے دعا فرمائیں کہ خدا مجھے شہادت

---

[1] سیرۃ ابن ہشام ج2 ص90

[2] یہودیوں کے مذہب میں ہفتہ تعطیل کا دن ہے

[3] سیرۃ ابن ہشام ج2،ص88-تاریخ طبری ج2،ص531-مغازی واقدی ج1،ص262،263

نصیب کرے۔ پیغمبر اکرم ﷺ نے فرمایا خدایا اس شخص کی آرزو پوری فرما اور وہ احد کی جنگ میں شہید ہو گیا۔

حجلہ خون

25 سالہ جوان حنظلہ، جنگ احد کی آگ بھڑکانیوالوں میں سے ایک شخص ابو عامر فاسق کے بیٹے تھے، جس وقت رسول خدا ﷺ کی طرف سے جہاد کے لئے عام تیاری کا اعلان ہوا، اس وقت جناب حنظلہ، عبداللہ بن اُبی کی لڑکی سے شادی کرنے کی تیاریاں کر رہے تھے۔ یہ دولہا اور دلہن اپنے باپوں جو کافر اور منافق تھے، کے برخلاف اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ پر مکمل ایمان رکھتے تھے۔ جس وقت محاذ جنگ پر جانے کی دعوت کی صدا جناب حنظلہ کے کانوں سے ٹکرائی تو پریشان ہو گئے کہ اب کیا کریں؟ ابھی تو شادی کے مراسم ادا ہوئے ہیں اب حجلہ عروسی میں جائیں یا محاذ جنگ پر؟ انہوں نے بہتر سمجھا کہ رسول خدا ﷺ سے اجازت لے لیں تاکہ شب زفاف مدینہ میں رہیں اور دوسرے دن میدان جنگ میں حاضر ہو جائیں۔ پیغمبر اکرم ﷺ نے اجازت دیدی، صبح سویرے غسل کرنے سے پہلے، اپنی دلہن سے محاذ جنگ پر جانے کے لئے الوداع کیا تو دلہن کی آنکھیں آنسوؤں سے ڈبڈبا گئیں اپنے شوہر سے چند منٹ ٹھہرنے کو کہا اور ہمسایوں میں سے چار آدمیوں کو بلایا تاکہ وہ لوگ اس کے اور اس کے شوہر کے درمیان گواہ رہیں۔

حنظلہ نے دوسری بار خدا حافظ کہا اور محاذ جنگ کی طرف روانہ ہو گئے

دلہن نے ان گواہوں کی طرف رخ کیا اور کہا کہ رات میں نے خواب میں دیکھا کہ آسمان شگافتہ ہوا اور میرے شوہر اس میں داخل ہوئے اور اس کے بعد آسمان جُڑ گیا میرا خیال ہے کہ وہ شہادت کے درجہ پر فائز ہونگے۔

جب جناب حنظلہ لشکر اسلام سے جا ملے تو انہوں نے ابوسفیان پر حملہ کیا، ایک تلوار اس کے گھوڑے پر پڑی تو وہ گر پڑا، ابوسفیان کی چیخ پکار پر چند مشرکین مدد کو بڑھے اور اس طرح ابوسفیان نے جان بچائی۔ دشمن کے ایک سپاہی نے جناب حنظلہ کو نیزہ مارا، نیزے کا شدید زخم لگنے کے باوجود حنظلہ نے نیزہ بردار پر حملہ کیا اور تلوار سے اس کو قتل کر ڈالا۔ نیزے کے زخم نے آخرکار اپنا کام کر ڈالا اور جناب حنظلہ، حجلہ خون میں عروس شہادت سے جا ملے۔ پیغمبر اسلام ﷺ نے فرمایا کہ میں نے دیکھا حنظلہ کو فرشتے غسل دے رہے تھے اس وجہ سے ان کو حنظلہ غسیل الملائکہ کہتے ہیں۔ [۱]

دولہا دلہن کا اخلاص اور ایمان واقعی بہت تعجب انگیز ہے اور محاذ جنگ پر لڑنے والے ہمارے پیکر ایثار مجاہدین، ان کے خاندان والوں اور ان کی بیویوں کے لئے الہام بخش اور مقاومت کا نمونہ ہے۔ [۲]

مدینہ میں منافقین کی ریشہ دوانیاں

جنگ احد کے بعد عبداللہ بن ابی اور اس کے تمام منافق ساتھیوں نے طعن و تشنیع کا سلسلہ شروع کر دیا اور مسلمانوں پر پڑنے والی عظیم مصیبت پر خوشحال تھے، یہودی بھی بدزبانی کرنے لگے اور کہنے لگے کہ محمد ﷺ سلطنت حاصل کرنا چاہتے ہیں، آج تک کوئی

---

[۱] سیرۃ ابن ہشام ج2، ص74۔ بحار الانوار ج20 ص57۔ مغازی واقدی ج1، 273

[۲] اس شادی کے نتیجہ میں جناب عبداللہ بن حنظلہ غسیل الملائکہ پیدا ہوئے جنھوں نے 62ھ میں امام حسین علیہ السلام کی شہادت کے بعد اہل مدینہ کی ایک جماعت کے ساتھ یزید بن معاویہ کے خلاف علم بغاوت بلند کیا تاریخ اسلام میں عوام کے اس انقلابی اقدام اور یزید بن معاویہ کے جرائم پر مبنی واقعہ کو واقعہ حرّہ کے نام یاد کیا جاتا ہے

پیغمبر صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اس طرح زخمی نہیں ہوا وہ خود بھی زخمی ہوئے اور اصحاب بھی مقتول اور زخمی ہیں۔ [1]

وہ رات بڑی حساس رات تھی ہر آن یہ خطرہ سروں پر منڈلا رہا تھا کہ کہیں منافقین اور یہود، مسلمانوں اور اسلام کے خلاف شورش برپا نہ کردیں اور اختلاف پیدا کر کے شہر کے سیاسی اتحاد اور یکجہتی کو ختم نہ کردیں۔

مدینہ سے 20 کیلومیٹر دور حمراء الاسد میں جنگی مشق

8 شوال 3 ہجری قمری بمطابق 27 مارچ 625ء (عیسوی) بروز اتوار ہر طرح کی داخلی وخارجی ممکنہ سازش کی روک تھام اور مکمل طور پر ہوشیار اور آمادہ رہنے کے لئے اوس وخزرج کے سر برآوردہ افراد نے مسلح افراد کی ایک جماعت کے ساتھ مسجد اور خانہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے دروازے پر رات بھر پہرہ دیا۔ اتوار کی صبح رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے نماز صبح ادا کر کے جناب بلال کو حکم دیا کہ لوگوں کو دشمن کے تعاقب کے لئے بلائیں اور اعلان کریں کہ ان لوگوں کے سوا کوئی ہمارے ساتھ نہ آئے جو کل جنگ میں شرکت کر چکے ہیں۔ بہت سے مسلمان شدید زخمی تھے لیکن فوراً اٹھ کھڑے ہوئے اور جنگی لباس زیب تن کر کے، اسلحہ سے آراستہ ہو کر تیار ہو گئے۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے پرچم حضرت علی علیہ السلام کے ہاتھ میں دیا اور عبداللہ بن ام مکتوم کو مدینہ میں اپنا جانشین معیّن فرمایا۔ اس حیرت انگیز روانگی کی وجہ یہ تھی کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو یہ پتہ چل گیا تھا کہ قریش کے سپاہیوں نے مدینہ لوٹ کر (اسلام ومسلمانوں کا) کام تمام کردینے کا ارادہ کرلیا ہے۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم حمراء الاسد پہنچے اور وہاں حکم دیا کہ سپاہی میدان میں بکھر جائیں اور رات کے وقت اس وسیع وعریض زمین پر آگ روشن کردیں، تاکہ دشمن کو یہ گمان ہو کہ ایک بہت بڑا لشکر ان کا پیچھا کر رہا ہے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم تین رات وہاں ٹھہرے رہے اور ہر رات اس عمل کو دہرایا جاتا رہا

اسی جگہ معبد خزاعی نے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی خدمت میں پہنچ کو خبر دی کہ قریش دوبارہ مدینہ پر حملہ کرنے کا قصد رکھتے ہیں پھر معبد نے ابوسفیان سے جا کر کہا کہ میں نے لشکر بے کراں اور غیظ وغضب سے تمتماتے چہرے دیکھے ہیں۔ ابوسفیان اس خبر سے وحشت زدہ ہو گیا اور مدینہ پر حملہ کرنے کے ارادے سے باز رہا اس جنگی مشق نے مجاہدین اسلام اور اہل مدینہ کے حوصلوں کو بڑھایا، ان کے دل سے خوف کو دور کیا اور دشمن کے دل میں اور زیادہ خوف بٹھا دیا۔ اور جب تین دن کے بعد مسلمان مدینہ پلٹ کر آئے تو ان کی حالت ایسی تھی کہ گویا ایک بہت بڑی فتح حاصل کر کے لوٹے ہوں۔ [2]

ابوعزّہ شاعر کی گرفتاری

قریش کا بلبل زباں شاعر ابوعزہ بدر کی لڑائی میں مسلمانوں کے ہاتھوں اسیر ہو کر آیا تھا رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے بغیر تاوان کے اس شرط پر آزاد کر دیا کہ کسی کو مسلمانوں کے خلاف نہیں بھڑکائے گا۔ لیکن اس نے عہد شکنی کی اور اشعار کے ذریعہ جنگ احد کے لئے مشرکین کو اسلام کے خلاف لڑنے کی دعوت دیتا رہا۔ حمراء الاسد میں لشکر اسلام کے ہاتھوں دوبارہ گرفتار اور ایک مرتبہ پھر معافی کا خواستگار ہوا۔ رسول

---

[1] مغازی واقدی ج 1 ص 317۔

[2] طبقات ابن سعد ج 2 ص 48، مغازی واقدی ج 1 ص 338، تاریخ طبری ج 2 ص 534۔ تفسیر نور الثقلین ج 1 ص 410۔ سیرۃ حلبی ج 2 ص 257، سیرۃ ابن ہشام ج 2 ص 101 تفسیر نمونہ ج 2 ص 177، 174

خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قبول نہیں فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ مومن ایک سوراخ سے دوبارہ نہیں ڈسا جاتا[1] اس کے بعد آپؐ نے اس کے قتل کا حکم دیدیا۔[2]

جنگ احد کے بارے میں جو آیات نازل ہوئیں وہ سورہ آل عمران کی 60 آیتیں (120 سے 179 تک) ہیں۔اس سال کے اہم واقعات میں سے پیغمبر اسلام نے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حفصہ بنت عمر کے ساتھ ماہ شعبان میں عقد اور زینب بنت خزیمہ کے ساتھ آپ کا نکاح ہوا۔[3]

سوالات

1 قُزمان کو شہید کیوں نہیں مانا جاتا؟

2 دشمن نے نفسیاتی جنگ کیسے شروع کی؟

3 مسلمانوں کی شکست کے بارے میں منافقین نے کس ردعمل کا اظہار کیا؟

4 جنگ احد میں مسلمانوں کی شکست کے اسباب اختصار کے ساتھ بیان کیجئے۔

5 حمراء الاسد کی جنگی مشق کس لئے ہوئی؟

6 شہداء احد کہاں دفن ہوئے؟ شہداء احد میں سے کچھ لوگوں کے نام بیان کیجئے

---

[1] لا یلدغ المؤمن من جُحر بمرّتین۔

[2] سیرہ حلبی ج2،ص259

[3] سیرۃ حلبی ج2،ص258

چوتھا سبق

سریہ ابو سَلَمہ بن عبدُ الاسدی

یکم محرم 4ہجری قمری[1] بمطابق 16 جون 625ء بروز جمعرات۔

رسول خدا بخوبی جانتے تھے کہ احد کی شکست کے اثرات کو فدا کاری اور زبردست وسیع پیمانے پر جنگی اور سیاسی اقدامات کے ذریعہ زائل کرنا چاہیے۔ دوسری طرف منافقین اور یہود، اسلام کے داخلی نظام کو نقصان پہنچانے کی کوشش میں لگے ہوئے تھے۔ ہم عہد قبیلے بھی سست پڑ گئے تھے، اگر رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک جنگی اور سیاسی قابل قدر مشق یا حملہ نہ کرتے تو مدینہ کی مثال اس مجروح کی سی ہوتی جو حجاز کے بیابان میں پڑا ہو اور اپنا دفاع نہ کرسکتا ہو اور بادیہ نشین مردہ خواروں، قریش و بنی کنانہ اور ان کے ہم عہد عرب و یہود کے کینہ توز بھیڑیوں کے لئے لذیذ لقمہ بن جاتا

اسی دوران قبیلہ طَیّی کے ایک شخص نے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خبر دی کہ بنی اسد مدینہ پر حملہ کرنے اور مسلمانوں کے مال کو لوٹنے کے لئے بالکل تیار بیٹھے ہیں۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابوسلمہ کو سردار لشکر بنایا اور پرچم ان کے ہاتھ میں دیکر ایک سو پچاس مجاہدین کو ان کے ہمراہ کیا اور حکم دیا کہ راتوں کو خفیہ راستوں سے سفر کریں اور دن میں پناہ گاہوں میں سو جائیں۔ اور دشمن کے سروں پر اچانک بجلی کی طرح گر پڑیں تاکہ دوسرے قبیلوں سے مدد لینے کی فرصت نہ ملے۔ ابوسلمہ، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کے مطابق روانہ ہوئے اور مدینہ سے 330 کیلومٹر کی دوری پر مقام قَطَن کے اطراف میں جا پہنچے وہاں پتہ چلا کہ دشمن ڈر کے مارے بھاگ گئے ہیں، ابوسلمہ نے اونٹوں اور بھیڑوں کے باقی ماندہ گلے کو جمع کیا اور بہت زیادہ مال غنیمت لیکر مدینہ پلٹ آئے۔ احد کے بعد اس کامیابی نے یہودیوں اور منافقین پر مسلمانوں اور اسلام کے طاقتور ہونے کا مثبت اثر ڈالا اور اسلامی لشکر، دشمن پر مُنہ توڑ حملہ کرنے والے اور ہم پیمان قبیلے کے لئے دفاعی تکیہ گاہ کے عنوان سے دوبارہ نمایاں ہوا۔[2]

سریہ عبداللہ بن انیس انصاری

تاریخ 5 محرم 4ہجری قمری بمطابق 20 جون 625ء بروز سوموار۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خبر ملی کہ سفیان بن خالد نے مقام عُرنہ میں جانبازان اسلام سے لڑنے کے لیئے لشکر آمادہ کر رکھا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس جنگی سازش کو ناکام بنانے کے لئے عبداللہ بن انیس کو حکم دیا کہ عُرنہ جائیں اور اس کو قتل کردیں۔ عبداللہ کہتے ہیں کہ اس ذمّہ داری کے بعد میں نے تلوار سنبھالی اور چل پڑا یہاں تک کہ عصر کے وقت میں اس کے قریب پہنچ گیا۔ جب اس کے قریب گیا تو اس نے

---

[1] بعض لوگوں کی تحریر کے مطابق 15 محرم، طبقات ابن سعد ج2، ص340۔ واقدی کی تحریر کے مطابق یکم محرم مغازی ج1، 2402

[2] طبقات ابن سعد ج2 ص340۔ مغازی واقدی ج1 ص340

پوچھا کہ تم کون ہو؟ میں نے کہا کہ قبیلہ خزاعہ کا ایک آدمی ہوں، میں نے سنا ہے تم مسلمانوں سے جنگ کے لئے لشکر جمع کر رہے ہو، میں آیا ہوں کہ تمہارے ساتھ مل جاؤں۔ عبداللہ کہتے ہیں کہ اسی طرح ہم ساتھ ساتھ چلتے رہے یہاں تک کہ جب وہ بالکل تنہا ہو گیا اور میں نے مکمل طور پر دسترس حاصل کر لی تو تلوار سے حملہ کر کے اس کو قتل کر دیا جب رسول خدا ﷺ کے پاس پہنچا تو آپؐ نے فرمایا ہمیشہ سرخ رو اور سر بلند رہو۔ [1]

رَجیع کا واقعہ

ماہ صفر 4 ہجری قمری [2] تقریباً جولائی 625ء کے آخر میں پیغمبر اکرم ﷺ دشمنوں کی سازشوں کو ناکام بنانے اور امن و امان قائم رکھنے کی غرض سے جنگی دستوں کو بھیجنے کے ساتھ ساتھ مناسب مواقع پر ثقافتی اور تبلیغاتی دستے غیر جانبدار قبائل کی طرف بھیجتے رہے تاکہ اسلام کے معارف کی نشر و اشاعت ہو سکے اور کبھی خود قبائل کی درخواست پر بھی مبلغین بھیجے جاتے تھے۔ کچھ قبیلے اس سے غلط فائدہ اٹھاتے اور مبلغ و معلم کو بلانے کے بعد بڑی بے دردی سے قتل کر دیتے تھے۔

رجیع کا واقعہ احد کے بعد اس طرح پیش آیا کہ قبیلہ عَضَل اور قارہ کا ایک وفد رسول خدا ﷺ کے پاس پہنچا اور کہا کہ ہمارے قبیلے کے کچھ لوگ مسلمان ہو گئے ہیں اپنے اصحاب کی ایک جماعت ہمارے یہاں بھیج دیں تاکہ ہمیں قرآن اور احکام اسلام سکھائیں۔

رسول خدا ﷺ نے فریضہ الٰہی کے بموجب چھ افراد کو ان کے ساتھ بھیجا اور مَرثَد بن اَبی مَرثَد غَنوی کو اس جماعت کا قائد معیّن فرمایا۔ مبلغین اسلام اس حال میں احکام الٰہی پہنچانے کے لئے ان قبیلوں کی طرف روانہ ہوئے کہ ایک ہاتھ میں اسلحہ، دوسرے میں قرآن کے نوشتے اور سینہ میں علوم الٰہی اور عشق خدا تھا۔ مکّہ سے 70 کیلومیٹر شمال کی جانب جب چشمہ رجیع کے مقام پر پہنچے تو دونوں قبیلوں نے عہد شکنی کی اور قبیلہ ہُذَیل کی مدد سے ان پر حملہ کر دیا۔ معلمین قرآن نے اپنا دفاع کیا، حملہ آوروں نے کہا کہ ہم تمہیں قتل نہیں کریں گے بلکہ تمہیں قریش کے ہاتھ زندہ بیچ دیں گے اور اس کے بدلہ میں کچھ چیزیں حاصل کریں گے تین مبلغین نے کسی بھی طرح خود کو حوالے نہیں ہونے دیا اور نہایت بہادری سے مقابلہ کرتے ہوئے شہید ہو گئے۔ دوسرے تین افراد زَید، خُبَیب اور عبداللہ نے خود کو ان کے حوالے کر دیا۔ حملہ آور تینوں کو مکہ کی طرف لے گئے تاکہ ان کو قریش کے ہاتھوں فروخت کریں۔ ابھی راستہ ہی میں تھے کہ عبداللہ نے تلوار پر قبضہ کر کے جنگ کی یہاں تک کہ شہید ہو گئے۔ ان لوگوں نے دوسرے دو اسیروں کو مکّہ کے بڑے لوگوں کے ہاتھوں فروخت کر دیا۔ زید کو صفوان بن اُمیّہ نے پچاس 50 اونٹوں کے بدلے خریدا تاکہ اس کو اپنے باپ امیّہ بن خَلَف کے خون کے انتقام میں قتل کرے اور خُبَیب کو عُقبَہ بن حارث نے اسّی 80 مثقال سونے کے عوض خریدا تاکہ انہیں اپنے باپ کے انتقام میں دار پر چڑھا دے جو بدر میں مارا گیا تھا

زید کی زندگی کے آخری لمحہ میں، ابوسفیان آگے بڑھا اور کہا کہ کیا تم پسند کرتے ہو کہ تمہاری جگہ محمد ﷺ قتل ہو جائیں؟ زید نے کہا خدا کی قسم مجھے یہ پسند نہیں ہے کہ محمد ﷺ کے پیر میں کانٹا چبھے یا کوئی آزار پہنچے اور میں صحیح و سالم رہوں۔ ابوسفیان نے کہا میں نے ابھی تک محمد ﷺ جیسا کسی کو نہیں دیکھا جو اپنے اصحاب میں اس طرح کی محبوبیت رکھتا ہو۔

خُبَیب نے بھی چند دنوں تک زندان میں رہ کر شہادت پائی۔ شہادت کے وقت انہوں نے اجازت مانگی تاکہ دو رکعت نماز ادا

---

[1] طبقات ابن سعد ج 2 ص 51۔ امتاع الاسماع ص 254

[2] ابن ہشام نے سریہ رجیع کا تذکرہ جنگ احد کے بعد ہجرت کے تیسرے سال کے واقعات میں کیا ہے ر۔ک۔۔۔ج 3 ص 178۔۔۔

کریں اس کے بعد فرمایا کہ خدا کی قسم اگر مجھے اس بات کا خوف نہ ہوتا کہ تم گمان کروگے کہ میں موت سے ڈر گیا ہوں تو میں اور زیادہ نمازیں پڑھتا پھر آسمان کی جانب رخ کر کے دعا کی۔ تختہ دار پر لٹکانے کے بعد کافروں نے پیش کش کی کہ اسلام کو چھوڑ دیں، انہوں نے جواب میں خدا کی واحدانیت کی گواہی دی اور کہا کہ خدا کی قسم روئے زمین کی ساری چیزیں مجھے دے کر اگر یہ کہا جائے کہ اسلام چھوڑ دوں تب بھی میں اسلام نہیں چھوڑوں گا۔ اس مجاہد اور شہید کا پاکیزہ جسم ایک مدّت تک تختہ دار پر لٹکا رہا، آخر کا خفیہ طور پر کسی نے اُتارا اور دفن کردیا۔[۱]

بئرِ مَعُونہ کا واقعہ

ماہ صفر 4 ہجری قمری بمطابق جولائی 625ء مدینہ میں کچھ نوجوان رسول خدا ﷺ سے قرآنی واسلامی علوم کا درس لیتے اور مسجد میں دینی بحث ومباحثہ میں شریک ہوتے تھے۔ قرآن مجید سے ان کی واقفیت اتنی تھی کہ وہ مبلّغ اسلام ہوسکتے تھے۔

ایک دن قبیلہ بنی عامر کا اَبُو بَرا نامی شخص رسول خدا ﷺ کی خدمت میں آیا اور کہا کہ اگر آپؐ اپنے اصحاب میں سے کچھ افراد نجد کی سرزمین پر بھیج دیں تو مجھے اُمید ہے کہ وہ لوگ آپ کی دعوت قبول کریں گے آنحضرت ﷺ نے فرمایا میں نجد والوں سے اپنے اصحاب کے بارے میں ڈرتا ہوں۔ اَبو برا نے کہا کہ میں ان کی حفاظت کی ذمّہ داری لیتا ہوں وہ لوگ میری پناہ میں رہیں گے رسول خدا ﷺ نے اسلام سے آشنائی رکھنے والے چالیس[۲] معلمین قرآن کو مُنذر بن عَمرو کی سربراہی میں ایک رہنما کے ساتھ سرزمین نجد کی طرف روانہ کیا تا کہ وہاں اسلامی حقائق کی تبلیغ کریں۔

جب یہ لوگ بئر مَعُونہ کے مقام پہنچے تو اس جماعت کے ایک شخص نے رسول خدا ﷺ کا خط قبیلہ بنی عامر کے سردار کے سامنے پیش کیا۔ سردار قبیلہ نے رسول خدا ﷺ کا خط پڑھے بغیر نامہ بر کو قتل کر دیا اور بنی عامر سے نامہ بر کے ساتھ آنے والوں کو قتل کرنے کے سلسلہ میں مدد مانگی انہوں نے کہا کہ ہم اَبُو بَرا کی امان کو نہیں توڑیں گے۔ اس نے فوراً قبائل بنی سُلَیم سے اس سلسلہ میں نُصرت چاہی تو وہ سب کے سب مبلغین اسلام پر ٹوٹ پڑے۔ چالیس 40 مبلغین نے مردانہ وار مقابلہ کیا یہاں تک کہ شہید ہوگئے، صرف عَمرو بن اُمیّہ جو صرف زخمی ہوئے تھے اس حادثہ کے بعد مدینہ پہنچنے میں کامیاب ہوئے۔ انہوں نے راستہ میں قبیلہ بنی عامر کے دو 2 افراد کو دیکھا اور اپنے شہید دوستوں کے انتقام میں ان دونوں کو قتل کر دیا۔ جب مدینہ پہنچے اور مبلغین کی شہادت کے واقعہ کو رسول خدا ﷺ کی خدمت میں نقل کیا تو آپؐ بہت غمگین ہوئے اور اُن مجرمین پر نفرین کی۔[۳]

سریہ عَمرو بن اُمیَّہ

حادثہ رَجیع کے بعد رسول خدا ﷺ نے اس دردانگیز حادثہ میں شہید ہونے والے شہیدوں کے خون کا انتقام لینے اور جرائم کا ارتکاب کرنے والے اصلی مجرموں کو کیفر کردار تک پہنچانے کے لئے عَمرو بن اُمَیَّہ ضَمری کو ایک آدمی کے ساتھ مامور کیا کہ مکّہ جا کر ابوسفیان کو قتل کر دیں، وہ لوگ مکّہ پہنچے اور رات کے وقت شہر میں داخل ہوئے لیکن مکّہ والوں میں سے ایک شخص نے انہیں پہچان لیا، مجبوراً ان لوگوں

---

[۱] تاریخ طبری ج2 ص530 سے 542 تک سیرۃ ابن ہشام ج3 ص7-1

[۲] بقول ابوسعید 70 افراد۔

[۳] مغازی واقدی ج1 ص346۔ طبقات ابن سعد ج2 ص51 / 53۔ سیرۃ ابن ہشام ج3 ص193

نے شہر سے باہر نکل کر ایک غار میں پناہ لی اور واپسی پر قریش کے تین نمک خوار اور ایک جاسوس کو گرفتار کیا اور انہیں مدینہ لے آئے۔[1]

غزوہ بنی نُضیر

تاریخ: ربیع الاول 4 ہجری قمری

مدینہ واپسی کے وقت واقعہ بئر معونہ میں تنہا بچ جانے والے شخص عَمرو بن اُمیَّہ کے ہاتھوں بنی عامر کے دو آدمیوں کے قتل نے ایک نئی مشکل پیدا کردی کیونکہ اس نے غلطی سے بے قصور افراد کو قتل کردیا تھا اور جو عہد و پیمان بنی عامر نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کیا تھا اس کے مطابق مسلمانوں کو ان مقتولین کا خون بہا ادا کرنا چاہیئے تھا۔ دوسری طرف بنی نُضیر کے یہودی مسلمانوں کے ہم پیمان ہونے کے ساتھ ساتھ بنی عامر سے بھی معاہدہ رکھتے تھے۔ لہٰذا اپنے پیمان کے مطابق ان لوگوں کو بھی خوں بہا ادا کرنے میں مسلمانوں کی مدد کرنی چاہیئے تھی۔

چند دن پہلے پیش آنے والے بئر مَعُونہ اور رجیع کے منحوس حادثات کے بعد یہودی، منافقین کے ساتھ مل کر مسلمانوں کا مذاق اڑاتے اور کہتے جو پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، خدا کا بھیجا ہوا ہوتا ہے وہ شکست نہیں کھاتا۔ یہ لوگ ہر آن شورش برپا کرنے کے موقع کی تلاش میں رہتے۔

اب وہ وقت آ گیا تھا کہ خداوند عالم مسلمانوں کو بنی نضیر کے یہودیوں کی بدنیتی سے آگاہ کرے، بنی نَضیر سے عہد و پیمان کے مطابق مقتولین کی دیّت ادا کرنے میں مدد طلب کرنے کے لئے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چند اصحاب کے ساتھ بنی نَضیر کے قلعہ میں داخل ہوئے۔ انھوں نے ظاہراً تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیش کش کا استقبال کیا لیکن خفیہ طور پر ایک دوسرے سے مشورہ کیا اور طے کیا کہ مناسب موقع ہاتھ آیا ہے اس سے فائدہ اٹھائیں اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شمع حیات گل کردیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک گھر کی دیوار کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ ان لوگوں نے عمرو نامی ایک شخص کو بھیجا کہ چھت سے ایک پتھر آپؐ کے سراقدس پر گرادے۔ فرشتہ وحی نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آگاہ کردیا۔ آپؐ اسی حالت میں جس حالت میں ان کی مشکوک نقل و حرکت کا نظارہ فرما رہے تھے، اطمینان سے اُٹھے اور اکیلے ہی مدینہ کی طرف چل دیئے حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب آپؐ کی تاخیر سے پریشان ہوئے تو مدینہ لوٹ آئے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے محمد بن مَسلَمہ کو بنی نَضیر کے پاس بھیجا اور کہلوایا کہ مدینہ کو دس 10 دن کے اندر چھوڑ دیں جب بنی نَضیر کے سربرآوردہ افراد نے پیغام سُنا تو ان کے درمیان ایک ہنگامہ برپا ہوگیا، ہر آدمی اپنا نظریہ پیش کرنے لگا وہ لوگ مدینہ سے نکلنے کی سوچ ہی رہے تھے کہ عبداللہ ابن اُبی نے پیغام بھیجا کہ تم لوگ یہیں ٹھہرو اور اپنا دفاع کرو میں دو ہزار افراد کو تمہاری مدد کے لئے بھیجوں گا اور بنی قُریظہ کے یہودی بھی ہمارے ساتھ تعاون کریں گے۔

منافقین کے لیڈر کے پیغام نے یہودیوں کو ہٹ دھرمی پر ڈٹے رہنے اور دفاع کے ارادے کو مضبوط اور حوصلہ افزا بنادیا لہٰذا قبیلہ بنی نضیر کے سردار حُیَیّ بن اَخطب نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس پیغام بھیجا کہ ہم جانے والے نہیں ہیں آپ کو جو کرنا ہو کر لیجئے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی قسم کی امداد پہنچنے سے پہلے ہی بنی نَضیر کے قلعہ کا محاصرہ کرلیا چھ 6 دن کے محاصرہ میں یہودیوں کا قلعہ سے باہر ہر طرح کا رابطہ منقطع ہوگیا۔ آخر کار ان لوگوں نے منافقین اور بنی قُریظہ کی کمک سے مایوس ہوکر مجبوراً خود کو لشکر اسلام کے حوالہ کردیا۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں اجازت دی کہ اسلحہ کے علاوہ اپنے منقولہ اموال میں سے جتنا چاہیں ساتھ لے جائیں۔

---

[1] تاریخ طبری ج 2 ص 542۔ مواہب اللدنیہ میں اس سریہ کو 6ھ میں، صلح حدیبیہ سے پہلے ذکر کیا گیا ہے۔ ج 1 ص 125

حریص یہودیوں نے جتنا ممکن تھا اونٹوں پر بار کیا یہاں تک کہ گھر کے دروازوں کو چوکھٹ سمیت اُکھاڑ کر اونٹوں پر لا دلیا۔ ان میں سے کچھ لوگ خیبر کی طرف اور کچھ شام کی طرف روانہ ہوئے جبکہ دو افراد مُسلمان ہو گئے۔ یہودیوں کے غیر منقول اموال اور قابل کاشت زمینیں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ آئیں [1] تو آپؐ نے انصار کو بلایا ان کی سچّی خدمتوں، ایثار اور قربانیوں کو سراہا اور فرمایا کہ مہاجرین تمہارے گھروں میں تمہارے مہمان ہیں ان کی رہائش کا بار تم اپنے کاندھوں پر اٹھائے ہوئے ہو۔ اگر تم راضی ہو تو بنی نضیر کے مال غنیمت کو میں مہاجرین کے درمیان تقسیم کردوں تا کہ وہ لوگ تمہارے گھر خالی کردیں؟ سَعد بن معاذ اور سعد بن عُبادَۃ قبیلہ اَوس وخَزرَج کے دونوں سرداروں نے جواب دیا۔ اے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مال غنیمت ہمارے مہاجر بھائیوں کے درمیان بانٹ دیجئے اور وہ بدستور ہمارے گھروں میں مہمان رہیں۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بنی نضیر کے تمام اموال اور قابل کاشت زمینوں کو مہاجرین کے درمیان تقسیم کردیا اور انصار میں سے صرف دو افراد یعنی سَہل بن حُنَیف اور ابودُجانہ کو جو کہ بہت زیادہ تہی دست تھے، کچھ حصّہ عنایت فرمایا۔ سورہ حشر بنی نَضیر کے یہودیوں کی پیمان شکنی کے بارے میں نازل ہوا۔ [2]

دہشت گرد سے انتقام

بنی نضیر کے واقعہ کے بعد یہودی سے مسلمان ہونے والے یَامین بن عُمَیر سے ایک دن رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تم نے نہیں دیکھا تمہارا چچازاد بھائی میرے بارے میں کیا ارادہ رکھتا تھا وہ چاہتا تھا میرا خاتمہ کردے؟ یامین نے ایک شخص کو دس 10 دینار دیئے اور اس سے کہا کہ عمرو بن جحاش (وہی یہودی جس نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سر پر پتّھر گرانے کا ارادہ کیا تھا) کو قتل کردے، وہ شخص گیا اور اُس ذلیل یہودی کو اس کے انجام تک پہنچا دیا۔ [3]

غزوہ بدر الموعد

تاریخ یکم ذی القعدہ 4ھ ق [4] بمطابق 21 اپریل 626ء

جنگ احد ختم ہو جانے کے بعد ابوسفیان نے کامیابی سے سرمست ہو کر مسلمانوں کو دھمکایا کہ آئندہ سال بدر میں ان سے مقابلہ کرے گا۔ ایک سال گزر چکا تھا اور مسلمان مختلف جنگوں میں کچھ نئی کامیابیاں حاصل کر چکے تھے، ابوسفیان ڈر رہا تھا کہ مبادا کہیں جنگ نہ چھڑ جائے اور شکست سے دوچار ہونا پڑے لہٰذا بدر نہ جانے کے لیے بہانے ڈھونڈ رہا تھا اور چاہتا تھا کہ کسی طرح مسلمانوں کو بھی منحرف کردے۔ ابوسفیان نے اس ہدف تک پہنچنے کے لئے ایک سیاسی چال چلی اور نعیم نامی ایک شخص کو مامور کیا کہ مدینہ جائے اور افواہیں پھیلائے تا کہ لشکر اسلام کے حوصلے پست ہو جائیں۔ ابوسفیان کے کارندے نے مدینہ پہنچنے کے بعد نفسیاتی جنگ کا آغاز کردیا اور موقع کی تلاش میں رہنے والے منافقین نے اس کی افواہوں کو پھیلانے میں مدد کی اور لشکر ابوسفیان کے عظیم حملے کی جھوٹی خبر نہایت آب وتاب کے

---

[1] مخالف اسلام اور مفسد قبیلہ۔۔۔ بنی نضیر۔۔۔ کے یہودیوں کے اخراج کے بعد صرف بنی قریظہ کے یہودی مدینہ میں رہ گئے، بنی نضیر کے باقی اموال واملاک کی تقسیم کے بعد مہاجر مسلمانوں سے اقتصادی پریشانی ایک حد تک دور ہوئی۔

[2] مغازی واقدی ج1۔ص 363/380، سیرۃ ابن ہشام ج3 ص196، طبقات ابن سعد ج2 ص57، تاریخ طبری ج2 ص 551/555، تاریخ دمشق ج1، ص41

[3] سیرۃ ابن ہشام ج3 ص203

[4] اس غزوہ کی تاریخ ابن ہشام شعبان 4ھ اور واقدی ذی قعدہ 4ھ سمجھتے ہیں سیرۃ ابن ہشام ج3 ص220۔ مغازی واقدی ج1، ص384 ملاحظہ ہو۔

ساتھ لوگوں کے سامنے بار بار بیان کرنے لگے۔لیکن اس نفسیاتی جنگ نے رسول خداصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اوران کے باوفا اصحاب کے دل پر ذرہ برابر بھی اثر نہیں ڈالا۔رسول خداصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس جماعت کے مقابل جوذرا ہچکچاہٹ کا اظہار کررہی تھی فرمایا: اگر کوئی میرے ساتھ نہیں جائے گا تو میں تنہا جاؤں گا۔پھر رسول خداصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پرچم اسلام حضرت علی علیہ السلام کے سپرد کیا اور پندرہ سوافراد کے ساتھ مدینہ سے 160 کیلومٹر، بدر کی طرف روانہ ہوگئے۔اس حالت میں کہ آپ کے ساتھ صرف دس گھوڑے تھے۔اپنی سازش کی ناکامی اور مسلمانوں کی آمادگی کی خبر سُنکر ابوسفیان بھی دوہزار افراد کے ساتھ بدر کی طرف روانہ ہوالیکن مقام عُسفان میں خشک سالی اور قحط کو بہانہ بنا کر خوف و وحشت کے ساتھ مکّہ لوٹ گیا۔

بدر میں ابوسفیان کے انتظار میں مصروف مسلمانوں نے مقام بدر میں لگنے والے سالانہ بازار میں اپنا تجارتی سامان فروخت کیا اور ہر دینار پر ایک دینار منافع کما کر سولہ 16 دن کے بعد مدینہ پلٹ آئے۔اس طرح سے کفار قریش کے دل میں خوف ووحشت کی لہر دوڑ گئی اوراحد کی شکست کے آثار محو ہوگئے۔اس لئے کہ قریش کو یہ بات اچّھی طرح معلوم ہوچکی تھی کہ اسلام کا لشکر اب شکست کھانے والا نہیں ہے۔[1]

4 ہجری میں رونما ہونے والے دیگر اہم واقعات۔

1: امام حسین علیہ السلام کی ولادت باسعادت 3 شعبان۔[2]

2: حضرت علی علیہ السلام کی والدہ گرامی جناب فاطمہ بنت اسد بن ہاشم کی وفات، کہ درحقیقت جن کے مادری حق کا بار رسول خداصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر تھا۔

3: پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک بیوی زَینَب بنت خُزَیمَۃ کا انتقال۔

4: رسول خداصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جناب اُم سَلَمہ، ہند بنت ابی امیّہ سے نکاح کرنا، جو رسول خداصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیویوں میں ایک پارسا اور عقل ودانش سے مالا مال بیوی تھیں، شیعہ اور سنی دونوں نے ان سے بہت سی حدیثیں نقل کی ہیں۔

سوالات

1 سریہ ابوسَلَمۃ کا کیا نتیجہ رہا؟

2 واقعہ رجیع کیوں کر واقع ہوااور کتنے لوگ شہید ہوئے؟

3 رسول خداصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عمر بن امیّہ کو مکّہ کیوں بھیجا؟

4 سریہ عبدُ اللہ بن اُنَیس کا کیا نتیجہ رہا؟

5 بنی نضیر کے یہودیوں نے رسول خداصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قتل کا ارادہ کیوں کیا؟

6 غزوہ بدر الموعد میں لشکر اسلام کا مقابلہ کرنے سے ابوسفیان کیوں ڈر گیا؟

---

[1] مغازی واقدی ج1، ص384 سے 389 تک۔سیرۃ ابن ہشام ج3 ص220

[2] مروج الذّھب ج2، ص289

پانچواں سبق

غزوہ ذاتُ الرّقاع

تاریخ: دسویں محرم 5 ہجری قمری[1] بمطابق 13 جون 626ء بروز بدھ

غزوہ بنی نضیر کے بعد رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خبر ملی کہ قبیلہ غطفان یعنی بنی ثعلبہ اور بنی محارب نے مسلمانوں سے جنگ کے لئے کچھ لشکر جمع کر رکھا ہے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سازش کو ناکام بنانے کے لئے مدینہ میں جناب ابوذر کو اپنا جانشین بنایا اور خود چار سو افراد کا لشکر لے کر نجد کی طرف روانہ ہوئے، آپؐ دشمن کے عظیم لشکر کے روبرو ہوئے مگر دشمن کو خوف و دہشت نے گھیر لیا اور کسی طرح کے ٹکراؤ سے پہلے ہی دشمن متفرق ہو گیا۔

اس سفر میں دشمن کے حملے کے پیش نظر، خطرناک ماحول میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لشکر اسلام کے ساتھ نماز خوف ادا کی پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سفر کی کُل مدّت 15 روز تھی۔[2]

غزوہ دُومۃُ الجَندَل

روانگی بروز اتوار 25 ربیع الاول 5ھ ق، مطابق 26 اگست 626ء مدینہ واپسی 20 ربیع الثانی، بمطابق 20 ستمبر 626ء بروز جمعرات

مخبروں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خبر دی کہ دُومۃُ الجندل میں بہت سے لوگ جمع ہو گئے ہیں اور مسافروں کا راستہ روکنے کے علاوہ ان پر ظلم و ستم بھی ڈھا رہے ہیں ان کا ارادہ ہے کہ مدینہ پر حملہ کریں۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سِباع بن عرفُطہ غفاری کو مدینہ میں اپنا جانشین معیّن فرمایا اور ہزار آدمیوں کے لشکر کے ساتھ دُومۃُ الجندل کی طرف روانہ ہو گئے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سپاہی راتوں کو راستہ طے کرتے اور دن کو درّوں میں چھپ کر آرام کرتے تھے۔ دشمن کو لشکر اسلام کی روانگی کا پتہ چلا تو ان پر ایسا رعب طاری ہوا جو پہلے کبھی نہیں ہوا تھا اور فوراً ہی اس علاقے سے فرار ہو گئے۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چند دن علاقے میں قیام پذیر رہے اور مختلف دستوں کو اطراف و جوانب میں بھیجا تاکہ معلومات اکٹھی کرنے کے ساتھ ساتھ دشمنوں کی ممکنہ سازشوں کو ناکام بنائیں۔ آپؐ 25 روز کے بعد مدینہ پلٹ آئے۔ لوٹتے وقت فزاز نامی شخص سے، جس کا قبیلہ قحط سے متاثر ہوا تھا، معاہدہ کیا اور اسے اجازت دی کہ مدینہ کے اطراف کی چراگاہوں سے استفادہ کرے۔[3]

اس غزوہ کی اہمیت کی وجہ یہ ہے کہ مدینہ سے دور دراز کے علاقوں تک جادہ پیمائی اور خشک و ہولناک صحراؤں سے عبور کرنے میں مسلمانوں کی طاقت کا مظاہرہ ہوا اور دوسری طرف اسلام مشرقی روم کی سرحدوں تک نفوذ کر گیا اور یہ فوجی تحریک رومیوں کی تحقیر کا

---

[1] اس غزوہ کی تاریخ میں اختلاف ہے، ابن ہشام اس کو جمادی الاولی 4ھ کے واقعات میں ذکر کرتے ہیں لیکن واقدی اور مسعودی نے اسے محرم 5ھ کے واقعات میں ذکر کیا ہے۔ سیرۃ ابن ہشام ج3 ص 213۔ تاریخ طبری ج2 ص 555۔ مغازی واقدی ج1 ص 395۔ التنبیہ والاشراف مسعودی ملاحظہ ہو۔

[2] سیرۃ ابن ہشام ج3 ص 213۔ تاریخ طبری ج2 ص 557 / 555

[3] مغازی واقدی ج1 ص 402 تا 404۔ طبقات ابن سعد ج2 ص 62

موجب بنی۔مسعودی کی تحریر کے مطابق،تاریخ اسلام میں روم جیسی بڑی طاقت کی گماشتہ حکومت کے ساتھ فوجی مقابلہ کرنے کے لئے یہ پہلا قدم تھا۔[1]

غزوہ خندق (احزاب)

تقریباً 23 شوال 5ھ ق[2] بمطابق 19 مارچ 626ء

غزوہ خندق کے اسباب

بنی نضیر کے یہودی جنہوں نے بغض وکینہ اور انتقامی جذبات کے ساتھ مدینہ چھوڑا تھا خاموشی سے نہیں بیٹھے جب یہ لوگ خیبر پہنچے تو ان کے سردار حُیَیّ بن اَخطَب اور کِنانَۃ بن اَبی الحُقیق، ابُو عامر فاسق اور ایک جماعت کے ساتھ مکہ روانہ ہوئے قریش اور ان کے تابعین کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جنگ کی دعوت دی، انہوں نے قریش سے کہا کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے بہت بڑا خطرہ ہمارے انتظار میں ہے اگر فوراً پسپا کر دینے والا لشکر تیار نہ کیا گیا تو محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر جگہ اور ہر شخص پر غالب آ جائیں گے۔

ایک طرف بدر موعد میں قریش کی شکست وسرنگونی، جنگ کی دھمکی دینے کے باوجود لشکر اسلام کے خوف سے حاضر نہ ہونا اور لشکر اسلام کی پے درپے کامیابی نے قریش کو اس حقیقت کی طرف متوجہ کیا کہ مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی جنگی طاقت کے پیش نظر اسلامی تحریک کو کچلنے کے لیے کوئی بنیادی اقدام کرنا چاہیے۔اسی وجہ سے قریش خود اس فکر میں تھے کہ ایک عظیم لشکر تیار کریں اور اب بہترین موقع آن پہنچا تھا۔اس لئے کہ یہودیوں نے اعلان کیا کہ ہم تمہارے ساتھ رہیں گے یہاں تک کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جڑ سے اکھاڑ کر پھینک دیں لہٰذا وہ قریش کے سرداروں کے ساتھ کعبہ میں گئے اور وہاں انہوں نے قسم کھائی کہ ایک دوسرے کو بے سہارا نہیں چھوڑیں گے اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مقابلے کے لئے آخری فرد تک ایک دل اور ایک زبان ہو کر ڈٹے رہیں گے۔[3] قریش نے یہودیوں کے سربرآوردہ افراد سے پوچھا کہ تم قدیم کتاب کے جاننے والے اور عالم دین ہو تم فیصلہ کرو کہ ہمارا دین بہتر ہے یا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا؟ یہودیوں کے چالاک و دھوکہ باز سرداروں نے جواب دیا کہ تمہارا دین بہتر ہے اور تم حق پر ہو۔

یہ یہودی توحید پر ایمان کے باوجود ایسی بات کہہ کر سخت گناہ کے مرتکب ہوئے اور انہوں نے اپنی سیاہ تاریخ میں ننگ وعار والے ایک بڑے دھبے کا اضافہ کیا۔ایک یہودی مصنف ڈاکٹر اسرائیل اپنی کتاب تاریخ یہودیان عربستان میں لکھتا ہے کہ ہرگز یہ بات مناسب نہیں تھی کہ یہودی ایسی خطا کے مرتکب ہوتے اگر چہ قریش ان کی خواہش کو رد کر دیتے، اس کے علاوہ ہرگز یہ بات صحیح نہیں تھی کہ ملّت

---

[1] التنبیہ والاشراف ص 215

[2] لیکن غزوہ احزاب کی صحیح تاریخ مورخین نے بیان نہیں کی ہے اور کہا ہے کہ شوال یا ذی قعدہ 5 ہجری ہے۔مذکورہ بالا فرض کی بنا سپاہ احزاب کے ذریعہ مدینہ کا محاصرہ 23 شوال 5 ہجری ہوگا۔

[3] اکثر مورخین نے لکھا ہے کہ ایک مہینے تک مدینہ پر لشکر احزاب کا محاصرہ تھا۔اور پھر مورخین کی اکثریت نے لکھا ہے کہ دشمن کے فرار کے بعد بلا فاصلہ اسلامی سپاہیوں نے اسی دن بنی قریظہ کے لشکر اور قلعہ کا محاصرہ کر لیا جس کی تاریخ 23 ذی قعدہ بیان کی گئی ہے لیکن غزوہ احزاب کی دقیق تاریخ مؤرخین نے بیان نہیں کی بلکہ لکھا ہے کہ 5ھ ق میں ماہ شوال یا ذی القعدہ میں یہ غزوہ پیش آیا لیکن اگر بنی قریظہ کے قلعہ کی تاریخ کو دقیق فرض کریں تو پھر دشمن نے مدینہ کا محاصرہ 23 شوال 5ھ ق کو کیا۔

یہود، بُت پرستوں کے پاس پناہ لیتی اس لئے کہ یہ روش تورات کی تعلیمات کے مطابق نہیں ہے۔[1]

قرآن اس اتحاد کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتا ہے کہ کیا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا کہ جن کو کتاب سے کچھ حصّہ دیا گیا ہے وہ کس طرح بتوں اور طاغوت پر ایمان لاتے ہیں اور کافرین ومشرکین سے کہتے ہیں کہ تمہارا راستہ مومنین کی بہ نسبت حقیقت سے زیادہ نزدیک ہے[2]۔

جب مشرکین نے یہودی سرداروں سے مدد کا وعدہ اور روانگی کی تاریخ معیّن کی تو یہودیوں نے بھی ان سے وعدہ کیا کہ بنی قُریظَہ کے یہودیوں کو جو اس وقت ساکن مدینہ تھے، مدد کے لئے بلائیں گے۔قریش کو پیمان شکنی اور جنگ پر آمادہ کرنے کے بعد یہودی وفد قبیلہ غطفان کی طرف روانہ ہوا،قبیلہ غطفان کے افراد نے ان کی ہمراہی کے علاوہ اپنے ہم عہد قبیلہ بنی اسد کو مدد کی دعوت دی اور قریش نے اپنے حلیف قبیلہ بنی سُلَیم کو مدد کیلئے بلایا[3]۔

یہودیوں کی شہ پر اسلام کے خلاف ایک بہت بڑا محاذ تیار ہو گیا،جس میں مشرکین،مستکبر ین،منافقین،یہود،مدینہ سے فرار کرنے والے،قریش کے مختلف قبائل،بنی سلیم،بنی غطفان،بنی اسد اور دیگر احزاب وقبائل شامل تھے اور سب نے مل کر اسلام کے خلاف جنگ کی ٹھانی ہوئی تھی تاکہ نور خدا کو خاموش کر دیں۔جنگی اخراجات اور اسلحہ کی فراہمی یہود کی طرف سے انجام پائی۔

لشکر احزاب کی مدینہ کی طرف روانگی

مختلف قبیلوں اور گروہوں کی طرف سے اس جنگی معاہدے کے نتیجہ میں اکٹھے ہونے والے افراد کی مجموعی تعداد دس 10 ہزار سے زیادہ[4] اور لشکر کی کمان ابوسفیان کے ہاتھوں میں تھی۔لشکر احزاب کے جنگجو افراد اسلحہ سے لیس روانگی کیلئے تیار تھے۔اس زمانہ میں جنگی ایمونیشن اور ساز وسامان سے لیس اتنا بڑا لشکر سرزمین حجاز نے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ماہ شوال 5 ہجری میں ابوسفیان نے احزاب کے سپاہیوں کو تین الگ الگ دستوں میں یثرب کی جانب روانہ کیا۔

لشکر کی روانگی سے متعلق رسول خدا صلى الله عليه وآله وسلم کا آگاہ ہونا

جب یہ لشکر مکّہ سے مدینہ کی طرف روانہ ہوا تو قبیلہ خُزاعۃ کے چند سوار نہایت سرعت کے ساتھ پیغمبر اسلام صلى الله عليه وآله وسلم کے پاس پہنچے اور سپاہ احزاب کی روانگی کی خبر دی۔رسول خدا صلى الله عليه وآله وسلم نے لشکر کی جمع آوری اور آمادہ باش کے اعلان کے ساتھ جنگی ٹیکنیک اور دفاعی طریقہ کار کی تعیین کے لئے اصحاب سے مشورہ فرمایا اور مشاورتی کونسل میں یہ بات پیش ہوئی کہ مدینہ سے باہر نکل کر جنگ کی جائے یا مدینہ کے اندر موجود رہیں اور شہر کو ایک طرح سے قلعہ بنادیں؟ سلمان فارسی نے کہا اے اللہ کے رسول صلى الله عليه وآله وسلم جب ہم ایران میں تھے تو اس وقت اگر دشمن کے شہسواروں کے حملے کا خطرہ ہوتا تھا تو شہر کے چاروں طرف خندق کھود دیتے تھے دفاع کے لئے منعقدہ مجلس مشاورت نے

---

[1] طبقات ابن سعد ج2 ص66۔تاریخ طبری ج2 ص565

[2] حیات محمد صلى الله عليه وآله وسلم، ڈاکٹر ہیکل ص297

[3] اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُؤْمِنُوْنَ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوْتِ وَيَقُوْلُوْنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا هٰٓؤُلَاۤءِ اَهْدٰى مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سَبِيْلًا ﴿۵۱﴾ (سورۃ النساء)

[4] تاریخ طبری ج2 ص566

سلمان کی رائے کو مان لیا اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سلمان کے نقشہ کے مطابق خندق کھودنے کا حکم دیا۔[1]

اس زمانہ میں مدینہ، تین طرف سے طبیعی رکاوٹوں جیسے پہاڑوں، نخلستان کے جھنڈ اور نزدیک نزدیک بنے ہوئے گھروں میں گھرا ہوا تھا صرف ایک طرف سے کھلا اور قابل نفوذ تھا۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہر دس 10 آدمیوں کو چالیس زراع کے ایک قطعہ ارض کو کھودنے پر مامور کیا۔ جزیرۃ العرب کی گرم اور جھلسا دینے والی ہوا کے برخلاف مدینہ سردیوں میں صحرا کی طرح سرد اور تکلیف دہ تھا، جن دنوں خندق کی کھدائی ہو رہی تھی تین ہزار مسلمان صبح سویرے آفتاب طلوع ہونے سے پہلے جاڑے کی سخت سردی میں لبوں پر، پُرشور نعرہ اور دلوں میں حرارت ایمانی کے جوش و ولولہ کے ساتھ کام میں مشغول ہوتے اور غروب آفتاب تک کام کرتے رہتے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی تمام مسلمانوں کے ساتھ ساتھ کام میں مشغول تھے۔ پھاوڑے چلاتے، مٹّی کو زنبیل میں ڈال کر کاندھوں پر رکھ کر باہر لاتے تھے۔ سلمان نہایت تیزی سے چند آدمیوں کے برابر کام کر رہے تھے۔ مہاجر وانصار ہر ایک نے کہا کہ سلمان ہم میں سے ہیں، لیکن رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا سلمان ہم اہل بیتؑ میں سے ہیں[2]۔

بجلی کی چمک میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کیا دیکھا؟

خندق کھودتے کھودتے سلمان کے سامنے ایک بہت بڑا سفید پتّھر آ گیا۔ انہوں نے اور دوسرے افراد نے کافی کوشش کی مگر پتّھر اپنی جگہ سے ہلا تک نہیں۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خبر ہوئی تو آپؐ تشریف لائے اور ہتھوڑے سے پتّھر پر ایک ضرب لگائی، اس ضرب کی وجہ سے ایک بجلی چمکی اور پتّھر کا ایک حصّہ ٹوٹ کر بکھر گیا۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صدائے تکبیر بلند کی، جب دوسری اور تیسری بار آپؐ نے ضرب لگائی تو ہر ضرب سے بجلی چمکی اور پتّھر کے ٹکڑے ہونے لگے، رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر بار صدائے تکبیر بلند کرتے رہے، جناب سلمان نے سوال کیا کہ آپؐ بجلی چمکتے وقت تکبیر کیوں کہتے تھے؟ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جب پہلی بار بجلی چمکی تو میں نے یمن اور صَنعاء کے محل کھلتے دیکھے، دوسری مرتبہ بجلی کے چمکنے میں شام و مغرب کے سرخ محلوں کو فتح ہوتے دیکھا، اور جب تیسری بار بجلی چمکی تو میں نے کسریٰ کے محلات کو دیکھا کہ جو میری اُمت کے ہاتھوں مسخر ہو جائیں گے۔[3]

مومنین رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بشارت سے خوش ہو گئے اور بشارت، بشارت کی آواز بلند کرنے لگے۔ لیکن منافقین نے مذاق اُڑایا اور کہا کہ حالت یہ ہے کہ دشمن ہر طرف سے ٹوٹ پڑ رہے ہیں اور اتنی جرات نہیں ہے کہ ہم قضائے حاجت کے لئے باہر نکل سکیں اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایران و روم کے محلوں کی فتح کی گفتگو کر رہے ہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ یہ باتیں فریب سے زیادہ نہیں ہیں (معاذ اللہ) قرآن منافقین کے بارے میں کہتا ہے منافقین اور وہ لوگ جن کے دلوں میں بیماری (نفاق) ہے وہ کہتے ہیں کہ یہ وعدے جو خدا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کر رہے ہیں یہ دھوکے سے زیادہ نہیں ہیں[4]۔

منافقین خندق کھودنے میں مسلمانوں کی مدد کر رہے تھے مگر ان کی کوشش تھی کہ کسی بہانے سے اپنے کاندھوں کو اس بوجھ سے

---

[1] التنبیہ والاشراف میں مسعودی کی نقل کے مطابق حملہ آواروں کی تعداد چوبیس ہزار تھی۔

[2] مغازی واقدی ج2 ص444۔

[3] سیرۃ حلبیہ ج2 ص313۔۔۔سلمانُ منّا اہل البیت۔۔۔

[4] سیرۃ حلبیہ ج2 ص313۔ تاریخ طبری ج2 ص569۔ تاریخ بغداد ج1 ص131، 132 تھوڑے سے اختلاف کے ساتھ۔

خالی کریں اس طرح وہ اپنے نفاق کو آشکار کر رہے تھے۔خندق کی کھدائی تمام ہوئی جس کی لمبائی 12000 زراع تقریباً 4/5 کلومیٹر، گہرائی 5 ہاتھ اور اس کی چوڑائی اتنی تھی کہ ایک سوار گھوڑے کو جست دیگر پار نہیں کر سکتا تھا۔آخر میں خندق کے بیچ میں کچھ دروازے بنا دیئے ئے اور ہر دروازے کی نگہبانی کے لئے ایک قبیلہ معیّن کر دیا گیا اور زبیر بن عوام کو دروازوں کے محافظین کی سربراہی پر معیّن کیا گیا[۱]۔

مسلمانوں نے خندق کے پیچھے اپنے لئے مورچے بنا لئے اور شہر کے دفاع کے لئے تیرانداز مکمل آمادگی کے ساتھ موجود تھے۔

مدینہ لشکر کفار کے محاصرے میں

کفر کا حملہ آور لشکر ابوسفیان کی سرکردگی میں خندق کھد جانے کے چھ دن بعد سیلاب کی طرح مدینہ پہنچ گیا۔انہوں نے شہر کے چاروں طرف اور اپنے آگے ایک بڑی خندق دیکھی اور مسلمانوں کی اس دفاعی حکمت عملی پر حیران رہ گئے۔جنگی دیدہ وروں نے کہا یہ فوجی حربہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایرانیوں سے سیکھا ہے اس لئے کہ عرب اس ڈھنگ سے واقف نہیں ہیں۔کفار نے مجبوراً اپنے خیمے خندق کے سامنے لگا لئے۔دشمن کے لشکر کے خیموں سے سارا بیابان سیاہ ہو گیا۔لشکر اسلام نے بھی خندق کے اس طرف خیمے لگا لئے اور دشمن سے مقابلے اور اس کے حملے سے بچنے کے لئے تیار ہو گئے۔

بنی قُریظہ کی عہد شکنی

لشکر احزاب اور اس کے سپہ سالار ابوسفیان کے دماغ پر مسلمانوں پر برق رفتاری سے کامیابی حاصل کرنے کا بھوت سوار تھا، خندق جیسی بڑی رکاوٹ کے سامنے آجانے سے اب راستے کی تلاش میں لگ گئے تاکہ لشکر کو خندق کے پار پہنچا سکیں۔مدینہ سے شہر بدر کیئے جانے والے یہودی قبیلے بنی نضیر کا سردار حُیَی ابن اخطب جنگ کی آگ بھڑکانے کا اصلی ذمّہ دار تھا۔وہ خندق کی موجودگی کیوجہ سے سپاہ احزاب کے حملے کو ناکام ہوتے ہوئے دیکھ کر سب سے زیادہ خوف زدہ تھا، وہ کوشش کر رہا تھا کہ جلد سے جلد احزاب کی کامیابی کا کوئی راستہ مل جائے۔اس نے مدینہ کے اندر سے محاذ کھولنے کا ارادہ کیا۔اس پروگرام کو عملی جامہ پہنانے کے لئے بنی قُریَظہ کے یہودی جو مدینہ میں مقیم تھے، بہترین وسیلہ تھے۔اس نے رئیس قبیلہ سے گفتگو کرنے کا ارادہ کیا، قلعہ بنی قُریظہ کی طرف گیا اور قلعہ کے بند دروازوں کے پیچھے سے گفتگو کی، قبیلہ بنی قُریظہ کے سردار کعب بن اَسَد نے جواب دیا کہ ہم نے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عہد و پیمان کیا ہے اور ہم یہ معاہدہ نہیں توڑ سکتے اس لئے کہ سوائے سچّائی اور وفاداری کے ان سے ہم نے اور کچھ نہیں دیکھا ہے۔

حُیَی، کعب کو بھڑکانے میں کامیاب ہو گیا اور اس نے اپنے لئے قلعہ کا دروازہ کھلوا لیا۔قلعہ میں داخل ہوا اور بنی قُریظہ کے بزرگ افراد کو اس بات پر آمادہ کر لیا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کئے ہوئے اپنے عہد و پیمان کو توڑ دیں اور اپنی فوجیں نیز دوسرا سامان حملہ آوروں کو دیدیں۔رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جب بنی قُریَظہ کے یہودیوں کی پیمان شکنی کی خبر ملی تو آپؐ نے قبیلہ اوس و خزرج کے دو بزرگ افراد سَعد بن مُعاذ اور سَعد بن عُبادۃ کو مزید تحقیقات کے لئے قلعہ بنی قُریظہ روانہ کیا۔وہ لوگ اس بات پر مامور تھے کہ اگر یہ خبر صحیح ہو تو خفیہ طور پر اس کی اطلاع رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیں۔انہوں نے واپسی پر خفیہ کوڈ عَضَل و قارّہ کے الفاظ کے ساتھ یہودیوں کی پیمان شکنی کی خبر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دی۔[۲]

---

[۱] واذ یقولُ المُنافقون والّذین فی قلوبہم مَرَضٌ ماوعدنا اللہُ ورسُولُہ الاغُروراً (احزاب 12) تاریخ طبری ج 2 ص 570۔

[۲] تاریخ یعقوبی ج 2 ص 50

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں کے ولولے کو باقی رکھنے کے لئے نعرہ تکبیر بلند کیا اور فرمایا اے مسلمانو میں تمہیں کامیابی کی بشارت دیتا ہوں۔[۱]

خطرناک صورتحال

اسلامی تحریک ایک حساس موڑ پر تھی ایک طرف اسلحہ سے لیس دشمن کا دس ہزار افراد پر مشتمل لشکر شہر کے سامنے خیمہ زن تھا اور ہر لحظہ اس بات کا امکان تھا کہ خندق کو پار کر کے شہر میں کشت وخون کا بازار گرم نہ کر دے۔ اور دوسری طرف قبیلہ بنی قُریظہ کے خائن یہودی پیمان شکنی کر کے مسلمانوں کی پیٹھ میں خنجر گھونپنے کے لئے آمادہ تھے نہتے مسلمانوں بچّوں اور عورتوں پر یہودیوں کے حملے کا خطرہ، کفار کے لشکر کا خندق عبور کرنے کے خطرہ سے زیادہ خطرناک تھا۔

اس ہنگامے میں منافقین، شیطانی قہقہوں، طعنوں اور اشارے وکنائے سے مسلمانوں کے زخموں پر نمک پاشی، لوگوں کو دشمن کے سامنے ہتھیار ڈال دینے کی تشویق، اپنے گھروں کے دفاع کا سامان نہ ہونے کا بہانہ بنا کر فرار کا قصد اور اپنی دفاع جگہوں کو چھوڑ دینے کا ارادہ کر رہے تھے۔ قرآن اس سلسلہ میں کہتا ہے کہ:

جب ایک گروہ (منافقین اور سیاہ قلب افراد) نے کہا کہ اے یثرب کے لوگو اب سرزمین یثرب تمہارے رہنے کی جگہ نہیں ہے۔ لہذا پلٹ جاؤ اور ان میں سے ایک گروہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اجازت مانگ رہا ہے اور کہتا ہے کہ ہمارے گھر کھلے ہوئے ہیں، دفاع کا کوئی انتظام نہیں ہے۔ ایسی صورت میں ان کا ارادہ ومقصد فرار کے سوا اور کچھ نہیں[۲]

لیکن خدا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان رکھنے والے جاں باز نہ صرف ایسے طوفانوں سے لرزاں نہیں ہوئے بلکہ اور زیادہ مستحکم ہو گئے۔ قرآن ان کے بارے میں کہتا ہے: جب مسلمانوں نے احزاب کے لشکر کو دیکھا تو کہا کہ یہ وہی ہے جس کا وعدہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کیا ہے اور اس واقعہ نے ان کے ایمان وتسلیم کو بڑھانے کے علاوہ اور کچھ نہیں کیا[۳]

اس حساس موقع پر رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسلسل اپنی شعلہ بار تقریروں سے اسلام کے جاں بازوں کے حوصلے بڑھاتے رہے، ان کے فرائض یاد دلاتے رہے اور فرماتے اگر تم صبر سے کام لوگے اور خدا پر بھروسہ کرو گے تو کامیاب رہوگے۔ اور ان لوگوں کو خدا اور اس کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فرماں برداری کی طرف توجہ دلاتے رہے

ایسی حالت میں جاں بازان اسلام اپنے محاذ کی نگہبانی اور تحفظ کے ساتھ ساتھ خندق کے اس طرف بنی قُریظہ کے شب خون مارنے کے خطرے کو ناکام بنانے کے لئے 500 جاں باروں کا ایک گشتی دستہ لیکر پوری تیاری کے ساتھ گشت لگاتے رہے اور راتوں کو اپنے نعرہ تکبیر کی بلند آوازوں سے دشمن کے دلوں میں خوف وہراس ڈالتے رہے۔ اس طرح غفلت کے عالم میں دشمن کو حملے کرنے کا موقع نہیں مل سکا اور مدینہ پر حملے کا خطرہ ٹل گیا۔

---

[۱] مغازی واقدی ج 2 ص 454 / 459 سے تلخیص کیساتھ۔ عَضَل وقارّہ دو قبیلوں کے نام ہیں۔ یہ وہ قبیلے ہیں جنہوں نے اصحاب رجیع والے واقعہ میں بے وفائی کی، اپنا پیمان توڑ ڈالا اور مسلمانوں کو شہید کیا ان کلمات کے استعمال کا مطلب یہ تھا کہ بنی قریظہ نے بھی ان دو قبیلوں کی مانند پیمان شکنی کی ہے۔

[۲] مغازی واقدی ج 2 ص 459

[۳] وَاِذْ قَالَتْ طَّآىِٕفَةٌ مِّنْهُمْ يٰٓاَهْلَ يَثْرِبَ لَا مُقَامَ لَكُمْ فَارْجِعُوْا ۚ وَيَسْتَاْذِنُ فَرِيْقٌ مِّنْهُمُ النَّبِيَّ يَقُوْلُوْنَ اِنَّ بُيُوْتَنَا عَوْرَةٌ ۛ وَمَا هِيَ بِعَوْرَةٍ ۚ اِنْ يُّرِيْدُوْنَ اِلَّا فِرَارًا ⑬ (احزاب/13)۔

ایمان وکفر کا آمنا سامنا

خندق کے دوسری طرف لشکر احزاب بہت دونوں تک یوں ہی پڑا رہا لیکن نہ پیادوں میں سے کوئی خندق عبور کرسکا اور نہ سواروں میں سے۔آخر کار لشکر شرک میں سے پانچ آدمیوں عَمرو بن عَبدوَدّ، عکرمۃ بن اَبی جَہل، ہُبَیرۃ بن اَبی وَہب، نَوفل بن عَبداللہ، ضرار بن خَطّاب جنگی لباس پہننے کے بعد غرور وتکبّر کے ساتھ اتحادّیوں کی لشکر گاہ سے باہر آکر ان کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ آج پتہ چل جائے گا کہ حقیقی بہادر کون ہے؟

اس کے بعد انہوں نے ایڑ لگا کر گھوڑوں کو اس حصّہ کی طرف سے اُڑایا جو خندق کا کم چوڑا حصّہ تھا۔جانبازوں کا دفاع ان کو نہ روک سکا عَمرو بن عَبدوَدّ نے بلند آواز سے مبارز طلبی کی اور مذاق اُڑانے والے لہجہ میں بولا اے بہشت کے دعویدارو کہاں ہو؟ کیا کوئی ہے کہ جسے میں بہشت روانہ کروں یا وہ مجھے جہنّم بھیج دے؟ وہ اپنی بات کا تکرار کرتا رہا یہاں تک کہ اس نے کہا میں نے اتنی آوازیں دی کہ میں تھک گیا اور میری آواز بیٹھ گئی ہے

اس موقع پر پیغمبر اکرم ﷺ نے مسلمانوں کی طرف رخ کیا اور فرمایا کیا کوئی ہے جو اس کے شر کو ہمارے سروں سے دور کرے؟ حضرت علی علیہ السلام نے آمادگی کا اعلان کیا۔رسول خدا ﷺ نے ان کو اجازت نہیں دی اور اپنی بات پھر دہرائی، مجاہدین اسلام کے درمیان سکوت کی حکمرانی تھی کسی میں بھی قریش کے بڑے پہلوان سے مقابلہ کی جرات نہ تھی۔تیسری بار آنحضرت ﷺ نے پھر فرمایا اور اس موقع پر بھی حضرت علی علیہ السلام ہی تھے جنھوں نے آمادگی کا اعلان کیا۔

نتیجہ میں پیغمبر اکرم ﷺ نے حضرت علی علیہ السلام کو اجازت دیدی اور اپنا عمامہ ان کے سر پر رکھا، اپنی تلوار ان کو عطا کی۔جب علی علیہ السلام قریش کے اس بہادر سے لڑنے کے لئے چلے تو رسول خدا ﷺ نے فرمایا اب کل ایمان کل شرک کے مقابل ہے [1]

اس زمانہ کے آئین رزم کے مطابق اسلام وشرک کے دونوں بہادروں نے رجز خوانی کی اور اس کے بعد تلوار نیام سے باہر نکال کر حملہ آور ہو گئے۔جنگ کے وقت میدان میں اتنی گرد اڑ رہی تھی کہ دونوں میں سے کوئی دکھائی نہیں دیتا تھا یہاں تک کہ علی علیہ السلام کے نعرہ تکبیر کی آواز گونجی، پیغمبر اسلام ﷺ نے فرمایا خدا کی قسم علی علیہ السلام نے اس کو قتل کر دیا۔

یہ واقعہ اس قدر برق آسا اور حیرت انگیز تھا کہ عمرو کے ساتھی اس کے قتل کو دیکھنے کے بعد فوراً فرار کر گئے۔نوفل بن عبداللہ خندق پار کرنے کے لئے کودتے وقت اس میں گر گیا اور جان بازان اسلام نے اس پر سنگ باری کردی، وہ چلّانے لگا کہ عرب کا قتل جواں مردی کے ساتھ ہوتا ہے۔علی علیہ السلام نہایت سرعت سے خندق میں کود پڑے اور اس کو بھی قتل کر ڈالا۔[2]

خندق کے دن حضرت علی علیہ السلام کی ضربت آئین اسلام کے استقرار کا سبب بنی اس لئے کہ اگر حضرت علی علیہ السلام، عَمرو بن عَبدوَدّ کو قتل نہ کر دیتے تو لشکر احزاب کی مسلمانوں کے سلسلہ میں جرات بڑھ جاتی اور ان میں سے دوسرے افراد بھی خندق کو پار کر کے حیات اسلام کا خاتمہ کر دیتے۔

---

[1] وَلَمَّا رَاَ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ الۡاَحۡزَابَ ۙ قَالُوۡا هٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوۡلُهٗ وَصَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوۡلُهٗ ۚ وَمَا زَادَهُمۡ اِلَّاۤ اِيۡمَانًا وَّتَسۡلِيۡمًا ؕ (احزاب /22)

[2] برز الایمانُ کُلّہ الی الشرک کُلہ۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس ضربت کی فضیلت میں فرمایا۔ روز خندق علی علیہ السلام کی ضربت تمام جن وانس کی عبادت سے افضل ہے [۱]

اس کے دوسرے دن خالد بن ولید نے شکست کے جبران کے لئے خندق کے کم چوڑے حصّہ کی طرف سے اپنے شہ سواروں کے دستہ کو خندق سے عبور کرانا چاہا لیکن مجاہدین اسلام کے مردانہ وار دفاع نے، جو غروب تک جاری رہا، دشمن کے ہر طرح کے ابتکار عمل کی قوّت کو سلب کر لیا۔ [۲]

سوالات:

1 غزوہ دومۃ الجندل کی اہمیّت کس چیز میں ہے؟
2 جنگ احزاب کے اصلی محرّک کون لوگ ہیں؟
3 خندق کھودنے کی تجویز کس نے پیش کی؟
4 بنی قُرَیظہ کے یہودیوں نے کیوں پیمان شکنی کی؟
5 جنگ خندق میں ضربت علی علیہ السلام کی اہمیت کس وجہ سے ہے؟

---

[۱] ضَربۃ عَلیٍّ یومَ الخَندَق اَفضَلُ من عبادۃ الثَقَلَین۔ دلائل الصدق ج 2 ص 175، مستدرک ج 3 ص 32۔
[۲] مغازی واقدی ج 2 ص 470۔ ارشاد شیخ مفید ص 53

چھٹا سبق

دشمن کی صفوں میں تفرقہ پیدا کرنے کی کوشش

ایک طرف دشمن کے حوصلے بہت زیادہ کمزور ہوچکے تھے اور دوسری طرف مسلمان بھی بہت زیادہ دباؤ محسوس کر رہے تھے۔ایسے حالات میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کوشش کی کہ دشمن کی صفوں میں اختلاف پیدا ہوجائے اور احزاب کے فوجی اتحاد کا شیرازہ بکھر جائے، اس غرض سے آپ نے قبائل غطفان کے سربرآوردہ افراد کے پاس پیغام بھیجا کہ کیا تم لوگ اس کام کے لئے تیار ہو کہ مدینہ کی کھجوروں کا تیسرا حصّہ تم کو دیدوں اور تم اپنے خاندان کی طرف پلٹ جاؤ اور دوسرے قبیلوں میں بھی اس بات کی تبلیغ کرو کہ وہ جنگ سے دست بردار ہوجائیں؟ ان لوگوں نے مصالحت کے لئے نصف کا مطالبہ کیا اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس مذاکرے کے لئے حاضر ہوگئے۔رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کاغذ، قلم اور دوات لانے کا حکم دیا تا کہ ایک ثلث کی قرارداد لکھی جائے۔اس وقت مدینہ کے سربرآوردہ افراد سَعد بن عُبادَہ اور سَعد بن مُعاذ آگئے، انہوں نے کہا کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ حکم خدا کی طرف سے ہو یا آپؐ کا ذاتی نظریہ ہو، ہم اس کے فرمانبردار ہیں لیکن اگر آپؐ ہمارا نظریہ جاننا چاہتے ہیں تو ہم ان کو باج (ٹیکس) نہیں دیں گے۔جاہلیت کے زمانہ میں جب ہم مشرک تھے تو اس وقت خریدنے یا مہمان بننے کے علاوہ ہمارا خرما ان تک نہیں پہنچتا تھا، اب جب ہم اسلام سے سرفراز ہیں تو کیا ان کو ٹیکس ادا کریں؟ ہمارے اور ان کے درمیان تلوار کو فیصلہ کرنا چاہیئے۔[1] غطفان کے قبیلے کے سربرآوردہ افراد جب خالی ہاتھ واپس جا رہے تھے اس وقت آپس میں باتیں کرتے جا رہے تھے کہ ان لوگوں نے جنگ جاری رکھنے کے علاوہ اور کوئی راستہ ہی اختیار نہیں کیا اور آخری فرد تک اپنے ہدف کے دفاع کے لئے تیار ہیں ایک ہم ہیں کہ سخت سردی اور خشک بیابان میں اپنے اونٹ اور گھوڑوں کو فنا کر رہے ہیں۔

بنی قریظہ اور مشرکین کے درمیان پھوٹ

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مشرکین کے قبائل کے درمیان اختلاف پیدا کرنے کی کوشش کر رہے تھے جو آپؐ کے ساتھ جنگ لڑنے کے لئے اُٹھ کھڑے ہوئے تھے اور ساتھ ہی یہ کوشش بھی کر رہے تھے کہ بنی قریظہ کے یہودیوں کے مشرکین سے تعلّقات بگڑ جائیں اور انہیں ایک دوسرے سے بدظن کر کے ان کے فوجی اتحاد میں تزلزل پیدا کردیں۔اسی وقت ایک مناسب موقعہ بھی ہاتھ آگیا۔دشمن کے محاذ کا ایک آدمی جس کا نام نعیم بن مسعود تھا مسلمان ہوگیا۔وہ ایک طرف تو بنی قریظہ کے یہودیوں سے اچّھے تعلّقات رکھتا تھا اور دوسری طرف مشرکین کے لئے مکمل طور پر قابل اطمینان تھا۔وہ جس کے دل میں نور ایمان جگمگا رہا تھا، رات کے اندھیرے میں اپنے خیمہ سے باہر نکلا اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خیمہ میں پہنچ گیا۔اور عرض کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں نے اسلام قبول کرلیا ہے۔لیکن میرے قبیلے والے میرے مسلمان ہونے سے بے خبر ہیں آپ جو حکم فرمائیں میں اس کی تعمیل کے لئے حاضر ہوں، رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے فرمایا جہاں تک ہوسکے جنگ میں دشمن کے ارادہ کو کمزور بنا دو ان کو پراگندہ کردو اس لئے کہ جنگ ایک فریب ہے۔

---

[1] سیرۃ ابن ہشام ج3 ص234۔بحار الانوار ج20 ص252

نُعیم بن مَسعُود محلہ بنی قریظہ میں پہنچا پہلے یہ ان لوگوں کا ندیم رہ چکا تھا اس نے بنی قریظہ کو مخاطب کر کے کہا اے بنی قُریظہ تم اپنے ساتھ میری دوستی اور یکرنگی سے واقف ہو۔ان لوگوں نے کہا ہم بھی اس بات کو اچھی طرح جانتے ہیں اور تمہارے بارے میں بدگمان نہیں ہیں۔

نعیم نے کہا کہ جو بات میں کہنے جارہا ہوں اس کی شرط یہ ہے کہ تم میرے راز کو چھپا کر رکھو گے، اور وہ یہ کہ جنگ دشوار ہے، اور قریش وغطفان جنگ میں سُست پڑ رہے ہیں۔عَمرو بن عَبد وَدّان کا پہلوان مارا گیا اور قبیلہ غطفان کے لوگ محمد ﷺ سے خفیہ طور پر یہ ساز باز کر رہے ہیں کہ وہ مدینہ کے خرما کا آدھا محصول لے لیں اور اپنی راہ لیں، ایسی صورت میں اگر قریش وغطفان کو موقع ملا تو ممکن ہے فتحیاب ہو جائیں اور اگر ہار گئے تو اپنا بوریہ بستر لے کر اپنے وطن چلے جائیں گے، جبکہ تم ایسا کام نہیں کر سکتے، تمہارے بال بچےّ، گھر بار، کھیتی باڑی اور تمہارے نخلستان یہاں ہیں، قریش وغطفان کی شکست کی صورت میں محمد ﷺ تم سب کا محاصرہ کر لیں گے۔اور تمہاری امانتیں تمہیں نہیں دیں گے لہٰذا تم قریش وغطفان کو ساتھ لے کر جنگ نہ کرو مگر یہ کہ ان کے سر برآوردہ افراد کو یرغمال بنا کر اپنے پاس رکھ لو اور اس طرح ان کو، محمد ﷺ کے ساتھ صلح کا معاہدہ کرنے کا موقعہ نہ دو تا کہ وہ تمہیں بے سہارا چھوڑ کر اپنے کام میں نہ لگ جائیں۔

بنی قریظہ کے یہودیوں نے کہا کہ تم بہت پر خلوص مشورہ دے رہے ہو، ہم تمہارا شکریہ ادا کرتے ہیں اور تمہارے نظریے کو عملی جامہ پہنائیں گے۔نعیم وہاں سے ابوسفیان اور قریش وغطفان کے دوسرے سر برآوردہ افراد کے پاس آیا اور کہا ایک بات میں نے سنی ہے جو از راہ خیر خواہی تمہیں بتانا چاہتا ہوں لیکن شرط یہ ہے کہ اس راز کو چھپا کر رکھنا۔ان لوگوں نے کہا: بہت خوب کیا کہنا چاہتے ہو۔

نعیم نے کہا بنی قریظہ ،محمد ﷺ کے ساتھ اپنی پیمان شکنی پر پشیمان ہیں اور وہ چاہتے ہیں کہ جو بھول ان سے ہوئی ہے اس کا جبران کریں۔انہوں نے محمد ﷺ کو پیغام بھیجا ہے کہ ہم قریش وغطفان کے ستر 70 سر کردہ افراد کو پکڑ کر آپؐ کے حوالے کر دیں گے تا کہ آپ ان کو قتل کر دیں اس کے بعد جنگ کے خاتمہ تک باقی افراد کو ختم کرنے کے لئے ہم لوگ آپ کے ساتھ ہیں۔

محمد ﷺ نے یہ پیش کش قبول کر لی ہے تم لوگ اب ہوشیار رہنا اگر یہود تم سے ضمانت کے طور پر کچھ افراد مانگیں تو ایک آدمی بھی ان کے حوالے نہ کرنا۔

دوسری طرف سے احزاب کے سرکردہ افراد جو ٹھنڈی راتوں اور یثرب کے بے آب وگیاہ بیابان میں اپنی طاقتوں کو ضائع کر رہے تھے، بنی قریظہ کی طرف اپنے نمائندے بھیجے اور ان سے کہلوایا کہ:

ہم تمہاری طرح اپنے گھر میں نہیں ہیں ہمارے چوپائے دانہ اور گھاس کی کمی کی بنا پر تلف ہوئے جا رہے ہیں، لہٰذا جنگ کے لئے نکلنے میں جلد سے جلد ہمارے ساتھ تعاون کا اعلان کرو تا کہ مل جل کر مدینہ پر حملہ کر دیں اور اس جنگ سے چھٹکارا مل جائے۔یہودیوں نے جواب دیا پہلی بات تو یہ ہے کہ آج ہفتہ ہے اور ہم اس دن کسی کام کو ہاتھ نہیں لگاتے۔دوسری بات یہ ہے کہ ہم تمہارے ساتھ مل کر جنگ نہیں کریں گے لیکن ایک شرط پر اور وہ یہ کہ تم اپنے اہم افراد میں سے کسی کو ہمارے حوالہ کر دو تا کہ ہم اطمینان کے ساتھ محمد ﷺ کے ساتھ جنگ کریں اس لئے کہ ہمیں ڈر ہے کہ اگر تم جنگ سے عاجز آجاؤ گے تو محمد ﷺ کے ساتھ ساز باز کر لو گے اور ہمیں بے سہارا چھوڑ دو گے، ہم تنہا ان سے جنگ کی طاقت نہیں رکھتے اس طرح ہم کہیں کے نہیں رہیں۔

جب قریش اور غطفان کے نمائندے واپس آئے اور مذاکرات کے نتیجہ سے آگاہ کیا تو ان لوگوں نے کہا بخدا نعیم بن مسعود نے سچ کہا تھا لہٰذا انہوں نے پھر سے پیغام بھیجا کہ ہم ایک آدمی کو بھی تمہارے حوالہ نہیں کریں گے اگر تم واقعی اہل نبرد ہو تو آؤ محمد ﷺ سے جنگ میں ہماری مدد کرو۔

بنی قریظہ نے بھی اس پیغام کو سننے کے بعد ان کے بارے میں شک کیا اور کہا کہ نعیم سچ کہہ رہا تھا یہ لوگ چاہتے ہیں کہ ہمیں محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ الجھا دیں اور اگر موقع مل جائے تو اس سے فائدہ حاصل کریں ورنہ ہمیں بے سہارا چھوڑ دیں اور اپنے شہر کی طرف واپس پلٹ جائیں، پھر ایسی صورت میں محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مقابلہ کی سکت ہم میں نہیں ہے۔ بنی قریظہ کے یہودیوں نے قریش اور غطفان کے سرداروں کو پھر سے پیغام دیا کہ جب تک ہمیں کچھ لوگ ضمانت کے طور پر نہ دو گے اس وقت تک ہم تمہارے ساتھ مل کر محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جنگ نہیں کریں گے۔

دشمن کے درمیان تفرقہ پھیل گیا، دل خوف ہراس سے لبریز ہو گئے، ایک دوسرے کے بارے میں بدگمانی میں مبتلا ہو گئے اور جنگ جاری رکھنے کے سلسلہ میں اختلاف ہو گیا۔ اور خدا نے اس طرح سے ان لوگوں کو ایک دوسرے کی مدد سے باز رکھا۔ جاڑے کی سرد رات میں خدائی مدد لشکر توحید کو مل گئی اور خدا کے اذن سے بہت تیز ہوائیں چلیں اور دشمنوں کے خیموں کو جڑ سے اُکھاڑ کر پھینک دیا آگ بجھا دی ان کی دیگوں کو الٹ دی اور شدید گرد و غبار نے فضا کو تاریک بنا دیا۔[1]

دشمن کی صفوں میں لشکر اسلام کا سپاہی

مختلف احزاب کے سرداروں کے درمیان جو اختلاف ہو گیا تھا اس کی اطلاع ملنے کے بعد اسی سردی اور طوفان کے عالم میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جناب حُذَیفہ بن یَمان کو معین فرمایا کہ وہ دشمن کے درمیان جا کر ان کے حالات کی اطلاع حاصل کریں

جناب حذیفہ فرماتے ہیں: کہ میں نکلا اور رات کی تاریکی میں دشمن کے خیموں میں وارد ہوا وہاں میں نے دیکھا کہ شدید گرد و غبار اُڑ رہا ہے اور خدا کے لشکر یعنی ہوا نے نہ کوئی دیگ چھوڑی ہے اور نہ کوئی خیمہ باقی رکھا ہے اور نہ آگ جل رہی ہے۔ میں احزاب کے سر برآوردہ افراد کے درمیان پہنچا اور وہیں بیٹھ گیا۔ ابوسفیان کھڑا ہوا اور اس نے کہا ہر آدمی اس بات سے ہوشیار رہے کہ اس کے پہلو میں جو بیٹھا ہے وہ کون ہے؟ حذیفہ فرماتے ہیں کہ میں نے فوراً اس آدمی کا ہاتھ پکڑ لیا جو میرے پاس بیٹھا تھا اور میں نے اس سے پوچھا کہ تو کون ہے؟ اس نے کہا میں معاویہ ابن ابی سفیان ہوں۔ جو آدمی میرے بائیں جانب بیٹھا تھا میں نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور اس سے پوچھا کہ تو کون ہے؟ اس نے کہا میں عمرو بن عاص ہوں پھر ابوسفیان نے کہا کہ ہم اس سے زیادہ پائیداری کا مظاہرہ نہیں کر سکتے کہ اس شدید سردی میں یہاں ٹھہریں، ہماری سواریاں اور ہمارے گھوڑے کمزور ہو گئے اور ہمارے آدمی بیمار پڑ گئے۔

دوسری طرف یہودیوں نے ہمارے لئے کچھ بھی باقی نہیں چھوڑا۔ یہ طوفان ہماری آگ کو بجھا رہا ہے، ہمارے خیموں کو پارہ پارہ کر رہا ہے۔ اس بات کا خوف ہے کہ کہیں خود سپاہیوں میں داخلی جنگ نہ چھڑ جائے، اس بنا پر ہمیں اپنا اثاثہ باندھ کر مکّہ پلٹ جانا چاہیئے۔ ابھی سپیدہ سحری نمایاں نہیں ہوا تھا کہ دس 10 ہزار کے لشکر نے نہایت ذلت کے ساتھ فرار کو ثابت قدمی پر ترجیح دی اور مکہ کی طرف بھاگ کھڑا ہوا۔ اس طرح خدا نے مسلمانوں کی قسمت میں نصرت اور دشمنوں کے نصیب میں بکھرنا اور شکست اُٹھانا قرار دیا۔

23 / ذی القعدہ بدھ کی صبح پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور لشکر اسلام کے سامنے کفار کی فوج میں سے کوئی بھی باقی نہ تھا۔ سب کے سب بھاگ چکے تھے۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اجازت دیدی کہ مسلمان محاذ کو چھوڑ دیں اور شہر کی طرف لوٹ چلیں۔[2]

---

[1] سیرۃ ابن ہشام ج3 ص240۔ مغازی واقدی ج2 ص480، تاریخ طبری ج2 ص578

[2] تاریخ طبری ج2 ص580۔ سیرۃ ابن ہشام ج3 ص242۔ مغازی واقدی ج2 ص489

شہداء اسلام اور کشتگان کفر

اس جنگ اور تیر اندازی کے نتیجہ میں لشکر اسلام کے چھ آدمی درجہ شہادت پر فائز ہوئے ان میں سے ایک سَعد بن مُعاذ تھے جن کے ہاتھ کی نس کو ایک تیر نے کاٹ ڈالا تھا وہ بنی قریظہ والے واقعہ تک زندہ تھے لیکن چند روز بعد شہید ہو گئے۔ مشرکین میں سے تین افراد قتل ہوئے جن میں سے دو کی ہلاکت حضرت علی علیہ السلام کے ہاتھوں ہوئی۔ [1]

جنگ احزاب کے بارے میں سورہ احزاب 9 سے 25 نمبر تک کی آیتیں نازل ہوئیں۔

لشکر احزاب کی شکست کے اسباب

1: لشکر اسلام کا خندق کھودنا۔

2: احزاب کے بہادر اور شجاع پہلوان عمرو بن عبدود کا قتل جس نے کفار کے حوصلوں پر بُرا اثر ڈالا۔

3: لشکر اسلام کی ثابت قدمی و پائیداری اور اپنے محاذ کی باقاعدہ نگہبانی اور شہر مدینہ کی مکمل حفاظت۔

4: محاصرہ کرنے والوں کے لشکر اور چوپایوں کے لئے آب ودانہ کی کمی

5: موسم کا ناسازگار ہونا اور شدید سردی میں حملہ کرنا جو اہل مکّہ کے لئے ناسازگار تھا

6: دشمن کے جنگی اتحاد کے شیرازے کا منتشر ہو جانا جو لشکر اسلام کے سربراہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فراست کا نتیجہ تھا۔

7: غیبی امداد۔ قرآن اس سلسلہ میں کہتا ہے: اے مومنو تم پر جو خدا کی نعمتیں تھیں تم انہیں یاد کرو، اس وقت جب تمہارے ساتھ جنگ کے لئے لشکر آیا ہوا تھا، تو ہم نے ہوا اور اس لشکر کو بھیجا جس کو تم نہیں دیکھتے تھے اور تم جو کچھ کرتے ہو خدا اس سے آگاہ ہے۔ [2]

جنگ احزاب کے نتائج

جنگ احزاب کا خاتمہ، قریش کے لئے مصیبتوں کا آغاز تھا۔ اس لئے کہ ایک طرف تو قریش اور مشرکین میں مسلمانوں پر حملہ کرنے کی طاقت نہیں رہی تھی اور اعراب کے درمیان ان کی حیثیت بہت گر گئی تھی اور دوسری طرف جزیرۃ العرب میں تحریک اسلامی کی حالت روز بروز مستحکم و مضبوط ہوتی جا رہی تھی۔ اس کے بعد ابتکار عمل لشکر اسلام کے ہاتھوں میں تھا۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اس کے بعد ان (قریش) سے ہم جنگ کریں گے یہ لوگ جنگ کی ابتداء نہیں کر سکتے۔ [3]

جنگ احزاب کے بعد قریش کی اقتصادی حالت بہت زیادہ کمزور ہو گئی جبکہ حکومت اسلامی اقتصادی اعتبار سے مضبوط ہو گئی تھی۔ چنانچہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکّہ کے قحط زدہ افراد کے لئے مالی امداد روانہ فرمائی

---

[1] مرحوم استاد ڈاکٹر ابراہیم آیتی کی یاد تازہ رہے انہوں نے شہداء احزاب کی تعداد بارہ اور قریش کے مقتولین کی تعداد چار لکھی ہے۔۔ تاریخ پیامبر۔۔ مطبوعہ دانشگاہ تہران ص 373-372 ملاحظہ ہو۔ اسی طرح مشہور مورخ یعقوبی نے شہداء مسلمین کی تعداد چھ اور کشتگان قریش کی تعداد آٹھ بتائی ہے۔ تاریخ یعقوبی ج 2 ص 51 مطبوعہ بیروت۔

[2] يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا نِعْمَةَ اللهِ عَلَيْكُمْ إِذْ جَاءَتْكُمْ جُنُودٌ فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيحًا وَجُنُودًا لَمْ تَرَوْهَا ۚ وَكَانَ اللهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرًا ﴿٩﴾ (احزاب/9)

[3] ۔ الآن نغزوهم ولا يغزونا (ارشاد شیخ مفید/56)۔

غزوہ بنی قُریظہ

بروز بدھ 23 ذی القعدہ 5ھ بمطابق 17 اپریل 627ء

احزاب کا شکست خوردہ لشکر مایوسی کے عالم میں مدینہ سے بھاگ گیا۔خندق کھودنے اور بیرونی دشمنوں سے مقابلہ کرنے میں ہفتوں کی مسلسل اور انتھک کوشش کے بعد مسلمان اپنے گھروں کولوٹے تا کہ آرام کریں۔مدینہ میں ابھی پورے طریقہ سے امن وامان برقرار نہیں ہونے پایا تھا کہ رسول خداصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وحی کے ذریعہ اطلاع ملنے کے بعد بلال کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو جمع کرنے کے لئے اس طرح عام اعلان کریں کہ جو خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پیروکار ہے وہ نماز عصر قلعہ بنی قُریظہ کے پاس پڑھے۔

اسی دن عصر کے وقت رسول خداصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تین ہزار جاں بازوں کے ساتھ بنی قُریظہ کے قلعہ کی طرف چل پڑے،لشکر اسلام کے آگے آگے مجاہدین اسلام کا علم اٹھائے ہوئے حضرت علی علیہ السلام چل رہے تھے۔چنانچہ آپؑ بقیہ مسلمانوں کے پہنچنے سے پہلے ہی چند افراد کے ساتھ قلعہ کے پاس پہنچ گئے۔

لشکر اسلام نے قلعہ بنی قُریظہ کا محاصرہ کرلیا۔محاصرہ 15 دن تک جاری رہا[۱] اس مدت میں چند بار تیراندازی کے علاوہ کوئی حملہ نہیں ہوا۔بنی قُریظہ کے یہودی سمجھ گئے کہ لشکر اسلام سے مقابلہ کرنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے،لہٰذا اپنے نمائندے کو رسول خداصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بھیجا اور رسول خداصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس جگہ سے کوچ کرنے اور اپنے مال و اسباب کو اپنے ساتھ لے جانے کی اجازت مانگی رسول خداصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی پیش کش کو رد کردیا۔انہوں نے دوبارہ درخواست کی کہ ان کو مدینہ ترک کرنے اور اپنے اموال سے صرف نظر کرنے کی اجازت دی جائے۔لیکن رسول خداصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جانتے تھے کہ اگر بنی قُریظہ کے یہودیوں کو بھی بنی قَینقاع اور بنی نضیر کے یہودیوں کی طرح آزاد چھوڑ دیا جائے تو وہ مسلمانوں کے چنگل سے نکلتے ہی بدّو اعراب کو بھڑکا کر مسلمان اور اسلام کے خلاف نئی سازشوں کا آغاز کردیں گے،جس طرح کہ بنی قینقاع کی تحریک پر جنگ احد کی آگ بھڑکی اور بنی نضیر کی تحریک پر غزوہ خندق (احزاب) کی ہمہ جانبہ سازش ہوئی۔لہٰذا پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس پیش کش کو قبول کرنے سے انکار کیا اور فرمایا کہ تم بغیر کسی قید وشرط کے اپنے آپ کو ہمارے حوالے کردو۔[۲]

ایک خیانت کار مسلمان اور اسکی توبہ کی قبولیت

ایک طرف تو یہودی محاصرے کی وجہ سے تنگ آچکے تھے اور دوسری طرف ان کے دل میں خوف و وحشت بیٹھا ہوا تھا۔انہوں نے اپنے دیرینہ دوست اور ہمسائے اَبُولبابہ کے متعلق رسول خداصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے درخواست کی کہ اَبُولبابہ کو مشورے کے لئے ہمارے پاس بھیجئے۔رسول خداصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ درخواست قبول کرلی اور ابولبابہ کو اجازت دیدی کہ وہ قلعہ بنی قریظہ جائیں۔جب ابولبابہ وہاں پہنچے تو یہودیوں نے ان کے گرد حلقہ بنالیا،ان کی عورتوں اور بچّوں نے رونا شروع کردیا۔ان کی آہ وزاری نے ابولبابہ کو متاثر کیا۔ان کے مردوں نے ابولبابہ سے سوال کیا کہ کیا اس میں صلاح ہے کہ ہم بلا قید وشرط خود کو رسول خداصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سپرد کردیں یا صلاح نہیں ہے؟ ابولبابہ اپنے

---

[۱] مسعودی کی نقل کے مطابق 15 دن جبکہ ابن ہشام وغیرہ کے نزدیک 25 دن ر۔ک سیرہ ابن ہشام ج 3 ص 246

[۲] تاریخ طبری ج 2 ص 582 / 584۔مغاری واقدی ج 2 ص 497 / 500۔طبقات ابن سعد ج 2 ص 74،سیرہ ابن ہشام ج 3 ص 244 / 250

احساسات سے بہت زیادہ متاثر تھے انہوں نے جواب دیا کہ ہاں، لیکن انگلی سے اپنی گردن کی طرف اشارہ کیا کہ اگر تم خود کو ان کے حوالے کردو گے تو تمہاری گردن اڑادی جائے گی۔ ابولبابہ نے اپنی اس بات سے جس کے ذریعہ یہودیوں کو رسول خدا ﷺ کے حوالے کرنے سے منع کیا تھا۔

خدا اور رسول خدا ﷺ کی بارگاہ میں بہت بڑی خیانت کے مرتکب ہوئے تھے۔ ناگہاں ان کو احساس ہوا کہ وہ تو بہت بڑے گناہ کے مرتکب ہو چکے ہیں، لہٰذا فوراً قلعہ سے باہر آئے، چونکہ رسول خدا ﷺ کا سامنا کرتے ہوئے شرم آرہی تھی اس لئے سیدھے مسجد میں پہنچے اور خود کو مسجد کے ایک ستون سے رسّی کے ذریعے باندھ دیا کہ شاید خدا ان کی توبہ قبول کرلے۔ ابولبابہ کے واقعہ کی خبر لوگوں نے رسول خدا ﷺ کو دی، آپؐ نے فرمایا اگر مسجد جانے سے پہلے وہ میرے پاس آتے تو میں خدا سے ان کے لئے استغفار کرتا اب اسی حالت پر رہیں یہاں تک کہ خدا ان کی توبہ قبول کرلے۔ ابولبابہ کی خیانت کے بارے میں سورہ انفال کی آیت 27 نازل ہوئی کہ:

اے ایمان لانے والو دین کے کام میں خدا اور رسول ﷺ سے خیانت نہ کرو اور اپنی امانت میں خیانت نہ کرو درحالانکہ تم جانتے ہو۔ [1]

ابولبابہ چھ دن تک، دن میں روزہ رکھتے نماز کے وقت ان کی بیٹی ستون سے ان کے ہاتھ پیر کھول دیتی۔ طہارت اور فریضہ کی ادائیگی کے بعد ان کو دوبارہ مسجد کے ستون سے باندھ دیتی تھیں، یہاں تک کہ فرشتہ وحی بشارت کے ساتھ آن پہنچا کہ ابولبابہ کی توبہ قبول ہوگئی ہے۔ ان کی توبہ کے بارے میں سورہ توبہ کی آیت 102 نازل ہوئی کہ: ان میں سے ایک گروہ نے اپنے گناہ کا اعتراف کرلیا کہ انہوں نے نیک و بداعمال کو باہم ملا دیا ہے عنقریب خدا ان کی توبہ قبول کرلے گا بیشک خدا بخشنے والا اور بڑا مہربان ہے۔ [2]

لوگوں نے خوشی میں چاہا کہ ابولبابہ کی رسّی کو کھول دیں لیکن اس نے کہا کہ رسول خدا ﷺ میری رسیوں کی گرہیں کھولیں گے جب آنحضرت ﷺ نماز کے لئے مسجد میں تشریف لائے تو آپؐ نے ان کی رسی کی گرہوں کو کھول دیا۔ ابولبابہ تمام عمر نیکی اور اچھّے عمل پر باقی رہے اور پھر کبھی بھی محلہ بنی قریظہ میں آپ نے قدم نہیں رکھا۔ [3]

بنی قریظہ کا اپنے آپ کو رسول خدا ﷺ کے حوالے کرنا

یہودیوں سے مذاکرات اور گفتگو کسی نتیجے تک نہ پہنچ سکی۔ کچھ دن تک انہوں نے اپنے آپ کو رسولخدا ﷺ کے حوالے کرنے سے انکار کیا۔ رسول خدا ﷺ نے لشکر اسلام کو آمادہ رہنے کا حکم دیا تا کہ حملہ کرکے ان کے قلعے کو فتح کیا جائے۔ یہودیوں نے سمجھ لیا کہ لشکر اسلام کا حملہ اور ان کی کامیابی یقینی ہے، بھاگنے کا کوئی راستہ باقی نہیں ہے، مجبوراً قلعے کے دروازوں کو کھول دیا اور بلا قید و شرط خود کو لشکر اسلام کے حوالہ کردیا۔ [4]

حضرت علی علیہ السلام اپنے لشکر کے ہمراہ قلعے میں داخل ہوئے اور ان سے مکمل طور پر ہتھیار رکھوا لئے [5] پھر رسول خدا ﷺ نے

---

[1] یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَ الرَّسُوْلَ وَ تَخُوْنُوْۤا اَمٰنٰتِكُمْ وَ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ۝۲۷ (انفال 27)

[2] وَ اٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّ اٰخَرَ سَیِّئًا ؕ عَسَى اللّٰهُ اَنْ یَّتُوْبَ عَلَیْهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ۝۱۰۲ (توبہ 102) سیرۃ ابن ہشام ج 2 ص 237، 238۔ تاریخ طبری ج 2 ص 585

[3] مغازی واقدی ج 2

[4] مغازی واقدی ج 2

[5] فروغ ابدیت ج 2، ص 561

مردوں کو قید خانے میں منتقل کرنے کا حکم صادر فرمایا اور ان کی حفاظت کی ذمہ داری محمد بن مَسلَمَة کے سپرد کی، عورتوں اور بچّوں کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کے مطابق دوسری جگہ نگرانی میں رکھا گیا۔[1]

سعد بن معاذ کا فیصلہ

بنی قُریَظہ کے یہودی چونکہ قبیلہ اَوس کے ہم پیمان تھے لہٰذا انہوں نے پیش کش کی کہ ان کے بارے میں سَعد بن مُعاذ فیصلہ کریں وہ لوگ اس فکر میں تھے کہ شاید گزشتہ دوستی کی بدولت سَعد بن مَعاذ ان کی سزا میں تخفیف کے قائل ہو جائیں گے۔ قبیلہ اَوس کے لوگوں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نہایت اصرار کے ساتھ یہ درخواست کی کہ اس گروہ کو آزاد کردیں، وہ لوگ قبیلہ خَزرَج سے رقابت کی بنا پر اپنی بات پر اصرار کر رہے تھے اس کی وجہ یہ تھی کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بنی قَینُقاع کو عبداللہ بن اُبَی خزرجی کی خواہش پر آزاد کردیا تھا۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان لوگوں سے بھی فرمایا کہ کیا تم اس بات کے لئے تیار ہو کہ تمہارے بزرگ سَعد بن مُعاذ ان کے بارے میں فیصلہ کردیں؟ سب نے کہا کہ ہاں، اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم بھی ان کے فیصلے کے سامنے سر جھکا دیں گے[2]

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سَعد بن مُعاذ کو بلانے کے لئے آدمی بھیجا۔ اس وقت آپ ہاتھ کی رگ کٹ جانے کی وجہ سے زخمی حالت میں بستر پر رُفَیدَہ نامی عورت کے خیمہ میں پڑے تھے جس نے جنگی مجروحین کی خدمت کے لئے اپنی زندگی وقف کردی تھی۔ اَوس کے جوانوں نے ان کو چارپائی پر لٹایا اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں لے چلے راستہ میں انہوں نے سَعد سے درخواست کی کہ اپنے ہم پیمان کے ساتھ اچّھا سلوک کرنا، انہوں نے جواب میں فرمایا کہ سَعد کے لئے وہ زمانہ آن پہنچا ہے کہ جس میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے سَعد ڈرنے والا نہیں ہے۔

جب سَعد لشکر گاہ میں پہنچے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تم اپنے بزرگ کے احترام میں کھڑے ہو جاؤ حاضرین اُٹھ کھڑے ہوئے سَعد نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عدالت پر مبنی حکم کے بعد مہاجر و انصار سے یہ عہد لیا کہ وہ جو حق سمجھیں گے اس کا اجراء ہوگا اور بنی قُریَظہ کے یہودیوں نے بھی اس کو قبول کیا۔[3]

اس کے بعد سعد ابن معاذ نے بہ آواز بلند اعلان کیا کہ یہودیوں کے مرد قتل کردیۓ ائیں عورتیں اور بچّے اسیر بنا لئے جائیں اور ان کے اموال کو ضبط کرلیا جائے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ سعد ابن معاذ نے قانون الٰہی کے مطابق فیصلہ کیا[4]

سَعد کے فیصلے کی دلیلیں

1: یہودیوں کی دینی کتاب (تورات) کا فیصلہ، جو بلاشک وشبہ یہودیوں کو قبول ہوگا۔

کیونکہ تورات میں آیا ہے کہ جب تم جنگ کے ارادے سے کسی شہر کا قصد کرو تو پہلے ان کو صلح کی دعوت دو اگر وہ لوگ جنگ کو ترجیح

---

[1] مغازی واقدی ج2 ص510

[2] ارشاد شیخ مفید ص58۔ سیرۃ ابن ہشام ج2 ص239

[3] جناب سعد ایک متقی، عادل، دانشمند اور سیاسی سوجھ بوجھ رکھنے والے انسان تھے۔ جنگ احزاب میں جو زخم ان کو لگا تھا اس بنا پر وہ بستر شہادت پر پڑے ہوئے اپنی زندگی کے آخری دن گزار رہے تھے ظاہر ہے کہ ایسا آدمی اپنی نفسانی خواہش کے زیر اثر فیصلہ نہیں کریگا اور مصالح اسلامی کو یہودیوں کے ساتھ اپنی دیرینہ دوستی پر فدا نہیں کرے گا اور یہودیوں کی عظیم خیانت کے باوجود ان پر زیادتی نہیں کرے گا۔

[4] مغازی واقدی ج2 ص510-512

دیں تو شہر کا محاصرہ کرو اور جب شہر پر تسلّط ہو جائے تو تمام مردوں کو تہ تیغ کر دو اور عورتوں، بچّوں، جانوروں اور جو کچھ بھی شہر میں ہو اس کو مال غنیمت میں شامل کر لو۔[1]

2: مدینہ میں وارد ہونے کے بعد پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہودیوں سے معاہدہ۔ جس معاہدے پر فریقین کے دستخط ہوئے تھے اس کی ایک دفعہ یہ تھی کہ جب یہود پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے ساتھیوں کے خلاف کوئی قدم اٹھائیں یا اسلحہ اور سواری ان کے دشمنوں کو دیں تو پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان کا خون بہانے، ان کے اموال کو ضبط کرنے اور ان کی عورتوں اور بچّوں کو اسیر کرنے کا حق حاصل ہوگا۔

3: سَعد اور سارے دور اندیش مسلمان اس بات کو جانتے تھے کہ اگر وہ لوگ اس مہلکہ سے جان بچا کر نکل گئے[2] تو بنی قَینُقاع کے یہودیوں کی طرح کہ جنھوں نے اپنی تحریک پر احد کی جنگ چھیڑ دی تھی اور بہت سے لوگوں کی شہادت کا سبب بن گئے تھے اور بنی نَضیر کی طرح کہ جنھوں نے جنگ احزاب کا فتنہ کھڑا کر دیا اور قریب تھا کہ اسلام کی بنیاد کو اکھاڑ دیں، یہ لوگ بھی اسلام کے خلاف عظیم اتحادی لشکر بنالیں گے اور ان خطرناک عناصر کا زندہ رہنا اسلامی تحریک کے لئے مفید نہیں تھا۔

پیمان شکنی کا انجام

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا کہ اسیروں کے ساتھ اچھا سلوک کیا جائے۔ اس لئے زیادہ مقدار میں ٹھنڈا پانی ان کے سامنے رکھا گیا۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کے مطابق خندق کھودی گئی اور سات سو 700 (16۔) بد بخت جنگجو یہودیوں جو صلح و آشتی، جیو اور جینے دو، کے خصوصی سلوک کے باوجود پیمان شکنی کے ذریعہ مسلمان کو نیست و نابود کر دینے کا قصد رکھتے تھے، ان کو حضرت علی علیہ السلام اور زبیر کی تلوار نے فنا کے گھاٹ اتار دیا۔ کچھ لوگ قبیلہ اوس کے افراد کے ذریعہ ہلاک ہوئے۔ جی ہاں عہد شکنی کرنے والا ضرور کیفر کردار تک پہنچتا ہے۔ قتل کئے جانے والوں میں وہ عورت بھی تھی جس نے محاصرے کے دوران قلعے کے اوپر سے پتّھر گرا کر خَلّاد بن سُوَید کو شہید کر دیا تھا۔[3]

اس گروہ کے خاتمے کے بعد مدینہ خائن عناصر کے وجود اور مسلح داخلی ریشہ دوانی کرنے والے اس گروہ سے پاک ہو گیا جو ملک میں رہ کر دوسروں کے مفاد میں کام کرتے تھے۔

ساری اور مال غنیمت

بنی قُرَیظہ سے جو مال غنیمت ہاتھ لگا تھا اس میں پندرہ سو تلواریں، تین سو زرہیں، دو ہزار نیزے، دھات اور چمڑے کی بنی ہوئی پندرہ سو سپر، بہت زیادہ لباس برتن اور گھر کے سامان، نیز بہت زیادہ شراب تھی جس کو زمین پر بہا دیا گیا۔[4]

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مال غنیمت کا خمس نکالنے کے بعد بقیہ مال مجاہدین کے درمیان تقسیم کر دیا۔ پھر آپؐ نے سَعد بن عُبادَۃ کو بنی قُرَیظہ کے اسیروں کے ساتھ شام بھیجا تا کہ ان کو بیچنے کے بعد سپاہ اسلام کے لئے گھوڑے اور اسلحہ مہیّا کریں[5] یہ جنگ 8 ذی الحجہ 5 ہجری قمری بمطابق 2 مئی 627 عیسوی کو تمام ہوئی۔

---

[1] تورات سفر تثنیہ، فصل 20۔

[2] ان کی تعداد 600، 650 اور 900 بھی لکھی گئی ہے۔

[3] مغازی واقدی ج 2 ص 513/ 517۔

[4] مغازی واقدی ج 2 ص 510۔ بحار الانوار ج 20 ص 212۔

[5] مغازی واقدی ج 2 ص 523509

سوالات

1 رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دشمن کے درمیان کیسے اختلاف ڈالا؟

2 لشکر احزاب کی شکست کے اسباب بیان کیجئے۔

3 رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بنی قریظہ کے خلاف لشکر کشی کیوں کی؟

4 کیا سَعد بن مُعاذ نے یہودیوں کے بارے میں عادلانہ فیصلہ کیا؟

5 ابولبابہ کون سی خیانت کے مرتکب ہوئے۔

ساتواں سبق

چھ ہجری کا آغاز

یہ سال، سیاسی اور جنگی اعتبار سے تاریخ اسلام میں اہم ترین سال شمار کیا جاتا ہے۔اس لئے کہ لشکر احزاب کی شکست اور ہجرت کے پانچویں سال یہودیوں پر مسلمانوں کی کامیابی کے بعد لشکر اسلام کے حملے شروع ہوئے۔اس طرح کہ اس سال 24 جنگی دستے (سریّہ) مختلف ذمہ داریوں کے ساتھ بھیجے گئے اور ان میں سے بہت سے گروہ اہم کامیابیوں اور بہت زیادہ مال غنیمت کے ساتھ مدینہ واپس آئے۔اس سال چار غزوات اور کل 28 جنگی حملے وقوع پذیر ہوئے [1] اور صلح حدیبیہ کا اہم معاہدہ بھی اسی سال طے پایا۔اب اختصار کے ساتھ اس سال کے اہم جنگی واقعات بیان کرتے ہیں۔

غزوہ بنی لحیان

یکم ربیع الاوّل 6 ہجری [2] بمطابق 23 جولائی سنہ 627ء بروز منگل۔

سنہ 4 ہجری میں بنی لحیان کے ہاتھوں مبلغین اسلام کی شہادت کے سلسلے میں رونما ہونے والے بدترین سانحے رجیع کے مجرمین کو تنبیہ کرنے کیلئے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تیار ہوئے۔اب دوسال کے بعد جو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مناسب موقع ملا تو آپؐ نے ابن ام مکتوم کو مدینہ میں اپنا جانشین معین فرمایا اور لشکر اسلام کے ایک ہزار افراد کے ساتھ مختصر راستے سے شمال کی طرف روانہ ہوئے۔اور یوں ظاہر کیا کہ جیسے آپؐ شام جارہے ہوں لیکن چند منزلیں طے کرنے کے بعد آپ داہنی طرف مُڑ گئے اور نہایت تیزی سے بنی لحیان کی طرف آ گئے۔مگر لشکر اسلام کی آمد سے، دشمن آگاہ تھے لہٰذا پہاڑوں کی طرف بھاگ گئے۔رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک جنگی مشق کی اور لشکر اسلام کے دستوں کے ساتھ راہ مکّہ میں واقع عُسفان کی طرف روانہ ہوئے اور پھر آپ نے دو جاسوسوں کو مامور کیا کہ وہ قریش کی خبر لائیں۔اس جنگی مشق نے قرب وجوار میں آباد قبائل کی نفسیات پر بہت گہرا اثر ڈالا اور قریش کی شان وشوکت اور وقار ان کی نظروں سے گر گیا۔لشکر اسلام اس مشق کے بعد واپس مدینہ لوٹ آیا [3]

مفسدین فی الارض کا قتل (مطالعہ کیلئے)

تاریخ: شوال 6 ہجری

قبیلہ عُرَینَہ سے آٹھ آدمی مدینہ آئے اور انہوں نے اسلام قبول کر لیا۔مدینہ کی آب وہوا ان کو راس نہ آئی اور وہ بیمار

---

[1] ڈاکٹر آیتی مرحوم کی کتاب ۔۔تاریخ پیامبر۔۔ملاحظہ ہو ص 389، 464

[2] اس غزوہ کی تاریخ میں بھی اختلاف ہے واقدی کہتے ہیں کہ یہ یکم ربیع الاول 6ھ میں واقع ہوا تھا لیکن ابن ہشام کے مطابق یہ ماہ جمادی الاوّلی میں واقع ہوا ہے۔مغازی واقدی ج 2 ص 535۔سیرہ ابن ہشام ج 3 ص 279 ملاحظہ ہو۔

[3] مغازی واقدی ج 2 ص 535۔طبری ج 2 ص 595۔طبقات ابن سعد ج 2 ص 78۔سیرت ابن ہشام ج 3 ص 292۔

پڑ گئے۔رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو اپنے اونٹوں کی چراگاہ پر بھیج دیا تا کہ وہ لوگ کھلی ہوا میں تازہ دودھ پی کر صحت مند ہو جائیں۔ چند دنوں تک جو، ان لوگوں نے اونٹوں کا دودھ استعمال کیا تو تندرست و توانا ہو گئے لیکن بجائے اس خدمت کی قدر دانی کے انہوں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چرواہے یسار کو نہایت بیدردی سے قتل کر دیا اس کے ہاتھ پاؤں اور سر قلم کر دیا، زبان اور آنکھوں میں کانٹے چبھو دیئے ور پھر رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تمام پندرہ اونٹوں کو چُرا لے گئے۔آپؐ نے کُرز بن جابر کو 20 افراد کے ساتھ ان کا پیچھا کرنے کے لئے بھیجا۔کُرز اور اس کے ساتھی ان کو اسیر کر کے مدینہ لائے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا کہ زمین پر فساد پھیلانے والوں کے ہاتھ پیر کاٹ کر، سُولی پر لٹکا دیا جائے۔اس طرح سے ان کو خیانت کی سزا مل گئی۔قرآن مجید کی یہ آیت مفسدین کے بارے میں نازل ہوئی کہ:

ان لوگوں کی سزا جو لوگ خدا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ جنگ کرتے ہیں اور زمین پر فساد پھیلانے کی کوشش کرتے ہیں، سوائے اس کے اور کچھ نہیں ہے کہ وہ قتل کئے جائیں یا سُولی چڑھا دیئے جائیں یا ان کے ہاتھ پیر مخالف سمتوں سے کاٹ دیے جائیں یا ان کو ملک بدر کر دیا جائے ان کے لئے دنیا میں تباہی اور آخرت میں عذاب عظیم ہے۔[۱]

غزوہ بنی مُصطلق یا مُریسیع

شعبان 6 ہجری[۲] بمطابق نومبر، دسمبر 627ء

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خبر ملی کہ بنی مُصطلق (قبیلہ خزاعہ کی ایک شاخ) سپاہ اسلام کے خلاف اسلحہ اور لشکر جمع کرنے کی فکر میں ہیں۔رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تحقیق کے لئے بُریدۃ بن حُصید اَسلمی کو اس علاقے میں بھیجا، بُریدہ، بنی مُصطلق کی طرف روانہ ہوئے اور اجنبی بن کر قبیلے کے سردار سے رابطہ قائم کیا اور واپسی پر اس خبر کے صحیح ہونے کی تائید کی

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابوذر غفاری کو مدینہ میں اپنا جانشین مقرر کیا اور ایک ہزار جان بازوں کے ہمراہ پیر کے دن دوسری شعبان کو دشمن کی طرف چل پڑے اور چاہ مُریسیع [۳] کے پاس خیمہ زن ہوئے اس غزوہ میں کچھ ایسے منافقین بھی مال غنیمت کے لالچ میں لشکر اسلام کے ساتھ ہو گئے جو کسی جنگ میں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ نہیں تھے۔

مقام مُریسیع میں دونوں لشکروں کی صفیں آراستہ ہوئیں۔فرمان رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مطابق تیراندازوں نے حملہ کیا اور تھوڑی دیر میں بنی مصطلق ہار گئے اور ان کا ایک آدمی بھی فرار نہ کر سکا۔ان کے دس آدمی مارے گئے اور باقی اسیر ہوئے۔اس حملے میں ایک مسلمان بھی شہید ہوا۔جنگ میں مال غنیمت کے طور پر دو ہزار اونٹ اور پانچ ہزار گوسفند مسلمانوں کے ہاتھ آئے اور دو سو خاندان بھی اسیر ہوئے [۴]

---

[۱] إِنَّمَا جَزَاءُ الَّذِينَ يُحَارِبُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَسْعَوْنَ فِي الْأَرْضِ فَسَادًا أَنْ يُقَتَّلُوا أَوْ يُصَلَّبُوا أَوْ تُقَطَّعَ أَيْدِيهِمْ وَأَرْجُلُهُمْ مِنْ خِلَافٍ أَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْأَرْضِ ۚ ذَٰلِكَ لَهُمْ خِزْيٌ فِي الدُّنْيَا ۖ وَلَهُمْ فِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿٣٣﴾ (مائدہ/33) (طبقات ج 2 ص 92)۔

[۲] ابن سحاق، اور ابن ہشام نے اس غزوہ کو 6 ہجری کے واقعات میں نقل کیا ہے اگرچہ واقدی، ابن سعد اور مسعودی جیسے تاریخ نویسوں نے اسے کو سنہ 5 ہجری کے واقعات میں ذکر کیا ہے۔سیرت ابن ہشام ج 3 ص 302۔مغازی واقدی ج 1 ص 404۔طبقات ابن سعد ج 2 ص 93۔التنبیہ والاشراف ص 215۔

[۳] مُریسیع سے فُرع تک جو مدینہ سے آٹھ منزل پر واقع ہے ایک روز کی مسافت کا راستہ ہے۔بعض لغت میں۔۔مُریسیع۔۔ذکر ہوا ہے اگر ایک روز مسافت والی بات درست مان لی جائے تو اس کا مدینہ سے فاصلہ صرف آٹھ کلومیٹر ہوگا جو کہ ایک بعید بات ہے (مصحح)۔

[۴] تاریخ پیامبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ڈاکٹر آیتی مرحوم ص 407

ایک حادثہ

جنگ ختم ہونے کے بعد واپسی راہ میں ایک چھوٹا سا حادثہ پیش آ گیا، اگر رسول خدا ﷺ اس پر مخصوص مہارت کے ساتھ قابو نہ پا گئے ہوتے تو اسلام کے لئے ایک نیا خطرہ بن جاتا۔ پانی کے بارے میں جُہجاہ غفاری جو کہ عمر بن خطاب کا غلام اور مہاجرین میں سے تھا، اور سنان جُہنی جو کہ انصار میں سے تھا، آپس میں الجھ گئے۔ سنان نے مدد کیلئے آواز دی اے انصار اور جہجاہ نے مدد کے لئے پکارا، اے مہاجرین نزدیک تھا کہ بہت بڑا ہنگامہ کھڑا ہو جائے۔ منافقین کے سردار عبداللہ بن اُبی نے موقع کو غنیمت جانا اور اپنے آس پاس کے لوگوں سے بولا۔

خدا کی قسم ہمارا اور ان جلابیب [1] کا معاملہ اس مثل جیسا ہے کہ اپنے کُتّے کو موٹا کرو تا کہ وہ تمہیں ہی کو کاٹ کھائے۔ لیکن خدا کی قسم جب ہم مدینہ پلٹ کے جائیں گے تو چونکہ ہم مدینہ کے باعزّت لوگ ہیں اس لئے ان زبوں حال اور بے چارے مہاجرین کو باہر نکال دیں گے [2]

زید بن ارقم کا آنحضرت ﷺ کو خبر پہنچانا

زید بن ارقم نے جب عبداللہ بن اُبی کی باتیں سنیں تو رسول خدا ﷺ کے پاس گئے اور اس کی سازش آمیز اور منافقانہ باتوں کو پیغمبر اکرم ﷺ کے سامنے نقل کر دیا۔ رسول خدا ﷺ نے زید کی خبر کے بارے میں وحی کے ذریعہ اطمینان حاصل کر لینے کے بعد زید کے کان کو پکڑ کر کہا یہ اس شخص کے کان ہیں جس نے اپنے کانوں کے ذریعہ خدا سے وفا کی ہے۔

عبداللہ بن اُبی نے جب زید کے اطلاع دینے کی خبر سُنی تو رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچا اور آنحضرت ﷺ کے سامنے جھوٹی قسم کھا کر کہنے لگا کہ میں نے ایسی بات نہیں کہی اور چونکہ وہ اپنے قبیلے کے درمیان بزرگوں اور صاحب احترام شخصیتوں میں شمار کیا جاتا تھا اس لئے انصار میں سے کچھ لوگ پیغمبر اکرم ﷺ کے حضور میں پہنچے اور ابی کے فرزند کی حمایت میں کہا کہ شاید زید نے ایسی بات کا وہم کیا ہو یا ان کے کانون نے غلط سُنا ہو یہاں تک سورہ منافقون کے نازل ہونے کے بعد اس پاک دل نوجوان کو اطمینان حاصل ہوا اور عبداللہ بن ابی ذلیل ہوا۔ [3]

عمر بن خطاب نے اس واقعہ کو سُننے کے بعد رسول خدا ﷺ سے خواہش ظاہر کی کہ عبداللہ بن اُبی قتل کو کر دیا جائے۔ لیکن آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ایسی صورت میں دشمن کہیں گے کہ محمد ﷺ اپنے اصحاب کو قتل کر رہے ہیں مصلحت یہ ہے کہ ہم جلد سے جلد نکل چلیں تا کہ باطل اندیشے دلوں سے رخت سفر باندھ کر نکل جائیں۔ کوچ کا حکم ہونے کے بعد لشکر اسلام ایک رات دن مسلسل چلتا رہا۔ یہاں تک کہ آفتاب ان کے سر پر پہنچ گیا، اس وقت ٹھہرنے کا حکم دیا گیا۔ جاں بازان اسلام تھکن کی وجہ سے خاک پر پڑے رہے اور گہری نیند سو گئے۔ اس اطمینان اور خوشی کے ساتھ جو ایک لمبی اور غیر معمولی تھکن کے بعد روح و اعصاب کو حاصل ہوتی ہے، کدورتیں دلوں

---

[1] جلابیب جلباب کی جمع ہے۔ کشادہ پیرہن کو کہتے ہیں۔ جو لوگ مسلمان ہو جاتے تھے مشرکین ان کے لئے یہ لفظ استعمال کرتے تھے (ر۔ک) سیرت ابن ہشام ج3 ص303

[2] تاریخ طبری ج2، ص604۔ يَقُولُونَ لَئِن رَّجَعْنَا إِلَى الْمَدِينَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْأَعَزُّ مِنْهَا الْأَذَلَّ (سورہ منافقون آیت۔8)۔10 سیرت ابن ہشام ج3 ص303۔305۔

[3] تاریخ طبری ج2 ص606، 607۔

سے نکل گئیں اور کینہ کی آگ خود بخود بجھ گئی۔[۱]

باپ اور بیٹے میں فرق

عبد اللہ بن اُبی کے بیٹے نے سوچا کہ شاید رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے باپ کے قتل کا فرمان صادر کریں گے تو فوراً رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا اور کہنے لگا اے رسول اللہ سب لوگ جانتے ہیں کہ کوئی بھی میری طرح باپ سے نیک برتاؤ نہیں کرتا لیکن اگر آپ کا فرمان یہ ہے کہ وہ قتل کیا جائے تو آپ حکم دیں میں خود اسے قتل کروں گا۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب دیا نہیں تم اس کے ساتھ اچھا سلوک کرو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بزرگانہ سلوک نے ابن ابیؔ کے دوستوں کے درمیان اس کی حیثیت و شخصیّت کو جھنجوڑ کر رکھ دیا۔ یہاں تک کہ لوگ کھلم کھلا اس کو برا بھلا کہنے لگے۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عفو و درگذر کے ذریعے خطرناک دشمن کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا، ایک دن آپ عمر بن خطاب کو مخاطب کر کے فرمایا جناب عُمر سے خطاب کرتے ہوئے آپؐ نے کہا کہ جس دن تم اس کو قتل کرنے کے لئے کہہ رہے تھے اگر میں قتل کر دیتا تو اس کے دفاع میں بجلیاں کوند پڑتیں لیکن اگر آج ہم اس کے قتل کا حکم دیدیں تو لوگ اس کی جان کے درپے ہو جائیں گے۔[۲]

بنی مُصطلق کا اسلامی تحریک میں شامل ہونا

جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مال غنیمت اور اساری کو مسلمانوں کے درمیان تقسیم کیا اس وقت بنی مصطلق کے رئیس حارث بن ابی ضرار کی بیٹی جُوَیرِیہ ایک مسلمان کے حصّے میں آئیں انہوں نے اپنے مالک سے طے کیا کہ میں کچھ رقم ادا کر کے آزاد ہو جاؤں گی لیکن ان کے پاس پیسے نہیں تھے۔ ان کی صرف ایک امید تھی پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا لطف و مہربانی، پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئیں اور کہا میں حارث کی بیٹی ہوں اور اسیر ہو کر آئی ہوں۔، ورمیں نے یہ طے کر لیا ہے کہ کچھ پیسے ادا کر کے آزاد ہو جاؤں اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں آئی ہوں تا کہ اس رقم کی ادائیگی میں آپؐ میری مدد فرمائیں۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ آیا تمہیں یہ پسند ہے کہ میں تمہارے لئے اس سے بہتر کام انجام دوں؟ جن پیسوں کی تم قرض دار ہو اس کو میں ادا کر دوں پھر تم سے شادی کر لوں؟ جُوَیرِیّہ اس پیش کش سے مسرور ہو گئیں۔

جُوَیرِیّہ سے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شادی کی خبر اصحاب میں پھیل گئی لوگوں نے بنی مُصطلق کے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رشتہ دار بن جانے کے احترام میں اپنے اساری کو آزاد کر دیا۔ جب بنی مُصطلق نے لشکر اسلام کا یہ بڑا پن اور درگذر دیکھا تو مسلمان ہو گئے اور ایک با برکت شادی کے نتیجہ میں وہ سب کے سب اسلامی تحریک میں شامل ہو گئے۔[۳]

ایک فاسق کی رسوائی

بنی مُصطلق کے مسلمان ہو جانے کے بعد رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وَلید بن عُقبۃ بن اَبی مُعیط کو ان کی طرف زکوۃ وصول

---

[۱] انتظامی اصولوں اور علم نفسیات میں اس اصول سے بخوبی استفادہ کیا جا سکتا ہے کہ ہر فوج میں تشتت، اختلاف اور کینہ توزی کو روکنے کے لئے آتش اختلاف کو شعلہ ور ہونے کی فرصت دینے کے بجائے۔ انہیں کام میں اتنا مشغول کر دیا جائے کہ آپس میں جھگڑنے کی فرصت ہی نہ رہے اور نہ ہی گمراہ کن خیالات ان کے ذہن میں باقی بچیں۔

[۲] تاریخ طبری ج 2۔ ص 608۔

[۳] تاریخ طبری ج 2 ص 610۔

کرنے کے لئے بھیجا۔ بنی مصطلق نے جب سُنا کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نمائندہ ان کی طرف آرہا ہے تو وہ استقبال کے لئے دوڑ پڑے لیکن ولید ڈر گیا اور اس نے خیال کیا کہ وہ لوگ جنگ کرنے کے لئے آمادہ ہیں، لہٰذا اس نے مدینہ واپس آکر رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا کہ وہ لوگ مجھے قتل کر دینا چاہتے تھے اور انہوں نے زکوٰۃ ادا کرنے سے بھی انکار کر دیا ہے۔

بنی مُصطَلق کے ساتھ دوبارہ جنگ کی باتیں لوگوں کی زبان پر چڑھ گئیں اس واقعہ کے بعد بنی مُصطَلق کا ایک وفد مدینہ آیا اور اس نے حقیقت حال بیان کی [۱] اس واقعہ کے بارے میں سورہ حجرات کی مندرجہ ذیل آیت نازل ہوئی:

اے ایمان لانے والو اگر کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لائے تو اس کی تحقیق کرو کہیں ایسا نہ ہو کہ نادانی کی بنا پر لوگوں (کی جان و مال) کو نقصان پہنچا دو پھر (جب معلوم ہو کہ فاسق نے جھوٹ بولا تھا) تو جو کچھ کیا ہے اس پر تم کو پشیمانی ہو۔ [۲]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیوی پر تہمت (واقعہ افک) (مطالعہ کیلئے)

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب بھی سفر پر جانا چاہتے (حتّی کہ جنگ کے لئے بھی) تو اپنی بیویوں کے درمیان قرعہ نکالتے تھے جس کے نام قرعہ نکل آتا اسی بیوی کو اپنے ساتھ لے جاتے تھے۔ غزوہ بنی مُصطَلق کے موقع پر جناب عائشہ ہ کے نام قرعہ نکلا آپ انہیں اپنے ساتھ لے گئے۔ جنگ سے واپسی کے دوران جب مدینہ کے قریب پہنچے تو وہیں ٹھہر گئے اور آرام کرنے لگے۔ اسی اثنا میں عائشہ ہ اس بات کی طرف متوجہ ہوئیں کہ ان کا گلوبند گم ہو گیا ہے اس کو ڈھونڈنے کے لئے آپ خیمہ گاہ سے دور چلی گئیں جب واپس پلٹیں تو لشکر اسلام وہاں سے کوچ کر چکا تھا اور عائشہ ہ تنہا رہ گئی تھیں۔ ایک متقی اور نیک شخص جن کا نام صفوان بن مُعطل تھا اور جو لشکر اسلام کے پیچھے پیچھے اطلاعات حاصل کرنے کے لئے چلا کرتے تھے، وہاں پہنچے اور جناب عائشہ ہ کو دیکھا کہ وہاں تنہا ہیں۔ نہایت ادب سے اونٹ سے نیچے اُترے، اونٹ کو زمین پر بٹھایا اور خود دور کھڑے ہو گئے یہاں تک کہ عائشہ ہ اونٹ کی پشت پر سوار ہو گئیں انہوں نے اونٹ کی مہار پکڑی اور راستے میں گفتگو کئے بغیر مدینہ لے آئے۔ جب یہ لوگ مدینہ پہنچے تو منافقین نے عبداللہ بن اُبَیّ کی قیادت میں صفوان اور عائشہ ہ کے بارے میں تہمتیں تراشیں، ناواقف ان تہمتوں کو لے اڑے، مدینہ میں تہمتوں اور افواہوں کا بازار گرم تھا، اور ہر آدمی ایک الگ بات کہنے لگا، جناب عائشہ ہ بیمار ہو گئیں اور اس تہمت کے غم میں جو بے گناہی کے باوجود ان پر لگائی گئی تھی روتی رہتیں اور کسی وقت چین نہ پاتیں، قریب تھا کہ اس موضوع پر فتنہ برپا ہو جائے کہ سورہ نور کی آیات نمبر 11 سے 27 تک نازل ہوئیں اور عائشہ ہ کو یہ خوش خبری سنائی گئی کہ خدا تمہاری پاکیزگی پر گواہ ہے۔ [۳] پھر رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تہمت لگانے والوں پر حد جاری کی۔ جن لوگوں پر حد جاری کی گئی ان میں حسّان بن ثابت اور حَمنہ کا نام بھی نظر آتا ہے۔ [۴]

---

[۱] سیرت ابن ہشام ج 3 ص 309۔

[۲] یا ایہا الذین آمنوا ان جائکم فاسق بنبا فتبینوا ان تصیبوا قوماً بجہالۃ فتصبحوا علی ما فعلتم نادمین۔ (حجرات آیت 6)۔

[۳] تاریخ طبری ج 2 ص 611۔ سیرت ابن ہشام ج 3 ص 309۔ مغازی واقدی ج 1 ص 326 سے ص 434 تک، طبقات ابن سعد ج 2 ص 65۔ اسباب النزول واحدی ص 214 سے 217 تک۔ نہایۃ الارب 417-405۔

[۴] اگرچہ حسان بن ثابت شاعر اسلام اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بولتی ہوئی زبان تھے۔ مگر تہمت کے جرم میں ان کی اس حیثیت کو نہیں دیکھا گیا۔ حَمنہ شہید مصعب بن عمیر کی بیوی، شہید عبداللہ بن جحش کی بہن، پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پھوپی کی لڑکی اور ان کی بیویوں میں سے ایک بیوی کی بہن تھی۔ مگر قوانین الٰہی کو جاری کرنے میں مجرم کے لئے ان باتوں کی گنجائش نہیں ہے۔ سیرہ ابن ہشام ج 2 ص 309۔

ابن اسحاق کہتا ہے کہ بعد میں معلوم ہوا کہ صفوان بن معطل دراصل مرادنگی سے عاری اور عورتوں کے ساتھ نزدیکی نہیں کرسکتا تھے۔ یہ مرد پارسا کسی جنگ میں شہید ہوگئے۔[۱]

صلح حدیبیہ

ذی قعدہ 7 ہجری بمطابق فروری و مارچ 628 عیسوی

مکہ کی راہ پر:

لشکر اسلام کی پے درپے کامیابیوں اور مشرکین مکّہ کی گوشہ گیری نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس بات پر آمادہ کیا کہ دوسری بار جزیرۃ العرب میں مسلمانوں کی حیثیت و وقار کے استحکام کے لئے اقدام کریں۔ آپؐ نے حکم دیا کہ مسلمان سفر حج کے لئے تیار ہوجائیں اور ہمسایہ قبائل جو ابھی تک حالت شرک پر باقی تھے ان سے آپ نے مسلمانوں کے ساتھ اس سفر پر چلنے کی خواہش ظاہر کی۔ ان میں سے بہت سے لوگوں نے عذر پیش کیا اور ساتھ چلنے سے انکار کردیا۔

اس سفر میں عبادتی اور معنوی خصوصیات کے علاوہ مسلمانوں کے لئے وسیع اجتماعی اور سیاسی مصلحتیں بھی تھیں۔ اس لئے کہ عرب کے متعصب قبائل نے مشرکین کے غلط پروپیگنڈے کی بنا پر یہ سمجھ رکھا تھا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خانہ کعبہ کے لئے جو سلف کی بارگاہ اور افتخار کا مظہر ہے، کسی طرح اس کی قدرومنزلت کے قائل نہیں ہیں اور اسی وجہ سے اسلام کے پھیلاؤ سے شدّت کے ساتھ ہراساں تھے۔ اب غلط خیالات کے پردے چاک ہوئے اور انہوں نے دیکھ لیا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، حج کو ایک واجب فریضہ جانتے ہیں۔ ایک طرف اگر قریش مانع نہیں ہوئے اور زیارت کعبہ کی توفیق ہوگئی تو یہ مسلمانوں کے لئے بڑی کامیابی ہوگی کہ وہ چند سال کے بعد ہزاروں مشرکین کی آنکھوں کے سامنے اپنی عبادت کے مراسم ادا کریں گے دوسری طرف اگر قریش مسلمانوں کے مکّہ میں داخل ہونے سے مانع ہوئے تو اعراب کے جذبات طبعی طور پر مجروح ہوجائیں گے کہ ان لوگوں نے مسلمانوں کو فریضہ حج انجام دینے کے لئے آزاد کیوں نہ چھوڑا۔ یہ سفر چونکہ جنگی سفر نہ تھا اس لئے پرسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا کہ ہر شخص اپنے ہمراہ صرف ایک تلوار مسافر کا اسلحہ کے عنوان سے رکھ سکتا ہے۔ اسکے علاوہ اور کوئی ہتھیار رکھنے کی اجازت نہیں ہے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قربانی کے لئے ستر (70) اونٹ مہیّا کئے اور چودہ سو مسلمانوں کے ساتھ مکہ کی طرف روانہ ہوئے اور مقام ذوالحلیفہ میں احرام باندھا۔

آپ نے عباد بن بشر کو 20 مسلمانوں کے ساتھ ہراول دستہ کے عنوان سے آگے بھیج دیا تا کہ راستے میں آنے والے لوگوں کے کانوں تک لشکر اسلام کی روانگی کی خبر پہنچا دیں اور کسی خطرے یا سازش کی صورت میں اس کی خبر رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیں۔[۲]

قریش کا موقف

جب قریش، رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روانگی سے آگاہ ہوئے تو انہوں نے بتوں (لات وعزّی) کی قسم کھائی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مکّہ میں آنے سے روکیں گے۔ قریش کے سرداروں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو روکنے کے لئے خالد بن ولید کو دوسو سواروں کے ساتھ مقام

---

[۱] سیرت ابن ہشام ج 3 ص 319

[۲] سیرت ابن ہشام ج 3 ص 321۔ طبقات ابن سعد ج 2 ص 95

کُراع الغمیم بھیجا جہاں پہنچ کر یہ لوگ ٹھہر گئے۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قریش کے موقف سے آگاہی کے بعد یہ چاہتے تھے کہ خونریزی کے ذریعے اس مہینے اور حرم کی حرمت مجروح نہ ہو اس لئے آپؐ نے راہنما سے فرمایا کہ کارواں کو اس راستے سے لے چلو کہ جس راستے میں خالد کا لشکر نہ ملے

راہنما، قافلہ اسلام کو نہایت دشوار گذار راستوں سے لے گیا یہاں تک کہ یہ لوگ مکہ سے 22 کیلومیٹر دور حدیبیّہ کے مقام پر پہنچ گئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سب کو یہ حکم دیا کہ یہیں اُتر جائیں اور اپنے خیمے لگالیں [۱]

قریش کے نمائندے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں

قریش نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حقیقی مقصد سے باخبر ہونے کیلئے اپنے یہاں کی اہم شخصیتوں کو آپؐ کی خدمت میں بھیجا تا کہ وہ مسلمانوں کا مقصد جان لیں۔ قریش کے پہلے نمائندہ وفد میں بُدیل خزاعی قبیلہ خزاعہ کے افراد کے ساتھ آیا۔ جب وہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملا تو آپؐ نے فرمایا میں جنگ کے لئے نہیں آیا میں تو خانہ خدا کی زیارت کے لئے آیا ہوں نمائندے واپس چلے گئے اور انہوں نے یہ اطلاع قریش کو پہنچا دی۔ لیکن قریش نے کہا خدا کی قسم: ہم ان کو مکہ میں داخل نہیں ہونے دیں گے، چاہے ان کا آنا خانہ خدا کی زیارت کی غرض سے ہی کیوں نہ ہو۔ دوسرے اور تیسرے نمائندہ وفود بھیجے گئے اور انہوں نے بھی بُدیل والی صورت حال بیان کی۔

قریش کے تیسرے نمائندے حلیس بن علقمہ جو عرب کے تیراندازوں کا سربراہ تھا، نے قریش کے سرداروں کو مخاطب کر کے کہا کہ ہم نے ہرگز تم سے یہ معاہدہ نہیں کیا کہ ہم خانہ خدا کے زائرین کو روکیں گے، خدا کی قسم اگر تم لوگ، محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آنے سے روکو گے تو میں اپنے تیرانداز ساتھیوں کے ساتھ تمہارے اوپر حملہ کر کے تمہاری اینٹ سے اینٹ بجا دوں گا۔ قریش اپنے اندر اختلافات رونما ہونے سے ڈر گئے اور انہوں نے حلیس کو اطمینان دلایا کہ ہم کوئی ایسا راستہ منتخب کریں گے جو تمہاری خوشنودی کا باعث ہوگا۔

قریش کا چوتھا نمائندہ عُروۃ بن مسعود تھا جس پر قریش اطمینان کامل رکھتے تھے۔ وہ جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملا تو اس نے کوشش کی کہ اپنی باتوں میں قریش کی طاقت کو زیادہ اور اسلام کی قوّت کو کم کر کے پیش کرے اور مسلمانوں کو جھک جانے اور بلا قید و شرط واپس جانے پر آمادہ کرلے۔ لیکن جب وہ واپس گیا تو اس نے قریش سے کہا کہ میں نے قیصر و کسری اور سلطان حبشہ جیسے بڑے بڑے بادشاہوں کو دیکھا ہے مگر جو بات محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں ہے وہ کسی اور میں نہیں۔ میں نے دیکھا کہ مسلمان ان کے وضو کا ایک قطرہ پانی بھی زمین پر گرنے نہیں دیتے وہ لوگ تبرک کے لئے اس کو جمع کرتے ہیں اور اگر ان کا ایک بال بھی گر جائے تو ان کے اصحاب فوراً تبرک کے لئے اُٹھا لیتے ہیں، لہٰذا اس خطرناک موقع پر نہایت سوچ سمجھ کر قدم اٹھانا [۲]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سُفرائ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک تجربہ کار شخص کو جسکا نام خراش تھا اپنے اونٹ پر سوار کیا اور قریش کے پاس بھیجا، لیکن ان لوگوں نے اونٹ کو قتل کر دیا اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نمائندے کو قتل کرنے پر اتر آئے، مگر یہ حادثہ تیراندازان عرب کے ایک دستے کی وساطت سے ٹل گیا۔

---

[۱] سیرت ابن ہشام ج 3 ص 323۔324۔ طبقات ابن سعد ج 2 ص 96۔

[۲] سیرت ابن ہشام ج 3 ص 325 سے ص 328 تک۔

قریش کی نقل وحرکت یہ بتا رہی تھی کہ ان کے سر پر جنگ کا جنون سمایا ہوا ہے۔رسول خدا ﷺ مسئلہ کے مسالمت آمیز حل سے مایوس نہیں ہوئے۔لہٰذا آپؐ نے قریش کے پاس ایسے شخص کو نمائندہ بنا کر بھیجنے کا ارادہ کیا جس کا ہاتھ کسی بھی جنگ میں قریش کے خون سے آلودہ نہ ہوا ہو، لہٰذا آپؐ نے عمر بن خطاب کو حکم دیا کہ وہ قریش کے پاس جائیں۔لیکن انہوں نے جانے سے معذرت کرلی۔رسول خدا ﷺ نے عثمان بن عفان کو جن کی اشراف قریش سے قریب کی رشتہ داری تھی اشراف قریش کے پاس بھیجا۔عثمان قریش کے ایک آدمی کی پناہ میں مکّہ میں وارد ہوئے اور پیغمبر اکرم ﷺ کے پیغام کو قریش کے سرکردہ افراد تک پہنچایا۔انہوں نے پیش کش رد کرنے کے ساتھ ساتھ عثمان کو بھی اپنے پاس روک لیا اور واپس جانے کی اجازت نہیں دی۔مسلمانوں کے درمیان یہ افواہ اڑ گئی کہ قریش نے عثمان کو قتل کردیا ہے۔[۱]

بیعت رضوان

پیغمبر اکرم ﷺ کے نمایندے کی واپسی میں تاخیر کی وجہ سے مسلمانوں کے درمیان عجیب اضطراب اور ہیجان پیدا ہوگیا اور مسلمان جوش وخروش میں آکر انتقام پر آمادہ ہوگئے۔پیغمبر اکرم ﷺ نے ان کی جذبات کو متحرک کرنے کے لئے فرمایا ہم یہاں سے نہیں جائیں گے جب تک کوئی فیصلہ نہیں ہوجاتا۔اس خطرناک صورتحال میں اگرچہ مسلمانوں کے کے پاس جنگ کے لئے ضروری ہتھیار اور ساز وسامان نہ تھا پھر بھی رسول خدا ﷺ نے ارادہ کیا کہ اپنے اصحاب کے ساتھ عہد وپیمان کی تجدید کریں، چنانچہ آنحضرت ﷺ ایک درخت کے سایہ میں بیٹھ گئے اور سوائے ایک کے تمام اصحاب نے آپؐ کے ہاتھ پر بعنوان بیعت ہاتھ رکھا اور قسم کھائی کہ خون کے آخری قطرے تک اسلام کا دفاع کریں گے۔

یہ وہی بیعت رضوان ہے کہ جس کے بارے میں قرآن میں آیا ہے:

خداوند عالم ان مومنین سے جنھوں نے تمہارے ساتھ درخت کے نیچے بیعت کی، خوش ہوگیا اور ان کے وفا وخلوص سے آگاہ ہو گیا، اللہ نے ان کے اوپر سکون کی چیز نازل کی اور عنقریب فتح، اجر کے عنوان سے ان کے لئے قرار دی ہے۔[۲]

بیعت کی رسم ختم ہوئی ہی تھی کہ عثمان لوٹ آئے اور قریش کے وہ جاسوس جو دور سے بیعت کا واقعہ دیکھ رہے تھے پریشان ہوکر بھاگ کھڑے ہوئے (تاکہ اس خطرناک صورتحال کی خبر قریش کے گوش گزار کریں)۔قریش کے سربرآوردہ افراد نے سہیل بن عمرو کو صلح کا معاہدہ طے کرنے کے لئے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں بھیجا۔[۳]

صلح نامے کا متن

جب سہیل بن عمرو، رسول خدا ﷺ کی خدمت میں پہنچا تو یوں گویا ہوا قریش کے سربرآوردہ افراد کا خیال ہے کہ آپ اس سال یہاں سے مدینہ واپس چلے جائیں اور حج وعمرہ کو آیندہ سال انجام دیں۔پھر مذاکرات کا باب کھل گیا اور سہیل بن عمرو بات پر بے

---

[۱] سیرت ابن ہشام ج 3 ص 328-329

[۲] لَقَدْ رَضِيَ اللهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ إِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَأَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَأَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا ﴿۱۸﴾ (فتح/18)۔

[۳] سیرت ابن ہشام ج 3 ص 330 و 335

موقع سخت گیری سے کام لے کر پریشانی کھڑی کرتا رہا۔ جب کہ پیغمبر۔ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چشم پوشی کے رویے کو اس لئے نہیں چھوڑ رہے تھے کہ کہیں صلح کا راستہ ہی بند نہ ہو جائے۔ مکمل موافقت کے بعد رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی علیہ السلام سے فرمایا کہ صلح نامہ لکھو، حضرت علی علیہ السلام نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم سے لکھا:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سہیل نے کہا کہ ہم اس جملے سے آشنا نہیں ہیں آپ بسمك اللهم لکھیں۔ (یعنی تیرے نام سے اے خدا) رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے موافقت فرمائی پھر حضرت علی علیہ السلام نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم سے لکھا یہ وہ صلح ہے جسے اللہ کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انجام دے رہے ہیں۔ سہیل بولا ہم آپ کی رسالت اور نبوت کو قبول نہیں کرتے اگر اس کو قبول کرتے تو آپ سے ہماری لڑائی نہ ہوتی۔ لہٰذا آپ اپنا اور اپنے باپ کا نام لکھیں[1]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی علیہ السلام کو حکم دیا کہ اس جملے کو مٹا دیں لیکن حضرت علی علیہ السلام نے عرض کیا میرے ہاتھوں میں آپ کا نام مٹانے کی طاقت نہیں ہے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے ہاتھوں سے اس جملے کو مٹا دیا۔[2]

صلح نامے کی کچھ شرائط یوں تھیں:

1 قریش اور مسلمان دونوں عہد کرتے ہیں کہ دس سال تک ایک دوسرے سے جنگ نہیں کریں گے تا کہ جزیرۃ العرب میں اجتماعی امن وامان اور صلح قائم ہو جائے۔

2 جب بھی قریش کا کوئی آدمی مسلمانوں کی پناہ میں چلا جائے گا تو محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کو واپس کریں گے لیکن اگر مسلمانوں میں سے کوئی شخص قریش کی پناہ میں آجائے گا تو قریش پر لازم نہیں کہ وہ اس کو واپس کریں۔

3 مسلمان اور قریش جس قبیلے کے ساتھ چاہیں عہد و پیمان کر سکتے ہیں۔

4 محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے اصحاب اس سال مدینہ واپس جائیں اور آئندہ سال زیارت خانہ خدا کے لئے آسکتے ہیں۔ لیکن شرط یہ ہے کہ تین دن سے زیادہ مکّہ میں قیام نہ کریں اور مسافر جتنا ہتھیار لے کر چلتا ہے اس سے زیادہ ہتھیار اپنے ساتھ نہ رکھیں[3]۔

5 مکہ میں مقیم مسلمان اس معاہدے کی رو سے اپنے مذہبی امور آزادی سے انجام دے سکتے ہیں اور قریش انہیں آزار یا مجبور نہیں کریں گے کہ وہ اپنے مذہب سے پلٹ جائیں یا ان کے دین کا مذاق نہیں اڑائیں گے۔ اسی طرح وہ مسلمان جو مدینہ سے مکہ آئیں ان کی جان و مال محترم ہے۔[4]

معاہدہ کے دو نسخے تیار کئے گئے اور ایک نسخہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا گیا اس کے بعد آپ نے جانوروں کو ذبح کرنے کا حکم دیا اور وہیں سر منڈوایا[5] اور اس طرح 19 دن کے بعد آپ مدینہ کی طرف روانہ ہو گئے۔

---

[1] سیرت ابن ہشام ج 3 ص 331-332

[2] بحار الانوار ج 20 ص 333-352

[3] سیرت ابن ہشام ج 3 ص 332

[4] بحار الانوار ج 20 ص 350

[5] سیرت ابن ہشام ج 3 ص 333

صلح کے مخالفین

صلح کا معاہدہ کچھ مسلمانوں خصوصاً بعض مہاجرین کی ناراضگی کا باعث بنا اور مسلمانوں کو سب سے زیادہ تکلیف صلح نامہ کی دوسری شق کی وجہ سے ہوئی جس میں مسلمانوں کے پاس پناہ لینے والوں کو واپس کردینے کو لازم قرار دیا گیا تھا، مخالفین صلح میں سب سے آگے عمر بن خطاب تھے واقدی کی روایت کے مطابق عمر اور ان کے ہمنوا افراد رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پہنچے اور کہا کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیا آپؐ نے نہیں کہا تھا کہ ہم جلدی ہی مکہ میں داخل ہو کر کعبہ کی کنجی لے لیں گے اور دوسروں کے ساتھ عرفات میں وقوف کریں گے؟ اور اب حالت یہ ہے کہ نہ ہماری قربانی خانہ خدا تک پہنچی اور نہ ہم خود رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عمر کو جواب دیا کہ کیا میں نے اسی سفر کے لئے کہا تھا؟ عمر نے کہا نہیں پھر مقبول رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عمر کی طرف رخ کیا اور فرمایا کہ کیا تم احد کا دن بھول گئے ہو جس دن تم بھاگتے ہوئے پیچھے مڑ کر نہیں دیکھتے تھے اور میں تمہیں پکار رہا تھا؟ کیا تم احزاب کا دن بھول گئے؟ کیا تم فلا دن بھول گئے؟

مسلمانوں نے کہا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپؐ نے جو کچھ سوچ رکھا ہے ہم نے اس کے بارے میں نہیں سوچا تھا۔ آپؐ خدا اور اس کے حکم کو ہم سے بہتر جانتے ہیں۔ اسی طرح جب صلح نامہ لکھا گیا تو عمر اپنی جگہ سے اُٹھ کر رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے اور کہا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیا ہم مسلمان نہیں ہیں؟ آپ نے فرمایا: بے شک ہم مسلمان ہیں عمر نے کہا کہ پھر دین خدا میں ہم کیوں ذلت اور پستی برداشت کریں؟ آپؐ نے فرمایا کہ میں خدا کا بندہ اور اس کا رسول ہوں میں خدا کے حکم کی کبھی بھی مخالفت نہیں کروں گا اور خدا بھی مجھے تباہ نہیں کرے گا۔[۱] عمر بن خطاب کہتے ہیں کہ میں نے کبھی بھی حدیبیہ کے دن کی طرح اسلام کے بارے میں شک نہیں کیا۔[۲]

ابو بصیر کی داستان اور شرط دوم کا خاتمہ

ابو بصیر نامی ایک مسلمان جو مدت سے مشرکین کی قید میں زندگی گزار رہے تھے مدینہ بھاگ آئے قریش نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خط لکھا اور خط بنی عامر کے ایک شخص کے حوالہ کیا اور اپنے غلام کو اس کے ساتھ کر دیا اور یاد دلایا کہ صلح حدیبیہ کی دوسری شق کے مطابق ابو بصیر کو واپس کریں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے معاہدے کے مطابق ابو بصیر سے کہا تمہیں مکہ لوٹ جانا چاہیے، کیونکہ ان کے ساتھ حیلہ بازی سے کام لینا کسی طرح بھی صحیح نہیں ہے۔ میں مطمئن ہوں کہ خدا تمہاری اور دوسروں کی آزادی کا وسیلہ فراہم کرے گا۔ ابو بصیر نے عرض کیا کیا آپؐ مجھے مشرکین کے سپرد کر رہے ہیں تا کہ وہ مجھے دین خدا سے بہکا دیں؟ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پھر وہی بات دہرائی اور ان کو قریش کے نمائندے کے سپرد کر دیا۔ جب وہ لوگ مقام ذوالحلیفہ میں پہنچے تو ابو بصیر نے ان محافظین میں سے ایک کو قتل کر دیا۔ اور اس کی تلوار اور گھوڑا غنیمت کے طور پر لے لیا اور مدینہ لوٹ آئے۔ جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پہنچے تو کہا۔ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ نے اپنے عہد کو پورا کیا اور مجھے اس قوم کے سپرد کر دیا میں نے اپنے دین کا دفاع کیا تا کہ میرا دین برباد نہ ہو۔

ابو بصیر چونکہ مدینہ میں نہیں رہ سکتے تھے اس لئے صحرا کی طرف چلے گئے اور دریائے سرخ کے ساحل پر مکہ سے شام کی طرف جانے والے قافلوں کے راستے میں چھپ گئے جو لوگ مکہ میں مسلمان ہوئے تھے اور معاہدے کے مطابق مدینہ نہیں آسکتے تھے وہ ابو بصیر

---

[۱] مغازی واقدی ج2 ص605 سے 610 تک

[۲] مغازی واقدی ج2 ص607 ارْتَبْتُ ارْتِيَابًا مُنْذُ أَسْلَمْتُ إِلَّا يَوْمَئِذٍ:

کے پاس چلے جاتے تھے رفتہ رفتہ ان کی تعداد زیادہ ہوگئی اور انہوں نے قریش کے تجارتی قافلوں پر حملے کر کے نقصان پہنچانا شروع کر دیا۔قریش نے اس آفت سے بچنے کے لئے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خط لکھا اور ان سے عاجزانہ طور پر خواہش کی کہ ابوبصیر اور ان کے ساتھیوں کو مدینہ بلالیں اور پناہ گزینوں کو واپس کرنے والی شرط صلح نامہ کے متن سے حذف کر دی جائے۔[۱]

صلح حدیبیہ کے نتائج کا تجزیہ

1 پے در پے جنگیں ایک دوسرے سے براہ راست روابط میں رکاوٹ بنی ہوئی تھیں لیکن اس صلح نے افکار کے آزادانہ ارتباط اور اعتقادی بحث و مباحثہ کا راستہ کھول دیا اور یہ روابط عرب معاشرے میں اسلامی روش اور دلوں میں اسلام کے نفوذ کی وسعت کا ذریعہ بن گئے اس طرح کہ صلح حدیبیہ والے سال پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مسلمانوں کی تعداد چودہ سو تھی جبکہ فتح مکہ والے سال دس ہزار افراد رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تھے۔

2 صلح کے ذریعہ داخلی امن و امان قائم ہوجانے کے بعد اسلام کی عالمی تحریک کو سرحدوں کے پار لے جانے اور عالمی پیغام کو نشر کرنے کے لئے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو موقع مل گیا۔

3 یہ صلح درحقیقت تحریک اسلامی کو مٹانے کے لئے وجود میں آنے والے ہر طرح کے نئے جنگی اتحاد کے لئے مانع بن گئی اور اس طرح لشکر اسلام کے ہاتھ یہ موقعہ آ گیا کہ وہ خیبر کے یہودیوں جیسے بڑے دشمن کو راستے سے ہٹا سکیں۔

صلح کے فوائد کے بارے میں امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کی تاریخ میں کوئی واقعہ صلح حدیبیہ سے زیادہ فائدہ مند نہیں تھا۔[۲]

سوالات:

1 ہجرت کا چھٹا سال کس اہمیت کا حامل ہے؟

2 مفسدین فی الارض (زمین پر فساد پھیلانے والے) کون لوگ تھے اور کیوں قتل کئے گئے؟

3 بنی مُصطلق کیوں کر اسلام کے گرویدہ ہوئے؟

4 صلح حدیبیہ کے معاہدے کا کیا نتیجہ رہا؟

5 بیعت رضوان کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں؟

6 کون لوگ صلح کے مخالف تھے؟

7 عبداللہ بن اُبّی نے غزوہ بنی مصطلق میں کیا کیا اور کون سا سورہ اس موقعہ پر نازل ہوا؟

8 حدیث افک کیا ہے؟ مختصراً بیان کیجئے۔

9 آیۃ یا ایہا الذین آمنوا ان جائکم فاسق بنباء فتبینوا کس کے بارے میں اور کس موقع پر نازل ہوئی؟

10 صلح کی دوسری شرط کیسے لغو ہوئی؟

---

[۱] سیرت ابن ہشام ج 2 ص 337-338 تاریخ طبری ج 2 ص 539 تھوڑے سے اختلاف کے ساتھ۔مغازی واقدی ج 2 ص 624 سے 631 تک۔حیات الصحابۃ ج 1 ص 133

[۲] ---ما کانَ قضیّۃٌ أعظمَ برَکۃً منہا۔فروع ابدیت ج 2 ص 600۔

آٹھواں سبق

پیغمبر اسلام صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے عالمی پیغام کا اعلان

محرم 7[1] بمطابق اپریل 628

صلح حدیبیہ کے معاہدے نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جنوب (مکّہ) کی طرف سے مطمئن کر دیا اور پر امن فضا کے سبب عرب کے سر برآوردہ افراد کا ایک گروہ، اسلام کا گرویدہ ہو گیا۔ اس موقع پر اسلام کے عظیم رہنما نے فرصت کو غنیمت جانا اور اس وقت کے حکمرانوں، قبائلی سرداروں اور عیسائی راہنماؤں سے مذاکرہ اور مکاتبہ کا باب کھول دیا اور خدا کے حکم سے اپنے آئین کو، جو ایک عالمی آئین دنیا کی قوموں کے سامنے پیش کیا۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو خطوط، دعوت اسلام کے عنوان سے سلاطین، قبائل کے روساء اور اس زمانے کی سیاسی و مذہبی نمایاں شخصیتوں کو تحریر فرمائے تھے وہ آپؐ کی دعوت کے طریقہ کار کی حکایت کرتے ہیں۔ اس وقت 185 خطوط کے متن ہماری دسترس میں ہیں جن کو پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تبلیغ، دعوت اسلام یا میثاق و پیمان کے طور پر تحریر فرمایا تھا۔[2]

یہ خطوط دعوت و تبلیغ کے سلسلے میں اسلام کی روش اور طریقہ کار کہ جس کی بنیاد، منطق و برہان پر تھی نہ کہ جنگ و شمشیر پر، روشنی ڈالتے ہیں، جو حقائق ان خطوط میں پوشیدہ ہیں اور جو دلائل، اشارات، نصیحتیں اور راہنمائی رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دوسری قوموں کے سامنے پیش کی ہیں، وہ اسلام کے عالمی پیغام اور آپؐ کی دعوت کے طریقہ کار کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔

سیاسی حکمت عملی کے نکات کی رعایت

مختلف علاقوں اور سلاطین کے پاس رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بھیجے ہوئے افراد اور سفراء معارف اسلامی سے آگاہ اور اس پر تسلّط رکھنے کے ساتھ ساتھ، ادب و سخن میں کم نظیر تھے اور اس زمانے کے لوگوں کے معاشرتی اور دینی آداب و رسوم سے واقفیت رکھتے تھے۔ اس زمانے کی طاقتوں کا سامنا کرنے میں عین یقین اور صاف گوئی کے ساتھ ان کی ظاہری وضع وقطع بھی سیاسی حکمت عملی کے نکات کی رعایت کی حکایت کرتی تھی۔[3]

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عالمی پیغام رسالت پر مشتمل خطوط، ایک ہی دن چھ منتخب افراد کے ذریعے ایران، روم، حبشہ، مصر، یمامہ، بحرین، اُردن اور حیرہ کی طرف روانہ فرمائے۔[4]

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خطوط پر (محمد رسول اللہ) جو کہ آپ کی انگوٹھی پر کھدا ہوا تھا کی مہر لگاتے اور خطوط کو بند کرکے مخصوص موم سے چپکا دیا کرتے تھے۔[5]

---

[1] طبقات ابن سعد ج 1 ص 258۔

[2] ۔۔ الوثائق السیاسیہ۔۔ مصنفہ پروفیسر حمید اللہ پاکستانی لیکچرر پیرس یونیورسٹی۔ مکاتیب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ۔۔ مؤلفہ حجۃ الاسلام والمسلمین علی احمدی میانجی اور۔۔ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وزمامداران ۔۔ مصنفہ صابری ہمدانی ملاحظہ ہوں۔

[3] دحیہ کلبی اور عَمرو بن امیّہ اور دوسرے سفراء کی زندگی کا مطالعہ کرنے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے۔

[4] طبقات ابن سعد ج 1 ص 258۔ سیرت حلبی ج 3 ص 240۔

[5] طبقات ابن سعد ج 3 ص 241 و ج 1 ص 258۔

جس زمانے میں آپؐ یہ خطوط تحریر فرما رہے تھے، اس وقت دنیا کی دو بڑی طاقتیں، ایران اور روم اپنے اپنے ملک کا رقبہ بڑھانے کے سلسلے میں ایک دوسرے کے ساتھ دست و گریبان تھیں اور دنیا کی سیاست انہی کے گرد گھوم رہی تھی۔ قیصر روم کے نام رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خط کا مضمون یہ تھا۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ محمد رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے روم کے بزرگ قیصر کے نام سچائی اور ہدایت کی اتباع کرنے والوں پر سلام، تمہیں اسلام کی طرف دعوت دیتا ہوں، اسلام کو قبول کرلو تاکہ صحیح و سالم رہو اور خدا بھی تم کو (خود تمہارے ایمان کا اور تمہارے زیرنگیں افراد کے ایمان کا) دوہرا اجر دے گا۔ اے اہل کتاب میں تم کو اس بات کی طرف دعوت دیتا ہوں جو تمہارے اور ہمارے درمیان یکساں ہے اور وہ یہ ہے کہ سوائے خدائے واحد کے ہم کسی کی عبادت نہ کریں اور کسی کو اس کا شریک قرار نہ دیں اور ہم میں سے بعض، بعض کو رب نہ بنائیں اور جب وہ لوگ روگردانی کریں تو کہو کہ تم گواہ رہو ہم مسلمان ہیں۔ [1]

محمد رسول اللہ [2]

جب دحیہ کلبی نے خط، قیصر روم تک پہنچایا تو اس نے اسلام اور دین موعود انجیل کے بارے میں مفصل تحقیقات کے بعد مندرجہ ذیل عبارت پر مشتمل خط رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو لکھا۔ یہ خط اس رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے ہے جس کی بشارت عیسیٰ علیہ السلام نے دی ہے (یہ خط) قیصر بادشاہ روم کی طرف سے ہے۔ آپ کا خط اور قاصد ہمارے پاس پہنچا میں اس بات کی سچّی گواہی دیتا ہوں کہ خدا نے آپؐ کو رسالت پر مبعوث کیا ہے۔ آپ کا نام اور آپ کا تذکرہ اس انجیل میں دیکھ رہا ہوں جو ہمارے ہاتھ میں ہے۔ عیسیٰ بن مریم علیہما السلام نے آپؐ کے آنے کی بشارت دی ہے۔ میں نے بھی رومیوں کو دعوت دی ہے کہ آپؐ پر ایمان لائیں اور مسلمان ہو جائیں لیکن انہوں نے اطاعت نہیں کی اور اسلام نہیں لائے۔ حالانکہ اگر وہ ہماری بات مانتے تو ان کے لئے بہتر تھا۔ میں تمنّا کرتا ہوں کہ اے کاش آپؐ کا خدمت گزار ہوتا اور آپؐ کے پیر دھوتا۔

پھر قیصر نے خط کو تحائف کے ساتھ دحیہ کلبی کے ذریعہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بھیج دیا۔ [3]

شاہ ایران خسرو پرویز کے نام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خط کا متن۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

محمد رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے ایران کے عظیم کسریٰ کے نام۔

سلام ہو اس شخص پر جو سچائی اور ہدایت کا پیرو ہو، خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لایا ہو اور گواہی دیتا ہو کہ اس کے علاوہ کوئی پروردگار نہیں ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں ہے اور محمد اس کے بندے اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ میں تمہیں خدا کی طرف بلاتا ہوں اس لئے کہ میں خلق خدا کے درمیان خدا کا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہوں تاکہ میں زندہ افراد کو خوف و امید دلاؤں۔ تم اسلام قبول کرلو تاکہ محفوظ رہو اور اگر تم نے

---

[1] قُلۡ یٰۤاَہۡلَ الۡکِتٰبِ تَعَالَوۡا اِلٰی کَلِمَۃٍ سَوَآءٍۭ بَیۡنَنَا وَ بَیۡنَکُمۡ اَلَّا نَعۡبُدَ اِلَّا اللّٰہَ وَ لَا نُشۡرِکَ بِہٖ شَیۡئًا وَّ لَا یَتَّخِذَ بَعۡضُنَا بَعۡضًا اَرۡبَابًا مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ ؕ فَاِنۡ تَوَلَّوۡا فَقُوۡلُوا اشۡہَدُوۡا بِاَنَّا مُسۡلِمُوۡنَ ﴿۶۴﴾ (آل عمران 64)۔

[2] تاریخ یعقوبی ج 2 ص 77

[3] تاریخ یعقوبی ج 2 ص 77

انکار کیا تو تمہارے پیرو کاروں کا بوجھ بھی تمہارے سر رہے گا۔ محمد رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اللہ۔ [۱]

عبداللہ بن حذافہ نے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا خط ایران کے دربار میں پہنچایا۔ جب مترجمین نے بادشاہ کے سامنے خط پڑھا تو وہ بھڑک اُٹھا کہ محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کون ہے؟ جو اپنے نام کو میرے نام سے پہلے لکھتا ہے؟ اور خط پڑھے جانے سے پہلے ہی اس نے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا قاصد مدینہ واپس آیا اور اس نے سارا ماجرا بیان کیا۔ آپؐ نے ہاتھوں کو آسمان کی طرف بلند کیا اور فرمایا: خدایا اس شخص نے میرا خط پھاڑ ڈالا تو اس کی حکومت کو ٹکڑے ٹکڑے کر دے۔ [۲]

خسرو پرویز کے نام خط اور اسکی گستاخی

ساسانی بادشاہ نے طاقت کے نشے میں چور ہو کر یمن کے کٹھ پتلی حاکم باذان کو لکھا کہ مجھے خبر ملی ہے کہ مکّہ میں کسی قریشی نے نبوّت کا دعویٰ کیا ہے تم دو دلیر آدمیوں کو وہاں بھیجو تا کہ وہ اس کو گرفتار کر کے میرے پاس لائیں۔ حاکم یمن باذان نے مرکز کے حکم کے مطابق دو دلیر آدمیوں کو حجاز روانہ کیا جب یہ لوگ طائف پہنچے تو وہاں کے ایک شخص نے مدینہ کیطرف راہنمائی کی اور دونوں افراد مدینہ جا پہنچے اور باذان کا خط پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو دیا۔ آپؐ کی عظمت و ہیبت اور اطمینان نے پیغام لانے والوں کو وحشت میں ڈال دیا۔

جب پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ان کے سامنے اسلام پیش کیا تو وہ لرزنے لگے، آپؐ نے فرمایا اب تم جاؤ، کل میں اپنا فیصلہ سناؤں گا۔۔۔ دوسرے دن جب والی یمن کے کارندے جواب لینے کے لئے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی خدمت میں پہنچے تو آپؐ نے فرمایا کہ پروردگار عالم نے مجھے خبر دی ہے کہ کل رات جب رات کے سات گھنٹے گزر چکے تھے (10 جمادی الاوّل سنہ 7ھ کو) خسرو پرویز اپنے بیٹے شیرویہ کے ہاتھوں قتل ہو گیا ہے اور اس کا بیٹا تخت سلطنت پر قابض ہو گیا ہے پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ان کو بیش قیمت تحائف دے کر یمن روانہ کیا۔ انہوں نے یمن کی راہ لی اور باذان کو اس خبر سے مطلع کیا۔ باذان نے کہا کہ اگر یہ خبر سچ ہے تو پھر یقیناً وہ آسمانی پیغمبر ہے اور اس کی پیروی کرنا چاہیئے ابھی تھوڑی دیر نہ گزری تھی کہ شیرویہ کا خط حاکم یمن کے نام آن پہنچا جس میں لکھا تھا کہ آگاہ ہو جاؤ کہ میں نے خسرو پرویز کو قتل کر دیا اور ملت کا غم و غصّہ اس بات کا باعث بنا کہ میں اس کو قتل کر دوں اس لئے کہ اس نے فارس کے اشراف کو قتل اور بزرگوں کو متفرق کر دیا تھا۔ جب میرا خط تمہارے ہاتھ میں پہنچے تو لوگوں سے میرے لئے بیعت لو اور اس شخص سے جو نبوت کا دعویٰ کرتا ہے اور جس کے خلاف میرے باپ نے حکم دیا تھا، ہرگز سختی کا برتاؤ نہ کرنا یہاں تک کہ میرا کوئی نیا حکم تم تک پہنچے۔ شیرویہ کے خط نے اس خبر کی تائید کر دی جو رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے عالم غیب اور وحی کے ذریعہ دی تھی۔ ایرانی نژاد حاکم باذان اور ملک یمن کے تمام کارندے جو ایرانی تھے، مسلمان ہو گئے اور یمن کے لوگ رفتہ رفتہ حلقہ بگوش اسلام ہونے لگے۔ باذان نے رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے نام ایک خط میں اپنے اور حکومت کے کارندوں کے اسلام لانے کی خبر پہنچائی۔ [۳]

حبشہ کے بادشاہ نجاشی کے نام آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا خط

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محمد رسول اللہ کی طرف سے زمامدار حبشہ نجاشی کے نام۔ تم پر سلام ہو، ہم اس خدا کی تعریف کرتے ہیں جس کے سوا کوئی خدا نہیں،

---

[۱] تاریخ یعقوبی ج 2 ص 77

[۲] طبقات ابن سعد ج 1 ص 259

[۳] سیرہ حلبی ج 3 ص 247۔ طبقات ابن سعد ج 1 ص 260۔ کامل ج 2 ص 246۔ تاریخ طبری ج 2 ص 655۔12۔ تاریخ طبری ج 2 ص 653۔652 سیرت حلبی ج 3 ص 248

وہ خدا کہ جو بے عیب اور بے نقص ہے۔فرمان بردار بندے اس کے غضب سے امان میں ہیں وہ خدا اپنے بندوں کے حال کو دیکھنے والا اور گواہ ہے۔میں گواہی دیتا ہوں کہ جناب مریم سلام اللہ علیہا کے فرزند عیسیٰ علیہ السلام روح اللہ اور کلمۃ اللہ ہیں جو پاکیزہ اور زاہدہ مریم کے بطن میں تھے ،خدا نے اسی قدرت سے جس سے آدم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بغیر ماں باپ کے پیدا کیا ان کو بغیر باپ کے ماں کے رحم میں پیدا کیا۔میں تمہیں لاشریک خدا کی طرف دعوت دیتا ہوں اور تم سے یہی چاہتا ہوں کہ تم ہمیشہ خدا کے مطیع اور فرمان بردار اور میرے پاکیزہ آئین کی پیروی کرتے رہو۔اس خدا پر ایمان لاؤ جس نے مجھے رسالت پر مبعوث فرمایا۔میں پیغمبر خدا ہوں،تمہیں اور تمہارے تمام لشکر والوں کو اسلام کی دعوت دیتا ہوں اور اس خط اور سفیر کو بھیج کر میں اپنے اس عظیم فریضے کو پورا کر رہا ہوں جو میرے اوپر ضروری ہے اور تمہیں وعظ و نصیحت کر رہا ہوں۔سچائی اور ہدایت کے پیروکاروں پر سلام۔محمد رسول اللہ نجاشی نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خط کو لیا،آنکھوں سے لگایا،تخت سے نیچے اُترا اور تواضع کے عنوان سے زمین پر بیٹھ گیا اور کلمہ شہادتین زبان پر جاری کیا اور پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خط کے جواب میں لکھا۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

یہ خط محمد رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف،نجاشی کی جانب سے ہے،اس خدا کا درود وسلام آپؐ پر ہو جس کے علاوہ کوئی خدا نہیں اور جس نے میری ہدایت کی۔حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بشر اور پیغمبر ہونے کے مضمون کا حامل خط ملا۔زمین وآسمان کے خدا کی قسم جو آپؐ نے بیان فرمایا وہ حقیقت ہے۔میں نے آپؐ کے دین کی حقیقت سے آگاہی حاصل کی اور مہاجر مسلمانوں کی ضرورتوں کے پیش نظر ضروری اقدامات انجام دیئے گئے ہیں۔اب میں اس خط کے ذریعے گواہی دیتا ہوں کے آپؐ خدا کے رسول وہ صادق شخص ہیں جن کی تصدیق آسمانی کتابیں کرتی ہیں۔میں نے آپؐ کے چچازاد بھائی (جعفر بن ابی طالب) کے سامنے اسلام وایمان و بیعت کے مراسم انجام دیئے ہیں اور اب اپنا پیغام اور قبول اسلام کی خبر پہنچانے کے لئے اپنے بیٹے رارہا کو آپؐ کی خدمت میں بھیج رہا ہوں اور اعلان کرتا ہوں کہ میں اپنے علاوہ کسی کا ضامن نہیں ہوں۔آپؐ اگر حکم دیں تو میں خود آپؐ کی خدمت بافیض میں حاضر ہو جاؤں۔آپؐ پر درود وسلام ہو۔نجاشی [1]

دوسرے حکمرانوں کا موقف

مصر و یمامہ کے سربراہان مملکت نے تحائف کے ساتھ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خط کا جواب دیا لیکن کوئی مسلمان نہیں ہوا۔مصر کے حاکم مُقوقس نے بھی تحائف کے ساتھ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خط کا جواب انتہائی احترام کے ساتھ دیا [2]

یمامہ کے حاکم نے جواب میں لکھا کہ میں اس شرط پر مسلمان ہونے کو تیار ہوں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد حکومت میرے ہاتھ میں ہو۔اس پیش کش کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قبول نہیں کیا اور فرمایا یہ بات خدا کی امور میں سے ہے

بحرین کا حاکم مسلمان ہو گیا اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو اسی طرح بطور حاکم باقی رکھا۔اُردن کے حاکم نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سفیر کے سامنے اپنی جنگی طاقت کا مظاہرہ کیا اور مدینہ پر لشکر کشی کی فکر میں تھا اس سلسلہ میں مرکزی حکومت (روم) سے رائے طلب کی لیکن جب قیصر روم کی بدلی ہوئی نگاہوں کو دیکھا تو سب کچھ سمجھ گیا اور تمام سیاسی لوگوں کی طرح اپنا موقف بدل دیا۔پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے

---

[1] کامل ج2ص210طبقات ج1ص260۔سیرت حلبی ج3ص250۔

[2] طبقات ابن سعد ج1ص263۔سیرۃ حلبی ج3ص250

سفیر کی دلجوئی کی اور تحفے تحائف اس کے حوالے کئے۔[1]

خیبر کے یہودیوں سے جنگ کے اسباب

اسلام شروع ہی سے یہودیوں کی بدعہدی اور سازشوں کا شکار تھا یہودیوں کا ایک گروہ مدینہ سے 165 کیلومیٹر دور شمال میں خیبر نامی ایک ہموار اور وسیع جگہ پر سکونت پذیر تھا کہ جہاں انہوں نے اپنی حفاظت کے لئے نہایت مضبوط اور مستحکم سات قلعے بنا رکھے تھے یہودیوں کی تعداد بیس ہزار سے زیادہ تھی جن میں سے اکثر جوان اور جنگجو افراد تھے۔ صلح حدیبیہ نے رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو اس بات کا موقعہ دیا کہ عالمی پیغام کا اعلان کرنے کے علاوہ جزیرۃ العرب سے یہودیوں کے آخری خطرناک مرکز کی بساط لپیٹ دیں کیونکہ ایک تو سیاسی اور جنگی نکتہ نظر سے خیبر ایک مشکوک مرکز شمار ہوتا تھا اور خیبر کے یہودیوں ہی نے جنگ احزاب کی آگ بھڑکائی تھی اس لئے ممکن تھا کہ وہ دوبارہ مشرکین کو بھڑکائیں۔ دوسرے یہ کہ ایران و روم ایسی بڑی طاقتوں سے یہودیوں کے بہت قریبی تعلقات تھے۔ اور ہر لحہ یہ اندیشہ تھا کہ بڑی طاقتوں کو ورغلا کر یا ان کی مدد سے یہ لوگ اسلام کو جڑ سے اکھاڑ دیں۔

تیسرے یہ کہ، صلح حدیبیہ کہ وجہ سے یہودی یہ سوچنے لگے تھے کہ لشکری اور جنگی اعتبار سے کمزور ہونے کی بنا پر مسلمانوں نے صلحنامہ قبول کیا ہے، لہٰذا یہودی اس فکر میں تھے کہ موقعے سے فائدہ اٹھاتے ہوئے تحریک اسلام پر ناگہانی ضرب لگائی جائے۔ ہر چند کہ صلح حدیبیہ کے معاہدے نے قریش و یہود کے جنگی اتحاد کے امکان کو ختم کر دیا تھا لیکن دیگر ایسے قبائل موجود تھے جو یہودیوں کے امکانی حملے کی صورت میں ان کا ساتھ دے سکتے تھے۔ یہ وجوہات تھیں جو اس بات کا سبب بنیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم یہودیوں کی سرکوبی کے لئے پیش قدمی کریں اور آتش فتنہ کو خاموش کر دیں۔

لشکر توحید کی روانگی

یکم ربیع الاوّل ۷ ہجری[2] بروز ہفتہ بمطابق 12 جولائی 628 عیسوی

رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سولہ سو جاں بازوں کے ساتھ مدینہ سے روانہ ہوئے اور ہمیشہ کی طرح ناگہانی طور پر دشمن کے سر پر پہنچنے کے لئے تیزی سے مقام رجیع کی جانب روانہ ہوئے۔ (یہ ایک چشمہ ہے جو خیبر و غطفان کی سرزمین کے درمیان واقع ہے اور غطفان کی ملکیت ہے۔) چنانچہ اس طرح آپؐ نے دشمن کو بھی غافل بنایا اور دو جنگی حلیفوں یعنی خیبر کے یہودیوں اور غطفان کے بدووں کے درمیان جدائی بھی ڈال دی۔

معلومات کی فراہمی

رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے روانگی سے قبل لشکر اسلام کے آگے عباد بن بشر کو چند سواروں کے ساتھ دشمن کے لشکر کی خبر لانے کے لئے بھیجا۔ ان لوگوں نے ایک یہودی جاسوس کو گرفتار کر لیا اور اس کو دھمکا کے، خیبر کے یہودیوں کے اہم جنگی راز اور یہودیوں کے پست حوصلوں کے بارے میں معلومات حاصل کر لیں۔[3]

---

[1] سیرۃ حلبی ج 3 ص 255

[2] مغازی واقدی ج 2 ص 634

[3] مغازی واقدی ج 2 ص 640

خیبر کا مضبوط قلعہ راتوں رات مسلمانوں کے محاصرے میں آ گیا۔ صبح سویرے خیبر کے یہودی مسلمانوں کے حملہ اور محاصرے سے غافل قلعوں سے باہر نکلے اور بیلچے، تھیلے وغیرہ لے کر کھیتوں اور نخلستانوں کی طرف چل پڑے کہ اچانک مسلمانوں پر نظر پڑی جو خیبر کو ہر طرف سے گھیرے ہوئے تھے۔ وہ لوگ ڈر کے مارے خیبر کے قلعوں کی طرف بھاگے اور آواز دی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم سے لڑنے آئے ہیں۔ [1]

جنگی اعتبار سے مناسب جگہ پر لشکر گاہ کی تعیین

ابتدا میں لشکر اسلام نے خیموں کو نصب کرنے کے لئے ایک جگہ کا انتخاب کیا لیکن یہ جگہ بہت زیادہ مرطوب ہونے کے علاوہ صحت وصفائی کے اعتبار سے بھی نامناسب اور یہودیوں کے تیروں کی زد پر واقع تھی جب یہ جگہ جنگی اعتبار سے مناسب معلوم نہ ہوئی تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اصحاب سے مشورہ کر کے نخلستان کی پشت پر مناسب ترین رجیع نامی جگہ کو لشکر گاہ کے لئے معین فرمایا اور کچھ سپاہیوں کو اس جگہ کی حفاظت اور نگہبانی کے لئے مقرر کر دیا۔ جو باری باری لشکر گاہ کی نگہبانی اور حفاظت کا فریضہ انجام دیتے۔ [2]

لشکر کے لئے طبی امداد رسانی کا انتظام

زخمیوں کی دیکھ بھال کرنے والی نُسَیْبَہ نامی خاتون چند ایسی عورتوں کے ساتھ جو اس فن سے آشنا تھیں مدینہ سے لشکر اسلام کے ہمراہ آئیں اور لشکر گاہ کی پشت پر جنگی مجروحین کی مرہم پٹی کے لئے ایک خیمہ نصب کیا اور جانبازوں کی مدد کے لئے تیار ہو گئیں۔ [3]

جدید معلومات

مقام رجیع میں ایک یہودی نے جو بہت زیادہ خوف زدہ ہو گیا تھا خود کو لشکر اسلام کے حوالہ کر دیا اور کہنے لگا کہ اگر کچھ خبریں لشکر اسلام کو دے تو کیا اس کو امان ملے گی؟ جب اس کو امان دی گئی تو اس نے بہت سے جنگی راز فاش کر دیئے اور بتایا کہ یہودیوں کے درمیان اختلاف ہو گیا ہے۔ پھر مسلمانوں کی قلعوں اور حصاروں تک راہنمائی کی۔ [4]

آغاز جنگ اور پہلے قلعہ کی فتح

خیبر میں سات قلعے تھے جن کے نام، ناعم، قموص، کتیبہ، نطاۃ، شقّ، وطیح، سلالم ہیں ان قلعوں کے درمیان فاصلہ تھا۔ رجیع کو لشکر گاہ کے عنوان سے منتخب کرنے اور ترتیب دینے میں تقریباً سات دن لگ گئے، اس کے بعد لشکر اسلام دن میں قلعوں پر حملہ کرتا اور راتوں کو اپنی قیام گاہ پر واپس آ جاتا تھا۔ جنگ کے پہلے دن پچاس جانبازان اسلام تیروں سے مجروح ہوئے، علاج کے لئے انکو اس خیمہ میں پہنچایا گیا جو اس کام کے لئے نصب کیا گیا تھا۔ بالآخر سات دنوں کے بعد ناعم نامی پہلا قلع فتح ہوا، اس کے بعد رفتہ رفتہ سارے قلعے لشکر اسلام کے قبضہ میں آ گئے۔ ان قلعوں میں سے ایک قلعہ کی فتح کے دوران اس یہودی کی زوجہ اسیر ہوئی جس نے لشکر اسلام کے لئے معلومات فراہم کرنے میں مدد دی تھی۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے اُس کے شوہر کے حوالے کر دیا۔ [5]

---

[1] مغازی واقدی ج2 ص642

[2] مغازی واقدی ج2 ص643

[3] مغازی واقدی ج2 ص685-687

[4] مغازی واقدی ج2 ص646

[5] مغازی واقدی ج2 ص646

سردار کے حکم سے روگردانی

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب ناعم نامی قلعہ کی حصار کے قریب پہنچے تو آپؐ نے لشکر کو صف آرا کیا اور فرمایا کہ جب تک حکم نہ پہنچے اس وقت تک جنگ نہ کرنا۔ اس موقع پر ایک سپاہی نے خودسرانہ طور پر ایک یہودی پر حملہ کردیا لیکن یہودیوں کے ہاتھوں مارا گیا۔ جاں بازوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا کہ کیا یہ شہید شمار ہوگا؟ آپؐ نے فرمایا کہ منادی بہ آواز بلند اعلان کردے کہ جو اپنے سپہ سالار کے حکم سے سرتابی کرے جنت اس کے لئے نہیں ہے۔ [۱]

جنگی حکمت عملی

لشکر اسلام کی کمان رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ میں تھی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان کے مطابق عمدہ جنگی حکمت عملی کے ساتھ لشکر اسلام ایک ایک قلعہ کا محاصرہ کرتا جارہا تھا اور کوشش کررہا تھا کہ جس قلعہ کا محاصرہ ہوچکا ہو اس کا رابطہ دوسرے قلعوں سے منقطع کردے اور اس طرح قلعہ کو فتح کرلینے کے بعد دوسرے قلعہ کا محاصرہ کرتا تھا۔ وہ قلعے جن کا ایک دوسرے سے ارتباط تھا یا جن کے اندر جنگجو زیادہ استقامت کا مظاہرہ کرتے تھے ذرا دیر میں فتح ہوتے تھے۔ لیکن وہ قلعے جن کا آپس میں رابطہ بالکل منقطع ہوجاتا تھا وہ کمانڈروں کے رعب و دبدبہ کے سامنے جلد ہی ہتھیار ڈال دیتے تھے اور ان کو فتح کرنے میں قتل وخونریزی بھی کم ہوتی تھی۔ [۲]

علی علیہ السلام فاتح خیبر

قلعے یکے بعد دیگرے فتح ہوگئے صرف دو قلعے باقی رہ گئے اور یہودی ان قلعوں کے اوپر سے مسلمانوں پر بڑی تیزی سے تیر برسا رہے تھے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اصحاب میں سے ایک صحابی (ابوبکر) کو لشکر کی سرداری دیکر قلعہ فتح کرنے کے لئے روانہ کیا اور ان کے ہاتھوں میں پرچم دیا۔ لیکن وہ بغیر پیش قدمی کیئے شکست کھا کر پلٹ آئے۔ دوسرے دن پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لشکر کا علَم، دوسرے صحابی (عمر) کے حوالہ کیا لیکن وہ بھی پیش قدمی نہ کرسکے اور شکست کھا کر واپس آگئے۔ تیسرے دن رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پرچم، سعد بن عبادۃ کے حوالہ کیا لیکن وہ بھی شکست سے دوچار ہوئے، خود وہ اور ان کا لشکر زخمی ہوگیا اور وہ بھی بیٹھ رہے۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ کل میں علم اس کے حوالے کروں گا جس کو خدا اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دوست رکھتے ہیں اور وہ بھی خدا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دوست رکھتا ہے۔ وہ شکست کھانے والا اور بھاگنے والا نہیں، خدا اس کے ہاتھوں فتح عطا کرے گا۔ [۳]

رات ختم ہوئی صبح نمودار ہوئی۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علی علیہ السلام کو بلانے کے لئے بھیجا آپؑ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں تشریف لائے جبکہ آپ کی آنکھوں میں درد تھا چنانچہ فرمایا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہ میں دشت دیکھ پارہا ہوں اور نہ پہاڑ پھر آپؑ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قریب پہنچے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا آنکھیں کھولو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا لعاب دہن علی علیہ السلام کی آنکھوں میں لگایا تو آپ کی آنکھیں

---

[۱] مغازی واقدی ج2 ص649---لاتحل الجنۃ لعاص---

[۲] جرجی زیدان نے خیبر کے قلعوں کی تصویر اپنی کتاب تاریخ التمدن الاسلامی میں دی ہے ج1 ص61۔

[۳] لاعطین الرایۃ غدا رجلا یحبہ اللہ و رسولہ و یحب اللہ و رسولہ کراراً غیر فرار لا یرجع حتی یفتح اللہ علی یدیہ، بحار الانوار ج 21-28۔

شفا یاب ہوگئیں۔[1] پھر آپؐ نے پرچم، حضرت علی علیہ السلام کو دیا اور کامیابی کے لئے دعا کی، امیر المومنین علی علیہ السلام قلعہ کی طرف چل پڑے۔ حضرت علی علیہ السلام کی سرکردگی میں جب لشکر، قلعہ کے نزدیک پہنچا تو مرحب کے بھائی حارث نے اپنے مشاق اور تیز رفتار شہ سواروں کے ساتھ لشکر اسلام پر حملہ کیا، مسلمان بھاگے علی علیہ السلام تنہا اپنی جگہ جمے رہے، علی علیہ السلام کی تلوار کی ضرب نے اپنا کام کیا اور حارث قتل ہو گیا۔ یہودیوں پر خوف و وحشت طاری ہوگیا وہ قلعہ کے اندر بھاگ گئے اور قلعہ کے دروازہ کو مضبوطی سے بند کرلیا۔ مسلمانوں نے جب یہ منظر دیکھا تو میدان میں پلٹ آئے، اس موقعہ پر خیبر کا مشہور پہلوان اور حارث کا بھائی مرحب اپنے بھائی کی موت پر بے تاب، اسلحہ میں غرق، غصّہ میں بھرا، رجز پڑھتا ہوا قلعہ سے باہر کود پڑا۔ وہ کہہ رہا تھا: خیبر مجھے جانتا ہے میں مرحب ہوں اسلحہ میں غرق، آزمودہ کار پہلوان ہوں۔ کبھی میں نیزے سے وار کرتا ہوں کبھی شمشیر سے، جب شیر غصّہ کے عالم میں ہو تو کوئی کچھار کے قریب نہیں پھٹکتا[2]

حضرت علی علیہ السلام نے اس کے جواب میں فرمایا: میں وہ ہوں کہ میری ماں نے میرا نام حیدر (شیر) رکھا ہے میں بہادر اور جنگلوں کا شیر ہوں۔[3]

اس کے بعد زبردست جنگ شروع ہوئی، شمشیر علیؑ مرحب کے سر میں درآئی اور اس کی سپر، پتّھر کے خود اور سر کو دانتوں تک دو ٹکڑے کردیا۔ یہ ضرب ایسی خطرناک او دل ہلا دینے والی تھی کہ جسے دیکھ کر بعض یہودی بہادر بھاگ کھڑے ہوئے اور قلعہ کے اندر جا چھپے اور بقیہ افراد علی علیہ السلام کے ساتھ دست بدست جنگ میں مارے گئے۔ علی علیہ السلام نے شیر کی طرح یہودیوں کا پیچھا قلعہ کے دروازے تک کیا پھر قلعہ کے دروازے کیطرف متوجہ ہوئے اور اسے اکھاڑ لیا اور جنگ کے اختتام تک سپر کی طرح استعمال کرتے رہے پھر اس کو اس خندق کے اوپر رکھ دیا۔ جو قلعہ کے چاروں طرف کھدی ہوئی تھی۔[4]

یہ دروازہ اتنا وزنی تھا کہ لشکر اسلام کے آٹھ سپاہی اس کو نہ اٹھا سکے۔ حضرت علی علیہ السلام اس اعجازی قوّت کے بارے میں فرماتے ہیں کہ میں نے ہرگز بشری قوّت سے اسے نہیں اکھاڑا بلکہ خداداد قوّت کے زیر اثر اور روز جزا پر ایمان کی بنا پر یہ کام کیا ہے۔[5] علی علیہ السلام کی شجاعت، بہادری اور ان کے ہاتھوں کی طاقت سے خیبر کی فتح اور دوسروں کی ناتوانی کے بارے میں بہت سی حدیثیں اہل سنّت کی کتابوں میں موجود ہیں مزید معلومات کیلئے ان ماخذوں کی طرف اشارہ کیا جا رہا ہے۔[6]

---

[1] حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا کہ اس کے بعد میں درد چشم میں ہرگز مبتلا نہیں ہوا۔

[2] مغازی واقدی ج2 ص654-653

[3] ارشاد مفید ص67

[4] مغازی واقدی ج2 ص654-655

[5] بحار الانوار ج21 ص26

[6] صحیح بخاری ج5 ص171 وج5 ص23۔ تاریخ بخاری ج1 ص115 وج4 ص115۔ صحیح مسلم ج7 ص121 وج5 ص195 وج7 ص120۔ مسند الحافظ ابی داؤد ص320۔ مسند امام احمد بن حنبل ج1 ص99 وج2 ص384 سنن ترمذی ج5 ص638۔ سنن ابن ماجہ ج1 ص65۔ خصایص ص4۔ تاریخ طبری ج2 ص310۔ طبقات ج3 ص156۔ عقد الفرید ج3 ص94۔ مستدرک حاکم ج3 ص405۔ معجم الصغیر طبرانی ص163۔ حلیۃ الاولیا ج1 ص430۔ سنن الکبری ج9 ص107۔ مناقب ابن مغازلی ص176۔ استیعاب درحاشیہ الاصابہ ج3 ص366۔ مصابیح السنۃ ج2 ص201۔ معالم التنزیل ج4 ص156۔ الشفا قاضی عیاض ج1 ص272۔ اسد الغابہ ج3 ص25۔ تذکرۃ الخواص سبط ابن جوزی ص15۔ شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج4 ص221۔ کفایۃ الطالب باب 62 ص116۔ البدایۃ والنہایۃ ابن کثیر ج4 ص184۔ مجمع الزوائد ج9 ص123۔ الاصابۃ ج2 ص502۔ ینابیع المودۃ ص41۔

سوالات

1 رسول خدا نے کس، کس بادشاہ کو خط لکھے؟

2 یمن کا حاکم اور وہاں کے لوگ کیوں کر مسلمان ہوئے؟

3 قیصر نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے کیا جواب لکھا؟

4 دوسرے حکمرانوں کا موقف کیا تھا؟

5 رسول خدا نے خیبر کے یہودیوں سے کیوں جنگ کی؟

6 خیبر میں حضرت علی علیہ السلام کی شجاعت کے بارے میں کچھ بیان کیجئے۔

نواں سبق

طرفین کے خسارے کا تخمینہ

آخری قلعہ کی فتح کے نتیجہ میں یہودیوں کو شکست اور لشکر اسلام کو فتح حاصل ہوئی اس جنگ میں یہودیوں کے 93 سے زیادہ بڑے بڑے جنگجو ہلاک ہوئے جبکہ شہداء اسلام کی تعداد 20 افراد سے زیادہ نہ تھی۔ اس کے علاوہ قلعوں پر حملے کے نتیجے میں کچھ یہودی، لشکر اسلام کی اسیری میں آئے۔ اسیروں کیساتھ اچّھا برتاؤ

قلعوں میں سے جب ایک قلعہ فتح ہوا تو حیّ بن اخطب کی بیٹی صفیّہ اور ایک دوسری عورت اسیر ہوئی تو حضرت بلال ان دونوں کو یہودیوں کے مقتولین کی لاشوں کے قریب سے گزار کر آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی خدمت میں لائے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اُٹھے اور صفّیہ کے سر پر عبا ڈال دی اور دونوں عورتوں کے آرام کے لئے لشکر گاہ میں ایک جگہ معین فرمادی پھر بلال سے سخت لہجہ میں کہا کیا تمہارے دل سے مہر و محبّت ختم ہوگئی ہے کہ تم ان عورتوں کو ان کے عزیزوں کے پاس سے گزار کر لا رہے ہو؟ صفّیہ کے دل پر پیغمبر کی محبّت نے بڑا اثر کیا بعد میں آپ، پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی باوفا بیویوں کے زمرہ میں شامل ہوئیں۔ [1]

فتح کے وقت درگزر

تاریخ کے فاتحین نے جب بھی دشمن پر کامیابی حاصل کی تو شمشیر انتقام سے اپنے کینہ کی آگ کو بجھایا اور دشمن کی تباہی میں بڑی بے رحمی کا ثبوت دیا لیکن خدا رسیدہ افراد نے ہمیشہ کامیابی کے موقعہ پر دشمنوں کے ساتھ نہایت لطف و محبّت کا سلوک کیا ہے۔ فتح خیبر کے بعد، خیبر کے جن افراد نے زیادہ مال صرف کر کے جنگ احزاب کی عظیم شورش برپا کی تھی اور اسلام کو خاتمہ کے دہانہ پر لا کھڑا کیا تھا ان کے سروں پر پیغمبر رحمت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے لطف و عطوفت کا سایہ رہا آپؐ نے انہیں اجازت دی کہ سرزمین خیبر میں اپنے گھروں میں کام اور حسب سابق کھیتی باڑی میں مشغول رہیں اس کے بدلے خیبر کی آمدنی کا آدھا حصّہ مسلمانوں کو دیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فتح کے وقت نیزے کی نوک پر اسلام مسلّط نہیں کیا بلکہ آپؐ نے ان کو مذہبی شعائر و رسوم کی ادائیگی کی آزادی مرحمت فرمائی۔ [2]

مال غنیمت

فتح خیبر اور یہودیوں کو غیر مسلح کرنے کے بعد کافی مقدار میں ہتھیار، جنگی ساز و سامان، یہودیوں کے زیورات سے مالا مال خزانہ، کھانے کے برتن، کپڑے، بہت سے چوپائے اور کھانے پینے کا بہت زیادہ سامان مال غنیمت کے طور پر لشکر اسلام کے ہاتھ آیا رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے حکم دیا کہ ایک شخص جانبازان اسلام کے درمیان اعلان کرے کہ ہر مسلمان پر لازم ہے کہ مال غنیمت کو بیت المال میں لا کر جمع کردے چاہے وہ ایک سوئی اور دھاگہ ہی کیوں نہ ہو۔ اس لئے کہ خیانت ننگ و عار ہے اور قیامت میں اس کی سزا آگ ہے۔ [3]

---

[1] مغازی واقدی ج 2 ص 673

[2] مغازی واقدی ج 2 ص 671 و سیرت ابن ہشام ج 3 ص 351-352

[3] مغازی واقدی ج 2 ص 680

پھر عادلانہ تقسیم کے لئے تمام مال غنیمت ایک جگہ جمع ہوا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا کہ اس میں سے کچھ نقد کی صورت میں لوگ تبدیل کرلائیں۔

فروہ جو مال غنیمت بیچنے کے کام پر مامور کئے گئے تھے، انہوں نے مال غنیمت میں سے ایک دستار، دھوپ سے بچنے کے لئے اپنے سر پر باندھ رکھی تھی، فراغت کے بعد دستار اتارے بغیر بے خبری کے عالم میں اپنے خیمہ میں چلے گئے وہاں دستار کا خیال آیا تو فوراً خیمہ سے باہر نکلے اور دستار مال غنیمت کے ڈھیر پر رکھ دی۔ جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ خبر ملی تو آپؐ نے فرمایا یہ آگ کی دستار تھی جو تم نے اپنے سر پر باندھ رکھی تھی۔[1]

مال غنیمت میں خیانت کی سزا

سپاہیوں میں سے کرکرہ نامی ایک شخص رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مرکب کی نگہبانی پر مامور تھا واپسی کے دوران اسے ایک تیر لگا اور وہ مارا گیا۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے لوگوں نے پوچھا کہ کیا کرکرہ شہید ہے؟ آپؐ نے فرمایا مال غنیمت میں سے عبا چرانے کے جرم میں اب آگ میں جل رہا ہے۔ اس موقع پر ایک شخص نے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا کہ میں نے بغیر اجازت کے ایک جوڑا جوتا مال غنیمت سے لے لیا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا واپس کردو ورنہ قیامت کے دن آگ کی صورت میں یہ تمہارے پیروں میں ہوگا۔[2]

مال غنیمت کی تقسیم

خمس نکالنے کے بعد، جانبازان اسلام کے درمیان مال غنیمت تقسیم ہوا، رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان عورتوں کو جنہوں نے لشکر اسلام کی مدد اور تیمارداری کی تھی بیش قیمت گلوبند وغیرہ عطا فرمائے۔[3]

ایک شخص کو ایک خرابہ سے دوسو درہم ملے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خمس نکال لیا اور بقیہ درہم اس کو دیدئے۔[4]

لشکر اسلام خیبر سے کوچ کرنے ہی والا تھا کہ مہاجرین حبشہ کے سرپرست جعفر ابن ابی طالب حبشہ سے واپس آگئے جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مدینہ میں نہیں پایا تو خیبر کی طرف چل پڑے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جعفر علیہ السلام کی واپسی پر بہت خوش ہوئے سات قدم ان کے استقبال کے لئے بڑھے اور فرمایا سمجھ میں نہیں آتا کہ کس بات کے لئے زیادہ خوشی مناؤں؟ فتح خیبر کے لئے یا جعفر کی واپسی کے لئے؟[5]

خیبر پر حملے کے نتائج

خیبر کا حملہ، اسلام کے خلاف یہودیوں کی اقتصادی اور جنگی طاقت کی کمی کا باعث بنا۔ اس حملے کے دوسرے نتائج میں سے ایک یہ ہے کہ، یہودیوں کے اس گروہ کے ہتھیار ڈال دینے کی بدولت مشرکین کی فوج میں خوف و ہراس پھیل گیا اور اسلام کی تحریک مزید پائیدار ہوگئی۔ خیبر میں لشکر اسلام کی کامیابی کے اسباب

---

[1] مغازی واقدی ج2 ص681

[2] مغازی واقدی ج2 ص681

[3] سیرت ابن ہشام ج3 ص356-357

[4] مغازی واقدی ج2 ص682

[5] مغازی واقدی ج2 ص683۔ زادالمعاد ج3 ص333۔ سنن ابی داود (2745) صحیح بخاری ج7 ص371

1 بہترین جنگی حربوں اور موثر حکمت عملی کا استعمال

2 پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسلام کی دقیق اور حکیمانہ سپہ سالاری اور لشکر اسلام کا سپہ سالار کے حکم پر مکمل عمل کرنا۔

3 جنگی حوالے سے مناسب جگہ پر پڑاؤ

4 خیبر کے کامل محاصرے تک لشکر اسلام کی مکمل پوشیدگی۔

5 دشمن کے حالات کی اطلاع اور ہر قلعہ میں لشکر کی تعداد و کیفیت کے بارے میں مکمل معلومات۔

6 حضرت علی علیہ السلام کی بے امان جنگ ایسی جنگ کہ دشمن کے نقصانات میں سے آدھا نقصان دست زبردست حیدر کرار کی توانائی کا نتیجہ تھا۔

فدک

خیبر سے ایک منزل اور مدینہ سے 140 کیلومیٹر دور کچھ یہودی فدک نامی ایک قصبہ میں رہتے تھے۔ یہ لوگ خیبر کے یہودیوں کے انجام سے خوفزدہ تھے اور خدا نے ان کے دل میں خوف و دہشت مزید بڑھا دیا۔ اس وجہ سے انہوں نے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نمائندہ کے جواب میں ایک شخص کو معاہدہ صلح کے لئے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بھیجا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے معاہدہ کیا کہ آدھا فدک آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حوالہ کریں گے اور اسمیں کھیتی کرنے کے ساتھ ساتھ اس کی آمدنی بھی ان کے حوالہ کریں گے۔[1]

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فدک فاطمہ زہراء سلام اللہ علیہا کو عطا کر دیا۔ فدک کی سالانہ آمدنی، 24000 درہم تھی جناب فاطمہ سلام اللہ علیہا اس آمدنی کا بیشتر حصہ بے سہارا لوگوں کی امداد اور اجتماعی مصالح ایسے امور خیر میں صرف کرتی تھیں۔[2]

غزوہ وادی القریٰ (7ھ ق)

خیبر کی جنگ ختم ہونے کے بعد رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ سے 350 کیلومیٹر دور وادی القریٰ کی طرف روانہ ہوئے جو یہودیوں کا ایک اہم مرکز شمار کیا جاتا تھا۔ آپؐ نے اس کا محاصرہ کر لیا، قلعہ چند دنوں تک لشکر اسلام کے محاصرے میں رہا۔ انجام کار فتح و کامرانی کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زمینوں کو انہی کے قبضہ میں رہنے دیا اور وہی معاہدہ جو خیبر کے یہودیوں سے ہوا تھا ان سے بھی طے پایا۔[3]

تیماء (7ھ ق)

مسعودی کی تحریر کے مطابق تیماء[4] کے لوگ یہودی اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دشمن تھے جب ان لوگوں نے وادی القریٰ کے فتح ہونے کی خبر سنی تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے صلح کر لی اور جزیہ دینے پر تیار ہو گئے[5] اس طرح سے جزیرۃ العرب سے یہودیوں کی طرف سے جنگی خطرہ بالکل ہی ختم ہو گیا۔

---

[1] مغازی واقدی ج2 ص706۔

[2] پژوهشی عمیق از زندگانی علی علیہ السلام ص261-266

[3] تاریخ طبری ج3 ص17-16 سے تلخیص۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ص284۔ فتوح البلدان ص47

[4] تیماء، مدینہ سے آٹھ منزل پر مدینہ اور شام کے راستہ میں ایک مقام ہے۔

[5] التنبیہ والاشراف ص224

فتح خیبر کے بعد انجام پانے والے سرایا

خیبر کی فتح کے بعد رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے دیرینہ دشمن کی طرف سے مطمئن ہو گئے اور مدینہ میں وہ امن وسکون ہوا جو پہلے کبھی نہ تھا۔ ماہ صفر سے لے کر ذیقعدہ تک چند مہینوں کی مدّت میں آپؐ نے صرف چھ گروہ اطلاعات حاصل کرنے یا ان بکھرے دستوں اور جماعتوں کی تنبیہ وسزا کے لئے روانہ فرمائے جنہوں نے امن وامان میں رخنہ ڈال رکھا تھا۔ ان سرایا کے علاوہ کوئی دوسرا جنگی حملہ وقوع پذیر نہیں ہوا۔[1]

مکہ کی طرف (عمرۃ القضاء)

یکم ذیقعدہ 7ھ (بروز جمعرات بمطابق 3 فروری سنہ 628ء)

صلح حدیبیہ کے ایک سال بعد صلح نامہ کے مطابق مسلمان عمرہ بجالانے کے لئے تین روز تک مکہ میں ٹھہر سکتے تھے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لشکر اسلام کے دو ہزار افراد کے ساتھ عمرہ کے لئے روانہ ہوئے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ صلح حدیبیہ اور بیعت رضوان میں شامل تمام افراد موجود تھے سوائے خیبر میں شہید یا اس سے قبل وفات پا جانے والے مسلمانوں کے، البتہ کچھ دوسرے لوگ بھی سفر میں شریک ہو گئے تھے۔ معاہدے کے مطابق چونکہ مسلمان سوائے تلوار کے (جو مسافر کا اسلحہ سمجھا جاتا تھا) اپنے ساتھ زیادہ ہتھیار نہیں رکھ سکتے تھے۔ اس لئے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ممکنہ خطرے سے بچنے کے لئے لشکر اسلام کے ایک سردار کو دوسو جانبازوں کے ہمراہ کافی اسلحہ کے ساتھ آگے بھیج دیا تاکہ وہ لوگ مرّ الظہر ان پر مکہ سے 22 کیلومیٹر شمال میں ٹھہریں اور ایک درّہ میں آمادہ رہیں۔

مسلمان، مکہ کے قریب پہنچے، رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ناقہ قصوی پر سوار اور عبداللہ ابن رواحہ مہار تھامے ہوئے فخر کے ساتھ رجز پڑھتے جاتے تھے۔

دو ہزار مسلمان خاص شان وشوکت کے ساتھ جبکہ ان کی آواز فرط شوق سے لرز رہی تھی لبیک اللّٰھم لبیک کی آواز بلند کرتے جا رہے تھے۔ برسوں بعد، کعبہ کی زیارت کی توفیق نصیب ہوئی تھی۔

قریش نے شہر مکہ خالی کر دیا تھا اور پہاڑ کی بلندیوں سے مسلمانوں کی جمعیت کو دیکھنے میں مشغول تھے۔ مسلمانوں کی صدائے لبیک کی پرشکوہ گونج نے ان کے دلوں پر وحشت طاری کر دی تھی، عمرہ ادا کرنے کے بعد احتیاطی فوج کی جگہ دوسرے گروہ نے لے لی اور انہوں نے عمرہ کے فرائض انجام دیئے۔ مکہ میں تین روزہ قیام کی مہلت تمام ہوئی۔ قریش نے ایک شخص کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بھیجا اور مطالبہ کیا کہ جتنی جلدی ہو سکے مکّہ سے نکل جائیں۔

اس سفر میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکّہ کے شمال میں 12 کیلومیٹر کے فاصلہ پر مقام سرف میں جناب میمونہ سے عقد فرمایا اور اس طرح قریش کے درمیان اپنی حیثیت اور زیادہ مضبوط کر لی۔[2]

---

[1] تاریخ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مصنفہ ڈاکٹر آیتی کے مطابق ص 486-483۔

[2] مغازی واقدی ج 2 ص 740-731 یہاں خلاصہ ذکر کیا گیا ہے۔

عمرۃ القضاء کے بعد 7ھ میں چار دوسرے سرایا بھی پیش آئے۔[۱]

جنگ موتہ

یکم جمادی الاوّل 8ھ بمطابق اگست، ستمبر 629ء

عالمی استکبار سے پہلا مقابلہ

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بادشاہ بُصریٰ کے پاس ایک سفیر بھیجا سفیر رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب شام کی سرحد پر واقع سرزمین موتہ پر پہنچے تو وہاں کے حاکم نے سفیر کو قتل کر دیا۔[۲] ربیع الاول کے مہینہ میں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے 16 مبلغین مقام ذات اَطلاح کے سفر پر مامور کئے گئے وہ بھی اسی سرزمین کے لوگوں کے ہاتھوں قتل کر دیئے گئے۔ ان میں سے ایک آدمی زخمی ہوا اور لاشوں کے بیچ گر پڑا اور پھر کسی طرح فرار ہوکر مدینہ پہنچا۔[۳][۴]

یہ واقعات سبب بنے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم موتہ کی طرف ایک لشکر روانہ فرمائیں۔

جہاد کا فرمان صادر ہوتے ہی تین ہزار مسلمان جمع ہو گئے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لشکر کے سپہ سالاروں کو مندرجہ ذیل ترتیب کے مطابق معین فرمایا۔ جب تک زید ابن حارثہ زندہ رہیں وہ تمہارے سپہ سالار رہیں گے اور اگر زید شہید ہو گئے تو پھر جعفر ابن ابی طالب[۵] اور اگر وہ بھی شہید ہو گئے تو عبداللہ ابن رواحہ اور اگر وہ بھی شہید ہو گئے تو مسلمان اپنے درمیان سے خود ہی ایک سالار کا انتخاب کر لیں[۶]

گریہ کیوں؟

لشکر کی روانگی کے وقت اہل مدینہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ جانبازان اسلام کو رخصت کرنے کے لئے جمع ہوئے عبداللہ ابن رواحہ گھوڑے پر سوار تھے اور آگے اپنے بیٹے کو سوار کئے ہوئے تھے اور اسی حالت میں شدّت کے ساتھ گریہ فرما رہے تھے۔ لوگوں نے سوچا کہ وہ بیوی اور بیٹے کی محبت اور ان سے جدائی کے غم میں یا موت کے خوف سے رو رہے ہیں عبداللہ ابن رواحہ جب لوگوں کے گمان کی طرف متوجہ ہوئے تو سر اٹھایا اور کہا اے لوگوں، میرا گریہ زندگی، بیوی، بیٹے، گھر بار اور خاندان کی محبّت میں نہیں، میں شہادت سے نہیں ڈرتا اور نہ ہی اس وجہ سے رو رہا ہوں بلکہ میرے گریہ کا سبب قرآن کی مندرجہ ذیل آیت ہے۔

وَ اِنْ مِنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا كَانَ عَلٰى رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا ثُمَّ نُنَجِّي الَّذِينَ اتَّقَوْا وَ نَذَرُ الظَّالِمِينَ فِيهَا جِثِيًّا[۷]

---

[۱] سیرت ابن ہشام ج4 ص15

[۲] یہ سرزمین اب شہداء موتہ کی آرام گاہ ہے اور سرزمین اردن ہاشمی میں واقع ہے۔

[۳] مغازی واقدی ج2 ص755۔ بحار الانوار ج21-58

[۴] طبقات کبریٰ ج2 ص128۔ مغازی ج2 ص782

[۵] اگرچہ اہل سنت کی بہت سی تاریخوں میں یہ بات مرقوم ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لشکر کا پہلا امیر زید بن حارث کو معیّن فرمایا اور زید کے قتل ہوجانے کی صورت میں جعفر بن ابی طالب اور ان کے بعد عبداللہ بن رواحہ لیکن کعب بن مالک کے شہداء موتہ کے بارے میں مرثیہ سے ثابت ہوتا ہے کہ جعفر لشکر کے پہلے امیر تھے۔ کعب کہتے ہیں کہ۔۔ اذ یہتدون بجعفر ولوائہ قدّام اوّلہم فنعم الاوّل۔۔ سیرت ابن ہشام ج4 ص28۔

[۶] مغازی واقدی ج2 ص758۔ بحار الانوار ج21 ص55۔

[۷] سورہ مریم آیت 71-72

تم میں سے کوئی شخص باقی نہیں رہے گا جز اس کے کہ دوزخ میں جائے اور یہ تمہارے پروردگار کا حتمی حکم ہے۔ دوزخ میں داخل ہونے کے بعد ہم ان افراد کو جو خداترس اور باتقوا تھے، نجات دیں گے اور ستم گاروں کو چھوڑ دیں گے تاکہ وہ گھٹنوں کے بل آگ میں گر پڑیں۔ مجھے اطمینان ہے کہ مجھے جہنّم میں لے جایا جائے گا لیکن یہ کیسے پتہ چلے کہ نجات دی جائے گی۔[١]

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں کے ساتھ شہر کے دروازہ تک مجاہدین کو رخصت کیا اور فرمایا دفع اللہ عنکم وردّکم سالمین غانمین یعنی خدا تمہارا دفاع کرے اور سلامتی اور غنیمت کے ساتھ واپس پلٹائے لیکن عبداللہ ابن رواحہ نے جواب میں شعر پڑھا جس کا مطلب تھا۔ میں خداوند رحمان سے مغفرت طلب کرتا ہوں اور اس سے شمشیر کی ایسی ضربت کا خواہاں ہوں جو میری زندگی کو ختم کردے۔[٢]

خدا حافظ کہتے وقت عبداللہ ابن رواحہ نے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نصیحت کرنے کی خواہش کی، حضرت نے فرمایا جب تم ایسی سرزمین پر پہنچو جہاں اللہ کی عبادت کم ہوتی ہے تو اس جگہ زیادہ سجدے کرو۔ عبداللہ نے کہا کچھ اور نصیحت فرمائیں، رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا خدا کو یاد کرو، خدا کی یاد مقصد تک پہنچنے میں تمہاری مددگار ہے[٣]۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لشکر کے امیروں کو حکم دیا کہ خدا کے نام سے اس کی راہ میں جنگ کرو اور جو خدا کا انکار کرے اس سے لڑو۔ دھوکہ بازی نہ کرو، بچوں کو قتل نہ کرو، جب مشرکین سے سامنا ہو تو تین چیزوں میں سے ایک کی دعوت دو اور جب کسی ایک کو قبول کرلیں تو ان سے دست بردار ہو جاؤ۔ پہلے اسلام کی دعوت دو اگر قبول کرلیں تو ان سے جنگ نہ کرو۔ دوسرے ان سے مطالبہ کرو کہ اپنی زمین سے چلے جائیں اور ہجرت کریں اگر قبول کرتے ہیں تو ان کے لئے وہی حقوق ہیں جو دوسروں کے لئے ہیں، اگر ان دونوں باتوں کے قبول کرنے سے انکار کریں تو جزیہ ادا کرنے کی دعوت دو اگر ان تمام باتوں سے سرتابی کریں تو خدا سے مدد مانگو اور ان سے جنگ کرو[٤]۔

غیر مساوی طاقتوں کی جنگ

لشکر اسلام موتہ کی جانب روانہ ہوا۔ جنوب عمان میں 212 کیلومیٹر دور مقام معان پر خبر ملی کہ بادشاہ روم ہرقل ایک لاکھ سپاہیوں کو بلقاء کے علاقہ میں سرزمین مآب تک بڑھا لایا ہے۔ اور اس علاقہ کے ایک لاکھ عرب جنگجو رومیوں کی مدد کے لئے لشکر روم سے آملے ہیں۔ یہ خبر امیران لشکر کے آپس میں مشورہ کا سبب بنی۔ شروع میں تو ان کا ارادہ تھا کہ اس واقعہ کی خبر پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دی جائے اور ان سے معلوم کیا جائے کہ کیا کرنا چاہیئے کن عبداللہ ابن رواحہ نے شجاعانہ وحماسہ ساز تقریر کے ذریعے انہیں اس فکر سے باز رکھا۔ آپ نے لشکر کو خطاب کرتے ہوئے کہا اے لوگوں خدا کی قسم، جو چیز تمہیں اس وقت ناپسند ہے اسی کو طلب کرنے کے لئے تم نکلے ہو یہ وہی شہادت ہے جس کے شوق میں تم نے سفر کی زحمت برداشت کی ہے، ہم نے کبھی بڑے گروہ، کثیر جماعت اور عظیم لشکر کے ذریعہ جنگ نہیں کی، ہم ایمان کی طاقت سے لڑتے ہیں جس کی بدولت خدا نے ہمیں بزرگی دی ہے، اٹھو اور اپنے راستہ پر چل پڑو ہمارے سامنے (احدُ الحسنیین) دو اچھے راستے ہیں، فتح یا شہادت۔[٥]

---

[١] سیرت ابن ہشام ج4 ص15۔ اور تاریخ طبری ج3 ص37

[٢] ---ولکنّنی اسأل الرّحمن مغفرۃ وضربۃً ذات فرغ: تقذف الزّبدا۔ - سیرت ابن ہشام ج4 ص15۔

[٣] مغازی واقدی ج2 ص758

[٤] مغازی واقدی ج2 ص757، بحارالانوار ج21 ص21

[٥] سیرت ابن ہشام ج4 ص17۔ تاریخ طبری ج3 ص38

عبداللہ ابن رواحہ کی شعلہ بار تقریر کے بعد لشکر اسلام ٹڈی دل لشکر کی طرف چل پڑا۔ اور بلقاء کی سرحد پر روم کا دو لاکھ کا لشکر تین ہزار مجاہدین سے روبرو ہوا۔ لشکر اسلام کی بے امان جنگ شروع ہوئی اور اللہ والے جو شہادت کو بقاء کا راز سمجھتے تھے، شہادت کے استقبال کے لئے دوڑ پڑے۔

لشکر اسلام کے دلیر سردار جعفر ابن ابی طالب علیہ السلام کی شہادت

جنگ کے شور و غل میں جعفر ابن ابی طالب نے پرچم ہاتھ میں لیا اور مردانہ وار قلب لشکر پر حملہ کر دیا اور ان کے نرغہ میں گھر گئے آپ نے اپنے گھوڑے کو پیچھے چھوڑ دیا تا کہ وہ دشمن کے ہاتھ نہ آسکے اور پیادہ لڑتے رہے [1] جب آپ کا داہنا ہاتھ قلم ہوا تو پرچم کو بائیں ہاتھ میں سنبھالا یہاں تک کہ آپ کا بایاں ہاتھ بھی کٹ گیا اس کے بعد آپ نے پرچم کو سینے سے لگا لیا۔ یہاں تک کہ شہادت کی سعادت سے مشرف ہوئے خدا نے ان کے کٹے ہوئے ہاتھوں کے بدلے دو پر عنایت کئے تا کہ وہ فرشتوں کے ساتھ جنّت میں پرواز کریں اس لئے آپ جعفر طیار کے لقب سے ملقب ہوئے۔ [۲]

عبداللہ ابن رواحہ اور زید ابن حارثہ کی شہادت

جناب جعفر کی شہادت کے بعد زید ابن حارثہ نے پرچم اٹھایا اور لشکر کفر پر حملہ کر دیا اور دلیرانہ جنگ کے بعد درجہ شہادت پر فائز ہوئے۔ تیسرے سردار لشکر عبداللہ ابن رواحہ نے پرچم اٹھایا تھوڑی دیر تک سوچتے رہے کہ جنگ جاری رکھی جائے یا نہیں، آخر کار رجز پڑھتے ہوئے سپاہ دشمن پر حملہ آور ہوئے۔

اے نفس، اگر تو ابھی قتل نہیں ہوگا تو بالآخر مر ہی جائے گا۔ کبوتر (فرشتہ) مرگ آن پہنچا ہے۔ جو تیری آرزو تھی اس کا وقت بھی آ گیا ہے۔

اگر ان دونوں (جعفر اور زید) کے راستے پر چلو گے تو نجات پا جاؤ گے۔ یہ رجز پڑھ کر عبداللہ دلیرانہ انداز میں قلب لشکر پر حملہ آور ہوئے ان کی تلوار کافروں کے سروں پر موت کے شعلے برسا رہی تھی۔ آخر کار عبداللہ بھی اپنے رب سے جا ملے اور انہیں اسی انداز میں شہادت نصیب ہوئی جو انہوں نے خداوند عالم سے طلب کی تھی کہ ان کے جسم کو ٹکڑوں بنا دیا جائے۔ [۳]

مجاہدین کی واپسی

عبداللہ ابن رواحہ کی شہادت کے بعد سپاہیوں کی رائے اور پیش کش سے خالد ابن ولید [۴] سردار لشکر بنے۔ خالد نے جنگ کو بے نتیجہ دیکھا اور رات تک تھوڑی بہت پراگندہ طور پر جنگ جاری رکھی، رات کو جب دونوں لشکر جنگ سے رک گئے تو خالد نے لشکر گاہ کے

---

[1] بحار الانوار ج 21 ص 54

[۲] بحار الانوار ج 21 ص 62۔ سیرت ابن ہشام ج 4 ص 20۔

[۳] سیرت ابن ہشام ج 4 ص 21

[۴] خالد ابن ولید اور عمرو ابن عاص دونوں آپس میں دوست اور اسلام کے سخت ترین دشمن تھے مسلمانوں کی پے در پے فتوحات اور عمرۃ القضاء کے موقع پر ان کی شان و شوکت وعظمت دیکھنے کے بعد ان لوگوں نے یہ سمجھ لیا کہ اسلام کی کامیابی اور فتح یقینی ہے۔ اس وجہ سے ان دونوں نے یہ الگ الگ طے کیا کہ مسلمان ہو جائیں۔ لہذا دونوں ایک دوسرے سے الگ اور بے خبر مدینہ کی طرف چلے اور راستہ میں اچانک ایک دوسرے سے مل گئے اور پھر مدینہ میں رسول خدا کی خدمت میں شرفیاب ہوئے اور اسلام قبول کیا۔ (مغازی واقدی ج 2 ص 741-750 ملاحظہ ہو)۔

پیچھے بہت سے سپاہیوں کو بھیجا تا کہ صبح کو خوب شور وغل مچاتے ہوئے لشکر سے آملیں۔صبح شور وغل سنکر رومیوں نے یقین کر لیا کہ مدینہ سے ایک عظیم امدادی لشکر آن پہنچا ہے۔چونکہ رومی مسلمانوں کی تلوار کی طاقت اوران کے جذبہ شہادت کو دیکھ چکے تھے اس لئے جنگ میں پس و پیش کرتے ہوئے حملہ کرنے سے باز رہے اور مسلمانوں کے حملہ کا انتظار کرتے رہے اور جب انہوں نے دیکھا کہ خالد کا حملہ کا کوئی ارادہ نہیں ہے تو عملی طور پر جنگ بندی ہوگئی۔خالد نے عقب نشینی کے ذریعہ مسلمانوں کو دشمن کے دولاکھ جنگجوؤں کے چنگل سے بچالیا۔

اس جنگ کے نتیجہ میں ایک طرف مسلمان رومیوں کے جنگی حربوں اور طریقہ کار سے آگاہ ہوگئے اور دوسری طرف شہادت کے شیدا لشکر اسلام کا رعب ودبدبہ روم کی مغرور فوج کے دلوں میں بیٹھ گیا۔لشکر مدینہ واپس آیا لوگ نہایت برانگیختہ اور غیظ وغضب کے عالم میں تھے اور سپاہی ملول وخاموش،لوگ آگے بڑھے اور خاک اٹھا کر سپاہیوں کے چہروں پر ڈالنے اور شور کرنے لگے کہ اے فراریو تم لوگ خدا کے راستے سے فرار کرتے ہو؟ سپاہی اپنے گھروں میں چلے گئے اور ملامت کے خوف سے ایک مدّت تک گھروں سے باہر نہ نکلے۔یہاں تک کہ نماز جماعت میں بھی نہیں آتے تھے۔پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا یہ لوگ فراری نہیں ہیں اور انشاء اللہ حملہ کرنے والے ہو جائیں گے۔[۱]

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جعفر ابن ابیطالب علیہ السلام کے سوگ میں

مسلمانوں کی کیفیت اور خصوصاً جعفر کی موت سے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بے حد غمگین تھے۔حضرت جعفر کے شہید ہونے پر آپ نے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شدّت کے ساتھ گریہ کیا جعفر کے گھر والوں کو تسلّی دینے کے لئے ان کے گھر تشریف لے گئے اور فرمایا کہ میرے بچے،عون ومحمد اور عبداللہ کہاں ہیں؟ جناب جعفر کی بیوی اسمائ،حضرت جعفر کے بیٹوں کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں لائیں،آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شہید کے بچوں کو پیار کیا،گلے لگایا تو آپؑ کی آنکھوں سے آنسو نکل کر ڈاڑھی پر بہنے لگے۔حضرت جعفر کی بیوی نے پوچھا۔اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے ماں باپ آپؑ پر فدا ہوں،آپؑ میرے بچّوں کو اس طرح پیار کررہے ہیں جیسے کسی یتیم کو پیار کیا جاتا ہے گویا ان کے باپ اس دنیا میں نہیں رہے؟ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا،ہاں وہ قتل کردیئے ئے،پھر فرمایا،اے اسماء ایسا نہ ہو کہ تم اپنی زبان سے کوئی ناروا بات نکالو اور سینہ کوبی کرو میں تمہیں خوشخبری سناتا ہوں،خدا نے جعفر کو دو،پَر عطا کئے ہیں جن سے وہ بہشت میں پرواز کرتے ہیں۔[۲]

جنگ ذات السّلاسل

جمادی الثانی 8ھ ق ستمبر،اکتوبر 629ء

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اطلاع ملی کہ قبائل بلیّ اور قضاعۃ کے کچھ لوگ جمع ہو کر مدینہ پر حملہ کرنے کی فکر میں ہیں۔

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم سے لشکر تیار ہوا اور اس کی سپہ سالاری عمرو بن عاص کے سپرد ہوئی۔اسکی وجہ یہ تھی کہ عمرو کی بڑی ماں (دادی یا نانی) قبیلہ بلیّ سے تھی رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چاہا کہ عمرو بن عاص کو سپہ سالاری دیکر اس گروہ کے دلوں کو اسلام کی طرف مائل کیا جائے۔عمرو بن عاص اور اس کا لشکر دن میں کمین گاہ میں چھپے رہتے اور راتوں کو سفر کرتے جس وقت دشمن کے قریب پہنچے تو پتہ چلا کہ دشمن کی

---

[۱] مغازی واقدی ج2 ص765

[۲] مغازی واقدی ج2 ص767 بحار لاانوار ج21۔ص56-57

تعداد زیادہ ہے۔رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابوعبیدہ جراح کو دوسو افراد کے ایک دستہ کے ساتھ مدد کے لئے بھیجا عمرو بن عاص کے لشکر نے ابوعبیدہ کے امدادی لشکر کے ساتھ قبائل بلی، عذرہ اور بلقین کے تمام رہائشی علاقہ کا دورہ کیا لیکن دشمن پہلے ہی خبر پا کر علاقہ سے بھاگ چکے تھے۔

صرف آخری مقام پر لشکر اسلام اور لشکر کفر کے درمیان ایک گھنٹہ تک ٹکراؤ ہوا جس میں ایک مسلمان زخمی اور دشمن شکست کھا کر فرار کر گئے [۱] [۲]

سوالات

1 خیبر میں لشکر کی کامیابی کے اسباب کیا تھے؟

2 مال غنیمت میں خیانت کے سلسلہ میں ایک واقعہ بیان کیجئے۔

3 فدک کا واقعہ کیا ہے؟

4 عمرۃ القضاء کس مہینہ میں تھا؟

5 روم کی بڑی طاقت سے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سپاہیوں نے کیوں جنگ کی؟

6 روانگی کے وقت عبداللہ ابن رواحہ کیوں رو رہے تھے؟

7 جعفر ابن ابیطالب جعفر طیّار کے نام سے کیوں مشہور ہوئے؟

---

[۱] مغازی واقدی ج 2 ص 769 سے 772۔تاریخ طبری ج 3 ص 33۔32 سے خلاصہ بیان کیا گیا ہے۔

[۲] شیعہ منابع میں یہ واقعہ یوں درج ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ میں سے تین افراد ابوبکر، عمر اور عمرو بن عاص، کو اس سریہ کا امیر مقرر فرمایا۔لیکن وہ لوگ جنگی کامیابی حاصل نہ کر سکے اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چوتھی بار حضرت علی علیہ السلام کو امیر بنا کر لشکر کے ساتھ روانہ فرمایا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علی علیہ السلام اور سپاہیوں کو مسجد احزاب تک رخصت کیا۔حضرت علی علیہ السلام صبح سویرے دشمن پر حملہ آور ہوئے، دشمن ایک گروہ کثیر کے ساتھ حملہ روکنے کے لئے آ گئے لیکن حضرت علی علیہ السلام کی بے امان جنگ و پیکار نے دشمن کے دفاعی حملہ کو ناکام بنا دیا اور دشمن کو شکست دینے کے بعد علی علیہ السلام کامیاب و سرفراز ہو کر مال غنیمت اور اسیران جنگ کے ساتھ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پلٹے پروردگار قہار سورہ والعادیات میں اس واقعہ کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔والعادیات ضَبحاً۔فالموریات قدحاً۔فالمغیرات صبحاً۔فاثرن بہ نقعاً۔فوسطن بہ جمعاً۔

قسم ہے ان گھوڑوں کی جو نتھنوں کو پھلاتے پتّھر پر ٹاپ مار کر چنگاریاں نکالتے ہیں پھر صبح دم حملے کرتے ہیں۔(کفار کے دیار میں وہ) گرد و غبار بلند کرتے اور دشمن کے دل میں گھس جاتے ہیں تفصیلات کے لئے ارشاد شیخ مفید ص 86۔90 مجمع البیان ج 10 ص 528۔بحار الانوار ج 21 ص 76۔77 مناقب ابن شہر آشوب ج 3 ص 140۔142 کی طرف رجوع کریں۔

دسواں سبق

فتح مکہ [۱]

قریش کی عہد شکنی

روانگی کی تاریخ: 10 رمضان المبارک 8ھ (1) بمطابق 6 جنوری 629ء

فتح کی تاریخ: 19 رمضان المبارک 8ھ بمطابق 13 جنوری 629

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس فکر میں تھے کہ مکّہ، یہ خانہ توحید جو مشرکین کے گھیرے میں ہے اس کو آزاد کرادیں لیکن اس راستے میں صلح حدیبیہ رکاوٹ تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہیں چاہتے تھے کہ اس معاہدے کو توڑ کر مکہ فتح کریں کہ جس کی رعایت کا انہوں نے خود کو پابند بنایا تھا۔لیکن جب کسی امّت کا وقت قریب آتا ہے اور مہلت کی مدّت ختم ہوجاتی ہے تو الٰہی قانون کے مطابق ایسے حالات پیدا ہوجاتے ہیں کہ ایک قوم یا گروہ کا خاتمہ ہوجائے اور ان کے مدمقابل کے لئے کامیابی کا راستہ کھل جائے۔موتہ کی جنگ اس بات کا سبب بنی کہ قریش مسلمانوں کو کمزور سمجھنے لگے اور صلح حدیبیہ کا معاہدہ توڑنے کی سوچنے لگے لہٰذا جب رومیوں کے مقابلہ میں مسلمانوں کی شکست کی خبر مکہ پہنچی تو قریش نے اس کو لشکر اسلام کی کمزوری پر حمل کیا اور مسلمانوں کے ہم پیمان اور ہمدرد قبیلوں کو آنکھیں دکھانے لگے۔

صلح حدیبیہ کے معاہدہ کے مطابق کوئی بھی قبیلہ دونوں گروہوں یعنی قریش یا مسلمانوں کے ساتھ معاہدہ کرسکتا تھا۔خزاعہ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اور بنی بکر نے قریش سے معاہدہ کیا 8ھ میں خزاعہ اور بنی بکر کے درمیان جھگڑا ہوا قریش نے اس حملہ میں خزاعہ کے خلاف بنی بکر کی خفیہ طریقہ سے مدد کی، چہرہ پر نقاب ڈال کر ان کے ساتھ مل کر حملہ کیا۔اس حادثہ میں قبیلہ خزاعہ کے کچھ لوگ مظلومانہ طریقہ سے قتل کردیئے گئے اور اس طرح صلح حدیبیہ کا عہد و پیمان ٹوٹ گیا۔کیونکہ قریش رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حلیف قبیلہ کے خلاف جنگ میں کود پڑے تھے۔[۲]

تجدید معاہدہ کی کوشش

ابوسفیان بھانپ گیا کہ یہ گستاخی جواب کے بغیر نہیں رہے گی درحقیقت قریش نے لشکر اسلام کے لئے خود ہی حملہ کا موقعہ فراہم کردیا تھا لہٰذا وہ لوگ فوراً ہی مدینہ پہنچے کہ شاید معاہدہ کی تجدید ہوجائے۔ابوسفیان مدینہ میں اپنی بیٹی، رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زوجہ اُمّ حبیبہ کے گھر پہنچا چونکہ باپ اور بیٹی نے کئی سال سے ایک دوسرے کو نہیں دیکھا تھا۔اس لئے باپ کا خیال تھا کہ بیٹی بڑے اچھے انداز سے استقبال اور پذیرائی کرے گی اور اس طرح وہ اپنے مقصد کو عملی جامہ پہنانے میں کامیاب ہوجائے گا۔لیکن جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر میں وارد ہوا اور چاہا کہ بستر پر بیٹھ جائے تو بیٹی نے بے اعتنائی کے ساتھ بستر کو لپیٹ دیا۔ابوسفیان نے تعجب سے پوچھا کہ تم نے اس کو لپیٹ کیوں دیا۔؟ بیٹی نے جواب دیا کہ آپ مشرک اور نجس ہیں، میں نے یہ مناسب نہیں سمجھا کہ آپ، رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جگہ بیٹھیں۔ابوسفیا

---

[۱] سیرت ابن ہشام ج4 ص31

[۲] اتباع الاسماع ج1 ص357۔سیرت ابن ہشام ج3 ص32۔

ن نے صلح نامہ کی مدّت بڑھانے کے لئے رسول خدا ﷺ سے رجوع کیا آپؐ نے کوئی جواب نہیں دیا اور صرف خاموش رہے۔ ابوسفیان نے بزرگوں میں سے ہر ایک سے وساطت کے لئے رابطہ قائم کیا مگر نفی میں جواب ملا۔ حضرت علی علیہ السلام کی راہنمائی میں ابوسفیان مسجد کی طرف آیا اور یک طرفہ صلح نامہ کی مدّت میں اضافہ کا اعلان کیا پھر غصّے اور مایوسی کے عالم میں بغیر کسی نتیجہ کے مکّہ واپس پلٹ گیا۔[1]

ستم رسیدہ قبیلہ خزاعہ کے افراد نے اپنی صدائے مظلومیت پیغمبر اسلام ﷺ کے کانوں تک پہنچانے کے لئے عمرو ابن سالم کو رسول خدا ﷺ کی خدمت میں بھیجا وہ مدینہ میں وارد ہوا اور سیدھا مسجد کی طرف گیا اور لوگوں کے درمیان کھڑے ہو کر مخصوص انداز سے ایسے دردناک اشعار پڑھے جو قبیلہ خزاعہ کے استغاثہ اور مظلومیت کی حکایت کر رہے تھے اس نے پیغمبر اسلام ﷺ کو خزاعہ کیساتھ کئے جانے والے معاہدے کی قسم دلائی اور فریادرسی کا طلب گار ہوا اس نے کچھ اشعار پڑھے جن کا مطلب یہ تھا۔

اے رسول خدا ﷺ آدھی رات کو ہم جب وَتیرَہ[2] کے کنارے تھے اور ہم میں سے کچھ لوگ رکوع و سجود کی حالت میں تھے تو مشرکین نے ہم پر حملہ کیا، جبکہ ہم مسلمان تھے، انہوں نے ہمارا قتل عام کیا[3]۔ عمرو کے جاں گداز اشعار سے رسول خدا ﷺ کا مہر و محبت سے لبریز دل درد سے تڑپ اٹھا۔ لہٰذا آپؐ نے فرمایا اے عمرو ہم تمہاری مدد کریں گے[4]

لشکر اسلام کی تیاری

رسول خدا ﷺ نے روانگی کا مقصد بتائے بغیر لشکر اسلام کو تیار ہونے کا حکم دیا اور قریبی قبائل اور مدینہ والوں نے لشکر میں شرکت کی۔ مجموعی طور پر دس ہزار جانبازوں نے خود کو روانگی کے لئے تیار کر لیا، کسی کو خبر نہیں تھی کہ اس تیاری کا مقصد کیا ہے؟ اور لشکر کا آخری ہدف کہاں جا کر تمام ہوگا؟ اس لئے کہ کچھ لوگوں کا یہ خیال تھا کہ حدیبیہ کا معاہدہ ابھی تک باقی ہے۔

راستوں کو کنٹرول کرنے کیلئے چیک پوسٹ

رسول خدا ﷺ دشمن کو غافل رکھنے کے لئے نہایت خفیہ طریقہ سے قدم اُٹھا رہے تھے اور بہت باریک بینی سے کام لے رہے تھے اس کام کے لئے ان کے حکم سے مدینہ کے تمام راستوں پر پہرے بیٹھا دیئے گئے تھے اور مشکوک افراد کی رفت و آمد پر کڑی نگاہ رکھی جا رہی تھی کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ قریش کے جاسوس لشکر اسلام کی روانگی سے آگاہ ہو جائیں۔ آنحضرت ﷺ نے دعا کی، خدایا آنکھوں اور خبروں کو قریش سے پوشیدہ کر دے تاکہ ہم اچانک ان کے سروں پر پہنچ جائیں۔[5]

ایک جاسوس کی گرفتاری

---

[1] سیرت ابن ہشام ج4 ص38-39

[2] وتیرہ، مکہ سے جنوب مغرب کی طرف 16 کیلومیٹر کے فاصلہ پر واقع تھا

[3] قبیلہ خزاعہ کے افراد اسلام سے پہلے بنی ہاشم کے ہم پیمان تھے اس لئے کہ عبدالمطلب نے ان سے معاہدہ کیا تھا۔ عمرو ابن سالم جو مدد طلب کرنے کے لئے آیا تو اس نے اسی قدیم معاہدہ کو بنیاد قرار دے کر کہا۔

یاربّ انّی ناشدٌ محمداً حلْفَ ابینا وابیہ الْاَتْلدا (ای القدیم)

انّ قریشاً اخلفوك المَوْعدَا وقتلونا رُکّعاً وَسُجَّداً (سیرت ابن ہشام ج4 ص36)

[4] سیرت ابن ہشام ج4 ص37

[5] سیرت ابن ہشام ج4 ص39

سخت حفاظتی تدابیر کے باوجود، حاطب ابن ابی بلتعہ نامی ایک مسلمان نے اس لالچ میں آ کر کہ اگر اس نے قریش کی کچھ خدمت کردی تو اس کے وابستگان، مکہ میں گزند سے محفوظ رہیں گے اور یہ سمجھ کر کہ رسول خدا صلى الله عليه وآله وسلم شاید مکہ کا ہی قصد رکھتے ہوں، ایک خط قریش کو لکھا تا کہ ان کو خبر کردے اور یہ خط سارہ نامی ایک عورت کے حوالے کیا جو پہلے گانے بجانے والی عورت تھی اور اسے کچھ پیسے بھی دیئے کہ وہ غیر معروف راستہ سے مدینہ سے مکہ جائے اور یہ خط قریش کے سرکردہ افراد تک پہنچا دے۔ جبرئیل امین علیہ السلام نے آکر پیغمبر اسلام صلى الله عليه وآله وسلم کو یہ خبر پہنچا دی اور رسول خدا صلى الله عليه وآله وسلم نے بلا تاخیر علی ابن ابی طالب علیہ السلام کو زبیر کے ساتھ اس عورت کو گرفتار کرنے کے لئے روانہ کیا۔ یہ لوگ نہایت تیزی کے ساتھ مکہ کی طرف چلے اور راستہ میں مقام خُلَیْقَہ میں اس عورت کو گرفتار کر کے اس کے سامان کی تلاشی لی لیکن کوئی خط نہیں ملا ،سارہ نے بھی کسی خط یا کسی خبر کے اپنے ساتھ رکھنے کا شدّت سے انکار کیا۔لیکن علی علیہ السلام نے بہ آواز بلند کہا کہ خدا کی قسم پیغمبر صلى الله عليه وآله وسلم کبھی بھی غلط بات نہیں کہتے لہٰذا جتنی جلدی ہو سکے خط نکال دے ورنہ میں تجھ سے خط نکلوالوں گا عورت نے جب دھمکی کو یقینی سمجھا تو کہنے لگی آپ لوگ ذرا دور ہٹ جائیں میں خط دے رہی ہوں اس وقت اس نے اپنے جوڑے (سر کے بندھے ہوئے بالوں) میں سے ایک خط نکالا اور علی علیہ السلام کے حوالہ کر دیا۔

رسول خدا صلى الله عليه وآله وسلم نے خط لکھنے والے کو طلب کیا اور باز پرس کی اس نے خدا کی قسم کھائی اور کہا کہ اس کے ایمان میں کسی طرح کی تبدیلی نہیں ہوئی ہے لیکن چونکہ میرے بیوی بچّے مشرکین قریش کے ہاتھوں میں اسیر ہیں اس لئے میں نے چاہا کہ اس خبر کے ذریعہ میرے گھر والوں کی تکلیف میں کچھ کمی ہو جائے[1]۔

اس غرض سے کہ ایسا واقعہ پھر نہ دہرایا جائے چند آیتیں نازل ہوئیں ایک آیت میں ارشاد ہوتا ہے۔ اے ایمان والو میرے دشمن اور اپنے دشمن کو دوست نہ بناؤ اور ان کے ساتھ محبت اور دوستی کی پینگیں نہ بڑھاؤ[2]

پیغمبر اسلام صلى الله عليه وآله وسلم نے اس کی جاہلانہ خطا کو معاف کر دیا اور اس کی توبہ قبول کر لی۔ مکّہ کی جانب کہاں جانا ہے اور کس مقصد سے جانا ہے یہ تو معلوم نہ تھا اس کے علاوہ حکم صادر ہونے کے وقت تک یہ بھی معلوم نہ تھا کہ کس وقت جانا ہے۔ رمضان المبارک کی دسویں تاریخ 8ھ ق کو روانگی کا حکم صادر ہوا۔ رسول خدا صلى الله عليه وآله وسلم نے مدینہ کے باہر لشکر اسلام کا معائنہ کیا پھر روانگی کا حکم دیا اور مدینہ سے تھوڑے سے فاصلہ پر (حد ترخّص سے نکلنے کے بعد) پانی مانگ کر روزہ افطار کیا اور سب کو حکم دیا کہ روزہ افطار کرلیں۔ بہت سے لوگوں نے افطار کرلیا لیکن ایک گروہ نے یہ سوچا کہ اگر روزہ کی حالت میں جہاد کریں تو اس کا زیادہ اجر ملے گا۔ رسول اللہ صلى الله عليه وآله وسلم اس گروہ کی حکم عدولی سے ناراض ہوئے اور فرمایا کہ یہ لوگ گنہگار اور سرکش ہیں[3]۔

لشکر اسلام بغیر کسی توقف کے تیزی سے بڑھتا رہا۔ دس ہزار جانبازوں نے مدینہ سے مکہ کا راستہ ایک ہفتہ میں طے کیا اور رات کے وقت مکہ سے 22 کیلومیٹر شمال کی جانب مرّالظہر ان پہنچ کر خیمہ زن ہو گیا۔[4]

دشمن کو ڈرانے کیلئے عظیم جنگی مشق

---

[1] سیرت ابن ہشام ج4 ص40-41

[2] یَآاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّیْ وَعَدُوَّکُمْ اَوْلِیَآءَ تُلْقُوْنَ اِلَیْھِمْ بِالْمَوَدَّةِ ...(ممتحنہ/1)-- سیرۃ ابن ہشام -- ج4 ص41-

[3] مغازی واقدی ج2 ص802

[4] سیرت ابن ہشام ج4 ص42

پیغمبر اسلامﷺ نے مرّ الظہر ان میں حکم دیا کہ دس ہزار کا لشکر پورے میدان میں بکھر جائے اور ہر آدمی آگ جلائے تا کہ لشکر اسلام کی عظمت نمایاں ہو اور مشرکین قریش کے دل میں زیادہ سے زیادہ خوف پیدا ہو اور وہ سمجھ لیں کہ اب اس عظیم لشکر سے مقابلہ کی طاقت ان میں نہیں ہے اور ہر طرح کے مقابلہ سے ناامید ہو جائیں، تا کہ مکہ بغیر کسی خونریزی کے فتح ہو جائے اور حرمت خانہ خدا محفوظ رہ جائے۔ رات کے اندھیرے میں آگ کے شعلے لپک رہے تھے۔ صحرا آگ کا ایک وسیع وعریض خرمن نظر آرہا تھا۔ لشکر اسلام کے ہمہمہ کی آواز دشت میں گونج رہی تھی۔ ابوسفیان، حکیم بن حزام اور بدیل بن ورقائ، دیکھنے اور پتہ لگانے کے لئے مکّہ سے باہر نکلے [1]۔ دوسری جانب عباس ابن عبدالمطلب نے جو مقام جحفہ سے پیغمبر اسلامﷺ کے ہمرکاب تھے۔ دل میں سوچا کہ کیا ہی بہتر ہوا گر طرفین کے فائدہ کے لئے کام کیا جائے تا کہ خونریزی نہ ہو۔ لہٰذا سفید خچّر پر سوار ہو کر مکّہ کی طرف چلے کہ شاید کسی کے ذریعہ لشکر اسلام کے حملہ اور محاصرہ کی خبر قریش کے سر برآوردہ افراد کے کانوں تک پہنچا سکیں اور ان کو دلاوران اسلام کی عظیم طاقت اور بے پناہ جرات وہمت سے آگاہ کر کے ہر طرح کے مقابلہ کی بات سوچنے سے باز رکھیں۔

جناب عباس نے رات کی تاریکی میں ابوسفیان کی آواز سنی وہ کہہ رہا تھا میں نے ابھی تک اتنی زیادہ آگ اور اتنا باعظمت لشکر نہیں دیکھے۔

ابوسفیان کا ساتھی کہہ رہا تھا یہ قبیلہ خزاعہ والے ہیں جو جنگ کے لئے جمع ہوئے ہیں ابوسفیان نے کہا کہ ایسی آگ روشن کرنا اور اس طرح لشکر تشکیل دینا خزاعہ کے بس کی بات نہیں۔ عباس نے ان کی بات کاٹی اور کہا کہ ابوسفیان

ابوسفیان نے عباس کی آواز پہچان لی اور فوراً کہا عباس تم ہو کیا کہہ رہے ہو۔ عباس نے جواب دیا خدا کی قسم یہ آتش رسول خداﷺ کے لشکر نے روشن کی ہے وہ ایک طاقتور اور نہ ہارنے والا لشکر لے کر قریش کی طرف آئے ہیں اور قریش میں ان سے مقابلہ کرنے کی ہرگز طاقت نہیں ہے عباس کی باتوں سے ابوسفیان کے دل میں اور زیادہ خوف پیدا ہوا، خوف کی شدّت سے کانپتے ہوئے اس نے کہا عباس میرے ماں باپ تم پر فدا ہوں بتاؤ میں کیا کروں؟ عباس نے جب دیکھا کہ ان کی بات مؤثر ثابت ہوئی تو فرمایا اب صرف چارہ یہ ہے کہ تم میرے ساتھ رسول خداﷺ کی ملاقات کے لئے آؤ اور ان سے امان طلب کرو ورنہ سارے قریش کی جان خطرہ میں ہے۔

اس کے بعد آپ نے اس کو اپنی سواری پر سوار کیا اور لشکر گاہ اسلام کی طرف لے چلے [2]

مشرکین کا پیشوا، مومنین کے حصار میں

عباس نے ابوسفیان کو سپاہ اسلام کی عظیم لشکر گاہ سے گزارا، سپاہیوں نے عباس اور پیغمبر اسلامﷺ کی مخصوص سواری کو، جس پر عباس سوار تھے، پہچانا اور ان کے گزرنے سے مانع نہیں ہوئے بلکہ ان کے لئے راستہ چھوڑ دیا راستے میں عمر کی نظر ابوسفیان پر پڑی تو انہوں نے چاہا کہ اسی جگہ اس کو قتل کر دیں لیکن چونکہ عباس نے اسے امان دی تھی اس لئے وہ اپنے ارادہ سے باز رہے یہاں تک کہ عباس اور ابوسفیان رسول خداﷺ کے خیمہ کے پاس پہنچ کر سواری سے اترے۔ عباس اجازت لینے کے بعد پیغمبر اسلامﷺ کے خیمہ میں آئے۔ پیغمبرﷺ کے سامنے عباس اور عمر میں کچھ لفظی جھڑپ ہوئی، عمر یہ اصرار کر رہے تھے کہ ابوسفیان دشمن خدا ہے اور اس کو اسی وقت

[1] مغازی واقدی ج2 ص814

[2] سیرت ابن ہشام ج4 ص44-45

قتل ہونا چاہئے لیکن عباس کہہ رہے تھے کہ میں نے اسے امان دی ہے۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا کہ ابوسفیان کو ایک خیمہ میں رکھا جائے اور صبح کو آپؐ کے پاس لایا جائے۔ صبح سویرے عباس، ابوسفیان کو پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حضور میں لائے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نظر ابوسفیان پر پڑی تو آپؐ نے فرمایا کیا ابھی وہ وقت نہیں آیا ہے کہ تو یہ سمجھے کہ خدائے یکتا کے سوا اور کوئی خدا نہیں ہے؟ ابوسفیان نے جواب دیا میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں، آپؐ کتنے بردبار، کریم اور وابستگان کے اوپر مہربان ہیں،۔ میں نے اب سمجھ لیا کہ اگر خدائے واحد کے علاوہ کوئی اور خدا ہوتا تو ہماری مدد کرتا۔

جب اس نے خدا کے یگانہ ہونے کا اعتراف کرلیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ کیا ابھی وہ وقت نہیں آیا ہے کہ تم جانو کہ میں خدا کا پیغمبر ہوں۔ ابوسفیان نے کہا مجھے آپ کی رسالت میں تردد ہے عباس تردد سے ناراض ہوئے اور اس سے کہا اگر تم اسلام قبول نہیں کروگے تو تمہاری جان خطرہ میں ہے۔ ابوسفیان نے خدا کی یگانگی اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت کی گواہی دی۔[1] اور بظاہر مسلمانوں کی صف میں داخل ہوگیا۔ اگرچہ کبھی بھی حقیقی مومن نہیں ہوا

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جانتے تھے کہ ابوسفیان کو ابھی رہا کرنے کا وقت نہیں ہے۔ ہوسکتا ہے کہ وہ مکّہ جا کر کوئی سازش کرے اس لئے مناسب ہے کہ وہ اسلام کی طاقت کا بخوبی مشاہدہ کرلے اور فتح مکّہ کے سلسلے میں سپاہ اسلام کے ارادہ کو مکمل طور پر محسوس کرلے اور اس خبر کو تمام مشرکین قریش تک پہنچادے تاکہ تمام سرکردہ افراد مقابلہ کا خیال اپنے دل سے نکال دیں اس وجہ سے ابوسفیان کو ایک درّہ میں کھڑا کیا گیا، سپاہ اسلام اسلحہ میں غرق منظم دستوں کی صورت میں اس کے سامنے سے گزرنے لگی، جنگی مشق کے دوران مجاہدین اسلام کی تکبیر کی آواز کوہ ودشت مکہ میں گونج اٹھتی اور مجاہدین کے دل وفور شوق سے لبریز ہوجاتے تھے۔ لشکر اسلام کے مسلح دستوں کی عظمت نے ابوسفیان کو اتنا ہراساں کردیا کہ اس نے بے اختیار عباس کی طرف مخاطب ہوکر کہا کوئی بھی طاقت ان لشکروں کا مقابلہ نہیں کرسکتی سچ مچ تمہارے بھتیجے نے بڑی زبردست سلطنت حاصل کرلی ہے۔ عباس نے غصّہ میں کہا یہ سلطنت نہیں بلکہ خداوند عالم کی طرف سے نبوت ورسالت ہے۔[2]

عباس نے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ابوسفیان جاہ پرست آدمی ہے اس کو کوئی مقام عطا فرمائیں۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ابوسفیان لوگوں کو اطمینان دلاسکتا ہے کہ جو کوئی اس کی پناہ میں آجائے گا امان پائے گا۔ جو شخص اپنا ہتھیار زمین پر رکھ کر اس کے گھر میں چلا جائے اور دروازہ بند کرلے یا مسجد الحرام میں پناہ لے لے وہ سپاہ اسلام سے محفوظ رہے گا۔[3]

مکہ میں نفسیاتی جنگ

ابوسفیان مکمل طور پر حواس باختہ اور لشکر اسلام کی جنگی طاقت سے ہراساں تھا رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مصلحت اسی میں سمجھی کہ اس کو رہا کردیں۔ تاکہ وہ اپنی قوم میں جاکر ان کے حوصلوں کو متزلزل کرے یہ وہی مقصد تھا جو پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چاہتے تھے ابوسفیان نے اس کام کو بخوبی انجام دیا۔ اس نے مکہ میں نفسیاتی دباؤ بڑھا کر قریشیوں کو ہراساں کرنے اور بغیر خونریزی کے ہتھیار ڈال دینے میں بڑا اہم

---

[1] سیرت ابن ہشام ج4 ص45-46

[2] سیرت ابن ہشام ج4 ص46-47

[3] سیرت ابن ہشام ج4 ص46

کردارادا کیا۔[1]

شہر کا محاصرہ

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سپاہیوں کو چار دستوں میں تقسیم فرمایا اور ہر دستہ کو ایک سمت سے شہر کے اندر روانہ کیا۔اور فوج کے کمانڈروں کوحکم دیا کہ جوتم سے لڑے (صرف اسی سے لڑنا) اس کے علاوہ کسی سے جنگ نہ کرنا۔ چنانچہ آپؐ نے صرف چند مفسدین کوجن کی خیانت کی سزا موت سے کم نہ تھی مستثنی رکھا (اوران سے جنگ کاحکم دیا)۔[2]

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چاروں طرف سے شہر کے محاصرہ کی ترکیب اپنا کر مشرکین کے فرار کو ناممکن بنادیا اوران کے لئے صرف ایک ہی راستہ باقی چھوڑا کہ ہتھیار ڈال دیں

ایک فوجی دستہ کے ساتھ مشرکین کی جھڑپ

لشکر اسلام کے شہر میں داخل ہوتے وقت مشرکین متعرض نہیں ہوئے۔صرف قریش کا ایک افراطی گروہ صفوان ابن امیّہ ابن خلف اورعکرمۃ بن ابی جہل کی رہبری میں خالد ابن ولید والے دستہ سے ٹکرا گیا۔اس جھڑپ میں دشمن کے 28۔افراد نہایت ذلت سے مارے گئے اور باقی لوگ مکہ سے بھاگ گئے۔[3]

سوالات

1 قریش نے صلح حدیبیہ کے معاہدہ کی خلاف ورزی کس طرح کی؟

2 اپنی عہد شکنی پر قریش کا ردعمل کیا رہا؟

3 جاسوس جال میں کیسے پھنسا؟

4 فتح مکہ میں کون سے ترکیبیں استعمال کی گئیں؟

---

[1] پیامبر وآئین نبرد جنرل طلاس ص462

[2] سیرت ابن ہشام ج4 ص48۔51 مغازی واقدی ج2 ص825

[3] سیرت ابن ہشام ج4 ص49۔مغازی واقدی ج2 ص825

گیارھواں سبق

شہر مکہ میں داخلہ

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لشکر اسلام کے ساتھ فاتحانہ انداز میں شہر مکّہ میں داخل ہوئے آپ کے چہرہ اقدس پر ایسا رعب و دبدبہ اور ہیبت وجلال تجلی ریز تھا جو تعریف کی حد سے باہر ہے۔اسلام کو بہت بڑی فتح نصیب ہوئی تھی آپ اہل مکہ کے گھروں میں نہیں گئے آپؐ نے اپنے جان نثار اور مہربان چچا ابوطالب علیہ السلام کے مزار کے پاس مقام حَجون میں خیمہ لگا یا گیا۔رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کچھ دیر تک خیمہ میں آرام فرماتے رہے پھر غسل کے بعد جنگی لباس پہن کر مرکب پر سوار ہوئے مجاہدین بھی تیار ہو گئے اور پھر سب مسجد الحرام کی طرف روانہ ہوئے۔جب آپؐ کی نگاہ کعبہ پر پڑی تو آگے بڑھے اور حجر اسود کو استلام کیا[1] حالانکہ آپؐ مرکب پر سوار تھے۔اسی حالت میں تکبیر کہتے جاتے تھے اور لشکر اسلام آپؐ کے جواب میں صدائے تکبیر بلند کرتا جاتا تھا۔[2] حق آیا اور باطل ختم ہو گیا اور باطل تو ختم ہونے والا ہی تھا۔ [3]

صدائے اتحاد

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کعبہ کی کنجی عثمان ابن طلحہ سے لی اور دروازہ کھول دیا۔تمام مسلمانوں نے مل کر دعائے وحدت پڑھی۔

لا الہ الا اللہ وَحدَہٗ لا شَریکَ لَہٗ، صدق وَعْدَہٗ، ونصر عبدہٗ وھزم الاحزاب وحدہ[4]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کعبہ کے اندر تشریف لے گئے اور جناب ابراہیم علیہ السلام اور دوسرے افراد کی جو تصویریں مشرکین نے بنا رکھی تھیں ان کو دیوار کعبہ سے مٹا دیا اور اسی حالت میں فرمایا خدا ان لوگوں کو قتل کرے جو ان چیزوں کی تصویریں بناتے ہیں جن کو انہوں نے پیدا نہیں کیا[5]

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور بتوں کو توڑنے کے لئے ان کے کاندھے پر سوار حضرت علی نے تمام بتوں کو توڑ ڈالا اور خانہ توحید کو تمام کفر وشرک کی علامتوں سے پاک کر دیا۔[6] اس کے بعد آپؐ نے لوگوں کے سامنے جن کی آنکھیں فرمان پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی منتظر تھیں مندرجہ ذیل خطبہ ارشاد فرمایا۔

اس خدا کی تعریف جس نے اپنا وعدہ سچ کر دکھایا اور اپنے بندہ کی مدد کی، جس نے تنہا، احزاب (گروہوں) کو شکست دی، تم کیا کہتے ہو اور کیا تصوّر کرتے ہو؟ مکہ والوں نے کہا کہ خیر و نیکی اور نیکی کے سوا ہمیں اور کوئی گمان نہیں ہے کہ آپؐ بزرگوار بھائی اور صاحب

---

[1] استلام یعنی حجر اسود پر ہاتھ پھیرنا۔
[2] امتاع الاسماع ج1 ص378 مطبوعہ قاہرہ۔
[3] جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ۖ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا ﴿٨١﴾ (بنی اسرائیل/81)۔
[4] سیرت ابن ہشام ج4 ص54
[5] مغازی واقدی ج2 ص834
[6] اعیان الشیعہ ج1 ص358

اکرام بھتیجے ہیں۔رسول خداصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میں وہی بات کہتا ہوں جو ہمارے بھائی یوسف نے کہی تھی: **قال لا تثریب علیکم الیوم یغفر اللہ لکم و ھو ارحم الراحمین** [1] آج تمہارے اوپر کوئی ملامت نہیں ہے خدا تم کو بخش دے وہ رحم کرنے والوں میں سب سے زیادہ مہربان ہے۔

اس کے بعد آپؐ نے فرمایا کہ ہر وہ ربا (سود) جو جاہلیت میں معمول بن گیا تھا اور ہر وہ خون اور مال جو تمہاری گردن پر تھا اور فضول فخر ومباہات، پامال اور ختم کردیئے گئے ہیں۔لیکن کعبہ کی نگہبانی، پردہ داری، کلید برداری اور حاجیوں کو سیراب کرنے کا افتخار باقی ہے۔جو لوگ تازیانہ یا غلطی وخطا سے قتل کردیئے جائیں ان کے لئے سوا یسی اونٹنیاں دیت کے طور پر دی جائیں جن میں چالیس اونٹنیاں حاملہ ہوں۔خدا نے جاہلیت کے کبر وغرور اور آباؤاجداد پر افتخار کو ختم کردیا تم آدم علیہ السلام کی اولاد ہو اور آدم علیہ السلام مٹی سے پیدا کئے گئے ہیں اور تم میں سب سے زیادہ خدا کے نزدیک قابل عزت وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ پرہیز گار ہے۔بے شک خدا نے مکّہ کو زمین وآسمان کی پیدائش کے وقت حرم امن قرار دیا ہے اور اللہ کی عطا کی ہوئی حرمت کی بنا پر یہ ہمیشہ حرم الٰہی رہے گا۔

ہم سے پہلے اور ہمارے بعد کسی کے لئے بھی اس کی حرمت پامال کرنا نہ جائز تھا اور نہ جائز ہے۔اور میرے لئے بھی اس کی حرمت صرف ایک دن تھوڑی دیر کے لئے اٹھائی گئی (اور آپؐ نے اپنے ہاتھ سے تھوڑی مدّت کی طرف اشارہ فرمایا) مکہ کے جانوروں کا نہ شکار اور نہ ان کو مکہ سے ہنکانا چاہیئے ہاں کے درختوں کو کاٹنا نہیں چاہیئے وراس سرزمین پر پڑی ہوئی گم شدہ چیز کو اٹھانا جائز نہیں ہے۔مگر اس کے لئے جو اعلان کرنے کا ارادہ رکھتا ہو۔اور مکّہ کے سبزے کو اکھاڑنا بھی جائز نہیں ہے۔عباس نے کہا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سوائے اذخر [2] کے پودوں کے کہ قبروں اور گھروں کو صاف کرنے کے لئے جس کو اکھاڑ پھینکنے کے علاوہ کوئی چارہ ہی نہیں ہے۔رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھوڑی دیر تک چپ رہے پھر فرمایا سوائے اذخر کے کہ اس کا اکھاڑنا حلال ہے۔وارث کے بارے میں وصیت صحیح نہیں ہے...اور کسی عورت کے لئے حلال نہیں ہے کہ وہ اپنے شوہر کی دولت سے اجازت کے بغیر بخشش وعطا کرے۔مسلمان، مسلمان کا بھائی ہے اور تمام مسلمان آپس میں بھائی ہیں، مسلمانوں کو چاہیئے ہ دشمن کے مقابل متحد اور ہم آہنگ رہیں، ان کا خون محفوظ رہے، ان میں دور ونزدیک سب برابر ہیں۔جنگ میں ناتوان اور توانا برابر مال غنیمت سے بہرہ مند ہوا۔لشکر کے میمنہ اور میسرہ میں شرکت کوئی معیار نہیں، مسلمان کافر کے خون کے بدلے قتل نہیں کیا جائے گا اور کوئی صاحب پیمان، معاہدہ میں قتل نہیں کیا جائے گا۔دو مختلف دین رکھنے والے ایک دوسرے کی میراث نہیں پائیں گے۔مسلمان اپنے علاقہ والوں کو ہی صدقات وزکوۃ دیں گے دوسری جگہ والوں کو نہیں، عورت اپنی پھوپھی اور خالہ کی سوتن نہ بنے، مدعی کو دلیل اور شاہد پیش کرنا چاہیئے ورمنکر کے ذمّہ قسم ہے۔

کوئی عورت بغیر محرم کے ایسے سفر پر نہ جائے جس کی مدّت تین روز سے زیادہ ہو۔عید الفطر اور عید قربان کے روزں سے منع کرتا ہوں۔اور ایسا لباس پہننے سے منع کرتا ہوں جس سے تمہاری شرمگاہ کھلی رہے یا ایسا لباس پہننے سے منع کرتا ہوں کہ جس سے تمہاری شرمگاہ کھلی رہے یا ایسا لباس پہنتے سے منع کرتا ہوں کہ جب تمہارے لباس کا کنارہ ہٹ جائے تو تمہاری شرمگاہ نظر آنے لگے۔مجھے امید ہے کہ تم نے یہ

---

[1] (سورہ یوسف/92)۔

[2] اذخر ایک خوشبودار گھاس ہے جو اطراف مکہ میں اگتی ہے۔

سارے مطالب سمجھ لئے ہوں گے۔[۱]

اذان بلال

ظہر کا وقت آن پہنچا، رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بلال کو حکم دیا کہ کعبہ کی چھت پر جا کر اذان دیں جس وقت بلال بلند آواز میں اشہد انّ محمداً رسول اللہ پر پہنچے تو گھروں میں خوفزدہ دبکے ہوئے مشرکین کے سرکردہ افراد نے باتیں بنائیں اور توہین آمیز جملے کہے۔ ابوسفیان نے کہا لیکن میں کچھ نہیں کہتا اس لئے کہ اگر میں کوئی بات کہوں گا تو یہی ریت کے ذرّے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خبر پہنچا دیں گے اور ہر ایک کی بات آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچ جائے گی۔[۲]

بت شکن، بت پرست

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان بت پرستوں سے بیعت لی جو اب مسلمان ہو گئے تھے اور عورتوں کے لئے بھی پانی کا ایک برتن لایا گیا اور اس میں تھوڑا سا عطر ملایا گیا۔ عورتوں نے اپنے ہاتھ بیعت کی غرض سے پانی کے اندر ڈالے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے یہ عہد و پیمان لیا کہ وہ شرک، زنا اور چوری نہ کریں...

پھر رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سب کو حکم دیا کہ جو بت ان کے پاس ہیں ان کو توڑ ڈالیں یہاں تک کہ آپؐ نے بڑے بڑے مشرکین کو بتوں کے توڑنے کے لئے قرب و جوار میں بھیجا۔ یہ لوگ بتوں پر اعتقاد رکھتے تھے اور اپنے مفادات کے لئے بتوں کی حمایت کرتے تھے اب خود ہی بت شکنی میں مصروف ہو گئے۔

آزاد شدہ شہر مکہ کے لئے والی اور معلم دین کا تقرر

مشرک قبیلے ہوازن اور ثقیف کی سازشوں کی خفیہ خبریں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچ چکی تھیں۔ اب ان کے علاقوں میں پہنچ کر سازشوں کو کچل دینا پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے ضروری تھا۔ آپؐ نے بیس سالہ لائق اور مدبّر جوان عتاب بن اسید کو شہر مکہ کا والی بنایا[۳] اور معاذ ابن جبل کو جو معارف اسلام سے واقف فقیہ تھے، تبلیغ اسلام اور مکہ والوں کو احکام دین سے آشنا کرنے کے لئے معلّم کے عنوان سے معیّن فرمایا۔[۴] فتح مکہ کے سلسلہ میں سورہ نصر نازل ہوا۔[۵]

اسلام کے نام پر خونریزی اور جرائم

فتح مکہ کے بعد رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خالد بن ولید کو بت شکنی اور تبلیغ اسلام کے لئے 350، مہاجرین و انصار کے ساتھ قبیلہ بنی جذیمہ کی طرف بھیجا۔ خالد نے وہاں پہنچنے کے بعد بنی جذیمہ کو کسی قسم کا حملہ نہ کرنے کا یقین دلا کر غیر مسلح کر دیا اور پھر زمانہ جاہلیت میں بنی جذیمہ کے ہاتھوں قتل ہو جانے والے چچا کا بدلہ لینے کے لئے فرمان رسول خدا کی مخالفت کرتے ہوئے ان کو اسیر بنا لیا اور پھر قتل کا حکم

[۱] مغازی واقدی ج2 ص836۔

[۲] سیرت ابن ہشام ج4 ص56۔ طبقات ابن سعد ج2 ص137۔

[۳] سیرت ابن ہشام ج4 ص83

[۴] مغازی واقدی ج3 ص889

[۵] مغازی واقدی ج3 ص88۔

دیدیا۔مہاجرین وانصار نے خالد بن ولید کے حکم پر عمل کئے بغیر اسیروں کو آزاد کردیا جبکہ خالد کے قبیلہ، بنی سلیم نے بعض اسیروں کو قتل کرڈالا اوراس طرح کچھ بے گناہوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ جب یہ خبر رسول خداصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچی تو آپؐ نے فرمایا خدایا خالد نے جو کیا ہے اس کے لئے میں تیری بارگاہ میں بیزاری کا اظہار کرتا ہوں۔ پھر آپؐ نے حضرت علی علیہ السلام کو معین فرمایا کہ مقتولین کا خون بہا اور ستم رسیدہ افراد کو ہرجانہ ادا کریں جو مال رسول خداصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دیا تھا حضرت علی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسے اپنے ساتھ لے کر بنی جذیمہ کے پاس پہنچے ،مقتولین کا خوں بہا اور نقصانات کا ہرجانہ ادا کیا۔ یہاں تک کہ لکڑی کے اس برتن کا بھی حساب ہوا جس میں کتّا پانی پیتا تھا جب آپ اس بات سے مطمئن ہوگئے کہ اب کوئی خون بہا اور ہرجانہ باقی نہیں رہا تو جو مال باقی بچا تھا اس کو بھی آپؐ نے ان کے درمیان تقسیم کردیا تاکہ مصیبت زدہ افراد رسول خداصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے راضی ہوجائیں۔[۱]

حضرت علی علیہ السلام واپس پلٹے تو اپنے کام کی رپورٹ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پیش کی آپؐ نے فرمایا میرے ماں باپ فدا ہوں تم نے بڑا عمدہ کام کیا۔تم نے جو کیا وہ میری نظر میں سرخ بالوں والے اونٹ رکھنے سے بہتر ہے۔[۲]

جنگ حنین

5/ شوال 8ھ بمطابق 29 جنوری 629ء بروز جمعۃ المبارک

مشرکین کے اہم مرکز مکہ کی فتح نے اطراف مکہ کے مشرک قبیلوں کے دلوں میں شدید رعب و وحشت پیدا کردیا۔ان قبیلوں نے تحریک اسلام کی موج کو روکنے کے لئے ارادہ کیا کہ تمام قبائل کے اتحاد اور وحدت سے ایک وسیع منصوبہ کے تحت غفلت کے عالم میں مسلمانوں کے حملہ سے پہلے ہی حملہ کردیا جائے۔ ہوازن ،ثقیف ،نضر ،سعد اور چند دوسرے قبیلوں نے مل کر اسلام کے خلاف ایک مشترکہ محاذ بنایا اور قبیلہ ہوازن کے دلیر اور شجاع سردار مالک بن عوف کو لشکر کا سپہ سالار چنا گیا۔[۳]

دشمن کی سازش سے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آگاہی

جنگی محاذ کی تشکیل اور دشمن کی سازشوں کی خبر رسول خداصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کانوں تک پہنچی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سراغرساں دستہ کے ایک آدمی کو دشمن کے جنگی راز حاصل کرنے کے لئے متحدہ قبائل کے درمیان بھیجا۔پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرستادہ دشمن کے لشکر میں گھس کر ان کے منصوبوں اور خفیہ جنگی ارادوں سے باخبر ہوگیا اور لشکر کا تجزیہ کرنے کے بعد مکّہ واپس آیا اور جو کچھ دیکھا اور سنا تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں بیان کردیا۔[۴]

حنین کی طرف روانگی

دشمن کے حالات سے مکمل آگاہی کے بعد رسول خداصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم 12 ہزار سپاہیوں کے ہمراہ دس ہزار فتح مکہ میں شرکت کرنے والے

---

[۱] تاریخ یعقوبی ج 2 ص 61۔سیرت ابن ہشام ج 4 ص 70،73۔مغازی واقدی ج 3 ص 875 سے 882۔طبقات ابن سعد ج 2 ص 147۔

[۲] تاریخ یعقوبی ج 2 ص 61

[۳] سیرت ابن ہشام ج 4 ص 82

[۴] سیرت ابن ہشام ج 4 ص 82

مہاجرین وانصار اور دو ہزار ان دلیران مکہ کے ساتھ جو اسلامی تحریک سے آملے تھے مکّہ سے دشمن کی طرف روانہ ہوئے۔[1] یہ لشکر جزیرۃ العرب کی تاریخ میں بے نظیر تھا ساتھیوں میں سے ایک شخص نے سفر کی ابتدا میں جب جاں بازوں کی کثرت اور لشکر اسلام کے جنگی ساز و سامان کو دیکھا تو کہا کہ اب مسلمان، سپاہ کی کمی کی بنا پر مغلوب نہیں ہوں گے[2] وہ اس بات سے غافل تھا کہ صرف افراد اور ساز و سامان ہی کامیابی کا سبب نہیں ہوتے۔

دشمن کی اطلاعات اور تیاری

دشمن کے لشکر کے سپہ سالار مالک بن عوف نے تین آدمیوں کو جاسوسی اور لشکر اسلام کا تجزیہ کرنے کے لئے بھیجا وہ لوگ لشکر اسلام کو دیکھنے اور اس کی عظمت و ہیبت کا مشاہدہ کرنے کے بعد وحشت زدہ ہو کر واپس گئے اور لشکر اسلام کی عظیم طاقت کی خبر سپہ سالار کو پہنچائی۔ اس خبر سے مالک کو احساس ہو گیا کہ آمنے سامنے کی جنگ میں اس کا لشکر، لشکر اسلام کا مقابلہ نہیں کر سکے گا۔ لہٰذا اس نے اپنے آدمیوں کو حکم دیا کہ حنین کی بلندیوں پر جنگی اعتبار سے مناسب جگہوں، پتھروں کے پیچھے اور پہاڑ کی بلندیوں پر مورچہ سنبھال لیں اور اس تنگ جگہ پر لشکر اسلام کے آتے ہی یکبارگی حملہ کر دیں۔ جنگجو افراد کو جنگ میں زیادہ استقامت کرنے پر مجبور کرنے کے لئے اس نے حکم دیا کہ عورتوں، بچوں، چوپایوں اور دیگر اموال کو بھی اپنے ساتھ لے لیں تاکہ ان (مال وغیرہ) کے دفاع کی زیادہ کوشش کریں۔[3]

درہ حنین میں

مکہ سے 28 کیلومیٹر شرق میں واقع درّہ حنین کے نزدیک لشکر اسلام منگل کی رات 10/ شوال 8ھ کو پہنچ گیا۔ رسول اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کے مطابق لشکر اسلام رات کو سو گیا اور صبح سویرے خالد ابن ولید کی کمان میں لشکر کا ہراول دستہ تیار کر کے آگے بھیج دیا گیا۔ خالد مکہ کے شمال مشرق میں 12 کیلومیٹر دور مقام جعرانہ تک بڑھے۔ 10 شوال کی صبح، دونوں لشکر آپس میں ملے اور درّہ حنین میں داخل ہو گئے۔[4]

فرار

دشمن، لشکر اسلام کے لئے آمادہ اور منتظر تھا لہٰذا یکبارگی مسلمانوں پر ٹوٹ پڑا، صبح کی تاریکی ان کی مددگار اور سنگلاخ چٹانیں پناہ گاہ تھیں۔ ان پناہ گاہوں سے لشکر اسلام پر تیر بارانی ہو رہی تھی اور گھوڑے بدک رہے تھے۔ مسلمان فوج بھاگنے لگی، سب سے پہلے بنی سلیم کے سواروں نے جو خالد کی کمان میں تھے فرار کو قرار پر ترجیح دی اس کے بعد دو ہزار مکّی بھاگنے والوں کے ساتھ ہو گئے پھر تو باقی افراد بھی بھاگنے لگے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس صرف دس آدمی رہ گئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دشمن کے نرغے میں گھرے نہایت دلیری سے مقابلہ کر رہے تھے اور اردگرد جو لوگ تھے وہ مردانہ وار جنگ میں مصروف تھے۔ اس مقابلہ میں ایمن نامی لشکر اسلام کا سپاہی، اپنے رہبر اور مقصد کا دفاع کرتے ہوئے خاک وخون میں غلطاں ہو کر شہادت پر فائز ہو گیا۔[5]

---

[1] سیرت ابن ہشام ج4 ص83

[2] مغازی واقدی ج3 ص889

[3] مغازی واقدی ج3 ص888۔ سیرت ابن ہشام ج4 ص81۔

[4] مغازی واقدی ج3 ص89

[5] سیرت ابن ہشام ج4 ص85-86

واپسی، مقابلہ، کامیابی

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس حساس موقع پر مخصوص انداز سے متفرق اور بھاگے ہوئے لشکر کو جمع کیا جب آپؐ نے لشکر کو فرار کرتے ہوئے دیکھا تو فرمایا لوگو کہاں بھاگے جا رہے ہو؟ اس کے بعد پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے چچا عباس سے جن کی آواز بلند تھی کہا آواز دیں کہ اے گروہ انصار اے اصحاب بیعت رضوان، پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف پلٹ آؤ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی استقامت و پائیداری اور عباس کی آواز سے مسلمان ہوش میں آگئے اور ایک کے بعد ایک پلٹ آئے۔ مقابلہ کرنے والے لشکر کی تعداد سو تک پہنچ گئی اور بہادروں کی زبردست جنگ شروع ہوئی جنگ کی تپش میں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اب جنگ کا تنور دہک اٹھا ہے۔ میدان رزم و پیکار کے شجاع ترین بہادر حضرت علی علیہ السلام شروع ہی سے شمع نبوت کے اردگرد پروانہ وار چکر لگاتے ہوئے، جان کی بازی لگا کر پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دفاع کر رہے تھے۔ اس عرصہ میں آپ نے بنی ہوازن کے 40 جیالوں کو جہنم رسید کیا۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دشمن کے ناگہانی حملہ کے خلاف اپنی حکیمانہ اور دقیق رہبری کے ذریعہ ایک نئے طریقہ کار کا انتخاب فرمایا آپؐ بہ نفس نفیس رجز پڑھتے اور ایسی شجاعت کے ساتھ دشمن سے مقابلہ کرتے جو تعریف سے باہر ہے۔ دشمن اپنی فتح کو بچانے کی کوشش کر رہے تھے لیکن لحظہ بہ لحظہ کمزور ہوتے جا رہے تھے اور سامنے لشکر اسلام کی تعداد ہر لحظہ بڑھتی جا رہی تھی۔

آخر کار دشمن کا دفاعی حصار ٹوٹ گیا، مال وزن اور اولاد کی محبت، دشمن کی پائیداری کے لئے مضبوط سہارا نہ بن سکی۔ لشکر اسلام کے واپس پلٹ آنے اور شجاعانہ جنگ کی بدولت نیز دن کی روشنی پھیلتے ہی دشمن کی شکست کے آثار نمایاں ہوئے اور اسلام کو کامیابی ملی [۱] ۔ دشمن چھ ہزار اسیر اور بہت زیادہ مال غنیمت جو چوبیس ہزار اونٹوں چالیس ہزار گوسفند اور تقریباً آٹھ سو پچاس کلوگرام چاندی پر مشتمل تھا چھوڑ کر میدان جنگ سے بھاگ گئے۔ [۲]

عورتوں اور بوڑھوں کو قتل نہ کرو

جنگ کی آگ بھڑک رہی تھی تو اس وقت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک عورت کی لاش کے پاس سے گزرے لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بتایا کہ یہ وہ عورت ہے جس کو خالد بن ولید نے قتل کیا ہے۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجاہدین میں سے ایک شخص کے ذریعہ حکم بھیجا کہ خالد کے پاس پہنچ کر کہو کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمہیں عورتوں اور بوڑھوں کو قتل کرنے سے منع فرما رہے ہیں۔ [۳]

چند قدم آگے بڑھ کر آپ نے ایک دوسری عورت کی لاش دیکھ کر فرمایا۔ اس کو کس نے قتل کیا ہے؟ ایک شخص نے آگے بڑھ کر کہا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں نے اسے قتل کیا ہے میں نے اس کو اپنی سواری کی پشت پر بٹھایا تھا اس نے مجھے مار ڈالنا چاہا تو میں نے اس کو قتل کر دیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ اس کو سپرد خاک کر دو۔ [۴]

دشمن کے فرار کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا کہ تمام مال غنیمت بدَیل بن وَرْقاء کی نگرانی میں مقام جعرّانہ میں جمع کیا

---

[۱] سیرت ابن ہشام ج4 ص87-88۔ ارشاد شیخ مفید ص74

[۲] تاریخ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ڈاکٹر آیتی مرحوم ص552

[۳] سیرت ابن ہشام ج4 ص100۔ مغازی واقدی ج3 ص912

[۴] مغازی واقدی ج3 ص912

جائے اور لشکر کے چند دستے مشرکین کے تعاقب میں جائیں جو مقام نخلہ اور اوطاس کی طرف بھاگ گئے تھے۔تعاقب کرنے والے دستے دشمن کو مکمل شکست دیکر اپنے مرکز پر پلٹ آئے۔

آغاز جنگ میں مسلمانوں کی شکست کا تجزیہ

1 غرور، کثرت اور جنگی ساز وسامان پر اعتماد اور نتیجہ میں خودفریبی اور غیبی امداد سے غفلت آغاز جنگ میں مسلمانوں کی شکست و فرار کے اہم اسباب تھے۔

جیسا کہ خداوند عالم قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے۔

خدا نے بہت سے جگہوں پر تمہاری مدد کی من جملہ جنگ حنین میں تمہاری مدد کی، اس وقت جب تمہیں تمہاری کثرت نے تعجب میں ڈال دیا۔لیکن اس نے ذرا سا بھی فائدہ نہیں پہنچایا اور زمین اپنی تمام وسعتوں کے باوجود تم پر تنگ ہوگئی پھر تم روگرداں ہوکر بھاگ گئے پھر خدا نے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مومنین پر سکینہ (اطمینان) نازل کیا اور ایسا لشکر نازل کیا جس کو تم دیکھتے نہ تھے اور کافروں کو ذلت وعذاب میں ڈال دیا۔[1]

2 دوسرا سبب، لشکر اسلام میں ابوسفیان وغیرہ ایسے منافقین کا وجود تھا جو دشمن کے پہلے ہی حملہ سے بھاگ کھڑے ہوئے اور نتیجہ میں دوسرے سپاہیوں کے حوصلوں کی کمزوری کا سبب بنے اور وہ لوگ بھی بھاگ گئے۔

3 شب کی تاریکی اور جغرافیائی حالات بھی دشمن کے لئے معاون ثابت ہوئے۔

سوالات

1 فتح مکہ کے موقع پر رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تاریخی تقریر کا کچھ حصہ بیان کیجئے۔

2 رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فتح مکہ کے بعد اہل مکہ کے ساتھ کیا سلوک کیا؟

3 خالد بن ولید بنی جذیمہ کے ساتھ مجرمانہ سلوک کا مرتکب کیوں ہوا؟

4 مسلمانوں کے ساتھ، قبیلہ ہوازن اور ثقیف کے لڑنے کا محرک کیا تھا؟

5 دشمن کے ارادوں سے لشکر اسلام کیوں کر آگاہ ہوا؟

6 حملہ کے آغاز میں مسلمانوں کے فرار وشکست کے اسباب کیا تھے؟

---

[1] قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿٢٤﴾ لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِيْ مَوَاطِنَ كَثِيْرَةٍ ۙ وَّيَوْمَ حُنَيْنٍ ۙ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْـًٔا وَّضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُّدْبِرِيْنَ ﴿٢٥﴾ (سورہ توبہ)

بارھواں سبق

طائف کی جنگ

شوال 8ھ بمطابق جنوری،فروری 629ء

لشکر اسلام کی کامیابی کے ساتھ حنین کی جنگ ختم ہوگئی۔دشمن کے لشکر کا سردار مالک بن عوف اپنے ساتھیوں کے ساتھ بھاگ کر مکہ سے 75 کیلومیٹر دور طائف میں پناہ گزیں ہوا۔رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کچھ مجاہدین اسلام کو ساتھ لے کر طائف کی طرف روانہ ہوئے تا کہ حجاز میں مشرکین کی آخری پناہ گاہ کو بھی ختم کر دیا جائے۔لشکر اسلام طائف پہنچا،مشرکین بلند دیواروں والے مضبوط قلعہ میں بے پناہ کھانے پینے کے سامان اور قلعہ کے اندر ہی پانی کے انتظام کے ساتھ نہایت اطمینان کے ساتھ مقابلہ کرنے لگے اور قلعہ کی دیواروں کے اوپر سے لشکر اسلام پر تیروں کی بارش شروع کر دی۔[۱]

جدید جنگی ہتھیاروں کی ٹیکنالوجی

طائف کے مستحکم قلعہ کو فتح کرنے کے لئے حضرت سلمان نے ایک تجویز رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں عرض کی کہ منجنیق اور پتّھر و گولہ باری سے محفوظ کرنے والی گاڑیوں کو کام میں لا کر قلعوں کو فتح کیا جا سکتا ہے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت سلمان کو حکم دیا کہ اس قسم کا اسلحہ مہیّا کرو۔حضرت سلمان اس کام میں مشغول ہوگئے اور قلعہ کی دیواروں کے پار بڑے بڑے پتھر پھینکنے کے لئے منجنیق (جیسے آجکل کا ٹینک) اور قلعہ کی تباہی کی خاطر دیواروں کے نزدیک پہنچنے کے لئے مخصوص گاڑی کو میدان جنگ میں پہنچایا۔گاڑی کی چھت موٹے اور سخت چڑے کی بنی ہوئی تھی جس پر دشمنوں کے تیر اثر انداز نہیں ہو سکتے تھے۔[۲] (جیسے آجکل کی بکتر بند گاڑیاں) اسی طرح پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم سے بہت زیادہ مقدار میں خاردار شاخیں خارِ خسک قلعہ کے اطراف میں بکھیر دی گئیں (یہ کانٹے گویا بارودی سرنگوں کی مانند تھے جو دشمن کے سپاہیوں گھوڑوں اور اونٹوں کے پیروں میں چبھ جاتے تھے)۔[۳]

مخصوص گاڑی کے ذریعہ مجاہدین اسلام قلعہ کی دیوار تک پہنچ گئے اور دیوار کے کچھ حصّہ کو گرانے اور قلعہ کو فتح کرنے میں دیر نہ تھی کہ دشمن نے آگ اور پگھلے ہوئے لوہے کے ذریعہ حملہ کر کے گاڑی کی چڑے کی چھت کو جلا کر تہس نہس کر ڈالا جس کے نتیجہ میں بعض مجاہدین اسلام شہید یا زخمی ہوئے اور قلعہ فتح کرنے کی کوشش بار آور نہ ہو سکی

واپسی

طائف 20 دن سے زیادہ لشکر اسلام کے محاصرہ میں رہا۔قبیلہ ثقیف کے افراد بڑی پامردی سے مقابلہ کر رہے تھے،قلعہ کے اندر غذائی اور دیگر ضروریات کے سامان کی وافر موجودگی کی بنا پر محاصرہ بے معنی تھا اور قلعہ کو فتح کرنے کے لئے ایک طولانی محاصرے کی ضرورت

---

[۱] سیرت ابن ہشام ج4 ص121-125

[۲] مغازی واقدی ج3 ص927

[۳] پیامبری و حکومت ص376

تھی۔ایک طرف مدینہ سے دوری، غذا اور جانوروں کے چارے کی کمی کا خطرہ، اس کے علاوہ حرمت کا مہینہ اور حج کا زمانہ نزدیک تھا۔رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اعلان کیا کہ غلاموں میں سے جو کوئی بھی قلعہ سے باہر آجائیگا وہ آزاد ہے چنانچہ چندلوگوں نے خود کو لشکر اسلام کے حوالہ کر دیا اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آکر دشمن کے حالات کی اطلاع دیدی۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان لوگوں کو آزاد کر دیا اور اس کے بعد اعلان کیا کہ طائف کا محاصرہ ختم کیا جائے اور سب واپس لوٹ جائیں۔[۱]

ہوازن کے اسیروں کی رہائی

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم درہ جعّرانہ یا جُعرانہ (یہی زیادہ مشہور ہے) لوٹ آئے تا کہ اسیروں اور مال غنیمت کے بارے میں فیصلہ کیا جائے۔یہاں اساری سائبان کے نیچے ٹھہرے ہوئے تھے۔قبیلہ ہوازن کے بعض افراد جو جنگ میں شریک نہیں تھے یا اسیر نہیں ہوئے تھے۔رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اسیران ہوازن کی رہائی کی درخواست کی پیغمبر رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی خواہش کو قبول فرمایا اور چھ ہزار اسیران ہوازن کو آزاد کر دیا۔[۲] اس طرح جزیرۃ العرب کا بہت بڑا اور خطرناک قبیلہ اسلام کی طرف مائل ہو گیا۔جنگ کی آگ بھڑکانے والوں کے رہبر مالک بن عوف کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پیغام بھجوایا کہ ہتھیار ڈال دو تو مال اور خاندان کی واپسی کے علاوہ سو اونٹ بھی عطا کئے جائیں گے۔قبیلہ ہوازن کے سلسلہ میں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحمت اور جواں مردی نے مالک ابن عوف جیسے سرکش کو رام کر دیا اور وہ راتوں رات طائف سے بھاگ کر رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پہنچ کر مسلمان ہو گیا۔اس طرح فتنہ کے اہم سبب،قبیلہ ہوازن کا خطرہ ٹل گیا۔[۳]

مال غنیمت کی تقسیم

اسیروں کی آزادی کے بعد کچھ سپاہی رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گرد جمع ہوئے اور نہایت اصرار کے ساتھ مال کی تقسیم کے خواستگار ہوئے۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔خدا کی قسم اگر تہامہ کے درختوں کے برابر بھی گوسفند اور اونٹ تمہارے لئے ہوں تو میں ان سب کو تمہارے ہی درمیان تقسیم کروں گا۔تم میرے اندر خوف، بخل اور جھوٹ نہیں پاؤ گے۔مال غنیمت میں میرا حق پانچویں (خمس) حصّے سے زیادہ نہیں، میں اسے بھی تمہیں دے دوں گا لہٰذا اگر کسی نے ایک سوئی اور دھاگہ بھی اٹھایا ہو تو لوٹا دے اس لئے کہ غنیمت میں خیانت کی سزا قیامت کے دن رسوائی، بدنامی اور آتش کے سوا کچھ نہیں ہے۔اس وقت انصار میں سے ایک شخص ایک دھاگے کا گچھا لے آیا اور کہا میں اس کو اپنے اونٹ کا سامان سینے کے لئے لے گیا تھا۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اس دھاگہ میں سے میں نے اپنا حق تمہیں بخشا (اب باقی مسلمانوں کا مسئلہ ہے اگر وہ بھی اپنا حق تمہیں بخش دیں تو لے لو) مرد انصاری نے کہا کہ اگر اتنا سخت مسئلہ ہے تو مجھے دھاگے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔اور دھاگے کا گچھا مال غنیمت کے ڈھیر میں لے جا کر رکھ دیا۔[۴]

---

[۱] طبقات ابن سعد ج2 ص158

[۲] سیرت ابن ہشام ج4 ص130-131

[۳] سیرت ابن ہشام ج4 ص133

[۴] سیرت ابن ہشام ج4 ص134-135

وہ افراد جن کی دلجوئی کی گئی

جب مال غنیمت کی تقسیم شروع ہوئی اور تمام افراد کا حصہ دیدیا گیا، تو رسول خدا ﷺ نے مال غنیمت کے خمس کو سرداران قریش کے درمیان تقسیم کردیا اور ابوسفیان، اس کے بیٹے معاویہ، حکیم ابن حزام، حارث بن حارث اور حارث بن ہشام اور... جوکل تک گروہ شرک وکفر کے سردار تھے ان میں سے ہر ایک کو سو اونٹ اور عظمت و مرتبت کے لحاظ سے معمولی افراد کو پچاس یا پچاس سے کم اونٹ عطا فرمائے۔ [1]

رسول خدا ﷺ کی بخشش کے دو سبب تھے ایک تو یہ کہ یہ لوگ رسول خدا ﷺ کی عطوفت ومحبت سے متاثر ہو کر اسلام کی طرف مائل ہوں تاکہ کینہ ختم ہوجائے، اصطلاح میں اس عمل کو تالیف قلوب کہتے ہیں اور فقہ اسلام میں زکات کے مصارف میں سے ایک مصرف یہ بھی ہے۔ دوسری بات یہ تھی کہ جزیرۃ العرب کے مشرک قبائل کے سربرآوردہ افراد اسلام قبول کرلیں تاکہ کم سے کم لڑائی ہو اور جزیرۃ العرب کے باقی افراد حلقہ بگوش اسلام ہوجائیں۔

منافقین کا اعتراض

رسول خدا ﷺ کی بخششیں بہت سے سپاہیوں کے اعتراض کا سبب بنیں اسی درمیان ان افراد نے سب سے زیادہ اعتراض کی آواز بلند کی جو بظاہر احکام دین پر توجہ دیتے تھے مگر باطن میں ان کو دین سے کوئی سروکار نہ تھا کور دل ذوالخویصرہ نے عتاب آمیز لہجہ میں رسول خدا ﷺ سے کہا اے محمد ﷺ خدا سے ڈریں اور عدل وانصاف سے کام لیں۔ رسول خدا ﷺ، اس شخص کی باتوں سے برہم ہوئے اور فرمایا اگر انصاف وعدالت سے کام نہیں لوں گا تو پھر عدالت کس کے پاس ملے گی؟ اصحاب میں سے ایک صحابی نے عرض کی کہ حضور ﷺ اگر اجازت ہو تو جسارت کے جواب میں اسکا سرتن سے جدا کردوں؟ آنحضرت ﷺ نے اجازت نہیں دی اور فرمایا کہ: جلد ہی اس شخص کو ایسے پیرو ملیں گے جو دین میں اتنی باریک بینی سے کام لیں گے کہ دین سے خارج ہوجائیں گے۔ [2]

دوستوں کے آنسو

رسول خدا ﷺ کی بخششوں نے قریش اور قبائل کے سربرآوردہ افراد یہاں تک کہ انصار کو بھی رنجیدہ کردیا اور وہ یہ سوچنے لگے کہ یہ بخششیں خاندان اور رشتہ داریوں کی بنا پر ہیں۔ رسول خدا ﷺ کو انصار سے یہ امید نہ تھی، آپ رنجیدہ ہوئے اور ان سے فرمایا: کیا تم اس بات پر راضی نہیں ہو کہ دوسرے افراد گوسفندوں اور اونٹوں کے ساتھ اپنے گھر کو جائیں اور تم رسول خدا ﷺ کے ہمراہ اپنے گھروں کو واپس جاؤ [3]

انصار، رسول خدا ﷺ کی بات سن کر شدت سے روئے اور عرض کیا: ہمارے لئے یہی کافی ہے کہ رسول خدا ﷺ ہمارے

---

[1] سیرت ابن ہشام ج 4 ص 135

[2] سیرت ابن ہشام ج 4 ص 139۔ انجام کار وہ زمانہ امام علی علیہ السلام میں خوارج کے رہبروں میں سے ایک رہبر بنا اور نہروان کی جنگ میں حضرت علی علیہ السلام کے سپاہیوں کے ہاتھوں قتل ہوگیا۔

[3] یہ یاد دلانا ضروری ہے کہ رسول خدا ﷺ کی گفتگو کا صرف کچھ حصہ یہاں پر نقل ہوا ہے۔

حصّہ میں ہوں،ہم اسی پر راضی ہیں[1]

مدینہ واپسی

مال غنیمت کی تقسیم تمام ہوئی،رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عمرہ کے قصد سے مقام جعرانہ سے احرام باندھا اور زیارت خانہ خدا کے لئے مکّہ کی سمت روانہ ہوئے۔

عمرہ کی ادائیگی کے بعد آپؐ نے عتاب بن امید اور معاذ بن جبل جنہیں مکّہ کا امیر اور معلّم دین بنایا گیا تھا کی ماموریت کی مدّت بڑھا دی۔اس کے بعد ذی القعدہ کے مہینہ میں مہاجرین اور انصار کے ساتھ مدینہ لوٹ آئے۔[2]

غزوہ تبوک[3]

ایک ہولناک خبر

9 ھ،رجب کا مہینہ بڑی گرمی کا مہینہ تھا،شدید قحط اور گرانی کے زمانہ کے بعد کہ جس سے لوگ حد درجہ پریشان ہو چکے تھے۔پھلوں اور کھجور کے چننے کا زمانہ آ گیا۔لوگوں نے ذرا اطمینان کا سانس لینے کا سوچا ہی تھا کہ ہولناک قسم کی خبریں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آنے لگیں کہ مسلمانوں کو جزیرۃ العرب کی شمال مشرقی سرحدوں پر رومی بادشاہ کی طرف سے خطرہ ہے۔میدہ اور زیتون کا تیل فروخت کرنے کے لئے مدینہ آنے والے نبطی تاجروں نے بتایا کہ بادشاہ روم ہرقل[4] نے بلقاء کے علاقہ میں ایک عظیم لشکر جمع کر رکھا ہے اور لشکر کے کھانے پینے کا انتظام اور ایک سال کی تنخواہ کی ادائیگی کے علاوہ سرحدی قبائل لخم اور جذام کو بھی اپنے ساتھ ملا لیا ہے اور اسلامی سرزمین پر حملہ اور اسلامی تحریک کو مٹا دینے کا ارادہ رکھتا ہے۔رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک ایسا عظیم لشکر جمع کرنے کے لئے آمادہ ہو گئے جو روم ایسی بڑی طاقت کے لشکر سے مقابلہ کی طاقت رکھتا ہو۔پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جنگوں میں منزل مقصود معین نہیں فرماتے تھے۔اس کے برخلاف اس بار لشکر جمع کرنے کے آغاز ہی میں آپؐ نے منزل مقصود کا اعلان کر دیا۔تا کہ لشکر،دشت سوزاں میں دور دراز کے راستہ کو طی کرنے، دشوار کام کے انجام دینے اور نہایت طاقتور دشمن سے جنگ کرنے کے لئے تمام تیاریوں کے ساتھ ضروری ساز و سامان اور غذا لے کر روانہ ہو۔[5]

منافقین کی حرکتیں

منافقین نے لشکر اسلام کی تیاری کے آغاز میں،حکومت اسلامی میں دی گئی آزادی سے سوء استفادہ کرتے ہوئے،حساس ترین

---

[1] سیرت ابن ہشام ج4 ص 141-142

[2] سیرت ابن ہشام ج4 ص 143-

[3] شام کی سرحد پر حجر سے جو راستہ شام کو جاتا ہے اس کے درمیان تبوک ایک مضبوط قلعہ تھا اور آج کل سعودی عرب میں مدینہ سے 778 کیلومیٹر دور ایک فوجی شہر ہے۔

[4] ہراکیلوس بھی لکھا گیا ہے۔

[5] امتاع الاسماع ج1 ص 445-446-طبقات ابن سعد ج2 ص 165-سیرت حلبی ج3 ص 141-سیرت ابن ہشام ج4 ص 159

لمحات میں مایوس کن پروپیگنڈہ اورنفسیاتی جنگ کے ذریعہ مسلمانوں کوراہ خدا میں جہاد سے باز رکھنے کی کوشش کی ، یہ لوگ درحقیقت استکباری طاقتوں کے مفادات کے لئے قدم اٹھارہے تھے۔اسلام کے خلاف منافقین کی خیانت آمیز تحریک تاریخ اسلام میں مسجد ضرار کے واقعہ کے نام سے مشہور ہے۔اس کی تفصیل حسب ذیل ہے۔منافقین میں سے ایک سرکردہ ابوعامر نامی فاسق ،رسول خدا ﷺ کی مدینہ ہجرت کے بعداپنی خیانتوں کی بدولت بھاگ کرمکہ اور طائف چلا گیا اوران کے فتح ہونے کے بعد وہاں سے بھاگ کرروم چلا گیا اور وہاں سے مدینہ کے منافقین سے رابطہ اورفکری امداد کرتا رہتا تھا۔اس نے اپنے ہواخواہوں کو خط میں لکھا کہ میں قیصر روم کے پاس جارہا ہوں اوراس سے فوجی مداخلت کی درخواست کروں گا تا کہ اس کی مدد سے مدینہ پر حملہ کریں اب تم قبا کے دیہات میں مسلمانوں کی مسجد کے مقابلہ میں ایک مسجد بناؤاورنماز کے موقع پروہاں جمع ہو،فریضہ کی ادائیگی کے بہانے اسلام اورمسلمانوں کے بارے میں اپنے منصوبوں کوکس طرح عملی جامہ پہنایا جائے کے موضوع پر گفتگو کیا کرو۔یہ مسجد،لشکر اسلام کے تبوک روانہ ہونے سے پہلے بن کر تیار ہوگئی۔منافقین اس مسجد کی آڑ میں اپنی کارکردگی کومنظم شکل دے سکتے تھے،لوگوں کودھوکہ دینے کے لئے ان لوگوں نے رسول خدا ﷺ سے درخواست کی کہ آپ مسجد میں نماز ادا کریں اور مسجد کا افتتاح فرمائیں۔رسول خدا ﷺ نے جواب میں فرمایا ابھی میں سفر کا ارادہ رکھتا ہوں اورسفر کی تیاری میں مصرف ہوں اگر خدا نے چاہا تو واپسی پر آؤں گا۔[1]

بہانے تراشیاں

منافقین جنگ میں شرکت نہ کرنے کے لئے بڑے لچر بہانے تراشتے رہتے تھے۔رسول خدا ﷺ نے جدّ ابن قیس نامی ایک منافق سے کہا۔کیاتم رومیوں کے ساتھ لڑنے کے لئے خودکو آمادہ کرنے کا ارادہ نہیں رکھتے ؟ جدّ ابن قیس نے جواب دیا اے اللہ کے رسول ﷺ مجھے آپؐ اس بات کی اجازت دیں کہ میں شہر ہی میں رہوں مجھے فتنہ میں نہ ڈالیں۔اس لئے کہ میرے قبیلہ کے لوگ جانتے ہیں کہ کوئی مرد بھی میری طرح عورتوں کا دیوانہ نہیں، مجھے ڈر ہے کہ اگر میں روم کی عورتوں کو دیکھوں گا تو فتنہ(وگناہ) میں پڑ جاؤں گا۔

رسول خدا ﷺ نے منہ پھیرلیا اورفرمایا جہاں جانا چاہتے ہو جاؤ[2]

قرآن اس منافق کی بہانہ بازی کے بارے میں فرماتا ہے:ان میں سے کچھ لوگ کہتے ہیں کہ ہم کو جہاد میں شرکت کرنے سے معاف رکھیں اورفتنہ میں نہ ڈالیں آگاہ ہوجاؤ کہ یہ لوگ خودفتنہ میں پڑے ہوئے ہیں اور بے شک دوزخ کافروں کوگھیرے ہوئے ہے۔[3]

منافقین کام میں رخنہ ڈالنے اور جنگ کے بارے میں لوگوں کے حوصلے پست کرنے کے لئے کہتے تھے اس گرمی کے موسم میں جنگ کے لئے نہ جاؤ یہ موسم جنگ کے لئے مناسب نہیں ہے۔خداان لوگوں کے بارے میں فرماتا ہے:

جن لوگوں نے رسول خدا ﷺ کی رکاب میں حکم جہاد سے روگردانی کی وہ خوش ہیں اورراہ خدا میں جان ومال کے ساتھ جہاد کرنے کوناگوار جانتے ہیں (اورمومنین کوبھی جہاد سے منع کرتے ہیں) وہ لوگ کہتے ہیں کہ اس گرمی میں کوچ نہ کرو۔ان سے کہہ دیجئے کہ

---

[1] سیرت حلبیہ،مطبوعہ بیروت ج3 ص144۔سیرت ابن ہشام ج4 ص173۔امتاع الاسماع ج1 ص480

[2] سیرت ابن ہشام ج4 ص159۔

[3] وَمِنۡهُمۡ مَّنۡ يَّقُوۡلُ ائۡذَنۡ لِّىۡ وَلَا تَفۡتِنِّىۡ ؕ اَلَا فِى الۡفِتۡنَةِ سَقَطُوۡا ؕ وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيۡطَةٌ ۢ بِالۡكٰفِرِيۡنَ ﴿۴۹﴾ (سورۂ توبہ)

دوزخ کی آگ زیادہ جلانے والی ہے اگر لوگ سمجھ لیں۔ [۱]

منافقین، آرام طلب ثروت مند افراد اور کچھ ناواقف اعراب نے مختلف بہانوں سے جنگ میں شرکت کرنے سے گریز کیا۔

خداوند عالم اعراب کے بارے میں فرماتا ہے: بادیہ نشینوں (اعراب) میں سے کچھ لوگ آپؐ کے پاس عذر کرتے ہوئے آئے اور جہاد سے معافی چاہ رہے تھے اور کچھ لوگ جو خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تکذیب کرتے تھے۔ جہاد سے بیٹھ رہے کافر جی دردناک عذاب میں مبتلا ہوں گے۔ [۲]

منافقین کے خفیہ مرکز کا انکشاف

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خبر ملی کہ منافقین کا ایک گروہ سُوَیلم یہودی کے گھر ایک انجمن بنا کر سازشوں اور لوگوں کو جہاد میں شرکت کرنے سے روکنے کی پلاننگ میں مصروف ہے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جانتے تھے اگر ان کے ساتھ کوئی عبرتناک اور فیصلہ کن سلوک نہ کیا گیا تو یہ مکارانہ سازشوں سے اسلام کو نقصان پہنچائیں گے۔ آپؐ نے حکم دیا کہ اس گروہ کے مرکز کو گھیر کر آگ لگا دی جائے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم سے اسلام کے چند محافظین نے اس گھر کو آگ لگا دی اور منافقین کے فرار کے نتیجہ میں یہ گروہ ختم ہو گیا اور فرار کے دوران چھت سے گرنے کی وجہ سے ایک منافق کی ٹانگ ٹوٹ گئی۔ [۳]

جنگی اخراجات کی فراہمی

مضبوط لشکر مرتب کرنے کے لئے مخیّر اور ثروت مند مسلمانوں نے جاں بازان اسلام کی مالی امداد کی اور مسلمانوں نے اخراجات جنگ مہیا کرنے میں بے مثال دلچسپی کے ساتھ حصہ لیا۔ مسلمان عورتوں نے اپنے زیورات رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بھیج دیئے کہ جنگ کے اخراجات میں کام آئیں۔ ہر شخص اپنی طاقت کے مطابق مدد کرنے میں کوشاں تھا۔ مثال کے طور پر ایک غریب مزدور ایک صاع (تین کیلو) خرما پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں لایا اور عرض کرنے لگا۔ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں نے نخلستان میں کام کیا تو دو صاع خرما مزدوری ملی ایک صاع میں نے اپنے گھر کے لئے رکھ لیا اور ایک صاع جنگ کے اخراجات جمع کرنے کے لئے لایا ہوں۔ منافقین نے یہاں بھی غلط پروپیگنڈہ جاری رکھا۔ اگر کوئی دولت مند مالی امداد کرتا تو کہتے ریاکاری کر رہا ہے۔ اور اگر کوئی غریب خلوص کی بنا پر تھوڑی سی مدد کرتا تو کہتے کہ خدا کو اس مدد کی ضرورت نہیں [۴]

منافقین کی ان باتوں کے بارے میں قرآن مجید میں خدا فرماتا ہے:

جو لوگ مدد کرنے والے مومنین اور اپنی استطاعت کے مطابق عطا کرنے والوں کے صدقہ میں عیب نکالتے اور مذاق اڑاتے

---

[۱] فَرِحَ الْمُخَلَّفُوْنَ بِمَقْعَدِهِمْ خِلٰفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ وَ كَرِهُوْٓا اَنْ يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ قَالُوْا لَا تَنْفِرُوْا فِي الْحَرِّ ؕ قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ اَشَدُّ حَرًّا ؕ لَوْ كَانُوْا يَفْقَهُوْنَ ﴿۸۱﴾ (سورۂ توبہ)

[۲] وَجَآءَ الْمُعَذِّرُوْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ لِيُؤْذَنَ لَهُمْ وَ قَعَدَ الَّذِيْنَ كَذَبُوا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ ؕ سَيُصِيْبُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۹۰﴾ (سورۂ توبہ)

[۳] سیرت ابن ہشام ج4 ص160۔

[۴] تفسیر مجمع البیان ج5 ص257۔ اسباب النزول واحدی ص172۔

ہیں خدا ان کا تمسخر کرتا ہے اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔ [1]

اشک حسرت

منافقین کی سازشوں، پروپیگنڈوں اور افواہوں کے بالمقابل پاکیزہ دل مومنین کا ایک گروہ جنگ میں شرکت کے شوق میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا چونکہ یہ لوگ غریب تھے اور سواری کا انتظام نہ تھا لہٰذا انہوں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خواہش کی کہ ان کو مرکب عطا کیا جائے تاکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رکاب میں صحراؤں کا سفر کرکے جہاد مقدس میں شرکت کریں۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ میرے پاس کوئی ایسی سواری نہیں ہے جس پر تم کو سوار کروں۔ یہ لوگ اس وجہ سے افسوس اور گریہ کرتے ہوئے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس سے نکلے کہ ان کو جہاد میں شرکت کی توفیق حاصل نہ ہوسکی۔ یہ جماعت تاریخ میں گروہ بکّاؤون [2] کے نام سے مشہور ہوئی۔ (یعنی بہت رونے والے) خدا قرآن مجید میں ان کو اس طرح یاد کرتا ہے۔ ای پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، مومنین جہاد کے لئے تیار ہوکر آپؑ کے پاس آئیں تاکہ آپؑ ان کو کسی مرکب پر سوار کردیں (اور میدان جہاد لے جائیں) اور آپ نے جواب میں فرمایا کہ میرے پاس مرکب نہیں ہے جس پر میں تم کو سوار کروں اور وہ لوگ اس حالت میں واپس چلے گئے کہ غم کی شدت سے ان کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے کہ اخراجات سفر کیوں نہ فراہم کرسکے۔ ایسے لوگوں پر جہاد ترک کردینے میں کوئی گناہ نہیں ہے [3]

سوالات

1 طائف کی جنگ میں کس قسم کا اسلحہ استعمال ہوا؟

2 ہوازن کے اسیروں کی رہائی نے ان کے اسلام کی طرف میلان پر کیا اثر ڈالا۔

3 رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بخششیں کن وجوہات کی بناء پر تھیں؟

4 لشکر کے چند افراد کا اعتراض کس چیز پر اور کس تصوّر کے زیر اثر تھا؟

5 روم کی بڑی طاقت کے حملہ کے ارادہ اور ان کے فوجی نقل وحمل سے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کس طرح آگاہ ہوئے؟

6 جنگ سے فرار کیلئے منافقین کیا بہانے تراش رہے تھے؟

7 رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منافقین کے گروہ کے گھر کے لئے کیا حکم دیا؟

---

[1] اَلَّذِيْنَ يَلْمِزُوْنَ الْمُطَّوِّعِيْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ فِي الصَّدَقٰتِ وَالَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ اِلَّا جُهْدَهُمْ فَيَسْخَرُوْنَ مِنْهُمْ ۭ سَخِرَ اللّٰهُ مِنْهُمْ ۡ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ (سورۂ توبہ)

[2] سیرت ابن ہشام ج 4 ص 161۔

[3] وَّلَا عَلَي الَّذِيْنَ اِذَا مَآ اَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ لَآ اَجِدُ مَآ اَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ ۠ تَوَلَّوْا وَّاَعْيُنُهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا اَلَّا يَجِدُوْا مَا يُنْفِقُوْنَ ۝ (توبہ/92)

تیرھواں سبق

بے نظیر لشکر

منافقین کی رخنہ اندازی اور پروپیگنڈے، راستہ کی دوری، شدید گرمی، خشک سالی، دشمن کا بے شمار لشکر، ان میں سے کوئی چیز بھی مسلمانوں کو وسیع پیمانہ پر جنگ میں شرکت سے نہ روک سکی۔ تقریباً تیس ہزار افراد نے آمادگی کا اعلان کیا اور ثنیۃ الوداع کی لشکر گاہ میں خیمہ زن ہو گئے اس مسلح لشکر کے پاس دس ہزار گھوڑے اور بارہ ہزار اونٹ تھے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لشکر گاہ میں سپاہیوں کا معائنہ کیا، پرچم ان کے حوالے فرمایا اور روانگی کے لئے آمادہ ہو گئے۔ [1]

منافقین کی واپسی

منافقین کے سربراہ عبداللہ ابن ابی نے اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ ذباب کے علاقہ میں۔ ثنیۃ الوداع میں جو لشکر گاہ تھی اس سے ذرا پیچھے۔ خیمے نصب کئے اور وہیں سے مدینہ لوٹ گئے اور کہا محمد اس گرمی، دوری، اور سختی میں رومیوں سے لڑنے جا رہے ہیں، وہ سمجھتے ہیں کہ رومیوں کے ساتھ جنگ ایک کھیل ہے خدا کی قسم میں دیکھ رہا ہوں کہ کل ان کے اصحاب اسیر اور گرفتار ہو جائیں گے۔ [2]

منافقین چاہتے تھے کہ عین روانگی کے موقع پر نفسیاتی حربوں کے ذریعہ لشکر اسلام کے حوصلوں کو کمزور کر دیا جائے۔ لیکن ان کی یہ چال کارگر نہ ہوئی۔ [3]

شخصیت پر حملہ

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رکاب میں حضرت علی علیہ السلام کو ہر جنگ میں شرکت کا افتخار حاصل تھا لیکن اس جنگ میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم سے شریک نہیں ہوئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کے مطابق مدینہ کی دیکھ بھال کے لئے مدینہ میں ہی رک گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منافقین کی سازشوں سے آگاہ تھے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ شرک پر باقی رہ جانے والے اعراب کی مدد سے منافقین، شہر مدینہ پر مجاہدین سے خالی ہو جانے کی بنا پر حملہ کر دیں اور کوئی ناگوار حادثہ پیش آ جائے۔ پریشان کن سیاسی حالات میں سازشوں کا مقابلہ کرنے کیلئے اسلام کے مرکز کی دیکھ بھال صرف علی علیہ السلام کر سکتے ہیں۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی علیہ السلام کو اپنی جگہ پر اس لئے بٹھایا تا کہ اطمینان سے جہاد کے لئے جا سکیں۔ منافقین نے علی علیہ السلام کو اپنی سازشوں میں رکاوٹ محسوس کیا تو ان کو میدان سے ہٹانے کے لئے ماحول بنانا، افواہیں پھیلانا اور درحقیقت ان کی شخصیت پر حملہ کرنا شروع کر دیا۔ انہوں نے یہ افواہ پھیلائی کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، علی علیہ السلام سے افسردہ خاطر ہو گئے تھے اس لیے آپ نے ان سے بے اعتنائی کی اور اپنے ساتھ نہیں لے گئے یہ باتیں علی علیہ السلام کے کانوں تک پہنچیں تو آپؑ نے اسلحہ اٹھایا اور مدینہ سے تین میل دور مقام جرف میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جا ملے اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منافقین کہتے

---

[1] مغازی واقدی ج3 ص996-1002 - سیرت ابن ہشام ج4 ص162

[2] مغازی واقدی ج3 ص995

[3] امتاع الاستماع ج1 ص450

ہیں کہ آپؐ مجھ سے تنگ آ گئے ہیں اس لئے مدینہ چھوڑے جا رہے ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: وہ لوگ جھوٹ بولتے ہیں۔ میں نے اپنے بعد تمہیں مدینہ میں حفاظت اور نگہبانی کے لئے چھوڑا ہے۔ اس وقت آپؐ نے وہاں موجود بہت سارے اصحاب کے سامنے حضرت علی علیہ السلام سے فرمایا۔ میرے بھائی مدینہ واپس جاؤ، مدینہ کے لئے میرے یا تمہارے علاوہ کوئی مناسب نہیں، تم ہی میرے خاندان، مقام ہجرت (مدینہ) اور میری قوم کے درمیان میرے جانشین ہو، کیا تمہیں یہ پسند نہیں کہ تم میرے لیے ایسے ہی ہو جیسے موسیٰ علیہ السلام کے لئے ہارون علیہ السلام مگر یہ کہ میرے بعد کوئی پیغمبر نہیں ہوگا۔ حضرت علی علیہ السلام مدینہ لوٹ آئے اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے مقصد کے لئے روانہ ہو گئے۔ [۱]

تپتا صحرا

سختیوں میں گھرے ہوئے لشکر جیش العُسرہ کی کمان 61 سالہ باہمت و جری رہبر یعنی رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ میں تھی۔ دشمن تک پہنچنے کے لئے سپاہیوں کو 778، کیلومیٹر کے گرم ریگستان کو عبور کرنا تھا۔ لشکر چل پڑا، آفتاب آگ برسا رہا تھا۔ شدید گرمی کا خطرہ دشمن سے کم نہ تھا۔ لیکن لشکر اسلام بھی استقامت و مقاومت کا پیکر تھا۔ صرف چند منافقین تخریب کاری اور اذیت رسانی کے ارادے سے ساتھ ہو گئے تھے۔ یہ لوگ راستہ میں خیانت آمیز حرکتیں اور زہریلے پروپیگنڈے کر رہے تھے۔ لشکر اسلام کا گزر اصحاب حجر [۲] کے علاقہ سے ہوا، اصحاب حجر کے ویران شہر میں ایک کنواں تھا سپاہیوں نے کنویں سے پانی کھینچا اور ظروف بھر لئے۔ جس وقت یہ لوگ اترے اور سپاہی آرام کرنے لگے تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ نہ کنویں کا پانی پینا اور نہ آٹا گوندھنا اور اگر آٹا گوندھ لیا ہے تو اس کو نہ کھانا بلکہ چوپایوں کو دیدینا۔ اسی طرح آپؐ نے فرمایا کہ آج رات کوئی لشکر گاہ سے باہر نہ نکلے اس رات لشکر گاہ سے کوئی باہر نہیں گیا سوائے دو افراد کے اور ان کے ساتھ ناگوار حادثات پیش آئے۔ صبح سویرے لشکر اسلام رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس طلب آب کے لئے پہنچا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعا فرمائی، بارش ہوئی اور پانی گڑھوں میں بھر گیا۔ جان بازوں نے بارش کے پانی سے مشکیں بھر لیں۔ ایک منافق نے کہا ایک گذرتا ہوا بادل تھا جو اتفاقاً برس گیا۔ [۳] ایک جگہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اونٹ گم ہو گیا کچھ لوگ ڈھونڈھنے کے لئے نکلے منافقین میں سے ایک شخص نے کہا کہ یہ کیسے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں جو آسمانوں کی خبر دیتے ہیں لیکن یہ نہیں معلوم کہ ان کا اونٹ کہاں ہے۔ یہ باتیں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچائی گئیں تو آپؐ نے فرمایا خدا جو بتا دیتا ہے میں غیب کی وہی باتیں جانتا ہوں اسی وقت جبرئیل نازل ہوئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اونٹ کی جگہ سے باخبر کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میرا اونٹ فلان وادی میں ہے اور اس کی مہار فلاں درخت میں الجھ گئی ہے جاؤ اس کو پکڑ

---

[۱] سیرت ابن ہشام ج 4 ص 163۔ ارشاد شیخ مفید ص 83۔ امتاع الاسماع مقریزی ج 1 ص 450۔ انساب الاشراف ج 1 ص 94-96۔ صحیح بخاری ج 5 (کتاب المغازی باب تبوک) ص 129۔ صحیح مسلم ج 2 ص 360۔ مسند احمد ابن حنبل ج 3 ص 50۔ مستدرک حاکم ج 3 ص 109۔ سنن ابن ماجہ ج 1 ص 42۔ الاستیعاب ج 3 ص 34، 35 برحاشیہ الاصابہ۔

[۲] ۔۔۔ اصحاب حجر۔۔۔ قوم ثمود کے معذب افراد تھے جنہوں نے ناقہ صالح کو پے کر دیا تھا اور خدا نے ان کو ان کے گناہ کے جرم میں سخت عذاب میں مبتلا کیا۔ ان کا ویران شہر مدینہ اور دمشق کے درمیان واقع ہے۔ چونکہ ان لوگوں نے پہاڑ کے دامن میں اپنے گھر بنائے تھے اس لئے اصحاب حجر کے نام سے پکارے گئے۔ یہ علاقہ مدینہ منورہ سے 344 کیلومیٹر کے فاصلہ پر واقع ہے۔

[۳] سیرت ابن ہشام ج 4 ص 164-166۔ امتاع الاسماع ج 1 ص 456۔

لاؤ۔[1]

حضرت ابوذر کا واقعہ

چلتے چلتے راستہ میں حضرت ابوذر کا اونٹ بیٹھ گیا انھوں نے بڑی کوشش کی کہ کسی طرح قافلہ تک پہنچ جائیں۔لیکن کامیاب نہ ہو سکے۔چنانچہ اونٹ سے اتر پڑے۔سامان پیٹھ پر لادا اور پیدل ہی چل پڑے۔آفتاب شدت کی گرمی برسا رہا تھا۔ابوذر پیاس سے نڈھال چلے جارہے تھے۔اپنے آپ کو بھلا چکے تھے اور صرف لشکر رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچنے کے علاوہ کوئی مقصد نہ تھا۔پیاس سے تپتے ہوئے جگر کے ساتھ پیدل، پستیوں اور بلندیوں کو پیچھے چھوڑتے ہوئے چلے جارہے تھے۔کہ دور سے آپ کی نگاہیں لشکر اسلام پر پڑیں، آپ نے اپنی رفتار بڑھادی اس طرف ایک سپاہی کی نظر ایک سیاہی پر پڑی اس نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کی کہ کوئی شخص ہماری طرف آرہا ہے۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اچھی بات ہے وہ ابوذر ہونگے آنے والی سیاہی اور قریب ہوگئی ایک شخص نے چلّا کر کہا وہ ابوذر ہیں خدا کی قسم وہی ہیں آنحضرت نے فرمایا: خدا ابوذر پر رحمت نازل کرے وہ اکیلے راستہ طے کرتے ہیں، تنہا مریں گے اور تنہا اٹھائے جائیں گے۔[2]

لشکر اسلام تبوک میں

لشکر اسلام نے اپنا سفر جاری رکھا اور تبوک پہنچ گیا۔لیکن رومیوں کو اپنے سامنے نہیں پایا اس لئے کہ رومی، لشکر اسلام کی کثرت سے واقف ہو چکے تھے اور لشکر اسلام کی شجاعت اور بلند حوصلوں کی اطلاع ان کو پہلے سے تھی۔[3] اس بنا پر انہوں نے جان بچانے ہی میں عافیت سمجھی اور شمال کی طرف عقب نشینی اختیار کرلی۔[4]

تبوک میں لشکر اسلام نے اپنا پڑاؤ ڈال دیا۔رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لشکر کے سامنے تقریر کی۔[5] مسلمان بیس دن تک تبوک میں رہے۔[6] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہاں چند گروہوں کو اپنے زیر اثر قبیلوں سے عہد و پیمان باندھنے کے لئے مختلف سرحدی علاقوں میں روانہ فرمایا، سرحدی علاقوں میں بسنے والے قبیلوں سے عہد و پیمان کے بعد جزیرۃ العرب کی سرحدیں محفوظ ہوگئیں۔

دومۃ الجندل کے بادشاہ کی گرفتاری

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سواروں کے ایک دستہ کو خالد بن ولید کی سربراہی میں دومۃ الجندل روانہ کیا۔خالد اور اس کے سپاہیوں

---

[1] سیرت ابن ہشام ج4 ص166۔امتاع الاسماع ج1 ص456۔

[2] رَحِمَ اللهُ اَبَاذَر يَمْشِي وَحْدَهٗ وَيَمُوتُ وَحْدَهٗ وَيُبْعَثُ وَحْدَهٗ ۔۔۔رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ غیبی پیش گوئی پوری ہوکر رہی کئی برس بعد جب عثمان نے ابوذر کو جلاوطن کیا تو وہاں آپ نے فقر و رنج کی بناء پر تنہائی اور غربت کے عالم میں دم توڑا۔عبداللہ ابن مسعود نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ بات خود سنی تھی آپ ان کے جنازہ پر پہنچے دوستوں کے ساتھ انکے دفن میں شرکت کی پھر وہیں آپ نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس بات کو یاد کیا اور روئے۔سیرت ابن ہشام ج4 ص167۔

[3] رومیوں نے جنگ موتہ میں لشکر اسلام کے بلند حوصلوں کو دیکھا تھا اور سپاہ اسلام کی فتوحات پر مشتمل خبریں سننے کے بعد انہوں نے یہ سمجھ لیا تھا کہ مسلمانوں سے روبرو ہوکر مقابلہ کی ان میں طاقت نہیں ہے

[4] پیامبر و آئین نبرد جنرل مصطفی طلاس ص483

[5] پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تقریر کا متن مغازی واقدی ج3 ص1015، 1016 پر موجود ہے۔

[6] ابن اسحاق کے قول کے مطابق 10 سے 15 دن تک۔سیرت ابن ہشام ج4 ص170

نے وہاں کے بادشاہ اُکیدر اور اس کے بھائی حسان پر جب وہ ایک وحشی گائے کا پیچھا کر رہے تھے غفلت کے عالم میں حملہ کر دیا۔ حسان مارا گیا اور اُکیدر گرفتار ہوگیا۔ خالد نے اُکیدر کو گرفتار کرنے کے بعد دُومۃُ الجندل کو فتح کیا اور مال غنیمت کے ساتھ واپس پلٹا۔ اُکیدر کو پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ رسولخدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے صلح کا معاہدہ کیا اور جزیہ ادا کرنا ضروری قرار دے کر آزاد فرما دیا۔[۱]

تبوک میں شہر اَیلَہ، جہاں عیسائی آباد تھے، کے رئیس یوحنّا ابن رُؤبہَ نے دومۃ الجندل کے واقعات سننے کے بعد پیش قدمی کی اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آکر اپنے آپ کو اور اپنے قبیلہ کو اسلام کی حمایت کے سایہ میں پہنچا دیا۔ وہاں یہ طے پایا کہ اہل اَیلہ سالانہ تین سوطلائی دینار بعنوان جزیہ ادا کریں گے۔[۲]

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر حملہ کی سازش

مقام تبوک میں بیس دن قیام کے بعد، لشکر اسلام نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کے بموجب واپسی کا ارادہ کیا۔ منافقین نے دیکھا جنگ یا لشکر اسلام کے قتل اور زخمی ہونے کی نوبت ہی نہیں آئی تو انہوں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قتل کا منصوبہ بنایا کہ واپسی کے دوران گھاٹی میں چھپ جائیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اونٹ کو بھڑکا دیں تاکہ آپؐ اونٹ سے گر کر درّوں میں لڑھک کر ختم ہو جائیں۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس گھاٹی پر پہنچے تو خدا نے آپؐ کو منافقین کے ارادوں سے آگاہ کر دیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اصحاب سے فرمایا کہ وہ لوگ درّہ کے نیچے سے گزریں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود گھاٹی کے اوپر روانہ ہوئے۔ عمار یاسر سے فرمایا کہ اونٹ کی مہار کھینچتے ہوئے لے چلیں اور حذیفہ بن یمان سے فرمایا کہ اونٹ کو پیچھے سے ہانکتے رہیں۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گھاٹی کے اوپر پہنچے تو منافقین نے چاہا کہ حملہ شروع کریں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غصّہ کے عالم میں حذیفہ کو حکم دیا کہ ان کو بھگا دو جب حذیفہ نے ان پر حملہ کیا تو منافقین رسوائی کے ڈر سے فوراً ہی بھاگ کھڑے ہوئے اور شب کی تاریکی میں لشکر سے جا ملے۔ دوسرے دن صبح اُسید ابن حضیر نے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ان لوگوں کو قتل کر ڈالنے کی اجازت مانگی لیکن رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اجازت نہیں دی۔[۳]

مسجد ضرار کو ویران کردو

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تبوک سے واپسی پر جب منزل ذی آوان پر پہنچے تو آپؐ وحی اور مندرجہ ذیل آیات کے نزول کے ذریعہ مسجد ضرار کے بانیوں کے منصوبہ سے باخبر ہوگئے قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے۔ جن لوگوں نے ضرر پہنچانے، کفر اختیار کرنے، مسلمانوں کے درمیان تفرقہ ڈالنے اور ان لوگوں کے لئے مرکز بنانے کے لئے جو اس سے پہلے خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جنگ کرتے تھے۔ مسجد بنائی ہے۔ البتہ یہ لوگ قسم کھاتے ہیں کہ سوائے نیکی کے اور کچھ نہیں چاہتے اور خدا گواہی دیتا ہے کہ یہ لوگ جھوٹے ہیں آپؐ ہرگز اس مسجد میں نماز کے لئے نہ کھڑے ہوں۔ وہ مسجد جو پہلے ہی دن سے اساس تقوی پر بنی ہے زیادہ بہتر ہے کہ آپ اس میں کھڑے ہوں اس مسجد میں وہ

---

[۱] سیرت ابن ہشام ج 4 ص 169۔ مغازی واقدی ج 3 ص 1025

[۲] سیرت ابن ہشام ج 4 ص 169۔ مغازی واقدی ج 3 ص 1042

[۳] سیرت حلبی ج 3 ص 143۔ مغازی واقدی ج 3 ص 1043

لوگ ہیں جو خود کو پاک و پاکیزہ رکھنے کو دوست رکھتے ہیں اور خدا بھی مطہرین کو دوست رکھتا ہے۔[1]

ان آیات کے نزول کے بعد آنحضرت ﷺ نے چند مسلمانوں کو حکم دیا کہ جاؤ اور اس مسجد کو کہ جس کو ستم گروں نے بنایا ہے، ویران کردو اور جلا ڈالو رسول خدا ﷺ کے حکم پر فوراً عمل ہوا اور مسجد کی چھت کو جو کھجور کی لکڑی سے بنائی گئی تھی آگ لگا دی گئی، منافقین بھاگ کھڑے ہوئے اور آگ بجھنے کے بعد مسجد کی دیواروں کو ملیا میٹ کردیا گیا۔[2]

اسلحہ فروخت نہ کرو

تبوک کے واقعہ کے بعد بہت سے جانبازوں نے یہ سمجھ کر کہ جہاد کا کام اب تمام ہوگیا اپنے اسلحہ کو بیچنا شروع کردیا۔ دولت مند اسلحہ خریدنے لگے تاکہ اپنی قوت میں اضافہ کریں جب یہ خبر پیغمبر اسلام ﷺ کو ملی تو آپؐ نے اس کام سے منع کیا اور فرمایا: ہماری امت سے کچھ لوگ اسی طرح اپنے دین کا دفاع کرتے رہیں گے۔ یہاں تک کہ دجال ظہور کرے۔[3]

جنگ میں دعا کی تاثیر

تبوک کے واقعہ کے بعد رسول خدا ﷺ نے خداوند عالم کی بارگاہ میں شکر ادا کیا اور فرمایا خدایا اس سفر میں جو اجر ملا اور جو کچھ پیش آیا ہم اس پر تیری بارگاہ میں شکریہ ادا کرتے ہیں اس اجر و پاداش میں وہ لوگ بھی ہمارے شریک ہیں جو عذر شرعی کی وجہ سے یہاں رک گئے تھے حضرت عائشہ ہ نے کہا اے اللہ کے رسول ﷺ آپ لوگوں کو سفر کی تکلیفیں اور سختیاں جھیلنا پڑیں ایسے میں جو لوگ گھروں میں رہ گئے کیا وہ بھی آپ کے ساتھ شریک ہیں؟ رسول خدا ﷺ نے فرمایا ہم نے جہاں کہیں بھی سفر کیا، جہاں کہیں بھی خیمہ زن ہوئے، جو لوگ مدینہ میں رہ گئے تھے وہ ہمارے ساتھ تھے۔ لیکن چونکہ یہ لوگ بیمار تھے اس لئے عملی طور پر ہمارے ساتھ نہ آسکے، قسم اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے۔ ان کی دعا ہمارے ہتھیاروں سے زیادہ دشمن پر اندازہوئی۔[4]

غزوہ تبوک سے ماخوذ نتائج

1 غزوہ تبوک موجب بنا کہ تاریخ اسلام میں پہلی بار مسلمانوں میں سے ہر وہ شخص جو اسلحہ اٹھانے پر قادر تھا، میدان میں آجائے[5] اس طرح کہ مومنین میں سے کسی نے بھی اس حکم کو ماننے سے انکار نہیں کیا مگر تین آدمیوں نے کہ جنکی توبہ خدا نے بعد میں قبول کرلی در حقیقت اس لشکر کشی نے مسلمانوں کی جنگی صلاحیتوں کو آشکار کیا۔

2 تبوک کی جنگی مشق، لشکر اسلام کے مضبوط ارادے اور جسمانی و روحانی طاقت کا مظاہرہ تھی اس لئے کہ نہایت نظم و نسق کے ساتھ

---

[1] وَاٰخَرُوْنَ مُرْجَوْنَ لِاَمْرِ اللّٰهِ اِمَّا يُعَذِّبُهُمْ وَاِمَّا يَتُوْبُ عَلَيْهِمْ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿١٠٦﴾ وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَّكُفْرًا وَّتَفْرِيْقًۢا بَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَاِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ مِنْ قَبْلُ ۭ وَلَيَحْلِفُنَّ اِنْ اَرَدْنَآ اِلَّا الْحُسْنٰى ۭ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿١٠٧﴾ (سورۂ توبہ)

[2] سیرت حلبی ج 3 ص 144۔ سیرت ابن ہشام ج 4 ص 174۔ مغازو اقدی ج 3 ص 1046۔ امتاع الاسماع ج 1 ص 480۔ تفسیر التاویل وحقائق التنزیل نسخہ خطی، واقعہ مسجد ضرار از ص 473 تا 475۔

[3] مغازی واقدی ج 3 ص 10571056۔

[4] مغازی واقدی ج 3 ص 1056-1057

[5] عبداللہ بن ابیّ اور دیگر 83 منافقین کے علاوہ۔

،اس دور کے ابتدائی وسائل کے ذریعہ انتہائی دشوار گزار اور طولانی راستہ طے کرنا ،لشکر اسلام کے حوصلوں کی بلندی اور تجربہ کاری کا ثبوت ہے۔

3 غزوہ تبوک،اعراب کی نظر میں مسلمانوں کی عسکری و معنوی عظمت بڑھانے کا موجب بنا۔وہ اعراب جو ابھی شرک پر باقی تھے اس حقیقت کو سمجھ گئے کہ جو لشکر نہایت سختی برداشت کر کے رومیوں سے لڑنے کے لئے سینکڑوں میل کی مسافت طے کرسکتا ہے تو وہ بڑی آسانی سے مشرکین عرب کا بھی مقابلہ کرسکتا ہے اور اسی لئے ہم دیکھتے ہیں کہ تبوک کے واقعہ کے بعد جزیرۃ العرب کے مختلف قبائل کی طرف سے مدینہ میں وفود آنا شروع ہو گئے تا کہ اپنے قبیلہ کے مسلمان ہو جانے کا اعلان کریں اسی وجہ سے ہجرت کے نویں سال کو وفود کا سال کہا جاتا ہے۔

4 جزیرۃ العرب کی سرحدوں کا سرحدی قبائل سے معاہدہ کے بعد محفوظ ہو جانا۔

5 منافقین کے مکروہ کردار کا پردہ فاش ہو جانا۔ جو اس واقعہ میں بے حد رسوا ہوئے۔

6 غزوہ تبوک اس بات کا سبب بنا کہ مسلمان ،رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت کے بعد بڑی آسانی سے شام اور روم کے مختلف علاقوں کو آزاد کرالیں۔

سوالات

1 روم کی بڑی طاقت کے استکباری لشکر سے لڑنے کے لئے کتنے مسلمان تیار ہوئے؟

2 رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے راستہ میں حضرت ابوذر کے بارے میں کیا فرمایا؟

3 مدینہ سے تبوک کا فاصلہ کتنے کلومیٹر ہے اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر مبارک اس سال کتنی تھی؟

4 منافقین نے یہ کیوں چاہا کہ علی علیہ السلام مدینہ میں نہ رہیں؟

5 منافقین نے کن مقاصد کیلئے مسجد ضرار کو تعمیر کیا تھا؟

6 کونسی آیات مسجد ضرار کے بارے میں نازل ہوئیں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس مسجد کے بارے میں کیا فرمان جاری کیا؟

7 غزوہ تبوک کے کیا نتائج رہے؟

8 پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ختم کردینے کی سازش والا واقعہ کیا تھا؟

چودھواں سبق

منافقین کے سربراہ کی موت

واقعہ تبوک کے بعد مسلمانوں کی کامیابیوں میں سے ایک کامیابی منافقین کے فتنہ پرور سربراہ عبداللہ ابن ابی کی موت ہے وہ تھوڑے عرصہ تک بیمار رہ کر مرگیا اور اس طرح تحریک اسلامی کے ایک سخت ترین داخلی دشمن کا شر برطرف ہوگیا۔[1]

مدینہ میں مختلف قبائل کے نمائندہ وفود کی آمد

فتح مکہ اور تبوک پر لشکرکشی کے بعد، ہر طرف سے مختلف قبائل کی نمائندگی کرنے والے وفود مدینہ میں آئے۔ چنانچہ اسی لئے سنہ 9 ھ کو عام الوفود (وفود کا سال) کہا جاتا ہے۔ اعراب اس بات کے منتظر تھے کہ اسلام اور قبیلہ قریش کی باہمی چپقلش کا کیا نتیجہ نکلتا ہے؟ اس لئے کہ قریش عرب کے پیشوا اور خانہ کعبہ کے متولی تھے۔ جب مکہ فتح ہوگیا اور قریش مغلوب ہوگئے تو دوسرے عرب قبائل یہ سمجھ گئے کہ ان میں اسلام سے مقابلہ کی طاقت نہیں ہے۔ غزوہ تبوک سے یہ حقیقت اور زیادہ روشن ہوگئی تھی۔ لہٰذا ناچار گروہ درگروہ دین خدا میں داخل ہونے لگے۔

وہ دین جس میں نماز نہیں اس کا کوئی فائدہ نہیں

عرب کے سخت ترین قبیلہ، ثقیف کی جانب سے چھ سرکردہ افراد پر مشتمل ایک وفد اسلام قبول کرنے کے بارے میں مذاکرہ کرنے کے لئے مدینہ آیا اور مغیرہ ابن شعبہ ثقفی کے گھر ٹھہرا، پذیرائی کا سامان رسول اللہ ﷺ کے گھر سے مغیرہ کے گھر بھیجا گیا انہوں نے اسلام قبول کرنے کے سلسلے میں کچھ تجویزیں رکھیں منجملہ ان کے ایک یہ تھی کہ لات کے بتخانہ کو تین سال تک ویران نہ کریں۔ دوسرے یہ کہ ان سے نماز معاف ہوجائے، جب رسول خدا ﷺ نے ان کی تجویزوں کو قبول نہیں کیا تو وہ ترک نماز پر اصرار کرنے لگے۔ آنحضرت علیہ السلام نے فرمایا جس دین میں نماز نہیں اس کا کوئی فائدہ نہیں۔ آخرکار انہوں نے اسلام قبول کیا اور نماز پڑھنے اور شرعی احکام پر عمل کرنے کے لئے آمادہ ہوگئے۔[2]

ابراہیم کا سوگ

پیغمبر اسلام ﷺ کی بیوی ماریہ قبطیہ[3] سے ایک بیٹا پیدا ہوا۔ ولادت کی صبح پیغمبر اسلام ﷺ نے اپنے اصحاب کو یہ خوش خبری سنائی کہ کل رات خدا نے مجھے بیٹا عطا کیا ہے جس کا نام میں نے اپنے جد، ابراہیم علیہ السلام کے نام پر ابراہیم علیہ السلام ہی رکھا ہے۔ ولادت کے ساتویں دن آپؐ نے عقیقہ میں ایک گوسفند ذبح کیا اور مولود کے سر کے بال تراش کر اس کے برابر چاندی مسکینوں میں صدقہ کے طور پر تقسیم کی۔ پیغمبر اسلام ﷺ کی دوسری بیویوں نے جب یہ دیکھا کہ ماریہ کے ذریعہ پیغمبر اسلام ﷺ صاحب اولاد ہوگئے ہیں تو ان کو ماریہ

---

[1] مغازی واقدی ج 3 ص 1057

[2] مغازی واقدی ج 3 ص 965۔ سیرت النبویہ ابن کثیر ج 4 ص 56

[3] ماریہ قبطیہ ایک کنیز تھیں جنکو۔۔ مقوقس۔۔ بادشاہ مصر نے پیغمبر اسلام ﷺ کو ہدیہ دیا تھا اور آپ ﷺ نے ان سے نکاح کر لیا تھا۔

پر رشک ہوا۔[1]

18 / مہینہ کے بعد پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اکلوتا بیٹا بیمار پڑا اور انتقال کر گیا۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے انتقال سے غم واندوہ میں مبتلا ہوئے۔

خرافات سے جنگ

جس دن ابراہیم کا انتقال ہوا اس دن آفتاب کو گہن لگا۔ لوگوں نے یہ سوچا کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بیٹے کے غم میں آفتاب کو گہن لگا ہے۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہیں چاہتے تھے کہ لوگ خرافات کی طرف مائل ہوں اس لئے آپ منبر پر تشریف لے گئے اور فرمایا آفتاب و ماہتاب قدرت کی نشانی ہیں وہ سنت الٰہی کے مطابق خاص راستے پر گردش کرتے ہیں اور انہیں ہرگز کسی کی ولادت یا موت پر گہن نہیں لگتا، سورج گہن کے موقع پر تمہارا فریضہ یہ ہے کہ تم نماز پڑھو۔[2]

مشرکین سے بیزاری

10 / ذی الحجہ 9ھ بمطابق 22 مارچ 631ء حج کا زمانہ آ گیا۔ ابھی تک مشرکین حج کے مراسم میں گذشتہ لوگوں کے طریقہ کے مطابق شرکت کرتے تھے۔ اس سال مشرکین سے بیزاری (سورہ برائت)[3] والی آیتیں نازل ہوئیں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابتدا میں ابوبکر کو امیر الحاج کے عنوان سے مکہ روانہ کیا اور حکم دیا کہ ان آیات کو لوگوں کے مجمع میں پڑھیں۔ ابوبکر اور دیگر مسلمان حج کے لئے مکہ کی طرف جادہ پیما ہوئے۔

حضرت علی علیہ السلام اہم مشن پر

ابھی تھوڑی دیر نہ گزری تھی کہ جبرئیل نازل ہوئے اور خدا کی طرف سے پیغام لے کر آئے کہ مشرکین سے بیزاری والے پیغام کو یا آپ خود پہنچائیں یا وہ شخص پہنچائے جو آپؐ کے اہل بیت علیہم السلام سے ہو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی اونٹنی ناقہ عضباء کو علی علیہ السلام کے حوالہ کیا اور فرمایا ابوبکر سے جا کر وہ آیتیں لے لو جو مشرکین سے بیزاری و برائت کے سلسلہ میں نازل ہوئی ہیں اور زائرین خانہ خدا کے مجمع میں خود پڑھو۔ بروایت شیخ مفید، ابوبکر نے آیات کو علی علیہ السلام کے حوالہ کیا اور مدینہ لوٹ آئے۔[4] اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں پہنچ کر کہا کیا میرے بارے میں وحی نازل ہوئی ہے؟ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نہایت اطمینان سے فرمایا جبرئیل علیہ السلام تشریف لائے اور خدا کا پیغام پہنچایا کہ اس کام کو میرے یا میرے اہل بیت کے فرد کے علاوہ کوئی دوسرا انجام نہیں دے سکتا۔[5]

حضرت علی علیہ السلام حج کے دوران مجمع کے درمیان کھڑے ہوئے اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان کے مطابق اعلان کیا کہ اے لوگو

---

[1] طبقات ابن سعد ج 1 ص 134، 135

[2] فروغ ابدیت ج 2 ص 803۔ محاسن ص 313۔ سیرت حلبی ج 3 ص 310۔311

[3] سورہ توبہ کی آیت ا سے 5 تک۔ البتہ بعض افراد بعد کی آیات کو بھی اس کا جزء سمجھتے ہیں۔

[4] چونکہ اہل سنت نے انکے پلٹ آنے کو اہانت سمجھا اس لئے انکی کتابوں میں یہ نقل بہت عام ہے کہ ابوبکر اپنی امارت پر باقی رہے اور مکہ چلے گئے لیکن علی علیہ السلام نے آیات برائت کو مشرکین کے سامنے پڑھا۔ ملاحظہ فرمائیں تفسیر ابن کثیر ج 2 ص 333۔ مسند احمد بن حنبل ج 2 ص 332۔ مجمع الزوائد ج 7 ص 29۔ الدر المنثور ج 3 ص 209۔ لیکن نسائی وطبری لکھتے ہیں کہ ابوبکر پریشانی کے ساتھ مدینہ پلٹے۔ رجوع کریں خصائص ص 20 تفسیر طبری ج 10 ص 46۔

[5] بحار الانوار ج 21 ص 275۔

کوئی کافر بہشت میں نہیں جائے گا اور اس سال کے بعد کسی مشرک کو حج نہیں کرنے دیا جائے گا اور نہ ہی کعبہ کا برہنہ طواف کرنے کی اجازت ہوگی۔ جس کی رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کوئی قرار داد یا معاہدہ ہے تو وہ معاہدہ اپنی مدت تک باقی ہے اور دوسروں کو بھی آج سے چار مہینے کی مہلت ہے کہ ہر گروہ اپنے مسکن اور اپنی سرزمین کو پلٹ جائے۔ چار مہینے کے بعد کسی بھی مشرک کے لئے کوئی عہد و پیمان نہیں رہ جائے گا مگر ان لوگوں کے لئے جنہوں نے خدا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایک مدت تک کے لئے عہد و پیمان کیا ہے۔ اس سال کے بعد مشرکین نہ حج بجالائیں گے اور نہ کعبہ کے گرد برہنہ طواف کریں گے۔ [1]

مباہلہ

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دنیا کے سرکردہ افراد کو خط لکھنے کے بعد ایک خط اسقف نجران (مکہ کے جنوب مشرق میں 910 کیلومیٹر کے فاصلہ پر ایک شہر ہے) کو لکھا اور اس دیار کے عیسائیوں کو اسلام کی دعوت دی۔ خط میں کہا گیا تھا کہ اگر اسلام قبول نہیں کرتے تو جزیہ دو تا کہ تمہیں اسلامی حکومت کی حمایت حاصل ہوجائے یا پھر جنگ کے لئے تیار ہوجاؤ۔ اسقف نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد ایک پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ظہور کی بشارت آسمانی کتابوں میں پڑھ رکھی تھی اس لئے اس نے اپنے نمائندوں کو مدینہ بھیجنے کا ارادہ کیا۔ عیسائیوں کا ایک عالی مرتبہ وفد مذاکرہ اور اسلام کے مسائل کے بارے میں تحقیق کے لئے مدینہ پہنچا اور یہاں پہنچنے کے بعد انہوں نے مکمل آزادی کے ساتھ اپنے مذہبی مراسم مسجد مدینہ میں انجام دیئے۔ اس کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں ایک تفصیلی بحث شروع ہوئی۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں فرمایا وہ خدا کی مخلوق اور اس کے بندے ہیں جن کو خدا نے مریم کے رحم میں رکھا۔ [2]

عیسائی نمائندے کہہ رہے تھے کہ عیسیٰ علیہ السلام خدا کے بیٹے ہیں اس لئے کہ مریم نے بغیر کسی مرد کی قربت کے ان کو جنا ہے۔ جواب میں آیت نازل ہوئی اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو پیش کیا کہ عیسیٰ علیہ السلام کی خلقت آدم علیہ السلام کی تخلیق کی طرح ہے خدا نے ان کو خاک سے پیدا کیا۔ [3] یعنی اگر باپ کا نہ ہونا خدا کا بیٹا ہونے کی دلیل ہے تو آدم کا نہ باپ تھا اور نہ ماں لہٰذا وہ خدا کا بیٹا ہونے کے زیادہ سزاوار ہیں۔

مذاکرات اور بحثیں جاری رہیں، عیسائی مذہبی نمائندے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی منطق کے سامنے خاموش ہو گئے، لیکن ان کا بے جا تعصب حقیقت و ایمان کو ماننے سے رکاوٹ بنا رہا۔ فرشتہ وحی نازل ہوا اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم ملا کہ ان لوگوں کو مباہلہ کے لئے بلائیں۔ یعنی دونوں گروہ صحرا میں جائیں اور ایک معین وقت پر خدا کی بارگاہ میں دعا کریں اور جھوٹے پر لعنت بھیجیں۔ [4]

مباہلہ کے بارے میں علامہ طباطبائی مرحوم فرماتے ہیں کہ مباہلہ، اسلام کے زندہ معجزات میں سے ہے، ہر باایمان شخص اسلام کے پہلے پیشوا کی پیروی میں حقائق اسلام میں سے کسی حقیقت کے اثبات کے لئے مخالف سے مباہلہ کر سکتا ہے اور خداوند عالم سے درخواست کر سکتا ہے کہ مخالف کو کیفر کردار تک پہنچائے اور شکست دے۔ [5]

---

[1] سیرت ابن ہشام ج4 ص190۔ امتاع الاسماع ج1 ص498۔ مجمع البیان ج5 ص3۔ تفسیر تبیان ج5 ص198۔

[2] اِنَّمَا الْمَسِيحُ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُولُ اللهِ وَكَلِمَتُهُ أَلْقَاهَا إِلَى مَرْيَمَ وَرُوحٌ مِنْهُ (نساء/ 171)۔

[3] اِنَّ مَثَلَ عِيسَى عِنْدَ اللهِ كَمَثَلِ آدَمَ خَلَقَهُ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ (آل عمران/ 59)۔

[4] فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ أَبْنَاءَنَا وَأَبْنَاءَكُمْ وَنِسَاءَنَا وَنِسَاءَكُمْ وَأَنْفُسَنَا وَأَنْفُسَكُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَعْنَةَ اللهِ عَلَى الْكَاذِبِينَ (آل عمران/ 61) بحارالانوار ج21/ ص340 و353۔ تفسیر المیزان ج3 ص228۔

[5] فروغ ابدیت ج2 ص821

مباہلہ کا وقت قریب آیا رسول خدا ﷺ نے مسلمانوں اور اپنے وابستگان کے درمیان سے صرف چار افراد کا انتخاب کیا جو اس تاریخی واقعہ میں شریک ہوئے اور وہ ہیں حضرت علی علیہ السلام پیغمبر اسلام ﷺ کی باعظمت بیٹی فاطمہ زہراء سلام اللہ علیہا اور حسن و حسین علیہما السلام اس لئے کہ تمام مسلمانوں کے درمیان ان چار افراد سے زیادہ پاکیزہ اور باایمان انسان موجود نہ تھے۔ رسول خدا ﷺ نے اپنے ساتھ جانے والوں سے کہا کہ جب ہم وہاں پہنچیں تو ہماری دعا پر آمین کہنا۔

پھر بے مثال معنوی شان وشوکت کے ساتھ، آنحضرت ﷺ حسین علیہ السلام کو گود میں لئے حسن علیہ السلام کا ہاتھ پکڑے اور فاطمہ و علی علیہما السلام ان کے پیچھے اس مقام کی طرف چلے جہاں مباہلہ ہونا قرار پایا تھا۔ جب عیسائیوں کی منتظر نگاہیں رسول خدا ﷺ اور ان کے ساتھ آنے والے نورانی اور ملکوتی چہروں پر پڑیں تو اسقف اعظم نے کہا۔ میں ایسے دیکھ رہا ہوں کہ اگر یہ شخصیات بارگاہ الٰہی میں دعا کریں تو بیابان دیکھتے دیکھتے جہنم میں بدل جائے اور عذاب کی چادر سرزمین نجران کو اپنے دامن میں لپیٹ لے۔ اس بات کا خطرہ ہے کہ تمام عیسائی ختم ہو جائیں[1]

آخر کار وہ جزیہ دینے پر تیار ہو گئے اور طے پایا کہ ہر سال دو ہزار حلے اور تیس آہنی زرہیں بطور جزیہ دیا کریں گے۔[2]

حضرت علی علیہ السلام کی یمن میں ماموریت

جب یمن کے فرماں روا اور کچھ لوگ اسلام کے گرویدہ ہو گئے تو رسول اللہ ﷺ نے ایک دانش مند صحابی معاذ بن جبل کو قرآن کی تعلیم اور تبلیغ اسلام کے لئے اس علاقہ میں بھیجا۔ وہ کچھ دنوں کے بعد لوٹ آئے۔ پھر چند دنوں کے بعد پیغمبر اسلام ﷺ نے خالد ابن ولید کو روانہ کیا۔ خالد اپنی خشونت اور سلوک کی بنا پر لوگوں کے دلوں میں ایمان کی لونہ بڑھا سکے۔ اس وجہ سے رسول خدا ﷺ نے حضرت علی علیہ السلام کو حکم دیا کہ یمن جا کر اس علاقہ کے لوگوں کو اسلام کی دعوت دیں، احکام دین سکھائیں اور واپسی پر نجران کے لوگوں سے جزیہ وصول کرتے ہوئے آئیں۔ رسول خدا ﷺ کے حکم کے مطابق حضرت علی علیہ السلام چند مسلمانوں کے ساتھ یمن کی طرف روانہ ہو گئے۔ وہاں آپؑ نے حیرت انگیز فیصلوں اور پر زور تقریروں سے شیفتگان حق کو اسلام کی طرف مائل کیا۔ قبیلہ ہمدان کے درمیان آپ کی صرف ایک تقریر اور رسول خدا ﷺ کے خط کے پڑھنے سے اس قبیلہ کے لئے وہ مثل ثابت ہوگئی کہ دل سے جو بات نکلتی ہے اثر کرتی ہے اور اس طرح ایک دن سے بھی کم مدت میں یہ عظیم قبیلہ حلقہ بگوش اسلام ہو گیا۔[3] قبیلہ ہمدان کے مسلمان ہو جانے سے پورے یمن میں اسلام کی اشاعت پر بہت اچھا اثر پڑا۔

---

[1] سیرت نبویہ برحاشیہ سیرت حلبی ج3 ص4

[2] آیت مباہلہ، اہل بیت علیہم السلام کی شان میں نازل ہونے کے سلسلہ میں اہل سنت کی کتابوں میں بہت سی اسناد موجود ہیں۔ ملاحظہ ہو۔ صحیح مسلم ج7 ص120۔ سنن ترمذی ج4 ص293۔ مسند احمد ج1 ص185۔ تفسیر طبری آیہ مباہلہ کے ذیل میں۔ احکام القران جصاص ج2 ص14۔ مستدرک حاکم ج3 ص150۔ معرفۃ علوم الحدیث حاکم ص50۔ دلائل النبوۃ ابی نعیم ص297۔ مصابیح السنۃ ج2 ص304۔ معالم التنزیل ج1 ص302 بر حاشیہ الخازن۔ اسباب النزول واحدی ص75۔ الکشاف زمخشری ج1 ص368۔ عمدہ بطریق ص95۔ تفسیر کبیر فخر رازی ج8 ص85۔ جامع الاصول ابن اثیر ج9 ص470۔ الشفا قاضی عیاض ج2 ص36۔ مناقب خوارزمی ص96۔ کامل ابن اثیر ج2 ص200۔ ذخائر العقبی محب الدین طبری ص25۔ انوار التنزیل بیضاوی ص74۔ کفایۃ الطالب ص55۔ مطالب السئول ص7۔ تذکرۃ الخواص سبط ابن جوزی ص8۔ تفسیر قرطبی ج4 ص104۔ سیرت احمد زینی دحلان سیرت الحلبیہ کے حاشیہ پر ج3 ص5۔ تفسیر کشف الاسرار وعدۃ الابرار ج2 ص147۔

[3] بحار الانوار ج21 ص360۔363 کامل ابن اثیر ج2 ص305۔

سوالات

1 مشرکین سے بیزاری والی آیات کو کس نے لوگوں کے سامنے پڑھا؟

2 مباہلہ کیا ہے؟

3 مباہلہ میں شرکت کے لئے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علی علیہ السلام، فاطمہ سلام اللہ علیہا، اور حسن علیہ السلام وحسین علیہ السلام ہی کو کیوں منتخب فرمایا؟

4 نجران کے عیسائیوں نے آخر میں کیا کیا؟

5 حضرت علی علیہ السلام نے یمن میں اپنی ذمہ داری کو کیسے ادا کیا؟

پندرھواں سبق

حجۃ الوداع

روانگی کی تاریخ: 25 ذی القعدہ 10ھ بمطابق 26 فروری 631ء بروز ہفتہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم سے اعلان کیا گیا کہ اس سال رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حج بیت اللہ کیلئے مکہ تشریف لے جائیں گے۔ اس خبر نے لوگوں کے اشتیاق کو بھڑکا دیا اور ہزاروں مسلمان آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ چلنے کے لئے تیار ہوگئے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابودجانہ کو مدینہ میں اپنا جانشین معین فرمایا اور ساٹھ قربانی کے جانور لے کر 25 / ذی القعدہ کو حج ادا کرنے کے لئے تمام ہمراہیوں کے ساتھ مکہ کی طرف روانہ ہوگئے۔ [۱]

اس سفر میں پیغمبر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیویاں آپؐ کے ساتھ تھیں جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ سے 9 کیلومیٹر جنوب میں مقام ذوالحلیفہ پر پہنچے تو آپ نے لباس احرام پہنا اور لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ، لَبَّيْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ لَبَّيْكَ، اِنَّ الْحَمْدَ وَ النِّعْمَةَ لَكَ وَ الْمُلْكَ، لَا شَرِيْكَ لَكَ کی آواز بلند کی۔ روانگی کے دس دن بعد آپؐ مکہ پہنچ گئے مسجد الحرام میں وارد ہوئے، کعبہ کا طواف کیا، حجر اسود کو بوسہ دیا اور مقام ابراہیم علیہ السلام پر دو رکعت نماز پڑھی، پھر صفا و مروہ کے درمیان سعی فرمائی۔

جہاں عدالت باعث عداوت ہے

علی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یمن میں تبلیغ اسلام میں مشغول تھے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سفر حج سے آگاہ ہوئے تو اپنے ماتحت افراد کے ساتھ مکہ کی طرف روانہ ہوگئے آدھے راستہ میں ہمراہیوں کی کمان ایک افسر کے سپرد کی اور تیزی سے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس مکہ پہنچے اور آپؐ کی خدمت میں اپنی کارگزاری کی رپورٹ پیش کی۔ جب یمن کی طرف سے آنیوالا کاروان مکّہ سے نزدیک ہوا تو علی علیہ السلام ان کے استقبال کے لئے بڑھے لیکن امید کے برخلاف آپ نے دیکھا کہ انہوں نے بیت المال کے کپڑوں اور چادروں کو جونجرانیوں نے جزیہ کے طور پر دیئے تھے، اپنے درمیان تقسیم اور لباس احرام بنا کر پہن لیا ہے۔ حضرت علی علیہ السلام اس ناشائستہ حرکت پر اپنے ماتحت افسر پر سخت ناراض ہوئے اور اس سے کہا تم نے کپڑوں کو کیوں تقسیم کیا؟

اس نے جواب میں کہا کہ جانبازوں نے اس بات پر اصرار کیا کہ میں کپڑوں کو امانت کے طور پر انہیں دیدوں اور حج کے مراسم ادا کرنے کے بعد ان سے واپس لے لوں۔ علی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تم کو یہ اختیار نہیں تھا پھر آپؑ نے تمام کپڑے واپس لے لئے اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تحویل میں دینے کے لئے تہہ کر کے رکھ دئے۔ ایک گروہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پہنچا اور علی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سخت گیری کی شکایت کی، رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ناراض ہونے والوں سے کہا کہ علی علیہ السلام پر تنقید نہ کرو وہ خدا کا حکم جاری کرنے میں قاطع اور سخت گیر ہیں۔ [۲]

---

[۱] مغازی واقدی ج 3 ص 1089۔ سیرت ابن ہشام ج 4 ص 248۔

[۲] اہل سنت کی چند دوسری کتابوں میں اس طرح لکھا ہے کہ۔۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تم علی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کیا چاہتے ہو؟ علی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھ سے ہیں اور میں ان سے ہوں اور وہ میرے بعد ہر مومن کے ولی و سرپرست و صاحب اختیار ہیں۔ ترمذی ج 5 ص 632۔ مستدرک حاکم ج 3 ص 110۔111۔ البدایۃ والنہایۃ ج 7 ص 345۔ اسد الغابہ ج 4 ص 107۔108۔ مسند احمد ابن حنبل ج 5 ص 356۔ سیرت ابن ہشام ج 4 ص 250، تاریخ طبری ج 3 ص 149

حجۃ الوداع کے موقعہ پر رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پرجوش تقریر

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حج کے دوران عرفہ کے دن نماز سے پہلے خطبہ پڑھا اور اس کے دوسرے دن منی میں آپؐ کی تقریر کچھ اس طرح کی تھی[1]

خداوند عالم اس بندہ کے چہرہ کو منور اور شاداب رکھے جو میری بات کو سنے، یاد رکھے، محفوظ کرے اور پھر ان لوگوں تک پہنچائے جنہوں نے نہیں سنی، بہت سے فقہ کے حامل ایسے ہیں جو خود فقیہ نہیں ہیں اور بہت سے فقہ کے پہنچانے والے ایسے ہیں کہ جو ایسے شخص تک پہنچاتے ہیں جو ان سے زیادہ عقلمند ہیں۔ تین چیزیں ایسی ہیں کہ جن سے مرد مسلمان کا دل خیانت نہیں کرتا، عمل کو خالص خدا کے لئے انجام دینا، رہبروں کے لئے بھلائی چاہنا، یک رنگی اختیار کرنا اور مومنین کی جماعت سے جدا نہ ہونا اس لئے کہ ان کی دعا ہر ایک کو گھیرے رہتی ہے۔ پھر فرمایا۔ اے لوگوں تم شاید اب اس کے بعد مجھے نہ دیکھو آیا تم جانتے ہو کہ یہ کون سا شہر، کون سا مہینہ اور کون سا دن ہے؟ لوگوں نے کہا ہاں یہ حرمت کا شہر، حرمت کا مہینہ اور حرمت کا دن ہے۔ آپؐ نے فرمایا خدا نے تمہارے خون تمہارے مال کی حرمت کو اس شہر، اس مہینہ اور اس دن کی حرمت کی طرح قرار دیا ہے۔ کیا میں نے (پیغام) پہنچا دیا۔ مجمع نے کہا ہاں آپؐ نے فرمایا خدایا تو گواہ رہنا۔ پھر آپؐ نے ارشاد فرمایا خدا سے ڈرتے رہو اور کم نہ تولو، زمین میں تباہی نہ پھیلاؤ اور ہر وہ شخص جس کے پاس کوئی امانت ہو وہ اسے (اس کے مالک تک) پہنچائے، اسلام میں سب لوگ برابر ہیں اس لئے کہ سب آدم علیہ السلام و حوا کی اولاد ہیں۔ عربی کو عجمی پر اور عجمی کو عربی پر سوائے پرہیزگاری کے اور کوئی برتری حاصل نہیں کیا میں نے (پیغام) پہنچا دیا؟ لوگوں نے کہا ہاں آپؐ نے فرمایا خدایا گواہ رہنا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اپنے نسب کو میرے پاس نہ لانا بلکہ اپنے عمل کو میرے پاس لانا، جو میں لوگوں سے کہتا ہوں تم بھی یہی کہو، کیا میں نے (پیغام) پہنچا دیا؟ لوگوں نے کہا ہاں فرمایا خدایا تو گواہ رہنا۔ پھر آپؐ نے فرمایا وہ خون جو جاہلیت میں بہایا گیا ہے میرے پیر کے نیچے ہے (یعنی اس کی کوئی حیثیت نہیں) اور پہلا خون جس کو میں اپنے پیر کے نیچے قرار دیتا ہوں وہ آدم ابن ربیعہ ابن حارث[2] (رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وابستگان میں سے ایک شیر خوار بچہ جسے بنی سعد بن بکر نے مار ڈالا تھا) کا خون ہے۔ کیا میں نے (پیغام) پہنچا دیا؟ لوگوں نے کہا جی ہاں فرمایا خدایا گواہ رہنا۔

پھر فرمانے لگے ہر وہ سود جو جاہلیت کے زمانہ میں تھا میرے پیروں کے نیچے ہے پہلا سود جو میں اپنے پیروں کے نیچے رکھتا ہوں وہ عباس ابن عبدالمطلب کا رہا ہے کیا میں نے (پیغام) پہنچا دیا؟ مجمع نے کہا ہاں فرمایا خدایا تو گواہ رہنا۔ پھر فرمایا بے شک ماہ حرام میں تاخیر، کفر میں زیادتی کا باعث ہے اور کافرین اس سے گمراہ ہوں گے (کیونکہ وہ) ایک سال کو حلال اور ایک سال کو (اپنے فائدہ کیلئے) حرام شمار کرتے ہیں تا کہ جس مہینہ کو خدا نے حرام کیا ہے اپنے مفاد کے موافق بنالیں۔ آگاہ ہو جاؤ کہ زمانہ، گزشتہ صورتحال کی طرف پلٹ گیا ہے کہ جس دن خدا نے آسمان اور زمینوں کو پیدا کیا، بیشک خداوند عالم کے نزدیک اس کی کتاب میں بارہ مہینے ہیں ان میں سے چار مہینے حرمت کے ہیں۔ رجب جو کہ جمادی اور شعبان کے درمیان ہے اور اس کو رجب مضر کہتے ہیں اور پھر پے در پے تین مہینے ذی القعدہ، ذی الحجۃ اور

---

[1] یہ تقریر سیرت کی مختلف کتابوں میں دو طریقوں سے نقل کی گئی ہے ایک۔۔ عرفہ میں تقریر۔۔ کے عنوان سے اور دوسری۔۔ منی میں تقریر۔۔ کے عنوان سے تفصیلات کیلئے رجوع کریں: مغازی واقدی ج3 ص1103۔ سیرت ابن ہشام ج4۔ تاریخ یعقوبی ج2 ص110 طبری ج3 ص150۔

[2] مغازی واقدی میں۔۔ ایاس بن ربیعۃ بن حارث۔۔ ذکر ہوا ہے۔

محرم ہیں بتاؤ میں نے تمہیں خبردار کردیا؟ لوگوں نے جواب دیا؟ ہاں آپؐ نے فرمایا خدایا تو گواہ رہنا۔ پھر فرمایا میں تم کو عورتوں کے ساتھ نیکی کرنے کیلئے کہتا ہوں اس لئے کہ ان کو تمہارے سپرد کیا گیا ہے وہ اپنے امر میں سے کوئی چیز اپنے ہاتھ میں نہیں رکھتیں تم نے انہیں خدا سے بطور امانت لیا ہے۔ خدا کے حکم کے مطابق تم نے ان سے قربت کی ہے تمھارا ان پر کچھ حق ہے، ان کی معمول و رائج غذا اور لباس تم پر لازم ہے اور تمھارا حق ان پر یہ ہے کہ کسی کا پیر تمہارے بستر تک نہ پہنچنے دیں۔ تمہاری اطلاع اور اجازت کے بغیر تمہارے گھروں میں کسی کو داخل نہ ہونے دیں۔ پس اگر ان میں سے کوئی چیز انجام نہ دیں تو ان کی خواب گاہ سے دوری اختیار کرو اور نہایت نرمی سے تنبیہ کرو۔

کیا میں نے تبلیغ کردی؟ لوگوں نے کہا ہاں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا خدایا گوہ رہنا۔ پھر آپؐ گویا ہوئے اب میں تم سے غلاموں کے بارے میں کچھ کہتا ہوں جو کھانا تم کھاتے ہو وہی ان کو بھی کھلاؤ، جو تم پیتے ہو وہی ان کو بھی پلاؤ، اگر یہ خطا کریں تو سزا کو معاف کردینا۔ کیا میں نے تبلیغ کردی؟ سب لوگ بولے ہاں حضرت نے فرمایا خدایا تو گواہ رہنا پھر فرمانے لگے۔ مسلمان، مسلمان کا بھائی ہے، ان کے ساتھ حیلہ اور خیانت نہ کرو، ان کی پیٹھ پیچھے بدگوئی نہ کرو نہ ان کا خون حلال ہے اور نہ مال، مگر ان کی رضایت سے، کیا میں نے تبلیغ کردی؟ لوگوں نے کہا ہاں۔ فرمایا خدایا تو گواہ رہنا۔

پھر آپؐ نے کہا شیطان آج کے بعد اس بات سے ناامید ہوگیا کہ اس کی پرستش ہوگی۔ لیکن پرستش کے علاوہ جن کاموں کو تم چھوٹا سمجھتے ہو ان پر عمل ہوگا اور وہ (شیطان) اسی پر راضی اور خوش ہے۔ کیا میں نے بتادیا؟ لوگوں نے کہا ہاں آپؐ نے فرمایا خدایا گواہ رہنا پھر آپؐ نے فرمایا دشمن خدا میں سب سے زیادہ گستاخ وہ ہے جو اپنے قتل کرنے والے کے علاوہ کسی کو قتل کرے اور اپنے مارنے والے کے علاوہ کسی کو مارے۔ جو اپنے آقا کی نافرمانی کرے اس نے اس چیز کا انکار کردیا جو خدا نے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل کی ہے اور جو کوئی اپنے باپ کے علاوہ کسی اور کی طرف اپنی نسبت دے اس پر خدا، فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت ہے۔ کیا میں نے بتادیا؟ مجمع بولا ہاں فرمایا خدایا گواہ رہنا۔ پھر آپؐ نے ارشاد فرمایا میں مامور ہوں کہ جہاد کروں تاکہ لوگ خدا کی یکتائی اور میری رسالت کے معتقد ہوجائیں۔ جب اس کا اقرار کرلیں گے تو گویا انہوں نے اپنے مال اور خون کو محفوظ کرلیا سوائے ان حقوق کے جو انکی گردنوں پر ثابت ہیں اور ان کا حساب خدا پر ہے کیا میں نے بتادیا؟ لوگوں کے کہا ہاں فرمایا خدایا گواہ رہنا۔ پھر آپؐ نے فرمایا کہیں ایسا نہ ہو کہ میرے بعد تم گمراہ کرنے والے کافر ہوجاؤ کہ تم میں سے بعض، بعض کی گردنوں کے مالک (مالک الرقاب) ہوجائیں۔ میں تمہارے درمیان ایسی چیز چھوڑے جارہا ہوں کہ اگر تم اس سے متمسک رہے تو ہرگز گمراہ نہ ہوگے۔

کتاب خدا اور میری عترت و خاندان۔ [1] کیا میں نے تبلیغ کردی لوگوں نے کہا۔ بے شک فرمایا خدایا گواہ رہنا۔ اس کے بعد فرمایا۔ البتہ تم سے سوال ہوگا لہٰذا تم میں جو حاضر ہے وہ غائب تک (یہ پیغامات) پہنچادے۔ [2]

---

[1] انّی تَارِکٌ فِیْکُمُ الثَّقَلَیْن کتاب اللہ وَ عِتْرَتی ان تَمَسَّکْتُمْ بِھِمَا لَنْ تَضِلُّوا۔ یہ عبارت اہل سنت کی جن معتبر کتابوں میں مختصر انداز سے ذکر کی گئی ہے ان میں سے چند کے نام مندرجہ ذیل ہیں۔ صحیح مسلم ج 7 ص 122۔ سنن ترمذی ج 2 ص 307۔ سنن دارمی ج 2 ص 14و17و26و59۔ خصائص نسائی ص 30۔ مستدرک حاکم ج 3 ص 109۔ کفایۃ الطالب ج 1 ص 11۔ طبقات ابن سعد ج 4 ص 8۔ عقد الفرید ج 2 ص 326و158۔ اسد الغابۃ ج 2 ص 12۔ حلیۃ الاولیا ج 1 ص 355۔ تذکرۃ الخواص ص 332۔ منتہی الارب۔ مصابیح السنۃ ج 2 ص 205-206

[2] سیرت ابن ہشام ج 3، 4، ص 603۔ تاریخ یعقوبی ج 2 ص 110۔ مغازی واقدی ج 3 ص 1103۔ طبری ج 3 ص 150۔

غدیر خم

18 / ذی الحجہ 10ھ بمطابق 19 مارچ 631ء بروز اتوار

اتوار 18 ذی الحجہ کو جب پیغمبر اسلام ﷺ جحفہ سے غدیر خم کے پاس پہنچے تو امین وحی حضرت جبرئیل، خدا کی جانب سے یہ پیغام لائے کہ اے پیغمبر ﷺ خدا کی طرف سے جو پیغام آپؐ پر نازل کیا گیا ہے وہ لوگوں تک پہنچا دیں، اور اگر آپؐ نے نہیں پہنچایا تو رسالت کو مکمل نہیں کیا۔ خدا آپؐ کو لوگوں سے بچائے گا بے شک خدا کافروں کو ہدایت نہیں کرتا۔ [1]

اس طرح خدا کی جانب سے پیغمبر اسلام ﷺ کو حکم دیا گیا کہ لوگوں کے درمیاں کھلم کھلا حضرت علی علیہ السلام کا تعارف کروائیں اور انکی ولایت واطاعت (جو مسلمانوں پر فرض ہے) کا اعلان کردیں۔ حجاج کا کاروان جحفہ [2] پہنچا۔ پیغمبر اسلام ﷺ نے حکم دیا کہ وہ لوگ جو آگے بڑھ گئے ہیں لوٹ آئیں اور باقی ٹھہر جائیں تمام مسلمان جمع ہوگئے ان کی تعداد ایک لاکھ بیس ہزار سے زیادہ تھی۔ اس روز سخت گرمی کے عالم میں لوگ پیروں کے نیچے عبا بچھائے، دامن کو سائبان بنا کر سروں پر رکھ رہے تھے۔ نماز جماعت ادا گئی، پیغمبر اسلام ﷺ نماز کے بعد اس بلند منبر پر جلوہ افروز ہوئے جو اونٹوں کے پالانوں سے بنایا گیا تھا اور ایک تقریر فرمائی۔

رسول خدا ﷺ کی تقریر کا ترجمہ ملاحظہ ہو

حمد وثنا خدا سے مخصوص ہے ہم اس سے مدد چاہتے اور اس پر ایمان رکھتے ہیں اس پر توکل کرتے اور نامناسب عمل سے اس کی پناہ چاہتے ہیں وہ خدا جس کے سوا کوئی ہادی اور رہنما نہیں، جس کی وہ ہدایت کرے اس کو کوئی گمراہ کرنے والا نہیں، میں گواہی دیتا ہوں کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور محمد ﷺ اس کے بندہ اور پیغمبر اسلام ﷺ ہیں۔ اے لوگو عنقریب میں دعوت حق کو لبیک کہنے والا اور تمہارے درمیان سے جانے والا ہوں۔ میں بھی جوابدہ ہوں اور تم بھی جواب دہ ہو تم میرے بارے میں کیا کہتے ہو؟ لوگوں نے بہ آواز بلند کہا۔

ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپؐ نے اپنی رسالت کو پہنچا دیا، نصیحت اور کوشش کی، خدا آپؐ کو نیک جزا دے۔ پیغمبر اکرم ﷺ نے فرمایا کیا تم اس بات کی گواہی دیتے ہو کہ اللہ کے سوا اور کوئی خدا نہیں ہے۔ اور محمد ﷺ اس کے بندہ اور فرستادہ ہیں اور یہ کہ بہشت، دوزخ، موت حق ہے اور قیامت کے دن میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے اور خدا قبروں سے تمام سونے والوں کو اٹھائے گا؟

لوگوں نے کہا جی ہاں ہم شہادت دیتے ہے۔

آنحضرت ﷺ نے فرمایا خدایا گواہ رہنا بیشک میں دوسرے جہان میں جانے اور حوض کوثر کے کنارے پہنچنے میں تم پر سبقت لے جاؤں گا۔ اور تم حوض پر میرے پاس حاضر ہوگے۔ وہاں ستاروں کی تعداد میں چاندی کے جام اور پیالے ہوں گے۔ دیکھنا یہ ہے کہ تم میرے بعد ان دو گراں بہا چیزوں سے کیا سلوک کرتے ہو جو میں تمہارے درمیان چھوڑے جا رہا ہوں؟

---

[1] يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ وَإِنْ لَمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ وَاللَّهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ (مائدہ/68)

[2] مکہ اور مدینہ کے راستہ میں جحفہ ایک بیابان ہے جہاں غدیر خم واقع ہے یہاں سے ہر کاروان جدا ہو کر اپنے دیار کی طرف چلا جاتا ہے۔

مجمع میں سے ایک شخص نے بلند آواز سے کہا اے اللہ کے رسول ﷺ وہ دوگراں قدر چیزیں کیا ہیں؟ فرمایا جو بزرگ ہے وہ کتاب خدا ہے جو تمہارے درمیان اللہ کی مضبوط رسی ہے اور دوسرے میرے اہل بیت ﷺ عترت ہیں۔ خدائے مہربان اور عالم نے مجھے بتایا ہے کہ یہ دونوں ہرگز ایک دوسرے سے الگ نہیں ہوں گے یہاں تک کہ حوض (کوثر) پر میرے پاس پہنچیں گے قرآن وعترت سے آگے نہ بڑھنا اور ان دونوں کی پیروی سے منہ نہ موڑنا ورنہ ہلاک ہوجاؤ گے۔

اس کے بعد آپؐ نے حضرت علی علیہ السلام کے ہاتھ کو پکڑا اور اتنا بلند کیا کہ دونوں کی بغل کی سفیدی نمایاں ہوگئی اور لوگوں نے ان کو دیکھا اور پہچانا۔

پھر آپؐ نے فرمایا اے لوگو اہل ایمان پر خود ان سے زیادہ حقدار کون ہے؟ لوگوں نے کہا خدا اور اس کا رسول ﷺ بہتر جانتا ہے۔ آپؐ نے فرمایا:

بیشک خدا ہمارا مولا ہے اور میں مومنین کا مولا ہوں اور مومنین کے نفسوں سے اولی اور زیادہ حقدار ہوں۔ لہٰذا جس کا میں مولا ہوں علی علیہ السلام اس کے مولا ہیں۔[۱] آنحضرت ﷺ نے اس بات کو تین بار اور حنبلی حضرات کے پیشوا، احمد بن حنبل کے قول کے مطابق چار بار تکرار فرمایا اس کے بعد دعا کے لئے ہاتھ بلند کر کے فرمایا بارالٰہا تو اس کو دوست رکھ جو اسے (علی) دوست رکھے اور اس کو دشمن رکھ جو اس سے دشمنی کرے اس سے محبت فرما جو اس (علی علیہ السلام) سے محبت کرے اور اس کو مبغوض قرار دے جو اس (علی علیہ السلام) سے بغض کرے، اس کے دوستوں کی مدد فرما اور جو اس کو رسوا کرے اسے ذلیل فرما اور اسے حق کا مدار و محور قرار دے[۲]

پھر آپؐ نے فرمایا کہ حاضرین غائبین تک یہ پیغام پہنچادیں ابھی مجمع پراگندہ بھی نہیں ہوا تھا کہ جبرئیل امین، وحی الٰہی لے کر آپہنچے اور آیہ کریمہ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا[۳] نازل ہوئی۔

آج میں نے تمہارے دین کو کامل کر دیا، تم پر اپنی نعمتیں تمام کر دیں اور تمہارے لئے دین اسلام کو پسند کرلیا ہے۔ اس موقعہ پر آنحضرت ﷺ نے فرمایا: دین کے کمال، نعمت کے اتمام اور میری رسالت و علی کی ولایت پر خداوند متعال کے راضی ہوجانے کے پرمسرت موقعہ پر، اللہ اکبر (اور آپؐ نے بلند آواز سے تکبیر کہی) اس کے بعد مسلمانوں نے علی ابن ابیطالب علیہ السلام کو امیر المومنین کے عنوان سے مبارک باد دی اور سب سے پہلے ابوبکر و عمر، حضرت علی علیہ السلام کی پاس آئے اور کہا مبارک ہو مبارک ہو، اے ابوطالب علیہ السلام کے بیٹے آج سے آپؑ ہمارے اور تمام مومنین کے مولا ہو گئے۔ پھر شاعر انقلاب اسلام، حسان بن ثابت نے کہا یا رسول اللہ ﷺ اگر اجازت ہو تو میں اس سلسلہ میں کچھ اشعار پڑھوں۔ رسول خدا ﷺ نے فرمایا خدا کی برکت سے پڑھو۔ اور حسان نے فی البدیہہ واقعہ غدیر خم کو اشعار میں بیان کیا۔ ہم یہاں ان کے اشعار میں سے تین شعر نقل کر رہے ہیں۔

يناديهم يوم الغدير نبيّهم بخم فاسمع بالرّسول مناديا فقال لهم: قم يا علي فانّني رضيتك من بعدی اماما و هاديا فمن كنت مولاه فهذا وليّه فكونوا له اتباع صدق مواليا

---

[۱] من كنت مولاه فهذا علي مولاه

[۲] اللّهُمَّ وَالِ مَنْ وَالاهُ وَعَادِ مَنْ عَادَاهُ وَاَحِبَّ مَنْ اَحَبَّهُ وَاَبْغِض مَنْ اَبْغَضَهُ وَانْصُرْ مَنْ نَصَرَهُ وَاخْذُلْ مَنْ خَذَلَه وَاَدِرِ الْحَقَ مَعَهُ حَيْثُ دَار۔

[۳] سورہ مائدہ آیت 3

یعنی غدیر کے دن پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں کو آواز دی، کیا آواز رسا تھی علی علیہ السلام سے فرمایا کہ اٹھو میں نے تمہیں اپنے بعد لوگوں کی ہدایت اور امامت کے لئے منتخب کیا۔ میں جس کا مولا ہوں علی اس کے ولی ہیں، لہٰذا از روئے صدق و راستی ان کے پیرو اور دوست بن کر رہو۔[1]

سوالات

1 کون سی تاریخ کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حجۃ الوداع کے لئے تشریف لے گئے؟

2 غدیر کے دن مسلمانوں کا کتنا مجمع تھا؟

3 رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قافلہ روکنے کا حکم کیوں دیا؟

4 رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غدیر کے دن حضرت علی علیہ السلام کے بارے میں کیا فرمایا؟

5 غدیر کے واقعہ کے بعد کون سی آیت نازل ہوئی؟

---

[1] الغدیر ج1 ص9 تا12۔ تفسیر المیزان ج6 ص53 تا59۔ علامہ امینی مرحوم نے گیارہویں جلد پر مشتمل اپنی عظیم اور تحقیقی کتاب الغدیر میں حدیث غدیر کو ایک سو دس اصحاب کی زبانی نقل کیا ہے نیز آپ نے غدیر کے بارے میں اہل سنت کے محدثین و مورخین کے اقوال کو ذکر فرمایا ہے۔ یہ بھی یاد دلانا ضروری ہے کہ یہ کتاب فارسی زبان میں ترجمہ ہوگئی ہے

سولہواں سبق

شورشیں

حجۃ الوداع سے واپسی کے بعد تھکن کی شدت کی بنا پر رسول خدا ﷺ چند دنوں تک بیمار رہے اس دوران آپ کی تھکاوٹ اور طبیعت کی ناسازی کی خبر چاروں طرف پھیل گئی اور موقعہ کی تلاش اور فائدہ کے چکر میں رہنے والے افراد نے پیغمبری کا دعوی کر دیا۔ مسیلمہ کذاب نے یمامہ اور نجد میں خود کو پیغمبر اور رحمان الیمامۃ کہا۔ اسود عنسی نے یمن میں خود کو پیغمبر کہا اور شورش کا آغاز کر دیا۔ اس کے علاوہ سجاح نامی عورت اور طلیحہ نامی ایک شخص نے بھی اس طرح کے دعوی سے لوگوں کو دھوکہ دینا شروع کر دیا۔ اس فتنہ کی جڑیں بہت پھیلی ہوئی تھیں ان دھوکہ بازوں نے قومی اور قبائلی تعصب سے فائدہ اٹھایا اور ایک جماعت کو اپنے گرد جمع کر لیا اور جب ان کو قدرت حاصل ہو گئی تو اپنی حکومت وسلطنت کو وسعت دینے لگے۔

اسود عنسیؔ کا واقعہ

نمونہ کے طور پر اَسوَد عنسی کا واقعہ پیش ہے جس کو پیغمبر اسلام ﷺ کی ناسازگاری طبع کی خبر نے نبوت کے لالچ میں ڈال دیا اس نے یمن میں زمانہ جاہلیت کے طور طریقوں اور رسوم کو کتب عتیق کے قوانین کے ساتھ ملا کر ایک نئے نقطہ خیال کی بنیاد رکھی وہ ایک کاہن اور شعبدہ باز تھا جو الٹی سیدھی باتوں کو مسجعؔ اور مقفّیٰ بنا کر اس طرح پیش کرتا کہ جو بھی سنتا بدل ہو جاتا۔ جنگجوئی میں بڑا سنگدل اور چالاک تھا۔ ظلم وستم میں لوگوں کی جان و مال کی پروا نہیں کرتا تھا۔ اَسوَد عنسیؔ نے اپنے سپاہیوں کے ساتھ چند دنوں میں نجران پر قبضہ کر لیا اور بلا فاصلہ یمن کے دار السلطنت صنعاء پر حملہ کر دیا۔ شہر ابن باذام [۱] ایرانی جو رسول خدا ﷺ کی طرف سے آزادہ شدہ اور اس علاقہ پر آنحضرت ﷺ کے حکم سے حکومت کرتے تھے، انہوں نے لشکر تیار کیا تاکہ اسود کے راستہ کو روک لیں لیکن شورشیوں کے فوری حملہ کی بنا پر شہر ابن باذام کا لشکر، اسود کے لشکر کا کچھ نہ کر سکا اور شہر ابن باذام اس حملہ میں شہید ہو گئے۔ اسود عنسیؔ کامیاب اور کامیابی سے مغرور ہو کر صنعاء میں داخل ہوا۔ اعرابی جو نئے نئے مسلمان ہوئے تھے دوبارہ اسود کے ہاتھوں اسلام سے خارج ہونے لگے گروہ در گروہ قبائل نے اس کی بیعت کر لی اور خود کو اس کے حوالہ کر دیا۔ تھوڑی ہی مدت میں اسود نے تمام یمن، طائف، بحرین اور حدود عدن پر تسلط جما لیا۔ ان علاقوں میں باقی ماندہ مسلمانوں نے بھی خوف سے سکوت اختیار کر لیا۔ اسود نے شہر ابن باذام کی بیوی آزادکو زبردستی اپنی بیوی بنا لیا۔ [۲]

یمن میں انقلابی بغاوت

بستر علالت ہی سے رسول خدا ﷺ نے مدعیان نبوت کے ساتھ جنگ کے لئے نمائندے بھیجنا اور خط لکھنا شروع کیئے۔ [۳]

آپؐ نے ایک خط میں یمن کے ایرانی، سرکردہ افراد کو حکم دیا کہ دین مقدس اسلام کے دفاع کے لئے قیام کریں اور آپؐ کے

---

[۱] باذان بھی مرقوم ہے۔ تاریخ کامل بن اثیر ج2 ص337

[۲] تاریخ طبری ج3 ص240-227

[۳] در آستانہ سال زاد پیامبر ص247

پیغام کو دینداروں، باحمیت وغیرت مند افراد تک پہنچائیں اور کوشش کریں کہ فساد کی جڑ اَسود عنسی کو خفیہ یا آشکارا طور پر ختم کیا جا سکے۔[1]

یمن کے آزاد ایرانیوں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان کے مطابق اسلام پر باقی رہ جانے والے قبائل کو اپنے ساتھ تعاون کے لئے بلایا اور جب یہ معلوم ہوا کہ اسود اور سپہ سالار لشکر قیس میں اختلاف ہے تو انہوں نے قیس کے سامنے نہایت خاموشی سے اس موضوع کو پیش کیا اور اس طرح سپہ سالار لشکر کو اپنے ساتھ ملا لیا۔[2]

اسود کے قصر کے اندرونی معلومات حاصل کرنے کے لئے آزاد سے رابطہ قائم کیا گیا جو شہر ابن باذام کی بیوی اور اسود کے تصرف میں تھی۔

آزاد ایک آزادی پسند، شیر دل، مؤمنہ اور باعزت خاتون تھیں ان لوگوں کی مدد کی لئے اٹھ کھڑی ہوئیں اور مفید و قیمتی راہنمائیوں کے ذریعہ انھوں نے مومنین کو اسود کے قتل پر آمادہ کیا۔ قصر مکمل طور پر نگہبانوں کی نگرانی میں تھا۔ آزاد کی راہنمائی میں ایک سرنگ کے ذریعہ جو اَسوَد عنسی کے کمرہ میں پہنچتی تھی رات کو جب وہ نیم خوابیدگی کے عالم میں تھا، انقلابی مومنین نے حملہ کر دیا۔ فیروز نے اس کا سر زور سے دیوار سے ٹکرا دیا اور اس کی گردن مروڑ دی۔ اسود کی آواز وحشی گائے کی طرح بلند ہوئی آزاد نے فوراً ایک کپڑا اس کے منہ میں ٹھونس دیا۔ پہرہ دار محل کے اندر ہونے والی چیخ پکار سے مشکوک ہو گئے اور کمرہ کی پشت سے انہوں نے پوچھا کہ خیریت تو ہے؟ آزاد نے نہایت اطمینان سے جواب دیا۔ کوئی بات نہیں ہے پیغمبر پر وحی آ رہی ہے اس طرح انقلابی مومنین اپنی مہم میں کامیاب ہوئے اور پیغمبری کے جھوٹے دعویدار کو دوزخ میں پہنچا دیا۔ دوسرے دن صبح مسلمانوں نے اسلامی نعرے لگائے اور کلمہ شہادتین زبان پر جاری کیا۔ اَشْهَدُ اَنْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللهُ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللهِ۔ اور اعلان کیا کہ لوگو اَسوَد ایک جھوٹے شخص سے زیادہ کچھ نہ تھا اس کے بعد اس کا سر لوگوں کی طرف پھینک دیا۔

شہر میں ایک ہنگامہ شروع ہو گیا اور قصر کے نگہبانوں نے اس فرصت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے محل کو لوٹ لیا اور جو کچھ اس میں تھا لے کر فرار ہو گئے۔ اس وقت مسلمانوں نے آواز دی کہ نماز کے لئے لوگ صف بستہ ہو جائیں اور پھر نماز کے لئے لوگ کھڑے ہو گئے۔[3]

جس رات اَسوَد مارا گیا اسی رات وحی کے ذریعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو معلوم ہو گیا آپؐ نے فرمایا کل رات ایک مبارک خاندان سے ایک مبارک شخص نے عنسی کو قتل کر دیا لوگوں نے پوچھا وہ کون تھا۔ آپؐ نے فرمایا۔ فیروز تھا۔ فیروز کامیاب رہے۔[4]

مسیلمہ کذاب کا واقعہ

یمامہ میں مسیلمہ کذاب نے بھی پیغمبری کا دعوی کر کے اپنا ایک گروہ بنا لیا اور فتنہ پردازی میں مشغول ہو گیا۔ وہ کوشش کرتا تھا کہ بے معنی سخن گوئی کے ذریعہ قرآن سے معارضہ کرے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ابھی سفر حج سے لوٹے تھے کہ دو افراد مسیلمہ کذاب کا خط آپؐ کے پاس لے کر پہنچے۔ اس میں لکھا تھا مسیلمہ خدا کے رسول کی طرف سے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خدا کے رسول کے نام میں پیغمبری میں آپؐ کا شریک ہوں

---

[1] تاریخ طبری ج 3 ص 231

[2] تاریخ طبری ج 3 ص 231

[3] تاریخ طبری ج 3 ص 227-236

[4] تاریخ طبری ج 3 ص 239

آدھی زمین قریش سے متعلق ہے اور آدھی مجھ سے، لیکن قریش عدالت سے کام نہیں لیتے۔[1]

رسول اللہ ﷺ بہت ناراض ہوئے اور مسیلمہ کے نامہ بروں سے فرمایا اگر تم سفیر اور قاصد نہ ہوتے تو میں تمہارے قتل کا حکم دیدیتا۔تم لوگ کس طرح اسلام سے جدا ہو کر ایک تہی مغز آدمی کے پیرو ہو گئے۔ پھر آپؐ نے حکم دیا کہ مسیلمہ کو بہت سخت جواب لکھا جائے۔خدائے رحمن ورحیم کے نام سے محمد رسول اللہ کی طرف سے دروغ گو مسیلمہ کی طرف۔سلام ہو ہدایت کی پیروی کرنے والوں پر، زمین، خدا کی ملکیت ہے اور وہ اپنے صالح بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے زمین کا وارث قرار دیتا ہے اور نیک انجام پرہیز گاروں کے لئے ہے۔[2]

جھوٹے پیغمبر کی طرف میلان کا سبب قومی تعصب

طبری کا بیان ہے کہ ایک شخص یمامہ گیا اور پوچھا مسیلمہ کہاں ہے؟

لوگوں نے کہا کہ پیغمبر خدا کہو

اس شخص نے کہا نہیں میں پہلے اس کو دیکھوں گا

جب اس نے مسیلمہ کو دیکھا تو کہا کہ تو مسیلمہ ہے؟

ہاں

کیا تمہارے اوپر فرشتہ نازل ہوتا ہے؟

ہاں، اور اس کا نام رحمن ہے۔

نور میں آتا ہے یا ظلمت میں؟

مسیلمہ نے کہا ظلمت میں

اس شخص نے کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ تو جھوٹا ہے اور محمد ﷺ سچے ہیں لیکن میں رَبیعہ کے جھوٹے کو مُضر (حجاز) کے سچّے سے زیادہ دوست رکھتا ہوں۔[3]

جھوٹوں کا انجام

نبوت کی جھوٹی دعویدار سجاح کے ساتھ مسیلمہ نے شادی کرلی۔[4] رسول خدا ﷺ کی رحلت کے بعد لشکر اسلام نے اس کی سرکوبی کی اور اس کے قتل کے بعد اس کی جھوٹی نبوت کی بساط اُلٹ گئی۔[5]

---

[1] خط کا متن: من مسیلمه رسول الله الی محمد رسول الله اما بعد فانني قد اشرکتُ فی هذا الامر معك و ان لنا نصف الارض و لقریش نصف الارض ولكن قريشا قوم يعتدون۔ تاریخ طبری ج3 ص146۔العبر ج2 ص58۔

[2] خط کا متن: بسم الله الرّحمن الرّحيم، منْ مُحَمَّدٍ رَسُول الله الی مُسَيْلمه الكَذّاب: السَّلامُ عَلَى مَن اتَّبَعَ الْهُدىٰ، اَمَّا بَعْدُ: فَاِنَّ الْاَرْض لله يُورِثُهَا مَنْ يَشَاءُ من عبادهٖ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقين۔ تاریخ طبری ج3 ص146۔العبر ج2 ص58۔

[3] تاریخ طبری ج3 ص286

[4] تاریخ طبری ج3 ص274

[5] تاریخ طبری ج3 ص290

رسول خداﷺ کے زمانہ میں مدعیان نوبت میں طُلَیحہ نامی ایک شخص تھا جو قبیلہ طیّ ، اَسد اور قبیلہ غطفان میں ظاہر ہوا۔ رسول خداﷺ نے قبیلہ بنی اسد میں اپنے نمائندوں کو پیغام بھیجا کہ اس کے خلاف قیام کریں۔ وہ لوگ اس پر حملہ آور ہوئے اور وہ فرار کر گیا۔ [۱] اس طرح رسول خداﷺ کی تدبیر سے آپؐ کی زندگی کے آخری دنوں میں یا آپؐ کی وفات کے بعد جھوٹے پیغمبروں کی بساط الٹ دی گئی۔

رحلت پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وقت کے حالات کا تجزیہ

بیماری سے نسبتاً افاقہ کے کچھ ہی دنوں بعد آنحضرتﷺ دوبارہ علیل ہوئے۔ ہر چند کہ تمام جزیرۃ العرب، حکومت اسلامی کے زیر اثر تھا لیکن ایک طرف پیغمبری کے جھوٹے دعویداروں نے سر اٹھا رکھا تھا اور بہت سے قبائل کے رؤساء کہ جن کے دلوں میں ابھی تک اسلام کی جڑیں مضبوط نہیں ہوئیں تھیں۔ اپنے سابقہ امتیازات سے ہاتھ دھو بیٹھے تھے جو کہ ان پر دشوار تھا۔ وہ پیغمبری کے جھوٹے دعویداروں سے مل کر شورش پر آمادہ ہو گئے۔ دوسری طرف موقعہ کی تلاش میں رہنے والے منافقین کا مکمل پلاننگ کے ساتھ یہ ارادہ تھا کہ اسلام کے عظیم رہبر کی آنکھ بند ہوتے ہی حکومت اسلامی پر قبضہ کر لیں اور اس کو امامت وولایت کے صحیح راستہ سے منحرف کر دیں۔ بہر حال، رہبر اسلام کی رحلت، شورشیوں اور مرتدین کے حوصلوں کی تقویت کا موجب ہوتی، دوسرا اہم موضوع یہ کہ پیغمبر اسلامﷺ کی جانشینی کے سلسلہ میں کھینچا تانی کے نتیجہ میں امت اسلامی کے درمیان بہت بڑا شگاف پیدا ہو جاتا جو ایک بہت بڑا خطرہ ثابت ہوتا۔ روم ایسی بڑی طاقت بھی انتظار میں تھی کہ جزیرۃ العرب پر حملہ کر کے اسلام کی جڑ کو کاٹ دے۔ فتنے اٹھ چکے تھے اندرونی و بیرونی تحریکیں اور سازشیں اسلام کی بنیادوں کو چیلنج کر رہی تھی۔

لشکر اسامہ کی روانگی

رسول خداﷺ نے اندرونی سازشوں کے خاتمہ اور خارجی تحریکوں کی سرکوبی کے لئے لشکر اسامہ کی تشکیل اور روانگی کا حکم صادر فرمایا۔ سپاہیوں کی حوصلہ افزائی کے لئے اپنے ہاتھوں سے پرچم بنا کر 17 یا 18 سالہ جوان اسامہ کے سپرد کیا اور سپہ سالار معین فرمایا۔ [۲] اس بہادر نوجوان نے اس لشکر کی کمان سنبھالی جو عالمی استکبار سے جنگ کے لئے آمادہ تھا۔ آنحضرتﷺ نے اسامہ کو حکم دیا کہ اپنے باپ کی شہادت گاہ کی طرف روانہ ہو جاؤ اور جانے میں جلدی کرو۔ صبح کو نہایت تیزی سے ناگہانی طور پر دشمن پر حملہ کر دو۔ [۳] پیغمبر اسلامﷺ نے مسلمانوں سے کہا کہ لشکر اسامہ میں شرکت کریں اور جتنی جلدی ہو سکے روانگی کے لئے تیار ہو جائیں۔ رسول خداﷺ کے مقاصد میں سے ایک مقصد یہ تھا کہ سازشوں کا تانا بانا بننے والے، لشکر کے ساتھ مدینہ سے خارج ہو جائیں تا کہ شہر سازشیوں کے وجود سے خالی ہو جائے اور امیر المومنین علی علیہ السلام کی خلافت کے راستہ میں رکاوٹ نہ بنیں آپؐ نے جوان سال اسامہ کا انتخاب بھی اس لئے فرمایا تھا کہ اولاً: آپؐ یہ بتانا چاہتے تھے کہ ذمہ داریاں شخصیت اور لیاقت کی بنا پر ہوتی ہیں نہ کہ سن وسال اور موہوم شرافتوں کی بنا پر، تا کہ آئندہ لوگ حضرت علی علیہ السلام کو یہ کہہ کر خلافت سے الگ نہ کر سکیں کہ وہ جوان ہیں۔ ثانیاً: اسامہ کے والد زید ابن حارثہ رومیوں کے ساتھ جنگ کرتے ہوئے شہید

---

[۱] تاریخ طبری ج 3 ص 256

[۲] سیرت حلبی ج 3 ص 207۔ پر مرقوم ہے کہ اسامہ 17 سال کے اور بعض نے 18 سال لکھا ہے لیکن مُسلَّمہ طور پر انکی عمر 20 سال سے زیادہ تھی۔

[۳] طبقات ابن سعد ج 2 ص 190

ہوئے تھے اس لئے ان میں رومیوں کے خلاف جنگ کرنے کا زیادہ جذبہ تھا اور سپہ سالاری کا عہدہ سونپ دینے کے بعد عملی طور پر ان کی دلجوئی بھی ہوجاتی۔

اسامہ نے مدینہ کے قریب مقام جرُف میں پڑاؤ ڈال دیا۔ بزرگ صحابہ اور مہاجرین سب کے سب اسامہ کے لشکر کے سپاہی اور ان کی ماتحتی میں تھے۔ یہ بات ان میں سے بعض کے لئے بڑی سخت تھی انہوں نے اعلانیہ طور پر اسامہ کی سپہ سالاری پر اعتراض کیا کہ بزرگوں کی سپہ سالاری کے لئے نوجوان کو کیوں منصوب کیا گیا؟ لشکر کی روانگی میں عملی طور پر خلاف ورزیاں ہوئیں چند دنوں تک لشکر رکا رہا۔ مخالفت کرنیوالوں نے لشکر کی روانگی میں کوتاہی کی اور اپنے بے ہودہ مقاصد کو انجام دینے کے لئے روانگی میں تاخیر کرائی۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بستر علالت پر سمجھ لیا کہ لشکر گاہ سے لشکر کی روانگی کو روکنے کے لئے لوگ کیا کر رہے ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بستر سے اٹھے اور بخار نیز غیظ وغضب کے عالم میں مسجد میں تشریف لائے خدا کی حمد کے بعد فرمایا اے لوگو میں لشکر کی روانگی میں دیر ہونے سے بہت ناراض ہوں گویا اسامہ کی سپہ سالاری تم میں سے ایک گروہ کے اوپر گراں گذری اور تم نے اعتراضات شروع کردیئے م اس سے پہلے بھی ان کے باپ کی سپہ سالاری پر اعتراض کر رہے تھے، خدا کی قسم اس کا باپ سپہ سالاری کے لئے مناسب تھا اور وہ خود بھی مناسب ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گھر واپس آگئے اور ہر اس صحابی سے جو آپ کو دیکھنے کے لئے آتا تھا فرماتے: لشکر اسامہ کو روانہ کرو[۱]

لیکن سازشیں اس سے بالاتر تھیں یہاں تک کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ جو لشکر اسامہ سے روگردانی کرے اس پر خدا کی لعنت ہو[۲]

اہل بقیع کے مزار پر

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شدید بیماری کے عالم میں حضرت علی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم[۳] کا سہارا لئے قبرستان بقیع کی طرف چلے، اصحاب آپؐ کے پیچھے پیچھے روانہ ہوئے جب بقیع کے قبرستان میں پہنچے تو فرمایا: میں مامور ہوں کہ خداوند عالم سے اہل بقیع کے لئے طلب مغفرت کروں۔ پھر فرمایا اے زیر خاک آرام کرنے والو تم پر میرا اسلام ہو، تم اطمینان ومسرت سے آرام کرو کہ تمھارا زمانہ ان لوگوں کے زمانہ سے زیادہ آسودہ ہے۔ فتنے اندھیری رات کے ٹکڑوں کی طرح بڑھ آئے ہیں پھر فرمایا علی علیہ السلام ہر سال جبرئیل علیہ السلام میرے پاس قرآن کو ایک مرتبہ پیش کرتے تھے اور اس سال دوبارا انہوں نے پیش کیا اس لئے کہ میرا وقت قریب آگیا ہے[۴]

واقعہ قرطاس یا نامکمل تحریر

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کے آخری دن تھے، جب آپؐ نے آنکھیں کھولیں تو اپنے بستر کے اردگرد چند اصحاب کو دیکھا جن کو آپؐ کے حکم کے مطابق اس وقت لشکر اسامہ کے ساتھ ہونا چاہیئے تھا۔ امت میں اختلاف کی روک تھام کے لئے آپؐ نے فرمایا۔ کاغذ اور

---

[۱] طبقات ابن سعد ج2 ص190۔191

[۲] شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج2 ص21۔ منتہی الآمال ص128۔ انیس المومنین نسخہ قلمی ص3

[۳] ابن سعد نے لکھا ہے کہ اُبُوْ مُوَیْھِبَۃ کے ساتھ گئے، طبقات 204

[۴] ارشاد شیخ مفید ص97

دوات لاؤ تا کہ میں تمہارے لئے ایک چیز لکھ دوں کہ اس کے بعد گمراہ نہ ہوگے۔ ان میں سے ایک صاحب نے چاہا کہ اٹھ کر قلم دوات لے آئیں لیکن جناب عمر نے اظہار خیال فرمایا یہ (پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جانب اشارہ) ہذیان بک رہے ہیں، قرآن تمہارے پاس ہے اور کتاب آسمانی ہمارے لئے کافی ہے ایک گروہ نے عمر کا ساتھ دیا اور کچھ لوگوں نے ان کی مخالفت کی، شور وغل برپا ہوا۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اٹھو اور میرے گھر سے نکل جاؤ۔[1]

ناتمام نماز

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی علالت کے دوران ایک دن حضرت بلال نے اذان دی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر و دروازہ پر آکر آواز دی نماز... خدا تمہارے اوپر رحمت نازل کرے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہت زیادہ بیمار تھے اس وجہ سے آپؐ نے فرمایا کہ لوگوں کو کوئی نماز پڑھا دے اس لئے کہ میں بیمار ہوں۔ عائشہ ہ نے کہا کہ ابوبکر کو تلاش کرو اور حفصہ نے کہا عمر کو لاؤ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دونوں کی باتیں سنیں اور دونوں بیویوں سے کہا ان باتوں سے خود کو روکو کہیں تم ان عورتوں کی طرح نہ ہو جاؤ جنہوں نے یوسف کو گمراہ کرنا چاہا تھا۔ آپؐ شدید بیماری کے عالم میں اٹھے، علی علیہ السلام اور فضل بن عباس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دونوں شانوں کو سہارا دے رکھا تھا، مسجد میں تشریف لائے، ابوبکر کو محراب میں دیکھا کہ نماز کے لئے کھڑے ہوگئے ہیں، آپؐ نے ہاتھ سے اشارہ کیا کہ ہٹ جاؤ۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی نماز کو مکمل نہ ہونے دیا اور دوبارہ نہایت مختصر نماز کا اعادہ کیا۔ جب آپ۔ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گھر تشریف لے گئے تو ابوبکر، عمر اور دوسرے افراد کو بلوا بھیجا جب یہ لوگ آپؐ کے پاس آئے تو آپؐ نے ان سے پوچھا کہ لشکر اسامہ کے ساتھ کیوں نہیں گئے؟ انہوں نے جواب دیا ہم آپؐ سے تجدید بیعت کے لئے لوٹ آئے اور ہم نے یہ نہیں چاہا کہ آپؐ کی بیماری کی خبر دوسروں سے پوچھیں[2]۔

وداع پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیماری نے شدت اختیار کرلی، فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بستر کے پاس بیٹھی ہوئی باپ کے نورانی اور ملکوتی چہرہ کو دیکھ رہی تھیں۔ جس پر بخار کی شدت کی بنا پر پسینہ کے قطرے جھلملا رہے تھے، جناب فاطمہ سلام اللہ علیہا نے جناب ابوطالب علیہ السلام کا شعر جو پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں تھا پڑھا

وَأبيَضُ يُستَسقَى الْغَمَامُ بوجهه ثمال اليتامي عصمة للارامل

یعنی: روشن چہرہ اس چہرہ کی آبرومندی کے وسیلہ سے بارش طلب کی جاتی ہے جو یتیموں کی پناہ گاہ اور بیوہ عورتوں کی نگہداری کرنے والا ہے۔

---

[1] ارشاد ص 98۔ منتہی الآمال ص 128۔ بحار الانوار ج 22 ص 469۔ جناب عمر کا یہ قول اہل سنت کی کتابوں میں مختلف طریقوں سے مذکور ہے۔ ابن اثیر تاریخ کامل میں لکھتا ہے: رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا قلم اور دوات لاؤ تا کہ تمہارے لئے وہ بات لکھ دوں جس سے تم ہرگز گمراہ نہ ہوگے۔ لوگوں نے کہا رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہذیان بک رہے ہیں (نعوذ باللہ)۔ برہان الدین حلبی شافعی لکھتے ہیں۔ قال بعضهم وهو سيدنا عمر: بعض نے کہا یعنی عمر نے کہا رجوع کریں کامل ابن اثیر ج 2 ص 320۔ سیرت حلبیہ ج 3 ص 344۔ مزید مطالعہ کے لیے ملاحظہ فرمائیں صحیح بخاری کتاب العلم ج 1 ص 22۔ مسند احمد ج 1 ص 324۔ طبقات ج 2 ص 37۔ صحیح مسلم ج 2 ص 14۔ مسند احمد ج 1 ص 221۔ البدایۃ والنہایہ ج 5 ص 220۔ حیاۃ محمد ص 475۔ شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج 2 ص 220۔ ملل ونحل ج 1 ص 13۔ سقیفہ جوہری۔ الوفاء ج 2 ص 789۔ کنز العمال ج 3 ص 138۔ مجمع الزوائد ج 9 ص 33

[2] ارشاد شیخ مفید ص 97-98 منتہی الآمال ص 128۔ تلخیص الشافی شیخ طوسی ج 3 ص 226

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آنکھیں کھولیں اور فرمایا، بیٹی، شعر نہ پڑھو، قرآن پڑھو:

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوۡلٌ ۚ قَدۡ خَلَتۡ مِنۡ قَبۡلِهِ الرُّسُلُ ؕ اَفَا۟ئِنْ مَّاتَ اَوۡ قُتِلَ انۡقَلَبۡتُمۡ عَلٰۤى اَعۡقَابِكُمۡ ؕ وَمَنۡ يَّنۡقَلِبۡ عَلٰى عَقِبَيۡهِ فَلَنۡ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيۡـــًٔا ‌ؕ وَسَيَجۡزِى اللّٰهُ الشّٰكِرِيۡنَ ﴿۱۴۴﴾ [1]

محمد نہیں ہیں مگر پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خدا، ان سے پہلے بھی بہت سے پیغمبر گزر چکے ہیں تو کیا اگر انکا انتقال ہوجائے یا قتل کردیئے جائیں تو کیا تم اپنے گزشتہ لوگوں کے عقائد کی طرف پلٹ جاؤ گے؟ اور جو اپنے گزشتگان کے آئین کی طرف پلٹ جائے گا وہ خدا کو کوئی نقصان نہیں پہنچائے گا۔ خدا شکر کرنے والوں کو نیک جزاء دے گا۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آہستہ سے حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کے کان میں کوئی بات کہی آپؑ نے گریہ شروع کیا۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی بیٹی کی تکلیف برداشت نہ کرسکے اور دوبارہ آپؐ نے ان کے کان میں کوئی بات کہی تو جناب فاطمہ چپ ہوگئیں اور مسکرانے لگیں۔

بعد میں جب لوگوں نے جناب فاطمہ سلام اللہ علیہا سے سوال کیا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپؑ سے کیا کہا تھا کہ پہلی بار آپؑ روئیں اور دوسری بار مسکرائیں؟ آپؑ نے جواب دیا پہلی بار آنحضرت سے رحلت کی خبر سنی تو مغموم ہوگئی دوسری بار آپؐ نے بشارت دی کہ اے فاطمہ میرے اہل بیت علیہم السلام میں سے تم سب سے پہلے مجھ سے ملوگی اس پر میں بشاش ہوگئی۔ [2]

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی حیات کے آخری لمحوں میں علی علیہ السلام کو بلایا اور فرمایا علی علیہ السلام میرا سر اپنی آغوش میں لے لو کہ امر خدا آن پہنچا ہے۔ اے علی علیہ السلام جب میں اس دنیا میں نہ رہوں تو مجھے غسل دینا اور پہلی بار مجھ پر نماز پڑھنا آپؐ کا سر علی علیہ السلام کی گود ہی میں تھا کہ آپؐ رحمت باری سے جا ملے۔ یہ عظیم حادثہ 28/ صفر 11 ہجری بروز پیر بمطابق 28 مئی 632ء کو رونما ہوا [3]۔ لیکن مورخین اہل سنت کے مطابق پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت 12 ربیع الاول سنہ 11ھ ق [4] بمطابق 10 جون سنہ 632 کو ہوئی۔

حضرت علی علیہ السلام نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاکیزہ جسم کو غسل دیا، کفن پہنایا اور نماز پڑھی اس عالم میں کہ آنسو آپؑ کی آنکھوں سے رواں تھے اور فرمایا۔ ہمارے ماں باپ آپ پر فدا ہوں اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیشک آپؐ کے مرنے سے وحی کا سلسلہ منقطع ہو گیا۔ وہ چیز جو دوسرے پیغمبروں کی موت کے بعد منقطع نہیں ہوئی (یعنی نبوت واحکام الہٰی اور آسمانی خبریں)...اگر آپ صبر کا حکم نہ دیتے اور نالہ وفغاں سے منع نہ فرماتے تو میں آپؐ کے فراق میں اتنا روتا کہ میرے اشکوں کا سرچشمہ خشک ہوجاتا۔ [5]

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت کی خبر نہایت تیزی سے مدینہ میں پھیل گئی، علی علیہ السلام جب غسل وکفن میں مشغول تھے اس وقت ایک

---

[1] آل عمران/ 144

[2] طبقات ابن سعد ج 2 ص 247 و 248۔ ارشاد شیخ مفید ص 98۔ اعلام الوریٰ ص 143۔ ذہبی نے کتاب سیرت میں لکھا ہے کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت زہرا سلام اللہ علیہا سے فرمایا تم اس بات سے راضی نہیں ہو کہ تم مومنہ عورتوں کی سردار ہو، یا اس امت کی عورتوں کی سردار ہو؟ تو فاطمہ سلام اللہ علیہا زہرا ہنس پڑیں۔ سیرت ذہبی ص 380

[3] بحار الانوار ج 22 ص 514

[4] بحار الانوار ج 22 ص 534

[5] نہج البلاغہ فیض خطبہ 226 ص 732

گروہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جانشین کا مسئلہ حل کرنے کے لئے سقیفہ [1] میں الجھ رہا تھا۔ غسل دینے کے بعد پہلے علی علیہ السلام نے نماز پڑھی پھر مسلمان دستہ دستہ آتے گئے اور نماز پڑھتے گئے، پھر رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مسجد کے پہلو میں آپؐ کے گھر میں دفن کردیا گیا۔ [2]

یہ نور ہرگز نہیں بجھے گا

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دار بقاء کی طرف روانہ ہوگئے، لیکن یہ نور نہ تو گل ہوا ہے اور نہ ہوگا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا آئین مشعل ہدایت کی طرح بشر کے لئے تاریک راستوں میں راہنما ہے اور کروڑوں، اربوں انسان صدیوں سے اسے آئین کے پیرو ہیں۔

آج بھی روزانہ ایک ارب سے زیادہ مسلمان ساری دنیا میں کروڑوں بار اشھد ان لا الہ الا اللہ و اشھد ان محمدا رسول اللہ کی آواز گلدستہ اذان سے سن رہے ہیں اور بے پناہ محبت کے ساتھ اس آواز کے دلبر با ترنم کو اپنی زبان پر جاری کرتے اور آپؐ (محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر درود بھیجتے ہیں اور آسمانی کتاب کو پڑھتے اور اس سے سبق حاصل کرتے ہیں۔ قرآن کریم 114 سورتوں کے ساتھ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت کا جاودانہ معجزہ اور زندہ گواہ ہے۔ خدا نے ان کے دین کو آخری دین اور ان کو آخری پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قرار دیا ہے۔ [3] جو ان کے آئین کی پیروی نہ کرے (گمراہ ہے) خدا اس کی عبادت کو قبول نہیں کرے گا اور آخرت میں وہ گھاٹے میں رہے گا۔ [4]

جی ہاں یہ نور آج بھی لوگوں کے دلوں اور ان کی عقل وخرد پر جگمگا رہا ہے۔ یہ نور ہر جگہ چمکا اور تھوڑی ہی مدت میں جزیرۃ العرب سے نکل کر ہر جگہ پھیل گیا۔ روم اور ایران کی مطلق العنان حکومتوں کو اپنے ہالہ میں لے لیا۔ اور ایک طرف قلب فرانس اور اسپین تو دوسری طرف ہند تک پہنچ گیا۔ ڈوبتی ہوئی بشریت کو نجات بخشی اور اس کو ایک عظیم تمدن سے روشناس کرایا۔ ختم نبوت کے بعد یہ نور معصوم رہنماؤں میں درخشندہ ہوا اور ہدایت کے یہ پاک انوار اور نوری پیکر، فتنوں کی تیرگی میں انسانوں کی ہدایت کے لئے کمربستہ ہوئے اور انسانیت کو الٰہی واسلامی زندگی کی طرف بلایا اور آج بھی نجات بشریت کا واحد راستہ قرآن وعترت کی پیروی ہے۔ آخر کلام میں عرض ہے کہ مسلمان، ان کی تعلیمات سے استفادہ کرتے ہوئے اپنے راستہ کو تلاش کریں، ستم کے بوجھ تلے دبے ہوئے تیرہ بخت اور حیران وسرگردان انسان کی رہائی کا واحد راستہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا آئین ہے۔ تحریکیں شروع ہوں گی اور کفر وارتداد ونفاق اور ظلم وستم مغلوب ہوں گے اور کمزور افراد زمانہ کے راہبر اور زمین کے وارث ہوں گے۔ [5]

امام مہدی (عجل اللہ الفرجہ الشریف) تشریف لائیں گے پھر ساری دنیا میں ایک اسلامی حکومت قائم ہوگی اور ساری دنیا میں ایک پرچم لہرائے گا: لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ۔ یہ نور کبھی بجھ نہیں سکتا۔

---

[1] سائبان والی جگہ جہاں لوگ جمع ہوتے تھے۔

[2] بحار الانوار ج 22 ص 518

[3] وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ (سورہ احزاب/40)

[4] وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ (آل عمران/ 85)

[5] وَنُرِيْدُ اَنْ نَّمُنَّ عَلَى الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا فِي الْاَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ اَئِمَّةً وَّنَجْعَلَهُمُ الْوٰرِثِيْنَ (قصص/ 5)

سوالات

1۔ اَسوَد عنسیّ کون تھا؟

2۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدعیان پیغمبر سے کیسے مقابلہ کیا؟

3۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسامہ کو سپہ سالار کے عنوان سے کیوں منصوب فرمایا؟

4۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسامہ کے لشکر کی روانگی پر کیوں اصرار کررہے تھے؟

5۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تحریر کیوں نہ لکھ سکے؟

6۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کس تاریخ کو رحلت فرمائی؟

7۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کس نے غسل وکفن دیا؟

8۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کے کان میں کیا راز بتایا؟

9۔ کیا آخر میں لشکر اسامہ روانہ ہوا؟ کس وقت؟

10۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہاں مدفون ہوئے؟

تیسرا حصّہ

حضرت علی علیہ السلام کی زندگی مختلف ادوار

حضرت علی علیہ السلام کی تریسٹھ سالہ زندگی کو پانچ ادوار میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:

1۔ ولادت سے حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مبعوث ہونے تک۔

2۔ بعثت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہجرت تک

3۔ ہجرت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت تک

4۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت سے خلافت ظاہری تک

5۔ خلافت ظاہری سے شہادت تک

پہلا سبق

ولادت سے حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مبعوث بہ رسالت ہونے تک

ولادت

حضرت علی علیہ السلام نے 13 رجب بروز جمعہ عام الفیل [1] کے تیسویں سال میں (بعثت سے دس سال قبل) خانہ کعبہ میں ولادت پائی اس نومولود بچے کے والد کا نام عمران [2] تھا وہ قبیلہ بنی ہاشم کے سردار تھے اور مکہ کے بااثر لوگوں میں شمار کئے جاتے تھے آپ کی والدہ فاطمہ بن اسد ابن ہاشم ابن عبدمناف تھیں۔ آپؑ کو خانہ کعبہ کے طواف کے درمیان دردزہ محسوس ہوا چنانچہ آپ معجزے کے زیر اثر خانہ کعبہ کی عمارت میں داخل ہو گئیں جہاں حضرت علی علیہ السلام کی ولادت ہوئی۔ خانہ کعبہ میں امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کی ولادت کو عام شیعہ مورخین ومحدثین اور علم انساب کے دانشوروں نے اپنی کتابوں میں تحریر کیا ہے اور اب تک کسی دوسرے شخص کو یہ فضیلت حاصل نہیں ہوئی ہے [3]

پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زیر دامن آپ کی پرورش

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جب پہلی مرتبہ وحی نازل ہوئی تو اس وقت حضرت علی علیہ السلام کی عمر دس سال سے زیادہ نہ تھی۔ حضرت علی علیہ السلام کی زندگی کا وہ حساس ترین دور تھا جس میں حضرت محمد بن عبداللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زیر سایہ عاطفت آپ کی شخصیت کی تشکیل ہوئی آیندہ جو واقعات رونما ہونے والے تھے ان کا چونکہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مکمل علم تھا اور بخوبی یہ جانتے تھے کہ آپؑ کے بعد حضرت علی علیہ السلام ہی امت مسلمہ کے امور کی زمام سنبھالیں گے اس لئے آپؐ نے منظم دستور العمل کے تحت اپنے زیر دامن تربیت کی غرض سے اس وقت جب کہ حضرت علی علیہ السلام کی عمر چھ ہی سال تھی ان کے والد کے مکان سے اپنے گھر منتقل کر لیا تاکہ براہ راست اپنی زیر نگرانی تربیت و پرورش کر سکیں۔ [4]

---

[1] عام الفیل وہ سال کہلاتا ہے جس میں ابرہہ ہاتھیوں پر سوار لشکر کے ساتھ کعبہ کو نیست ونابود کرنے کی غرض سے آیا تھا۔

[2] حضرت عمران کے چار فرزند تھے جن کے نام طالب، عقیل، جعفر اور علی تھے وہ ابوطالب کی کنیت سے مشہور تھے۔ بعض مورخین نے حضرت علی علیہ السلام کے والد کا نام عبدمناف بھی بیان کیا ہے (تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو شرح ابن ابی الحدید ج1 ص11)

[3] حضرت علی علیہ السلام کی ولادت کو اہل سنت کے محدثین ومورخین نے بھی اپنی کتابوں میں خانہ کعبہ میں تحریر کیا ہے منجملہ ان کے مسعودی نے مروج الذہب (ج2 ص349) حاکم نے مستدرک (ج3 ص483) اور آلوسی نے شرح قصیدہ۔ عبدالباقی افندی ص15 مزید تفصیل کیلئے اہل سنت کے دانشوروں کے نظریات کو جاننے کیلئے ملاحظہ ہو کتاب الغدیر ج4 ص23-21

[4] سیرت ابن ہشام ج1 / 262، کامل ابن اثیر ج2 / 58 کشف الغمہ ج1 / 79، تاریخ طبری ج2 / 312 البتہ مورخین کی رائے میں حضرت علی علیہ السلام کے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر منتقل ہونے کا سبب وہ قحط سالی تھی جس سے شہر مکہ دوچار ہوا تھا اور ابوطالب کی زندگی چونکہ تنگ دستی میں گزر رہی تھی اس لئے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تجویز پر آپ کے قبیلے کے لوگ ان کے ہر فرزند کو اپنے ساتھ لے گئے اور حضرت علی علیہ السلام کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے ساتھ لے آئے لیکن شہید مطہری نے نقل مکانی کی اس وجہ کو مسترد کیا ہے اور اسے مورخین کے ذہن کی اختراع قرار دیا ہے۔ جس کا سبب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس اقدام کی اہمیت اور قدر و قیمت کو کم کرنا مقصود ہے اس سلسلے میں موصوف کا مطمع نظر متن کتاب میں ملاحظہ ہو۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حضرت علی علیہ السلام سے اس قدر محبت تھی کہ آپ کو معمولی دیر کی جدائی بھی گوارا نہ تھی چنانچہ جب کبھی عبادت کی غرض سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ سے باہر تشریف لے جاتے [۱] تو حضرت علی علیہ السلام کو بھی ہمراہ لے جاتے۔ حضرت علی علیہ السلام نے اس دور کی کیفیت اس طرح بیان فرمائی ہے: یہ تو آپ سب ہی جانتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مجھ سے کس قدر انسیت تھی اور مجھے جو خاص قربت حاصل تھی اس کا بھی آپ کو علم ہے میں نے آپؐ کی پرشفقت آغوش میں پرورش پائی ہے جب میں بچہ تھا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھے گود میں لے لیا کرتے تھے مجھے آپ گلے سے لگاتے تھے اور اپنے ساتھ سلاتے تھے میں اُن کے بدن کو اپنے بدن سے چمٹا لیتا تھا اور آپ کے بدن کی خوشبو سونگھتا تھا، آپ نوالے چباتے اور میرے منہ میں دیتے تھے---

جس طرح ایک بچہ اپنی ماں کے پیچھے چلتا ہے اسی طرح میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے پیچھے چلتا تھا آپؐ ہر روز اپنے اخلاقی فضائل کا پرچم میرے سامنے لہراتے اور فرماتے کہ میں بھی آپ کی پیروی کروں۔ [۲]

اس دوران حضرت علی علیہ السلام نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاق گرامی اور فضائل انسانی سے بہت زیادہ کسب فیض کیا اور آپ کی زیر ہدایت ونگرانی روحانیت کے درجہ کمال پر پہنچ گئے۔

بعثت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہجرت تک

حضرت علی علیہ السلام وہ پہلے شخص تھے جنھوں نے دین اسلام قبول کیا۔ حضرت علی علیہ السلام کا اولین افتخار یہ ہے کہ آپ نے سب سے پہلے دین اسلام قبول کیا بلکہ صحیح معنوں میں یوں کہیئے کہ آپ نے اپنے قدیم دین کو آشکار کیا۔ دین اسلام قبول کرنے میں پیشقدمی وہ اہم موضوع ہے جس کو قرآن نے بھی بیان کیا ہے [۳] یہی نہیں بلکہ جن لوگوں نے فتح مکہ سے قبل دین اسلام قبول کیا اور راہ خدا میں اپنے جان و مال کو نثار کیا انھیں ان لوگوں پر فوقیت دی ہے جو فتح مکہ کے بعد ایمان لائے اور جہاد کیا [۴] اس پس منظر میں اس شخص کی عظمت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے جو سب سے پہلے دین اسلام سے مشرف ہوا اور اس وقت ایمان لایا جب کہ ہر طرف دشمنان اسلام کی طاقت کا ہی دور دورہ تھا یہ ایک عظیم افتخار تھے کہ دیگر تمام فضائل اس کی برابری نہیں کر سکتے۔ بہت سے مورخین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر پہلی مرتبہ وحی پیر کے دن نازل ہوئی اور اس کے اگلے دن حضرت علی علیہ السلام ایمان لائے۔ [۵]

حضرت علیہ السلام نے دین اسلام قبول کرنے میں جو دوسروں پر سبقت حاصل کی سب سے پہلے خود پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی صراحت کرتے ہوئے صحابہ کے مجمع عام میں فرمایا تھا--روز قیامت مجھ سے حوض کوثر پر وہ شخص سب سے پہلے ملاقات کرے گا جس نے

---

[۱] تاریخ طبری ج 2/ 313 شرح ابن ابی الحدید ج 13/ 199۔ کشف الغمہ ج 1/ 117 کامل ابن اثیر ج 2/ 58 وسیرۃ ابن ہشام ج 1/ 263

[۲] نہج البلاغہ خطبہ قاصعہ (192) ولقد کنت اتبعہ اتباع الفصیل اثر امہ یرفع لی کل یوم من اخلاقہ علماً یامرنی بالاقتداء بہ

[۳] سورہ واقعہ آیہ السابقون السابقون اولئك المقربون۔ جنھوں نے اسلام قبول کرنے میں سبقت کی وہی افراد خدا کی رضا ورحمت کے حصول میں سبقت رکھتے ہیں۔

[۴] سورہ حدید آیہ 10 لَا یَسْتَوِیْ مِنْکُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقٰتَلَ ؕ اُولٰٓئِكَ اَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِیْنَ اَنْفَقُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَقٰتَلُوْا ؕ تم میں سے جو لوگ خرچ اور جہاد کریں گے وہ کبھی ان لوگوں کے برابر نہیں ہو سکتے جنھوں نے فتح سے پہلے خرچ اور جہاد کیا ان کا درجہ بعد میں خرچ اور جہاد کرنے والوں سے بڑھ کر ہے۔

[۵] سیرت ابن ہشام ج 1/ 246، کشف الغمہ ج 1/ 113، تاریخ طبری ج 2/ 310۔ سنن ابن ماجہ ج 1/ 57

دین اسلام قبول کرنے میں تم سب پر سبقت کی اور وہ ہے علی بن ابی طالب علیہ السلام [1]

خود حضرت علی علیہ السلام نے بھی مختلف مواقع پر اس حقیقت کی صراحت فرمائی ہے۔ایک جگہ آپ فرماتے ہیں ۔۔اس روز جب کہ اسلام کسی کے گھر تک نہیں پہنچا تھا اور صرف پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وحضرت خدیجہ سلام اللہ علیہا اس دین سے مشرف ہوئی تھیں میں تیسرا مسلمان تھا۔ میں نور وحی ورسالت کو دیکھتا تھا اور نبوت کی خوشبو سونگھتا تھا۔ [2]

دوسری جگہ آپ فرماتے ہے:۔۔خداوندا میں وہ پہلا شخص ہوں جس نے تیری طرف رجوع کیا، تیرے پیغام کو سنا اور تیرے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت پر لبیک کہا۔۔ [3]

بے نظیر قربانی

آپ کے دیگر افتخار میں سے ایک افتخار یہ بھی ہے جب آپؑ شب ہجرت (جو کے لیلۃ المبیت کے نام سے مشہور ہے) پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بستر پر سو گئے اور اس دوران آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکہ سے مدینے ہجرت فرمائی اور تمام مورخین نے اس واقعہ کو بیان کیا ہے اہل قریش میں سے چالیس بہادروں نے یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ اس رات رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قتل کر دیں اس غرض سے انہوں نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر کو نرغے میں لے لیا۔اس رات حضرت علی علیہ السلام نے اپنی جان کی بازی لگا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حفاظت فرمائی اور جو خطرات رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پیش آنے والے تھے ان کو اپنے مول لے لیا۔یہ قربانی اس قدر اہم اور قابل قدر تھی جیسا کہ متعدد روایات [4] سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس موقع پر یہ آیت نازل فرمائی (ومن الناس من یشری نفسه ابتغاء مرضات الله والله رءوف بالعباد) [5] یعنی انسانوں میں سے کوئی ایسا بھی ہے جو رضائے الٰہی کی طلب میں اپنی جان کھپا دیتا ہے اور ایسے بندوں پر اللہ بہت مہربان ہے۔

ہجرت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت تک

علی علیہ السلام رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے امین

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جب یہ حکم ملا کہ مکہ سے مدینہ تشریف لے جائیں تو آپ گو اپنے قبیلے کے افراد میں کوئی بھی ایسا شخص نظر نہ آیا جو حضرت علی علیہ السلام سے زیادہ امین وصادق ہو چنا چہ اس بناء پر رسول خدا نے علی علیہ السلام کو اپنا جانشین مقرر کیا اور فرمایا کہ لوگوں کو ان کی امانتیں جو آپؐ کے پاس تھیں واپس کر دیں اور آپؐ پر جو قرض واجب ہیں انھیں بھی ادا کر دیں اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دختر فاطمہ سلام اللہ علیہا اور بعض دیگر خواتین کو ساتھ لے کر مدینہ آ جائیں۔رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہجرت کے بعد حضرت علی علیہ السلام ان امور کو انجام دینے کے لئے جن

---

[1] ۔اولکم ورداً علی الحوض اولکم اسلاماً علی بن ابی طالب۔مستدرک حاکم ج3 / 136، کشف الغمہ ج1 / 105۔تاریخ بغداد ج2 / 81 شرح ابن ابی الحدید ج3 / 385 وغیرہ مزید اطلاع کیلئے ملاحظہ ہو الغدیر ج3 / 220

[2] نہج البلاغہ خطبہ 192۔ولم یجمع بیت واحد یومئذ فی الاسلام غیر رسول الله وخدیجة انا ثالثهما اری نور الوحی والرسالة واشم ریح النبوة۔

[3] نہج البلاغہ خ 131۔اللهم انی اول من اناب وسمع واجاب

[4] روایات سے مزید آگہی کے لئے ملاحظہ ہو تفسیر برہان ج1 / 206، تفسیر المیزان ج2 / 99، مطبوعہ جامعہ مدرسین بحار ج19 صفحات (56-78-87)

[5] بقرہ آیہ 207

کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا تین دن تک مکہ میں تشریف فرما رہے اس کے بعد آپ اپنی والدہ فاطمہ دختر رسول خدا حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا، فاطمہ بن زبیر اور دیگر بعض عورتوں کے ہمراہ پیدل مدینہ کی جانب روانہ ہوئے اور قبا میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جا ملے [1]

جس وقت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نظر حضرت علی علیہ السلام پر پڑی تو دیکھا کہ حضرت علی علیہ السلام کے پیروں میں پیدل چلنے سے چھالیں پڑ گئی ہیں اور ان سے خوں ٹپکنے لگا ہے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی انکھوں میں آنسو بھر آئے اور آپ نے فرط محبت سے گلے لگا لیا اور آپ کے حق میں دعا کی اس کے بعد آپ نے لعاب دہن حضرت علی علیہ السلام کے پیروں پر لگایا جس کی وجہ سے زخم بھر گئے۔[2]

علی علیہ السلام رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بھائی

ہجرت کر کے مدینہ تشریف لے جانے کے بعد پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو اہم وسودمند اقدامات کئے ان میں ایک یہ تھا کہ مہاجرین وانصار کے درمیان رشتہ اخوت و برادری برقرار کیا چنانچہ اس وقت مسجد میں جتنے بھی لوگ موجود تھے ان کے درمیان رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی علیہ السلام کے علاوہ رشتہ برادری قائم کر دیا۔حضرت علی علیہ السلام تنہا رہ گئے تھے آپ نے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا: یارسول اللہ آپ نے میرے علاوہ ہر ایک کو رشتہ برادری میں منسلک کر دیا؟ اس موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہ تاریخی جملہ اپنی زبان مبارک سے ادا کیا جس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ آپؑ کی نظر میں حضرت علی علیہ السلام کا کیا مقام تھا اور آپ کی نظروں میں انکی کتنی وقعت واہمیت تھی۔آپ نے فرمایا۔۔قسم ہے اس خدا کی جس نے مجھے حق کے ساتھ مبعوث کیا میں نے تمہارے رشتہ برادری میں تاخیر نہیں کی بلکہ تمہیں اپنے رشتہ اخوت وبرادری کے لیے منتخب کیا ہے تم ہی دین ودنیا میں میرے بھائی ہو۔۔[3]۔

علی علیہ السلام اور راہ خدا میں جنگ

حضرت علی کی شخصیت اپنی قربانیوں اور راہ حق میں جانبازیوں کے باعث صحابہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے درمیان لاثانی وبے مثال ہے [4] غزوہ تبوک کے علاوہ آپ نے تمام غزوات میں شرکت کی اور غزوہ تبوک میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہدایت کے مطابق آپ مدینہ میں مقیم رہے یہ آپ کی قربانی اور جانبازی کا ہی نتیجہ تھا کہ سپاہ اسلام نے سپاہ شرک پر غلبہ حاصل کیا اگر اسلام کے اس جیالے کی جانبازیاں نہ ہوتیں تو ممکن تھا کہ وہ مشرک وکافر جو مختلف جنگوں میں اسلام کے خلاف برسر پیکار رہے چراغ رسالت کو آسانی سے خاموش اور پرچم حق کو سرنگوں کر دیتے ۔یہاں ہم حضرت علی علیہ السلام کی ان قربانیوں کا سرسری جائزہ لیں گے جو آپ نے جنگ کے میدانوں (بدر احد خندق اور خیبر) میں پیش کیں۔

علی علیہ السلام جنگ بدر کے بے نظیر جانباز

جنگ بدر میں حضرت علی علیہ السلام کی شخصیت دو وجہ سے نمایاں رہی۔

1 جنگ فرد بفرد: جس وقت مشرکین کے لشکر سے عتبہ شیبہ اور ولید جیسے تین نامور دلیروں نے میدان جنگ میں اتر کر سپاہ اسلام کو

---

[1] قبا مدینہ سے دو فرسخ کے فاصلے پر واقع ہے یہاں قبیلہ بنی عمرو بن عوف آباد تھا (معجم البلدان) ج4/ 301

[2] اعیان الشیعہ ج1/ 377 (دس جلدی) منقول از سیرت حلبی واسد الغابہ

[3] والذی بعثنی بالحق ...الخ ...انت اخی فی الدنیا و الاخرۃ- مستدرک حاکم ج3/ 14

[4] غزوہ اصطلاح میں اس جنگ کو کہتے ہیں جس میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بذات خود موجود رہتے تھے۔ایسی جنگوں کی تعداد چھبیس یا ستائیس ہیں اور جن جنگوں میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم موجود نہ تھے انہیں اصطلاحاً سریہ کہا جاتا ہے جن کی تعداد پینتیس سے چھیاسٹھ تک کے درمیان بتائی گئی ہے۔

للکارا تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم پر حضرت عبیدہ بن حارث حمزہ بن عبدالمطلب اور علی بن ابی طالب علیہ السلام ان سے جنگ کرنے کے لئے میدان جنگ میں اتر آئے۔ چنانچہ حضرت عبیدہ عتبہ سے حضرت حمزہ، شیبہ سے اور حضرت علی علیہ السلام ولید سے برسرِ پیکار ہو گئے۔ مورخین کا بیان ہے:

حضرت علی علیہ السلام نے پہلے ہی وار میں دشمن کو قتل کر ڈالا اس کے بعد آپؑ حضرت حمزہ کی مدد کے لئے پہنچے اور ان کے حریف کے بھی دم شمشیر سے دو ٹکڑے کر دیئے اس کے بعد یہ دونوں بزرگ حضرت عبیدہ کی جانب مدد کی غرض سے بڑھے اور ان کے حریف کو بھی ہلاک کر ڈالا [1]

اس طرح آپؑ لشکر مشرکین کے تینوں نامور پہلوانوں کے قتل میں شریک رہے۔ چنانچہ آپ نے معاویہ کو جو خط لکھا تھا اس میں تحریر فرمایا کہ وہ تلوار جس سے میں نے ایک ہی دن میں تیرے دادا (عتبہ) تیرے ماموں (ولید) تیرے بھائی (حنظلہ) اور تیرے چچا (شیبہ) کو قتل کیا تھا اب بھی میرے پاس ہے۔

2 اجتماعی وعمومی جنگ۔ مورخین نے لکھا ہے کہ جنگ بدر میں لشکر مشرکین کے ستر (70) سپاہی مارے گئے جن میں ابوجہل امیہ بن خلف نصر بن حارث و... اور دیگر سر برآوردہ سرداران کفار شامل تھے ان میں سے ستائیس سے پینتیس کے درمیان حضرت علی علیہ السلام کی شمشیر کے ذریعہ لقمہ اجل ہوئے، اس کے علاوہ بھی دوسروں کے قتل میں بھی آپ کی شمشیر نے جوہر دکھائے۔ چنانچہ اس وجہ سے قریش آپ کو۔۔سرخ موت۔۔ کہنے لگے کیونکہ اس جنگ میں انھیں ذلت وخواری امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کے ہاتھوں نصیب ہوئی تھی [2]۔

حضرت علی علیہ السلام رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تنہا محافظ

جنگ احد میں بھی حضرت علی علیہ السلام کے کردار کا جائزہ دو مراحل یعنی مسلمانوں کی فتح وشکست کے پس منظر میں لیا جا سکتا ہے۔

مرحلہ فتح وکامیابی:

اس مرحلے میں لشکر اسلام کو کامیابی اور مشرکین کو پسپائی آپ ہی کے دست مبارک سے ہوئی۔ لشکر قریش کا اولین پرچمدار طلحہ بن ابی طلحہ جب حضرت علی علیہ السلام کے حملوں کی تاب نہ لاتے ہوئے زمین پر گر گیا تو اس کے بعد دوسرے نو افراد نے یکے بعد دیگر پرچم لشکر اپنے ہاتھوں میں لیا لیکن جب وہ بھی حضرت علی علیہ السلام کی شمشیر سے مارے گئے تو لشکر قریش کے لئے راہ فرار کے علاوہ کوئی چارہ نہ تھا [3]۔

مرحلہ شکست:

جب آبنائے۔۔عینین۔۔ کے بیشتر کمانداروں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم سے سرتابی کی اور اپنی جگہ سے ہٹ گئے تو اس وقت خالد بن ولید اپنے گھڑ سوار لشکر کے ساتھ اس پہاڑ کا چکر کاٹ کر اس آبنائے کی راہ سے مسلمانوں پر ایک دم حملہ آور ہوا چونکہ یہ حملہ اچانک اور انتہائی کمر شکن تھا اسی لئے جنگ کے اس مرحلے میں ستر مسلمانوں کو شہادت نصیب ہوئی اور باقی چند بچ گئے تھے انھوں نے راہ فرار اختیار کی۔ اس مرحلے میں حضرت علی علیہ السلام کا اہم ترین کردار یہ تھا کہ آپ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وجود مقدس کی پاسبانی وحفاظت کے فرائض انجام دے رہے تھے۔ ان حالات میں جبکہ چند مسلمانوں کے علاوہ سب اپنی جان بچانے کی خاطر میدان جنگ سے فرار کر گئے اور لشکر قریش نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہر طرف سے اپنے حملوں کا نشانہ بنا لیا تو اس وقت حضرت علی علیہ السلام ہی تھے جنھوں نے اپنے حملوں سے دشمن کو آگے بڑھنے سے

---

[1] الصحیح من سیرۃ النبی ج3/ 192، بحار ج19/ 225-254-2290

[2] الصحیح من سیرۃ النبی ج3/ 203-202- مناقب ج2/ 68 نیز ملاحظہ ہو بحار ج19/ 279-276-291

[3] بحار ج20/ 50-51، الصحیح من سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ج4/ 218-213-

روکا چنانچہ دشمنان اسلام کا وہ گروہ جو رسول خداصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نزدیک آ کر حملہ کرنا چاہتا تھا آپ ہی کی تیغ سے ہلاکت کو پہنچا۔ امیر المومنین علی علیہ السلام کی یہ قربانی اتنی اہم وقابل قدر تھی کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے رسول خداصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس کی مبارک بادی دی چنانچہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی یہ فرمایا کہ --علی منی وانا من علی-- (یعنی علی مجھ سے ہیں اور میں علی سے ہوں) اس قربانی کو قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھا اور جب غیب سے یہ ندا آئی --لاسیف الا ذوالفقار ولا فتی الا علی-- تو دوسروں کو بھی حضرت علی علیہ السلام کی اس قربانی کا اندازہ ہوا[۱]

خود حضرت علی علیہ السلام نے اپنے اصحاب کے ساتھ اپنی گفتگو کے درمیان اس قربانی کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: جس وقت لشکر قریش نے ہم پر حملہ کیا تو انصار ومہاجرین نے اپنے گھروں کی راہ اختیار کی مگر میں ستر سے زیادہ زخم کھانے کے باوجود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدافعت و پاسبانی کرتا رہا۔[۲]

حضرت علی علیہ السلام نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پاسبانی و مدافعت کی خاطر دشمن کا جم کر مقابلہ کیا کہ آپ کی تلوار ٹوٹ گئی اس وقت رسول خداصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی وہ شمشیر جس کا نام --ذوالفقار-- تھا آپ کو عطا فرمائی چنانچہ آپ نے اسی سے راہ خدا میں اپنے جہاد کو جاری رکھا۔[۳]

جنگ خندق میں علی علیہ السلام کا کردار

مختلف لشکروں (احزاب) کے دس ہزار سپاہیوں نے تقریباً ایک ماہ تک مدینہ کا محاصرہ جاری رکھا۔ اتنی مدت گذر جانے کے بعد بالآخر دشمن کو اس کے علاوہ کوئی چارہ نظر نہ آیا کہ وہ اپنے مضبوط وطاقتور لشکر کو جس طرح بھی ممکن ہو سکے خندق پار کرائے۔ اس فیصلے کے بعد عربوں کے --نامور پہلوان عمر بن عبدود-- نے اپنے ساتھ پانچ سپاہی لیے اور اس جگہ سے جہاں خندق کم چوڑی تھی پار کر آیا اور جنگ کے لئے للکارا۔ حضرت علی علیہ السلام نے اس کی اس دعوت جنگ کو قبول کیا اور اس کے نعروں کا جواب دینے کیلئے آگے بڑھے چنانچہ سخت مقابلے کے بعد عربوں کا وہ دلاور ترین جنگجو پہلوان جسے ایک ہزار جنگی سپاہیوں کے برابر سمجھا جاتا تھا، حضرت علی علیہ السلام کی شمشیر سے زمین پر گر پڑا عمرو کے ساتھیوں نے جب اس کی یہ حالت دیکھی تو وہ فرار کر گئے اور ان میں سے جو شخص فرار نہ کر سکا وہ --نوفل تھا۔ چنانچہ وہ بھی حضرت علی علیہ السلام کے ایک ہی وار سے عمرو سے جاملا۔ عمرو بن عبدود کی موت (نیز بعض دیگر عوامل) اس امر کا باعث ہوئے کہ جنگ کا غلغلہ دب گیا او مختلف لشکروں میں سے ہر ایک کو اپنے گھر واپس جانے کی فکر دامنگیر ہوئی۔ اس جنگ میں حضرت علی علیہ السلام نے میدان جنگ کی جانب رخ کیا تو آپؑ نے فرمایا: خدایا جنگ بدر کے دن عبیدہ اور احد میں حمزہ کو تو نے مجھ سے جدا کر دیا اب علی علیہ السلام کو تو ہرگز ند سے محفوظ فرما۔ اس کے بعد آپ نے یہ آیت پڑھی --رب لا تذرنی فرداوانت خیر الوارثین---[۴]

جب عمرو کے ساتھ میدان جنگ میں مقابلہ ہوا تو آپؑ نے فرمایا:

--برز الایمان کله الی الشرك کله-- (*) یعنی ایمان وشرک کے دو مظہر کامل ایک دوسرے کے مقابل ہیں) اور جب آپ میدان جنگ سے فاتح وکامران واپس آئے تو پیغمبر خداصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: --لو وزن الیوم عملك بعمل امة محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

[۱] ملاحظہ ہو تاریخ طبری ج 2/ 514 کامل ابن اثیر ج 2/ 154 وشرح ابن ابی الحدید ج 14/ 250 اس واقعے کا ذکر تمام مذکورہ کتب میں مختصر سے فرق کے ساتھ موجود ہے

[۲] بحار ج 20/ 70 خصال صدوق (مترجم) ج 2/ 127۔

[۳] بحار ج 20/ 54 تفسیر علی ابن ابراہیم سے منقول۔

[۴] 127۔ بحار ج 20/ 215-216۔

لرجح عملك بعلمهم ---(یعنی اگر آج تمہارے عمل کا امت محمد کے تمام اعمال (پسندیدہ) سے مقابلہ کیا جائے تو (بے شک) اس عمل کو ان پر برتری ہوگی۔[1]

علی علیہ السلام فاتح خیبر

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہودیوں کے مرکز ---خیبر---کا محاصرہ کیا تو اس غزوہ کے ابتدائی دنوں میں حضرت علی علیہ السلام آشوب چشم کے باعث اس میں شریک نہیں ہو سکتے تھے چنانچہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پرچم اسلام دو مسلمانوں کو دیا لیکن وہ دونوں ہی یکے بعد دیگرے کامیاب ہوئے بغیر واپس آگئے۔ یہ دیکھ کر پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا یہ پرچم ان کا حق نہ تھا علی علیہ السلام کو بلاؤ عرض کیا گیا کہ ان کی آنکھ میں درد ہے۔ آپؐ نے فرمایا کہ: علی علیہ السلام کو بلاؤ وہی ایسا مرد ہے جو خدا اور اس کے رسول کو عزیز ہے وہ بھی خدا اور اس کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عزیز رکھتا ہے۔[2]

جس وقت حضرت علی علیہ السلام پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حضور تشریف لائے تو آپ نے دعا فرماتے ہوئے اپنے دہان مبارک سے لعاب ان کی آنکھوں پر لگایا جس کے باعث درد چشم زائل ہو گیا اس کے بعد حضرت علی علیہ السلام نے پرچم اٹھایا اور میدان جنگ کی جانب روانہ ہو گئے۔ یہودی دلاور اپنے قلعے سے نکل کر باہر آئے۔ مرحب کا بھائی حارث نعرا لگاتا ہوا حضرت علی علیہ السلام کی جانب بڑھا مگر چند ہی لمحے بعد اس کا مجروح بدن خاک پر تڑپنے لگا۔ مرحب اپنے بھائی کی موت سے سخت رنجیدہ خاطر ہوا چنانچہ اس کا انتقام لینے کی غرض سے وہ ہتھیاروں سے لیس حضرت علی علیہ السلام سے لڑنے کے لئے میدان جنگ میں اتر آیا۔ پہلے تو دونوں کے درمیان کچھ دیر گفت وشنید ہوئی مگر پلک جھپکتے ہی جانباز اسلام کی شمشیر بران مرحب کے سر پر پڑی او آن کی آن میں اسے خاک پر ڈھیر کر دیا۔ دوسرے یہودی دلاوروں نے جب یہ ماجرا دیکھا تو وہ بھاگ گئے اور اپنے قلعے میں چھپ گئے اور دروازہ بند کر لیا۔ حضرت علی علیہ السلام نے ان بھاگنے والوں کا تعاقب کیا اور جب دروازہ بند پایا تو قدرت حق سے اسی دروازے کو جسے بیس آدمی مل کر بند کیا کرتے تھے تن تنہا دیوار قلعہ سے اکھاڑ لیا اور یہودیوں کی قلعہ خندق پر گرایا تا کہ سرباز اسلام اس کے اوپر سے گذر کر فساد اور خطرہ کے آخری سرچشمہ کو کچل دیں۔[3]

غزوہ خیبر میں چونکہ مسلمانوں کو حضرت علی علیہ السلام کی قربانی و دلاوری سے فتح و کامرانی حاصل ہوئی تھی اسی وجہ سے آپ کو ---فاتح خیبر---کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔

امیر المومنین علیہ السلام کی سیاسی زندگی میں جنگجوئی کے اثرات

حضرت علی علیہ السلام کی شجاعت و دلاوری اور جرائتیں جو کہ مختلف غزوات، بالخصوص غزوہ بدر میں ابھر کر سامنے آئیں ہم نے انکو مختصر طور پر یہاں بیان کیا ہے---جس کی وجہ یہ ہے کہ اسی جنگی پہلو کا اسلام کی آیندہ تاریخ اور آپؑ کی سیاسی زندگی کے حالات قلمبند کرنے میں اہم ونمایاں کردار تھے۔ چنانچہ اس کے اثرات ونتائج کی تلاش وجستجو ہمیں تاریخ اسلام میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت کے بعد سے کرنی چاہیئے راہ خدا میں علی علیہ السلام کی جانبازیوں اور آپ کے ہاتھوں مشرکین کی ہلاکت (تمام غزوات، بالخصوص غزوہ بدر میں) کی وجہ سے آپ کے خلاف کفار قریش کے دلوں میں وہ دشمنی وعداوت پیدا ہو گئی جس کے اثرات بعد میں منظر عام پر آئے۔

---

[1] بحار ج 20/ 205۔

[2] ارونیه ترونی رجلاً یحب الله ورسوله ویحبه الله ورسوله (ارشاد مفید/ 66)۔

[3] ارشاد مفید/ 67/ 65 بحار ج 21/ 16-14۔

عثمان اور حضرت علی علیہ السلام کے درمیان خلیفہ وقت مقرر کئے جانے سے متعلق چھ رکنی کمیٹی میں جو گفتگو ہوئی اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ کفار وقریش کے دلوں میں آپ کے خلاف کس قدر دشمنی وعداوت تھی اس گفتگو کے اقتباس ہم یہاں پیش کرتے ہیں:

--مسئلہ خلافت کے سلسلہ میں عثمان نے حضرت علی علیہ السلام سے خطاب کرتے ہوئے کہا تھا میں کیا کروں، قریش آپ کو پسند نہیں کرتے کیونکہ آپ نے ان کے ایسے ستر (70) آدمیوں کو (جنگ بدر واحد اور دیگر غزوات میں) تہ تیغ کیا ہے جن کا شمار قبیلے کے سرداروں اور سربرآوردہ اشخاص میں ہوتا تھا (چنانچہ ان کے دلوں میں بھی کینہ وعداوت ہے---[1]

اس کی دوسری مثال یزید کے وہ اشعار ہیں جو اس نے حضرت سید الشہداء علیہ السلام اور آپ کے بہتر عزیز واقرباء اور یاران باوفا کی شہادت پر کہے تھے۔ وہ لعین جب کہ نشہ فتح وکامرانی میں مست وسرشار تھا اور حسین بن علی علیہ السلام کا سر مبارک اس کے پاس لایا گیا تو اس ملعون نے اس موقعے پر جو اشعار کہے ان کا مفہوم یہ ہے: احمد (پیشوائے اسلام) نے جو کام انجام دیئے ہیں ان کے مقابل اگر میں ان کی آل سے انتقام نہ لوں تو خندف کی نسل سے نہیں۔ ہاشم نے دین کے نام پر حکومت حاصل کی تھی ورنہ اس پر نہ غیب سے خبر آئی تھی نہ وحی نازل ہوئی تھی۔ ہم نے علی علیہ السلام سے اپنا بدلہ لیا اور سوار شجاع اور سورما (حسین بن علی علیہ السلام) کو قتل کر دیا۔[2]

حضرت علی علیہ السلام اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جانشینی

بلا شک وتردید اسلام کے جو عظیم واہم ترین مسائل ہیں ان میں امت کی ولایت وقیادت نیز امور مسلمین کی راہبری وسرپرستی بھی شامل ہے۔ چنانچہ اس اہمیت کو مدنظر رکھتے ہوئے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ کوشش تھی کہ آئندہ جس اسلامی معاشرے کی تشکیل ہوگئی اس کے مسئلہ رہبری کو اپنے زمانہ حیات میں ہی طے کر دیں۔ چنانچہ --دعوت حق کے اولین روز سے ہی آپ نے توحید کے ساتھ مسئلہ خلافت کو واضح کرنا شروع کر دیا تھا۔ چونکہ حضرت علی علیہ السلام ہی کی وہ شخصیت تھی جو تمام فضائل وکمالات کی مالک تھی اسلئے خداوند متعال کی طرف سے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم ملا کہ مسلمانوں کے دینی ودنیوی امور کی سرپرستی کے لئے اپنے بعد ان کی جانشینی کا اعلام فرمادیں۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس الٰہی پیغام کا اعلان مختلف مواقع پر فرمایا یہاں ہم اختصار کے پیش نظر ان تین احادیث کا ہی ذکر کریں گے جو آپ نے مختلف اوقات میں بیان فرمائی ہیں:

1 حدیث یوم الدار   2 حدیث منزلت   3 حدیث غدیر

حدیث یوم الدار

بعثت کی تین سال کے بعد جب یہ آیت نازل ہوئی --وانذر عشیرتک الاقربین--[3] یعنی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کام پر مامور کئے گئے کہ وہ سب سے پہلے اپنے عزیز واقرباء کو دعوت اسلام دیں۔ اس مقصد کے تحت پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم پر حضرت علی علیہ السلام نے بنی ہاشم کے چالیس سرداروں کو جن میں ابوطالب، ابولہب، حمزہ، وغیرہ شامل تھے مدعو کیا جب سب لوگ کھانے سے فارغ ہوئے تو پیغمبر

---

[1] شرح ابن ابی الحدید ج9/ 23۔ الصحیح ج3/ 220۔

[2] مقتل خوارزمی 2/ 59۔ مقتل خوارزمی 2/ 59۔

لستُ من خندف ان لم انتقم من بنی احمد ما کان فعل لعبت ھاشم بالملك فلا خبر جاء و لا وحی نزل قد اخذنا من علی ثارنا وقتلنا الفارس اللیث البطل

[3] سورہ شعراء 214

اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اے فرزندان عبدالمطلب عرب کے جوانوں میں مجھے کوئی بھی ایسا نظر نہیں آتا جو تمہارے لئے مجھ سے بہتر پیغام لایا ہو۔ میں تمہارے لئے ایسا پیغام لے کر آیا ہوں جس میں دونوں جہان کی خیر و سعادت ہے۔ خداوندتعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تمہیں اس کی طرف دعوت دوں۔ تم میں سے ایسا کون ہے جو اس راہ میں میری مدد کرے تا کہ وہ میرا بھائی، وصی اور جانشین قرار پائے۔ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اس سوال کو تین مرتبہ دہرایا اور ہر مرتبہ حضرت علی علیہ السلام ہی اپنی جگہ سے اٹھے اور انہوں نے اپنی آمادگی کا اعلان کیا۔ اس وقت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی علیہ السلام کی جانب اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: تو گویا علی علیہ السلام ہی میرے بھائی، وصی اور جانشین ہیں لہٰذا تم ان کی بات سنو اور ان کی اطاعت کرو۔ [1]

حدیث منزلت

صرف وہ غزوہ جس میں حضرت علی علیہ السلام نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حکم کے پیروی کرتے ہوئے شرکت نہیں کی غزوہ تبوک تھا۔ چنانچہ اس مرتبہ آپ جانشین رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیثیت سے اور ان واقعات کا سدباب کرنے کی غرض سے جن کے رونما ہونے کا احتمال تھا مدینہ میں ہی قیام پذیر رہے۔ جس وقت منافقوں کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارادے کی خبر ہوئی تو انہوں نے ایسی افواہیں پھیلائیں جن سے حضرت علی علیہ السلام اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تعلقات میں کشیدگی پیدا ہو جائے اور حضرت علی علیہ السلام کو یہ بات باور کرا دیں کہ اب آپ سے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پہلی سی محبت نہیں۔ چنانچہ جب آپ کو منافقین کی ان شرپسندانہ سازشوں کا علم ہوا تو ان کی باتوں کو غلط ثابت کرنے کی غرض سے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں تشریف لے گئے اور صحیح واقعات کی اطلاع دی۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علی علیہ السلام کو مدینہ واپس جانے کا حکم دیتے ہوئے اس تاریخی جملے سے حضرت علی علیہ السلام کے اس مقام و مرتبہ کو جو آپؐ کے نزدیک تھا اس طرح بیان فرمایا: ۔۔کیا تم اس بات سے خوش نہیں ہو کہ میرے اور تمہارے درمیان وہی نسبت ہے جو کہ موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام کے درمیان تھی۔ مگر یہ کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا۔ [2]

قرآن مجید میں حضرت ہارون کے مقامات و مناصب:

اب دیکھنا یہ ہے کہ قرآن پاک کی نظر میں حضرت ہارون کے وہ کون سے مناصب و مقامات تھے جو حضرت علی علیہ السلام میں بھی نبوت کے علاوہ (چنانچہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود ہی مذکورہ حدیث میں آپ کو اس سے مستثنیٰ قرار دیا ہے) بدرجہ اتم موجود تھے۔ چنانچہ جب ہم قرآن کی جانب رجوع کرتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت ہارون علیہ السلام کے لئے مندرجہ ذیل مناصب چاہے تھے۔ مقام وزارت ۔۔واجعل لی وزیرا من اھلی ھارون اخی ۔۔ [3] ۔۔۔میرے کنبے سے ہارون کو وزیر مقرر کردے جو کہ میرے بھائی ہیں ۔۔۔تقویت و تائید ۔۔واشدد بہ ازری ۔۔۔اس کے ذریعے میرا ہاتھ مضبوط کر [4]

---

[1] تاریخ طبری ج 2/ 321 و320 کامل ابن اثیر ج 2/ 63-62 مجمع البیان ج 8/ 7 الغدیر ج 2/ 278 فایکم یؤازرنی علی ھذا الامر علی ان یکون اخی ووصی وخلیفتی فیکم ...؟ ان ھذا اخی ووصیی وخلیفتی فیکم فاسمعوا لہ واطیعوہ۔

[2] اما ترضی ان تکون منی بمنزلۃ ہارون من موسی الا انہ لا نبی بعدی۔ غایۃ المرام کے صفحہ 152 سے 107 پر ایک سو ستر (170) محدثین کے طریق سے حدیث منزلت کو نقل کیا گیا ہے ان میں سے سو طریق اہل سنت والجماعت کے ہیں۔ صاحب المراجعات نے بھی (141-139) پر مذکورہ حدیث کو صحیح مسلم، بخاری، سنن ابن ماجہ ومستدرک حاکم اور اہل سنت کے دیگر مصادر سے نقل کیا ہے۔

[3] سورہ طہ 29-30

[4] سورہ طہ آیات 31-32-36- 37-38-

مقام نبوت:--واشرکه فی امری--اوراس کو میرے کام میں شریک کردے---[1]

حضرت موسی علیہ السلام نے جو چیزیں خداوند تعالے سے مانگیں اس نے ان کا مثبت جواب دیا اور مذکورہ تمام مقامات حضرت ہارون کو عطا کردیئے۔ چنانچہ اس سلسلے میں قرآن مجید فرماتا ہے:--قد اوتیت سوالك یا موسی--[2] اے موسی جو تم نے مانگا ہم نے عطا کیا---اس کے علاوہ حضرت موسی علیہ السلام نے اپنی غیر موجودگی میں حضرت ہارون علیہ السلام کو اپنا جانشین مقرر کیا۔(**وقال موسی لاخیه هارون اخلفنی فی قومی**) موسی نے حضرت ہارون سے کہا تم میری قوم میں میرے خلیفہ اور جانشین ہو---[3]

حدیث منزلت کے مطابق وہ تمام مناصب ومقامات جو ہارون کے لئے بیان کئے گئے ہیں، صرف ایک منصب کے علاوہ کہ جسے آیت سے مستثنی قرار دیا ہے، حضرت علی علیہ السلام کے لئے ثابت ہیں۔ اس لحاظ سے حضرت علی علیہ السلام ہی امت مسلمہ میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے یاور و مددگار اور خلیفہ ہیں۔[4]

حدیث غدیر

ہجرت کے دسویں سال پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جس وقت --حجۃ الوداع--[5] سے واپس تشریف لا رہے تھے تو ماہ ذی الحجہ کی اٹھارہ تاریخ کو آپ نے --غدیر خم-- کے مقام پر فرمان خداوندی کے مطابق حکم دیا کہ سارے مسلمان یہاں توقف کریں اس کے بعد ایک لاکھ سے زیادہ افراد کی موجودگی میں حمد وستائش باری تعالی کے بعد جو خطبہ دیا اسے جاری رکھتے ہوئے آپ نے دریافت فرمایا: اے لوگو تم میں ایسا کون ہے جسے تمام مومنین پر برتری حاصل ہو؟

سب نے کہا یہ تو خدا اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی بہتر جانتا ہے۔ آپؐ نے فرمایا خداوند تعالیٰ نے مجھے ولایت سے سرفراز فرمایا ہے اور مجھے تمام مومنین پر ان کے نفسوں سے زیادہ تصرف کا حق حاصل ہے۔ اس کے بعد آپ نے حضرت علی علیہ السلام کا ہاتھ اونچا کیا چنانچہ وہ تمام لوگ جو اس وقت وہاں جمع تھے انہوں نے حضرت علی علیہ السلام کو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دوش بدوش دیکھا اور آپؐ نے فرمایا: جس کا مولا و سرپرست میں ہوں علی علیہ السلام اس کا مولا و سرپرست ہے۔[6] چنانچہ یہ جملہ آپ نے تین مرتبہ دہرایا۔ اس کے بعد مزید فرمایا: --اے پروردگار تو اسے دوست رکھ جو علی علیہ السلام کو دوست رکھے اور اسے دشمن رکھ جو علی علیہ السلام کو دشمن رکھے۔ خداوندا یاران علی علیہ السلام کی مدد فرما اور اس کے دشمنوں کو ذلیل وخوار کر۔

یہ تھیں وہ سرافرازیاں جو حضرت علی علیہ السلام نے زندگی کے اس اولین مرحلے میں حاصل کیں کہ جس کی مدت دس سال سے زیادہ نہ تھی۔ اگرچہ دیگر کتب میں آپ کی سوانح حیات مفصل طور پر بیان کی گئی ہے مگر یہاں اختصار سے کام لیتے ہوئے انہی پر اکتفا کرتے ہیں۔

---

[1] سورہ طہٰ آیات 31-32-36-37-38-

[2] سورہ طہٰ آیات 31-32-36- 37 -38-

[3] سورہ احزاب آیت 142

[4] رہبری امت مصنفہ جعفر سبحانی سے ماخوذ صفحات 168-167

[5] فرمان خداوندی سورہ مائدہ آیت 67--یَاَیُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ ط وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ ط وَاللّٰهُ یَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ط

[6] من کنت مولاه فهذا علی مولاه-اللهم وال من والاه وعاد من عاداه وانصر من نصره واخذل من خذله۔ ملاحظہ ہو الغدیر ج 1 / 9-11

سوالات

1 حضرت علی علیہ السلام کی زندگی کے مختلف ادوار کے بارے میں لکھیئے؟

2 بعثت سے قبل حضرت علی علیہ السلام کی زندگی میں کون سا اہم ترین واقعہ پیش آیا؟ آپ کے اقوال کے روشنی میں اس کی مختصراً وضاحت کیجئے؟

3 حضرت علی علیہ السلام کے امتیازات وافتخارات میں سے ان دو کی کیفیت بیان کیجئے جو بعثت کے بعد اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہجرت سے قبل رونما ہوئے۔

4 جنگ بدر میں حضرت علی علیہ السلام کا کیا کردار رہا اختصار سے لکھ یے۔

5 پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غزوہ احزاب کے موقع پر حضرت علی علیہ السلام کے بارے میں کیا فرمایا تھا؟

6 حضرت علی علیہ السلام نے مختلف جنگوں (بالخصوص جنگ بدر) میں دلاوری کے جو جوہر دکھائے اور مشرکین کو قتل کیا وہ آپ کی سیاسی زندگی پر کس طرح اثر انداز ہوئے اور کب منظر عام پر آئے ان کی کوئی مثال لکھیئے

7 حدیث --یوم الدار-- کی مختصر وضاحت کیجئے اور بتایئے مذکورہ حدیث پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد امامؑ کی جانشینی پر کس طرح دلالت کرتی ہے؟

دوسرا سبق

رسول اکرم صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی رحلت سے خلافت ظاہری تک [1]

پیغمبر اکرم صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے زمانہ حیات میں حضرت علی علیہ السلام کی زندگی کے تعمیری اور کردار ساز بعض حادثات و واقعات کا جائزہ ترتیب وار گذشتہ فصل میں لیا جاچکا ہے۔ چونکہ ہمارا مطمع نظر تاریخ اسلام کا تجزیہ و تحلیل ہے نہ کہ ان بزرگوار شخصیات کے احوال زندگی کو بیان کرنا اسلیئے بہت سے ایسے واقعات جن کا امامؑ نے ان مراحل میں سامنا کیا، ان کا ذکر نہیں کیا جاسکا۔ اب ہم یہاں پیغمبر اکرم صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی رحلت کے بعد تاریخ اسلام کے واقعات کا جائزہ لیں گے۔

وفات پیغمبر صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کو جھٹلانا

رسول اکرم صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی رحلت کے بعد سب سے پہلا واقعہ جو مسلمانوں کے سامنے آیا وہ عمر کی جانب سے رونما ہوا چنانچہ انہوں نے رسول خدا صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے گھر کے سامنے بآواز بلند کہا کہ جو شخص یہ کہے گا کہ رسول خدا صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی رحلت ہوگئی میں اسی تلوار سے اس کا سر قلم کردوں گا اگرچہ حضرت ابن عباس و دیگر صحابہ رسول صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے وہ آیت بھی سنائی جس کا مفہوم یہ ہے کہ موت سے پیغمبر صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کو بھی مفر نہیں [2] مگر اس کا ان پر اثر نہ ہوا بوقت رحلت ابوبکر مدینہ سے باہر تھے۔ چند لحظے گذرنے کے بعد وہ بھی آن پہنچے اور عمر کی داد و فریاد کی جانب توجہ کئے بغیر وہ پیغمبر اکرم صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے گھر میں داخل ہوگئے اور رسول خدا صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے چہرہ مبارک سے چادر ایک طرف کرکے بوسہ دیا اور مسجد میں واپس آگئے اور یہ اعلان کیا کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم رحلت فرما گئے ہیں۔ اس کے بعد انہوں نے بھی اسی آیت کی تلاوت کی اس پر عمر نے کہا ایسا لگتا ہے کہ میں نے آج تک گویا یہ آیت سنی ہی نہیں تھی [3]

غیر متوقع حادثہ

جس وقت حضرت علی علیہ السلام پیغمبر اکرم صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کو غسل دینے میں مشغول اور مسلمان تکمیل غسل و کفن کا انتظار کررہے تھے تاکہ نماز جنازہ میں شرکت کرسکیں خبر آئی کہ کچھ لوگ ۔۔سقیفہ بنی ساعدہ۔۔ میں جمع ہیں اور خلیفہ منتخب کئے جانے کے بارے میں بحث کررہے ہیں اور قبیلہ خزرج کے سردار سعد بن عبادہ کا نام خلافت کے لئے پیش کیا گیا ہے۔ عمر اور ابوبکر نے جیسے ہی یہ خبر سنی فوراً سقیفہ کی طرف روانہ ہوئے۔ راستے میں ابوعبیدہ بن جراح کو بھی مطلع کیا اور تینوں افراد نے سقیفہ [4] کی جانب رخ کیا۔ اس وقت تک معاملہ انصار کے ہاتھ میں

---

[1] حضرت علی علیہ السلام کی زندگی کے وہ واقعات جو رسول خدا صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے زمانہ حیات میں پیش آئے وہ مختصر طور پر تاریخ عصر نبوت میں بیان کردیے گئے ہیں۔

[2] آل عمران 144۔ وَمَا مُحَمَّدٌ إِلاَّ رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِن قَبْلِهِ الرُّسُلُ أَفَإِن مَّاتَ أَوْ قُتِلَ انقَلَبْتُمْ عَلَى أَعْقَابِكُمْ (محمد اس کے سوا کچھ نہیں کہ بس ایک رسول ہیں ان سے پہلے اور رسول گذر چکے ہیں اگر وہ مرجائیں یا قتل کردیے جائیں تو تم لوگ الٹے پاؤں پلٹ جاؤ گے۔

[3] تاریخ طبری ج3/ 200 کامل ابن اثیر ج2/ 323، شرح ابن ابی الحدید ج1/ 128۔

[4] سقیفہ کے لغوی معنی سایبان ہیں۔ سقیفہ مدینہ میں مسجد النبی صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم سے 600 قدم کے فاصلے پر باب السلام کے راستے میں واقع ہے۔ یہ جگہ بنی ساعدہ بن کعب خزرجی سے متعلق تھی۔ لوگ اس سایبان کے نیچے اپنے معاملات کا فیصلہ کرنے کے لئے جمع ہوتے تھے بعد میں یہ جگہ سقیفہ بنی ساعدہ کے نام سے مشہور ہوگئی۔ (معجم البلدان ج3/ 228)۔

تھا لیکن جیسے ہی یہ تینوں مہاجر وہاں پہنچے تو تنازع شروع ہو گیا اور ہر شخص اپنی اہلیت وشائستگی کی تعریف کرنے لگا۔ بالآخر ابوبکر کو پانچ رائے کے ذریعے سقیفہ میں خلیفہ چن لیا گیا۔ برادران اہل سنت نے اس واقعہ کو حقیقت سمجھ لیا اور خلیفہ کے انتخاب کو مشاورت اور اجماع مسلمین کا نام دے کر اسے تسلیم کر لیا۔ اس حقیقت کو آشکار کرنے کے لئے ضروری ہے کہ مندرجہ ذیل عنوانات کا تجزیہ کیا جائے تا کہ اصل واقعے کی وضاحت ہو سکے۔

پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جانشینی کا مسئلہ شیعوں کی نظر میں

شیعوں کا عقیدہ ہے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جانشینی کا مسئلہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ حیات میں ہی فرمان خدا کے ذریعے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے طے اور واضح کر دیا تھا اور جو کچھ سقیفہ بنی ساعدہ میں پیش آیا وہ فرمان خدا اور حکم رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف محض ایک تحریک تھی۔ گذشتہ فصل میں ہم نے چند ایسی دلیلیں اور حدیثیں بیان کی تھیں جو مذکورہ دعوے کو ثابت کرتی ہیں۔ یہاں اس مسئلے کا تاریخی واقعات کی روشنی میں جائزہ لیا جائے گا۔ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دوش مبارک پر ایک عالمی تحریک کی قیادت تھی یہ بات بھی واضح وروشن ہے کہ اس تحریک کے پروان چڑھنے اور سیاسی، ثقافتی نیز اجتماعی سطح پر گہری تبدیلی لانے کیلئے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا زمانہ رسالت (بعثت سے رحلت تک) کافی نہ تھا اگرچہ اسلام کے اس عظیم رہبر وپیشوا نے اس مختصر ومحدود عرصے میں ہی انسان کی تکمیل اور اسلامی معاشرے کی تشکیل کے لئے بہت عظیم واساسی اقدامات کئے لیکن اس عالمی تحریک کو آپؐ کے بعد بھی جاری وساری رہنا تھا۔

اس بات کو مدنظر رکھتے ہوئے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت اچانک واقع نہیں ہوئی بلکہ آپؐ نے اس کے وقوع پذیر ہونے سے کچھ عرصہ قبل محسوس کر لیا تھا کہ جلد ہی اس دنیا سے کوچ کر جائیں گے۔ چنانچہ آپ نے -- حجۃ الوداع -- کے موقع پر کھلے لفظوں میں اس کا اعلان بھی کر دیا تھا اس کے بعد آپ کے پاس اسلام کے مستقبل سے متعلق سوچنے کے لئے وقت کافی تھا اور آپ کوئی اصولی روش وتدبیر اختیار کر کے ان عوامل کی پیش بندی کر سکتے تھے جن سے انقلاب خداوندی کی راہ میں آئندہ کسی خطرے کے آنے کا امکان ہو سکتا تھا۔ ان حالات و واقعات کے بارے میں غیبی عوامل کی مدد اور سرچشمہ وحی سے ارتباط کو علیحدہ کر کے بھی غور کیا جا سکتا ہے ایسی صورت اور ان واقعات کی روشنی میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے اسلام کے مستقبل سے متعلق تین ہی ممکن راہیں ہو سکتی تھیں:

۱۔ لاتعلقی ۲۔ شوری ۳۔ اپنے وصی اور جانشین کے بارے میں وصیت

اب ہم تاریخی حقائق اور ان سیاسی واجتماعی حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے جو اس وقت اسلامی معاشرہ پر حکم فرما تھے مذکورہ بالا تینوں راہوں کا اجمالی جائزہ لیں گے۔

لاتعلقی

لاتعلقی سے مراد یہ ہے کہ ہم اس بات کے قائل ہو جائیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اسلام کے مستقبل سے کوئی سروکار نہ تھا بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے نوشتہ تقدیر اور آئندہ حالات کے رحم وکرم پر چھوڑ دیا تھا۔ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جیسی شخصیت کے بارے میں ایسی بے سروپا باتوں کا فرض کر لینا کسی طرح بھی حقائق و واقعات کے موافق نہیں ہے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اسلامی رسالت کا مقصد یہ تھا کہ دور جاہلیت کے جتنے بھی رگ وریشے اس دور کے انسان میں ہو سکتے تھے انہیں اس کے دل وجان کے اندر ہی خشک کر دیا جائے اور اس کے بجائے ایک جدید اسلامی انسان کی تعمیر کی جائے۔ جب بھی کوئی ہادی وراہنما نہ ہو تو معاشرہ بے سرپرست رہ جائے اور انقلاب میں ایک ایسا

خلاء پیدا ہوجائے گا جس کی وجہ سے اس کو مختلف قسم کے خطرات لاحق ہوجائیں گے۔مثال کے طور پر:

لوگوں کا دور جاہلیت کی جانب واپس چلے جانے کا خطرہ

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ روح رسالت اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تحریک کے مقاصد کو وہی شخص پایہ تکمیل تک پہنچا سکتا تھا کہ جس کو رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پہچنوایا تھا اور امت کے کسی فرد میں اسکی صلاحیت نہ تھی کہ وہ رسول کے بعد زمام داری اور رسالت کے مقصد کے درمیان کوئی متین تناسب قائم کرسکے اور اسلامی معاشرہ سے ان جاہلی تعصّبات کو دور کرسکے جو ابھی تک معاشرہ کی رگ و پے میں موجود تھے کہ جس نے انہیں مہاجر، انصار، قریش وغیر قریش اور مکی و مدنی وغیرہ میں تقسیم کر رکھا تھا۔تھے آپؐ نے فرمایا کہ کاغذ و دوات لے آؤ تاکہ میں تمہارے لئے ایسا نوشتہ لکھ دوں کہ جس سے تم (میرے بعد) ہرگز گمراہ نہ ہو[1]

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ فرمانا ہی اس بات کی واضح و روشن دلیل ہے کہ آیندہ رونما ہونے والے خطرات کے بارے میں آپ کو تشویش تھی اور ان کا سد باب کرنے کے لئے آپؐ کوشاں تھے۔

شوری

شوری سے مراد یہ ہے کہ گویا رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے بعد مسلمانوں کی رہبری کو انہی کے وست اختیار میں دے دیا تھا کہ جسکو چاہیں منتخب کرلیں۔اگرچہ اسلام نے قانون اور اصول شوری (مشاورت) کا احترام کیا ہے اور قرآن میں اس کا شمار اوصاف مومنین میں ہوتا ہے[2] لیکن اس کا تعلق ان واقعات سے ہے جو مسلم معاشرے کے درمیان رونما ہوتے ہیں اور ان کی بارے میں کوئی نص صریح موجود نہ ہو کیونکہ اسلام کے قوانین و احکام مشوروں سے طے نہیں ہوتے یہی وجہ تھی کہ وہ ذمہ داریاں (تکالیف) جو وحی کی ذریعے معین کی گئیں تھیں ان کے بارے میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی سے مشورہ نہ کیا چنانچہ مسئلہ ولایت و امامت کا شمار بھی ایسے ہی مسائل میں ہوتا ہے جو امور مشاورت کی حدود سے خارج ہیں یہی نہیں بلکہ اس کے بارے میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی اپنی رائے کا اظہار نہیں فرما سکتے تھے۔

یہی وجہ ہے کہ جس وقت قبیلہ بنی عامر کی ایک جماعت پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملاقات کرنے کے لئے آئی اور اس نے یہ تجویز پیش کی کہ ہم اس شرط پر ایمان لانے کو تیار ہیں کہ آپ اپنے بعد خلافت ہماری تحویل میں دے دیں اگرچہ اس وقت پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انتہائی پرآشوب حالات سے دوچار تھے نیز قریش[3] کی جانب سے آپ پر سخت دباؤ بھی تھا اور آپؐ کو خوفزدہ کرنے کی کوشش بھی کی جارہی تھی مگر اس کے باوجود آپؐ نے فرمایا یہ کام خداند تعالیٰ کا ہے (اور اس میں مجھے کوئی اختیار نہیں) وہ جسے بھی مناسب سمجھے گا اسے ہی میرے بعد میرا جانشین مقرر کرے گا[4]۔

اس کی علاوہ اسلام کی فلاح و بہبود کی خاطر پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نظام شوری کو سودمند اقدام خیال فرماتے تو آپ یقیناً اپنے زمانہ

---

[1] شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج 6 / 51، المراجعات/ 260-259 منقول از صحیح بخاری و مسلم، تاریخ ابی الفداج 1 / 151 ائتونی بدواۃ و صحیفۃ اکتب لکم کتاباً لا تضلون بعد

[2] وامرھم شوری بینھم (سورہ شوری آیت 38)

[3] حضرت ابوطالب علیہ السلام و حضرت خدیجہ سلام اللہ علیہا کی وفات کے بعد پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور قبیلہ بنی عامر کے درمیان سخت رنجش پیدا ہوگئی جس کے باعث قریش پہلے کی نسبت اب زیادہ آپ پر دباؤ ڈالنے لگے نیز حملات کرنے کی کوشش کرنے لگے تھے۔

[4] سیرۃ ابن ہشام ج 2 / 66۔۔الامر الی اللہ یضعہ حیث یشائ۔۔

حیات کے دوران ایسے دستورات عمل کا سلسلہ مرتب فرماتے جس کے ذریعے امت مسلمہ خودکو اس اقدام کے لئے تیار کرلیتی کہ شوری کے ذریعے نظام حکومت جاری رکھ سکے کیونکہ دور جاہلیت کے نظام حکومت میں کوئی ایسا ادارہ کارفرما نہ تھا جو شوری کی ذریعے نظام حکومت چلا سکے اگر چہ رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے کسی وقت بھی نظام شوری اور اس کے دائرۂ عمل نیز مشخصات کو منفی قرار نہیں دیا اور نہ ہی مسلمانوں کو یہ ہدایت فرمائی کہ وہ اس سے گریز کریں۔

اس سے قطع نظر ابوبکر نے جب عمر کو اپنا جانشین مقرر کیا تو یہ اس امر کی واضح دلیل تھی کہ اس اقدام کے ذریعے نظام شوری کی نفی کی گئی اور یہ ثابت ہو گیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نظام شوری کے حامی نہ تھے اور آپؐ اسے اپنا حق سمجھتے تھے کہ زمانہ حیات میں کسی ایسے شخص کو مقرر فرما دیں جو رحلت کے بعد آپ کا جانشین ہو سکے یہی نہیں بلکہ عمر بھی خلیفہ مقرر کرنا اپنا حق سمجھتے تھے اور اسے انہوں نے چھ افراد کے درمیان محدود کردیا تھا تا کہ وہ اپنے درمیان میں سے کسی ایک شخص کو خلیفہ مقرر کرلیں اور ان افراد کے علاوہ انہوں نے تمام امت مسلمہ کو اس حق سے محروم کر دیا تھا۔

وصی اور جانشین کا تقرر

وصایت (عملی جانشینی) سے ہماری مراد یہ ہے کہ تنہا ایک یہی ایسی راہ ہے جو حقائق اور فطرت اور خلافت کی واقعیت سے عین سازگار ہے اور ہم کہہ سکتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اسلام کی آیندہ فلاح و بہبود کی خاطر یہ مثبت اقدام فرمایا تھا اور خدا عالم کے حکم سے ایک شخص کو جانشین کی حیثیت سے مقرر کر دیا تھا چنانچہ صرف یہی ایک ایسا مثبت اقدام تھا جو مستقبل میں اسلام کی خیر و صلاح اور رسالت کو خطرات سے محفوظ رکھنے کا ضامن ہوسکتا تھا۔ اسلام میں سبقت، اور دوسرے مسلمانوں کی نسبت علی علیہ السلام کی واضح و امتیازی خصوصیات کی بناء پر کسی دوسرے شخص کو ان کے علاوہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی جانشینی کا حق حاصل نہ تھا۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اور حضرت علی علیہ السلام کی باہمی زندگی کے ایسے بہت سے شواہد موجود ہیں جو اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اس حیثیت سے حضرت علی علیہ السلام کی تربیت فرما رہے تھے کہ آئندہ اسلامی معاشرے کے آپؑ ہی قائد و رہبر ہیں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے آپؑ کو حقائق رسالت کی بہت سے خصوصیات سے نوازا تھا حضرت علی علیہ السلام جب کبھی پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے کوئی بات دریافت فرماتے تو آپکا سوال ختم ہونے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کلام کی ابتدا فرماتے اور تہذیب و افکار کے ہدایا و تحائف کی دولت سے آپؑ کو معزز و مفتخر فرماتے چنانچہ روز و شب کا زیادہ وقت باہمی گفتگو اور خلوت میں گذرتا۔

اس کے علاوہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے حضرت علی علیہ السلام کی جانشینی کا مختلف مواقع پر اعلان بھی فرما دیا تھا چنانچہ اس ضمن میں بکثرت احادیث نبوی موجود ہیں جس میں سے حدیث یوم الدار، حدیث الثقلین حدیث منزلت اور سب سے اہم غدیر (حضرت علی علیہ السلام کے دست مبارک پر مسلمانوں کا بیعت کرنا) قابل ذکر اور اس دعوے کی شاہد و گواہ ہیں [1] ۔مزید برآں رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی وفات کے بعد بہت سے حوادث رونما ہوئے اور آپ نے پوری زندگی جہاد و ذمہ داری میں گذاری جس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ آپؑ ہی رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے جانشین ہیں آپ کی لیاقت کا ایک نمونہ یہ ہے کہ جن مسائل کو حل کرنا خلفاء کے لئے ناممکن تھا انھیں آپؑ ہی سے حل کرتے تھے لیکن اس کے برعکس ہمیں خلفاء کے زمانہ میں ایک موقعہ بھی ایسا نظر نہیں آتا کہ جس میں امامؑ نے کسی مشکل کے حل کیلئے یا اسلام کے نظریہ

[1] گذشتہ فصل میں حدیث ثقلین کے علاوہ دیگر احادیث کا مختصر جائزہ لیا جاچکا ہے اسی وجہ سے یہاں اس کے دوبارہ نقل کرنے سے گریز کیا گیا ہے۔

سے مزید آگہی کے لئے کسی سے رجوع کیا ہو[۱]

سقیفہ میں رونما ہونے والے حالات

معن بن عدی اور عویم بن ساعدہ نامی دو افراد کے دلوں میں -- سعد بن عبادہ خزرجی -- کے خلاف کدورت تھی ان کے ذریعے عمر اور ابوبکر کو خبر ملی کہ انصار سقیفہ بنی ساعدہ میں جمع ہو رہے ہیں چنانچہ یہ دونوں حضرات نہایت عجلت کے ساتھ اضطراب و پریشانی کے عالم میں ابوعبیدہ کے ہمراہ سقیفہ میں داخل ہوئے عمر گفتگو کا آغاز کر کے ابوبکر کی خلافت کیلئے میدان ہموار کرنا چاہتے تھے لیکن ابوبکر نے منع کر دیا اور کہا کہ اگر مجھ سے کوئی فروگذاشت ہو جائے تو تم اس کی تلافی کرو چنانچہ اس کے بعد انھوں نے تقریر شروع کی اور خداوند عالم کی وحدنیت اور رسالت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شہادت کے بعد کہا کہ مہاجرین میں ہم وہ پہلے افراد تھے جنہوں نے دین اسلام قبول کیا اور اس لحاظ سے تمام لوگ ہمارے پیروکار ہیں ہم طائفہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مرکز قبائل عرب میں سے ہیں نیز ان کے درمیان نقطہ ربط و تعلق ہیں آپ انصار بھی خدا اور رسول کے یاور و مددگار ہیں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پشتیبان اور ہمارے سردار ہیں دین اور اس کے فائدے میں آپ ہمارے شریک ہیں۔ خداوند تعالیٰ کی رضا میں راضی رہے اور اس پاک پروردگار نے تم سے مہاجر بھائیوں کے لئے جو کچھ چاہا اسے قبول کرنے میں لائق و شائستہ ترین افراد ثابت ہوئے لیکن تمہیں اس پر حسد نہیں کرنا چاہیے اسلام کی ترقی کی خاطر تم نے مشکلات میں اپنی طاقت کے جوہر دکھائے اس بنا پر تمہارے لئے یہ زیبا نہیں کہ اپنے ہی ہاتھوں سے اس دین کی بیخ کنی کرو۔ میں تمہیں ابوعبیدہ اور عمر کی بیعت کی دعوت دیتا ہوں میں دونوں ہی کو قابل و اہل سمجھتا ہوں[۲] ...اس موقعے پر ان دونوں نے کہا: لوگوں میں سے کسی کو تم پر برتری حاصل نہیں ہے۔ تم پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے یار غار ہو...

اس خطبے کے اہم نکات

ابوبکر نے جو تقریر کی اس کے بعض نکات کا ذکر کرنا یہاں ضروری ہے۔[۳]

ابوبکر نے پہلے مہاجرین کی تعریف کی تا کہ ان کی عظمت انصار کے ذہنوں پر نقش ہو جائے اس کے بعد جس حد تک ممکن تھا اُس نے انصار کی بھی تعریف و توصیف بیان کی اور خود کو منصف کی حیثیت سے ظاہر کیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ انصار کو اپنی طرف متوجہ کر لیا اس تردو کے برخلاف جو خلافت کے سلسلہ میں انصار کے ذہنوں میں تھا ابوبکر نے یقین کے ساتھ کہا مہاجرین کی خلافت جو خدا کی مرضی کے مطابق ہے اور یہی خدا کا حتمی فیصلہ ہے چنانچہ ہر قسم کا تذبذب ختم ہو گیا ابوبکر نے خلافت کو مہاجرین کا مسلم حق ثابت کرنے کے بعد اس سلسلہ میں انصار کی کسی بھی فعالیت کو خدا سے عہد شکنی اور دین کو برباد کرنے کے مترادف قرار دے دیا اپنی تقریر کے آخر میں ابوبکر نے حاضرین کو عُمر و

---

[۱] تاریخ اس امر کی گواہ ہے کہ خلفاء وقت نے جب کبھی ضرورت محسوس کی حضرت علی علیہ السلام سے رجوع کیا اور آپ سے درخواست کی ان کی مشکلات حل کرنے میں انکی مدد فرمائیں۔ ان واقعات کی کیفیت آئندہ ابواب میں بیان کی جائے گی۔
یہ حصہ کتاب تشیع مولود طبیعی اسلام ترجمہ التشیع والاسلام۔ شہید باقر الصدر سے ماخوذ ہے ص28۔

[۲] الامامۃ والسیاسۃ ج1/ 14-31۔

[۳] یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ ابوبکر کی تقریر کے بعد عمر نے بھی اپنے خیالات کا اظہار کیا اور کہا کہ میں نے راستہ طے کرنے کے دوران کسی منصوبے یا لائحہ عمل کے بارے میں غور و فکر نہیں کیا ہے سوائے اس کے جو ابوبکر نے بیان کیا ہے مجھے اس سے کلی اتفاق ہے اور جو کچھ انہوں نے اپنی زبان سے کہا ہے بلکہ اس سے بھی بہتر مامن شی کنت زرتہ فی الطریق الا اتانا بہ او باحسن منہ۔ تاریخ طبری ج3/ 219، کامل ابن اثیر ج2/ 327۔

ابوعبیدہ کی بیعت کی دعوت دی وہ طبعی طور پر ابوبکر کو مقدم سمجھتے تھے گویا وہ پہلے ہی خلیفہ کی تعیین کے سلسلہ میں منصوبہ بنا چکے تھے۔[1]

انصار کا ردّ عمل

پروگرام کے تحت ابوبکر کی ہونے والی تقریر سن کر انصار اپنے گذشتہ موقف سے ہٹ گئے اور انہوں نے مہاجرین کے سامنے اپنے سر خم کر دیئے ان میں ۔۔حباب بن منذر۔۔ہی ایک ایسے انصار تھے جنہوں نے کھڑے ہو کر یہ دھمکی دی کہ اگر مہاجرین انصار سے مصالحت نہیں کرتے تو ہم علیحدہ مستقل حکومت قائم کر لیں گے لیکن عمر نے فوراً ہی اس کی گفتگو کی کمزوری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے کہا کہ افسوس دو تلواریں ایک میان میں نہیں سما سکتیں خدا کی قسم عرب اس بات پر ہرگز راضی نہیں ہوں گے کہ حکومت تمہارے حوالے کر دی جائے اس کی وجہ یہ تھے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تم میں سے نہیں تھے۔[2] مہاجرین اور انصار کے درمیان حصول اقتدار کی خاطر بہت سخت کشمکش ہونے لگی چنانچہ انصار کے دو قبیلوں اوس اور خزرج کے درمیان شدید اختلاف پیدا ہو گیا قبیلہ اوس کے سردار۔۔اسید بن حضیر۔۔ کا میلان مہاجرین کی طرف تھا، اس نے اظہار رغبت کیا انکی پیروی کرتے ہوئے ۔۔بشیر بن سعد خزرجی۔۔نے لوگوں کو مہاجرین کی بیعت کی جانب رغبت دلانا شروع کی بالآخر اس کشمکش کا نتیجہ یہ ہوا کہ خلافت کا فیصلہ ابوبکر کے حق میں ہو گیا اور انھیں پانچ رائے کے ذریعے خلیفہ منتخب کر لیا گیا۔[3]

اس واقعے کا اگر اجمالی طور پر جایزہ لیں تو اس نتیجے پر پہنچیں گے کہ سقیفہ میں جو کچھ پیش آیا اور اس میں ابوبکر کو خلیفہ منتخب کیا گیا وہ انتخاب کے اصول وضوابط کے منافی تھا۔

اس معاملے میں فیصلہ اتنی عجلت وجلدی سے کیا گیا کہ کسی صاحب فکر شخص کو اتنا موقعہ ہی نہیں دیا گیا کہ وہ اس مسئلے کے بارے میں غور وفکر کر سکے اور کسی مخالف کو بھی اتنی مہلت نہ ملی کہ وہ اپنے دعوے کے حق میں دلیل پیش کر سکے اس عجلت وتندی کے باعث روح انتخابات کی اچھی طرح پائمالی کی گئی کہ حتی کہ ان لوگوں سے بھی جو سقیفہ میں موجود تھے حق رائے دہی سلب کر لیا گیا شروع سے آخر تک ذاتی میلانات واحساسات کارفرما رہے اس کے علاوہ انتخاب اس طرح کیا گیا کہ بیشتر مسلمان قطعی لاعلم و بے خبر رہے اور جنہیں اطلاع بھی ہوئی تو وہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مراسم تجہیز وتکفین میں منہمک ومشغول تھے وہ سقیفہ والے انتخابات میں شریک نہیں ہو سکتے تھے۔ جانشین رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے انتخاب کے لئے جس مجلس کی تشکیل کی گئی تھی اس میں کم از کم کوئی ایسا شخص تو اپنے افراد خاندان کے ہمراہ وہاں پیش پیش رہتا جس کی قدر ومنزلت پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نظروں میں وہی تھی جو حضرت ہارون کی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے نزدیک تھی اس واقعے پر جب ہم شروع سے آخر تک نظر ڈالتے ہیں تو دیکھتے ہیں یہ سب اس طرح پیش آیا کہ قبیلہ بنی ہاشم بالخصوص اس کے سردار یعنی امیر المومنین علی علیہ السلام ان واقعات سے قطعی بے خبر اور لاعلم رکھا گیا۔

علی علیہ السلام کی بیعت کے بارے میں تجویز

[1] طرح ہای رسالت (ج1/ 257-255) کا خلاصہ۔

[2] الامامة والسیاسة (ج1/ 21-16) کامل ابن اثیر ج2/ 329-228) تاریخ طبری (ج3/ 220-218)۔

[3] ان پانچ رائے میں سے تین تو ابوبکر، عمر اور ابوعبیدہ کی تھیں اور انصار میں سے دو رائے بشیر ابن سعد و اسید بن حضیر کی تھیں۔ ان پانچ افراد کے علاوہ باقی لوگ اپنے سرداران قبائل کے تابع تھے۔ چنانچہ ہر قبیلے کا سردار جو رائے دیتا اس قبیلے کے تمام افراد اس کی پیروی کرتے اور اپنی مرضی سے کوئی رائے نہ دیتے۔

حضرت علی علیہ السلام پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسد مبارک کی تجہیز و تدفین میں منہمک و مشغول تھے کہ ابوسفیان جس میں حس تدبر و سیاست فہمی بہت تیز تھی پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر پہنچا تاکہ مسلمانوں کے درمیان اختلاف پیدا کرے اور حضرت علی علیہ السلام کے سامنے یہ تجویز پیش کی کہ آپؑ کے دست مبارک پر بیعت کرے لیکن حضرت علی علیہ السلام اسکی نیت کو جانتے تھے لہٰذا اسکی باتوں کو قطعی اہمیت نہ دی اور فرمایا تمہارا مقصد مسلمانوں کے درمیان فتنہ پھیلانا ہے۔[۱]

جس وقت ابوسفیان نے یہ تجویز پیش کی تو عین اس وقت حضرت عباس نے بھی چاہا کہ اپنے بھتیجے کے دست مبارک پر بیعت کریں لیکن حضرت علی علیہ السلام نے ان کی تجویز کو بھی منظور کرنے سے انکار کر دیا۔[۲]

حضرت عباس کی تجویز کو حضرت علی علیہ السلام نے کیوں منظور نہیں فرمایا اس کا ذکر بعد میں کیا جائے گا، یہاں ابوسفیان کی تجویز کے بارے میں وضاحت کر دینا ضروری ہے کہ ابوسفیان کی پیشکش حسن نیت پر مبنی نہیں تھی بلکہ اس کا مقصد اختلاف و فتنہ برپا کرنا تھا اس نے جانشینی پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں مسلمانوں کی رسہ کشی اور اختلاف کو اچھی طرح محسوس کر لیا تھا وہ جانتا تھا کہ ابوبکر و عمر رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جانشینی کے چکر میں ہیں اور اسے یہ معلوم تھا کہ سیاسی اور معنوی اعتبار سے بنی ہاشم ہی ان کا مقابلہ کر سکتے ہیں لہٰذا وہ اپنے ناپاک مقصد کے حصول کے غرض سے خدمت امامؑ میں آیا اور آپ کو جنگ کیلئے ابھارا۔ آپ نے ابوسفیان کی گفتگو سے اس اختلاف کا اندازہ لگا لیا تھا چنانچہ آپ خود فرماتے ہیں میں ایک طوفان دیکھ رہا ہوں کہ جس کی منہ زوریوں کو خون ہی روک سکتا ہے[۳] پھر آپ اپنی رائے میں صحیح تھے اگر بنی ہاشم اور ان کے سردار حضرت علی بن ابیطالب علیہ السلام فداکاری اور صبر سے کام نہ لیتے تو اس طوفانی اختلاف کو کشت و خون کے علاوہ کوئی چیز خاموش نہیں کر سکتی تھی۔

سقیفہ کے واقعات کے بعد حضرت علی علیہ السلام کا ردعمل

سقیفہ میں جو اجتماع ہوا تھا وہ اس طرح اختتام پذیر ہوا کہ انصار و مہاجرین میں سے چند افراد نے ابوبکر کے ہاتھ پر بیعت کر لی اس کے بعد یہ مجمع مسجد کی جانب روانہ ہوا تاکہ وہاں عام مسلمان بیعت کر سکیں عمر اس مجمع میں پیش پیش تھے اور راہ میں جو بھی ملتا اس سے کہتے کہ وہ ابوبکر کے ہاتھ پر بیعت کر لے۔[۴]

حضرت علی علیہ السلام ابھی پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسد مبارک کے تکفین و تدفین میں مشغول و منہمک تھے کہ لوگوں کے شور و غل کی صدائیں سنائی دیں اور صحیح واقعے کا اس کے ذریعے علم ہوا خلافت کی اہلیت کے بارے میں جب مہاجرین کی یہ حجت و دلیل آپ کو بتائی گئی کہ انہوں نے اس بات پر احتجاج کیا کہ خلیفہ خاندان قریش اور شجر نبوت کی شاخ ہو تو اس پر آپؑ نے فرمایا کہ انہوں نے تکیہ تو درخت پر ہی کیا لیکن اس کے پھل کو تباہ کر ڈالا۔[۵]

حضرت علی علیہ السلام کا دوسرا ردعمل پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسد مبارک کی تدفین کے بعد ظاہر ہوا۔ حضرت علی علیہ السلام مسجد میں تشریف فرما

---

[۱] کامل ابن اثیر ج2/326۔ تاریخ طبری ج3/209/ ارشاد مفید 102

[۲] تاریخ طبری ج4/230۔ شرح ابن ابی الحدید ج1/192

[۳] انی لاری عجاجۃ لا یطفئھا الا الدم۔ شرح ابن ابی الحدید ج12/44۔ کامل ج2/325۔ تاریخ طبری ج3/209

[۴] شرح ابن ابی الحدید ج3/209

[۵] احتجوا بالشجرۃ واضاعوا الثمرۃ۔ نہج البلاغہ خ66

تھے اس وقت بنی ہاشم کے افراد بھی کافی تعداد میں وہاں موجود تھے بعض وہ لوگ جو ابوبکر کے ہاتھ پر بیعت کر چکے تھے آپ کے اور افراد بنی ہاشم کے گرد جمع ہو گئے اور کہنے لگے کہ طائفہ انصار نیز دیگر افراد نے ابوبکر کے ہاتھ پر بیعت کر لی ہے آپ بھی بیعت کر لیجئے ورنہ تلوار آپ کا فیصلہ کرے گی۔

حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا کہ میں ان سے زیادہ بیعت کے لئے اہل وقابل ہوں تم لوگ میرے ہاتھ پر بیعت کرو تم نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے قربت کے باعث خلافت انصار سے لے لی اور انہوں نے بھی یہ حق تسلیم کر لیا خلافت کے لئے میرے پاس بھی دلائل موجود ہیں میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ حیات میں ہی نہیں بلکہ رحلت کے وقت بھی ان کے سب سے زیادہ قریب ونزدیک تھا میں وصی وزیر اور علم رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حامل ہوں... میں کتاب خدا اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں سب سے زیادہ واقف و باخبر ہوں امور کے نتائج کے بارے میں تم سے زیادہ جانتا ہوں، ثبات و پائداری میں تم سے سب سے بہتر محکم وثابت قدم ہوں اس کے بعد اب تنازع کس بات پر ہے؟[1]

اس پر عمر نے کہا: آپ مانیں یا نہ مانیں ہم آپ کو بیعت کئے بغیر جانے نہیں دیں گے حضرت علی علیہ السلام نے انھیں فیصلہ کن انداز میں جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ دودھ اچھی طرح دوہ لو اس میں تمہارا بھی حصہ ہے آج خلافت کے کمر بند کو ابوبکر کیلئے مضبوط باندھ لو کل وہ تمہیں ہی لوٹا دیں گے۔[2]

اس وقت وہاں عبیدہ بھی موجود تھے انہوں نے حضرت علی علیہ السلام سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ اے میرے چچازاد بھائی رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آپ کی قرابت داری، اسلام میں آپ کے سابق الاسلام، اور اس کے مددگار اور آپ کی علمی فضیلت سے ہمیں انکار نہیں لیکن آپ ابھی جوان ہیں اور ابوبکر آپ ہی کے قبیلے کے معمر آدمی ہیں اس بار خلافت کو اٹھانے کیلئے وہ بہتر ہیں آپ کی اگر عمر نے وفا کی تو ان کے بعد خلافت آپ کو پیش کر دی جائی گی... لہٰذا آپ اس وقت فتنہ وآشوب بپا نہ کیجئے یہ آپ کو بخوبی علم ہے کہ عربوں کے دلوں میں آپ کی کتنی دشمنی ہے۔[3]

حضرت علی علیہ السلام کا تیسرا ردعمل وہ تقریر تھی جو آپ نے مہاجرین وانصار کے سامنے فرمائی اسی تقریر کے دوران آپ نے فرمایا تھا--اے مہاجرین وانصار خدا پر نظر رکھو اور میرے بارے میں تم نے جو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عہد و پیمان کیا تھا اسے فراموش نہ کرو حکومت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ کو ان کے گھر سے اپنے گھر مت لے جاؤ...

تم یہ بات جانتے ہو کہ ہم اہل بیت اس معاملے میں تم سے زیادہ حقدار ہیں۔کیا تم کسی ایسے شخص کو نہیں چاہتے جسے مفاہیم قرآن، اصول وفروع دین اور سنت پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر عبور حاصل ہے تاکہ وہ اسلامی معاشرے کا بحسن وخوبی نظم ونسق برقرار کر سکے ... میں خدائے واحد کو گواہ کر کے کہتا ہوں کہ ایسا شخص ہم میں موجود ہے اور تمہارے درمیان نہیں، نفسانی خواہشات کی پیروی مت کرو اور حق سے دور نہ ہو جاؤ نیز اپنے گذشتہ اعمال کو اپنی بداعمالیوں سے فاسد وکثیف نہ ہونے دو---بشیر بن سعد نے انصار کی ایک جماعت کے ساتھ کہا: اے ابوالحسن اگر انصار نے آپ کی یہ تقریر ابوبکر کے ہاتھ پر بیعت کرنے سے پہلے سن لی ہوتی تو دو آدمی بھی ایسے نہ ہوتے جو آپ کے بارے میں اختلاف کرتے۔[4]

---

[1] احتجاج طبری ج1 /95 الامامۃ والسیاسۃ ج1 /18

[2] احلب حلباً ہناک شطرہ وشدلہ الیوم لیردعلیک غداً۔

[3] الامامۃ والسیاسۃ ج1 /18 شرح ابن ابی الحدید ج6 /12-11-احتجاج طبرسی ج1 /96-

[4] الامامۃ والسیاسۃ ج19 /18-احتجاج طبرسی ج1 /96

علی علیہ السلام نے کیوں عجلت نہیں کی؟

تاریخ کے اس حصے کا مطالعہ کرنے کے بعد ممکن ہے کہ یہ سوال سامنے آئے کہ اگر حضرت علی علیہ السلام بھی دوسروں کی طرح امر خلافت میں عجلت کرتے اور حضرت عباس و ابوسفیان کی تجویز مان لیتے تو شاید یہ منظر سامنے نہ آیا ہوتا اس بات کی وضاحت کے لئے یہاں اس بات کا واضح کردینا ضروری ہے کہ آپ کی خلافت کا مسئلہ دو حالتوں سے خالی نہ تھا یا تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ کو خداوند تعالیٰ کے حکم سے اس مقام کے لئے منتخب کرلیا تھا (اس پر شیعہ عقائد کے لوگوں کا اتفاق ہے) ایسی صورت میں عوام کا بیعت کرنا یا نہ کرنا اس حقیقت کو بدل نہیں سکتا اور اگر بالفرض خلافت کے معاملے میں امت کو اس کے فیصلے پر آزاد چھوڑ دیا تھا تو پھر کیوں حضرت علی علیہ السلام لوگوں کے حق انتخاب کو سلب کرتے۔ وہ امت کو اس حال پر چھوڑ دیتے کہ وہ جسے بھی چاہیں اپنا خلیفہ مقرر کریں۔

اس سے بھی زیادہ اہم بات یہ ہے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جسد مبارک ابھی زمین کے اوپر ہی تھا، حضرت علی علیہ السلام پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصی کے لئے ایسی صورت میں یہ کیسے ممکن تھا کہ وہ جسد اطہر پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو زمین پر رکھے رہنے دیں اور خود اپنے کام کے چکر میں نکل جائیں۔

حضرت علی علیہ السلام نے پہلے اپنا فرض ادا کیا پھر لوگوں کے سامنے تشریف لائے۔ دوسرے بھی یہ بات جانتے تھے کہ اگر ایسے میں حضرت علی علیہ السلام تشریف لے آتے تو وہ ہرگز اپنے مقصد و ارادے میں کامیاب نہ ہوتے۔ چنانچہ دوسروں نے امر خلافت کے سلسلے میں عجلت کی اور حضرت علی علیہ السلام کو اس وقت اطلاع دی جب کام تمام ہو چکا تھا۔[1]

سوالات

1 پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت کے بعد کیا واقعہ پیش آیا اور وہ کس طرح رفع ہوا؟

2 زمانہ مستقبل میں اسلام کی قیادت و رہبری کے سلسلے میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نظر میں کونسی ممکن راہیں تھیں سب کی کیفیت بتایئے اور ہر ایک کا مقصد بیان کیجئے؟

3 اگر پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جانب سے کوئی شخص جانشین کی حیثیت سے منتخب نہ کیا گیا ہوتا تو مستقبل میں اسلام کے لئے کیا خطرات لاحق ہو سکتے تھے مختصر طور پر لکھیئے؟

4 خلافت کے سلسلے میں جس شوری کی تشکیل کی گئی تھی اسکی نفی کے لئے دو تاریخی شواہد و دلائل بیان کیجئے؟

5 امر خلافت میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وصایت کو پیش نظر رکھا تھا اس میں تاریخ و احادیث کی بنیاد پر دو دلیل پیش کیجئے؟

6 سقیفہ کا واقعہ کس طرح پیش آیا، مہاجرین میں سے وہاں کون لوگ موجود تھے وہ وہاں کس لئے پہنچے اور اس کا کیا نتیجہ برآمد ہوا؟

7 بیعت کے سلسلے میں حضرت علی علیہ السلام پر اپنے چچا عباس اور ابوسفیان کی تجاویز کا کیوں اثر نہ ہوا؟

8 واقعہ سقیفہ کے بارے میں حضرت علی علیہ السلام کا کیا رد عمل تھا؟

---

[1] ماخوذ از کتاب --خلافت و ولایت --/63

تیسرا سبق

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت سے خلافت ظاہری تک

حضرت علی علیہ السلام کے گھر میں پناہ گزین صحابہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں ایسے پاک طینت لوگ بھی موجود تھے جنہوں نے ابوبکر کی بیعت نہیں کی تھی۔ چنانچہ موصوف کو خلیفہ بنائے جانے پر انہوں نے اعتراض کیا اور اس کے اظہار کے لئے انہوں نے پناہ گزینی کی راہ اختیار کی اور اس مقصد کے لئے بنت رسول حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کے گھر میں جمع ہو گئے۔ ان میں سے بعض افراد کے نام مورخین نے اپنی کتابوں میں درج کئے ہیں۔[1]

حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کا گھر رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات میں خاص احترام کی نظر سے دیکھا جاتا تھا۔ چنانچہ بنی ہاشم، بعض مہاجرین اور اہل بیت علیہم السلام کا آپ کے گھر میں پناہ گزیں ہونے کا فطری طور پر مقصد ہی یہ تھا کہ کوئی شخص زبردستی پناہ گزینوں کی بیعت کی غرض سے مسجد میں لا نہیں سکتا تھا۔ بالآخر عمر کو ایک دستے کے ساتھ مقرر کیا گیا کہ وہ حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کے گھر پر جائیں اور پناہ گزینوں کو نکال کر باہر لائیں تاکہ وہ خلیفہ کے ہاتھ پر بیعت کریں۔ عمر ایک گروہ کے ساتھ حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کے گھر کی جانب روانہ ہوئے اور بڑی کشمکش کے بعد حضرت علی علیہ السلام کو باہر لایا گیا اور آپ کو مسجد لے گئے جہاں آپ کو مجبور کیا گیا کہ ابوبکر کے ہاتھ پر بیعت کریں لیکن حضرت علی علیہ السلام اپنے ارادے پر قائم رہے۔ جب دیکھا کہ حضرت علی علیہ السلام اپنے عزم و ارادے پر قائم ہیں تو لوگ بھی آپ سے دستکش ہو گئے۔[2]

انصار سے مدد چاہنا

اس واقعے کے بعد حضرت علی علیہ السلام اور حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا راتوں کو انصار کے گھر تشریف لے جاتے اور اہل بیت سے متعلق پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وصایا اور احادیث کی جانب توجہ دلاتے ہوئے ان سے مدد کے خواہاں ہوتے وہ لوگ جواب میں کہتے اے بنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم اس شخص کے ہاتھ پر بیعت کر چکے ہیں اگر تمہارے چچا کے بیٹے نے ابوبکر سے قبل ہم سے بیعت کرنے کے لئے کہا ہوتا تو ہم علی علیہ السلام کے مقابل کسی دوسرے شخص کو ترجیح نہ دیتے۔ اس پر حضرت علی علیہ السلام فرماتے کیا عجیب بات ہے کیا تمہیں مجھ سے یہ توقع تھی کہ جنازہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تکفین و تدفین کیئے بغیر اسے یونہی گھر میں چھوڑ دیتا اور اس حکومت کو حاصل کرنے کی غرض سے جو اس عظیم المرتبت انسان نے چھوڑی تھی، کشمکش و تنازع میں پڑ جاتا؟ فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا فرماتیں: ابوالحسن نے جو کچھ کیا وہ صحیح تھا اور لوگوں نے جو کچھ کیا ہے خدا ان سے باز پرس کرے گا۔[3]

---

[1] جن حضرات کے نام دیئے گئے ہیں ان میں زبیر عباس بن ابی لہب سلمان ابوذر مقداد عمار، براء ابی بن کعب سعد بن ابی وقاص اور طلحہ شامل ہیں لیکن الفصول المہمۃ میں ان افراد کے علاوہ دیگر حضرات کے نام بھی درج ہیں۔

[2] الامامۃ والسیلۃ ج 1/ 20

[3] الامامۃ والسیلمۃ ج 1/ 19

حساس صورتحال

حضرت علی علیہ السلام جس کیفیت وحالت سے گذر رہے تھے وہ بہت زیادہ حساس تھی کیونکہ آپ کو جوفرض سپرد کیا گیا تھا وہ نہایت ہی مشکل مگر بہت ہی عظیم واہم تھا۔ایک طرف آپ دیکھ رہے تھے کہ خلافت واسلامی قیادت اصل راہ سے دور ہوگئی ہے جس کے باعث فطری طور پر بہت سے حقوق پائمال ہوکر رہ جائیں گے۔دوسری طرف آپ دیکھ رہے تھے کہ مسلمان چونکہ گروہوں میں تقسیم ہو گئے تھے،اسی لئے ان میں اختلافات بھی شروع ہوگئے ہیں۔اب دیکھنا یہ ہے کہ اس حساس حالت وکیفیت میں حضرت علی علیہ السلام کا کیا فرض ہے کیا داخلی موقع پرست جماعت کی خودغرضی پر مبنی حرکات کو برداشت کرکے سکوت اختیار کئے رہنا یا ان حالات کے خلاف سرکشی اور کسی تحریک کا آغاز کرنا؟

اگرچہ مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں مہاجرین وانصار کی موجودگی میں حضرت علی علیہ السلام اور آپ کے طرفداروں کی پند ونصیحت نیز روشن وواضح تقاریر نے اس حقیقت کو آشکارا کردیا تھا۔آپ کے سامنے اب دو ہی راہیں تھیں پہلی تو یہی کہ بغاوت کرکے اپنا حق واپس لے لیا جائے اور دوسری یہ کہ اسلام کے تحفظ کی خاطر سکوت اختیار کیا جائے۔موجود قرائن ودلائل سے ثابت ہے کہ ان حالات میں حضرت علی علیہ السلام کے لئے قیام کرنا اسلام کے حق میں ہرگز سودمند نہ تھا۔جس کا نتیجہ یہ ہوسکتا تھا کہ اسلامی معاشرہ منتشر ہوکر رہ جائے اور لاتعداد گروہ وافراد دین اسلام سے برگشتہ ہوکر واپس عہد جاہلیت میں اور دیگر خرافات کی جانب چلے جائیں۔

قیام نہ کرنے کے دلائل اور وجوہات

حضرت علی علیہ السلام نے مختلف مواقع پر جو تقاریر کیں اگر ہم ان کا اور ان حالات کا جو اس وقت اسلامی معاشرہ پر مسلط وطاری تھے جائزہ لیں تو ہمیں اس سوال کا جواب مل جائے گا کہ حضرت علی علیہ السلام نے کیوں قیام نہیں کیا اب ہم ان نکات کو بیان کررہے ہیں جن سے یہ باتیں روشن ہوجائیں گی۔

1 معقول فوجی طاقت کی کمی

مندرجہ بالا سوال کا جواب دیتے ہوئے خود حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا تھا:

امر خلافت میں میری کوتاہی موت کے خوف کی وجہ سے نہیں تھی بلکہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان کے مطابق تھی کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا کہ امت نے تجھ سے خیانت کی ہے،انہوں نے مجھ سے جو عہد کیا ہے اسے وہ وفا نہیں کریں گے۔درحالیکہ تم میرے لئے ایسے ہی ہو جیسے حضرت موسی علیہ السلام کے لئے حضرت ہارون علیہ السلام تھے۔اس کے بعد آپ نے مزید فرمایا کہ میں نے سوال کیا کہ ایسی حالت میں مجھے کیا کرنا چاہیئے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا کہ اگر کوئی ایسا شخص مل گیا جو تمہاری مدد کرے تو تم ان سے جنگ وجدال کرنا اور اپنا حق حاصل کرلینا اگر ایسا نہ ہوا تو تم اس خیال سے درگذر کرنا،اپنی خون کی حفاظت کرنا تاکہ تم میرے پاس مظلوم آؤ۔[1]

آپ نے ایک جگہ اور بھی اس تلخ حقیقت کی صراحت کرتے ہوئے فرمایا تھا:اگر مجھے چالیس باعزم افراد مل جاتے تو میں اس گروہ کے خلاف انقلاب اور جنگ وجدال کرتا۔[2]

---

[1] الشیعۃ والی کمون/18

[2] لو وجدت اربعین ذوی عزم منھم لناھضت القوم شرح ابن ابی الحدید ج 2/47 و 22

ایک جگہ آپ نے یہ بھی فرمایا تھا کہ میں نے اپنے اطراف میں نظر ڈالی اور دیکھا کہ جز میرے اہل بیت علیہ السلام کے میرا کوئی یار ومددگار نہیں مجھے یہ گوارا نہ ہوا کہ انہیں موت کے منہ میں دے دوں۔[1]

2 اسلام اور اسلامی وحدت کا تحفظ

وہ نومسلم عرب جن میں سے دور جاہلیت کے رسم ورواج کی عادت وخوابھی مکمل طور پر ختم نہیں ہوئی تھی اور جذبہ ایمان واسلامی عقیدہ ان کے دلوں میں پورے طور پر راسخ نہیں ہوا تھا انہیں مدنظر رکھتے ہوئے ہر قسم کی داخلی جنگ مسلمانوں کی طاقت کے انحلال اور اسلام کے انہدام کا باعث ہوتی بالخصوص ان حالات میں جب کہ --اہل ردہ-- نے جزیرہ العرب کے اطراف میں مرکزی حکومت کے خلاف اپنا پرچم لہرا دیا تھا[2] ان کے علاوہ ایران اور روم کی دو شاہنشاہی طاقتیں اس موقع کی تلاش میں تھیں کہ قائم شدہ حکومت سے برسر پیکار ہوں اگر حضرت علی علیہ السلام ان متزلزل مسلمانوں اور بیرونی دشمنوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے بھی تلوار کا سہارا لیتے اور اپنا حق حاصل کرنے کی خاطر ابوبکر سے جنگ وجدال کرتے تو نو عمر اسلامی طاقت اور مرکزیت کو مدینہ میں نقصان پہنچتا اور اسلام کو نیست ونابود کرنے کی غرض سے بیرونی طاقتوں کے لئے یہ بہترین موقع ہوتا شاید یہی وجہ تھی کہ سقیفہ کے واقعات سے متعلق آپ نے جو تقریر کی تھی اس میں اتحاد کی اہمیت اور تفرقہ اندازی کے برے نتائج کی جانب اشارہ کرتے ہوئے فرمایا تھا: فتنے کی امواج کو نجات کی کشتیوں سے چاک کردو، اختلاف پیدا کرنے سے گریز کرو، فخر فروشی کی علامات کو سر سے اتاردو، میری خاموشی کا سبب میری وہ دانش وباطنی آگاہی ہے جس میں میں غرق ہوں اگر تم بھی میری طرح باخبر ہوتے تو کنویں کی رسی کی مانند مضطرب ولرزاں ہوجاتے۔[3]

3 جاہلیت کی طرف بازگشت

قرآن مجید میں ایک آیت اس امر کی جانب اشارہ کررہی تھی کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت کے بعد ایک گروہ واپس دور جاہلیت کی طرف چلا جائے گا چنانچہ فرماتا ہے: فان مات او قتل انقلبتم علی اعقابکم۔[4]

اس آیت مبارکہ کی روشنی میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اسلامی معاشرہ کی آیندہ زندگی کے بارے میں سخت تشویش تھی۔ سقیفہ میں جو واقعہ پیش آیا اس کا جائزہ لیا جائے تو یہ بات واضح ہوجائے گی اس روز کس طرح یہ راز روشن عیاں ہوگیا اور ایک بار پھر قبائلی تعصبات اور دور جاہلیت سے متعلق افکار وخیالات دونوں جانب سے تقاریر کے دوران اشارہ وکنایہ میں نمایاں ہوگئے۔ اس کے عالوہ قبائل میں سے بعض گروہ جو کچھ عرصہ قبل ہی مسلمان ہوئے تھے، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خبر رحلت سنتے ہی مرتد ہوگئے اور اپنے آباواجدا کے دین کی طرف

---

[1] نہج البلاغہ (صبحی صالح) خلبہ --فنظرت فاذا لیس معین الا اھل بیتیی فضنت بھم عن الموت۔

[2] اس جماعت نے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد اسلام کی مرکزی حکومت کے خلاف بغاوت شروع کردی اور ایک مدت اس کے حملے جاری رہے۔

[3] نہج البلاغہ خطبہ --شقوا امواج الفتن بسفن النجاۃ، عرجوا عن طریق المناضرۃ وضعوا بتیجان المفاخرۃ اندمجت علی مکنون علم لو بحت بہ لاضطربتم الاشیۃ فی الطوی البیصرہ---

[4] ---وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ؕ اَفَا۟ئِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ ؕ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْـًٔا ؕ وَسَيَجْزِى اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ ﴿۱۴۴﴾ --(اور محمد تو صرف ایک رسول ہیں جن سے پہلے بہت سے رسول گزر چکے ہیں کیا اگر وہ مرجائیں یا قتل ہوجائیں تو تم الٹے پیروں پلٹ جاؤ گے تو جو بھی ایسا کرے گا وہ خدا کا کوئی نقصان نہیں کرے گا اور خدا تو عنقریب شکر گزاروں کو ان کی جزا دے گا) آل عمران آیہ 144

واپس چلے گئے اور مرکزی حکومت کی مخالفت شروع کردی۔ دوسری طرف --مسیلمہ--،--سجاح--اور--طلیحہ-- نے بھی نجد و یمامہ کے علاقوں میں اپنی نبوت کا دعوا کر کے دوسرا پرچم لہرا دیا اور کچھ لوگوں کو بھی اپنے گرد جمع بھی کرلیا۔

اگر چہ حضرت علی علیہ السلام حق بجانب تھے مگر اس وضع و کیفیت کو دیکھتے ہوئے کیا یہ زیبا تھا کہ اپنا پرچم لہرا کر انقلاب وقیام کا اعلان کردیں؟ چنانچہ حضرت علی علیہ السلام نے اہالی مصر کو جو خط لکھا تھا اس میں آپ نے اس نکتے کی جانب اشارہ فرمایا تھا... میں نے دیکھا ہے کہ لوگوں میں ایک گروہ دین اسلام سے برگشتہ ہوگیا ہے اور وہ اس فکر میں ہے کہ آئین محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نیست و نابود کردے، مجھے یہ خوف محسوس ہوا کہ اگر میں اسلام اور اہل اسلام کی مدد نہ کروں تو مجھے اس بات کے لئے بھی تیار رہنا چاہیئے کہ اسلام کی تباہی کا منظر اپنے آنکھوں سے دیکھوں دنیا کی حکومت چندروزہ ہے جو سراب یا ابر کی طرح سرعت سے گذر جانے والی ہے۔ اسلام کی تباہی اس حکومت کے ترک کرنے سے زیادہ مجھ پر شاق والمناک گذرے گی۔[1]

4 کینہ توز دشمن

حضرت علی علیہ السلام کے مسلمانوں میں ہی بہت سے دشمن موجود تھے اور یہ وہ لوگ تھے جن میں سے کسی کا باپ کسی کا بھائی یا کوئی دوسرا قرابت دار جنگ کے دوران آپ کے ہاتھوں مارا گیا تھا اور یہ دشمنی وکینہ توزی ان کے دلوں میں اسی وقت سے چلی آرہی تھی۔ ایسے حالات میں جب کبھی حضرت علی علیہ السلام نے مسلح ہوکر قیام کیا اور اپنا حق طلب کرنے کی کوشش کی تو یہی دشمن فریب ونفاق کو ہوا دینے لگتے اور یہ کہتے پھرتے کہ علی علیہ السلام نے مسلمانوں کے درمیان رخنہ پیدا کردیا ہے اور دین کے نام پر جنگ و پیکار برا تر آئے۔ اگر حضرت علی علیہ السلام نے ان سے جنگ کی ہوتی تو اس کے یہ نتائج نکل سکتے تھے۔ ممکن تھا کہ جنگ کے ابتدائی چند لمحات میں ہی آپؑ کے بہت سے عزیز و ہمدرد تہ تیغ کئے جاتے اور پھر بھی حق حقدار کو نہ ملتا۔ جب آپ کے دوست خیر خواہ تہ تیغ کردیئے جاتے تو مخالفین کا قتل ہونا بھی فطری امر تھا اور اس کا مجموعی نتیجہ یہ ہوتا کہ مرکز میں مسلمانوں کی طاقت رو بزوال ہونے لگتی۔ اور جب مرکزی طاقت کمزور ہونے لگتی تو وہ قبائل جو مرکز سے دور تھے اور جن کے دلوں میں دین اسلام نے پوری طرح رسوخ نہیں کیا تھا، مرتدین کی صفوں میں جا ملتے اور شاید ان کے طاقتور ہونے اور مرکز میں رہبری کی زبونی کے باعث اسلام کے چراغ کی روشنی ماند پڑنے لگتی۔

بیعت کا انجام

اکثر مورخین نے لکھا ہے کہ حضرت علی علیہ السلام نے حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کی رحلت تک ابوبکر کے ہاتھ پر بیعت نہیں کی۔[2]

حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کی وفات کے بعد جب آپؑ نے لوگوں کی بے رخی اور مسلمانوں کی پریشان حالی کا مشاہدہ کیا تو آپؑ نے اسلام اور مسلمانوں کی خاطر خاموشی اختیار کرنے میں ہی مصلحت سمجھی مگر اس کے باوجود یہ تلخ واقعات آپؑ کے دل سے کبھی محو نہ ہو سکے اور ہمیشہ ان دنوں کو یاد کر کے شکوہ و شکایت کرتے تھے۔ چنانچہ خطبہ--شقشقیہ--میں فرماتے ہیں: --فرائت ان الصبر علی

---

[1] نہج البلاغہ خط 62 --فامسکت یدي حتی رایت راجعة الناس قد رجعت عن الاسلام یدعون الی محق دین محمد صلی اللہ علیہ وسلم فخشیت ان لم انصر الاسلام واھلہ ان اری فیہ ثلما او ھدما تکون المصیبة بہ علی اعظم من فوت ولایتکم التی ھیی متاع ایام قلائل یزول منھا ما کان کما یزول السراب او کما یتقشع السحاب---

[2] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو اسد الغابہ ج3 / 222 تاریخ یعقوبی 2 / 126 استیعاب ج 2 / 244 التنبیہ والاشراف / 250 اور الامامة والسیامة ج 1 / 20۔

ھاتااجی فصبرت وفی العین قذی وفی الملق شجا --(عقل اوراس فرض کے مطابق جس کا پورا کرنا مجھ پر واجب تھا) مجھ پر یہ بات واضح وروشن تھی کہ میرے لئے صبر وشکیبائی کے علاوہ کوئی چارہ نہیں لہٰذا میں نے صبر وتحمل سے کام لیا مگر اس طرح گویا میری آنکھ میں خار اور گلے میں ہڈی اٹک گئی ہو۔[1]

مسئلہ فدک

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت کو ابھی دس دن بھی نہ گذرے تھے کہ حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کو یہ خبر ملی کہ خلیفہ کے کارندوں نے ان کے کام کرنے والوں کو--فدک-- سے باہر نکال دیا ہے اور اس کے تمام کاموں کو اپنے اختیار میں لے لیا ہے۔ بنت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس زمین کو حاصل کرنے کی غرض سے بنی ہاشم کی خواتین کے ہمراہ خلیفہ کے پاس گئیں اس وقت ابوبکر اور حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کی درمیان جو گفتگو ہوئی وہ ذیل میں درج ہے:[2]

حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا: تم نے میرے کارندوں کو--فدک-- سے کیوں باہر نکالا اور مجھے میرے حق سے محروم کیا؟

خلیفہ: میں نے آپ کے والد سے سنا ہے کہ پیغمبر کوئی چیز میراث میں نہیں چھوڑتے۔ حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا: فدک کی زمین میرے والد نے اپنے زمانہ حیات میں مجھے بخش دی تھی اور اس وقت اس کی مالک میں ہی تھی۔

خلیفہ: آپ کے پاس اس دعوے کے ثبوت میں کیا شاہد وگواہ موجود ہیں؟

حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا: ہاں میرے شاہد وگواہ علی علیہ السلام اور ام ایمن ہیں چنانچہ ان حضرات نے حضرت زہرا سلام اللہ علیہا کی درخواست پر یہ شہادت دی کہ آپؑ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ حیات میں اس کی مالک تھیں۔[3] بعض مورخین نے یہ بھی نقل کیا ہے کہ حضرت امام حسن علیہ السلام وحضرت امام حسین علیہ السلام نے بھی گواہی دی۔[4]

فخر رازی نے یہ قول نقل کیا ہے کہ: پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غلاموں میں سے ایک غلام نے بھی حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کے مالک ہونے کی گواہی دی بلاذری نے اس غلام کے نام کے تصریح بھی کی ہے اور لکھا ہے کہ اس کا نام--رباح--تھا۔[5]

جب یہ گواہیاں گذر گئیں تو حضرت علی علیہ السلام نے خلیفہ کو ان (ابوبکر) کی خطاء کی طرف متوجہ کیا (کیونکہ خلیفہ نے گواہی اس شخص سے طلب کی تھی جس کے تصرف میں فدک تھا اور متصرف (قابض) سے گواہی مانگنا اسلامی میزان وعدل کے سراسر خلاف ہے) اور فرمایا کہ

---

[1] نہج البلاغہ خطبہ 3، یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ حضرت علی علیہ السلام کی مصالحت اور اجتماع میں شرکت اسی حد تک تھی کہ جتنی اسلام ومسلمین کی حفاظت کا تقاضا تھا۔

[2] فدک خیبر کے نزدیک مدینہ سے 140 کلومیٹر کے فاصلے پر سرسبز وزرخیز زمین تھی فتح خیبر کے بعد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک وفد--فدک--کے سرداروں کے پاس بھیجا اور بحث وگفتگو کے بعد وہاں کے رہنے والوں نے یہ عہد کیا کہ ہر سال خیبر کی جتنی پیداوار ہوگی اس کا نصف حصہ وہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں بھیج دیا کریں گے اور اس کے عوض حکومت کی جانب سے ان کی حفاظت کی جائے گی۔ اسلامی نظریے کے مطابق وہ زمین جو بغیر جنگ کے مسلمانوں کو حاصل ہوتی ہے وہ خالص پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وامام علیہ السلام کا حصہ ہے اس مسئلے کی رو سے--فدک--صرف رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حق تھا چنانچہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی شیعہ محدثین و مفسرین نیز بعض سنی مفکرین کے قول کے مطابق جس وقت آیت ذالقربی حقہ... (سورہ اسراء آیت 26) نازل ہوئی تو آپ نے اپنی دختر حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کو بلایا اور--فدک--انہیں دیدیا (کشف الغمہ ج1/ 476)

[3] احتجاج طبری ج1/ 131

[4] مروج الذہب ج3/ 237

[5] فتوح البلدان 44 شیعہ احادیث میں مذکورہ بالا شواہد کے علاوہ اسماء بنت عمیس کا نام بھی شاہد کی حیثیت سے آیا ہے۔

اگر میں اس مال کا دعویدار ہوں جو دوسرے کے قبضے میں ہے تو آپ گواہ کس سے طلب کریں گے مجھ سے کہ مدعی ہوں یا اس سے جس کے تصرف میں مال ہے؟ ابوبکر نے کہا کہ آپ گواہ پیش کریں اس پر حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا کہ فدک ہمارے تحت تصرف ہے اور اب دوسروں نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ یہ اموال عامہ ہیں ایسی صورت میں وہ گواہ پیش کریں نا کہ ہم[1]

خلیفہ نے حضرت علی علیہ السلام کی اس دلیل پر سکوت اختیار کیا اور حلبی کے قول کے مطابق انہوں نے بذریعہ تحریر اس بات کی تصدیق کی کہ فدک حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کی ملکیت ہے۔ لیکن عین اسی وقت عمر وہاں پہنچ گئے اور دریافت کیا کہ یہ کیسا مکتوب ہے؟ اس پر ابوبکر نے کہا کہ میں نے اس ورق پر تصدیق حق مالکیت حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کی ہے عمر نے کہا کہ فدک سے جو آمدنی ہوگی اس کی تو آپ کو ضرورت ہے کیونکہ عرب مشرکین نے اگر کل کہیں مسلمانوں کے خلاف بغاوت کر دی تو آپ جنگ کے اخراجات کہاں سے مہیا کریں گے۔ چنانچہ اس نے ابوبکر سے ورق لیا اور چاک کر دیا۔[2]

فدک پر قابض ہونے کے محرکات

خلیفہ کی جانب سے فدک پر قابض ہونے کے جو مختلف محرکات تھے ان کی کیفیت ذیل میں درج ہے:

1 مخالفین کو اپنے جانب متوجہ کرنا

خلیفہ وقت نے اس بات کو بخوبی سمجھ لیا تھا کہ وہ عوام پر اس وقت تک اپنی فرمانروائی قائم نہیں کر سکتے تاوقتی کہ وہ اپنے مخالفین کو اپنا ہمنوا وہمخیال نہ بنالیں اور مختلف طریقوں سے جب تک ان کے افکار وقلوب کو اپنی جانب متوجہ نہ کریں گے ان دستوں پر حکمرانی کرتے رہنا ان کے لئے مشکل ہوگا۔ بااثر افراد اشخاص میں سے ایک ابوسفیان کہ جس کے اعتقاد کو بدلا جا سکتا تھا کیونکہ سقیفہ کا واقعہ جب پیش آیا تو اس نے حضرت علی علیہ السلام کے سامنے بیعت لینے کی تجویز پیش کی تھی نیز مسلح ہو کر قیام کرنے کو دعوت دی تھی اور (بنی ہاشم سے خطاب کرتے ہوئے) کہا تھا کہ آپ لوگ اٹھیں اور زمام امور اپنے ہاتھ میں لیں تو میں مدینہ کو سوار و پیادہ فوج سے بھر دوں گا۔[3] لیکن یہ شور وغل ابتدائی چند روز تک برقرار رہا اس کے بعد ختم ہو گیا۔

خلیفہ وقت نے ابوسفیان کی خوشنودی حاصل کرنے کی غرض سے وہ دولت جو بیت المال وزکات کے نام پر جمع کر کے لائے تھے، اسے بخش دی اس کے علاوہ اس کے لڑکے یزید کا بھی انہوں نے سپاہ اسلام کے فرماندار کی حیثیت سے شام کے علاقے فتح کرنے کے لئے انتخاب کیا اور بالآخر اسے عالم اسلام کے شاداب ترین علاقے یعنی شام کا فرمانروا مقرر کر دیا جس وقت یہ خبر ابوسفیان کو پہنچی اس نے کہا ابوبکر نے صلہ رحم کیا ہے۔[4]

جن افراد کی خوشنودی حاصل کرنا خلیفہ کیلئے ضروری تھی وہ بہت سے افراد تھے۔ اور بہت سے افراد مہاجرین اور انصار میں سے ایسے تھے جو سقیفہ میں موجود نہیں تھے یا بعد میں جنہوں نے مجبوراً خلیفہ کی بیعت کی تھی ان کا شمار بھی اس زمرے میں تھا۔ اس کے علاوہ

---

[1] احتجاج طبری ج 1/ 122

[2] اعیان الشیعہ (دس جلدی) ج 1/ 318 منقول از سیرہ حلبی۔

[3] کامل ابن اثیر ج 2/ 326 شرح ابن ابی الحدید ج 2/ 45

[4] تاریخ طبری ج 3/ 202

خزرجی قبیلے کے لوگوں نے چونکہ پہلے دن بیعت نہیں کی تھی ان کی دلجوئی بھی خلیفہ کے لئے ضروری تھی یہی نہیں بلکہ انصار کی خواتین بھی خلیفہ کے عطیات سے بے بہرہ نہ رہیں۔[1]

2 جمع و خرچ کی مد میں کمی

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس جو کچھ اثاثہ و سرمایہ تھا اسے آپ نے رحلت سے قبل تقسیم کر دیا اور رحلت کے بعد آپ کے جو بھی نمایندگان مدینے پہنچے وہ بھی اس شہر میں مختصر پونجی لے کر داخل ہوئے مگر یہ قلیل آمدنی نئی قائم شدہ حکومت کی نظر میں کافی نہ تھی بالخصوص ان حالات میں جب کہ اطراف کے قبائل نے مخالفت کا پرچم لہرا دیا تھا اور مرکزی حکومت کو زکات دینے میں پس و پیش کر رہے تھے۔

3 علی علیہ السلام کی اقتصادی قوت کے باعث خطرے کا احتمال

قیادت و رہبری کی جو شرائط ہو سکتی ہیں وہ سب حضرت علی علیہ السلام میں موجود تھیں اور مالی اعتبار سے بھی اگر آپ کی حالت قوی ہوتی تو فطری طور پر ضرورت مند افراد آپ کے گرد جمع ہونے لگتے چنانچہ ممکن تھا کہ افراد کا یہ اجتماع خلافت کی مشینری کے لئے کوئی مسئلہ پیدا کر دیتا۔

مخالفین کی سرکوبی

اپنی خلافت کے ابتدائی دنوں میں ابوبکر کے سامنے جو مشکلات آئیں ان میں سے ایک یہ تھی کہ بعض مسلمان مرتد ہو گئے تھے ان کا مقابلہ کرنے کی غرض سے خلیفہ نے جنگ کا حکم دیا اور ان سے جنگ کرنے کے لئے سپاہی روانہ کیئے۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ لوگ جو ابوبکر کے دور خلافت میں ۔۔اہل ردّہ۔۔ کے نام سے مشہور ہوئے تھے کیا واقعی وہ اسلام سے برگشتہ ہو گئے تھے یا محض اس لئے کہ انہوں نے حکومت وقت کے سامنے چونکہ اپنا سرخم نہیں کیا تھا اس لئے انہیں مرتد کہہ کر بدنام کر دیا گیا درحالیکہ وہ اصلی و حقیقی اسلام پر کاربند تھے؟

اس سوال کی وضاحت کے لئے یہ بتانا ضروری ہے کہ: لفظ ارتداد کا مادہ ۔۔ردد۔۔ ہے اور اس کے معنی ہیں واپس ہو جانا عرف عام اور مسلم فقہاء کی اصطلاح میں اس کے معنی دین سے پھر جانا ہے اور یہ ضروری نہیں کہ لفظ دین اس کے ساتھ استعمال ہو۔ اب بھی ردد اور ارتداد کے معانی دین سے پھر جانا کے ہے۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جان سوز خبر رحلت جب پھیلی تو بعض وہ لوگ جو کچھ عرصہ قبل ہی مسلمان ہوئے تھے اور دور دراز مقامات پر آباد تھے تردد میں مبتلا ہو کر دین سے برگشتہ ہو گئے اور بالخصوص اس وقت جبکہ مشرکین میں ہمت و حوصلہ پیدا ہونے لگا تھا اور وہ اسلام کے خلاف برسر پیکار ہونے کے لئے زیادہ سنجیدگی سے سوچنے لگے تھے۔ لیکن اطراف و جوانب کی باقی مسلمانوں کی نگاہیں مرکز پر لگی ہوئی تھیں اور وہ اس بات کا انتظار کر رہے تھے کہ دیکھیں جانشینی کا مسئلہ کہاں جا کر ختم ہوتا ہے چنانچہ جب انہیں اس واقعے کی اطلاع ملی کہ بعض افراد نے سقیفہ بنی ساعدہ میں ابوبکر کے ہاتھ پر بیعت کر لی مگر بعض قبائل کے لوگوں نے جن میں بنی ہاشم اور ان کے سربراہ حضرت علی علیہ السلام چند صحابہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور قبیلہ خزرج کے سردار (سعد بن عبادہ) نے بیعت کرنے سے انکار کر دیا ہے۔

---

[1] زید بن ثابت کچھ رقم لے کر بنی عدی کی ایک خاتون کے پاس پہنچے اور کہا کہ یہ وہ رقم ہے جو خلیفہ نے عورتوں کے درمیان تقسیم کی ہے اور یہ تمہارا حصہ ہے اس نیک خاتون نے اپنی ذہانت کے باعث اس رقم کو قبول کرنے سے انکار کیا اور کہا کیا میرا دین خریدنے کے لئے مجھے یہ رشوت دی جارہی ہے۔ (شرح ابن ابی الحدید ج2/53، طبقات ابن سعد ج3/182)۔

مدینہ میں مسئلہ خلافت پر جو کشمکش ہوئی اس کے باعث کچھ عرب قبائل سقیفہ میں ابوبکر کے ہاتھ پر کی جانے والی بیعت کی مخالفت پر اتر آئے اور انہیں حکومت وقت کو زکات ادا کرنے میں تامل ہوا (کیونکہ زکات اس شخص کو دی جاسکتی تھی جسے متفقہ طور پر خلیفہ وقت تسلیم کرلیا گیا ہو) جس کا سبب قانون زکات سے منکر ہونا نہ تھا کیونکہ اس کی ادائیگی کو وہ جزو دین سمجھتے تھے بلکہ اس کا اصل سبب یہ تھا کہ حکومت جیسے شاندار منصب کے لئے اس شخص کو جو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جانشین کہلائے جانے کا بھی مستحق نہیں تھا، اسے متفقہ طور پر تسلیم نہیں کیا گیا تھا۔

ابوبکر نے خالد بن ولید کی سرکردگی میں چند سپاہی زکات وصول کرنے کی غرض سے روانہ کئے اور یہ ہدایت دی کہ اگر لوگ زکات نہ دیں تو ان سے جنگ کی جائے۔ ابن ماجہ کے علاوہ اہل سنت کے دیگر تمام محدثین نے ابو ہریرہ سے نقل کیا ہے کہ عمر نے اس مسئلہ پر ابوبکر سے اختلاف کیا اور کہا کہ آپ کیوں بے سبب لوگوں کا خون بہانے پر تلے ہوئے ہیں درحالیکہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تو یہ فرمایا ہے کہ میں اس کام کے لئے مامور کیا گیا ہوں کہ لوگوں سے اس وقت تک جنگ کرتا رہوں جب تک وہ شہادتین نہ کہہ لیں، مگر اس کے بعد ان کا خون نیز ان کا مال قابل احترام ہے۔ اس پر ابوبکر نے فرمایا قسم ہے خدا کی کہ اگر لوگ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو زکات میں خواہ اونٹ کی رسی ہی دیتے تھے مگر مجھے نہ دیں گے اور نماز و زکات کے درمیان تفرقہ ڈالیں گے تو میں ان سے جنگ کروں گا۔ یہ سن کر عمر نے کہا کہ میں نے دیکھا ہے کہ خداوند تعالیٰ نے ابوبکر کا سینہ قتال (جنگ و پیکار) کے لئے فراخ کردیا ہے اور میں نے جان لیا ہے کہ وہ حق بجانب ہیں۔[۱]

جامعۃ الازہر کے استاد دانشکدہ ادبیات عالم متبحر حسن[۲] ابراہیم حسن فرماتے ہیں کہ ابوبکر جن لوگوں سے اس بنا پر جنگ کر رہے تھے کہ وہ مرتد ہوگئے تھے درحقیقت ان میں سے کوئی بھی مرتد نہیں ہوا تھا وہ لوگ دین اسلام سے نہیں پھرے تھے بلکہ حکومت سے ان کے اختلاف کا سبب کچھ اور تھا۔[۳]

اس کے بعد ابوبکر کی ان لوگوں سے جنگ کے محرک کے متعلق لکھتے ہیں خلیفہ نے مرتدین کیلئے سزا معین کی اور انہیں قتل کردیا یہ ایک سیاسی حکم تھا اس وقت اس کا جاری کرنا حکومت کیلئے ان کے اسلام لانے سے بہتر تھا۔

شورشوں کا دبا جانا

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی زندگی کے آخری دنوں میں اسامہ کے ہمراہ لشکر روانہ کرنے کی ہر ممکن کوشش کی مگر اس خدمت کو ابوبکر نے انجام نہ دیا اس لشکر کے روانہ کئے جانے کے بعد خلیفہ وقت اور ان کے ہمنوا افراد نے کوشش کی کہ جتنی بھی شورشیں اس وقت ابھری تھیں یکے بعد دیگرے دبا دی جائیں۔ طلیحہ سجاح مسیلمہ اور ایاس بن عبداللہ ان لوگوں میں سے تھے جنہوں نے یا کسی گوشے میں پیغمبری کا دعوا کیا یا سرکشی کی، قتل کردیئے گئے یا انہوں نے فرار کی راہ اختیار کی۔ جنوب اور مشرق میں آباد قبائل اور وہاں کے شہروں میں آباد لوگ دوبارہ مدینہ کے مطیع و فرمانبردار ہوگئے کیونکہ انہوں نے اس بات کو سمجھ لیا تھا کہ خانہ جنگی سے کوئی فائدہ نہیں بلکہ مصلحت اس میں ہے کہ مرکزی حکومت کی اطاعت قبول کرلیں۔

---

[۱] البدایہ والنہایہ ج6 / 311 قال عمر ھوالاّ ان رایت اللہ قد شرح صدر ابی بکر للقتال فعرفت انہ الحق --- لیکن صحیح بخاری ج7 / 171 میں عمر کا جملہ اس طرح نقل کیا ہے فواللہ ما ھوالا ان قد شرح اللہ صدر ابی بکر فعرفت انہ الحق ---

[۲] تاریخ اسلام ج1 / 351

[۳] تاریخ اسلام ج1 / 352

حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کی وفات

جس سال رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انتقال ہوا اسی سال آپ کی اکلوتی بیٹی فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا نے بھی وفات پائی باپ کی موت اور مختصر مدت کے بعد جو سانحات پیش آئے انہوں نے فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کے جسم وروح کو غمگین بنا دیا۔ حضرت زہرا سلام اللہ علیہا کے دل ودماغ پر ان واقعات کا ایسا گہرا اثر ہوا کہ آپ کے فرمانے کے بموجب اگر یہ مصائب وآلام دنوں پر پڑتے تو رات کی تاریکی میں تبدیل ہوجاتے۔[1] ان صدمات کی تاب نہ لاکر صاحب فراش ہوگئیں، وہ لوگ جو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خاطر جان بکف رہا کرتے تھے اور ان کے پاس جو کچھ تھا وہ آپ کے والد محترم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وجود کی برکت سے ہی تھا اب ایسے پھرے کہ ان میں سے چند ہی آپ کی عیادت کو آئے۔ جناب صدوق اس ضمن میں فرماتے ہیں: مہاجر وانصار کی کچھ خواتین آپ کی عیادت کے لئے گئیں آپ نے اس وقت کو غنیمت جانا اور اس موقعے پر جو خطبہ ارشاد فرمایا اس کے بعض اہم اقتباسات یہاں کئے جاتے ہیں:

افسوس تمہارے مردوں نے خلافت کو رسالت کی پایگاہ، نبوت کی اقامت گاہ اور منزل وحی سے الگ کر دیا اور دنیا و دین کے ماہروں سے زمام خلافت چھین لیں یقیناً اس میں انکا سراسر نقصان ہے انہیں ابوالحسن علیہ السلام سے کیا عداوت تھی۔

جی ہاں: انہیں علی علیہ السلام کی راہ خدا میں برہنہ شمشیر، دلیری اور شجاعت کا خوف تھا۔

قسم خدا کی اگر خلافت کو علی علیہ السلام کے ہاتھ سے نہ لیا ہوتا تو ان کے امور ومسائل کو حل کرنے میں وہ علیہ السلام خود حصہ لیتے اور انتہائی رضا ورغبت سے شادمانی وکامرانی کی جانب انہیں ہدایت کرتے، تشنگان عدل وانصاف آپ کے چشمہ داد وعدالت سے سیراب ہوتے محروم ولاچار لوگ ان کی پناہ صولت میں دلیر وشیر دل ہوجاتے۔[2]

بنت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب تک علالت کے باعث صاحب فراش رہیں [3] کسی شخص نے آپکے چہرے پر شادابی اور مسکراہٹ نہ دیکھی آپ ہفتے میں دومرتبہ (پیر اور جمعرات) شہداء کے مزارات پر جاتیں اور ان کے لئے دعائے خیر فرماتیں۔[4]

اور بالآخر ہجرت کے گیارہویں سال میں بتاریخ سوم جمادی الآخر اٹھارہ سال کی عمر میں آپ نے اس جہان فانی سے کنارہ کرلیا اور اپنے والد بزرگوار کے پاس پہنچ گئیں۔[5]

حضرت علی علیہ السلام نے دختر رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو غسل دیا نیز آپ کی وصیت کے مطابق خواص کے علاوہ دیگر افراد کی غیر موجودگی میں

---

[1] صبت علی مصائب لو انہا صبت علی الایام صرن لیالیا

[2] احتجاج طبرسی ج1/149، شرح ابن ابی الحدید ج16/233، بلاغات النساء/19 اور دلائل الامامہ طبری/39

[3] حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کتنے عرصے تک علیل رہیں اس کے بارے میں اختلاف ہے ابن شہر آشوب نے مناقب میں بیان کیا ہے کہ آپ چالیس دن تک مریض رہیں اور اسی مرض کے باعث آپ کی وفات واقع ہوئی حضرت امام باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ آپ پندرہ تک علیل رہیں اور اس کے بعد آپ کی رحلت ہوئی۔ (اعیان الشیعہ ج1/319)۔

[4] اعیان الشیعہ ج1/319

[5] حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کی تاریخ وفات اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت کے بعد آپ کی مدت عمر کے بارے میں اختلاف ہے کتاب کے متن میں جو بات درج کی گئی ہے وہ اقوال مشہور کے مطابق ہے مورخین نے لکھا ہے کہ حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا رحلت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کم از کم چالیس دن اور زیادہ سے زیادہ آٹھ ماہ اس جہان فانی میں تشریف فرما رہیں مذکورہ بالا دونوں اقوال کے علاوہ مختلف روایات میں دو ماہ سے پچھتر دن تین ماہ اور چھ ماہ عرصہ بھی نقل کیا گیا ہے۔

نماز جنازہ ادا کی اور راتوں رات آپ کے جسد مطہر کو سپرد خاک کر کے قبر کے نشان کو محو کر دیا اس کے بعد آنحضرت علیہ السلام نے مزار پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جانب رخ کیا اور فرمایا:

یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میری اور اپنی دختر کی جانب سے جواب آپ کے جوار میں پہنچ گئی ہیں اور بہت جلد آپ سے جا ملی ہیں سلام قبول فرمایئے اور یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کی برگزیدہ و پاک دختر کی جدائی کے باعث میرا پیمانہ صبر لبریز ہو چکا ہے اور اب مجھ میں غم برداشت کرنے کی تاب نہیں...

آپ کے پیاری بیٹی جلد ہی آپ کو مطلع کر دیں گی کہ آپ کی امت نے ان پر ستم روا رکھنے کی غرض سے کیا کیا باہمی سازشیں نہ کیں ان پر جو کچھ گذری انہی کی زبانی سنیئے اور یہ وقت کس طرح گذرا اس کی کیفیت انہی سے دریافت فرمایئے اگرچہ آپ کی رحلت و زمانہ حیات کے درمیان کافی عرصہ نہیں گذرا ہے اور آپ کی یاد دلوں سے بھی محو نہیں ہوئی ہے۔[1]

سوالات

1 حضرت علی علیہ السلام کے گھر میں کن لوگوں نے پناہ لی اور کیوں؟

2 واقعہ سقیفہ کے بعد حضرت علی علیہ السلام کا کیا موقف رہا؟ اس حساس کیفیت کی وضاحت کیجئے؟

3 حضرت علی علیہ السلام کے اقوال کی روشنی میں کنارہ کشی کے اسباب بیان کیجئے؟

4 حضرت علی علیہ السلام نے خلیفہ وقت سے کس وقت مصالحت کی تھی؟

5 فدک کہاں واقع ہے یہ مسلمانوں کے ہاتھ کس طرح آیا اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے زمانہ حیات میں کسے بخشا؟

6 فدک پر قابض ہونے کے محرکات بیان کیجئے؟

7 ابوبکر کی حکومت کے مقابل اہل --ردہ-- کا کیا ردعمل رہا کیا وہ سب مرتد ہو گئے تھے؟

8 مرتدین کے ساتھ جنگ کرنے میں ابوبکر کے پیش نظر کیا محرکات تھے اس بارے میں خلیفہ ثانی کا بھی نظریہ پیش کیجئے؟

9 حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کی وفات کس سنہ میں واقع ہوئی رحلت کے وقت آپ کی کیا عمر تھی آپ کی تکفین وتدفین کی رسومات کس طرح ادا کی گئیں؟

---

[1] نہج البلاغہ (صبحی صالح) خ 202

چوتھا سبق

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت سے خلافت ظاہری تک

سرزمین شام وعراق کی فتح داخلی جنگوں کی آگ جب خاموش ہوگئی تو خلیفہ وقت نے دو اہم لشکر تیار کیئے ان میں سے ایک لشکر خالد کے زیر فرمان عراق کی جانب روانہ کیا جس پر اس وقت ساسانی حکومت کا اثر وغلبہ تھا اور دوسرا لشکر ابوعبیدہ کی سرکردگی میں شام کی سمت مشرقی روم کی جانب روانہ کیا۔ خالد سب سے پہلے -- حیرہ -- [۱] کی طرف متوجہ ہوا لیکن وہاں کے حاکم نے صلح وامن کا طریقہ اختیار کیا اور نوے ہزار درہم ادا کر کے اپنے ملک کے تابع سرزمین کو مسلمین کی دراز دستی سے بچا لیا حیرہ کے بعد -- آبلہ ---- عین التمر -- اور -- انبار -- جیسے شہر جنگ یا معاہدہ صلح کے ذریعے تابع ومطیع کئے گئے۔[۲]

عراق کی جانب جب لشکر روانہ کیا گیا تھا تو وہ کامیابی سے ہمکنار ہوا مگر جو لشکر رومی شانہشاہیت کے متصرفات کو فتح کرنے کی غرض سے بھیجا گیا تھا اس کے بارے میں احتمال تھا کہ کہیں شکست سے دوچار نہ ہو اس خدشے کے پیش نظر ابوبکر نے خالد کو عراق سے واپس بلالیا اور مسلمانوں کی مدد کے لئے انھیں شام کی جانب جانے پر مقرر کیا[۳] خالد کے چلے جانے کے بعد قبیلہ بکر کے سردار مثنی نے لشکر عراق کے مانداری کی ذمہ داری قبول کی اور حیرہ سے بابل (یہ شہر موجودہ حلہ کے نزدیک واقع تھا) کی جانب روانہ ہوئے خالد جب اپنا مختصر لشکر اسلام لے کر -- یرموک -- پہنچے تو لشکر اسلام کو اس سے بہت فرحت حاصل ہوئی اور بے مثال بہادری ودلیری سے جنگ کر کے انہوں نے سپاہ روم کو شکست دی چنانچہ انھوں نے پسپا ہو کر دمشق میں پناہ لی۔[۴]

خلیفہ وقت کی قرآن وسنت سے واقفیت

ابوبکر اگر چہ مسند خلافت پر متمکن ہو گئے لیکن مہاجر وانصار کی نظروں میں ان کا شمار افضل واعلی دانشور صحابہ رسول میں نہیں ہوتا تھا مثلاً تفسیر قرآن مجید کے وہ قابل اعتناء توجہ مطالب بیان نہیں کر سکتے تھے چنانچہ جلال الدین سیوطی جیسا متتبع مفسر دس سے زیادہ تفسیر ومطالب تفسیر ان سے نقل نہیں کر سکا ہے جبکہ وہی مفسر حضرت علی علیہ السلام کے بارے میں لکھتا ہے کہ علم تفسیر میں آپ کی بہت سے روایات بیان کی گئی ہیں۔[۵]

حنبلی مسلک کے پیشوا امام احمد بن حنبل کو دس لاکھ احادیث یاد تھیں -- [۶] مسند -- میں انہوں نے پچاس ہزار سات سو احادیث

---

[۱] یہ شہر کوفہ اور موجودہ نجف کے درمیان واقع تھا۔

[۲] یعقوبی (ج 2/ 131) نے یہ رقم ستر ہزار اور ایک لاکھ کے درمیان تردید کے ساتھ نقل کی ہے۔

[۳] نہر اردن اور جھیل طبریہ کے نزدیک صحرائی علاقہ جہاں لشکر اسلام اور سپاہ روم کا مقابلہ ہوا۔

[۴] بلاذری لکھتا ہے کہ لشکر اسلام نے پہلے دمشق فتح کیا اور اس کے بعد اسے یرموک پر کامیابی حاصل ہوئی (فتوح البلدان/ 140)

[۵] اتقان ج 2/ 328

[۶] تذکرۃ الحفاظ ذہبی ج 2/ 431

نقل کی ہیں او جو احادیث انہوں نے ابوبکر کے واسطے سے نقل کی ہیں ان کی تعداد اسی (80) سے کم ہی ہے[1]

ابن کثیر نے بہت زیادہ تلاش و جستجو کے بعد ابوبکر سے منقول بہتر (72) احادیث جمع کی ہیں اور انھیں --مجموعہ مسند صدیق--کا نام دیا ہے جلال الدین سیوطی کی علم تفسیر و احادیث پر کافی دسترس تھی اس نے مجموعہ ابن کثیر کا سند کے اعتبار سے جایزہ لیا ہے اوران کی تعداد کو اس نے ایک سو چار تک پہنچا دیا ہے[2]

حضرت علی علیہ السلام اور ابوبکر کی علمی و سیاسی مشکلات

اوپر جو بیان کیا گیا ہے اس کے پیش نظر ابوبکر کے لئے علمی ہی نہیں بلکہ سیاسی مشکلات میں بھی اس کے سوا چارہ نہ تھا کہ ضرورت کے وقت حضرت علی علیہ السلام سے رجوع کریں اور آپ سے مدد چاہیں اور یہ بات اس امر کی واضح دلیل ہے کہ حضرت علی علیہ السلام کتاب خدا ،حدیث رسول علیہ السلام اور اسلام کے سیاسی مصالح کے بارے میں سب سے زیادہ باخبر، ذی ہوش شخص تھے مثال کے طور پر ہم یہاں دو واقعے بیان کررہے ہیں۔

اہل روم سے جنگ کرنے کے بارے میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خود فرمان تھا اسے نافذ کرنے میں ابوبکر کو تردد تھا اس سلسلے میں انہوں نے بعض صحابہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مشورہ بھی کیا چنانچہ ہر شخص نے اس سے متعلق اپنی رائے کا اظہار کیا بالاخر انہوں نے حضرت علی علیہ السلام سے مشورہ کیا اور رائے جاننا چاہی آپ نے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کو نافذ کئے جانے کی ترغیب دلائی اور مزید فرمایا--ان فعلت ظفرت--یعنی اگر آپ یہ اقدام کریں گے تو کامیاب ہوں گے خلیفہ نے بھی آپ کے کہنے پر عمل کیا۔[3]

2-ایک شخص نے شراب پی رکھی تھی نشہ کی حالت میں اسے خلیفہ کے روبرو لایا گیا اس شخص نے کہا مجھے علم نہ تھا کہ شراب پینا حرام قرار دیا گیا ہے کیونکہ اب تک میں نے اس ماحول میں پرورش پائی ہے جہاں شراب کو حلال سمجھا جاتا ہے خلیفہ کی سمجھ میں نہیں آیا کہ کیا کریں چنانچہ انہوں نے ایک شخص کو حضرت علی علیہ السلام کی خدمت میں روانہ کیا اور کہا کہ اس مشکل کو حل فرمائیں۔[4]

جانشینی کا تعین

عمر نے ابوبکر کو خلیفہ بنانے کے لئے بہت زیادہ سعی و کوشش کی جس کا مقصد یہ تھا کہ خلیفہ اول کے بعد خلافت ان کو ملے، ابوبکر نے بھی ان کی مرضی کے خلاف کوئی اقدام نہ کیا۔جس وقت بستر علالت پر وہ تھے تو انہوں نے عثمان کو بلایا اور کہا لکھو: یہ عہد نامہ ابوبکر جانشین رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مسلمانوں کے لئے ہے...بات یہیں تک پہنچی کہ ابوبکر پر غشی طاری ہوگئی عثمان کو یہ گمان گذرا کہ شاید خلیفہ گذر گئے ہیں چنانچہ انہوں نے اس عہد نامے کی اس طرح تکمیل کی۔ابوبکر نے اپنے بعد عمر بن خطاب کو اپنا جانشین مقرر کیا ہے۔اسی اثناء میں ابوبکر کو ہوش آگیا اور جب انہیں یہ معلوم ہوا کہ عثمان نے کیا لکھا ہے تو انہوں نے کہا--تم نے ٹھیک لکھا ہے اس معاملے میں میری اور تمہاری

---

[1] مسند حنبل ج1/ 14-2

[2] تاریخ خلفاء 94-86

[3] تاریخ یعقوبی ج2/ 132

[4] کافی ج2/ حدیث 16 / ارشاد مفید/107 حضرت علی علیہ السلام نے اس مسئلے کو اس طرح حل کیا کہ وہ شخص اسے عام لوگوں کے درمیان لے جائیں اور ان سے پوچھیں کیا تم نے اس شخص کے سامنے اس آیت کی تلاوت کی ہے جس کی رو سے شراب کو حرام قرار دیا گیا ہے اگر ان کا جواب مثبت ہو تو اس شخص پر حد جاری کی جائے۔ورنہ اس سے کہا جائے کہ وہ اپنے اس فعل سے توبہ کرے خلیفہ نے ایسا ہی کیا اور اس شخص نے نجات پائی۔

ایک ہی رائے ہے۔[1]

حضرت علی علیہ السلام نے نہج البلاغہ میں ابوبکر کے اس اقدام پر سخت تنقید کی ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں -- عجیب بات ہے کہ وہ شخص جو زندگی میں لوگوں سے کہا کرتا تھا کہ وہ میرا عذر قبول کریں اور (علی علیہ السلام کے ہوتے ہوئے) اس کو خلافت سے معذور رکھیں خود مرتے وقت خلافت (کی دلہن) کا پلا دوسرے سے باندھ گیا۔[2]

قلمرو اسلام کی وسعت

عمر کے دور خلافت میں مسلمانوں کو بہت سی فتوحات نصیب ہوئیں اور ایران و روم جیسی دو عظیم شہنشاہی حکومتوں کے دروازے ان پر کھل گئے۔ عراق میں مسلمانوں نے جس تیزی سے پیشرفت کی اس کے باعث انہیں یہ امید نظر آنے لگی کہ ساسانی حکومت کے اصل سرزمین پر بھی وہ حملہ کرسکیں گے چنانچہ عمر نے ابوعبیدہ کو ایران کی فتح کے لئے فرمانداز مقرر کیا اور مثنی چونکہ عراق میں مقیم تھے انہیں حکم دیا کہ وہ اپنے لشکر کے ساتھ ابوعبیدہ کی اطاعت و پیروی کریں۔ ایران کے بادشاہ -- یزدگرد سوم -- نے اپنے سرداروں کو کثیر طاقت جمع کرنے کے بعد حکم دیا کہ وہ مسلمانوں کی پیشرفت کو روکیں اگر چہ اس کے سردار ہر چند لایق و جنگجو تھے مگر وہ سب ایک دوسرے کے بعد یا تو قتل ہوئے یا انہوں نے لشکر اسلام سے صلح کرلی۔ ایرانی سرداروں میں بہمن جادویہ ہی ایسا سردار تھا جو مطیع و فرمانبردار نہ ہوا چونکہ اس کی فوج ہاتھیوں کے لشکر سے آراستہ تھی جنہیں دیکھ کر عربوں کے گھوڑے بھڑک گئے چنانچہ -- جسر -- میں ابوعبیدہ شہید ہوئے اور باقی لشکر نے پسپا ہوکر فرات کے پار جا کر پناہ لی۔

لیکن ایک سال بعد (14ھ) میں سپاہ اسلام نے مثنی کے زیر فرمان -- بویب (12) -- میں سپاہ ایران پر فتح پائی اور اس سے جنگ جسر کی شکست کی تلافی ہوگئی۔ اس کے بعد قادسیہ وقوع پذیر ہوئی اس سے قبل کہ جنگ شروع ہوا ایرانی اور اسلامی افواج کے سپہ سالاروں (سعد وقاص اور رستم فرخ زاد) کے درمیان ایلچیوں کے ذریعے گفت و شنید ہوتی رہی۔ ایلچیوں کی اس ملاقات میں سپاہ اسلام کے سپہ سالار نے بھی مطالبہ کیا کہ دو چیزوں میں سے ایک چیز قبول کی جائے، اسلام یا جزیے کی ادائیگی۔ لیکن رستم فرخ زاد جو بڑا خودسر سردار تھا یہی کہتا رہا کہ جس وقت تک ہم تمہیں قتل نہ کردیں گے دم نہ لیں گے۔

بالآخر چاردن کی جنگ کی بعد مسلمان فتح و کامرانی سے ہمکنار ہوئے اور اس طرح محرم سنہ 14ھ میں ایران کے دروازے لشکر اسلام پر کھل گئے اور نور ایمان و توحید نے اس سرزمین کو اپنی آمد سے منور کیا۔

دوسری طرف شہنشاہ روم کی فوج نے یرموک میں اپنی شکست کے بعد دمشق میں پناہ لی اور اپنی اس شکست کے تلافی کرنے کی غرض سے اس نے عظیم فوجی طاقت جمع کی لیکن یہ لشکر بھی شکست سے دوچار ہوا اور مسلمانوں نے دمشق و اردن جیسے شہروں پر فتح پائی۔ سنہ 17 میں مسلمانوں نے فلسطین کو بھی جو فوجی اور تاریخی لحاظ سے اہم شہر تھا، تسخیر کیا۔ 19ھ میں عمرو عاص نے بحر احمر کو عبور کرکے مصر کی جانب رخ کیا -- بابلیوں -- میں بازنطینی سپاہ سے مقابلہ ہوا اس میں بھی لشکر اسلام کو کامیابی نصیب ہوئی۔ وہاں سے وہ عین الشمس اور روم کی جانب

---

[1] کامل ابن اثیر ج2/ 425 تاریخ طبری ج4/ 429 شرح ابن ابی الحدید ج1/ 163۔

نہج البلاغہ خطبہ سوم -- فوا عجباً بینا هو یستقبلها فی حیاته اذ عقدہا لاخر بعد وفاتة --

[2] یہ عراق میں کوفہ کے نزدیک نہر ہے جو فرات سے نکلی ہے۔

روانہ ہوا تا کہ شہنشاہ روم کی رضایت حاصل کر کے اسکندریہ پہنچ جائے۔ چنانچہ چند ماہ کے محاصرے کے بعد اسکندریہ کو بھی فتح کر لیا اور اس طرح شمالی افریقہ کے لئے راستہ ہموار ہو گیا۔

فتوحات کی خوشخبریوں کے اثرات

مغایرت ومخالفت سے قطع نظر جو محرکات خلفاء کے زمانے میں ان فتوحات کے ذریعے مسلمانوں کو ہوئے اگر ان کا موازنہ ان جنگوں اور فتوحات سے کیا جائے جو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں ظہور پذیر ہوئیں تو اس نکتے کو ملحوظ خاطر رکھنا ضروری ہے، ان فتوحات سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ ان کے باعث دربار خلافت کی شان وشوکت میں اضافہ ہوا، اس میں شک نہیں کہ ایک طاقتور وفاتح فوج کو اعلی مقاصد، حوصلہ مندانہ آمادگی، فن حرب وضرب سے واقفیت اور فوجی تربیت جیسے عوامل واوصاف کا مجموعہ ہونا چاہئے مگر اس کا چنداں ربط وتعلق موجودہ سپہ سالاروں سے نہیں تھا۔ مسلمانوں کی فتح وکامرانی میں جو عوامل کارفرما تھے اور انہیں دو عظیم شہنشاہی حکومتوں سے قوت آزما ہونے کیلئے ترغیب دلاتے تھے، وہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ خوش خبری تھی کہ مسلمان ایران اور روم جیسی سرزمینوں کو فتح کریں گے ان کے علاوہ بھی دیگر ایسے عوامل تھے جن سے مسلمانوں کی میدان جنگ میں حوصلہ افزائی ہوتی تھی مگر انکا تعلق کسی طرح بھی حکومت وقت سے نہ تھا بلکہ ان میں وہ شہرت ونیک نامی کے عناصر کارفرما تھے جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور شیر خدا علی علیہ السلام جیسے پیشوایان اسلام نے اپنے کردار کے ذریعے قائم کئے تھے۔

حضرت علی علیہ السلام کے ساتھ خلیفہ ثانی کے سیاسی وعلمی مشورے

حضرت علی علیہ السلام خلیفہ اول کی طرح خلیفہ دوم کے بھی اہم مشکل کشا تھے اور ان کی بھی سیاسی وعلمی مشکلات کو حل فرماتے تھے یہاں ہم بطور مثال دو واقعات پیش کر رہے ہیں۔ جنگ قادسیہ میں سپاہ ایران کی شکست کے بعد ایران کے بادشاہ یزدجرد نے فیروزان کے کمانڈری میں عظیم لشکر مرتب کیا تا کہ وہ آیندہ عربوں کے حملات کا سدباب کر سکے، کوفہ کے حاکم نے خط کے ذریعے تمام واقعات کی اطلاع خلیفہ کو دی، عمر مسجد میں آئے اور اصحاب سے مشورہ کیا کہ وہ مدینہ میں ہی رہیں یا اس علاقے میں پہنچ کر جو بصرہ وکوفہ کے درمیان واقع ہے، سپاہ اسلام کی کمان سنبھالیں۔ عثمان اور طلحہ نے دوسرے نظریے کی تائید کی اور اس ضمن میں مزید کہا کہ آپ سرداران سپاہ شام ویمن کو لکھیں کہ وہ آپ سے ملحق ہوں۔ لیکن حضرت علی علیہ السلام نے دونوں ہی نظریات کی مخالفت کی اور فرمایا کہ وہ شہر جو حال ہی میں مسلمانوں کے تصرف میں آئے ہیں انہیں فوج سے خالی نہیں رہنا چاہیئے یونکہ ایسی صورت میں ممکن ہے کہ حبشہ کی فوج یمن پر اور روم کا لشکر شام پر قبضہ کر لے۔ عمر کی پہلی تجویز کے بارے میں بھی آپ نے مشورہ دیا اور فرمایا کہ اگر آپ مدینہ سے باہر چلے جائیں گے تو ممکن ہے کہ اطراف کے اعراب اس موقع کا فائدہ اٹھائیں اور یہاں کوئی فتنہ بپا کریں اس کے علاوہ اگر آپ محاذ جنگ پر پہنچیں گے تو دشمن جری ہو جائے گا کیونکہ جب عجمی سپاہی آپ کو دیکھیں گے تو کہیں گے کہ عربوں کی جڑ بنیاد یہی شخص ہے گر اس کو کاٹ ڈالیں تو سارا جھگڑا ہی پاک ہو جائے گا۔ حضرت علی علیہ السلام کی بات سننے کے بعد عمر نے روانگی کے خیال کو ترک کر دیا اور کہا کہ قابل عمل رائے علی علیہ السلام کی ہے مجھے انہی کی پیروی کرنی چاہیئے۔[1]

ایک شخص خلیفہ کے پاس آیا اور شکایت کی کہ میری بیوی کے یہاں شادی کے چھ ماہ بعد ولادت ہوئی ہے عورت نے بھی اس بات

---

[1] اعیان الشیعہ ج1/ 349۔ نہج البلاغہ خ146۔ بحار مطبوعہ کمپانی ج9/ 501

کو قبول کیا اس پر خلیفہ نے حکم دیا کہ اسے سنگسار کیا جائے لیکن حضرت علی علیہ السلام نے حد جاری کرنے سے منع کیا اور فرمایا کہ قرآن کی رو سے عورت چھ ماہ پورے ہو جانے پر وضع حمل کر سکتی ہے کیونکہ مدت حمل اور شیر خوار تیس ماہ معین ہے۔[1]

اور دوسری آیت میں دودھ پلانے کی مدت دو سال بتائی گئی ہے۔[2] اور اگر تیس ماہ میں سے دو سال کم کر دیئے جائیں تو مدت حمل چھ ماہ رہ جاتی ہے۔ حضرت علی علیہ السلام کی منطقانہ گفتگو سننے کے بعد عمر نے کہا۔۔ لولا علی علیہ السلام لھلک عمر۔۔۔۔۔ اگر علی علیہ السلام نہ ہوتے تو عمر ہلاک ہو جاتا۔۔۔[3]

بنی ہاشم کی گوشہ نشینی

ابوبکر و عمر کے زمانہ خلافت میں بنی ہاشم اور حضرت علی علیہ السلام کے ہوا خواہوں کو عملی طور پر حکومت کے اہم عہدوں سے دور رکھا گیا اور یہ کوشش کی گئی کہ اس زمانے کہ دل و دماغ سے اہل بیت علیہم السلام کی اعلیٰ اقتدار کو محو کر دیا جائے۔ اس کے مقابل اموی گروہ بتدریج معاشرے کی رہبری میں اثر رسوخ پیدا کرتا رہا۔ اس نظریے کے بہت سے تاریخی شواہد موجود ہیں جن میں سے چند کا ذکر ذیل میں کیا جاتا ہے۔

1 ابوبکر نے اس زمانے کی وسیع و عریض مملکت میں سے چھوٹا سا حصہ بھی بنی ہاشم میں سے کسی کو نہیں دیا کہ جبکہ شام کو سیاسی اہمیت حاصل ہونے کے باوجود ابوسفیان کے بیٹے یزید کے اختیار میں دیدیا تھا۔[4]

2 عمر۔۔ حمیص۔۔ کی حکومت حضرت ابن عباس کو دینے سے منصرف ہو گئے جبکہ معاویہ کو شام پر مسلط کرنے کے سلسلہ میں کسی قسم کا دریغ نہیں کیا۔

3 محض چند لوگوں کی اس شکایت پر کہ عمار یاسر ایک ضعیف انسان ہیں خلیفہ دوم نے کوفہ کی گورنری سے انہیں معزول کیا اور مغیرہ کو گورنر مقرر کیا چند روز بعد مغیرہ کی بھی شکایت پہنچی لیکن اس کا ذرہ برابر اثر نہ ہوا۔[5]

خلیفہ اول و دوم اگر چہ ابوسفیان سے بہت زیادہ خوش نہ تھے اور اسی وجہ سے انہوں نے اموی خاندان کے افراد کو حد سے زیادہ سیاسی امور میں داخل ہونے نہیں دیا مگر اس کا میدان انہوں نے عثمان کے زمانہ خلافت میں ہموار کر دیا تھا۔ مثلاً عمر جانتے تھے کہ شوریٰ جس کی انہوں نے تشکیل کی ہے اس کا نتیجہ یہ برآمد ہوگا کہ عثمان کو خلیفہ منتخب کر لیا جائے گا چنانچہ اس نے خود بھی یہ بات کہہ دی تھی کہ اگر عثمان حاکم ہوئے تو وہ بنی امیہ کو لوگوں پر مسلط کر دیں گے۔[6]

احادیث نبوی کی حفاظت و کتابت پر پابندی

جیسا کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تاریخ حیات میں بیان کیا جا چکا ہے کہ آپ نے اپنی زندگی کے آخری لمحات میں چاہا تھا کہ امت کے لئے ایک نوشتہ لکھ دیں تا کہ آپؐ کے بعد وہ گمراہ نہ ہو مگر عمر نے منع کیا اور کہا کہ ہماری لئے قرآن کافی ہے۔

---

[1] وَحَمْلُهُ وَفِصٰلُهُ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا ؕ (احقاف آیہ 15)

[2] وَالْوَالِدٰتُ یُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَیْنِ كَامِلَیْنِ (بقرہ 233)

[3] مروج الذہب ج2/ 321۔

[4] مروج الذہب ج2/ 331

[5] تاریخ یعقوبی ج2/ 155 کامل ابن اثیر ج3/ 3133۔

[6] تاریخ یعقوبی ج2/ 158 شرح ابن ابی الحدید ج/ 186۔۔ ان ولی حمّل بن ابی معیط و بنی امیة علی رقاب الناس...

اس خیال کی پیروی کرتے ہوئے انہوں نے اپنے زمانہ خلافت میں حکم دیا کہ احادیث پیغمبرصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قلم بند نہ کیا جائے اور اگر انہیں کوئی حدیث لکھی ہوئی مل جاتی تو اسے ضبط کر کے جلوا دیتے۔ انہوں نے تمام شہروں میں یہ منادی کرادی کہ اگر کسی کے پاس کوئی حدیث ہے تو وہ اسے نیست و نابود کردے۔[۱] چنانچہ قاسم بن محمد بن ابی بکر سے منقول ہے کہ عمر کے زمانے میں احادیث بہت زیادہ جمع ہوگئیں جب ان کے پاس لائی گئیں تو حکم دیا کہ انہیں جلا دیا جائے۔[۲]

ابوبکر نے بھی اپنے زمانہ خلافت میں پانچ سو احادیث جمع کیں۔ عائشہ فرماتی ہیں: مجھ سے کہا کہ احادیث میرے پاس لاؤ جب انہیں لایا گیا تو ان سب میں آگ لگادی گئی۔[۳] چنانچہ یہ روش عمر بن عبدالعزیز کے دور خلافت تک جاری رہی۔

اس رویے کو اختیار کرنے کی وجہ وہ یہ بتاتے تھے کہ اگر عوام کی توجہ احادیث کی جانب رہے تو وہ قرآن سے دور ہو جائیں گے درحالیکہ قرآن کا یہ ارشاد ہے کہ ۔۔پیغمبر جو کچھ تمہارے لئے لائے ہیں، اسے قبول کرلو اور جس چیز سے منع کیا ہے اس سے باز رہو۔۔۔[۴] رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کا امکان پیدا ہونے کے لئے ضروری ہے کہ وہ احادیث جن میں بالخصوص اوامر و نواہی کے بارے میں آپ نے فرمایا محفوظ رہنی چاہیئے ورنہ کس طرح رسول کی اطاعت ہوسکے گی؟

بیت المال کی تقسیم میں خلیفہ کا رویہ

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد میں سپاہیوں اور حکومت کے کارکنوں کی تنخواہ مقرر نہ تھی بلکہ اخراجات زندگی مال غنیمت کے ذریعے مہیا کئے جاتے تھے۔ اس کی تقسیم میں لوگوں کے سابقہ زندگی عربوں کی نسلی فضیلت یا پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ قرابت داری کو ملحوظ نہیں رکھا جاتا تھا۔ خلیفہ اول کے زمانے میں بھی یہی طریقہ رائج رہا لیکن خلیفہ دوم کے زمانے میں اس طریقہ کار کو بدل دیا گیا انہوں نے سپاہیوں اور حکومت کے کارکنوں کی تنخواہ کے لئے علیحدہ رجسٹر بنایا اور اس کی تقسیم کے لئے نسل و نسبت کو معیار قرار دیا ان کے درمیان عرب کو عجم پر، قحطان کے عرب کو عدنان کے عرب پر، مضر کو ربیعہ پر، قریش کو غیر قریش پر اور بنی ہاشم کو بنی امیہ پر برتری و فضیلت تھی اور انہیں بیشتر مراعات حاصل تھیں۔[۵]

کچھ عرصہ گذرا تھا کہ ذخیرہ اندوزوں اور دنیا پرستوں نے اس طریقہ کار کی بدولت جس طرح بھی ممکن ہوسکتا تھا مال جمع کرنا شروع کردیا وہ غلاموں اور کنیزوں کو خرید لیتے اور انہیں مختلف کاموں پر زبردستی لگا دیتے تا کہ ان کے لئے زندگی کی سہولتیں فراہم کرنے کے علاوہ ہر روز نقد رقم بھی اپنے آقاؤں کو لا کر دیں۔

---

[۱] شیعہ در اسلام/11 منقول از۔۔کنز العمال مقدمہ مراہ العقول ج 1/ 30۔

[۲] طبقات ابن سعد ج5/ 188 مقدمہ مراۃ العقول ج 1/ 29۔

[۳] شیعہ در اسلام 11

[۴] سورہ حشر آیہ۔۔وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۔۔

[۵] مورخین نے سپاہیوں اور کارکنان حکومت کی تنخواہوں کے جو اعداد و شمار درج کیے ہیں ان کی رقوم میں نمایاں فرق ہے مثلاً عباس بن عبدالمطلب کی سالانہ تنخواہ بارہ ہزار درہم تھی جب کہ ایک مصری سپاہی کو سالانہ تنخواہ صرف تین سو درہم دی جاتی تھی معاویہ اور ان کے باپ کی سالانہ تنخواہ پانچ ہزار درہم مقرر تھی جب کہ مکہ کے ایک عام باشندے کی تنخواہ جس نے مہاجرت نہیں کی تھی صرف چھ سو درہم ہی تھی ازدواج پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سالانہ تنخواہ چار سو درہم ملتے تھے جبکہ ایک یمنی سپاہی کی تنخواہ 400 درہم تھی (تاریخ یعقوبی ج 2/ 153 کامل ابن اثیر ج 2/ 502۔

خلیفہ دوم کا قتل

فیروز ایرانی ابولولو مغیرہ کا غلام تھا۔ اپنی زندگی کے اخراجات پورکرنے کے علاوہ وہ مجبور تھا کہ ہر روز دو درہم مغیرہ کو ادا کرے اس نے ایک روز خلیفہ کو بازار میں دیکھا اس نے فریاد کی کہ اس کے آقا نے اس سے ہر روز دو درہم وصول کرنے کا جو بار اس پر ڈالا ہے وہ اس کے لئے ناقابل برداشت ہے۔لیکن خلیفہ نے بڑی بے اعتنائی سے جواب دیا کہ تجھ جیسے ہنرمند اور ماہر فن شخص کے لئے اتنی مقرر کردہ رقم کوئی زیادہ نہیں میں نے تو یہ سنا ہے کہ تو ایسی چکی بنا سکتا ہے جو ہوا کے رخ پر گردش کرتی ہے۔کیا ایسی چکی تو میرے لئے بھی بنا سکتا ہے؟ فیروز کو چونکہ خلیفہ کی بے اعتنائی سے بہت تکلیف پہنچی تھی اس نے کہا کہ میں آپ کیلئے ایسی چکی بناؤں گا جس کی مشرق و مغرب میں کہیں مثال نہ ملے گی اور بالآخر ماہ ذی الحجہ 23ھ میں اس نے خلیفہ کو قتل کر دیا۔

کونسی شوری؟

عمر نے جب موت کے آثار دیکھے تو انہوں نے چھ ایسے افراد کو جن سے اس کے بقول پیغمبر اکرم ﷺ اپنی زندگی کے آخری لحات میں بہت خوش تھے، بلوایا وہ یہ چھ افراد تھے: حضرت علی علیہ السلام۔عثمان۔طلحہ اور زبیر۔عبدالرحمن بن عوف اور سعد وقاص۔عمر نے ہر ایک کی معنوی خصوصیت بیان کرنے کے بعد کہا کہ: اگر میرے بعد خلیفہ مقرر کرنے کے سلسلے میں تم نے اتفاق رائے سے کام لیا تو تمہیں نیز تمہارے فرزندان کو درخت خلافت کے میوے سے فیض پہنچے گا ورنہ خلافت کی گیند کو معاویہ اچک لیگا۔اس کے بعد انہوں نے اباطلحہ کو کچھ ضروری نصیحتیں کیں اور مزید فرمایا اگر پانچ افراد نے اتفاق رائے کیا اور ایک نے مخالفت یا چار افراد ایک طرف ہو گئے اور دو شخص دوسری جانب، تو ایسی صورت میں جو اقلیت میں ہوں ان کی گردن اڑا دینا اگر دونوں فریق برابر ہوئے تو حق اس طرف جائے گا جس طرف عبدالرحمن ہوں گے...اگر تین دن گذر جائیں اور کسی بھی مرحلے پر اتفاق رائے نہ ہو تو سب کو قتل کر دینا اور مسلمانوں کو ان کے حال پر چھوڑ نا کہ اس کے بعد وہ جسے بھی چاہیں خلیفہ مقرر کریں۔[1]

حضرت عمر کے انتقال کے بعد اس شوری میں طلحہ نے اپنا حق حضرت عثمان کو دے دیا اور زبیر حضرت علی علیہ السلام کے حق میں دستبردار اور سعد بن ابی وقاص نے اپنا ووٹ عبدالرحمن بن عوف کو دے دیا، یوں خلافت کے لیئے صرف تین امیدوار یعنی حضرت عثمان، حضرت علی علیہ السلام اور عبدالرحمن باقی بچ گئے پھر عبدالرحمن بن عوف نے حضرت علی علیہ السلام کی جانب رخ کیا اور کہا کہ میں اس شرط پر آپ کی بیعت کرتا ہوں کہ آپ کتاب خدا، سنت رسول ﷺ اور شیخین کی روش پر عمل کریں گے اس پر حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا کہ میں کتاب خدا اور سنت پیغمبر اکرم ﷺ اور اپنے اجتہاد کی بنیاد پر عمل کروں گا۔عبدالرحمن نے یہی بات عثمان کی جانب رخ کر کے کہی عثمان نے ان کی اس شرط کو فوراً قبول کرلیا، اس کے بعد انہوں نے عثمان کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ دیا اور انہیں ۔۔امیر المومنین۔۔ ہونے کی حیثیت سے سلام کیا۔[2]

مذکورہ شوری کے بارے میں حضرت علی علیہ السلام کی نظر جس وقت شوری کے اراکین کا تعین ہوا تو حضرت علی علیہ السلام نے ابتدا ہی میں اس کے فیصلے سے باخبر کر دیا تھا اور عباس سے کہا تھا۔۔عدلت عنا۔۔یعنی ہمارے خاندان سے خلافت کا رخ موڑ دیا گیا ہے انہوں نے دریافت کیا کہ آپ نے کیسے جانا تو آپ نے فرمایا کیونکہ عثمان کو میرے مقابل لایا گیا ہے۔[3]

---

[1] (خلاصہ) شرح ابن ابی الحدید ج1 / 186۔

[2] طبری کے قول کے مطابق (ج4 / 227) جس وقت مجلس مشاورت (شوری) کی تشکیل ہوئی طلحہ مدینہ میں نہ تھے اور اس مجلس کی تشکیل باقی پانچ افراد نے کی۔

[3] شرح نہج البلاغہ جلد3۔

جب شوریٰ کے نتیجے کا اعلان کیا گیا تو اس وقت بھی آپ نے فرمایا تھا عمر نے اپنی موت کے بعد خلافت کو ایک جماعت میں محدود کر دیا اور مجھے بھی اس جماعت کا ایک رکن قرار دیا ہے بھلا میرا اس شوریٰ سے کیا تعلق ہے ان میں سے سب سے پہلے ہی کے مقابلہ میں میرے استحقاق میں کب شک تھا کہ جواب اس قسم کے لوگوں میں شامل کر لیا گیا ہوں؟ وہ پرندہ کی طرح کبھی زمین پر چلتے تھے اور کبھی اڑنے لگتے تھے مجبوراً میں نے بھی نشیب و فراز میں ان سے ہم آہنگی کی ان میں سے ایک (سعد بن ابی وقاص) تو کینہ توزی کی وجہ سے حضرت عثمان کی طرف چلا گیا اور دوسرا (عبدالرحمن بن عوف) دامادی اور بعض ناگفتہ باتوں کی وجہ سے ادھر جھک گیا۔[1]

حضرت علی علیہ السلام نے اپنے اس بیان کے ذریعے اس مجلس مشاورت کے حقیقی چہرے کو بے نقاب کر دیا اور یہ بات واضح کر دی کہ آپ کا شمار کسی طرح بھی اس شوریٰ کے اراکین میں نہیں ہے اس کے علاوہ عثمان کے حق میں رائے دہی ان کے رائے غیر جانبدار نہ تھی بلکہ اس میں کینہ توزی اور قرابت داری جیسی ذاتی اغراض شامل تھیں اور جس وقت خلافت کیلئے فیصلہ کیا جا رہا تھا اس وقت یہ عوامل کارفرما تھے۔

حضرت علی علیہ السلام کی شرکت اور اس کی وجہ

جیسا کہ اس سے قبل اشارہ کیا جا چکا ہے کہ عمر نے جس شوریٰ کی تشکیل کی تھی اس کی ہیئت شروع سے ہی یہ بتا رہی تھی کہ اس کے ذریعے حضرت علی علیہ السلام کو امیر المومنین علیہ السلام منتخب نہیں کیا جائے گا اب یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب حضرت علی علیہ السلام نے جب پہلے ہی یہ انداز لگا لیا تھا تو آپ نے اس شوریٰ میں شرکت ہی کیوں فرمائی؟ اس سوال کا جواب دینے کے لئے ضروری ہے کہ ان نکات کی جانب توجہ دلائی جائے جن میں بعض آپ ہی کے اقوال ہیں۔

1 ابن عباس نے آپ سے کہا تھا کہ اس شوریٰ میں شرکت نہ کیجئے تو اس پر آپ نے یہ فرمایا کہ مجھے اختلاف پسند نہیں۔[2]

2 قطب راوندی کے قول کے مطابق ابن عباس کے سوال کے جواب میں ہی آپ نے یہ فرمایا تھا کہ میں جانتا تھا کہ شوریٰ کی تشکیل کس نہج پر ہوئی ہے اس کے باعث خلافت ہماری خاندان سے چلی جائے گی لیکن میں نے ان کی اس شوریٰ میں شرکت کی جس کی وجہ یہ تھی کہ عمر نے مجھے خلافت کا اہل و شایستہ جانا لیکن اس سے قبل انہوں نے ہی کہا تھا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ نبوت اور امامت ایک گھر میں جمع نہ ہوں اب میں اس شوریٰ میں شامل کر لیا گیا ہوں تو چاہتا ہوں لوگوں کے سامنے کہ ان (عمر) کے فعل کی ان کی بیان کردہ روایت کی مخالفت کو واضح کر دوں۔[3]

مذکورہ شوریٰ میں حضرت علی علیہ السلام کی عدم شرکت کے باعث فیصلہ کرنے کا اختیار عبدالرحمن کو ہوتا ایسی صورت میں اگر حضرت علی علیہ السلام مخالفت کرتے تو اس ہدایت کے مطابق جو عمر نے کی تھی تو آپ کو قتل کروایا جاتا اس اعتبار سے صحیح اور منطقی راہ وہی تھی جسے آپ نے پیش نظر رکھا۔

---

[1] کامل ابن اثیر جلد 3 ص 67، شرح نہج البلاغہ ج 1 ص 191، تاریخ طبری ج 4 ص 226۔

[2] نہج البلاغہ خ 3۔

[3] حتی اذا مضی لسبیله جعلها فی جماعة زعم انی احدهم فیالله وللشوری متی اعترض الریب فی مع الاول منهم حتی صرت آقرن الی هذه النظائر لکنی اسففت اذا سفوا وطرت اذ طاروا فصغی رجل منهم لضغنه ومال الاخر لصهره مع هن وهن

عثمان کی خلافت

خلیفہ دوم کی وفات کے بعد عثمان نے زمام امور اپنے ہاتھوں میں سنبھالی، انہوں نے روز اول سے وہی راہ اختیار کی جس کا عمر کو خدشہ تھا۔ چنانچہ بتدریج اپنے قرابت داروں (بنی امیہ) کو اہم مناصب پر مقرر کرنا شروع کیا۔ اپنے ماموں زاد بھائی عبداللہ ابن عامر کو جس کی عمر ابھی پچیس سال ہی کی تھی بصرے کا والی مقرر کر دیا اور اپنے ماموں ولید ابن عقبہ جیسے بدکار شخص کو کوفہ کا گورنر مقرر کیا یہ شخص بحالت مستی مسجد میں داخل ہوا اور فجر کی نماز میں چار رکعت پڑھا دی نماز پڑھانے کے بعد اس نے اپنے مقتدیوں سے کہا کہ اگر آپ چاہیں تو میں مزید چند رکعت پڑھا سکتا ہوں۔ معاویہ کو عمر نے دمشق اور اردن کا گورنر مقرر کیا تھا لیکن عثمان نے ان میں حمص، فلسطین اور جزیرہ کے علاقوں کا بھی اضافہ کر دیا اور اس کے لئے ایسے مواقع فراہم کر دیئے جس سے اس کے تسلط و اقتدار میں اضافہ ہو سکے۔

اسی طرح انہوں نے اپنے رضاعی بھائی عبداللہ بن سعد کو مصر کا گورنر مقرر کیا۔ مروان بن حکم کو پیغمبر اکرم ﷺ نے شہر بدر کر دیا تھا مگر عثمان نے اسے اپنے حواریوں میں شامل کر کے اسے اپنا مشیر مقرر کر دیا۔ مختصر یہ کہ ان کی خلافت کے دوران قلیل عرصے میں ہی بصرہ، کوفہ، شام اور مصر جیسے چار عظیم صوبے جنہیں فوجی اجتماعی اور اقتصادی اعتبار سے خاص اہمیت حاصل تھی، بنی امیہ کے زیر تسلط آ گئے اور وہ عرب خاندان جو صحابہ رسول ﷺ کی نسلوں سے تھے نیز دیگر افراد و قبائل حکومت کے عہدوں سے محروم کر دیئے گئے۔ اموی دستے نے بھی اس موقع کو غنیمت جانا اور شروع سے ہی اپنی وضع و حالت کو استحکام دینے سے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔

ابوسفیان نے عثمان کے دور خلافت کی ابتدا میں ہی اپنے قبیلے کے لوگوں سے کہنا شروع کر دیا تھا کہ اے بنی امیہ حکومت کو گیند کی مانند ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ کی جانب اچھالتے رہو... میری ہمیشہ یہی آرزو رہی ہے کہ حکومت تمہارے ہی ہاتھوں میں رہے اور تمہارے بچوں کو ورثے میں ملے۔[1] ابوسفیان کی نصیحت کے مطابق بنی امیہ اس پر کاربند ہو گئے کہ امور حکومت میں داخل ہو کر اپنے ان رسوخ کو وسیع کریں اور خلافت کو سلطنت میں تبدیل کر دیں تاکہ اسے اموی خاندان کی میراث بنانے میں کامیاب ہو سکیں۔

مسلمانوں کا بیت المال

وہ کثیر دولت جو تازہ مفتوحہ علاقوں سے بطور خراج اور مال غنیمت خلافت اسلامیہ کے مرکز کی جانب کشاں کشاں چلی آ رہی تھی، ایسا طرہ امتیاز بن گئی تھی جس نے خلیفہ سوم کی حیثیت کو دیگر خلفاء سے علیحدہ کر دیا تھا۔ چنانچہ خلیفہ نے خود ہی یہ امتیاز حاصل کر لیا تھا کہ اگر چاہیں تو وہ اس مال و دولت میں تصرف کر سکتے ہیں۔[2]

قرابت دار، ہم قوم افراد، قریش کے امرا اور بعض اراکین مجلس و مشاورت اس مال و دولت سے بخشش و بخشایش کے ذریعے فیضیاب ہو رہے تھے۔ اسلامی خلافت کی وسیع و عریض سرزمین پر صوبہ دار اور حکام بھی اسی راہ و روش پر عمل کر رہے تھے۔[3] چنانچہ مسعودی لکھتا ہے کہ: جس وقت عثمان کا قتل ہوا اس وقت ان کے پاس ایک لاکھ پچاس ہزار سونے کے دینار تھے اور دس لاکھ درہم تھے---وادی القری---، ---حنین---اور دیگر مقامات پر جو باغات تھے ان کی قیمت کا تخمینہ ایک لاکھ سونے کے دینار لگایا گیا تھا۔ اونٹوں کے گلے اور

---

[1] کامل ابن اثیر ج3/66 انیبی اکرہ الخلاف---

[2] شرح ابن ابی الحدید ج1/189۔

[3] تاریخ یعقوبی ج2/165 شرح ابن ابی الحدید ج3/19 مروج الذہب ج2/335 کامل ابن اثیر ج3/107۔

گھوڑوں کے غول ان سے علیحدہ تھے۔[1] حاکم بصرہ بیت المال سے جو سونے اور چاندی کے سکے نکال کر عثمان کے پاس لایا تھا انہوں نے انہیں کیل سے ناپ ناپ کر پیمانے سے خاندان بنی امیہ کی خواتین اور ان کے بچوں کے درمیان تقسیم کئے تھے۔[2]

عبداللہ بن شرح کو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شہر بدر کر دیا تھا۔ فتح افریقہ کے بعد جب وہ واپس آیا اور وہاں سے مال غنیمت اپنے ساتھ لایا تو اس کی قیمت پچیس لاکھ بیس ہزار دینار تھی۔ عثمان نے یہ سارا مال اسے ہی بخش دیا۔[3]

ایک روز اس نے حکم دیا کہ بیت المال سے دو لاکھ درہم سفیان اور ایک لاکھ درہم مروان کو عطا کر دیئے جائیں۔[4] اس کے علاوہ دیگر ایسے بہت سے مواقع پر جن کے ذکر کی یہاں گنجائش نہیں، موصوف نے دل کھول کر داد و دہش سے کام لیا۔

حضرت علی علیہ السلام کے پند و نصائح

جس وقت لوگ اور بزرگ صحابی عثمان کی راہ و روش اور ان کے کارندوں کی زیادتیوں سے تنگ آ گئے تو وہ حضرت علی علیہ السلام کے پاس پہنچے اور شکایات کے ضمن میں یہ درخواست کی کہ وہ ان کے نمایندے کی حیثیت سے عثمان کے پاس جائیں اور کہیں کہ وہ لوگوں کو اپنے کارندوں کے شر سے نجات دلائیں۔ امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام عثمان کے پاس تشریف لے گئے اور آپ نے نصیحت فرمائی۔ دوران گفتگو ان سے کہا کہ:...عثمان خدا سے ڈرو اور اپنے اوپر رحم کرو...خدا کے بہترین بندوں میں وہ عادل پیشوا ہے جو خود ہدایت یافتہ ہو اور دوسروں کو بھی ہدایت کرے...مروان سے تم اتنے نہ دبو کہ وہ تمہیں اس پختہ عمر اور پیرانہ سالی میں جہاں چاہے لیئے پھرے۔[5] بعض صحابہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب عثمان کی کارکردگی اور ان کے کارندوں کی زیادتیوں پر اعتراض کیا تو عثمان کا عتاب نازل ہوا۔ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جن بزرگ صحابہ سے انہوں نے ناروا سلوک کیا ان میں سے تین قابل ذکر ہیں۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نیک صالح بزرگ تھے ان کا شمار پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عظیم الشان صحابہ میں ہوتا تھا۔ عثمان نے انہیں شہر بدر کر کے --ربذہ--[6] چلے جانے کا حکم دیا یہی نہیں بلکہ یہ حکم جاری کر دیا کہ رخصت کرنے کی غرض سے ان کے ساتھ کوئی شخص نہ جائے۔ چنانچہ جس وقت وہ روانہ ہوئے تو انہیں رخصت کرنے کے لئے حضرت علی علیہ السلام آپ کے دو فرزند اور حضرت عقیل و حضرت عمار یاسر کے علاوہ اور کوئی شخص نہ تھا۔[7]

عمار یاسر اور عبداللہ بن مسعود بزرگ صحابہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر بھی وہی حالت گذر گئی جس سے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ دوچار ہوئے تھے۔ عبداللہ کے بارے میں ان کے غلاموں کو حکم دیا گیا کہ وہ انہیں خوب زد و کوب کریں۔ چنانچہ انہوں نے موصوف کو اس بری طرح

---

[1] مروج الذہب ج2 / 343 الاغانی 6 / 356 الفاظ کے معمولی اختلاف کی ساتھ یہ عبارت نقل کی ہے--: یا بنیی امیة تلقفوها تلقف الكرة فوالذي يحلف به ابو سفيان مازلت ارجوها لكم لتصيدن الى صبيانكم وراثة

[2] مروج الذہب ج2 / 343-341

[3] مروج الذہب ج2 / 332

[4] شرح ابن ابی الحدید ج1 / 199، الغدیر ج8 / 258

[5] شرح ابن ابی الحدید ج1 / 199، الغدیر ج8 / 258

[6] شرح ابن ابی الحدید ج1 / 199

[7] نہج البلاغہ خ164 ---... فلا تكون لمروان سيقة بسوقك حيث شاء بعد جلال السن و تقضى العمر--

زمین پر پٹخا اور اتنا مارا کہ ان کی پسلیاں ٹوٹ گئیں۔ بیت المال سے جو انہیں وظیفہ دیا جاتا تھا وہ بھی منقطع کر دیا گیا اور لوگوں کو منع کر دیا گیا کہ کوئی ان کی عیادت کو نہ جائے۔[1]

حضرت عمار نے جب یہ اعتراض کیا کہ بیت المال کو پانی کی طرح بہایا جا رہا ہے اور حکومت کے عہدے نالایق افراد کو دیئے جا رہے ہیں تو ان پر بھی خلیفہ اور انکے خدمتگاروں کا عتاب نازل ہوا جن کے باعث وہ مرض فتق میں مبتلا ہو گئے۔[2]

خلیفہ سوم کا قتل

بنی امیہ کو کارگاہ خلافت اور ولایت کے صدر و مقامات پر بروئے کار اور برسر اقتدار لانا، ان کا موقع سے ناجائز فائدہ اٹھانا اور ان بزرگ ہستیوں کی جانب نکتہ چینی کیا جانا جن کا شمار بزرگ صحابہ رسول ﷺ میں ہوتا تھا ایسے عوامل تھے جن کے باعث لوگ عثمان کے خلاف طیش و غضب میں آ گئے اور انفرادی اعتراضات، عوامی غم و غصہ کا سبب بن گئے۔ عوامی غم و غصہ کا مقابلہ کرنے کی غرض سے عثمان نے حاکم شام معاویہ اور بصرہ کے گورنر عبداللہ بن سعد کو خط لکھا اور مخالفین کی سرکوبی کے لئے ان سے مدد چاہی۔[3]

مسلمین کو جب اس بات کی اطلاع ہوئی کہ خلیفہ نے اپنی راہ و روش پر تجدید نظر کی بجائے ان کی سرکوبی کے اقدامات شروع کر دیئے ہیں تو انہوں نے فیصلہ کیا کہ اس قضیے کا فیصلہ ہی کر دیں۔ چنانچہ اس غرض سے کثیر تعداد میں لوگ مصر سے اور کچھ لوگ کوفہ سے مدینہ پہنچے، مزید مہاجرین و انصار بھی ان کے ساتھ شامل ہو گئے اور سب نے دل بنا کر عثمان کے گھر کا محاصرہ کر لیا۔

اگرچہ عوام کے نمایندگان اور خلیفہ کے درمیان بہت زیادہ کشمکش نیز کئی مرتبہ طولانی گفتگو ہوئی اس موقع پر حضرت علی علیہ السلام نے خلیفہ کو پند و نصائح بھی کئے اور عثمان نے ان پر کار بند رہنے کا وعدہ کیا مگر انہوں نے نہ صرف انہیں عملی جامہ نہ پہنایا بلکہ جنگ و مقابلے پر اتر آئے اور اس بات پر اصرار کر کے کہہ۔۔ وہ پیراہن جو خداوند متعال نے مجھے پہنایا ہے میں اسے ہرگز نہ اتاروں گا۔۔[4] خلافت سے برطرف ہونے کے احتمال کو مسترد کر دیا۔

عثمان کے گھر کا محاصرہ چالیس دن تک جاری رہا اس دوران گھر کے اندر سے تیر چلتے رہے جس میں رسول خدا ﷺ کے ایک ضعیف العمر صحابی بھی شہید ہو گئے۔ عوام نے مطالبہ کیا کہ قاتل کو ان کے حوالے کیا جائے مگر انہوں نے یہ بات نہ مانی چنانچہ لوگوں نے ان کے گھر پر ہجوم بپا کر دیا جس کے باعث عثمان قتل ہو گئے۔[5]

حضرت علی علیہ السلام کی نظر میں عثمان کا قتل[6]

نہج البلاغہ میں مجموعی طور پر سولہ مقامات پر عثمان کے بارے میں بحث ہوئی ہے جن میں سے زیادہ کا تعلق قتل عثمان سے ہے۔

---

[1] ربذہ کا انتخاب اس لئے کیا گیا تھا کہ یہ جگہ بہت خشک اور سخت مقامات پر واقع تھی اور حضرت ابوذر نے اپنے کفر کا بشیر زمانہ اسی جگہ گذارا تھا اس لئے انہیں اس سے سخت نفرت تھی۔

[2] مروج الذہب ج2/ 339-342 کامل ابن اثیر ج3/ 113، تاریخ طبری ج4/ 283

[3] الغدیر ج9/ 3،6، 110، شرح ابن ابی الحدید ج3/ 40

[4] الغدیر ج9/ 110-113 شرح ابن ابی الحدید ج3/ 47، الامامۃ والسیاسۃ ج1/ 36-35

[5] ان خطوط کے متن کتاب الغدیر کی جلد 9 میں مشاہدہ کریں۔

[6] شرح ابن ابی الحدید ج2/ 152-151-لا انزع قمیصاً البسنیۃ اللہ-

حضرت علی علیہ السلام نے اپنے خطبات میں ایک طرف تو خود کو اس حادثۂ قتل سے بری الذمہ قرار دیا ہے اور دوسری طرف انہوں نے خود کو عثمان کے مددگار میں شامل نہیں کیا ہے بلکہ جن لوگوں نے ان کے خلاف شورش کی تھی انہیں عثمان کے مددگاروں پر ترجیح دی ہے اس کے ساتھ ہی یہ سانحہ قتل آپ کی نظر میں مجموعی طور پر اسلامی مصالح ومنافع کے مواقع وسازگار نہ تھا۔ بظاہر یہ اقوال اور موضوعات مختلف ومتضاد نظر آتے ہیں مگر ان میں اس طرح ہم آہنگی ومطابقت پیدا کی جاسکتی ہے کہ: حضرت علی علیہ السلام چاہتے تھے کہ عثمان اپنے طریقہ کار سے دست بردار ہوجائیں اور اسلامی عدل کی صحیح راہ اختیار کردیں اور ضرورت پیش آجائے تو انہیں گرفتار بھی کرلیں تاکہ ان کی جگہ اہل خلیفہ برسر اقتدار آئے اور وہ ان کے دور کے بدعنوانیوں کی تفتیش کرے اور اس سے متعلق جو حکم خداوندی ہوا سے جاری کرے۔

اس طرح حضرت علی علیہ السلام نے نہ تو عثمان کے قتل سے اپنی رضامندی کا اظہار کیا ہے اور نہ ہی ان کی شورش کرنے والوں کے ساتھ رویے کی تائید کی ہے۔ حضرت علی علیہ السلام کی یہی کوشش تھی کہ خون نہ بہایا جائے اور شورش کرنے والوں کے جو جائز مطالبات ہیں انہیں تسلیم کیا جائے اور اس طرح عثمان یا تو اپنی راہ وروش پر تجدید نظر کریں یا خلافت سے برطرف ہوجائیں تاکہ یہ کام کسی ایسے شخص کے سپرد کیا جاسکے جو اس کا اہل و مستحق ہو۔

عثمان اور انقلابیوں کے درمیان جو تنازع ہوا اس کے بارے میں حضرت علی علیہ السلام کا فیصلہ یہ تھا کہ عثمان نے ہر چیز کو اپنے اور اپنے عزیز واقارب کے لئے مخصوص کردیا تھا اور جو شیوہ انہوں نے اختیار کیا تھا وہ پسندیدہ نہ تھا اور تم شورش کرنے والوں نے بھی عجلت و بے تابی سے کام لیا جو بری چیز ہے۔[1]

جس وقت حضرت علی علیہ السلام فرد ثالث کی حیثیت سے انقلابیوں کے مطالبات عثمان کو بتا رہے تھے تو آپ نے اس تشویش کا اظہار فرمایا تھا کہ ہوسکتا ہے کہ انہیں مسند خلافت پر قتل کردیا جائے اور اگر ایسا ہوا تو مسلمانوں پر عظیم مصیبتوں کے دروازے کھل جائیں گے۔ چنانچہ اس ضمن میں آپ نے عثمان سے کہا کہ میں تمہیں قسم دلا کر کہتا ہوں کہ ایسا کوئی کام نہ کرنا جس کے باعث تمہارا شمار امت کے مقتول پیشواؤں میں ہو کیونکہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اکثر فرمایا کرتے تھے کہ اس امت کے ایک پیشوا کا قتل ہوگا اور اس کے بعد کشت وکشتار کے دروازے کھل جائیں گے۔۔۔[2]

عثمان کے قتل کو بہانہ بنا کر طلحہ وزبیر نے لوگوں کو حضرت علی علیہ السلام کے خلاف مشتعل کرنا چاہا تھا اسی لئے ایک موقعے پر آپؑ نے انہیں عثمان کے قتل میں ملوث قرار دیا تھا اور فرمایا تھا: عثمان کے خون کا بدلہ لینے کی اس لئے جلدی تھی کہیں ایسا نہ ہو کہ انہیں اس خون کا ذمہ دار قرار دیا جائے کیونکہ ان پر الزام آرہا تھا کہ انہیں سب سے زیادہ عثمان کے قتل کئے جانے پر اصرار تھا۔[3]

حضرت علی علیہ السلام نے دو موقعوں پر معاویہ کو سخت قصوروار قرار دیا کیونکہ عثمان کے قتل کو اس نے سازش نیز حضرت علی علیہ السلام کی اسلامی حکومت میں رخنہ اندازی کی غرض سے بطور آلہ کار استعمال کرنا چاہا تھا۔ اس لئے اس قتل پر وہ بہت زیادہ رنج وافسوس ظاہر کررہا تھا اور

---

[1] عثمان کے سانحہ قتل کے بارے میں یہ کتابیں ملاحظہ ہوں۔۔۔الامامۃ والسیاسۃ ج1۔الغدیر ج9، شرح ابن ابی الحدید ج2 اور کامل ابن اثیر ج3

[2] یہاں اس سانحہ کا محض جائزہ لیا گیا ہے۔

[3] استاثر فاساء الاثرۃ وجزعتم فساتم الجزع (نہج البلاغہ خ30)

اپنے مفاد کی خاطر وہ مظلوم خلیفہ کے خون کا قصاص لینے کیلئے لوگوں میں اشتعال پیدا کرر ہا تھا۔[1]

پچیس سالہ حکومت خلفاء کے دوران علی علیہ السلام کے کارنامے

عثمان کا قتل --35ھ-- کے اواخر میں ہوا اور یہیں پر حضرت علی علیہ السلام کی زندگی کے چوتھے مرحلے کی تکمیل ہوئی وہ خلافت کو چونکہ اپنا حق سمجھتے تھے اسی لئے اس پچیس سالہ دور میں انہیں خلفائے ثلاثہ کی حکومت سے اختلاف بھی رہا اس کے باوجود انہوں نے خلفائے وقت کی مدد، ہدایت اور تعلیم احکام سے کوئی دریغ نہ کیا اور اسی طرح آپ نے عالم اسلام کی قابل قدر خدمات انجام دیں۔ اگرچہ گذشتہ اسباق میں ہم حضرت علی علیہ السلام کی بعض کارگزاریوں کے بارے میں واقفیت حاصل کر چکے ہیں، لیکن یہاں ہم محض بطور یاددہانی ترتیب وار آپ کے اہم ترین کارناموں کا ذکر کریں گے:[2]

1 قرآن کی تفسیر، اس کی جمع آوری اور علم تفسیر میں بعض شاگردوں کی تربیت۔

2 دانشوران علم بالخصوص یہود و نصاریٰ کے سوالات کے جواب اور ان کے شبہات کا ازالہ۔[3]

3 ایسے واقعات کے احکامات بیان کرنا جو اس وقت تازہ اسلام میں رونما ہو چکے تھے اور ان کے بارے میں بالخصوص نص قرآن وسنت پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم موجود نہیں تھی۔

4 خلفاء کے سیاسی و علمی مسائل حل کرنا اور ان کی جانب سے مشورہ کئے جانے پر ایسے نظریات پیش کرنا جو ان کے مشکلات کو دور کر سکیں چنانچہ ان کی بعض مشکلات کو گذشتہ صفحات میں بطور نمونہ پیش کیا جا چکا ہے۔[4]

5 اپنے پاک ضمیر اور روشن ذہن شاگردوں کی تربیت و پرورش کرنا جو سیر و سلوک کیلئے آمادہ رہیں۔

6 بعض لاچار و مجبور انسانوں کی زندگی کے مخارج پورا کرنے کی سعی و کوشش کرنا۔[5]

7 ان لوگوں کی دل جوئی و پاسبانی جن پر حکام وقت کی جانب سے ستم روا رکھے جا چکے تھے۔

---

[1] نہج البلاغہ خ 164--انی انشدك الله الا تكون امام هذه الامة المقتول فانه كان يقال يقتل فی هذه الامة امام يفتح عليها القتل والقتال الى يوم القيامة--

[2] نہج البلاغہ خ 174--والله ما استعجل متجردا الطلب بدم عثمان الاخوفاً من ان يطالب بدمه لانه مظنه ولم يكن فی القوم احرص عليه منه---

[3] اس واقعے کی تفصیلات آیندہ صفحات میں آئے گی۔

[4] اس سلسلہ میں نہج البلاغہ کا تیسرا حصہ ملاحظہ ہو (سیری در نہج البلاغہ نامی کتاب تالیف شہید استاد مطہری (رح) کے صفحات 165175 سے بطور خلاصہ ماخوذ)۔

[5] یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ حضرت علی علیہ السلام کی ولادت سے خلافت ظاہری تک کی زندگی کے حالات محقق گرانقدر استاد جعفر سبحانی کی کتاب --پژوهشی عمیق از زندگی علی علیہ السلام (و دیگر معتبر کتب سے اخذ کئے گئے ہیں)۔

سوالات

1 ابوبکر نے داخلی مسائل حل کرنے کے بعد کیا اقدامات کیئے؟

2 حضرت علی علیہ السلام نے دو مرتبہ ابوبکر کے سیاسی و علمی مسائل حل کئے ان کے بارے میں بھی لکھیئے؟

3 عمر کس طرح برسر اقتدار آئے کیا انہیں عہدہ خلافت پر منصوب کیا گیا یا منتخب کیا گیا۔ ان کے بارے میں شوری کی تشکیل ہوئی اس کے بارے میں وضاحت کرتے ہوئے ابوبکر کے اقدام سے متعلق حضرت علی علیہ السلام کے نظریے کی صراحت کیجئے؟

4 مسلمانوں نے ایران کو کب فتح کیا؟ مختصر طور پر وضاحت کیجئے؟

5 پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت کے بعد احادیث کو نقل و جمع کرنا کیوں ممنوع قرار دیا گیا اس کے اسباب کیا تھے؟

6 عمر نے جانشین مقرر کرنے کے سلسلے میں کیا راہ اختیار کی؟

7 عثمان کی مالی حکمت عملی کس بنیاد پر قائم تھی؟

8 عثمان کے عہد خلافت میں اموی گروہ کو کیا مراعات حاصل تھی؟

9 عثمان کے قتل کے کیا اسباب تھے؟

10 حضرت علی علیہ السلام نے پچیس سال تک سکوت و خاموشی کی زندگی بسر کی اس دوران آپ نے کون سے نمایاں کارنامے انجام دیئے پانچ واقعات کا ذکر کیجئے۔

پانچواں سبق

خلافت ظاہری سے شہادت تک

حضرت علی علیہ السلام کی بیعت عثمان کے قتل کے بعد اپنے آیندہ کے ہادی و راہنما کا انتخاب کرنے کی غرض سے مہاجرین و انصار حضرت علی علیہ السلام کے گرد جمع ہو گئے جو لوگ اس مقصد کے تحت حضرت علی علیہ السلام کے پاس آئے ان میں عمار یاسر ابوالھیثم ابوایوب انصاری، طلحہ اور زبیر جیسے جلیل القدر صحابہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پیش پیش تھے۔ حضرت علی علیہ السلام کے دست مبارک پر بیعت کرنے کی خاطر آپ کے گھر کی طرف ایک جم غفیر روانہ ہوا ان میں سب کا یہی اصرار تھا کہ امور خلافت کی لگام آپ سنبھالیں انہوں نے ایک زبان ہو کر کہا: اے ابوالحسن عثمان قتل کر دیئے گئے اور ہمیں اپنے ہادی و راہنما کی ضرورت ہے اور ہم آج آپ سے زیادہ کسی کو شایستہ و قابل نہیں سمجھتے جن لوگوں نے دین اسلام قبول کیا آپ ان میں سب پر سبقت لے گئے اور دوسروں کے مقابل پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آپ ہی سب سے زیادہ نزدیک تھے۔ امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: مجھے تمہاری حکومت کی ضرورت نہیں تم جسے بھی اپنا رہنما اختیار کرو گے میں بھی اس سے اتفاق کروں گا۔[1]

سب نے ایک زبان ہو کر کہا: آپ کے علاوہ ہم کسی کو بھی نہیں چاہتے [2] لوگوں کا اصرار جاری رہا مگر حضرت علی علیہ السلام کی جانب سے انھیں جواب نفی کی صورت میں ہی ملتا رہا بالآخر وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہوئے بغیر حضرت کے گھر سے باہر نکل آئے۔

اگر چہ لوگوں کی آمد و رفت کا سلسلہ جاری رہا مگر حضرت علی علیہ السلام کسی طرح بھی خلافت قبول کرنے کے لئے راضی ہی نہیں ہوتے تھے اور ہر بار یہی جواب دیتے کہ اس امر کے لئے تم لوگ مجھے مجبور مت کرو امیر بننے سے میرے لئے بہتر یہی ہے کہ وزیر[3] رہوں لیکن انہوں نے یہی کہا کہ ہم اپنے اس فیصلے سے ہرگز روگرداں نہ ہوں گے اور آپ کے دست مبارک پر بیعت کریں گے [4] اور ہر طرف سے بیعت کی خاطر آپ کے گرد ہجوم ہونے لگا۔

آپ کے گرد لوگ کس طرح جمع ہوئے اس کی کیفیت خود ہی بیان فرماتے ہیں:

اچانک میرے گرد لوگوں کا ہجوم اس طرح ہو گیا کہ لگتا تھا گویا یہ انسان نہ ہوں بلکہ چرغ بجو کی گردن پر گھنے بال ہوں اس ازدحام میں میرے بچے حسن و حسین بھی روندے گئے اور لوگوں کے اس ہجوم کے باعث میرا لباس بھی دو جانب چاک ہو گیا لوگوں کی یہ حالت تھی گویا وہ انسان نہیں بلکہ ایسے مویشی ہیں جن کے سر پر گلے بان نہ ہو ان میں سے ہر ایک میری طرف ہی چلا آ رہا تھا۔[5]

لیکن اس کے بعد بھی حضرت علی علیہ السلام نے بلا قید و شرط حکومت قبول کرنے سے انکار کر دیا اور فرمایا کہ: میں تمھیں کل صبح تک کی

---

[1] لاحاجۃ لی فی امرکم فمن اخترتم رضیت بہ

[2] کامل ابن اثیر ج/1903 تاریخ طبری ج4/ 427 تاریخ ابی الفداء ج1/ 17

[3] لا تفعلوا فانی اکون وزیراً خیرا من ان اکون امیراً

[4] کامل ابن اثیر ج3/ 190، انساب الاشراف بلاذری ج2/ 209، تاریخ ابی الفداء ج1/ 171

[5] نہج البلاغہ خ شقشقیہ (خ3)

مہلت دیتا ہوں اپنے اپنے گھر جاؤ اور اپنے فیصلے پر غور کرلو اگر اس کے بعد بھی تم لوگ اپنے فیصلے پر قائم رہے تو تمہیں میری حکومت کے سامنے سر تسلیم خم کرنا ہوگا اور تم مجھ سے یہ نہ چاہو گے کہ میں سابق خلفاء کی روش کا پیرو کار رہوں اگر یہ شرط منظور ہے تو کل صبح مسجد میں جمع ہو جانا ورنہ تمہیں اختیار ہے جسے چاہو اپنا خلیفہ مقرر کرلو۔

اگلے روز لوگ مسجد میں جمع ہوئے امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام منبر پر تشریف لے گئے اور فرمایا: لوگو کل جب ہم آپس میں جدا ہوئے تو اس وقت میری یہ کیفیت تھی کہ مجھے تمہاری حکومت سے بیزاری تھی جب کہ تمہارا یہ اصرار تھا کہ میرے علاوہ کوئی دوسرا شخص تمہارے امور کی زمام نہ سنبھالے یہ جان لو اگر چہ تمہارے مال (بیت المال مسلمین) میرے دست اختیار میں ہے مگر مجھے یہ حق نہیں کہ تمہارے بغیر اس میں سے ایک درہم بھی نکالوں میں اسی صورت میں تم پر حکومت کر سکتا ہوں ورنہ تم میں سے کسی کی ذمہ داری قبول کرنے کو میں تیار نہیں [۱] جس وقت حضرت علی علیہ السلام کی تقریر ختم ہوئی تو لوگوں نے بلند آواز کہا ہم نے جو عہد کیا تھا آج بھی اسی پر قائم ہیں اور خدا کو گواہ کر کے کہتے ہیں کہ ہم آپ کے دست مبارک پر بیعت کرنے کیلئے تیار ہیں اس کے بعد موجوں کی مانند لوگوں میں جوش و خروش پیدا ہو گیا اور بیعت کے لئے لوگوں کا ادحام ہو گیا۔ سب سے پہلے طلحہ اور زبیر نے آپ کے دست مبارک پر بیعت کی اس کے بعد ان لوگوں نے بیعت کی جو مصر بصرہ اور کوفہ سے آئے ہوئے تھے اس کے بعد عام لوگ اس سعادت سے سرفراز ہوئے۔ [۲]

بیعت کے بعد لوگوں میں سرور و شادمانی

حضرت علی علیہ السلام کے دست مبارک پر بیعت کرنے کے بعد لوگ انتہائی خوش و خرم تھے کیونکہ انہوں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کی تھی۔

بیعت کے بعد لوگوں میں جو باطنی خوشی و مسرت تھی اسے حضرت علی علیہ السلام نے اس طرح بیان فرمایا ہے: میرے ہاتھ پر بیعت کرنے کے بعد لوگوں کی مسرت و شادمانی کا یہ حال تھا کہ بچے تک وجد و سرور میں آ گئے تھے۔ ضعیف العمر لرزتے ہوئے پیروں سے چل کر بیمار دوسروں کے کاندھوں پر سوار ہو کر میرے پاس آئے اور جو لوگ معذور تھے ان کی دلوں میں مجھ تک پہنچنے کی حسرت ہی رہ گئی۔ [۳]

عام لوگوں کی خوشی و مسرت کے علاوہ بعض بزرگ صحابہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک دوسرے کے بعد عوام میں تشریف لائے اور انہوں نے بھی تقاریر کے ذریعے اپنی دلی مسرت کا اظہار کیا اس ضمن میں انہوں نے عوام کو دعوت دی کہ وہ عہد و پیمان پر مضبوطی سے قائم رہیں اور نئی حکومت کو تقویت بخشیں جن لوگوں نے اس موقعے پر تقاریر کیں ان میں سے بعض کے نام درج ذیل ہیں۔

1 انصار کے نمائندہ ثابت بن قیس نے کہا: یا امیر المومنین خدا کی قسم اگر چہ دوسرے لوگوں کو خلافت کے لحاظ سے آپ پر سبقت حاصل ہے لیکن دین میں وہ آپ پر برتری حاصل نہ کر سکے... انھیں آپ کی ضرورت تھی لیکن آپ ان سب سے بے نیاز رہے--2۔ [۴]

---

[۱] فما راعنی الا والناس کعرف الضبع الی ینثا لون علیّ من کل جانب حتی لقد وطی الحسنان و شق عطفای مجتمعین حولی کربیضۃ الغنم

[۲] تاریخ طبری ج4/ 428 کامل ابن اثیر ج3/ 193

[۳] تاریخ طبری ج4/ 428 کامل ابن اثیر ج3/ 193

[۴] نہج البلاغہ خ229 وبلغ سرور الناس ببیعتھم ایای ان ابتھج بھا الصغیر و ھدج الیھا الکبیر و کامل نحوھا العلیل وحسرت الیھا الکعاب

خزیمہ بن ثابت نے اس موقعے پر کہا: یاامیر المومنین ہماری نظر میں آپ کے علاوہ کوئی ایسا نہیں جس کے ہاتھوں میں اپنے معاملات کی لگام دے سکیں...

ایمان میں آپ کو سب پر برتری حاصل ہے خدا شناسی میں آپ عارف کامل ہیں اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقامات ومراتب کے سب سے زیادہ حق دار آپ ہی ہیں دوسروں میں جو خصوصیات پائی جاتی ہیں وہ آپ میں بھی موجود ہیں لیکن جو فضائل وکمالات آپ کی ذات میں ہیں ان سے وہ محروم ہیں[1]

3 صعصعہ بن صوحان نے کہا: یا امیر المومنین مقام خلافت نے آپ کی ذات کے ذریعے بنت ورونق پائی، خلافت کو آپ کی ضرورت ہے اور آپکو اس کی ضرورت قطعی نہیں۔[2]

قریش کی وحشت و پریشانی

قریش اور حق سے روگرداں وہ تمام لوگ جنہوں نے عثمان کے عہد میں حکومت میں خاص مراعات حاصل کر لی تھیں حضرت علی علیہ السلام کے دور خلافت میں بہت مضطرب و پریشان ہوئے چنانچہ ان کے لئے اس کے سوا کوئی چارہ کار نہ تھا کہ سر تسلیم خم کر دیں کیونکہ اب رائے عامہ امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کے ساتھ تھی اور وہ لوگ کسی ایسی راہ پر گامزن نہیں رہ سکتے تھے جو اسلامی معاشرے کے منافی ہو اسی لئے انہوں نے حضرت علی علیہ السلام کے دست مبارک پر بیعت کر لی لیکن ان کے دلوں میں کدورت ابھی تک باقی تھی جس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت علی علیہ السلام کی تلوار نے بہت سے مشرکین قریش اور کفار کے سرتن سے جدا کئے تھے۔اس کے علاوہ وہ یہ بھی جانتے تھے کہ حضرت علی علیہ السلام کی حکمت عملی اس بات کو ہرگز برداشت نہیں کر سکتی کہ بیت المال کو غارت کیا جائے۔قریش کے دلوں میں حضرت علی علیہ السلام کے خلاف جو کینہ و دشمنی کے جذبات تھے ان کے بارے میں ابن ابی الحدید لکھتا ہے: اگر چہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت سے اس وقت تک کافی عرصہ گذر چکا تھا مگر قریش کے دلوں میں ان علیہ السلام کے خلاف اس قدر بغض و کینہ تھا کہ کسی طرح کم نہیں ہوتا تھا یہی نہیں بلکہ اس کینہ وعداوت کو انہوں نے اپنے بچوں تک کے ذھنوں پر نقش کر دیا۔[3]

گوشہ نشین لوگ

بعض لوگوں نے حضرت علی علیہ السلام کے دست مبارک پر بیعت کرنے سے کنارہ کشی بھی کی۔مسعودی نے انھیں قعاد (زمین گیر)[4] اور ابوالفدا ء نے انھیں معتزلہ (گوشہ نشین[5] کے عنوان سے یاد کیا ہے جب حضرت علی علیہ السلام سے ان کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا: یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے نہ حق کا ساتھ دیا اور نہ ہی باطل کی مدد کیلئے کھڑے ہوئے[6] ان لوگوں میں سعد بن وقاص عبداللہ بن عمر

---

[1] تاریخ یعقوبی ج2/ 179

[2] تاریخ یعقوبی ج2/ 179

[3] تاریخ یعقوبی ج2/ 179

[4] شرح ابن ابی الحدید ج11/ 114

[5] مروج الذہب ج2/ 353

[6] تاریخ ابی الفداء ج1/ 171

حسان بن ثابت کعب بن مالک قدامہ بن فطعون مغیرہ بن شعبہ اور دیگر چند افراد شامل تھے۔[1]

یہ لوگ اپنے اس فعل کی توجیہ کے لئے بیجا عذر بہانے تراشتے تھے مثلاً جب سعد قاص سے بیعت کے لئے کہا گیا تو انہوں نے جواب دیا کہ جب تک سب لوگ بیعت نہ کرلیں گے میں بیعت نہیں کروں گا۔[2]

یہ لوگ تو اچھی طرح جانتے تھے کہ امیرالمومنین علی علیہ السلام حق پر ہیں اور حق بھی ان کے ساتھ ہے آپ کو ہر اعتبار سے دوسروں پر فضیلت و برتری حاصل تھی لیکن ان کی نخوت اور جسمانی ہوا و ہوس نے انھیں حق سے دور کردیا تھا چنانچہ امیرالمومنین حضرت علی علیہ السلام نے ان کو ان کے حال پر چھوڑ دیا اور بیعت کیلئے مجبور نہ کیا البتہ ان میں سے چند لوگ بالخصوص سعد بن وقاص اور عبداللہ بن عمر بعد میں بہت پشیمان ہوئے۔

حضرت علی علیہ السلام کی بیعت کے امتیازات

حضرت علی علیہ السلام کے دست مبارک پر بیعت روز جمعہ بتاریخ پچیس ذی الحجہ 35ھ انجام پذیر ہوئی اس کے بعض امتیازات ہم یہاں بیان کررہے ہیں:۔

1 حضرت علی علیہ السلام نے مستقبل کی حکومت کے استحکام کی خاطر لوگوں کو یہ موقعہ دیا کہ وہ آزادانہ طور پر اپنا رہبر انتخاب کریں اور انہیں اتنی مہلت دی کہ وہ اس کے بارے میں مکمل طور پر غور و فکر کرلیں تاکہ پورے شعور کے ساتھ آیندہ کیلئے اپنے رہبر کا انتخاب کریں۔[3]

2 امیرالمومنین حضرت علی علیہ السلام کی بیعت عمومی تھی اور ایک عوامی تجویز کے طور پر پیش کی گئی تھی اس کے برعکس گذشتہ خلفاء کے ہاتھ پر بیعت کا معاملہ عوامی تحریک پر مبنی نہ تھا بلکہ بقول عمر: ابوبکر کی بیعت کا اتفاقی واقعہ تھا جو --اچانک-- کسی پیش بندی کے بغیر حادثی طور پر رونما ہوا اور صرف دو افراد (عمر اور ابوعبیدہ) کی تجویز پر اس مسئلے کو پیش کیا گیا۔

عمر کو بھی عوام کی تجویز پر خلیفہ مقرر نہیں کیا گیا تھا بلکہ انہیں ابوبکر نے اس منصب پر مامور کیا تھا۔ عثمان کو بھی عوام کی تجویز پر خلیفہ منتخب نہیں کیا گیا تھا بلکہ چھ افراد پر مشتمل شوری میں سے صرف دو افراد کی موافقت سے جسے خلیفہ ثانی نے منتخب کیا یہ کام انجام پذیر ہوا۔[4]

3 حضرت علی علیہ السلام کی بیعت کو لوگوں نے خود قبول کیا اور یہ کام اس وقت عمل پذیر ہوا جب لوگوں نے پہلے سے اس مسئلے پر غور کرلیا تھا جبکہ سابقہ خلفاء نے عوام کو غور و فکر کرنے کا موقع ہی نہیں دیا بلکہ ان کی سعی و کوشش یہ تھی کہ جس قدر جلد ممکن ہوسکے یہ کام ختم ہوتا کہ تاخیر کے باعث اس میں موانع پیدا نہ ہوں۔

4 بیعت کے لئے جس جگہ کو مرکز بنایا وہ مسجد تھی تاکہ تمام مسلمین اس میں شرکت کرسکیں اور اگر کسی کو کوئی اعتراض ہو تو اسے پیش کرے درحالیکہ گذشتہ خلفاء کی بیعت میں اس خصوصیت کو مدنظر نہیں رکھا گیا۔

5 حضرت علی علیہ السلام کے دست مبارک پر بیعت کرنے کے لئے کسی کو مجبور نہیں کیا گیا چنانچہ جس وقت عبداللہ بن عمر کی بیعت کا مسئلہ

---

[1] استیعاب ج3/55--اولئك قوم قعدوا عن الحق ولم يقوموا مع الباطل--

[2] استیعاب ج3/55--اولئك قوم قعدوا عن الحق ولم يقوموا مع الباطل--

[3] تاریخ ابی الفداء ج1/171، الانساب الاشراف بلاذری ج2/207

[4] عثمان خود بھی مذکورہ شوری کے رکن تھے اور انہوں نے خود بھی اپنی خلافت کے حق میں رائے دی۔

سامنے آیا اورانہوں نے بیعت کرنے سے انکار کر دیا تو مالک اشتر نے امیر المومنین علیہ السلام حضرت علی علیہ السلام سے کہا تھا کہ اگر آپ اجازت دیں تو ان کی گردن تن سے جدا کر دی جائے، تو حضرت علی علیہ السلام نے ان کی اس تجویز کو صرف قبول ہی نہیں کیا بلکہ اپنی طرف سے یہ ضمانت بھی دی کہ عبداللہ بن عمر کو کوئی شخص تکلیف وآزار نہ پہنچائے۔[1]

سوالات کے جوابات

جیسا کہ پہلے ذکر کیا جاچکا ہے اور نہج البلاغہ میں مندرج امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کے خطبات سے بھی اس حقیقت کی وضاحت ہوتی ہے اگرچہ لوگ آپ کے دست مبارک پر بیعت کرنے کے لئے مصر تھے مگر آپ نے اس کام کے آغاز سے ہی خود کو کسی بھی پیشقدمی سے باز رکھا۔[2]

ممکن ہے یہ سوال پیش آئے کہ: حضرت علی علیہ السلام اس کے باوجود کہ خلافت کو اپنا حق سمجھتے تھے اور برسر اقتدار آنے کے لئے شایستہ ترین انسان بھی تھے، نیز عوام آپ کے دست مبارک پر بیعت کرنے کے لئے ہر طرف سے جمع ہو گئے تھے پھر عوام کے اصرار کے باوجود امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام نے شروع ہی سے منصب خلافت کو قبول کرنے سے کیوں منع فرمایا؟

حضرت علی علیہ السلام کے لئے منصب خلافت قبول نہ کرنے کی وجہ یہ نہ تھی کہ وہ حکومت کی ذمہ داریوں نیز ان سے پیدا ہونے والی مشکلات کا مقابلہ کرنے کے لئے خود کو عاجز و ناتوان سمجھتے تھے بلکہ اس کا اصل سبب یہ تھا کہ آپؑ اسلامی معاشرہ کی اجتماعی ومعنوی کیفیت پر گہری نظر رکھتے تھے اور اس کی بہت سی مشکلات آپ کے پیش نظر تھیں اس لئے آپ چاہتے تھے کہ لوگوں کا امتحان لیں تاکہ یہ اعلان ہوجائے کہ عوام آپ کی انقلابی روش کو برداشت کرنے کے لئے کس حد تک تیار ہیں اوران کا جب مشکلات سے سامنا ہو تو وہ یہ نہ کہیں کہ امیر المومنین علی علیہ السلام نے انہیں صحیح حالات سے بے خبر رکھا اوران کے انقلابی جذبات نیز جوش وخروش سے فائدہ اٹھالیا۔

چنانچہ یہی وجہ تھی کہ آپ نے عوام سے کہا تھا کہ: آپ لوگ مجھے معاف رکھیں یہ ذمہ داری کسی دوسرے شخص کے سپرد کر دیں کیونکہ جو مقصد میرے پیش نظر ہے اس میں اتنی زیادہ مشکلات ہیں کہ لوگوں میں انہیں برداشت کرنے کی طاقت اور انسانی عقول میں انہیں قبول کرنے کی تاب ہی نہیں۔ عالم اسلام کے افق پر ظلم وبدعت کے سیاہ بادل چھائے ہوئے ہیں اور اسلامی راہ وروش میں تبدیلی واقع ہوگئی ہے۔[3]

حضرت علی علیہ السلام نے کن مقاصد کے تحت حکومت قبول فرمائی۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ شخص جسے حضرت علی علیہ السلام کے کردار واخلاق اور طرز زندگی کے بارے میں ادنی سی واقفیت ہے اتنا تو جانتا ہی ہے کہ آپ جیسے بزرگوار شخص کی قطعی یہ آرزو تمنا نہ تھی کہ لوگوں پر حکومت کریں اور منصب خلافت قبول کرنے میں ہرگز یہ مقصد کار فرما نہ تھا کہ مال ودولت، جاہ وثروت اور حکومت واقتدار حاصل ہو۔ آپؑ نے بھی گفتگو کے دوران کئی مرتبہ یہ بات لوگوں کے گوش گزار

---

[1] انساب الاشراف بلاذری ج 2/ 207، تاریخ طبری ج 4/ 428

[2] ملاحظہ ہو خطبات 229، 137

[3] نہج البلاغہ خ 92 دعونی والتمسوا غیری فانا مستقبلون امراً لہ وجوہ والوان لا تقوم لہ القلوب ولا تثبت علیہ العقول وان الافاق قد اغاقت والمحجة تنکرت

کردی تھی۔ چنانچہ حضرت علی علیہ السلام اور ابن عباس کے درمیان جو گفتگو ہوئی اس کا اقتباس یہاں پیش کیا جا رہا ہے:

ابن عباس کہتے ہیں بصرہ کے راستے میں واقع ۔۔ذی قار۔۔ نامی منزل پر حضرت علی علیہ السلام سے میری ملاقات ہوئی آپ اپنا نعلین سی رہے تھے انہیں سیتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ ان جوتیوں کی کیا قیمت ہوگی؟ میں نے عرض کیا کہ: اب ان کی کیا قیمت رہ گئی اس پر آپ نے فرمایا:

والله لھی احب الی من امر بکم الا ان اقیم حقا او ادفع باطلا [1]

خدا کی قسم مجھے یہ نعلین تم پر حکومت کرنے سے کہیں زیادہ عزیز ہیں مگر یہ کہ حق کو قائم کروں اور باطل کا قلع قمع کر دوں۔

اور ایک جملے میں تو آپ نے زمامداری کو گندے پانی اور ایسے لقمے سے تشبیہ دی ہے جو گلے میں پھنسا ہو۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

۔۔ہذا ماء آجن ولقمۃ یغصّ بہا اکلہا۔۔ [2]

امیرالمومنین حضرت علی علیہ السلام نے خطبہ شقشقیہ کے آخر میں اس مقصد کی وضاحت فرمائی ہے کہ آپ نے زمامداری کو کیوں قبول فرمایا: قسم ہے اس خدائے پاک کی جس نے دانے کو چاک کیا اور انسان کی تخلیق کی اگر لوگ کثیر تعداد میں میرے گرد جمع نہ ہو گئے ہوتے ہم کاروں کی مدد سے حجت قائم نہ ہو گئی ہوتی اور اگر خداوند تعالیٰ نے علماء سے یہ عہد و پیمان نہ لیا ہوتا کہ ظالموں کی شکم پری اور مظلومین کی فاقہ کشی پر وہ خاموش نہ رہیں تو میں خلافت کے شتر کی مہار کو اس کی کمر پر پھینک دیتا اور پہلے ہی جام میں اسے آخری جام کی طرح سیراب کر دیتا۔ [3]

حضرت علی علیہ السلام کے ان اقوال سے واضح ہے کہ آپ نے دو اہم بنیادوں پر زمام حکومت سنبھالی۔ پہلی تو یہی کہ لوگ خود چل کر آپؑ کے پاس آئے اور یہ اعلان کیا کہ حکومت کی حمایت کریں گے اور دوسری بنیاد یہ تھی کہ آپؑ عدل و انصاف برقرار کر کے ظلم و ستم کا سد باب کرنا چاہتے تھے۔

ابتدائی اقدامات

جب آپ کو بیعت سے فرصت ملی تو آپ نے اعلان فرمایا کہ جن مقاصد کے تحت آپ نے حکومت کو قبول فرمایا ہے انہیں حقیقت کی شکل دیں گے۔ حضرت علی علیہ السلام نے جو سیاسی مسلک اور طریق کار اختیار کیا وہ کوئی ایسا اتفاقی امر نہ تھا جس کی تخلیق اسی روز کی گئی ہو بلکہ یہ ایسے دستور العمل کا مجموعہ تھا جو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی راہ و روش سے حاصل کیا گیا تھا اور اس کا سرچشمہ وحی و قرآن تھے۔ وہ کام جنہیں حضرت علی علیہ السلام کی نظر میں اولویت حاصل تھی اور جنہیں فوراً ہی انجام دینا چاہتے تھے وہ ان تین حصوں پر مشتمل تھے۔

1) نیک اور صالح کارکنوں کا تقرر

2) برتری و امتیازی سلوک کی برطرفی اور سب کے لئے مساوی حقوق کی ضمانت

---

[1] نہج البلاغہ خ 33

[2] نہج البلاغہ خ 5

[3] نہج البلاغہ خ 3 اما والذی فلق الحبۃ وبری النسمۃ لولا حضور الحاضر وقیام الحجۃ بوجود الناصر وما اخذ اللہ علی العلماء ان یقاروا علی کظۃ ظالم ولا سغب المظلوم لالقیت حبلہا علی غاربہا ولسقیت آخرہا بکاس اولہا۔

3) تاخت وتاراج کئے ہوئے مال کو واپس کرنا اور بیت المال کی عادلانہ تقسیم

نیک اور صالح کارکنوں کا تقرر

حضرت علی علیہ السلام نے اپنی حکومت کے ابتدائی دنوں میں عثمان کے حکام اور کارندوں کو برطرف کر دیا کیونکہ ظلم وستم اور اسلامی قوانین نیز مردم سالاری کی سیاست سے ان کی ناآشنائی، عثمان کے خلاف قیام کرنے کے اہم اسباب میں ایک سبب تھا۔ مغیرہ بن شعبہ نے حضرت علی علیہ السلام سے گفتگو کرتے ہوئے یہ تجویز پیش کی پہلے حکام کو ان کے مناصب پر بحال و برقرار رکھا جائے لیکن حضرت علی علیہ السلام نے انکی اس تجویز کو منظور نہ کیا اور فرمایا کہ خدا کی قسم میں اپنے دینی فرائض کی انجام دہی میں سستی نہ کروں گا۔[1]

جن محرکات کے تحت حضرت علی علیہ السلام نے یہ اقدامات کئے ان کے بارے میں آپ دوسری جگہ فرماتے ہیں: میں اس بات سے غمگین واندوہناک ہوں کہ اس امت کی حکومت کے سرپرست بے خبر اور ناکارہ لوگ ہوں وہ بیت المال کو تباہ کریں، بندگان خدا کو آزادی سے محروم کر کے انہیں اپنا غلام بنالیں، نیک وصالح لوگوں سے جنگ کریں اور فاسق وفاجر لوگوں کو اپنا یار ومددگار بنائیں۔

اس جماعت میں کچھ لوگ ایسے ہیں جو شراب پیتے ہیں اور ان پر حد جاری کی جا چکی ہے، انہیں میں ایسے لوگ بھی ہیں جنہوں نے اسلام اس وقت تک قبول نہیں کیا جب تک ان کے لئے کوئی عطیہ مقرر نہیں کیا گیا۔[2] حضرت علی علیہ السلام نے عثمان کے مقرر کردہ حکام کو برطرف کر کے ان کی جگہ نیک وصالح اور دور اندیش لوگوں کو مختلف صوبوں کی حکومتوں پر مقرر کیا اس زمانے میں بصرہ، مصر اور شام کا شمار اسلامی قلمرو کے عظیم صوبوں میں ہوتا تھا۔ چنانچہ آپ نے عثمان بن حنیف کو بصرہ کا، سہل بن حنیف کو شام کا اور قیس بن سعد کو مصر کا صوبہ دار مقرر فرما کر ان مناصب سے سرفراز فرمایا۔ والی کوفہ ابوموسی اشعری کو مالک اشتر کے اصرار پر انکے عہدے پر بحال رکھا۔[3]

معاویہ کی برطرفی

جیسا کہ اوپر بیان کیا جا چکا ہے کہ عثمان کے حکام وعمال کو برطرف کرنے کا مقصد یہ تھا کہ حضرت علی علیہ السلام چاہتے تھے کہ تباہی و فسادکاری کے خلاف محاذ قائم کر کے اجتماعی عدل وانصاف کی بنیادوں کو محکم واستوار کریں اور آپؑ چونکہ معاویہ کے نظر وفکر و کارکردگی سے بخوبی واقف تھے اسی لئے انہوں نے اس بات کی مخالفت کی کہ وہ حکومت کے کسی منصب پر برقرار رہے اگر چہ ان علیہ السلام کے چچازاد بھائی ابن عباس نے معاویہ کی سفارش بھی کی کہ انہیں مختصر عرصے کے لئے ہی سہی اس کے عہدے پر بحال رکھا جائے لیکن حضرت علی علیہ السلام نے اس سفارش کو بھی قبول نہیں فرمایا۔

جب مغیرہ کی یہ کارگر نہ ہوئی کہ سابقہ حکام کو ان کے عہدوں پر بحال رکھا جائے تو انہوں نے حضرت علی علیہ السلام سے کہا کہ معاویہ کو شام کی صوبہ داری سے معزول نہ کیجئے کیونکہ وہ گستاخ ہے اور شام کے لوگوں اسی کے مطیع وفرمانبردار ہیں عمر نے اسے چونکہ شام کا گورنر مقرر کیا تھا لہٰذا آپ کے پاس بہانہ ہے۔ اس پر حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: خدا کی قسم میں اسے دو روز بھی کسی عہدے پر بحال نہ رکھوں گا[4]

---

[1] واللہ لا اداہن فی دینی۔ مروج الذہب ج2/ 355-354، کامل ابن اثیر ج3/ 197- تاریخ طبری ج4/ 440

[2] نہج البلاغہ مکتوب 62

[3] تاریخ یعقوبی ج2/ 179

[4] لا واللہ لا استعمل معاویۃ یومین ابداً کامل ابن اثیر ج3/ 197، مروج الذہب ج2/ 256، تاریخ طبری ج4/ 441

جس وقت عباس کو مغیرہ کی تجویز کے بارے میں اطلاع ہوئی تو انہوں نے بھی امیر لمومنین علی علیہ السلام کی خدمت میں یہی عرض کی کہ مجھے اس بات سے اتفاق نہیں کہ فی الحال آپ معاویہ کو اس کے منصب سے معزول کریں جس وقت وہ آپ کے دست مبارک پر بیعت کریں گے اور آپ کا کام استحکام پذیر ہو جائے اس کے بعد آپ اسے برطرف کیجئے اس پر حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: خدا کی قسم تلوار کے علاوہ میں اسے کوئی اور چیز نہ دوں گا۔[1]

حضرت علی علیہ السلام نے جو یہ روش اختیار کی اس کے بارے میں ان چند نکات کا بیان کر دینا ضروری ہے۔

امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام بخوبی واقف تھے کہ معاویہ کسی بھی صورت میں ان کے دست مبارک پر ہرگز بیعت نہ کرے گا اور آپ کا حکم نہ مانے گا کیونکہ جذبہ اقتدار پسندی و زراندوزی کے علاوہ قبائلی تعصب اور وہ دیرینہ دشمنی جو اس کے دل میں حضرت علی علیہ السلام کے خلاف تھی اس راہ میں مانع و حائل تھی کہ وہ حضرت علی علیہ السلام کی حکومت کے نمایندے کی حیثیت سے کوئی خدمت انجام دے اور امر واقعی یہ ہے کہ حضرت علی علیہ السلام اور معاویہ کے جذبہ کارگردگی و مقاصد کے درمیان متضاد تطبیق کا فاصلہ تھا اور اسی کے باعث دونوں کے مابین باہمی تعاون کا امکان نہ تھا۔

اگر حضرت علی علیہ السلام نے کوئی ایسا فرمان جاری کر دیا ہوتا جس سے اس بات کی تائید ہوتی کہ وہ شام کی صوبہ داری پر بحال رہے تو اس بات کا امکان تھا کہ معاویہ اس فرمان کا فائدہ اٹھا کر اسے اپنی فرمانروائی کا پروانہ تصور کرتا ہے اور اس طرح اسے شام میں پہلے سے کہیں زیادہ قدم جمانے کا موقع مل جاتا۔

معاویہ جیسے استبداد پسند عمال اور دیگر مفسد کارندوں کی عملہ خلافت میں موجودگی ایسے عوامل تھے جن کے باعث مسلمین کے درمیان رنجش پیدا ہوئی اور انہوں نے عثمان کے خلاف بغاوت کر دی امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کی حکومت چونکہ حقوق سے محروم وستمدیدہ طبقات کی پناہگاہ تھی اسی لئے اگر اس میں معاویہ جیسے لوگ برسر اقتدار رہتے تو اس بات کا امکان تھا کہ عوام میں دوبارہ غم وغصہ پیدا ہو جائے اور وہ اکثریت جو حضرت علی علیہ السلام کی طرفدار تھی اسے امیر المومنین علیہ السلام کی ذات اور اس حکومت سے جس کی آیندہ تشکیل کرتے مایوسی ہوتی چنانچہ ان کے اور اس اقلیت کی درمیان جو حضرت علی علیہ السلام کی شخصیت کو بہر حال حجت تسلیم کرتے تھی اختلاف پیدا ہو جاتا۔

مذکورہ بالا دلائل نیز پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول یہ روایت کہ فرزندان امیہ پر حکومت حرام ہے ایسے عوامل تھے جن کے باعث حضرت علی علیہ السلام نے معاویہ کو خط لکھ کر مطلع کیا کہ اسے اس عہدے سے برطرف کر کے اس کی جگہ سہل بن حنیف کو شام کا صوبہ دار مقرر کیا جاتا ہے۔[2]

مساوی حقوق کی ضمانت

جیسا کہ ہم جانتے ہیں کہ اسلام نے دور جاہلیت کے امتیازی سلوک کو قطعی طور پر باطل قرار دیا ہے مگر پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت کے بعد عہد جاہلیت کی اس رسم کا بتدریج رواج ہونے لگا اور عثمان کے زمانہ خلافت میں اسے مزید فروغ ملا۔

---

[1] لا واللہ لا اعطیہ الا السیف، کامل ابن اثیر ج3 / 197 تاریخ طبری ج4 / 444

[2] مذکورہ خط کا متن ان کتابوں میں ملاحظہ ہو: شرح ابن ابی الحدید ج1 / 230 تاریخ التواریخ ج1 / 38، انساب الاشراف بلاذری ج2 / 211 در سیرہ ائمہ اثنی عشری ج1 / 442

حضرت علی علیہ السلام نے زمام حکومت اپنے اختیار میں لینے کے بعد عہد جاہلیت کے تمام امتیازی سلوک کو یکسر ختم کر دیا اور اس بات کی ضمانت دی کہ تمام مسلمانوں کے حقوق مساوی و یکساں ہیں چنانچہ اس بارے میں خود فرماتے ہیں ذلیل (مظلوم وستمدیدہ) اس وقت تک میرے نزدیک عزیز و ارجمند ہے جب تک اس کے حق کو ظالم سے نہ لے لوں اور زورمند (ظالم وستمگر) اس وقت تک میرے نزدیک برا اور ناتواں ہے جب تک مظلوم کا حق اس سے حاصل نہ کر لوں [1]۔

لوٹے ہوئے مال کی واپسی

حضرت علی علیہ السلام نے مالی امور میں بھی واضح و روشن راستہ اختیار کیا اس سلسلے میں آپؑ کے سامنے دو اہم مسئلے تھے پہلا تو یہی کہ عثمان کی خلافت کی زمانہ میں ایک مخصوص گروہ نے بہت دولت جمع کی تھی دوسرا مسئلہ بیت المال کی تقسیم تھا۔

حضرت علی علیہ السلام نے آغاز خلافت میں جو خطبات دیئے ان میں اپنی آیندہ کی راہ وروش کو واضح و روشن کر دیا ہے چنانچہ ایک خطبے میں فرماتے ہیں وہ اراضی جو عثمان نے مخصوص افراد کو دیدی ہے اور وہ ثروت جو اس (عثمان) نے اپنے قرابت داروں میں تقسیم کر دی ہے اسے بیت المال میں واپس لا کر جمع کریں گے۔ اس کے ساتھ ہی آپ نے عوام کو یہ یقین دلایا کہ بیت المال کی تقسیم میں مساوات سے کام لینگے۔

امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام نے اپنے خطبے کے ایک حصے میں یہ بھی فرمایا تھا کہ:

میں بھی تم میں سے ایک فرد ہوں اور اور سود و زیاں میں تمہارے ساتھ شریک ہوں میں تمہاری رہبری سیرت محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مطابق کرنا چاھتا ہوں اور آپؐ کے احکامات کو تم لوگوں کے درمیان نافذ و جاری کروں گا یاد رکھو ہر وہ جاگیر جو عثمان نے کسی کو دی اور جو بھی مال عوامی ملکیت میں سے کسی کو بخشا تھا وہ واپس بیت المال میں لایا جائے گا اس میں خواہ وہ رقم شامل ہو جس سے خواتین کو مہر ادا کیا گیا ہو اور خواہ اس سے کنیزیں خریدیں گئیں ہوں کیونکہ عدالت کا دروازہ وسیع ہے اور جس پر عدل و انصاف تنگ ہو گیا ہو اس پر جور و ستم کا میدان اس سے کہیں زیادہ تنگ کر دیا جائے گا۔[2]

اپنے دوسرے خطبے میں آپؐ نے فرمایا تھا کہ ---...لوگو یاد رکھو تم میں سے جس کو دنیا نے نگل لیا ہے اور جنہوں نے املاک و کاشت کی زمین جمع کر لی ہے جن میں انہوں نے نہریں جاری کر دی ہیں سواری کیلئے تیز رفتار گھوڑے حاصل کر لئے ہیں اور اپنے لئے خوبصورت کنیزیں خرید کر لیں ہیں انہوں نے اپنے اس رنگ وڈھنگ سے رسوائی و بدنامی مول لی ہے انھیں میں اس لہولعب سے جس میں وہ غوطہ زن ہیں اگر نجات دلانا چاہوں اور تسلیم شدہ حق کے کنارے پر انھیں لانا چاہتا ہوں تو وہ میرے اس عمل پر غضبناک نہ ہوں اور یہ نہ کہیں کہ ابی طالب کے فرزند نے ہمیں ہمارے حقوق سے محروم کر دیا ہے...---

تم سب ہی بندگان خدا ہو اور بیت المال بھی خدا کا ہی مال ہے یہ تم میں مساوی طور پر تقسیم کیا جائے گا...

اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ میرے پاس بیت المال کا کچھ حصہ موجود ہے تم سب میرے پاس آ کر اپنا حصہ لے لو چاہے

---

[1] الذلیل عندی عزیز حتی آخذ الحق له، والقوی عندی ضعیف حتی آخذ الحق منه- نهج البلاغه خ 37

[2] ثورۃ الحسین علیہ السلام للمہدی شمس الدین 57، شرح ابن ابی الحدید ج 1 / 269، نہج البلاغہ خ 15 (یہ قول مختصر ترمیم کے ساتھ نقل کیا گیا ہے)، شرح ابن ابی الحدید ج 7 / 37

عرب ہو یا عجم وظیفہ دار ہو یا غیر وظیفہ دار۔[1]

اس طرح حضرت علی علیہ السلام نے نہایت تیزی کے ساتھ قطعی طور پر ناروا عصبیت اور امتیازات کا خاتمہ کر دیا۔ حضرت علی علیہ السلام نے اپنے ایک اقدام سے اس جماعت کے اثر ورسوخ کا قلع قمع کر دیا جو عثمان کی خلافت کے دوران ابھری تھی عثمان نے انھیں کثیر مال ودولت اور جاگیر سے نواز تھا حضرت علی علیہ السلام نے اس مال وجاگیر کو بیت المال میں جمع کر دیا۔[2]

بدعنوانیوں میں ملوث دولتمندوں کی رخنہ اندازی

بیت المال کی مساویانہ تقسیم کے باعث محرومین اور مستضعفین کو جس قدر خوشی ومسرت ہوئی اتنا ہی صدمہ ان چند مغرور افراد کو پہنچا جنہیں جاہ طلبی کی ہوا وہوس تھی۔ انہیں چند سال میں چونکہ جور وستم کر کے کئی گنا زیادہ تنخواہیں نیز وظائف لینے کی عادت ہوگئی تھی اس لئے حضرت علی علیہ السلام کی مساویانہ روش تقسیم مال سے جب وہ دوچار ہوئے تو انہیں سخت پریشانی ہوئی۔

ایک روز ولید بن عقبہ اس جماعت کے نمایندے کی حیثیت سے حضرت علی علیہ السلام کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ اے ابوالحسن اگرچہ ہم (بنی عبد مناف) بھی آپ کے بھائیوں میں سے اور آپ جیسے ہی ہیں لیکن آپ نے تو ہم پر ظلم وستم ہی بپا کر دیا ہم اس شرط پر آپ کی بیعت کرنے کو تیار ہیں کہ وہ مال ومتاع جو ہم نے عثمان کے عہد خلافت میں جمع کیا ہے وہ آپ ہم سے واپس نہ لیں اور ان کے قاتلوں کو ہلاک کر دیں لیکن ہمارے مفادات کو کوئی خطرہ ہوا اور آپ کے رویے سے ہم خوفزدہ ہوئے تو ہم آپ سے علیحدہ ہو کر شام کی جانب کوچ کر جائیں گے۔

یہ سن کر حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا کہ: تم جو یہ کہہ رہے ہو کہ میں نے ظلم وستم کیا ہے (اور میرے اس اقدام کو ظلم وستم سے تعبیر کیا جاسکتا ہے) تو یہ ظلم حق وانصاف کی جانب سے ہوا ہے اور یہ کہ وہ مال جو تمہارے پاس ہے اسے میں نظر انداز کر دوں تو میں ایسا نہیں کر سکتا کیونکہ حق خدا کو پائمال ہوتے ہوئے دیکھ کر میں چشم پوشی نہیں کر سکتا اب یہ مال خواہ تمہارے چنگل میں ہو یا کسی اور شخص کے۔[3]

جب اس جماعت کے سردار کو یقین ہوگیا کہ وہ گفتگو یا دھمکی کے ذریعے اپنا مدعی حاصل نہیں کر سکتے تو انہوں نے اپنی پوری قوت سے حضرت علی علیہ السلام کی قائم کردہ نوبنیاد حکومت کی بیخ کنی شروع کر دی اور اس کے خلاف برسرپیکار ہوگئے۔

اس بارے میں عمرو بن عاص نے معاویہ کو لکھا تھا کہ جو بھی فیصلہ کیا ہے اس پر جلد ہی عمل کیجئے کیونکہ جس طرح لکڑی کے اوپر سے چھال اتار لی جاتی ہے ابی طالب کا فرزند اسی طرح اس مال ودولت کو جو تمہارے پاس ہے، تمہارے تن سے اتروائے گا۔[4]

---

[1] اس واقعے کی تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو مروج الذہب ج2 / 253، شرح نہج البلاغہ خوئی ج3 / 215

[2] شرح ابن ابی الحدید ج1 / 270 فی ظلال نہج البلاغہ ج1 / 130، شرح نہج البلاغہ بحرانی ج1 / 29 اور سیرہ الائمہ مصنفہ علامہ سید محسن امین ج1 / جزء دوم / 11

[3] شرح ابن ابی الحدید ج7 / 39-38

[4] --ما کنت صانعاً فاصنع اذ قشرك ابن ابی طالب من کل مال تملکه کما تقشر عن العصا لحاھا۔ -شرح ابن ابی الحدید ج1 / 270، شرح نہج البلاغہ خوئی ج3 / 215، الغدیر ج7 / 288

سوالات

1 حضرت علی علیہ السلام کے دست مبارک پر عوام نے کس طرح بیعت کی مختصر طور پر وضاحت کیجئے؟
2 کیا کچھ لوگوں نے حضرت علی علیہ السلام کے دست مبارک پر بیعت کرنے سے کنارہ کشی کی؟ اگر ایسا کیا تو کیوں؟
3 جب عوام نے حضرت علی علیہ السلام کے دست مبارک پر بیعت کی تو قریش کیوں مضطرب و پریشان ہوئے؟
4 حضرت علی علیہ السلام کے دست مبارک پر بیعت کرنے کی خصوصیات بیان کیجئے؟
5 امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام نے ابتداء میں لوگوں کے اصرار کے باوجود کیوں خلافت کی زمامداری قبول کرنے سے مثبت جواب نہیں دیا؟
6 جب حضرت علی علیہ السلام نے خلافت کی زمامداری قبول فرمائی تو آپ کی نظر میں کون سے کام مقدم اور فوری انجام دینے کے تھے؟
7 عثمان کے عہد سے وابستہ حکام کو معزول یا بحال رکھے جانے کے کیا اسباب تھے، اس کے بارے میں حضرت علی علیہ السلام کے نظریات بیان کیجئے؟
8 حضرت علی علیہ السلام کی مالی روش سے مال اندوز لوگ کیوں غضبناک ہوئے اس کا سد باب کرنے کے لئے انہوں نے کیا اقدام کیا؟

چھٹا سبق

خلافت ظاہری سے شہادت تک

ناکثین (حکومت علی علیہ السلام کی مخالفت) حضرت علی علیہ السلام نے ایک خطبے میں حکومت کے مخالفین کو تین گروہوں میں تقسیم کیا ہے۔ [1] -وہ یہ ہیں:

اصحاب جمل: جنہیں آپؑ نے ناکثین کے نام سے یاد کیا ہے۔

اصحاب صفین: انہیں آپؑ نے قاسطین کہا ہے اور

اصحاب نہروان: (خوارج - جو مارقین کہلائے ہیں)

ناکثین کی ذہنی کیفیت یہ تھی کہ وہ انتہائی لالچی زر پرست اور امتیازی سلوک روا رکھنے کے طرفدار تھے۔ چنانچہ حضرت علی علیہ السلام نے جہاں کہیں عدل و مساوات کا ذکر کیا ہے وہاں آپؑ کی توجہ بیشتر اسی گروہ کی جانب رہی ہے۔

--قاسطین-- کا تعلق --طلقائی [2] -- کے فرقہ سے تھا اس گروہ کی تشکیل میں بعض فراری، بعض حکومت سے ناراض اور عثمان کے کارندے شامل تھے۔ یہ لوگ ذہنی طور پر حیلہ گر اور نفاق پسند تھے۔ وہ لوگ حضرت علی علیہ السلام کی حکومت کا زوال چاہتے تھے تاکہ حکومت ان کے دست اختیار میں آجائے۔

تیسرے گروہ کی اخلاقی حالت یہ تھی کہ وہ ناروا عصبیت کے قائل تھے، ذہنی خشکی کو تقدس تصور کرتے تھے اور ان کی جہالت خطرناک حد تک پہنچ گئی تھی۔

یہاں ہم اختصار کو مدنظر رکھتے ہوئے ان گروہوں کا تعارف کراتے ہوئے انکی حیثیت کا جائزہ لیں گے اور یہ بتائیں گے کہ ان میں سے ہر گروہ نے حضرت علی علیہ السلام کی حکومت کے خلاف کیا کیا کارگزاریاں کیں۔

ناکثین

طلحہ و زبیر کی عرصہ دراز سے یہ آرزو تھی کہ وہ اس مقام پر پہنچیں جہاں سے عالم اسلام پر حکمرانی کر سکیں۔ عثمان کے قتل کے بعد رائے عامہ حضرت علی علیہ السلام کی جانب اس بنا پر متوجہ ہوگئی کہ انہوں نے آپؑ کو ہی عہدہ خلافت کے لئے شایستہ ترین انسان سمجھا۔ چنانچہ جب وہ لوگ اقتدار سے ناامید ہوگئے تو حضرت علی علیہ السلام کے دست مبارک پر بیعت کرنے کے لئے پیش پیش رہے اور بظاہر سب پر سبقت لے گئے۔

---

[1] نہج البلاغہ خطبہ سوم ملاحظہ ہو جس میں آپؑ فرماتے ہیں: --فلما نہضت بالامر نکثت طائفۃ ومرقت اخری وقسط آخرون --- حضرت علی علیہ السلام سے قبل پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی دشمنان اسلام کے بارے میں پیشین گوئی کر دی تھی۔ چنانچہ حضرت علی علیہ السلام سے آپؐ نے خطاب کرتے ہوئے ان کے یہ نام بیان کئے تھے:
--یاعلی ستقاتل بعدی الناکثون والقاسطین والمارقین-- (شرح ابن ابی الحدید ج1 / 201)

[2] ---طلقاء-- وہ لوگ تھے جو فتح مکہ کے دوران مسلمانوں کے ہاتھوں گرفتار ہوئے تھے لیکن رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سب کو آزاد کر دیا تھا اور فرمایا تھا کہ
--اذھبوا انتم الطلقاء--

حضرت علی علیہ السلام کی بیعت میں سبقت لے جانے کی وجہ یہ تھی کہ وہ چاہتے تھے کہ اپنے اس اقدام سے خلیفہ وقت کو اپنی جانب متوجہ کریں تاکہ اس طریقے سے وہ اپنے مقاصد تک پہنچ سکیں۔لیکن ان کی توقع کے خلاف امیر المومنین علیہ السلام نے انکے ساتھ دیگر تمام مسلمین کی طرح یکساں سلوک روا رکھا اور اس طرح ان کی تمام حسرتوں پر پانی پھر گیا۔

یعقوبی نے لکھا ہے کہ طلحہ اور زبیر امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کے پاس آئے اور کہا کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد ہم سے بہت زیادہ ناانصافی کی گئی ہے، اب آپ ہمیں خلافت کی مشینری میں شریک کر لیجئے۔

اس پر امیر المومنین علی علیہ السلام نے فرمایا: قوت و پایداری میں تو تم میرے ساتھ شریک ہو ہی شدائد اور سختیوں میں بھی تم میرے ساتھ رہو[1]۔حضرت علی علیہ السلام کے اس اقدام سے یہ دونوں حضرات ایسے برگشتہ ہوئے کہ انہوں نے دستگاہ خلافت سے عہد شکنی کا فیصلہ کر لیا اور آخر کا اس کا انجام جنگ --جمل-- کی صورت میں رونما ہوا۔

برگشتگی کا دوسرا عامل یہ تھا کہ امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام نے بیت المال کو تمام مسلمانوں کے درمیان مساوی تقسیم کیا۔ امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کا یہ رویہ طلحہ اور زبیر کے لئے ناقابل برداشت تھا۔انہوں نے زبان اعتراض دراز کی اور بیت المال میں سے اپنا حصہ بھی نہیں لیا۔

حضرت علی علیہ السلام نے انہیں اپنے پاس بلایا اور فرمایا: کیا تم میرے پاس اس مقصد کے لئے نہیں آئے تھے کہ زمام خلافت کو میں اپنے دست اختیار میں لے لوں درحالیکہ مجھے اس کا قبول کرنا ناپسند تھا؟ کیا تم نے اپنی مرضی سے میرے ہاتھ پر بیعت نہیں کی؟ اس پر انہوں نے جواب دیا کہ: ہاں اس میں ہماری مرضی شامل تھی۔یہ سن کر حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا تو تم نے مجھ میں کون سی بات دیکھی جو اعتراض شروع کر دیا اور میری مخالفت پر اتر آئے؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہم نے اس امید پر بیعت کی تھی کہ خلافت کے اہم امور میں آپ کے مشیر رہیں گے۔اب دیکھتے ہیں کہ آپ نے ہمارے مشورے کے بغیر بیت المال کو مساوی تقسیم کر دیا... جو چیز ہماری رنجیدگی کا سبب ہوئی ہے وہ یہ ہے کہ آپ عمر کی روش کے خلاف جا رہے ہیں وہ بیت المال کی تقسیم میں لوگوں کے سابقہ کارناموں کو ملحوظ خاطر رکھتے تھے۔لیکن آپ نے اس امتیاز سے چشم پوشی کی جو ہمیں حاصل ہے آپ نے ہمیں دیگر مسلمانوں کے برابر سمجھا ہے جب کہ یہ مال ہماری جانبازی کے ذریعے شمشیر کے بل پر حاصل ہوا ہے۔

یہ سن کر حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: امور خلافت میں جہاں تک مسئلہ مشورت کی بات ہے تو مجھے خلافت کی کب چاہ تھی اس کی جانب آنے کی تم نے ہی مجھے دعوت دی تھی مجھے چونکہ مسلمانوں کے باہمی اختلافات اور ان کے منتشر ہو جانے کا خوف تھا اسی لئے اس ذمہ داری کو قبول کر لیا جب بھی کوئی مسئلہ میرے سامنے آیا تو میں نے حکم خدا کو اور سنت پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جانب رجوع کیا اور اس کا حل تلاش کر لیا۔اسی لئے اس معاملے میں مجھے تمہارے مشورے کی ضرورت پیش نہ آئی۔البتہ اگر کسی روز ایسا معاملہ پیش آیا جس کا حل قرآن اور سنت پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعے نہ نکل سکے تو مجھے تمہارے مشورے کی ضرورت محسوس ہوگی، تو تم سے ضرور مشورہ کروں گا۔

رہا بیت المال کا مسئلہ تو یہ بھی میری اپنی خصوصی روش نہیں، رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں میں نے دیکھا ہے کہ آپ بیت المال کو مساوی تقسیم کیا کرتے تھے۔اس کے علاوہ اس مسئلے کے بارے میں بھی قرآن نے حکم دیا ہے کہ یہ کتاب اللہ آپ کے سامنے ہے

[1] تاریخ یعقوبی ج2/180-179---انتما شریکای فی القوۃ والاستقامۃ عونای ای علی العجز الاود--

اس میں کوئی غلط بات درج نہیں ہے یہ کتاب ہمیں مساوات و برابری کی دعوت دیتی ہے اور اس نے ہر قسم کے امتیازی سلوک کو باطل قرار دیا ہے۔ یہ کہنا کہ بیت المال آپ کی شمشیر کے زور پر ہاتھ آیا ہے تو اس سے پہلے بھی ایسے لوگ گذرے ہیں جنہوں نے جان و مال سے اسلام کی مدد کی ہے۔ لیکن رسول خدا ﷺ نے بیت المال کی تقسیم میں کسی کے ساتھ امتیازی سولک روا نہ رکھا۔[1]

طبری لکھتا ہے کہ: جب طلحہ ہر قسم کے امتیازی سلوک سے مایوس و ناامید ہو گیا تو اس نے یہ مثل کہی: ہمیں اس عمل سے اتنا ہی ملا ہے جتنا کتے کو سونگھنے سے ملتا ہے۔[2]

ایک طرف تو طلحہ اور زبیر اس بات سے مایوس و ناامید ہو گئے کہ انہیں کوئی مقام و مرتبہ ملے گا اور ان کے ساتھ امتیازی سلوک روا رکھا جائے گا اور دوسری طرف انہیں یہ اطلاع ملی کہ عائشہ ؓ نے حضرت علی علیہ السلام کے خلاف مکہ میں پرچم لہرا دیا ہے۔ چنانچہ انہوں نے فیصلہ کیا کہ مکہ کی جانب روانہ ہوں اسی لئے حضرت علی علیہ السلام کے پاس آئے اور کہا کہ ہم عمرہ کی غرض سے آپ کی اجازت کے خواہاں ہیں۔

ان کے جانے کے بعد حضرت علی علیہ السلام نے اپنے دوستوں سے فرمایا کہ: خدا کی قسم ان کا ارادہ ہرگز عمرہ کا نہیں بلکہ ان کا مقصد عہد شکنی اور خیانت ہے۔[3]

موقف میں تبدیلی

عائشہ ؓ کو پہلے دو خلفاء کے دور میں جو مراعات حاصل تھیں ان سے وہ عثمان کے عہد آخر خلافت میں محروم کر دی گئیں چونکہ وہ ان کی حکومت سے عاجز و پریشان تھیں اسی لئے انہوں نے عثمان کے خلاف پرچم شورش لہرا دیا نیز زور بیان اور اپنی رفتار کے ذریعے اس نے مسلمانوں کو خلیفہ وقت کے خلاف شورش و سرکشی کی دعوت دی۔[4]

شعلہ شورش کو ہوا دینے کے باعث وہ خود کو اپنے مقصد میں کامیاب محسوس کر رہی تھی اس لئے وہ مکہ کی جانب روانہ ہو گئیں اور ہر لحہ عثمان کے قتل نیز مسلمین کا طلحہ کے ہاتھ پر بیعت کرنے کا انتظار کرنے لگیں۔

جس وقت عثمان کے قتل کی خبر انہیں ملی تو انہوں نے کہا کہ: خدا اس کو غارت کرے اپنے ان کرتوتوں سے ہی تو مارا گیا، خداوند تعالیٰ اپنے بندوں پر ظلم نہیں کیا کرتا۔[5] عثمان کے قتل کے بعد انہوں نے مسلمانوں سے کہا کہ وہ عثمان کے مارے جانے کے باعث پریشان خاطر نہ ہوں اگر وہ مارے گئے تو کیا ہوا مقام خلافت کے لئے بہترین اور لائق ترین شخص طلحہ تو تمہارے درمیان موجود ہیں ان کے ہاتھ پر بیعت کرو اور تفرقہ سے دور رہو۔

اپنے اس بیان کے بعد وہ بڑی تیزی سے مدینہ کی جانب روانہ ہوئیں انہیں اطمینان تھا کہ عثمان کے بعد منصب خلافت طلحہ کے ہاتھ آ جائے گا، اسی لئے راستے میں خود ہی گنگنا رہی تھی کہ: میں گویا اپنی آنکھوں سے دیکھ رہی ہوں کہ لوگ طلحہ کے ہاتھ پر بیعت کر رہے ہیں

---

[1] شرح ابن ابی الحدید ج7/ 42-40

[2] مالنا من هذا الامر الا كحسة انف الكلب (تاریخ طبری ج4/ 429)

[3] والله ما ارادا العمرة ولكنهما ارادا الغدرة (تاریخ یعقوبی ج2/ 180)

[4] عثمان کے خلاف عائشہ ؓ کے اقوال و اقدامات کے لئے ملاحظہ ہو (الغدیر ج9/ 86-77)

[5] أبعده الله بما قدمت يداه وما الله بظلام للعبيد--- الغدير ج 83/9

میری سواری کو تیز ہانکو تا کہ میں ان تک پہنچ جاؤں۔[1]

عبید بن ام کلاب مدینہ سے واپس آ رہے تھے راستے میں ان سے ملاقات ہوگئی، انہوں نے مدینہ کی حالت ان سے دریافت کی عبید نے ان سے کہا کہ عوام نے عثمان کو قتل کر دیا، آٹھ روز تک وہ یہ فیصلہ نہ کر سکے کہ کیا کریں۔ عائشہ ہ نے دریافت کیا کہ اس کے بعد کیا ہوا؟ انہوں نے کہا کہ: الحمد للہ کام بحسن وخوبی تمام ہوا اور مسلمانوں نے ایک دل اور ایک زبان ہوکر علی علیہ السلام بن ابی طالب علیہ السلام کو منتخب کر لیا۔ عائشہ ہ نے یہ خبر سننے کے بعد کہا خدا کی قسم اگر خلافت کا فیصلہ علی علیہ السلام کے حق میں ہوا ہے تو اب آسمان زیر وزبر ہو جائیں گے مجھے یہاں سے واپس لے چلو فوراً مجھے یہاں سے لے چلو[2]

چنانچہ وہ وہیں سے مکہ کی جانب روانہ ہوگئیں لیکن اب انہوں نے اپنا نظریہ بدل دیا تھا اور یہ کہہ رہی تھیں کہ: عثمان بے گناہ مارا گیا میں اس کے خون کا بدلہ لینے کے لئے سرکشی کروں گی۔ عبید نے ان سے کہا کہ ان کے خون کا مطالبہ تم کیسے کرسکتی ہو کیونکہ وہ تم ہی تو ہو جس نے سب سے پہلے عثمان کے قتل کیئے جانے کی تجویز پیش کی اور تم ہی تو کہا کرتی تھیں کہ۔۔نعثل ۔۔کو قتل کردو کیونکہ وہ کافر ہوگیا ہے اور آج تم ہی انہیں مظلوم و بے گناہ کہہ رہی ہو۔

عائشہ ہ نے کہا کہ ہاں عثمان ایسا ہی تھا لیکن اس نے توبہ کرلی تھی اور لوگوں نے ان کی توبہ کی طرف سے بے اعتنائی کی اور انہیں قتل کر دیا اس کے علاوہ میں نے کل جو کچھ کہا تھا تمہیں اس سے کیا سروکار؟ میں آج جو کہہ رہی ہوں تم اسے مانو کیونکہ میری آج کی بات کل سے بہتر ہے۔[3]

مکہ پہنچنے کے بعد عائشہ ہ مسجد الحرام کے سامنے محمل سے اتریں اور پوری ستر پوشی کے ساتھ وہ حجر الاسود کے جانب روانہ ہوئیں، لوگ ان کے چاروں طرف جمع ہو گئے، عائشہ ہ نے ان کے سامنے تقریر کی اور کہا کہ عثمان کا خون ناحق ہوا ہے، انہوں نے اہل مدینہ اور دوسرے لوگوں کے جذبات کو ان کے خلاف جنہوں نے عثمان کے قتل میں حصہ لیا تھا برافروختہ کیا اور حاضرین سے کہا کہ وہ عثمان کے خون کا بدلہ لیں اور قاتلوں کے خلاف شورش کرنے کی دعوت دی۔[4]

مکہ میں مخالفین کا جمع ہونا

مکہ میں عائشہ ہ نے جیسے ہی حضرت علی علیہ السلام کے خلاف پرچم لہرا دیا آپ کے مخالفین ہر طرف سے ان سے گرد جمع ہو گئے۔ طلحہ و زبیر بھی حضرت علی علیہ السلام سے عہد شکنی کر کے ان کے ہمنوا ہو گئے دوسری طرف بنی امیہ حضرت علی علیہ السلام کے ایک زمانے سے دشمن چلے آ رہے

---

[1] الغدیر ج9 / 82 ابومخنف لوط بن یحیی الازدی سے منقول

[2] کامل ابن اثیر ج3 / 206 تاریخ طبری ج4 / 448- الغدیر ج9 / 82 / 80 انساب الاشراف ج2 / 217-

[3] عبید نے عائشہ ہ کے جواب میں یہ اشعار پڑھے:

فمنك البدء ومنك الغير ومنك الرياح ومنك المطر و انت امرت بقتل الامام و قلت لنا انه قد كفر فهبنا اطعناك في قتله و قاتله عندنا من امر

الامامۃ والسیاسۃ ج1 / 51- تاریخ طبری ج4 / 459- 458 یعنی ان اختلاف کا سرچشمہ اور تغیرات کا باعث تم ہی تو ہو تمہاری وجہ سے سخت طوفان اور فتنے برپا ہوئے تم نے ہی عثمان کے قتل کا حکم دیا اور کہا کہ وہ کافر ہوگیا ہے اب بالفرض ہم نے تمہاری اطاعت کی خاطر اس قتل میں حصہ لیا اصل قاتل وہ ہے جس نے اس قتل کا حکم دیا۔

[4] تاریخ طبری ج4 / 448- کامل ابن اثیر ج3 / 207- انساب الاشراف بلاذری ج2 / 218

تھے اور کسی مناسب موقع کی تلاش میں تھے اور عثمان کے قتل کے بعد وہ مدینہ سے فرار کرے چونکہ مکہ پہنچ گئے تھے اس لئے وہ بھی عائشہ کے زیر پرچم آ گئے۔اس طرح عثمان کے زمانے کے وہ تمام والی وصوبہ دار جنہیں حضرت علی علیہ السلام نے معزول کر دیا تھا وہ سب عائشہ کے ساتھ ہو گئے مختصر یہ کہ وہ تمام مخالف گروہ جنہیں حضرت علی علیہ السلام سے پرخاش تھی مکہ میں جمع ہو گئے اور اس طرح ناکثین کی تحریک کا اصل بیج یہاں بو یا گیا، مخالف گروہوں کے سردار عائشہ کے گھر میں جلسات کی تشکیل کر کے شورش و سرکشی کی طرح اندازی پر بحث و گفتگو کرتے۔

عائشہ نے کہا کہ: اے لوگو یہ عظیم حادثہ ہے جو رونما ہوا ہے اور جو واقعہ رونما ہوا ہے وہ قطعی ناپسندیدہ ہے، اٹھو اور اپنے مصری بھائیو سے مدد طلب کر و شام کے لوگ بھی تمہارا ساتھ دیں گے، شاید اس طرح خداوند تعالیٰ عثمان اور دیگر مسلمانوں کا بدلہ دشمنوں سے لے۔

طلحہ و زبیر نے بھی اپنی تقاریر کے دوران عائشہ کی حضرت علی علیہ السلام کے خلاف جنگ کرنے میں حوصلہ افزائی کی اور کہا کہ وہ مدینہ سے رخصت ہو کر ان کے ساتھ چلیں۔جب انہوں نے عائشہ کے جنگ میں شریک ہونے کی رضامندی حاصل کر لی اور عائشہ نے بھی اس تحریک کی قیادت سنبھال لی تو یہ گروہ عمر کی دختر اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زوجہ حفصہ کی جانب گئے، انہوں نے کہا کہ مجھے عائشہ سے اتفاق رائے ہے اور میں ان کی تابع ہوں اگر چہ انہوں نے یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ عائشہ کے ہمراہ چلیں مگر ان کے بھائی عبداللہ اس روانگی میں مانع ہوئے۔[1]

سپاہ کے اخراجات

عثمان نے جو رقم اپنے رشتہ داروں میں تقسیم کر دی تھی اور وہ کثیر دولت جو ان کے پرداروں کے ہاتھ آئی تھی وہ سب اسی مقصد کے لئے استعمال کی گئی چنانچہ بصرہ کے معزول گورنر عبداللہ بن عامر اور عثمان کے ماموں زاد بھائی نے سب سے پہلے عائشہ کی دعوت کو قبول کیا اور اپنا بہت سا مال انہیں دے دیا۔عثمان کا معزول کردہ یمن کا گورنر یعلی بن امیہ نے بھی اپنی کثیر دولت جس میں چھ ہزار درہم اور چھ سو اونٹ شامل تھے اس فتنہ پرور لشکر کے حوالے کر دیئے۔[2] اور اس لشکر ناکثین کے اخراجات فراہم کئے۔

عراق کی جانب روانگی

--ناکثین--کی سعی و کوشش سے مسلح لشکر فراہم ہو گیا، سرداران سپاہ نے اس بات پر غور کرنے کے لئے کہ جنگی کاروائی کہاں سے شروع کی جائے آپس میں مشورہ کیا اور انہوں نے یہ فیصلہ کیا کہ عراق کی جانب روانہ ہوں اور کوفہ و بصرہ جیسے دو عظیم شہروں کے باشندوں سے مدد لیں کیونکہ طلحہ اور زبیر کے بہت سے خیر خواہ وہاں موجود تھے اور اس کے بعد وہاں سے اسلامی حکومت کے مرکز پر حملہ کریں۔اس فیصلہ کے بعد عائشہ کے منادی نے مکہ میں جگہ جگہ اعلان کیا کہ ام المومنین اور طلحہ اور زبیر کا ارادہ بصرہ جانے کا ہے جس کسی کو اسلامی حریت کا پاس ہے اور عثمان کے خون کا بدلہ لینا چاہتا ہے وہ ان کے ساتھ شریک ہو جائے۔جب ہزار آدمی ضروری سامان جنگ کے ساتھ جمع ہو گئے تو انہوں نے مکہ سے عراق کی جانب کوچ کیا راستے میں ان کے ساتھ بہت سے لوگ شامل ہونے لگے یہاں تک کہ ان کی تعداد تین ہزار تک

---

[1] تاریخ طبری ج 4/ 452

[2] تاریخ طبری ج 4/ 451-ابن اثیر ج 3/ 208-تاریخ یعقوبی ج 2/ 181 لیکن طبری کی تاریخ ج 4/ 450و451 پر یعلی بن امیہ کے اونٹوں کی تعداد چھ ہزار چھ سو لکھی ہے۔

کامل ابن اثیر 3/ 208 تاریخ یعقوبی 2/ 181

پہنچ گئی۔[1]

عائشہ اپنے مخصوص --عسکر-- نامی شتر پر لشکر کے سپاہ کے پیش پیش تھی اور اُمیہ ان کے اطراف میں چل رہے تھے اور سب کا ارادہ بصرہ پہنچنا تھا۔

راہ میں جو حادثات رونما ہوئے ان میں سے ہم یہاں ایک کے بیان پر ہی اکتفا کرتے ہیں۔ راستے میں انہیں جہاں پہلی جگہ پانی نظر آیا وہاں ان پر کتوں نے بھونکنا اور بھبکنا شروع کر دیا، عائشہ نے دریافت کیا کہ یہ کونسی جگہ ہے انہیں بتایا گیا کہ یہ --حوا ب-- ہے۔ یہ سن کر عائشہ کو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وہ حدیث یاد آگئی جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ پیشن گوئی کی تھی کہ حواب کے کتے ازواج مطہرات میں سے ایک پر غرائیں گے اور انہیں اس سفر سے باز رہنے کے لئے فرمایا تھا[2]۔ عائشہ اس حادثے سے پریشان ہو گئیں اور فرمایا --انا للہ وانا الیہ راجعون-- میں وہی زوجہ ہوں جنہیں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے مستقبل کے بارے میں آگاہ کر دیا تھا اور فوراً ہی واپس چلے جانے کا فیصلہ کیا۔ لیکن طلحہ وزبیر نے جب یہ دیکھا کہ عائشہ جنگ کے خیال کو ترک کیا چاہتی ہیں تو انہیں اپنی آرزوئیں خاک میں ملتی ہوئی نظر آئیں چنانچہ انہوں نے یہ کوشش شروع کر دی کہ عائشہ اپنے فیصلے سے باز رہیں بالآخر جب پچاس آدمیوں نے یہ جعلی گواہی دی کہ یہ جگہ --حواب-- نہیں تو وہ مطمئن ہو گئیں۔[3]

ناکثین کی سپاہ بصرہ کے قریب آ کر رک گئی، عائشہ نے عبداللہ بن عامر کو بصرہ روانہ کیا اور بصرہ کے کچھ بڑے افراد کے نام خط لکھا اور ان کے جواب کا انتظار کرنے لگی۔

سپاہ کی جانب عثمان بن حنیف کے نمایندوں کی روانگی

امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کی جانب سے بصرہ میں مقرر صوبہ دار عثمان بن حنیف کو جب یہ اطلاع ہوئی کہ عائشہ کا لشکر شہر --ابوالاسود دوئلی-- کے گرد نواح میں پہنچ گیا ہے تو انہوں نے --عمران بن حصین-- کو سردار لشکر کے پاس بھیجا تاکہ وہ یہ جان سکیں کہ بصرہ کی جانب آنے کا کیا سبب ومحرک ہے۔ انہوں نے سب سے پہلے عائشہ سے ملاقات کی اور ان سے دریافت کیا کہ بصرہ کی جانب آپ کے آنے کا کیا مقصد ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ عثمان کے خون کا بدلہ اور ان کے قاتلوں سے انتقام لینا۔ طلحہ اور زبیر سے بھی انہوں نے یہی سوال کیا انہوں نے بھی عائشہ کی بات دہرا دی، عثمان بن حنیف نے طلحہ سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ کیا تم نے حضرت علی علیہ السلام کے دست مبارک پر بیعت نہیں کی؟ انہوں نے کہاں ہاں مگر میری بیعت دباؤ کی وجہ سے تھی۔[4]

عثمان بن حنیف کے نمایندگان نے تمام واقعات کی انہیں اطلاع دی عائشہ بھی اپنے لشکر کے ہمراہ --حفر ابوموسی-- نامی جگہ

---

[1] تاریخ طبری 4/ 452-451

[2] اس حدیث کے متن کو مختلف مورخین نے بیان کیا ہے۔ یعقوبی نے ج2/ 181 پر نقل کیا ہے --لاتکونی التی تنبحک کلاب الحواب-- (عائشہ تم ان میں سے نہ ہونا جن پر حواب کے کتے بھونکیں) لیکن ابن اثیر تاریخ ج2/ 210) کامل اور بلاذری نے انساب الاشراف (ج2/ 224) میں اس طرح درج کیا ہے --لیت شعری ایتکن تنبحها کلاب الحواب-- اور ابن ابی الحدید نے ج10/ 310 پر یہی حدیث دوسرے الفاظ کے ساتھ پیش کی ہے۔

[3] مروج الذہب ج3/ 357۔ انساب الاشراف ج2/ 224 الامامۃ والسیاسات ج1/ 60 لیکن یعقوبی نے (ج2/ 181) شہادت دینے والوں کی تعداد چالیس لکھی ہے۔

[4] تاریخ طبری ج4 ص461 کامل ابن اثیر ج3/ 211۔

سے روانہ ہوکر بصرہ میں داخل ہوگئیں اور --مربد-- کو جوکبھی بہت وسیع وکشادہ میدان تھا--لشکر گاہ--قرار دیا- عثمان بن حنیف نے اپنے نمایندگان سے گفتگو کرنے کے بعد فیصلہ کیا کہ جب تک امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کی جانب سے کوئی حکم نامہ نہیں ملتا وہ سپاہ کو قلب شہر میں آنے سے روکیں-[1] چنانچہ انہوں نے حکم دیا کہ لوگ مسلح ہوجائیں اور جامع مسجد میں جمع ہوں- جب لوگ مسجد میں جمع ہوگئے تو قیس نامی شخص نے صوبہ دار بصرہ کی جانب سے ان کے سامنے تقریر کی اور کہا کہ وہ عائشہ ہ کے لشکر کا استقامت و پائیداری سے مقابلہ کریں-[2]

ابن قتیبہ کے قبول کے مطابق خود عثمان بن حنیف اور ان کے ساتھیوں نے بھی اس موقع پر تقریریں کی اور اسی دوران کہا ان دو اشخاص (طلحہ اور زبیر) نے بھی حضرت علی علیہ السلام کے دست مبارک پر بیعت کی تھی مگر یہ بیعت رضائے خداوندی کی خاطر نہ تھی اسی لئے انہوں نے عجلت کی اور چاہا کہ اس سے پہلے کہ بچہ اپنی ماں کا دودھ چھوڑ دے وہ بڑا اور جوان ہوجائے...ان کا خیال ہے کہ انہوں نے دباؤ کی وجہ سے بیعت کی ہے درحالیکہ ان کا شمار قریش کے زورمند لوگوں میں ہوتا ہے اگر چاہتے تو بیعت کرتے...صحیح طریق وہی ہے جو عام لوگوں نے طے کیا ہے اور حضرت علی علیہ السلام کے دست مبارک پر بیعت کی اب آپ لوگ بتائیں کیا رائے ہے؟

یہ سن کر حکیم بن جبلہ عبدی اپنی جگہ سے اٹھے اور کہا کہ ہماری رائے یہ ہے کہ اگر انہوں نے ہم پر حملہ کیا تو ہم بھی جنگ کریں گے اور اگر وہ حملہ کرنے سے باز رہے تو ہم اس کا استقبال کریں گے، اگر چہ مجھے اپنی زندگی بہت عزیز ہے مگر راہ حق میں جان دینے کا مجھے ذرا خوف نہیں- دوسرے لوگوں نے بھی اس رائے کو پسند کیا-[3]

پہلا تصادم

جب عائشہ ہ کا لشکر --مربد-- میں داخل ہوگیا تو بصرہ کے بعض وہ لوگ جو ان کے طرفدار تھے ان کی سپاہ میں شامل ہوگئے ان کے علاوہ بصرہ کے باشندے اور عثمان کے حامی بھی کثیر تعداد میں ان کے گرد جمع ہوگئے- سرداران لشکر کی تقاریر اور عثمان کی تحریک --بدلہ خون-- کے باعث عثمان کے حامی وطرفدار دو گروہوں میں تقسیم ہوگئے ایک گروہ نے عائشہ ہ، طلحہ اور زبیر کے بیانات کی تائید کی اور انہوں نے کہا کہ آپ یہاں عمدہ مقصد کے لئے تشریف لائے ہیں-

لیکن دوسرے گروہ نے ان پر دروغگوئی کا الزام لگایا اور کہا کہ خدا کی قسم تم جو کچھ کہہ رہے ہو وہ سراسر فریب ہے اور جو کچھ تم اپنی زبان سے بیان کررہے ہو وہ ہمارے فہم سے باہر ہے- اس باہمی اختلاف کا نتیجہ یہ ہوا کہ انہوں نے ایک دوسرے پر خاک اچھالنی شروع کردی اور حالات کشیدہ ہوگئے-[4]

سرداران لشکر مروان، عبداللہ بن زبیر اور چند دیگر افراد کے ساتھ صوبہ دار بصرہ کی جانب روانہ ہوئے اور انہوں نے عثمان بن حنیف سے درخواست کی کہ وہ اس جگہ سے چلے جائیں- لیکن انہوں نے ان کی اس درخواست کی پروانہ کی-

عثمان بن حنیف کے لشکر اور جارحین کے درمیان شدید تصادم ہوا جو غروب آفتاب تک جاری رہا- مدافعین کے قتل اور جانبین

---

[1] شرح ابن ابی الحدید ج9/ 313، تاریخ طبری ج4/ 462، 461- کامل ابن اثیر ج3/ 211- الامامۃ والسیاسۃ ج1/ 61 یہ گفتگو اگر چہ بہت مفصل ہے مگر یہاں اس کا خلاصہ دیا گیا ہے-

[2] مربد شہر کے کنارہ پر ایک میدان تھا جہاں منڈی لگتی تھی

[3] تاریخ طبری ج4/ 462

[4] الامامۃ والسیاسۃ ج1/ 61-60

میں سے بہت سے لوگوں کے زخمی ہو جانے کے بعد بعض لوگوں کی مداخلت کے باعث یہ جنگ بند ہوئی اور طرفین کے درمیان عارضی صلح کا عہد نامہ لکھا گیا اس عہد نامہ صلح کی شرایط یہ تھیں کہ:

1 بصرہ کی صوبہ داری و مسجد اور بیت المال حسب سابق عثمان بن حنیف کے اختیار میں رہے گا۔

2 طلحہ اور زبیر نیز ان کے آدمیوں کو یہ آزادی ہے کہ وہ بصرہ میں جہاں بھی چاہیں آ جا سکتے ہیں۔

3 طرفین میں سے کس کو بھی یہ حق حاصل نہیں کہ وہ دوسرے کے لئے کوئی پریشانی پیدا کرے۔

4 یہ عہد نامہ اس وقت تک معتبر ہے جب تک حضرت علی علیہ السلام یہاں تشریف لے آئیں اس کے بعد لوگوں کو صلح یا جنگ کا اختیار ہوگا۔

جب عہد نامے پر دستخط ہو گئے اور طرفین کے درمیان صلح ہوگئی تو عثمان بن حنیف نے اپنے طرفداروں کو حکم دیا کہ وہ اپنا اسلحہ ایک طرف رکھ دیں اور اپنے گھروں کو واپس جائیں۔[1]

دھوکہ و عہد شکنی

لشکروں کے سرداروں نے بصرہ میں قدم جمانے کے بعد یہاں کے قبائل کے سربرآوردہ اشخاص سے ملاقاتیں کرنا شروع کیں اور سبز باغ دکھا کر انہیں بہت سی چیزوں کا لالچ دیا جس کے باعث بہت سے دنیا اور جاہ طلب لوگوں نے ان کی دعوت کو قبول کر لیا۔ طلحہ اور زبیر نے جب اپنا کام مستحکم کر لیا تو وہ اپنے عہد کی پاسداری سے روگرداں ہو گئے۔ چنانچہ صوبہ دار کے گھر پر شبخون مار کر عثمان بن حنیف کو گرفتار کر لیا اور انہیں سخت ایذا پہنچائی، پہلے تو انہیں سخت زدوکوب کیا اور پھر سر، داڑھی اور دونوں ابروں کے بال نوچے اس کے بعد بیت المال پر حملہ کیا وہاں کے چالیس پاسبانوں کو قتل کر کے باقی کو منتشر کر دیا اور خزانے میں جو کچھ مال و متاع موجود تھا اسے لوٹ لیا۔ اس طرح شہر پر جارحین سپاہ کا قبضہ ہو گیا اور جو اہم وحساس مراکز تھے وہ ان کے تحت تصرف گئے۔ جارحین نے مزید رعب جمانے کے لئے ان لوگوں میں سے پچاس افراد کو جنہیں انہوں نے گرفتار کیا تھا عوام کے سامنے انتہائی بے رحمی کے ساتھ وحشیانہ طور پر قتل کر دیا۔[2]

عائشہ نے حکم دیا کہ عثمان بن حنیف کا بھی خاتمہ کر دیا جائے مگر ایک نیک دل خاتون مانع ہوئیں اور انہوں نے کہا کہ عثمان بن حنیف اصحاب پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں سے ہیں۔ رسول خدا کے احترام کا پاس کیجئے اس پر عائشہ نے حکم دیا کہ انہیں قید کر لیا جائے۔[3]

جمل اصغر

حکیم بن جبلہ کا شمار بصرہ کے سربرآوردہ اشخاص میں ہوتا تھا انہیں جس وقت عثمان بن حنیف کی گرفتاری کے واقعے کا علم ہوا تو انہوں نے اپنے طائفہ ۔۔ عبدالقیس ۔۔ کے جنگجو جوانوں کو مسجد میں بلایا اور پر ہیجان تقریر کے بعد تین آور بعض اقوال کے مطابق سات سو افراد کو لے کر حملہ کا اعلان کر دیا اور جارحین سپاہ کے مقابل آ گئے۔ اس جنگ میں جسے جنگ جمل اصغر سے تعبیر کیا گیا ہے حکیم بن جبلہ اور انکے ساتھیوں نے سخت پائمردی سے دشمن کا مقابلہ کیا یہاں تک جس وقت بازار کارزار پورے طور پر گرم تھا جارحین لشکر کے ایک سپاہی نے

---

[1] تاریخ طبری ج4/ 463- کامل ابن اثیر ج3/ 212-213

[2] الجمل للمفید/ 151-150- تاریخ طبری ج4/ 446- کامل ابن اثیر ج3/ 214 مروج الذہب ج2/ 358 شرح ابن ابی الحدید ج9/ 320 الامامۃ والسیاسۃ 1/ 65

[3] مروج الذہب ج2/ 358 شرح ابن ابی الحدید ج9/ 321

حکیم بن جبلہ پر حملہ کر کے ان کا ایک پیر قطع کر دیا انہوں نے اسی حالت میں اس سپاہی پر وار کیا اور اسے مار گرایا وہ اسی طرح ایک پیر سے دشمن سے نبرد آزما ہوتے رہے حملہ کرتے وقت یہ رزمیہ اشعار ان کی زبان پر جاری تھے۔

یا ساق لن تراعی ان معی ذراعی احمی بہا کراعی

اے پیر تو غم مت کر کیونکہ ابھی میرے ہاتھ میرے ساتھ ہیں اور ان سے ہی میں اپنا دفاع کروں گا۔ وہ اسی حالت میں مسلسل جنگ کرتے رہے یہاں تک کہ نقاہت و کمزوری ان پر غالب آ گئی اور شہید ہو گئے۔ ان کے فرزند، بھائی اور دوسرے ساتھی بھی اس جنگ میں قتل ہو گئے۔[1]

حکیم بن جبلہ پر غلبہ پانے کے بعد جارحین لشکر کے سرداروں نے دوبارہ فیصلہ کیا کہ عثمان بن حنیف کو قتل کر دیا جائے مگر انہوں نے کہا کہ تمہیں معلوم ہے کہ میرا بھائی --سہل-- مدینہ کا صوبہ دار ہے اگر تم مجھے قتل کرو گے تو وہ تمہارے عزیز و اقارب کو مدینہ میں نیست و نابود کر دے گا چنانچہ اس بنا پر وہ ان کے قتل سے باز رہے اور انہیں آزاد کر دیا۔[2]

سرداری پر اختلاف

--ناکثین-- کے لشکر سرداران کو جب ابتدائی جنگوں میں فتح و کامرانی حاصل ہوئی اور انہوں نے شہر پر بھی قبضہ کر لیا تو ان میں یہ اختلاف پیدا ہوا کہ سربراہ کسے مقرر کیا جائے ان میں سے ہر شخص کی یہی کوشش تھی کہ فتح کے بعد اولین نماز جو مسجد میں ادا کی جائے اس میں وہی امام جماعت کے فرائض انجام دے یہ باہمی کشمکش اس قدر طولانی ہوئی کہ نزدیک تھا کہ آفتاب طلوع ہو جائے چنانچہ لوگوں نے بلند آواز سے کہنا شروع کیا اے صحابہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم --الصلوۃ الصلوۃ-- لیکن طلحہ و زبیر نے اس کی جانب توجہ نہ کی، عائشے ہ نے مداخلت کی اور حکم دیا کہ ایک روز طلحہ کے فرزند محمد اور دوسرے روز زبیر کے بیٹے عبداللہ امامت کریں گے۔[3]

خبر رسانی

طلحہ اور زبیر نے جب بصرہ پر قبضہ کر لیا تو وہ کارنامے جو انہوں نے انجام دیئے تھے انکی خبر شام کے لوگوں کو بھیجی گئی۔ عائشے ہ نے بھی ان خبروں کی تفاصیل اہل کوفہ کو لکھی اور ان سے کہا کہ حضرت علی علیہ السلام کی بیعت سے دستکش ہو جائیں اور عثمان کے خون کا بدلہ لینے کے ئے اٹھ کھڑے ہوں۔ یمامہ اور مدینہ کے لوگوں کو بھی خط لکھے گئے اور انہیں فتح بصرہ کی اطلاع کے ساتھ یورش و شورش کا مشورہ دیا گیا۔[4]

---

[1] تاریخ طبری ج4 / 268 کامل ابن اثیر 216-215

[2] کامل ابن اثیر ج3 / 216-217- تاریخ طبری ج4 / 471-470 الجمل للمفید/ 252-151

[3] الجمل للمفید 153- کامل ابن اثیر ج3 / 219- تاریخ طبری ج4 / 474- یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ عثمان حنیف کے اس قول کے علامہ مفید نے بصرہ کی ایک خاتون سے نقل کیا ہے۔

[4] مروج الذہب ج2 / 358- الجمل للمفید/ 152- تاریخ یعقوبی ج2 / 181

کامل ابن اثیر ج3 / 220-219- تاریخ طبری ج4 / 472- عائشے ہ نے جو خط مدینہ اور یمامہ کے لوگوں کو لکھا تھا اس کا متن علامہ مفید نے اپنی تالیف --الجمل-- کے صفحہ 160 پر درج کیا ہے۔

سوالات

1 جس وقت امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام نے زمام حکومت سنبھالی تو وہ کون سے گروہ تھے جو آپ کی مخالفت پر اتر آئے؟

2 وہ کون سے عوامل تھے جن کے باعث طلحہ اور زبیر نے امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کے دست مبارک پر بیعت کرنے کے بعد عہد شکنی کی اور مخالفین کی صف میں شامل ہو گئے۔

3 ناکثین کی تحریک کا اصل مرکز کہاں واقع تھا اور اس کی کس طرح تشکیل ہوئی؟

4 عثمان کے قتل سے قبل عائشہ کا کیا موقف تھا اور انہوں نے اسے کیوں اختیار کیا تھا؟

5 جب عثمان قتل ہوئے اور امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام برسر اقتدار آگئے تو عائشہ نے اپنا موقف کیوں تبدیل کر دیا تھا؟

6 جب عثمان بن حنیف کو یہ علم ہوا کہ --ناکثین-- کا لشکر بصرہ کے نزدیک پہنچ گیا ہے تو انہوں نے کیا اقدام کیا؟

7 حضرت علی علیہ السلام کے لشکر کے بصرہ پہنچنے سے قبل وہاں کیا کیفیت طاری تھی اس کا مختصر حال بیان کیجئے؟

ساتواں سبق

خلافت ظاہری سے شہادت تک 3

حضرت علی علیہ السلام کی بصرہ کی جانب روانگی امیر المومنین علیہ السلام کی حکومت کے مخالفوں کا وجود میں آنا ان کے درمیان اتحاد والفت اور ان کے لشکر کا بصرہ کی جانب روانہ ہونا اور پھر اس پر قابض ہوجانے کو ہم بیان کر چکے ہیں اب مدینہ چلتے ہیں تاکہ وہاں سے امیر المومنین علیہ السلام کے ساتھ بصرہ کی طرف روانہ ہوجائیں۔

معاویہ نے حضرت علی علیہ السلام کی حکومت کے خلاف سرکاری سطح پر سرکشی کی تھی اور امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کے دست مبارک پر بیعت کرنے سے قطعی انکار کردیا تھا اسی لئے حضرت علی علیہ السلام بھی ان سے نبرد آزما ہونے کے لئے ابتدائی تیاری میں مشغول تھے، اس ضمن میں انہوں نے حضرت بن حنیف، قیس بعد سعد اور ابوموسیٰ جیسے اپنے کارپردازوں کو خطوط کے ذریعہ مطلع کیا کہ معاویہ کے خلاف جنگ کرنے کی غرض سے لوگوں کو آمادہ کریں۔

اس اثناء میں حضرت علی علیہ السلام کو عائشہ ہ، طلحہ اور زبیر کی سرکشی نیز ان کے لشکر کی عراق کی جانب روانگی کی اطلاع ملی۔ حضرت علی علیہ السلام جانتے تھے کہ موجودہ حالات میں ان تینوں حضرات کی یورش معاویہ کی سرکشی سے کہیں زیادہ سنگین ہے کیونکہ معاویہ اسلامی حکومت کے دور دراز علاقے میں سرگرم عمل تھا لیکن یہ لوگ مرکز خلافت میں بھی یکجا جمع اور اس کے گردونواح میں شورش کیئے ہوئے تھے اس کے علاوہ بصرہ اور کوفہ سیاسی اور عسکری اعتبار سے خاص اہمیت کے حامل ہیں چنانچہ اس بناء پر اس سے پہلے کہ یورش وبغاوت کے شعلے دیگر مقامات تک پہنچیں آپؑ نے مصلحت امر اس میں سمجھی کہ انکے آتش فتنہ کو خاموش کرنے کے لئے خود ہی پیشقدمی کریں اگر چہ کچھ لوگوں نے یہ تجویز بھی پیش کی آپ طلحہ اور زبیر کے تعاقب کو نظرانداز کردیں مگر آپ نے اس تجویز کو قبول کرنے سے قطعی انکار کردیا اور فرمایا کہ خدا کی قسم میں بجو نہیں ہوں جس کو پکڑنے کے لئے لوگ اس کے بھٹ پر دھیمے سروں میں گاتے بجاتے ہیں اور اچانک اس کو پکڑ لیتے ہیں۔ اپنے مخالفین سے پوری طرح باخبر ہوں میں حق پسندوں کی شمشیر براں سے ان لوگوں کا کام تمام کردوں گا جنہوں نے حق کے نام پر سرکشی و یورش کا سہارا لیا ہے میں اپنے مطیع وفرمانبردار ہمکاروں کی مدد سے ان تمام سرکشوں کو جو راہ حق میں رخنہ اندازی پر تلے ہوئے ہیں، ہمیشہ کے لئے راستے سے ہٹادوں گا اور اپنے اس عمل کو تادم واپسین جاری رکھوں گا۔

حضرت علی علیہ السلام نے مسلمانوں کو مسجد میں جمع ہونے کا حکم دیا جب لوگ جمع ہوگئے تو آپؑ نے عام لوگوں پر یہ واضح کرنے کے لئے مخالفین کے اغراض ومقاصد کیا ہے اس موضوع سے متعلق درج ذیل تقریر فرمائی۔

--لوگوں عائشے ہ بصرہ کی جانب چلی گئی ہیں۔ طلحہ وزبیر ان کے ہمراہ ہیں ان دونوں کا یہ خیال ہے کہ خلافت پر صرف انھی کا حق ہے کسی اور کا نہیں۔ طلحہ، عائشے ہ کا چچازاد بھائی ہے اور زبیر ان کے داماد ہیں (اور عائشے ہ کی سعی وکوشش انہی کے لئے ہے) خدا کی قسم اگر یہ دونوں اپنے مقاصد میں بالفرض کامیاب ہو بھی گئے تو پھر ان دونوں میں وہ سخت تنازع ہوگا کہ ان میں ایک دوسرے کی گردن ماردے گا۔ خدا شاہد ہے کہ جو شخص سرخ اونٹ پر سوار ہو کر روانہ ہوتا ہے وہ زیادہ دور تک راستے طے نہیں کرتا اور اس سے کوئی عقدہ وا بھی نہیں ہوتا مگر یہ

کہ وہ گناہ کے راستے پر چلے اور خدا کا غضب اس پر نازل ہوتا کہ وہ اور اس کے ساتھی ہلاکت کو پہنچیں۔

خدا کی قسم انجام کار یہ ہوگا کہ ان میں سے ایک تہائی افراد مارے جائیں گے، ایک تہائی فرار کر جائیں گے اور ایک تہائی توبہ کرلیں گے۔

عائشہ وہی خاتون ہیں --جسُ پَرحَوْاَبْ-- کے کتے غرارہے ہیں، طلحہ اور زبیر بھی جانتے ہیں کہ وہ ٹھیک راستے پر نہیں چل رہے ہیں۔ افسوس اس عالم کے حال پر جو اپنے جہل کے باعث مارا گیا اور وہ اپنے علم سے بہرہ مند نہ ہوسکا۔ مجھے قریش سے کیا سروکار خدا گواہ ہے جب وہ حالت کفر میں تھے میں نے انہیں قتل کیا اس وقت بھی وہ ہوا و ہوس اور شیطانی وسواس کے دام فریب میں ہیں (اسی لئے شورش بپا کئے ہوئے ہیں) یہ سب میرے ہاتھوں مارے جائیں گے۔[1]

حضرت علی علیہ السلام نے افکار عامہ کو بیدار کرنے کی غرض سے دوسرے اور تیسرے روز پر ہیجان تقاریر کیں اور بالآخر آپؑ نے اعلان جنگ کر دیا۔ سہل بن حنیف کو مدینے میں اپنا جانشین مقرر کیا[2] اور خود مسلح و مجہز لشکر کے ساتھ جو سات سو سے زیادہ افراد پر مشتمل تھا مدینہ سے عراق کی جانب روانہ ہوئے۔

--ناکثین-- پر قابو پانے کے لئے امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کا لشکر پہلے مکہ کی جانب روانہ ہوا لیکن جب آپ --ربذہ[3] --نامی مقام پر پہنچے تو معلوم ہوا کہ مخالفین وہاں سے کوچ کر چکے ہیں۔ چنانچہ وہاں سے آپؑ نے عراق کی جانب رخ کیا۔

ربذہ میں قیام

حضرت علی علیہ السلام نے ربذہ میں چند روز قیام فرمایا اس عرصے میں مدینہ سے کچھ انصار جن میں خزیمہ بن ثابت اور تقریباً چھ سو طائفہ طی کے منظم سوار امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کے لشکر سے متصل ہو گئے۔[4]

عثمان بن حنیف بھی دشمنوں کے چنگل سے نجات پانے کے بعد ربذہ میں حضرت علی علیہ السلام سے آن ملے انہوں نے حضرت علی علیہ السلام سے ملاقات کرنے کے بعد کہا یا امیر المومنین علیہ السلام جس روز آپ نے مجھے روانہ کیا تھا اس وقت میری داڑھی بہت گھنی تھی لیکن آج میں آپ کی خدمت میں ایک بے ریش نوجوان کی صورت میں حاضر ہوا ہو... حضرت علی علیہ السلام نے انہیں صبر کی تلقین کی اور ان کے لئے دعا فرمائی۔[5]

اسی طرح امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام نے ہاشم مرتال کو خط دے کر حاکم کوفہ کی جانب روانہ کیا تا کہ اس سے پہلے کہ طلحہ اور زبیر وہاں پہنچیں وہاں کے گورنر کی عسکری مدد حاصل کر لی جائے۔ لیکن موسی اشعری حاکم کوفہ نے صرف حضرت علی علیہ السلام کے نمایندے سے سیدھے منہ بات نہ کی بلکہ حضرت علی علیہ السلام کے خط کو بھی انہوں نے غایب کر دیا اور ہاشم مرتال کو یہ دھمکی دی کہ وہ انہیں قیدی بنا لیں گے انہوں نے کوفہ کے لوگوں کو بھی سختی سے منع کر دیا اور کہا کہ حضرت علی علیہ السلام کی مدد نہ کریں۔ گورنر کی حیثیت سے اعلان کیا کہ اگر جنگ کی نوبت

---

[1] شرح ابن ابی الحدید ج2/ 233، ارشاد مفید 131۔

[2] الجمل للمفید/ 129 الامامۃ السیاسۃ ج1/ 53 میں سہل کی بجائے قثم بن عباس کا ذکر ملتا ہے۔

[3] یہ جگہ ذات عرق کے قریب حجاز و مدینہ کے درمیان تین روزہ راہ کی دوری پر واقع ہے (معجم البلدان ج3/ 24 مروج الذہب ج2/ 359-358

[4] مروج الذہب ج2/ 359-358

[5] کامل ابن اثیر ج3/ 226، تاریخ طبری ج4/ 480، تاریخ یعقوبی ج2/ 182، شرح ابن ابی الحدید ج9/ 321۔

آئی تو پہلے وہ عثمان کے قاتلوں کے خلاف جنگ کریں گے اور اس کے بعد وہ دوسروں کی طرف متوجہ ہوں گے۔[1] حضرت علی علیہ السلام کے نمایندے نے ان تمام واقعات کی امیر المومنین علیہ السلام کو خبر کی۔ یہ خط حضرت علی علیہ السلام کو۔۔ذی قار۔۔نامی مقام پر موصول ہوا۔

امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام نے اپنے فرزند عزیز حضرت امام حسن علیہ السلام اور حضرت عمار یاسر کو اپنے پاس بلایا اور ان دونوں حضرات کو اس کام پر مقرر کیا کہ اہل کوفہ کے لئے وہ خط لے کر روانہ ہوں اور وہاں پہنچ کر وہاں کے لوگوں کو مدد کیلئے آمادہ کریں۔

حضرت علی علیہ السلام نے خط ابوموسی کو بھی لکھا اور انہیں ان کے منصب سے معزول کر دیا۔ امیر المومنین علیہ السلام نے اس خط میں لکھا تھا کہ انہوں نے اپنے موقف کا صحیح استعمال نہیں کیا اور اسی بنا پر انہیں سخت تنبیہہ بھی کی اس کے علاوہ حضرت علی علیہ السلام نے مالک اشتر کو ان کے پیچھے روانہ کیا۔

حضرت امام حسن علیہ السلام اور حضرت عمار علیہ السلام نے کوفہ پہنچنے کے بعد حضرت علی علیہ السلام کا خط وہاں کے لوگوں کو سنایا اور اس سلسلے میں تقاریر بھی کیں۔ حضرت علی علیہ السلام کی تحریر اور حضرت امام حسن علیہ السلام اور حضرت عمار علیہ السلام کی تقریر کا اثر یہ ہوا کہ اہل کوفہ ان کے گرویدہ ہو گئے اور انہوں نے امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کے ساتھ خلوص نیت اور اظہار محبت کیا اور ان کے فرمان کے آگے سر تسلیم خم کر دیا۔

حضرت امام حسن علیہ السلام نے ابوموسی کی معزولی کا بھی اعلان کیا اور ان کی جگہ قرظۃ بن کعب۔۔کو گورنر مقرر کیا۔

امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کے نمایندے کی سعی و کوشش اور بصیرت افروز تقاریر کے باعث کچھ لوگوں نے اپنی رضامندی کا اعلان کر دیا چنانچہ چند روز بعد تقریباً سات ہزار افراد۔۔ذی قار۔۔میں حضرت علی علیہ السلام سے جا ملے۔ حضرت امام حسن علیہ السلام کی کامیابی پر حضرت علی علیہ السلام بہت مسرور ہوئے اور انہوں نے اپنے فرزند دلبند سے اظہار تشکر کیا۔[2]

لشکر کا جاہ و جلال

امیر المومنین علیہ السلام حضرت علی علیہ السلام کا وہ مسلح و عظیم لشکر جو مدینہ اور کوفہ میں جمع ہوا تھا اور بصرہ کے نواح میں قیام پذیر تھا اس لشکر کے بارے میں منذر بن جارود نے لکھا ہے کہ میں شہر بصرہ سے باہر نکل کر آیا تا کہ حضرت علی علیہ السلام کے لشکر کا نظارہ کر سکوں۔ اس وقت وہاں ہزار مسلح سوار موجود تھے اور ابوایوب انصاری تنومند گھوڑے پر سوار ان کے پیش پیش چل رہے تھے۔ ان کے علاوہ بھی وہاں دوسرے عسکری دستے تھے جن میں ہر دستہ ہزار مسلح افراد پر مشتمل تھا اور دستوں کی کمانڈری خزیمہ بن ثابت، ابوقتادہ عمار یاسر، قیس بن سعد اور عبداللہ بن عباس جیسے جلیل القدر صحابہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کرتے تھے اور یہ تمام دستے ابوایوب کی فوج کے پیچھے پیچھے چل رہے تھے۔ انہی جنگجو دستوں میں ایک دستہ حضرت علی علیہ السلام کی زیر قیادت دیگر تمام دستوں سے آگے چل رہا تھا۔ امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کے دائیں بائیں حضرت امام حسن علیہ السلام اور حضرت امام حسین علیہ السلام چل رہے تھے اور ان کے آگے حضرت علی علیہ السلام تا دیگر فرزند محمد بن حنفیہ پرچم ہاتھ میں لئے چل رہے تھے۔ عبداللہ ابن جعفر، حضرت علی علیہ السلام کے پیچھے تھے ان کے علاوہ عقیل کے فرزند اور بنی ہاشم کے نوجوانوں نے حضرت علی علیہ السلام کو انگشتری

---

[1] الجمل للمفید/130۔ شرح ابن ابی الحدید ج14/ 9

[2] تاریخ طبری ج4/ 478، 477، کامل ابن اثیر ج3/ 277، شرح ابن ابی الحدید ج14/ 9

کے نگینہ کی طرح اپنے درمیان لے رکھا تھا۔ کچھ معمر بدری بزرگ (مہاجر وانصار) بھی ان ہی دستوں میں نظر آ رہے تھے۔[1]

بصرہ پہنچنے سے قبل حضرت علی علیہ السلام نے --زاویہ-- نامی جگہ پر قیام فرمایا اور یہاں چار رکعت نماز ادا کی نماز سے فارغ ہونے کے بعد آپ نے دوبارہ سجدہ کیا اور اس قدر گریہ وزاری کی کہ آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے پھر دعا کے لئے ہاتھ آسمان کی طرف اٹھائے اور عرض کی... خداوند تعالیٰ اس جماعت نے میرے حکم کی نافرمانی کرکے مجھ پر ظلم کیا ہے یہ لوگ بیعت سے منحرف ہوگئے ہیں۔ اے خدا اب تو ہی مسلمانوں کی حفاظت فرما۔[2]

صلح کی کوشش

امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کا مقصد جنگ کرنا نہ تھا بلکہ آپ چاہتے تھے کہ --ناکثین-- نے جو فتنہ کی آگ بھڑکائی ہے اسے خاموش کر دیں اس مقصد کی برآوری کیلئے اور کشت وخون کو روکنے کی خاطر، حضرت علی علیہ السلام نے ہر ممکن کوشش کی اور جو بھی ممکن طریقہ ہوسکتا تھا آپؑ اسے بروئے کار لائے امیر المومنین علیہ السلام نے جو صلح طلبانہ اقدامات کئے ان کے چند نمونے یہاں پیش کئے جاتے ہیں:

1 بصرہ پہنچنے سے قبل آپؑ نے صعصعہ بن صوحان اور عبداللہ بن عباس کو جداگانہ طور پر خط دے کر عائشہ، طلحہ اور زبیر کے پاس بھیجا کہ شاید ان کو مذاکرہ اور پند ونصیحت کے ذریعے جنگ کرنے سے باز رکھا جاسکے۔ لیکن ان لوگوں نے حضرت علی علیہ السلام کے نمایندگان اور آپؑ کے پند ونصائح کے آگے سر تسلیم خم نہ کیا اور جنگ کے علاوہ کوئی دوسرا راستہ اختیار کرنے سے انکار کر دیا۔[3]

2 حضرت علی علیہ السلام نے جنگ کے دن فیصلہ کیا کہ کلام اللہ کو درمیان لا کر اسے حکم قرار دیں۔ چنانچہ آپؑ نے حضرت مسلم نامی شخص کو قرآن پاک دیا اور فرمایا کہ ان لوگوں سے کہو کہ ہمارے اور تمہارے درمیان قرآن ہی حاکم ومنصف ہے، خدا سے ڈرو اور مسلمانوں کا خون بہانے سے گریز کرو۔

اس جوان نے حضرت علی علیہ السلام کے حکم پر عمل کیا لیکن انہوں نے مسلم کا وہ ہاتھ قلم کر دیا جس میں قرآن مجید تھا انہوں نے قرآن دوسرے ہاتھ میں لے لیا اور حسب سابق انہیں قرآنی حکومت کی دعوت دی مگر ان سنگدلوں نے ان کا دوسرا ہاتھ بھی قطع کر دیا اور انہیں شہید کر دیا۔[4]

3 حکومت قرآن کی دعوت دینے والے جوان مسلم کے قتل نے کشت وخون کا سدباب کرنے والے اقدامات سے حضرت علی علیہ السلام کو مایوس کر دیا۔ آپؑ نے آخری مرتبہ عمار یاسر کو بھیجا یہ وہ بزرگ صحابی تھے جن کے بارے میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا کہ جو لوگ انہیں قتل کریں گے ان کا شمار ظالموں میں ہوگا اور ان کے مقام ومرتبے نیز ایمان کے بارے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا: حق ہمیشہ عمار کے ساتھ ہے اور عمار حق سے پیوستہ---عمار--نے بھی پند ونصیحت کے ذریعے سمجھانے کی کوشش کی انہوں نے دشمنوں کی سپاہ سے خطاب

---

[1] ملاحظہ ہو مروج الذہب ج2 / 359، والجمل / 138، طبری ج4 / 500 اور ابن ابی الحدید نے ج14 / 21 پر ابی الطفیل سے نقل کیا ہے کہ اس سے قبل کہ سپاہ کوفہ پہنچے حضرت علی علیہ السلام نے پیشین گوئی کر دی تھی کہ کوفہ سے ایک ہزار ایک سپاہی آئیں گے اور ایسا ہی ہوا۔ راوی کا کہنا ہے کہ میں نے انہیں گنا ان میں سے نہ کم تھا نہ ایک زیادہ۔

[2] مروج الذہب ج2 / 359–361 کا خلاصہ

[3] مروج الذہب ج2 / 361--اللھم ان ھؤلاء القوم قد خلعوا طاعتی بغوا علی ونکثوا بیعتی اللھم احقن دماء المسلمین---

[4] الجمل للمفید/167

کرتے ہوئے کہا اے لوگو تم نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ انصاف کا رویہ اختیار نہ کیا تم نے اپنی عورتوں کو تو اپنے گھروں میں محفوظ کر دیا اور زوجہ مطہر رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گھر سے نکال کر نیزوں اور تلواروں کے روبرو لے آئے۔

اس کے بعد وہ مزید آگے بڑھے اور عائشہ کے ہودج کے مقابل آ کر ان سے گفتگو کی ان کی یہی کوشش تھی کہ وہ ان فتنہ انگیزوں کے ساتھ شریک نہ ہوں وہ ابھی گفتگو کر ہی رہے تھے کہ دشمن کے تیر ہر جانب سے ان کی طرف آنے لگے۔ اگرچہ انہوں نے اپنے سر کو اس طرف یا اس طرف خمیدہ کر کے خود کو تیروں کی زد سے بچا لیا اور قطع گفتگو کر کے امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ: جنگ کے علاوہ چارہ نہیں ہے۔[1]

4 ناکثین کی جانب سے شدت کے ساتھ مسلسل تیراندازی شروع ہوگئی ادھر سپاہ اسلام کا نعرہ بلند ہوا کہ: یا امیر المومنین علیہ السلام دشمن ہم پر تیروں کی بارش کر رہا ہے دفاع کا حکم صادر کیجئے۔ اس وقت ایک مرد کا جنازہ امیر المومنین علیہ السلام کے روبرو لایا گیا جسے دشمن نے اپنے تیروں کا نشانہ بنایا تھا۔

امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام نے یہ حالت دیکھ کر رخ مبارک آسمان کی جانب کیا اور زبان حال سے فرمایا: خداوند تو عادل و دادگر ہے شاہد و گواہ رہنا۔ اس کے بعد اپنے ساتھیوں سے کہا کہ تم صبر کرو تا کہ دشمن پر حجت تمام ہو جائے اس کے بعد ایک جنازہ اور لایا گیا، حضرت علی علیہ السلام نے اس مرتبہ بھی وہی بات دہرا دی یہاں تک کہ صحابی بزرگ عبداللہ بن بدیل اپنے فرزند کا جنازہ لے کر آئے اور اسے حضرت علی علیہ السلام کے روبرو رکھ دیا اور عرض کیا کہ یا امیر المومنین علیہ السلام ہم کب تک صبر کریں دشمن ہمارے جوانوں کو یکے بعد دیگرے قتل کئے جا رہا ہے۔[2]

حضرت علی علیہ السلام مسلسل تین دن تک پوری کوشش کرتے رہے کہ جنگ و خون ریزی نہ ہو مگر افسوس انہیں اپنے اس ارادے میں کامیابی نہ ہوئی چنانچہ آپ نے خود کو اس اقدام کے روبرو پایا جو پہلے کئی مرتبہ انجام پذیر ہوا تھا اس کے بعد امیر المومنین علیہ السلام نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زرہ پہنی، عمامہ سر مبارک پر رکھا۔ ذوالفقار کمر میں حمائل کی دلدل پر سوار ہو کر پرچم محمد بن حنفیہ کو دیا[3] مجہز و مسلح ہو کر آپ نے لشکر کا معائنہ کیا جو کہ بیس ہزار پر مشتمل تھا۔ طلحہ اور زبیر نے بھی اپنے لشکر کا معائنہ کیا جس میں تیس ہزار سے زیادہ نفوس شامل تھے... اب دونوں لشکر پوری طرح جنگ کے لئے آمادہ و تیار تھے۔

لشکر کے لئے دستور العمل

دشمن پر حملہ کرنے سے قبل حضرت علی علیہ السلام نے اپنی سپاہ کے لئے چند نکات صادر کئے اور فرمایا کہ جب دشمن کو شکست ہو جائے تو مجروحین سے جنگ نہ کریں، قیدیوں کو قتل نہ کیا جائے، فرار کرنے والوں کا تعاقب نہ کیا جائے۔ عورتوں کو برہنہ نہ کیا جائے۔ مقتولین کے ناک کان قطع نہ کئے جائیں کسی کی پردہ دری نہ ہو، فاتح سپاہی مفتوحین کے مال کے پاس سے بھی نہ گذریں البتہ میدان جنگ میں اگر

---

[1] مروج الذہب ج2/ 361، الجمل للمفید/ 181 تاریخ طبری ج4/ 509-511

[2] مروج الذہب ج2/ 362

[3] الجمل للمفید/ 182، شرح ابن ابی الحدید ج9/ 11، تاریخ یعقوبی ج2/ 182، لیکن تاریخ یعقوبی اور شرح ابن ابی الحدید میں مقتول کو عبداللہ کا بھائی تحریر کیا گیا ہے

ہتھیار گھوڑے غلام یا کنیز ہاتھ آجائیں تو انہیں غنیمت میں لے لیں۔[1]

دشمن کو متفرق کرنے کی آخری کوشش

دونوں لشکر ایک دوسرے کے مقابل صف آرا ہوئے اس سے قبل کہ جنگ شروع ہو حضرت علی علیہ السلام کو یہ موقع مل گیا کہ زبیر ان کے سامنے آ گئے۔ اگرچہ حضرت علی علیہ السلام نے ان سے چند ہی جملے کہے جن کا ان کے دل پر ایسا گہرا اثر ہوا کہ دشمن کے سرداروں، فوج کی تشکیل کا شیرازہ منتشر ہو گیا جس وقت حضرت علی علیہ السلام نے گفتگو کے دوران زبیر کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث سنائی اور کہا کہ اے زبیر کیا وہ دن یاد ہے جب کہ تو نے میری گردن میں اپنا ہاتھ حمایل کر رکھا تھا اور پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ دیکھ کر تجھ سے پوچھا تھا کہ کیا تجھے علی سے بہت پیار ہے؟ اور تو نے جواب دیا تھا آخر کیوں نہ پیار کروں یہ میرا ماموں زاد بھائی ہی تو ہے اس کے بعد پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا تو مستقبل قریب میں اس سے جنگ کرے گا درحالیکہ تو ستمگر ہوگا۔[2] زبیر نے جب یہ حدیث سنی تو کہا-- انا للہ وانا الیہ راجعون-- مجھے پورا واقعہ یاد آ گیا میں آپؑ سے ہرگز جنگ نہ کروں گا اس کے بعد انہوں نے دیگر سرداران کی پر ہیجان اور وسوسہ انگیز باتوں کی جانب توجہ کئے بغیر میدان جنگ سے کنارہ کشی اختیار کر لی اور-- وادی اسباع-- نامی مقام پر-- عمرو بن جرموز-- کے ہاتھوں قتل ہوئے۔[3]

حضرت علی علیہ السلام نے اس خیال سے کہ شاید طلحہ بھی جنگ سے باز رہیں اور نوبت خون ریزی کی نہ آئے ان سے بھی ملاقات کی اور فرمایا کہ وہ کون سا عامل تھا جس کے باعث تو نے شورش و سرکشی کی۔ انہوں نے جواب دیا کہ عثمان کے خون کا بدلہ، اس پر حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: خدا اس شخص کو پہلے قتل کرے جو اس گناہ میں ملوث ہو۔ پھر فرمایا: اچھا یہ بتا کہ عثمان کا قاتل کون ہے میں یا تو؟ کیا تو نے نہیں سنا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میرے بارے میں فرمایا تھا: خدایا تو اسے دوست رکھ جو علی علیہ السلام کا دوست ہو اور اسے دشمن رکھ جو علی سے دشمنی کرے کیا تو ان لوگوں میں شامل نہ تھا جنہوں نے سب سے پہلے بیعت کی؟ طلحہ نے کہا میں توبہ و استغفار کرتا ہوں اس کے بعد وہ بھی کسی کی پند و نصیحت کے بغیر میدان جنگ سے چلے گئے۔[4]

لیکن ان کا بھی وہی انجام ہوا جس سے زبیر دوچار ہوئے تھے۔ مروان کیونکہ عائشہ ہ کے لشکر میں تھا اور اس نے دیکھ لیا تھا کہ حضرت علی علیہ السلام طلحہ کے ساتھ گفتگو میں مشغول ہیں تو اسے یہ خوف لاحق ہوا کہ کہیں وہ بھی حضرت علی علیہ السلام کی بصیرت افروز تقریر سے متاثر نہ ہو جائیں۔ دوسری طرف مروان کا یہ گمان تھا کہ عثمان کے قتل کی سازش میں وہ بھی ملوث ہے چنانچہ اس نے اس موقع کو غنیمت جانا اور اس

---

[1] شرح ابن ابی الحدید ج9/ 111

[2] مروج الذہب ج2/ 262۔ الجمل للمفید/ 182

[3] اما انك ستحاربه وانت ظالم له

[4] 18 مروج الذہب ج2/ 363 زبیر کے سلسلے میں یہ روایت بھی ملتی ہے کہ وہ بھی دوسروں کی طرح حضرت علی علیہ السلام کے ساتھ آخری لمحہ تک جنگ کرتے رہے لیکن جب اصحاب جمل کو شکست و ہزیمت ہوئی تو انہوں نے بھی راہ فرار اختیار کی جس وقت وہ فرار کر رہے تھے تو اچانک جرموز ے نے انہیں غافل پا کر قتل کر دیا (سیرۃ الائمہ اثنی عشر ج1/ 455) ان اقوال کے علاوہ یہ قول بھی ہے کہ جب زبیر نے کنارہ کشی کا فیصلہ کر لیا تو ان کے فرزند عبداللہ نے ان پر یہ الزام لگایا کہ وہ جنگ سے خوف زدہ ہو گئے ہیں اور انہیں قسم یاد دلائی اور کفارہ دینے کو کہا زبیر نے اپنے غلام کو آزاد کر کے کفارہ ادا کیا اور بیٹے نے جو الزام لگایا تھا اسے دور کرنے کے لئے انہوں نے تلوار اٹھائی اور امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کی لشکر پر حملہ آور ہو گئے ملاحظہ ہو تاریخ الفداء ج1/ 174-173

وقت جب کہ ہنگامہ کارزار گرم تھا مروان نے طلحہ کی پشت پر تیر مارا اور انہیں زمین پر گرا دیا[1]

فیصلہ کن جنگ

سرداران سپاہ کی اشتعال انگیز تقاریر پر تیس ہزار سے زیادہ افراد پر مشتمل مسلح لشکر کی تیاری بعض سرداران قبائل کے نام تحریرو زبانی پیغام رسانی مختلف شہروں کے لوگوں کی شورش وسرکشی میں شرکت ودعوت، لشکر کشی کے ذریعے بصرہ پر قبضہ، وہاں کے بعض مسلمانوں کا قتل اوران کی شکنجہ کشی ایسے قرائن وشواہد ہیں جو اس پر دلالت کرتے ہیں کہ مخالف سرداروں، گورنروں کا کشت وخون کا مقصد امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کی حکومت کو سرنگوں کرنے کے علاوہ کچھ نہ تھا ان حالات میں حضرت علی علیہ السلام کے ہمدردانہ پند ونصائح اور صلح پسندانہ اقدامات کا ان کے دلوں پر اثر نہ ہونا فطری تھا اسی لئے انہوں نے پہلے تو حضرت علی علیہ السلام کی لشکر کی جانب تیراندازی کی اس کے بعد چند سپاہیوں کو قتل کر کے دائیں اور بائیں جانب سے حملہ شروع کر دیا۔ امیر المومنین علیہ السلام حضرت علی علیہ السلام نے پرچمدار لشکر محمد حنفیہ کو حکم دیا کہ دشمن کی فوج کے قلب پر حملہ آور ہوں لیکن مسلسل تیراندازی کے باعث انکی نظروں کے سامنے چونکہ اندھیرا سا چھا گیا تھا اسی لئے حملہ کرنے میں انہیں تردد ہوا اس پر حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا کہ پیشقدمی کیوں نہیں کرتے ؟ محمد حنفیہ نے اس کی وجہ بتائی۔ اس پر حضرت علی علیہ السلام نے پرچم ان کے ہاتھ سے لے لیا اور خود ہی غرائے شیر کی مانند دشمن پر حملہ کر دیا، حملہ کرنا تھا کہ دشمن کا لشکر اس طرح منتشر ہو گیا گویا تند وتیز ہوا کے جھونکے نے گرد وخاک کو ادھر ادھر بکھیر دیا ہو۔

اس موقع پر --از دبنی ناجیہ-- اور --بنی ضبہ-- جیسے عرب قبائل اونٹ کے گرد جمع ہو گئے جس پر لشکر کا کمانڈر سوار تھا اور بھڑکی ہوئی جنگ میں غیر معمولی فداکاری کا مظاہر کیا۔

خلاف معمول عائشہ کے لشکر کے ساتھ پرچم نہ تھا البتہ پرچم کی جگہ لشکر سے آگے آگے اونٹ (جمل) چل رہا تھا اور یہی گویا ان کا پرچم تھا[2]۔ اور اسی سے ان کے سپاہیوں کی حوصلہ افزائی ہورہی تھی اور جب تک یہ اونٹ اپنی جگہ قائم رہا دشمن نے خود میں کسی قسم کی کمزوری یا شکست محسوس نہ کی۔

امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام نے مالک اشتر کو حکم دیا کہ وہ دشمن کے بائیں بازو پر حملہ آور ہوں اور انہوں نے جسے ہی میسرہ پر حملہ کیا لشکر دشمن کی صفیں یک لخت منتشر ہو گئیں اور انہوں نے اپنی عافیت راہ فرار میں سمجھی۔

اب جو لشکر باقی رہ گیا تھا وہ حسب سابق --اونٹ-- اور اس کے سوار کا دفاع وتحفظ کررہا تھا۔ فطری طور پر امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کی سپاہ نے بھی اپنی پوری طاقت اسی حصہ پر لگا دی تھی۔ چنانچہ اس --اونٹ-- کے گرد شدید خونی جنگ شروع ہو گئی۔[3]

سر گردنوں سے جدا ہو کر، ہاتھ جسموں سے کٹ کٹ کر فضا میں بکھر رہے تھے نوک شمشیر مسلسل دشمن کے شکموں کو چاک کئے جارہی تھیں مگر اس کے باوجود عائشہ کے سپاہی اس اونٹ --جمل-- کی حفاظت آہنی فصیل کی مانند کررہے تھے انہوں نے اس اونٹ کو اپنے حلقہ میں لے رکھا تھا اور اس کا سختی سے دفاع کیا جارہا تھا۔

---

[1] مروج الذہب ج2/ 364 تاریخ یعقوبی ج2/ 182، انساب الاشراف ج2/ 248، الجمل للمفید/204 شرح ابن ابی الحدید ج9/ 113

[2] مروج الذہب ج2/ 366، الجمل للمفید/ 183، تاریخ طبری ج4/ 514، سیرۃ الائمہ اثنی عشر ج1/ 457، شرح ابن ابی الحدید ج1/ 257

[3] تاریخ ابن اعثم/ 176 وشرح ابن ابی الحدید۔

امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام نے سمجھ لیا کہ جب تک یہ اونٹ اپنے پیروں پر کھڑا رہے گا جنگ کا خاتمہ نہ ہوگا اس پر آپؑ نے اپنے لشکر کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ اس اونٹ کی ٹانگیں کاٹ دو کیونکہ جیسے ہی یہ اونٹ زمین پر گرے گا دشمن کا لشکر منتشر ہو جائے گا۔[1]

حضرت علی علیہ السلام کے فرمان کے مطابق تلواریں بلند ہوئیں او ہر طرف سے تیروں کی بارش جمل کی جانب ہوگئی یہاں تک کہ تیروں کے پھل اس اونٹ کے پورے بدن میں اتر گئے۔جن لوگوں نے اونٹ کی مہار اپنے ہاتھوں میں سنبھال رکھی تھی وہ یکے بعد دیگرے زمین پر گرنے لگے ان میں سب سے پہلے گرنے والا بصرہ کا مشہور ومعروف قاضی --کعب بن سور--تھا اس نے قرآن مجید اپنی گردن میں حمایل کر رکھا تھا اس کے ایک ہاتھ میں عصا اور دوسرے میں اونٹ کی مہار اس کے بعد قریش نے پیش قدمی کی اور انہوں نے بھی مہار کو اپنے ہاتھ میں تھاما یہاں تک کہ ستر افراد نے یکے بعد دیگرے دفاع کی خاطر جان دے دی، قریش کے بعد بنی ناجیہ، بنی ضبہ اور ازد قبائل کے لوگوں نے بالترتیب اس کے مہار کو سنبھالا لیکن وہ بھی قتل ہوئے مختصر یہ کہ بقول زبیر جس نے بھی اس اونٹ کی مہار کو تھاما وہ فوراً ہی مارا گیا۔[2]

امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام نے ان گروہوں کے ہمراہ نخعی اور ہمدانی قبائل کے حامی وطرفدار تھے مرکزی نقطے کی جانب شدت سے حملہ کر کے دشمن کو منتشر ومتفرق کر دیا اور بجیر نخعی سے فرمایا کہ اس وقت یہ اونٹ تمہارے دست اختیار میں ہے اس کی ٹانگوں کی رگیں کاٹ دو، بجیر نے شمشیر سے اس پر حملہ کیا اونٹ زور سے چیخا اور زمین پر گر پڑا جب وہ زمین پر گر گیا تو باقی لشکر بھی فرار ہو گیا۔

امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کے سپاہیوں نے آپؑ کے حکم سے عائشہ ہ کے کجاوہ کو ایک طرف منتقل کیا پہلے تو اس اونٹ کو مار کر جلایا اور پھر اس کی راکھ کو فضا میں منتشر کر دیا۔

حضرت علی علیہ السلام نے اپنے اس حکم کے ثبوت نیز اس کی تائید میں کتاب خدا سے استشہاد پیش کرتے ہوئے فرمایا کہ اے لوگو یہ اونٹ بنی اسرائیل کے بچھڑے کی طرح منحوس وفتنہ انگیز حیوان تھا اس کے بعد آپ نے اس آیت کی تلاوت کی جو حضرت موسی علیہ السلام نے سامری سے خطاب کرتے ہوئے پڑھی تھی۔

اپنے اس خدا کو دیکھو جس کی تم پرستش کرتے ہو کہ ہم اسے کس طرح جلاتے ہیں اور پھر اس کی راکھ کو دریا میں بہا دیں گے۔[3]

اور اس طرح جنگ جمل تمام ہوئی، حضرت علی علیہ السلام کی حکومت کو ابھی چھ ماہ کا عرصہ بھی نہیں گزرا تھا کہ یہ جنگ آپ پر مسلط کر دی گئی اور ماہ جمادی الاخر سنہ 36ھ میں --ناکثین--کی مکمل شکست پر اس کا مکمل طور پر خاتمہ ہو گیا اور جانبین کا کثیر جانی ومالی نقصان ہوا۔

عام معافی

دشمن پر غلبہ حاصل کرنے کے بعد حضرت علی علیہ السلام نے حکم دیا کہ جنگ سے قبل جو حکم دیا گیا تھا اسے سپاہیوں کے سامنے دوبارہ پڑھا جائے۔اس کے ساتھ ہی اعلان کیا گیا کہ کسی ایسی عورت سے جس کا شوہر جنگ میں مارا گیا ہے فوراً نکاح نہ کیا جائے بلکہ اسے موقع دیا

---

[1] شرح ابن ابی الحدید ج/258

[2] اعقروا الجمل فانه ان عقر تفرقوا (تاریخ طبری ج4/519)۔

[3] تاریخ طبری ج/4/519 اسد الغابہ 3/308 شرح ابن ابی الحدید ج1/265۔

جائے کہ عرصہ عدت کو پورا کرے۔[1]

عائشہ ہ کے سلسلہ میں بالخصوص محمد بن ابی بکر کو حکم دیا گیا کہ وہ اپنی بہن کے پاس جائیں اوران کی دلجوئی کریں اگران کو تیرلگا ہو یا جسم پر زخم آیا ہوتو اس کا علاج کر دیا جائے محمد کے جانے کے بعد حضرت علی علیہ السلام بذات خود عایشہ کی خدمت میں تشریف لے گئے اور عصا سے عایشہ کے کجادہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ اے حمیرا کیا رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمھیں یہی کرنے کا حکم دیا تھا؟ کیا آنحضرت نے یہ نہیں فرمایا تھا کہ تم اپنے گھر میں بیٹھنا خدا کی قسم جو تمھیں گھر سے نکال کر باہر لائے ہیں انہوں نے تمہارے ساتھ انصاف نہیں کیا انہوں نے اپنی خواتین کو پس پردہ بٹھا دیا اور تمھیں وہ میدان جنگ میں لے آئے

اس کے بعد آپؑ نے ان کے بھائی کو حکم دیا کہ وہ عایشہ کو حرث بن ابی طلحہ کی بیٹی صفیہؓ کے پاس لے جائیں جہاں چند روز آرام کریں جب حالات معمول پر آ گئے تو حضرت علی علیہ السلام نے عبداللہ بن عباس کو اس کام پر مقرر کیا کہ وہ عایشہ کے پاس جائیں اور انھیں مدینہ واپس چلنے کے لئے آمادہ کریں۔

عائشہ ہ نے اگر چہ شروع میں تو چلنے سے انکار کیا مگر جب ابن عباس نے ان سے بار بار کہا اور انھیں یہ بتایا کہ حضرت علی علیہ السلام نے فیصلہ کرلیا ہے کہ آپ کو مدینہ لے جایا جائے تو مجبوراوہ تیار ہوگئیں۔

امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام نے عایشہ کے سفر کی تیاری شروع کی اور انھیں انکے بھائی عبدالرحمن تیس سپاہیوں اور قبیلہ القیس و ہمدان کی بیس عورتوں کی نگرانی میں مدینہ کی جانب روانہ کی ان سب نے عائشہ ہ کی انتہائی خدمت کی اوران کے ساتھ پورے اعزاز واحترام کا سلوک کیا[2] یہاں یہ بات بھی قابل توجہ وذکر ہے کہ حضرت علی علیہ السلام نے عائشہ ہ کی پوری حفاظت اس بنا پر کی کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ انھیں کہیں راستے میں کوئی گزند پہنچے حضرت علی علیہ السلام کی جانب سے عایشہ کے تحفظ کا مقصد یہ بھی ہوسکتا ہے کہ زوجہ مطہرہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مرتبہ کا پاس کرکے ان کا مقصد مقام رسالت کا احترام کیا جائے اس کے علاوہ حضرت علی علیہ السلام کو یہ خدشہ تھا کہ اگر عائشہ ہ کا قتل ہوگیا تو کہیں ایسا فتنہ بپا نہ ہوجائے جو عثمان کے قتل کی وجہ سے رونما ہوا تھا چنانچہ عمروعاص نے جنگ کے بعد عائشہ ہ سے کہا تھا کہ: اے کاش تم جنگ میں قتل کردی گئی ہوتیں عایشہ نے اس کا مطلب دریافت کیا تو اس نے کہا کہ اگر تم ماری جاتیں تو جنت میں جاتیں اور ہم اس مسئلے کو حضرت علی علیہ السلام کے خلاف حملہ کرنے کا اہم ترین بہانہ بنا لیتے[3]

---

[1] سورہ طہ آیہ 96 ملاحظہ ہو شرح ابن ابی الحدید ج1 / 266۔

[2] اس حکم کے جاری کرنے سے حضرت علی علیہ السلام کا مقصد یہ تھا کہ دشمن کے افراد کے ساتھ وہی سلوک کیا جائے جو مسلمانوں کے ساتھ روا رکھا جاتا ہے ان کے ساتھ کفار کا ۔سا برتاؤ نہ کیا جائے۔

[3] ملاحظہ ہو کامل ابن اثیر ج3 / 258 خ 255 تاریخ طبری ج4 / 44، 45، 53، شرح ابن ابی الحدید ج6 / 322۔

سوالات

1--ناکثین--کی شورش کے بارے میں اطلاع حاصل کرنے سے قبل حضرت علی علیہ السلام کس شخص سے جنگ کرنے کیلئے تیار تھےاورآپ نے اپنا ارادہ کیوں بدل دیا؟

2 حضرت علی علیہ السلام نے کس منزل پر اور کن افراد کو کوفہ کی جانب روانہ کیا وہاں انھیں کیسے کامیابی حاصل ہوئی ؟

3 کشت وخون روکنے کیلئے حضرت علی علیہ السلام نے کیا اقدامات کئے؟ انکی تین مثالیں بیان کیجئے۔

4 فیصلہ کن جنگ کس طرح شروع ہوئی عایشہ کے تحفظ ودفاع میں کون سے قبائل پیش پیش اور سرگرم عمل تھے؟

5 جنگ کے بعد جو افراد باقی رہ گئے تھے انکے ساتھ حضرت علی علیہ السلام بالخصوص عایشہ کے ساتھ کیا سلوک رہا؟

6 جنگ جمل میں کس جگہ کو مرکزیت حاصل تھی اور حضرت علی علیہ السلام نے اس کی کس طرح سرکوبی کی؟

7 حضرت علی علیہ السلام نے عایشہ کی حفاظت کے لئے کیوں اس قدر اہتمام کیا؟

آٹھواں سبق

خلافت ظاہری سے شہادت تک

حضرت علی علیہ السلام کی بصرہ کی آمد

جنگ جمل ختم ہونے کے بعد حضرت علی علیہ السلام نے تین روز تک معرکہ گاہ پر قیام فرمایا مقتولین کی نماز جنازہ پڑھائی حکم دیا کہ دشمن کے مقتولین کو جمع کر کے انھیں دفن کیا جائے شہداء کو حضرت علی علیہ السلام کے فرمان کے مطابق ان کے لباس میں ہی دفن کیا گیا[۱] جسموں سے جو اعضاء الگ ہو گئے تھے انھیں یک جا ایک بڑی قبر میں دفن کیا گیا

مال غنیمت کو (سوائے اس اسلحہ کے جس پر مہر خلافت ثبت تھی) سپاہ میں مساوی تقسیم کیا خود بھی ایک حصہ اس میں سے لیا باقی مال جو جنگ میں ہاتھ آیا تھا اور اس کا شمار مال غنیمت میں نہیں ہوتا تھا مسجد میں لے جایا گیا تا کہ ان کے مالک یا وارثین کی تحویل میں دے دیا جائے۔[۲]

بصرہ پہنچنے کے بعد حضرت علی علیہ السلام سیدھے مسجد میں تشریف لے گئے جہاں آپ نے مفصل تقریر کی اہل بصرہ سے خطاب کرتے ہوئے آپ نے ان کی سرزنش کی اور فرمایا کہ اے کاہل لوگو اے وعدہ خلاف انسانوں تم نے تین مرتبہ اپنوں سے ہی خیانت کی اور چوتھی مرتبہ تم نے خدا پر اتہام لگایا تم نے پیروی بھی کی تو ایک عورت اور بے زبان جانور کی تم نے اس کی ایک آواز پر غوغا و فتنہ بپا کر دیا اور جب اس حیوان کے پیروں کی رگیں کاٹ دی گئیں تو تم بھاگ نکلے اخلاقی اعتبار سے تم پست ہو تمہارے اعمال منافقانہ ہیں اور تمہارا دین و آئین باطل اور تفرقہ اندازی ہے۔[۳]

اس کے بعد تمام افراد حتی مجروحین نے بھی آپ کے دست مبارک پر بیعت کی۔ حضرت علی علیہ السلام نے ابن عباس کو بصرہ کی صوبہ داری اور زیاد کو امور مالی خراج کی وصول یابی کے عہدوں پر مقرر و مامور فرمایا۔[۴]

اس کے بعد حضرت علی علیہ السلام خزانہ بیت المال تشریف لے گئے جس وقت آپ کی نظر مبارک سونے اور چاندی پڑی تو آپؐ نے فرمایا کہ: یا صفراء یا بیضا غریا غیری (اے زرد سونے اور سفید چاندی کے سکو تم اپنی یہ دلربائی کسی اور کو دکھانا کسی اور کو تم اپنے دام فریب میں لانا اس کے بعد آپ نے حکم دیا کہ جو مال موجود ہے اس کو پانچ سو اعداد میں تقسیم کریں جس وقت سکوں کا شمار کیا گیا تو انکی تعداد کم و بیش ساٹھ لاکھ درہم تھی چنانچہ آپ کے ساتھیوں میں سے ہر شخص کے حصے میں پانچ سو سکے آئے۔ اسی وقت وہاں ایک شخص آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس نے عرض کیا یا امیر المومنین علیہ السلام مجھے بھی کچھ عطا فرمائیے اگر چہ میں کسی وجہ سے جنگ میں شرکت نہ کر سکا لیکن میری نیک خواہشات

---

[۱] الجمل 211

[۲] کامل ابن اثیر ج3/ 255، تاریخ طبری ج4/ 538

[۳] مروج الذہب ج2ص368

[۴] تاریخ طبری ج4/ 541، کامل ابن اثیر ج3/ 256

آپ کے ساتھ تھیں۔حضرت علی علیہ السلام نے اپنا حصہ اسے دیدیا۔[1]

جنگ جمل کے ناخوشگوار نتائج

جنگ جمل کے جو اثرات ونتائج رونما ہوئے وہ نہایت ہی ناخواشگوار تھے ان میں سے بعض کا ہم یہاں ذکر کرتے ہیں۔

1 اس جنگ میں دس ہزار سے زیادہ مسلمان قتل ہوئے۔[2] درحقیقت یہ افراد --ناکثین-- کے حسد اوران کے جذبہ جاہ طلبی پر قربان ہوئے۔مورخین نے لکھا ہے کہ دولشکروں کے اتنے سپاہی زمین پر گرے کہ اگر ان کی لاشوں پر گھوڑے دوڑائے جاتے تو گھوڑوں کے سم ان کی لاشوں کے علاوہ کسی اور چیز نہ پڑتے۔لاشوں کے یہ انبار اس عظیم جنگ کا حاصل وثمرہ تھا جو جمل کے نام سے مشہور ہوئی اس سے قبل بھی بیان کیا جاچکا ہے کہ بیشتر افراد ناکثین کے ہاتھوں ہی مارے گئے۔مقتولین کی اس کثیر تعداد نے بہت سی اقتصادی مشکلات نیز جسمانی ونفسیاتی دشواریاں مسلمانوں کے لئے پیدا کردیں۔

2 اس جنگ کے بعد مسلمانوں میں سے جذبہ اخوت وبرادری قطعی مفقود ہوگیا اور امت مسلمہ پر فتنہ وفساد کے دروازے کھل گئے اور جنگ صفین بھڑک اٹھی درحقیقت یہ دو جنگیں اس مضبوط رسی سے بندھی ہوئی تھیں جس کا پہلا سرا بصرہ میں تھا اور دوسرا صفین میں اگرچہ عائشہ ہ کی عثمان سے قرابت داری نہ تھی لیکن جنگ جمل نے معاویہ کے لئے اس بنا پر شورش وسرکشی کا راستہ ہموار کردیا کہ وہ خاندان امیہ کے فرد اور عثمان کے رشتہ دار تھے چنانچہ اس جنگ کے باعث معاویہ کے لئے یہ بہانہ پیدا ہوگیا کہ اس نے امیرالمومنین حضرت علی علیہ السلام کی حکومت کے خلاف جنگ وجدل کرنے کے علاوہ خلافت کو اپنے خاندان میں منتقل کردیا درحالیکہ یہ مقتول خلیفہ کا ہی خاندان تھا اور یہیں سے خلافت نے موروثی شکل اختیار کرلی۔

3 جنگ جمل کے ضرررساں نتائج جنگ صفین کے بعد بھی باقی رہے اور جنگ نہروان درحقیقت دو پہلی جنگوں (جنگ جمل وجنگ صفین) کا ہی نتیجہ تھی کیونکہ ان دو جنگوں کے باعث بعض تنگ نظر اور کوتاہ فکر لوگوں کے دلوں میں بدگمانی کے جذبات ابھرنے لگے۔چنانچہ عملی طور پر وہ تشویش واضطراب اور حالت تردد کا شکار ہوکر رہ گئے نیز معاشرے کی طرف سے وہ ایسے بدبین وبدظن ہوئے کہ ہر شخص دوسرے کو عداوت ودشمنی کی نگاہ سے دیکھنے لگے۔

بعض وہ لوگ جو --خوارج-- کہلائے اس رائے کے حامی وطرفدار تھے کہ چونکہ --ناکثین-- کے سرداروں نے اپنے پیشوا یعنی حضرت علی علیہ السلام کے خلاف شورش وسرکشی کی ہے اس لئے ان کا شمار کفار میں ہے اس کے بعد ان کے دلوں میں یہ گمان پیدا ہوگیا کہ حضرت علی علیہ السلام نے چونکہ اپنی حکومت کے استحکام کی خاطر یہ جنگ کی اس لئے وہ بھی آئین دین اسلام سے خارج ہوگئے۔

بعض لوگوں کی یہ رائے تھی کہ جنگ جمل میں اگرچہ حضرت علی علیہ السلام حق بجانب تھے لیکن آپؑ نے چونکہ اہل بصرہ کی تمام دولت کو

---

[1] مروج الذہب ج2 / 371،شرح ابن ابی الحدید ج1 / 249

[2] جنگ جمل میں جو جانی نقصان ہوا اس کے بارے میں مورخین کے درمیان اختلاف رائے ہے۔ابن اثیر ج3 / 255۔اور طبری ج4 / 539 نے مقتولین کی تعداد دس ہزار افراد لکھی ہے یعنی ہر طرف سے تقریباً پانچ ہزار افراد قتل ہوئے۔مسعودی ج2 / 539 نے مروج الذہب میں مقتولین کی تعداد بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اصحاب جمل کے تیرہ ہزار افراد مارے گئے اور حضرت علی علیہ السلام کی سپاہ میں سے پانچ ہزار افراد شہید ہوئے۔بلاذری نے انساب الاشراف ج2 / 265 میں درج کیا ہے کہ صرف اہل بصرہ میں سے بیس ہزار افراد قتل ہوئے مگر یعقوبی نے اپنی تاریخ کے ج2 / 183 پر جانبین کے مقتولین کی تعداد تیس ہزار افراد سے زیادہ بیان کی ہے۔

بطور مال غنیمت جمع نہیں کیا اور ان کی عورتوں کو قید نہیں کیا اسی لئے یہ آپ سے غلطی سرزد ہوئی چنانچہ اسی بنا پر وہ آپؑ کو ناشایستہ الفاظ سے یاد کرنے لگے۔انہیں میں سے تیسرا گروہ ایسا بھی تھا جو ان دونوں گروہوں کو کافر سمجھتا تھا اور اس کا یہ عقیدہ تھا کہ یہ لوگ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے۔[۱]

کوفہ دارالحکومت

جنگ جمل کے مسائل اور بصرہ کی حکومت کے معاملات حل و منظم کرنے کے بعد حضرت علی علیہ السلام نے مدینہ اور بصرہ کے لوگوں کو خطوط لکھے جن میں آپؑ نے جنگ جمل کے واقعات مختصر طور پر بیان کئے وہ خط جو اہل کوفہ کو لکھا تھا اس میں آپؑ نے مزید یہ بھی مرقوم فرمایا تھا کہ میں جلدی ہی کوفہ کی جانب آؤں گا[۲] اس ارادہ کے تحت آپؑ جنگ جمل کے ایک یا دو ماہ بعد بصرہ سے کوفہ کی جانب روانہ ہوئے۔

بصرہ کے بعض سر برآوردہ لوگ بھی حضرت علی علیہ السلام کے ہمرکاب تھے کوفہ کے لوگ بالخصوص قاریان قرآن حضرت علی علیہ السلام کے استقبال کے لئے شہر سے باہر نکل آئے اور آپؑ کے حق میں انہوں نے دعائے خیر کی۔

حضرت علی علیہ السلام بتاریخ 12 رجب سنہ 36 ھ میں اس مقام پر فروکش ہوئے جو۔۔رحبہ[۳]۔۔کے نام سے مشہور تھا وہاں سے آپ سیدھے جامع مسجد تشریف لے گئے اور وہاں آپ نے دو رکعت نماز ادا کی۔[۴]

کوفہ کے واقعات بیان کرنے سے قبل یہاں لازم ہے کہ ہم ان اسباب و علل کا جائزہ لیں جن کے باعث کوفہ کو اسلامی حکومت کا مرکز قرار دیا۔

کوفہ کو اسلامی حکومت کا مرکز قرار دیئے جانے کے سلسلے میں مورخین نے بہت سے اسباب و علل بیان کئے ہیں۔ان میں ایک وجہ یہ تھی کہ مالک اشتر اور کوفہ کے دیگر سر برآوردہ لوگوں کا یہ اصرار تھا کہ اس شہر کو اسلامی حکومت کا مرکز بنایا جائے دوسری وجہ یہ تھی کہ جنگ جمل کے بعد بعض لوگ فرار کر کے کوفہ کی جانب چلے آئے تھے اور اس بناء پر حضرت علی علیہ السلام نے مجبوراً فیصلہ کیا کہ ان کے فتنے کی سرکوبی کے لئے کوفہ کی جانب روانہ ہوں۔[۵]

لیکن جب ہم ان حوادث اور مسائل کا جائزہ لیتے ہیں جو امیرالمومنین حضرت علی علیہ السلام کے سامنے اس وقت موجود تھے جب آپؑ نے زمام حکومت سنبھالی تو ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ وہ دیگر مسائل تھے جو حضرت علی علیہ السلام کے لئے مرکز حکومت منتقل کرنے کے محرک ہوئے۔

اس سے پہلے بتایا جا چکا ہے کہ۔۔فتنہ ناکثین۔۔سے قبل حضرت علی علیہ السلام کا خیال تھا کہ ایسی عسکری طاقت منظم ہو جائے جس کے ذریعے معاویہ کا مقابلہ کیا جا سکے مگر ناکثین کی شورش نے اس معاملے میں تاخیر پیدا کر دی چنانچہ فطری طور پر معاویہ نے اس معاملے کو غنیمت جانا اور اس نے حضرت علی علیہ السلام کی حکومت کے خلاف جنگ کرنے کی غرض سے کافی فوجی طاقت نیز اور دیگر وسائل فراہم کر لیئے۔معاویہ

---

[۱] ملاحظہ ہو الملل والنحل شہرستانی ج1/ 121، والتبصیر 42۔
[۲] علامہ مفید نے حضرت علی علیہ السلام کے خطوط اپنی تالیف وتالیف الجمل میں صفحات 215، 211 پر درج کئے ہیں۔
[۳] رحبہ کوفہ کے محلوں میں سے ایک محلے کا نام تھا (معجم البلدان ج3/ 33)
[۴] وقعہ صفین 3۔
[۵] ملاحظہ ہو کامل ابن اثیر ج3/ 260 و تاریخ طبری ج4/ 544، 543۔

نے شام کے لوگوں کو مطیع و فرمانبردار کرنے کے علاوہ اس نے عثمان کے خون کا بدلہ لینے کے بہانے سے لوگوں کے جذبات مشتعل کئے چنانچہ عراق کی جانب جو خطوط بھیجے اور جن صاحب اثر و رسوخ افراد کو روانہ کیا ان کا اصلی سبب یہ تھا کہ سرداران قبائل اور فرمانداران لشکر کو وہ اپنی جانب متوجہ کرلے۔

معاویہ جانتا تھا کہ فتوحات اور اسلامی قلمرو کے وسعت پذیر ہونے کے باعث شام کوفہ و بصرہ تین اہم مرکز بن گئے ہیں اور حجاز فوجی طاقت کے اعتبار سے خاصا دور ہو گیا ہے۔

یمن میں بھی قابل توجہ و اعتنا عسکری طاقت موجود نہ تھی چنانچہ جس وقت ۔۔بسر بن ارطاۃ۔۔ نے اس منطقے میں شورش و سرکشی کی تو حضرت علی علیہ السلام کا کارپرداز اس کے مقابل اپنا دفاع نہ کرسکا اور یا یہ کہ جنگ جمل میں تقریبا سات سو افراد ہی حضرت علی علیہ السلام کی مدد کے لئے ربذہ پہنچے اور اسی لئے حضرت علی علیہ السلام نے ۔۔ذی قار۔۔ میں توقف فرمایا تا کہ لشکر کوفہ وہاں آجائے۔

یہی وہ مسائل تھے جو حضرت علی علیہ السلام کی تیز بین و دور اندیش نظروں سے پنہاں نہ رہ سکے آپؑ کو علم تھا معاویہ نے شام میں اس موقع سے فایدہ اٹھایا ہے۔ چنانچہ عسکری طاقت کے علاوہ اس نے دیگر وسائل جنگ بھی فراہم کر لئے ہیں اس بنا پر حضرت علی علیہ السلام کے لئے ضروری تھا کہ وہ بھی عظیم مسلح لشکر تیار کریں تا کہ معاویہ سے نبرد آزمائی کی جاسکے اس کے علاوہ یہ بھی ضروری تھا کہ دشمن کی نگرانی نزدیک سے کی جائے کیونکہ اس سے کسی وقت بھی زور آزمائی ہو سکتی ہے۔

ان دو مقاصد کے پیش نظر بصرہ اور کوفہ میں سے کسی ایک شہر منتخب کیا جاسکتا تھا۔ اب بصرہ بھی ایسی جگہ نہیں تھی جہاں زیادہ دن تک قیام کیا جاسکے کیونکہ فتنہ جمل کی آگ سرد کرنے کے لئے وہاں بہت زیادہ خون بہایا گیا تھا اور جنگ کے بعد جو لوگ زندہ رہ گئے تھے انکے دلوں میں حضرت علی علیہ السلام کی حکومت کیلئے جوش و خروش نہیں تھا۔ بلکہ وہ ایک اعتبار سے پست ہمت و کم حوصلہ ہو چکے تھے اسی بنا پر وہ حضرت علی علیہ السلام کے لئے بھی قابل اعتماد نہ تھے۔ چنانچہ ان وجوہات کی بناء پر بہترین اور مناسب ترین شہر کوفہ ہو سکتا تھا۔

چنانچہ معاویہ کی طرف سے جب تک خطرے کا امکان ہو سکتا تھا اس وقت تک حکومت کی مصلحت کا تقاضا یہی تھا کہ امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کوفہ میں ہی تشریف فرما رہیں۔

کوفہ پہنچنے پر علی علیہ السلام کے اقدامات

کوفہ پہنچنے کے بعد حضرت علی علیہ السلام سہر کی مسجد میں تشریف لے گئے جہاں آپ نے لوگوں سے خطاب کیا اس موقع پر آپ نے اہل کوفہ کی قدر کرتے ہوئے ان کی حوصلہ افزائی کی کہ انہوں نے آپؑ کی دعوت کو قبول کیا۔ اپنے خطبے میں آپ نے ہوا و ہوس نیز لمبی لمبی آرزوں سے گریز کرنے کی ہدایت فرمائی اور ان لوگوں کو تنبیہہ کی جو آپؑ کی مدد کرنے سے روگردان ہو گئے تھے۔

اس کے بعد آپ نے ۔۔جعدہ بن غبیرہ[1] ۔۔مخزومی کے مکان پر قیام فرمایا۔[2] بتاریخ 16 رجب بروز جمعہ آپ مسجد میں تشریف لے گئے جہاں پہلی مرتبہ آپ نے نماز جمعہ کی امامت فرمائی۔[3]

---

[1] ۔۔۔جعدہ۔۔امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام بھانجے تھے آپ کی والدہ ام ہانی دختر ابی طالب تھیں (شرح ابن ابی الحدید ج10/ 77)۔

[2] وقعہ صفین/3-10۔

[3] مروج الذہب ج2/ 272، کامل ابن اثیر ج3/ 276۔

اس کے بعد آپ نے امور حکومت کی جانب توجہ فرمائی، اپنے اقدامات میں حاکم آذربائیجان --اشعث بن قیس-- اور ہمدان کے عامل و کارپرداز --جریر ابن عبداللہ-- کو انکے مناصب سے برطرف کیا جو کہ عثمان کے مقرر کردہ والیان حکومت تھے ان دونوں کو اپنے پاس[1] بلایا، اپنے دیگر کارپردازوں کو مختلف مناطق کی جانب روانہ کیا چنانچہ --یزید ابن قیس-- کو حکومت مدائن، --مخنف بن سلیم-- کو حکومت اصفہان و ہمدان اور مالک اشتر کو موصل کی منصب داری عطا کی۔[2]

قاسطین

ناکثین کا فتنہ دب جانے کے بعد ایسے ناہنجار حالات پیدا ہونے لگے کہ جن میں خالص نسلی اور قبائلی محرکات کارفرما تھے۔ اب اس اسلامی فکر کو پیش کرنے کی کوشش کی جانے لگی جس میں سے روح تو مفقود ہو چکی تھی بس ظاہری خول باقی رہ گیا تھا۔ اب اسلام کی قدرت کو بچانے کیلئے خلیفہ مسلمین کی روز افزوں طاقت مسلمہ تھی اس لئے حضرت علی علیہ السلام کی حکومت کے راستے میں جو دوسرا خطرہ تھا وہ --قاسطین-- کا وجود تھا قاسطین کا مجمع درحقیقت ان عاملین اور جماعتوں کی منظم شکل تھی جنہیں حضرت علی علیہ السلام کی حکومت سے کسی نہ کسی طرح گزند پہنچی تھی اور انہیں یہ خطرہ لاحق تھا کہ اگر حضرت علی علیہ السلام کی حکومت برسر اقتدار رہی تو وہ اپنی نفسانی خواہشات کو پورا کرنے میں کامیاب نہ ہو سکیں گے۔ ان تمام گروہوں اور جماعتوں کا سربراہ معاویہ تھا۔ اس نے اپنے سیاسی و اجتماعی موقف کی بنا پر اپنے گرد بہت سے پیروکار جمع کر لئے تھے۔

معاویہ ابن ابی سفیان نے فتح مکہ کے بعد دین اسلام قبول کیا تھا وہ ان افراد میں شامل تھا جو جنگ کے دوران مسلمانوں کی حراست میں آ گئے تھے اور جنہیں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ فرمایا کر آزاد کر دیا تھا جاؤ تم سب آزاد ہو۔[3] سنہ 12ھ میں جس وقت ابوبکر نے --یزید ابن ابی سفیان-- کی قیادت و فرمانداری میں رومیوں سے جنگ کرنے کے لئے لشکر روانہ کیا تھا، تو معاویہ پرچمدار کی حیثیت سے لشکر شام کے ہمراہ تھا جب اس کے بھائی کا انتقال ہو گیا تو خلیفہ وقت نے اسے سپاہ کا فرماندار مقرر کر دیا۔ عثمان کے دور خلافت میں بہت سے نئے علاقے اسلامی حکومت کی قلمرو میں شامل ہوئے چنانچہ یہی وجہ تھی کہ معاویہ انیس سال تک خاطر جمعی کے ساتھ شام پر حکومت کرتا رہا۔

جس وقت حضرت علی علیہ السلام نے زمام حکومت سنبھالی تو معاویہ نے آپؑ کا فرمان قبول کرنے سے روگردانی کی اور عثمان کے خون کا بدلہ لینے کو بہانہ بنا کر حضرت علی علیہ السلام سے برسر پیکار ہو گیا اور جنگ صفین کیلئے راہ ہموار کی، آخری لحات میں جب کہ حضرت علی علیہ السلام کے لشکر کی فتح و پیروزی یقینی تھی، اس نے عمرو عاص کی نیرنگی سے قرآن مجید کو نیزوں کی نوک پر اٹھا لیا اور حضرت علی علیہ السلام کو حکمیت قرآن کی جانب آنے کی دعوت دی اور اس طرح اس نے کوفہ کے سادہ لوح سپاہیوں کو تقدس نمائی سے اپنا گرویدہ کر لیا۔ یہاں تک کہ انہوں نے حضرت علی علیہ السلام کو مجبور کیا کہ وہ جنگ کرنے سے باز رہیں۔

قرآن مجید کی --حکمیت-- کا فائدہ بھی معاویہ کو ہی ہوا (اس کی تفصیل بعد میں بیان کی جائے گی) چنانچہ پہلی مرتبہ اس کا نام

---

[1] وقعہ صفین 12-11۔

[2] اذھبوا انتم الطلقاء (اسی وجہ سے معاویہ کا شمار طلقاء میں ہوتا ہے۔

[3] شرح ابن ابی الحدید ج1/ 231۔ تاریخ التواریخ ج1/ 38۔

لوگوں کی زبانوں پر خلیفہ کی حیثیت سے آنے لگا اور سنہ 40ھ میں جب حضرت علی علیہ السلام کو شہید کر دیا گیا تو خلیفہ بن کر ہی مسند خلافت پر آیا اور اس نے انیس سال سے زیادہ مسلمانوں پر حکومت کی اور بالآخر ماہ رجب میں اس کا انتقال ہوا۔

معاویہ کی تخریب کاری

امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کی حکومت کے خلاف معاویہ نے جس قدر مخالفت و تخریب کاری کی اس کی طرح اندازی عمرو عاص کرتا تھا جیسے ہی یہ اطلاع ملی کہ لوگ حضرت علی علیہ السلام کے دست مبارک پر بیعت کر رہے ہیں تو اس نے درج ذیل مضمون پر مشتمل خط زبیر کو لکھا:--معاویہ کی جانب سے بندہ خدا زبیر کی خدمت میں عرض ہے کہ اے امیر المومنین میں نے شام کے لوگوں سے کہا کہ وہ آپ کے لئے میرے ہاتھ پر بیعت کریں انہوں نے میرے ہاتھ پر بیعت کر لی ہے وہ سب متفقہ طور پر آپ کے مطیع و فرمانبردار ہیں انہوں نے ہی مجھ پر دباؤ ڈالا کہ آپ کے حق میں، میں ان سے بیعت لوں، آپ کوفہ و بصرہ کی حفاظت کیجئے کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ دو شہر علی بن ابی طالب علیہ السلام کے ہاتھ لگ جائیں کیونکہ ان دو شہروں پر قبضہ دیگر سرزمینوں کو حاصل کرنے کے لئے خاص اہمیت کا حامل ہے۔آپ کے بعد میں نے طلحہ کے حق میں بھی لوگوں سے بیعت لے لی ہے اب آپ یہ کہہ کر شورش و سرکشی کریں کہ عثمان کے خون کا بدلہ لینا ہے اور لوگوں کو بھی اسی عنوان سے دعوت دیجئے اس مقصد کی برآوری کے لئے پوری متانت و سنجیدگی اور سرعت عمل سے کام لیجئے۔[1]

معاویہ نے اپنی جدوجہد کا آغاز اسی روش سے کیا اگرچہ کسی بھی تاریخ کی کتاب میں یہ واقعہ نہیں ملتا کہ انہوں نے شام میں زبیر کی حق میں بیعت لی ہو۔

امام علی علیہ السلام کا نمایندہ معاویہ کی جانب

امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام نے معاویہ کیساتھ جنگ کرنے سے قبل اتمام حجت کی غرض سے --جریر ابن عبداللہ-- کو خط دیکر روانہ کیا[2] اور اس سے بیعت کا مطالبہ کرتے ہوئے طلحہ اور زبیر کی عہد شکنی کا بھی ذکر کیا، خط کے آخر میں آپؑ نے مزید تحریر فرمایا کہ اگر تمہارا خود کو بلاؤں میں گرفتار کرنا مقصد ہے تم سے جنگ کروں گا تم ان آزاد شدہ لوگوں میں سے ہو جن میں نہ تو خلافت کی اہلیت و شائستگی ہے اور نہ ہی امور خلافت میں انکو مشیر بنایا جا سکتا ہے۔[3] جب جریر نے خط معاویہ کو دیا وہ اس خط کو پڑھ کر حیرت زدہ رہ گیا اور جریر سے کہا کہ میرے جواب کا انتظار کرو اس مسئلہ کا حل تلاش کرنے کی غرض سے عمرو عاص کو اپنے پاس بلایا اور کہا کہ اگر اس مشکل کا حل نکال لو تو مصر کی حکومت میں تمہارے حوالے کر دوں گا۔معاویہ نے ان کی تجویز پر شام کے سربرآوردہ لوگوں کو مسجد میں جمع کیا اور ان کے سامنے مفصل تقریر کی اس نے اہل شام کی تحسین و قدردانی کرتے ہوئے ان کے جذبات کو عثمان کے خون کا بدلہ لینے کیلئے مشتعل کیا اور حاضرین جلسہ کی اس بارے میں رائے جاننا چاہی، اس بات پر حاضرین اٹھ کھڑے ہوئے اور انہوں نے عثمان کے خون کا بدلہ لینے کے لئے اپنی آمادگی و

---

[1] بعض مورخین نے لکھا ہے کہ جریر کو انہی کی درخواست پر روانہ کیا گیا تھا اگرچہ مالک اشتر نے انہیں روانہ کئے جانے کی مخالفت کی تھی اور یہ کہا تھا کہ جریر کا دل سے جھکاؤ معاویہ کی جانب ہے لیکن اس پر حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ ان کا امتحان کئے لیتے ہیں پھر دیکھیں گے کہ وہ ہماری طرف کیسے آتے ہیں۔ملاحظہ ہو مروج الذہب ج2/372، وقعۃ صفین27۔

[2] وقعۃ صفین/19، شرح ابن ابی الحدید ج753، کامل ابن اثیر ج3/276 اور مروج الذہب ج2/372۔

[3] مروج الذہب ج2/372، وقعۃ صفین 34، 31

رضامندی کا اظہار کیا چنانچہ اس غرض کے تحت انہوں نے معاویہ کے ہاتھ پر بیعت کی اور یہ وعدہ کیا کہ جب تک دم میں دم ہے، وہ اس عہد پر قائم رہیں گے اور اپنا مال تک اس راہ میں قربان کر دیں گے۔

جریر نے جب یہ منظر اپنی آنکھوں سے دیکھا تو وہ امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کے پاس واپس آ گئے اور تمام واقعات آپ کے سامنے بیان کئے اور کہا کہ شام کے لوگوں نے معاویہ کے ساتھ گریہ وزاری بھی کی اور آپ سے جنگ کرنے کیلئے سب متفق الرائے ہیں کیونکہ ان کا گمان ہے کہ حضرت علی بن ابی طالب علیہ السلام نے انہیں قتل کرایا ہے اور ان کے قاتلوں کو پناہ دی ہے۔[1]

سرکشی کے اسباب

معاویہ نے امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کی حکومت کے خلاف کیوں سرکشی کی نیز اس کے پس پشت کیا اسباب و علل اور محرکات کارفرما تھے ان کا مختصر طور پر ہی سہی مگر ذکر کر دینا بہت ضروری ہے۔

1 دشمنی اور کینہ

خاندان بنی امیہ کو جس کا سردار معاویہ تھا، ہاشمی خاندان بالخصوص پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام سے سخت عداوت و دشمنی تھی، اس دشمنی و کینہ توزی کا آغاز نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد رسالت اور اس کے بعد پیش آنے والے غزوات کے باعث ہوا۔ عداوت اور دشمنی اس حد تک پہنچ چکی تھی کہ جہاں کہیں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عظمت کا ذکر ہوتا معاویہ اپنے دل میں ملول ہوتا ذیل کی حکایت اس کی شاہد و گواہ ہے۔۔مطرف ابن مغیرہ۔۔۔سے منقول ہے کہ میرے والد کی معاویہ کے پاس آمد و رفت تھی وہ جب بھی اس کے پاس سے واپس گھر آتے تو اسکی ذہانت و ذکاوت کی بہت تعریف کرتے ایک رات معاویہ کے پاس سے آئے تو میں نے انہیں اتنا مضطرب و پراگندہ خاطر پایا کہ انہوں نے کھانا تک نہیں کھایا۔ میں نے اپنے والد سے دریافت کیا کہ وہ اس قدر کیوں مضطرب و پریشان خاطر ہیں، انہوں نے جواب دیا کہ آج میں انتہائی کافر اور خبیث ترین شخص کے پاس سے واپس آ رہا ہوں۔ میں نے پوچھا آخر ہوا کیا؟ انہوں نے کہا کہ معاویہ کے پاس بیٹھا ہوا تھا جب خلوت ہوئی تو میں نے کہا اے امیر المومنین آپ کافی عمر رسیدہ ہو چکے ہیں اور عہد پیری کی منزل تک پہنچ گئے یہاں اچھا ہوگا کہ آپ اب عدل و انصاف سے کام لیں اور اپنے بھائی بنی ہاشم سے صلہ رحمی کے ساتھ پیش آئیں کیونکہ انکے پاس ایسی کوئی چیز نہیں جس کے باعث آپ کو ان سے خطرہ ہو، اس کے علاوہ اگر آپ حسن سلوک کریں گے تو لوگ آپ کو یاد رکھیں گے اور اس کا آپ کو اجر بھی ملے گا۔

اس پر معاویہ نے کہا کہ ہرگز اپنے کام کی بقا کی خاطر کس امید پر نیک کام کروں۔۔تیم۔۔کے بھائی ابوبکر کو خلافت ملی عدل وانصاف کو اپنا شیوہ بنایا اور جو کچھ کرنا تھا انہوں نے کیا لیکن جب ان کی وفات ہوگئی تو لوگ انہیں بھول گئے بس لوگوں کو اتنا ہی یاد رہ گیا ہے کہ ابوبکر کے بعد عدی کے بھائی عمر نے حکومت کی۔ دس سال تک وہ خدمت خلق کرتے رہے مگر مرنے کے بعد انکا نام بھی صفحہ ہستی سے محو ہوگیا صرف چند ہی لوگوں کو یہ نام (عمر) یاد رہ گیا ہے لیکن اس کے برعکس۔۔ابی کبشہ۔۔۔کے فرزند محمد ابن عبداللہ۔۔کا نام ہر روز پانچ مرتبہ باآواز بلند لیا جاتا ہے اور۔۔اشھدان محمد رسول اللہ۔۔کہا جاتا ہے اس کے بعد میری کون سی کارکردگی اور یاد باقی رہ جائے گی خدا کی قسم

---

[1] شرح ابن ابی الحدید ج5/ 129

جیسے ہی میں خاک کے نیچے جاؤں گا میرا نام بھی اس کے ساتھ دفن ہو جائے گا۔[1]

2 حکومت کی آرزو

معاویہ جانتا تھا کہ امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام اسے اس کے منصب پر قائم رہنے نہیں دیں گے کیونکہ اسے اس بات کا علم تھا کہ حضرت علی علیہ السلام نے ظلم و استبداد کی ہمیشہ مخالفت کی ہے اور حکومت اسی لئے قبول کی کہ اسے عدالت و انصاف سے چلائیں گے۔

حضرت علی علیہ السلام کے کردار سے وہ چونکہ بخوبی واقف تھا اس لئے اسے یہ بھی علم تھا کہ امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام نہ صرف یہ کہ حکومت شام کی جانب سے چشم پوشی نہ کریں گے بلکہ وہاں جو مال انہوں نے عثمان کے دور خلافت میں جمع کیا تھا اس سے لے کر بیت المال میں داخل کر دیں گے۔ اس کے بعد وہ ایک معمولی فرد کی طرح اپنی باقی عمر کسی گوشہ تنہائی میں گذار لے گا یہ بات اس کے لئے کسی بھی طرح قابل برداشت نہ تھی۔

چنانچہ یہی وجہ تھی کہ وہ جب تک شام پر حکم فرما رہا، اس نے کبھی مرکزی حکومت کے کار پرداز و نمایندے کی حیثیت سے عمل نہیں کیا بلکہ وہاں اپنے لئے ایک مستقل سلطنت کی بنیاد قائم کر دی تھی۔ تاکہ اپنی مرضی کے مطابق وہ لوگوں پر حکمرانی کر سکے اور ایسی حکومت کی بنیاد رکھ دی جو اس کے خاندان میں آنے والی نسلوں کی میراث بن گئی۔

3 ناکثین کی شورش

ناکثین کی شورش نے عثمان کے خون کا بدلہ لینے کی تحریک کے لئے راستہ ہموار کر دیا اگر ایسا نہ ہوتا تو معاویہ کے لئے مشکل تھا کہ اس اتحاد کو جو مسلمانوں کے درمیان پیدا ہو گیا تھا اور جس کی سرزمین اسلام کے بیشتر علاقوں پر حکم و فرمانروائی تھی اس کو درہم برہم کر سکے اور مسلمانوں میں ایک دوسرے کے خلاف مقابلے کی ہمت و جرات پیدا ہو سکے لیکن جنگ جمل کے جو ناخوشگوار نتائج رونما ہوئے انہوں نے اس سد عظیم کو گرا دیا اور معاویہ کے واسطے شورش و سرکشی کا میدان صاف کر دیا۔

4 گزشتہ خلفاء کی دلیل و مثال

اس کے علاوہ معاویہ اپنے اس رویے کی یہ توجیہ پیش کرتا اور کہتا کہ گذشتہ خلفاء نے حضرت علی علیہ السلام پر سبقت حاصل کر لی اور مسلمانوں نے بھی ان کی حکومت کو تسلیم کر لیا اس لئے میں بھی انہی کے رویے کی پیروی کر رہا ہوں۔ چنانچہ جب اس نے محمد ابن ابی بکر کو خط لکھا تو اس میں انہوں نے اسی امر کی جانب اشارہ کیا کہ تمہارے والد اور عمر آن اولین افراد میں سے تھے جنہوں نے خلافت میں علی علیہ السلام کی مخالفت کی اور ان کا حق خود لے لیا وہ خود تو مسئلہ خلافت پر متمکن رہے مگر علی علیہ السلام کو انہوں نے امر خلافت میں شریک تک نہ کیا... اگر وہ راہ راست پر چل رہے ہیں تو تمہارے والد وہ پہلے شخص تھے جنہوں نے یہ راہ اختیار کی اگر ہم ظلم و ستم کے رستے پر گامزن ہیں تو اس راستے کو بھی تمہارے والد نے سب سے پہلے ہموار کیا تھا اس مقصد میں ہم ان کے شریک کار اور انہی کی پیروی کر رہے ہیں اگر تمہارے والد اس راہ میں ہم پر سبقت نہ لے جاتے تو ہم علی بن ابی طالب علیہ السلام کی ہرگز مخالفت نہ کرتے لیکن ہم نے دیکھا کہ تمہارے والد نے یہ کام انجام دیا ہے چنانچہ ہم ان کی راہ و روش پر گامزن ہیں۔[2]

---

[1] وقعہ صفین 120-119۔ شرح ابن ابی الحدید ج3/ 189

[2] تاریخ ابوالفداء ج1/ 171 کامل ابن اثیر ج3/ 192-277

5 پروپیگنڈہ

عثمان کے قتل کے بعد طلحہ وزبیر نے جو شورش وسرکشی کی راہ اختیار کی اس کے باعث معاویہ کو یہ موقع مل گیا کہ وہ حضرت علی علیہ السلام کی حکومت کے خلاف پروپیگنڈہ کر سکے اور اس میں بھی جو چیز کار فرما تھی وہ عثمان کے خون کا بدلہ تھا۔

معاویہ نے اہل شام کے جذبات برافروختہ کرنے کے لئے عثمان کے خون آلود کرتے اور ان کی اہلیہ نائلہ کی قطع شدہ انگلی کو جنہیں ۔۔نعمان بن بشیر ۔۔اپنے ساتھ صوبہ شام سے لے آیا تھا، مسجد کی دیوار پر نصب کر دیا اور انہوں نے چند عمر رسیدہ لوگوں سے کہا کہ وہ ان چیزوں کے نزدیک بیٹھ کر گریہ وزاری کریں، اس پروپیگنڈہ نے لوگوں کے دلوں پر ایسا گہرا اثر کیا کہ جیسے ہی معاویہ کی ولولہ انگیز تقریر ختم ہوگئی تو لوگ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑے ہوئے اور سب نے ایک آواز ہوکر کہا کہ ہم عثمان کے خون کا بدلہ لیں گے اور معاویہ کے ہاتھ پر یہ کہہ کر بیعت کی کہ جب تک ہمارے دم میں دم ہے تمہارا ساتھ دیں گے۔

مشہور ومعروف اشخاص کو اپنانا

معاویہ کا مقصد چونکہ زمام حکومت کو اپنے اختیار میں لینا تھا سی لئے اسکی مسلسل یہ سعی وکوشش تھی کہ جس طرح بھی ممکن ہو سکے ان لوگوں کی توجہ کو اپنی طرف مائل کریں جو اس کام کے لئے مناسب ہو سکتے ہیں اور ان کے ساتھ یہ عہد وپیمان کریں کہ وہ حضرت علی علیہ السلام کے خلاف سرگرم عمل رہیں گے اس کام میں جو لوگ اس کے ہم خیال رہے ان کے نام درج ذیل ہیں:

1 عمروعاص: معاویہ نے اس سے کہا کہ تم میرے ہاتھ پر بیعت کرو اور میری مدد کرو اس پر عمروعاص نے کہا کہ خدا کی قسم دین کی خاطر تو میں یہ کام نہیں کر سکتا البتہ دنیوی مفاد کی خاطر میں تیار ہوں معاویہ نے دریافت کیا کہ کیا مانگنا چاہتے ہو اس نے کہا کہ مصر کی حکومت معاویہ نے اس کے اس مطالبے کو منظور کر لیا اور لکھ کر دستاویز بھی دی۔[1]

2 طلحہ وزبیر جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے کہ معاویہ نے زبیر کو خط لکھا تو اس میں زبیر کو امیر المومنین کے لقب سے یاد کیا تھا اور ان کی نیز طلحہ کی توجہ کو اپنی جانب مائل کرنے کی غرض سے ایسا ظاہر کیا کہ میں نے تمہارے حق میں شام کے لوگوں سے بیعت لی ہے اور طلحہ کو ولیعہد مقرر کر دیا ہے۔

3 شرحبیل ۔اس کا شمار شام کے با اثر ورسوخ افراد میں ہوتا تھا معاویہ نے خاص حکمت عملی کے ذریعے اسے اپنی جانب مائل کیا اور وہ بھی اس کا ایسا گرویدہ ہوا کہ معاویہ کا دم بھرنے کے علاوہ عثمان کے خون کا مطالبہ شروع کر دیا۔معاویہ نے ضمناً عمروعاص کا ذکر کرتے ہوئے اسے خط میں لکھا کہ علی علیہ السلام کا جریر نامی نمائندہ میرے پاس آیا ہے اور اس نے بہت اہم تجویز میرے سامنے رکھی ہے یہ خط ملتے ہیں آپ فوراً میرے پاس چلے آئیں۔معاویہ نے شرحبیل کے آنے سے قبل بعض ایسے لوگوں کو جو اس کے نزدیک قابل اعتماد تھے اور اس کے ساتھ ہی وہ شرجیل کے قرابت دار بھی یہ ہدایت کہ جب شرحبیل مجھ سے ملاقات کر چکے تو وہ اس سے ملاقات کریں اور اسے اطلاع دیں کہ عثمان کا قتل حضرت علی علیہ السلام کے ایماء پر ہی ہوا ہے۔[2]

شرحبیل کو جیسے ہی معاویہ کا خط ملا تو عبدالرحمن ابن غنم اور عیاض جیسے خیر خواہ دوستوں کی مرضی ومنشاء کے خلاف اس نے معاویہ کی

---

[1] وقعہ صفین 32 شرح ابن ابی الحدید ج3 / 78

[2] مروج الذہب ج2 / 354۔ وقعہ صفین 40 / 38

دعوت کوقبول کرلیا اگر چہ انہوں نے بہت منع کیا مگر اس کے باوجود وہ حمص سے دمشق کی جانب روانہ ہوگیا۔[1]

شرحبیل جیسے ہی شہر میں داخل ہوا تو معاویہ کے ہوا خواہ اس کے ساتھ بہت عزت واحترام سے پیش آئے اس کے بعد معاویہ نے جریر کے خط کا ذکر کیا اور مزید یہ کہا کہ اگر علی علیہ السلام نے عثمان کو قتل نہ کرایا ہوتا تو وہ بہترین انسان شمار کئے جاتے جب معاویہ کی گفتگو ختم ہوگئی تو شرحبیل نے کہا کہ مجھے اس مسئلے پر سوچنے کا موقع دیجئے تا کہ اس کے بارے میں غور وفکر کرسکوں۔

معاویہ سے رخصت ہوکر جب وہ واپس ہوا تو اس کی کچھ لوگوں سے ملاقات ہوگئی یہ لوگ تو پہلے سے ہی ان سے ملنے کے متمنی و مشتاق تھے۔شرحبیل نے عثمان کے قتل کے بارے میں ان سے دریافت کیا تو سب نے یہی کہا کہ علی علیہ السلام ہی عثمان کے قاتل ہیں۔

یہ سننے کے بعد شرحبیل غضبناک حالت میں معاویہ کے پاس واپس آیا اور کہا کہ لوگوں کا یہ خیال واضح ہے کہ عثمان کو علی علیہ السلام نے قتل کیا ہے۔خدا کی قسم اگر تم نے ان کے ہاتھ پر بیعت کی تو ہم لوگ یا تو تمہیں شام سے باہر نکال دیں گے یا یہیں قتل کر ڈالیں گے۔معاویہ نے محسوس کرلیا کہ اس کا منصوبہ کارگر ثابت ہوا ہے کہا کہ میں بھی شام کے افراد میں سے ایک ہوں میں نے آج تک تمہاری مخالفت نہیں کی ہے اور آیندہ بھی ایسا نہ کروں گا مگر تم کو یہ جاننا چاہئے کہ یہ کام شام کے عوام کی مرضی کے بغیر صورت پذیر نہیں ہوسکتا تم کو اس منطقے میں شہرت و نام آوری حاصل ہے اب تم شام کے مختلف شہروں کا دورہ کرو اور لوگوں کو بتاؤ کہ عثمان کو علی علیہ السلام نے قتل کیا ہے اور اب مسلمانوں پر واجب ہے کہ اس خون کا بدلہ لینے کی خاطر شورش وسرکشی کریں۔شرحبیل نے ایسا ہی کیا چنانچہ چند زاہد و پارسا و گوشہ نشین افراد کے علاوہ شام کے عام لوگوں نے اس دعوت کو قبول کرلیا۔[2]

سوالات

1 امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام نے بصرہ پہنچنے کے بعد کیا اقدامات کئے؟

2 جنگ جمل کے کیا نتائج واثرات رونما ہوئے؟ مختصر طور پر وضاحت کیجئے۔

3 جنگ جمل کے بعد کوفہ کو مرکز حکومت کیوں قرار دیا؟

4 امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کی حکومت کے خلاف معاویہ کا کیا موقف تھا؟ معاویہ کے عدم تعاون کی ایک مثال پیش کیجئے۔

5 حضرت علی علیہ السلام کی حکومت کے خلاف معاویہ نے کیوں شورش وسرکشی اختیار کی؟ مختصر طور پر بیان کیجئے۔

6 معاویہ نے صاحب اثر ورسوخ اور سیاستمدار افراد کی توجہ کو اپنی طرف کیسے مبذول کیا اس کی ایک مثال پیش کیجئے؟

---

[1] وقعہ صفین 44 یہاں اس بات کا ذکر بھی ضروری ہے کہ شرحبیل اور جریر کے درمیان سخت عداوت تھی۔

[2] ان کی قرابت داری میں یزید بن اسد بُسر اور ارطاء اور عمر بن سفیان بھی شامل تھے۔ وقعہ صفین 45، شرح ابن ابی الحدید ج 2 / 71۔

نواں سبق

قاسطین (جنگ صفین)

حضرت علی علیہ السلام کا معاویہ کے ساتھ مراسلت میں محرک

حضرت علی علیہ السلام جب تک کوفہ میں قیام پذیر رہے اور صفین کی جانب روانہ ہونے سے پہلے تک آپ نے معاویہ کی جانب خطوط بھیجنے اور اپنے نمایندگان کو روانہ کرنے میں ہمیشہ پیشقدمی کی تا کہ اسے اس راہ وروش سے روکا جا سکے جو اس نے اختیار کر رکھی تھی جس کی پہلی وجہ یہ تھی کہ حضرت علی علیہ السلام دل سے یہ نہیں چاہتے تھے کہ شام کے لوگوں سے جنگ کی جائے کیونکہ وہ بھی مسلمان تھے۔

دوسری وجہ یہ تھی کہ حضرت علی علیہ السلام چاہتے تھے کہ معاویہ، شام کے عوام اور ان لوگوں کے لئے جو آئندہ آپ کے ہمرکاب رہ کر معاویہ سے جنگ کریں گے اتمام حجت ہوجائے۔

تیسری وجہ یہ تھی کہ اگر امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام معاویہ کے خطوط کا جواب نہ دیتے اور اس کے عدم تعاون کے خلاف صریح و قطعی موقف اختیار نہ کرتے تو ممکن تھا کہ عوام اس رائے کے حامی ہوجاتے کہ معاویہ حق بجانب ہے۔

ابن ابی الحدید نے ان بعض خطوط کو نقل کرتے ہوئے جن کا مبادلہ حضرت علی علیہ السلام اور معاویہ کے درمیان ہوا لکھا ہے کہ اگر چہ زمانے میں نیرنگیاں تو بہت ہیں مگر اس سے زیادہ کیا عجیب بات ہوسکتی ہے کہ حضرت علی علیہ السلام کے لئے نوبت یہاں تک آن پہنچی کہ ان کا اور معاویہ کا شمار ایک ہی صف کیا جانے لگا اور وہ ایک دوسرے کے ساتھ مراسلت کریں۔[1]

اس کے بعد ابن ابی الحدید نے لکھا ہے کہ اس مراسلت و مکاتبت کے پس پشت کون سا محرک کارفرما تھا وہ لکھتا ہے کہ --شاید حضرت علی علیہ السلام کی نظر میں اس کی وہ مصلحت آشکار وروشن تھی جو ہم پر پوشیدہ و پنہاں ہے --اوپر جو وجوہ بیان کے گئے ہیں ان کے علاوہ خطوط لکھنے کی وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ:

1 --زور آور و تنومند سیاسی افراد نے مختلف احادیث جعل کر کے معاویہ کو اس بلند مقام پر پہنچا دیا اور اس کے لئے ایسے فضائل اختراع کئے کہ معاویہ امامؑ کے مقابلہ میں آ گیا یہی نہیں بلکہ معاویہ خود کو افضل تصور کرتا اور اس پر فخر کرتا تھا یہ تحریک عمر کے عہد خلافت میں شروع ہوئی[2] اور بالآخرہ امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کے زمان خلافت میں شدت اختیار کر گئی۔

2 معاویہ نے حضرت علی علیہ السلام کو جو خطوط لکھے ہیں ان میں اس نے حضرت علی علیہ السلام سے بہت سی ناروا باتیں منسوب کی ہیں اور اپنی طرف ایسے افتخارات کی نسبت دی ہے جن کی کوئی اساس نہیں ہے اگر حضرت علی علیہ السلام نے ان حقائق کو آشکار نہ کیا ہوتا اور اس ضمن میں

---

[1] ملاحظہ ہو شرح نہج البلاغہ جلد 61 / 136 اس کے علاوہ خود امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام انہی اقوال میں فرماتے ہیں اس سے زیادہ میرے لئے اور کیا باعث تردد ہوگا کہ میرا موازنہ ان لوگوں سے کیا جا رہا ہے درحالیکہ میں عثمان طلحہ زبیر سعد اور عبدالرحمن کے ہم پلہ نہیں شرح ابن ابی الحدید ج 1 / 184 الدہر انزلنی حتی قیل معاویۃ وعلی (زمانے نے مجھے اس قدر گرا دیا ہے کہ میرا اور معاویہ کا نام ساتھ لیا جاتا ہے)۔

[2] عمر ابن خطاب نے معاویہ کو "کسرائے عرب" کا لقب دیا تھا اور شورائے خلافت کو تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ خبردار اگر تم ایک دوسرے کے ساتھ اختلاف کروگے تو معاویہ شام سے اٹھے گا اور تمہیں مغلوب کر لے گا۔

ضروری باتیں نہ بتائی ہوتیں تو بہت سے حقیقی واقعات نظروں سے اوجھل ہوکر رہ جاتے اور وہ افترا پردازیاں جو آپؑ کے ساتھ روا رکھی گئیں ان کا جواب نہ دیا گیا ہوتا تو سادہ لوح انسان ان کو حقیقت سمجھ کر قبول کر لیتے۔

حضرت علی علیہ السلام سے جو اتہامات منسوب کئے گئے ان میں سے ایک یہ بھی تھا کہ آپؑ کو اپنے سے پہلے کے خلفاء سے حسد و بغض تھا اور ان کے خلاف شورش کرنا چاہتے تھے اگر اس کا جواب نہ دیا گیا ہوتا تو عین ممکن تھا کہ سپاہ عراق میں تفرقہ پیدا ہو جاتا چنانچہ یہی جہ تھی کہ حضرت علی علیہ السلام نے اس سازش کو روکنے کی غرض سے اپنے منطقی و مستدل بیان سے معاویہ کو جواب دیا۔[1]

حجاز کی جانب دراز دستی

حضرت علی علیہ السلام کی یہی کوشش تھی کہ معاویہ کے ساتھ جو اختلافات ہے وہ مسالمت آمیز طریقے سے حل ہو جائیں اور وہ قتل و خون ریزی کے بغیر حق و انصاف کے سامنے سر تسلیم خم کر دے لیکن اس کے برعکس معاویہ پوری سنجیدگی سے حالات کی برہمی و آشفتگی اور مسلمانوں میں باہمی اختلاف و گروہ بندی کی کوشش کرتا رہا چنانچہ اس نے اپنے سیاسی اقتدار کو تقویت دینے کے لئے سر برآوردہ افراد اور سرداران قبائل کو خط لکھنے شروع کئے تاکہ اس طریقے سے حجاز اس کی دسترس میں آجائے۔

اس سلسلے میں اس نے عمرو عاص سے مشورہ کیا اور کہا کہ اس اقدام کے ذریعے ہمیں دو نتائج میں سے ایک حاصل ہوگا یا تو ہم اپنے مقصد میں کامیاب ہو جائیں گے اور انھیں اپنا ہم خیال بنالیں گے یا تو کم از کم ان کے درمیان شک و تردید تو پیدا کر دیں گے تاکہ وہ علی علیہ السلام کو مدد دینے سے باز رہیں۔

لیکن عمرو عاص کی رائے میں یہ اقدام موثر نہ تھا کیونکہ اس کا خیال تھا کہ جن افراد کو خط لکھا جا رہا ہے وہ یا تو حضرت علی علیہ السلام کے طرفدار ہیں ظاہر صورت میں انھیں خط لکھنے سے ان کی نظر و بصیرت میں اضافہ ہوگا اور وہ بیشتر علی علیہ السلام کی حامی و طرفدار ہو جائیں گے یا پھر وہ لوگ ہی جو عثمان کے جانبدار ہیں انھیں خط لکھنے سے کوئی فائدہ نہیں کیونکہ وہ جو کچھ بھی ہیں خط سے ان پر مزید کوئی اثر ہونے والا نہیں، رہے وہ لوگ جو ہر طرف سے لاتعلق ہیں انھیں بھی تم سے زیادہ علی علیہ السلام پر اعتماد ہے۔

لیکن معاویہ اپنے فیصلے پر پوری سنجیدگی سے قائم رہا بالآخر دونوں نے مشترکہ طور پر اہل مدینہ کو لکھا اور اس میں انہوں نے یہ اتہام لگایا کہ عثمان کے قاتل علی علیہ السلام ہیں چنانچہ انہوں نے حضرت علی علیہ السلام سے درخواست کی کہ عثمان کے قاتل ان کے حوالے کئے جائیں اور اس سلسلے میں اہل مدینہ سے مدد چاہی۔[2]

مذکورہ بالا خط کے علاوہ انہوں نے سعد بن ابی وقاص، عبداللہ بن عمر اور محمد بن مسلمہ جیسے سر برآوردہ لوگوں کو بھی خطوط لکھے کہ جنہوں نے حضرت علی علیہ السلام سے کنارہ کشی اختیار کر لی تھی۔

اس اقدام سے معاویہ کا مقصد و مدعا یہ تھا کہ وہ حضرت علی علیہ السلام کی حکومت کو داخلی مشکلات و کشمکش سے دوچار کر دے کیونکہ وہ

---

[1] بطور مثال حضرت علی علیہ السلام پر حسد کا اتہام لگایا گیا اس کا جواب دیتے ہوئے امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام نے لکھا تھا... بالفرض اس الزام میں اگر کوئی صداقت ہے تو ایسا کوئی جرم نہیں جو تم پر بھی عاید ہوا اور میں اس کے لئے عذر خواہی کروں بقول شاعر اگرچہ ننگ ہے مگر اس کی گرد تمہارے دامن کو نہ پکڑے گی (نہج البلاغہ مکتوب 28) معاویہ کے خطوط اور حضرت علی علیہ السلام کے جوابات کے لئے بیشتر اطلاع کے لئے ملاحظہ ہو شرح ابن ابین الحدید ج 15 / 184

[2] وقعہ صفین 63،62 شرح ابن ابی الحدید 3 / 109

جانتا تھا کہ اگر اپنے مقصد میں کامیاب ہوگیا تو اسے دو جانبہ فتح وکامرانی حاصل ہوگی اول تو یہ کہ وہ سر برآوردہ اشخاص کی حمایت حاصل کرلے گا اور دوسری طرف اس کے اس اقدام سے مرکزی حکومت کو کاری ضرب لگے گی۔لیکن معاویہ کو جیسا کہ عمروعاص نے پیشین گوئی کی تھی کامیابی حاصل نہ ہوئی کیونکہ جن اشخاص کو خطوط لکھے گئے تھے انہوں نے منطقی و مدلل جواب کے ساتھ ان کی درخواست کو رد کردیا۔[1]

نمایندے کی روانگی

اس سے پہلے کہ جنگ وجدال کی نوبت آئے حضرت علی علیہ السلام ہر اس طریقے کو بروئے کار لائے جس کے ذریعے اہل شام بیدار ہو سکیں اور معاویہ کو شورش وسرکشی سے باز رکھا جاسکے اسی مقصد کے تحت انہوں نے --خفاف بن عبداللہ-- کو معاویہ کے پاس بھیجا کیونکہ خفاف میں شاعرانہ مزاج جاتا پایا تھا اور فطرتا بولنے والے واقع ہوئے تھے شام پہنچنے کے بعد انہوں نے اپنے چچازاد بھائی --حابس بن سعد-- کو جو قبیلہ طیّ کے سردار تھے اپنے ساتھ لیا اور دونوں مل کر معاویہ کی طرف روانہ ہوئے اور عثمان کے واقعہ قتل کی پوری تفصیل اس کے سامنے بیان کی اس کے بعد انہوں نے یہ بھی بتایا کہ لوگ حضرت علی علیہ السلام کے دست مبارک پر بیعت کرنے کے لئے کس طرح متمنی وخواہش مند تھے ساتھ ہی انہوں نے حضرت علی علیہ السلام کی بصرہ وکوفہ کی جانب روانگی کی مفصل کیفیت بیان کی اور مزید کہا کہ اس وقت بھی بصرہ ان کی ہاتھ میں ہے اور کوفہ میں تمام طبقات کے لوگ جن میں بچے، سن رسیدہ خواتین، نئی دلہنیں وغیرہ شامل ہیں پورے جوش وخروش سے آپ کا استقبال کرنے کے لئے شاداں وخنداں آئے اور میں جس وقت ان کے پاس روانہ ہوا تھا ان کے سامنے شام کی جانب آنے کے علاوہ کوئی مقصد نہ تھا[2]۔معاویہ نے جب یہ کیفیت سنی تو اس پر خوف طاری ہوگیا اور ان لوگوں کی موجودگی میں جو ان کے گرد جمع تھے اسے اپنی شکست کا احساس ہوا ناچار اس نے حابس سے کہا کہ لگتا ہے کہ یہ شخص علی علیہ السلام کا جاسوس ہے اسے اپنے پاس سے آگے چلتا کر کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ شام کے لوگوں کو گمراہ کردے۔[3]

مہاجرین وانصار سے مشورہ

جب حضرت علی علیہ السلام کو یہ یقین ہوگیا کہ اب یہ طوفان دبنے والا نہیں اور معاویہ اپنے ارادے سے باز نہ آئے گا تو ناچار انہوں نے فیصلہ کیا کہ مقابلے کیلئے اقدام کریں چنانچہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طریق کار پر عمل کرتے ہوئے آپؑ نے جنگ سے قبل اپنے مہاجرین اور انصار اصحاب سے مشورہ کیا حضرت علی علیہ السلام کے پیروکاروں نے مختلف افکار وخیالات کا اظہار کیا جن میں بیشتر افراد کی رائے یہی تھی کہ جس قدر جلد ہوسکے اقدام کیا جائے کچھ لوگوں نے کہا کہ جتنا جلدی ہوسکے اس بارے میں فیصلہ کرلیا جائے مگر ان میں ایسے لوگ بھی تھے جو چاہتے تھے کہ پہلے مسالمت آمیز طریقہ اختیار کیا جائے اور اگر حریف اپنی عناد پسندی اور سرکشی پر قائم رہا تو جنگ شروع کی جانی چاہیئے۔[4]

سب سے آخر میں سہل بن حنیف اپنی جگہ سے اٹھے اور انہوں نے حاضرین کی نمایندگی کرتے ہوئے کہا کہ --اے امیر المومنین آپ جس کے ساتھ صلح وآشتی چاہیں گے ہم اس کے ساتھ صلح وآشتی کریں گے ہماری رائے اور مرضی وہی ہے جو آپ کی ہے ہم سب

---

[1] ان خطوط کے جوابات کا مطالعہ کرنے کے لئے ملاحظہ ہو کتاب وقعۃ صفین صفات 75727163 اور 76،

[2] وقعہ صفین/ 65 / 64

[3] وقعہ صفین 68

[4] وقعہ صفین 92

دست راست کی مانند آپ کے مطیع وفرمانبردار ہیں۔[1]

اس کے بعد حضرت علی علیہ السلام نے عام لوگوں کو آمادہ کرنے کی خاطر خطبہ دیا اور لوگوں میں جہاد کرنے اور صفین کی جانب روانہ ہونے کیلئے جوش دلایا آپ نے فرمایا: سیروا الی اعداء اللہ سیروا الی اعداء السنن و القران سیروا الی بقیۃ الاحزاب قتلۃ المهاجرین و الانصار [2] چلو دشمنان خدا کی طرف، چلو سنت وقرآن کے دشمنوں کی جانب ان لوگوں کی طرف جو باطل کے گروہ میں سے بچ گئے ہیں جو مہاجرین وانصار کے قاتل ہیں۔

اس اثناء --بنی فزارہ-- قبیلے کا --اربد-- نامی شخص اٹھا جو بظاہر معاویہ کا ہمنوا اور اس کا جاسوس تھا اس نے کہا کہ کیا آپ یہ چاہتے ہیں کہ ہمیں اپنے شامی بھائیوں کے خلاف جنگ کرنے کے لیئے لے جائیں؟ بالکل اسی طرح جیسے آپ برادران بصرہ کے خلاف ہمیں لے گئے تھے خدا کی قسم ہم ہرگز ایسا کوئی اقدام نہیں کریں گے۔

حضرت مالک اشتر نے جب یہ دیکھا کہ یہ شخص مسلمانوں کی صفوں کو درہم برہم کرنا چاہتا ہے تو انہوں نے بلند آواز میں کہا۔ ہے کوئی جو ہمیں اس کے شر سے نجات دلائے؟ اربدی فزاری نے جیسے ہی مالک اشتر کی آواز سنی تو خوف کے مارے بھاگ نکلا لوگوں نے اس کا تعاقب کیا اور بالاخر بیچ بازار میں اسے پکڑ لیا اور گھونسوں لاتوں، اور شمشیر کی نیام سے اسے اتنا مارا کہ اس کی جان ہی تن سے نکل گئی۔[3]

عمومی فوج

جب حضرت علی علیہ السلام نے سرکشوں اور شورش پسندوں کے خلاف جہاد کرنے کے لئے رائے عامہ کو ہموار کرلیا تو آپؑ نے مختلف مناطق میں اپنے کارپردازوں کو فوجی فرمانداروں اور عاملین محصول کو خطوط لکھے جن میں انھیں ہدایت کی گئی کہ اپنے اپنے علاقوں میں وہ لوگوں کو اس جہاد مقدس میں شرکت کی دعوت دیں اور جو لوگ متمنی ہیں انھیں مرکز کی جانب روانہ کیا جائے۔[4]

لوگوں کے دلوں میں جذبہ خلوص وقربانی کو تقویت دینے کی خاطر منبر مسجد پر تشریف لے گئے اور وہاں خطبہ صادر فرمایا۔ خطبہ کے دوران بعض مقامات پر آپ نے یہ بھی فرمایا کہ معاویہ اور اس کے سپاہی باغی وسرکش ہو گئے ہیں کیونکہ شیطان نے ان کی زمام اپنے دست اختیار میں لے لی ہے اور پرفریب وعدوں سے انھیں گمراہ کردیا ہے تم خداوند تعالیٰ کی دانا ترین مخلوق ہو اور اسنے جن چیزوں کو حلال وحرام قرار دیا ہے ان کے درمیان تم خوب تمیز کرسکتے ہو چنانچہ جو تم جانتے ہو اس پر اکتفاء کرو اور خدا نے جن چیزوں سے گریز کرنے کے لئے کہا تم ان سے اجتناب کرو۔[5]

حضرت علی علیہ السلام کے خطبے کے بعد آپ کے دونوں فرزند دلبند حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین (علیہما السلام) نے بھی اس مسئلے کی اہمیت کو واضح وروشن کرنے کے غرض سے بصیرت افروز تقاریر کیں۔ حضرت امام حسن علیہ السلام کے بعض ارشادات عالیہ میں آیا ہے کہ معاویہ اور ان کے سپاہی تیار ہو چکے ہیں خیال رہے تم ہرگز کنارہ کشی نہ کرنا کیونکہ کنارہ کشی اور احساس کمتری دلوں کو ایک دوسرے سے جدا

---

[1] وقعہ صفین 93

[2] وقعہ صفین 94

[3] وقعہ صفین 94 چونکہ اس کے قاتلین کی تشخیص نہ کی جا سکی اسی لئے حضرت علی علیہ السلام نے اس کا خون بہا بیت المال سے ادا کیا۔

[4] ان خطوط کے متون کا مطالعہ کرنے کے لئے کتاب وقعہ صفین کے صفحات 108، 104 ملاحظہ ہو۔

[5] وقعہ صفین 113

کردیتے ہیں نوک نیزہ کے سامنے سینہ سپر ہونا عزت شجاعت اور پاکدامنی کی علامات ہیں۔[1]

امام مجتبیٰ علیہ السلام نے عام خطبہ صادر کرنے کے علاوہ ان لوگوں سے بھی شخصاً ملاقات کی جن کا ارادہ جنگ سے کنارہ کشی اختیار کرنے کا تھا چنانچہ انھیں سمجھا کر صف مجاہدین میں لے آئے۔[2]

حضرت امام حسین علیہ السلام نے تقریر کرنے کے علاوہ لوگوں کو راہ خدا میں جہاد کرنے کی ترغیب دلائی اور انھیں بعض آداب فن حرب و جنگ بھی سکھائے اور سب کو اتحاد و یگانگی کی دعوت دی۔[3]

جب حضرت علی علیہ السلام اور ان کے دونوں فرزند ارجمند کی تقاریر اختتام پذیر ہوئیں تو اکثر و بیشتر لوگ نبرد آزمائی کیلئے آمادہ ہو چکے تھے لیکن عبداللہ بن مسعود کے ساتھی علیحدہ رہے چنانچہ وہ لوگ حضرت علی علیہ السلام کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ ہم جنگ میں آپ سے لاتعلق رہیں گے لیکن جب ہمیں جداگانہ طور پر جگہ مل جائے گی تو قریب آکر آپ اور شام کے لشکر کو دیکھیں گے اور دونوں میں سے جو بھی غیر مشروع مقصد کی جانب جائے گا یا جس کا ظلم و ستم ہمیں نظر آئے گا ہم اس کے خلاف جنگ کریں گے۔

حضرت علی علیہ السلام نے ان کے افکار و خیالات کی ستائش کی اور فرمایا کہ دین میں اسی کا نام فہم و فراست ہے اور یہی سنت سے آگاہی و واقفیت ہے۔

عبداللہ کے دوسرے ساتھیوں نے جو چار سو افراد پر مشتمل تھے حضرت علی علیہ السلام سے کہا کہ ہم آپ کی فضیلت و برتری سے بخوبی واقف ہیں اور یہ بھی جانتے ہیں کہ ہم سب کو دشمن سے نبرد آزما ہونے کی آرزو ہے مگر اس کے ساتھ ہی ہمیں اس جنگ کے بارے میں شک و تردد ہے ہماری مرضی تو یہ ہے کہ آپ ہمیں اسلامی مملکت کی سرحدوں پر بھیج دیں تاکہ وہاں پہنچ کر ہم اسلام کا دفاع کرسکیں۔

حضرت علی علیہ السلام نے انھیں ربیع بن خیثم کی فرمانداری میں علاقہ ری کی سرحد پر بھیجدیا۔[4]

قبیلہ --باہلہ-- میں بھی ایسا گروہ موجود تھا جس کا حضرت علی علیہ السلام کے مکتب فکر کی جانب کوئی خاص میلان نہ تھا چنانچہ حضرت علی علیہ السلام کے فرمان کے بموجب وہ جنگ سے کنارہ کش ہوگیا کیونکہ ایسے لوگوں کی جہاد میں شرکت جن کا کوئی مقصد و ارادہ نہ ہو اور عقیدہ بھی ان کا سست ہو تو وہ نہ صرف محاذ حق کو تقویت نہیں پہنچاتے بلکہ بسا اوقات دوسرے سپاہیوں کا حوصلہ پست کرنے کا سبب ہوتے ہیں اور ایسی صورت میں کہ وہ قید کرلئے جائیں تو بہت سے فوجی راز دشمن تک پہنچادیتے ہیں یا خود دشمن ہی انھیں یہ موقع فراہم کردیتا ہے کہ وہ اس کے لیئے اپنے وطن میں خدمات انجام دیں۔

شاید ان دلائل کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے حضرت علی علیہ السلام نے انھیں اپنے پاس بلایا اور ان کی جو مزدوری یا تنخواہ ہوسکتی تھی وہ ادا کرنے کے بعد انھیں حکم دیا کہ --دیلم-- کی جانب مہاجرت کرجائیں۔[5]

کمانڈروں کا تقرر

---

[1] وقعہ صفین 113

[2] وقعہ صفین 7-6

[3] وقعہ صفین 116

[4] وقعہ صفین 115

[5] وقعہ صفین 116

حضرت علی علیہ السلام نے تمام بنیادی کام انجام دینے کے بعد لشکر کی روانگی کا فیصلہ کیا چنانچہ آپ کی فرمائش کے مطابق --حارث بن اعور-- نے کوفہ میں اعلان کیا کہ تمام لشکر --نُخیلۃ-- کی جانب روانہ ہوجائے اور شہر سے باہر خیمے بپا کر لے کوفہ کے حاکم شہر --مالک بن حبیب-- کو اس کام پر مقرر کیا گیا کہ وہ سپاہ عسکر کے درمیان ہم آہنگی پیدا کریں اور انھیں لشکر گاہ کی جانب روانہ کرنے میں مدد کریں عقبہ بن عمرو انصاری حضرت علی علیہ السلام کے جانشین کی حیثیت سے کوفہ میں ہی مقیم رہے۔

ان اقدامات کی تکمیل کے بعد امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام اپنے لشکر کے ہمراہ لشکر گاہ کی جانب روانہ ہوئے۔

جب سپاہی جمع ہو گئے تو حضرت علی علیہ السلام نے انھیں سات دستوں میں تقسیم کیا اور دستہ کا کمانڈر و سردار مقرر کیا۔

1 قیس و عبدالقیس کے دستہ کا سعد بن مسعود ثقفی کو۔

2 تمیم، ضبہ، قریش، وبات کنانہ اور اَسَد کے دستہ پر معقل بن قیس یربوعی کو۔

3 ازد بجیلہ خثعم، انصار اور خزاعہ کے دستہ پر مخنف ابن سلیم کو۔

4 کندا، حضرت موت، قضاعہ اور مہرہ کے دستہ پر حجر بن عدی کو۔

5 مذحج واشعری قبائل کے دستوں پر زیاد بن نَضر کو۔

6 ہمدان اور حمیر کے قبائل کے دستے پر سعد بن قیس ہمدانی کو۔

7 طی کے قبائل دستہ پر عدی ابن حاتم کو[1]

ابن عباس اور --ابوالاسود دُئلی-- کو بصرہ میں اپنا جانشین مقرر کیا چنانچہ اس شہر سے پانچ لشکروں پر مشتمل افواج اپنے اپنے فرمانداروں کی نگرانی میں روانہ ہوئیں اور نُخیلۃ میں امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کی خدمت میں پہنچ گئیں۔[2]

حضرت علی (ع نے فرمانداروں کو مقرر اور دستوں کو منظم کرنے کے بعد زیاد بن نَضر (دستہ مذحج اور اشعریوں کے فرماندار) اور شریح بن ہانی کو اپنے پاس بلایا اور ضروری تذکرات وہدایات کے بعد انھیں بارہ ہزار سپاہیوں کے ساتھ اگلی منزل کی جانب روانہ کیا اور حکم دیا کہ تمام واقعات کی اطلاعات اور خبریں آپؑ کو پہنچائی جائیں۔[3]

صفین کی جانب روانگی

روانگی کے بعد امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام بھی بدھ کے دن بتاریخ 5 شوال 36ھ اپنے لشکر عظیم کے ہمراہ جس کی تعداد (قراول لشکر) کے ساتھ نوے ہزار سپاہیوں پر مشتمل تھی[4] نُخیلہ سے صفین کی جانب روانہ ہوئے۔ راستے میں مختلف حادثات بھی پیش آئے جن میں سے یہاں صرف دو واقعات کا ذکر کیا جاتا ہے۔

1 امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام جس وقت شہر --رقہ-- میں داخل ہوئے تو آپ نے وہاں کے لوگوں سے فرمایا کہ دریا پر پل

---

[1] وقعہ صفین 121

[2] وقعہ صفین 117

[3] وقعہ صفین 122،121

[4] مروج الذہب ج 2/ 375 سپاہ کی تعداد ایک لاکھ اور ایک لاکھ پچاس ہزار بھی بتائی گئی ہے تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو وقعہ صفین 156 اور اعیان الشیعہ ج 1/ 478 (دس جلدی)

باندھیں تاکہ سپاہ آرام سے دریا پار کر سکے لیکن وہ لوگ چونکہ آپ کی حکومت کے مخالف تھے اسے لئے انہوں نے اس کام کو انجام دینے سے انکار کیا یہی نہیں بلکہ وہ جہاز جو وہاں اس وقت لنگر انداز تھے وہ انھیں بھی اپنے ساتھ لے گئے تاکہ لشکر اسلام کے ہاتھ نہ لگ جائیں اور وہ انھیں اپنے استعمال میں لائیں یہ کیفیت دیکھ کر حضرت علی علیہ السلام نے اپنے عساکر کو حکم دیا کہ وہ پل منبج سے گذریں (جو لشکر گاہ سے نسبتاً دور تھا) اس اقدام کے بعد آپؑ نے مالک اشتر کو وہیں قیام کرنے کا حکم دیا اور خود اس جانب روانہ ہو گئے۔

حضرت علی علیہ السلام کے ساتھ اہل رقہ نے جو سلوک کیا اس سے مالک اشتر خوش تو نہ تھے چنانچہ انہوں نے وہاں کے لوگوں سے کہا کہ خدا کی قسم اگر تم نے پل نہ باندھا اور حضرت علی علیہ السلام کو واپس نہ آنے دیا تو میں تم سب کو تہ و تیغ کر دوں گا، تمہارے مال کو ضبط کر لوں گا اور زمین ویران کر ڈالوں گا۔

یہ سن کر وہ لوگ ایک دوسرے کا منھ تکنے لگے اور آپس میں کہنے لگے کہ اشتر جو کہتے ہیں وہ کر گذرتے ہیں حضرت علی علیہ السلام نے انھیں یہاں اسی مقصد کے لئے رہنے کا حکم دیا ہے چنانچہ وہ فوراً ہی پل باندھنے کیلئے تیار ہو گئے اور تھوڑے عرصے میں ہی انہوں نے دریا پر پل باندھ دیا اور لشکر اسلام اس پر سے گذر گیا[1] جب لشکر اسلام فرات کے ساحل پر اتر گیا بعض افراد نے یہ تجویز پیش کی کہ اتمام حجت کے طور پر معاویہ کو خط لکھا جائے اور اس کو یہ دعوت دی جائے کہ تم سے جو لغزشیں سرزد ہوئی ہیں وہ ان سے اَب باز رہے حضرت علی علیہ السلام نے ان کی اس تجویز کو قبول کر لیا اور کتنی ہی مرتبہ نصیحت آمیز خط لکھئے۔ حضرت علی (ع) نے مذکورہ خط میں اس امر کی جانب بھی اشارہ فرمایا کہ (اے معاویہ) مقام خلافت کے لئے وہ شخص سب سے زیادہ سزاوار ہے جو دوسروں کے مقابل رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سب سے زیادہ نزدیک ہو وہ کتاب خدا اور احکام اسلام کو دوسرں کی نسبت زیادہ بہتر سمجھتا ہو دین اسلام قبول کرنے میں وہ سب پر سبقت لے گیا ہو اور جس نے سب سے زیادہ اور بہتر طریقے پر جہاد کیا ہو میں تمھیں کتاب خدا و سنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جانب آنے اور امت مسلمہ کی خون ریزی سے اجتناب کی دعوت دیتا ہوں۔

حضرت علی علیہ السلام کے خط کی جواب میں معاویہ نے صرف ایک ہی شعر لکھا اور اس میں اس نے تہدید آمیز رویہ اختیار کیا شعر کا مضمون یہ ہے کہ میرے اور تمہارے درمیان جنگ اور شمشیر کے علاوہ کوئی اور چیز فیصلہ نہیں کر سکتی۔[2]

شام میں بحرانی حالات کا اعلان

معاویہ کو جب یہ اطلاع ملی کہ لشکر عراق کی روانگی شام کی جانب ہے تو وہ سمجھ گیا کہ اب کام نامہ و پیام سے گذر کر سنجیدہ صورت اختیار کر گیا ہے چنانچہ اس نے حکم دیا کہ لوگ شہر کی مسجد میں جمع ہوں تقریباً ستر ہزار لوگ جمع ہوئے عثمان کے خون آلود پیراھن کو ہاتھ میں لیا معاویہ مسجد کے منبر پر گیا اور کہا: اے شام والو تم نے اس سے پہلے علی علیہ السلام کے معاملے میں مجھ پر اعتبار نہیں کیا لیکن اب سب پر یہ بات روشن ہو گئی ہے کہ عثمان کا قتل علی علیہ السلام کے علاوہ کسی نے نہیں کیا انہوں نے ہی عثمان کے قتل کا حکم صادر کیا اور ان کے قاتلوں کو پناہ دی اور آج انہی افراد پر مشتمل فوج انہوں نے تشکیل دی ہے اور تمھیں نیست و نابود کرنے کے لئے اب ان کا رخ شام کی جانب ہے۔[3]

---

[1] رقہ، فرات کے کنارے پر واقع جزیرہ کا ایک شہر ہے اس کا حرّان تک فاصلہ تین دن کا ہے (معجم البلدان ج 3)

[2] وقعہ صفین 152، 151 یعقوبی ج 2 / 187، کامل ابن اثیر ج 3 / 281

[3] وقعہ صفین 151، 149 لیس بینی و بین قیس عتاب غیر طعن الکلی و ضرب الرقاب

معاویہ کی جب ولولہ انگیز تقریر ختم ہوئی تو لوگ اس کے گرد ہر طرف سے جمع ہو گئے اور اس کے قول و بیان کی تائید کی اس نے بھی اس موقع سے فائدہ اٹھانے کی غرض سے لوگوں کے گروہ بنائے اور انھیں صفین کی جانب روانہ کیا اور ساتھ ہی اس نے شام میں غیر معمولی حالات کا اعلان کر دیا اور وہاں کے عوام کو حکم دیا کہ محاذ جنگ پر روانہ ہوں۔

معاویہ نے اپنی فوج کو حکم دیا کہ جب وہ شہر سے ایک منزل کے فاصلہ پر پہنچ جائے تو وہیں ٹھہر جائے اور اسے سلامی دے یہاں اس نے میمنہ، میسرہ اور مقدم لشکر کے فرماندار مقرر کیئے۔

اس کے بعد لشکر وہاں سے روانہ ہوا اور اس سے قبل کہ حضرت علی علیہ السلام کے دستے صفین پہنچیں [1] وہ وہاں پہنچ گیا اور ایسے وسیع میدان میں جہاں سے دریائے فرات کا پانی آسانی سے دستیاب ہو سکتا تھا اس نے اپنے خیمے لگائے (یہاں ساحل کے نزدیک دیگر مقامات بلندی پر واقع ہیں اسی لئے پانی تک رسائی آسانی سے نہیں ہو سکتی) لشکر شام کی سپاہ کی تعداد تقریبا پچاسی ہزار (85) تھی [2] معاویہ نے قراول لشکر کے فرماندار ابوالاعور سلمی کو چالیس ہزار سواروں کے ساتھ گھاٹ پر مقرر کر دیا۔[3]

پہلا مقابلہ

امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کے قراول لشکر کو جب یہ معلوم ہوا کہ معاویہ عظیم فوج کی ساتھ صفین کی جانب روانہ ہو گیا ہے تو انہوں نے اس خوف سے کہ کہیں دشمن کے نرغے میں نہ گھر جائیں انہوں نے --ہیت-- نامی دریا کو پیچھے چھوڑ دیا اور حضرت علی علیہ السلام سے جا ملے حضرت علی علیہ السلام کو جب قراول لشکر کے واپس آنے کی اطلاع ملی اور اس کی وجہ معلوم ہوئی تو آپؑ نے فرماندار لشکر کی رائے و تدبیر کو قدر و منزلت کی نظر [4] سے دیکھا۔

اس کے بعد آپ نے اسی لشکر کو دوبارہ پیش پیش چلنے کیلئے روانہ کیا چنانچہ جب ان کا معاویہ کے قراول دستے سے سامنا ہوا تو انہوں نے اس کی اطلاع حضرت علی علیہ السلام کو دی اور دریافت کیا کہ اب انھیں کیا اقدام کرنا چاہیے؟ حضرت علی علیہ السلام نے حضرت مالک اشتر کو ایک دستے کے ہمراہ ان کی مدد کے لئے روانہ کیا اور یہ حکم دیا کہ جب غنیم کا لشکر سامنے آئے تو تم میری جانب سے سردار لشکر کے فرائض انجام دینا مگر یہ یاد رہے کہ حملے کا آغاز تمہاری جانب سے نہ ہو جب دشمن بالکل ہی مقابل آ جائے تو اتمام حجت کی طور پر تم اس سے گفتگو کرنا اور اس کی بات غور سے سننا تا کہ آغاز جنگ کا موجب کینہ عداوت نہ ہو اپنی سپاہ کے ساتھ زیاد کو میمنہ پر اور شریح کو میسرہ پر مقرر کرنا تم دشمن کے اس قدر نزدیک بھی نہ ہونا کہ وہ خیال کرے کہ تم جنگ کے شعلوں کو برافروختہ کرنا چاہتے ہو اور اس سے اس قدر دور بھی نہ رہنا کہ وہ یہ سمجھنے لگے کہ تم پر اس کا خوف طاری ہے حضرت علی علیہ السلام نے زیاد اور شریح کو خطوط بھی لکھے جن میں آپ نے یہ حکم صادر فرمایا تھا کہ وہ مالک اشتر کی اطاعت کریں [5] مالک انتہائی تندی و تیزی کے ساتھ روانہ ہو کر قراول دستے تک پہنچ گئے جب رات کی تاریکی سب طرف پھیل گئی تو

---

[1] وقعہ صفین 127

[2] صفین رومی عہد حکومت کے زمانے کا ایک ویران قریہ تھا اس کے اور فرات کے درمیان ایک تیر کی دوری کا فاصلہ تھا صفین کے سامنے ساحل کے نزدیک دو فرسخ کے رقبے میں بانسوں کا گھنا جنگل تھا جس کے درمیان پختہ راستہ ساحل فرات تک بنا ہوا تھا اور اسی کے ذریعے پانی وہاں سے لایا جاتا تھا (اخبار الطوال/ 167)

[3] مروج الذہب ج 1 / 375 جس طرح حضرت علی علیہ السلام کے لشکر میں سپاہ کی تعداد میں اختلاف تھا معاویہ کے لشکر کے بارے میں مورخین متفق الرائے نہیں ہیں۔

[4] مروج الذہب ج 1 / 375 جس طرح حضرت علی علیہ السلام کے لشکر میں سپاہ کی تعداد میں اختلاف تھا معاویہ کے لشکر کے بارے میں مورخین متفق الرائے نہیں ہیں۔

[5] کامل ابن اثیر ج / 282 وقعہ صفین 152

معاویہ کے فرماندار لشکر ابوالاعور نے مالک اشتر پر شبخون مارا مگر سپاہ اسلام نے اس کی پوری پایمردی سے مقابلہ کیا اور ناچاراُسے پسپا ہونا پڑا۔

اگلے روز۔۔ہاشم بن عتبہ۔۔کا ابوالاعور سے مقابلہ ہوگیا پہلے تو دونوں فرمانداروں کے درمیان پیغامات کا سلسلہ جاری ہوا دونوں کے درمیان رنجش وتکرار بھی ہوئی مگر جیسے ہی دن ختم ہوا یہ پیام رسانی اور باہمی درگیری بھی ختم ہوگئی اگلے روز حضرت علی علیہ السلام بھی تشریف لے آئے اور معاویہ کے نزدیک ہی آپؑ نے قیام فرمایا۔[۱]

پانی پر بندش

حضرت علی علیہ السلام نے ہرممکن کوشش کی کہ کوئی ایسی مناسب جگہ مل جائے جہاں انھیں دریائے فرات تک رسائی ممکن ہو سکے مگر آپؑ کو اس مقصد میں کامیابی نہیں ہوئی وہاں تک پہنچنے کا ایک ہی راستہ تھا جسے ابوالاعور نے چالیس ہزار سپاہی تعینات کر کے بند کر دیا تھا اور وہ سپاہ اسلام کو اس جانب بڑھنے ہی نہیں دیتا تھا۔

سپاہ اسلام نے کچھ عرصہ تک اس کو برداشت کیا مگر جب پیاس کی شدت کا ان پر غلبہ ہوا تو انہوں نے حضرت علی علیہ السلام سے دریافت کیا کہ انھیں کیا کرنا چاہیے حضرت علی علیہ السلام نے صعصہ بن صوحان کو معاویہ کے پاس اپنے پیغام کے ساتھ روانہ کیا جس میں آپ نے فرمایا کہ اب جس راہ پر میں نے قدم رکھ دیا ہے مجھے ہرگز یہ پسند نہیں کہ باہمی مذاکرہ اور اتمام حجت کے بغیر جنگ کروں مگر تمہارے قراول لشکر نے میرے قراول دستے پر حملہ کر کے جنگ کا آغاز کر دیا ہے اس نے دریا کے راستے کو بند کر کے جنگ وجدال میں پیشقدمی کی ہے اب تم اپنی سپاہ کو حکم دو کہ وہ دریائے فرات کے راستے سے ایک طرف ہو جائے تا کہ ہم جس مقصد کے لئے یہاں آئے ہیں اس پر گفتگو کی جا سکے مگر اس کے ساتھ ہی اگر تم اس بات کے حامی ہو کہ اصل مقصد کو برطرف کر کے پانی پر جنگ کرو تا کہ اس تک رسائی ہو جائے تو مجھے اس پر بھی عذر نہیں۔

معاویہ کو جب یہ پیغام ملا تو اس نے اس کے بارے میں اپنے ساتھیوں سے مشورہ کیا ان میں سے بعض نے کہا کہ جس طرح انہوں نے عثمان پر پانی بند کر دیا تھا تم بھی بند کرو تا کہ وہ لوگ بھی پیاس سے ہلاک ہو جائیں لیکن عمرو عاص نے اس اقدام کو لاحاصل سمجھا اور کہا کہ یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ تم تو سیر ہو کر پانی پیو اور علی علیہ السلام پیاسے رہ جائیں...تم جانتے ہو کہ علی علیہ السلام کتنے دلاور اور بہادر انسان ہیں عراق و حجاز کے لوگ بھی انہی کے ساتھ ہیں جس روز ہم (حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کے گھر کی تلاشی لے رہے تھے تو ہم دونوں نے ہی علی علیہ السلام کی زبان سے یہ سنا تھا کہ اگر میرے ساتھ چالیس آدمی ہی ہوتے انقلاب برپا کر دیتا۔[۲]

مگر اس کے ساتھ ہی معاویہ نے واضح طور پر حضرت علی علیہ السلام کے نمائندے کو جواب نہیں دیا بس اتنا کہا کہ میرا فیصلہ جلدی ہی آپ تک پہنچ جائے گا۔

۔۔صعصہ۔۔اس کے بعد حضرت علی علیہ السلام کے پاس واپس آ گئے اور پورے واقعے کی آپؑ کو اطلاع دی۔

جب صعصہ واپس چلے گئے تو معاویہ نے اپنی سپاہ مزید ایک دستہ ابوالاعور کی مدد کے لئے روانہ کیا اور یہ تاکید کہ کہ علی علیہ السلام پر

---

[۱] کامل ابن اثیر ج3/ 282 وقعہ صفین 152

[۲] وقعہ صفین 155-154

حسب سابق پانی بند رکھا جائے جب اس واقعہ کی اطلاع حضرت علی علیہ السلام کو ہوئی تو آپؑ نے جنگ کرنے کے لئے حکم دیا۔ اشعث بن قیس نے یہ تجویز پیش کی کہ اس مقصد کی برآوری کا موقع انہیں دیا جائے جب حضرت علی علیہ السلام نے اس کی اس تجویز سے اتفاق کیا تو ایک فوجی دستہ فرات کی جانب روانہ کیا گیا دونوں لشکروں کے درمیان سخت مقابلہ ہوا دونوں جانب سے فرماندارانِ لشکر نے تازہ دم سپاہی روانہ کئے اور آتش جنگ ہر لحظہ تیز تر ہوتی چلی گئی حضرت علی علیہ السلام کے لشکر کو فتح ہوئی اس نے فرات کو اپنے قبضہ میں لے لیا۔

اس پر بعض فاتح سپاہیوں نے یہ تجویز پیش کی کہ ہم بھی دشمن کے ساتھ وہی سلوک کریں گے جو اس نے ہمارے ساتھ روا رکھا تھا مگر جب حضرت علی علیہ السلام تک یہ بات پہنچی تو آپؑ نے حکم دیا کہ جس قدر تمہیں ضرورت ہے وہاں سے پانی بھر لاؤ اور معاویہ کے سپاہیوں کو بھی پانی بھرنے دو کیونکہ خداوند تعالیٰ نے تمہیں فتح و کامرانی عطا کی ہے اور ان کے ظلم و تجاوز کو تم سے دور کر دیا ہے۔[1]

سوالات

1 حضرت علی علیہ السلام کی رائے میں معاویہ بے عقل، بے پروا اور جاہ طلب انسان تھا مگر اس کے باوجود آپ نے کیوں خطوط لکھے اور اس کے خطوط کے کیوں جواب دیئے؟

2 معاویہ نے شام کے لوگوں کے علاوہ اسلامی حکومت کے کن علاقوں سے لوگوں کو اپنی جانب متوجہ کرنا چاہا اور اس کے لئے اس نے کیا اقدامات کئے؟

3 حضرت علی علیہ السلام نے طائفہ باہلہ کے افراد کو اپنے لشکر سے علیحدہ کر کے انھیں دیلم کی جانب کیوں روانہ کر دیا؟

4 جب معاویہ کو علم ہوا کہ حضرت علی علیہ السلام کا لشکر صفین کی جانب روانہ ہے تو اس نے کیا اقدام کیا؟

5 معاویہ جب صفین پہنچ گیا تو اس نے سپاہ علی علیہ السلام کی شکست کے لئے کیا اقدامات کئے؟ اس کا مختصر حال بیان کیجئے اور اس اقدام پر حضرت علی علیہ السلام کا کیا ردعمل رہا اس کی کیفیت بھی لکھیئے؟

[1] وقعہ صفین 155-154

دسواں سبق

قاسطین (جنگ صفین)

نمائندگان کی روانگی

جب اس راستے پر قبضہ ہوگیا جولب دریا تک جاتا تھا تو حضرت علی علیہ السلام نے دوروز تک توقف فرمایا اس کے بعد آپؑ نے اپنی سپاہ کے سرداروں میں سے بشیر بن عمرو، سعید بن قیس اور شبث بن ربعی کو معاویہ کے پاس بھیجا۔ اور فرمایا کہ تم ان کے پاس جاؤں اور انہیں اطاعت خدا، میرے ہاتھ پر بیعت نیز جماعت کی طرف آنے کی دعوت دو۔[1]

حضرت علی (ع کے نمائندے ماہ ذی الحجہ کی پہلی تاریخ کو معاویہ کے پاس پہنچے اور اس کے ساتھ مذاکرات شروع کئے سب سے پہلے بشیر نے کہا کہ: اے معاویہ دنیا ختم ہوا چاہتی ہے اور آخرت تم پر آشکار ہونے لگی ہے۔ خداوند تعالیٰ تجھے تیرے اعمال کی جزاء دے۔ اب تو امت کے درمیان تفرقہ اندازی اور خون ریزی سے باز رہو معاویہ نے ان کی گفتگو کو درمیان میں ہی قطع کر دیا اور کہا کہ: یہی مشورہ تم نے اپنے آقا کو کیوں نہیں دیا؟ بشیر نے جواب دیا کہ وہ تمہارے جیسے نہیں ہیں وہ دین، فضیلت، اسلام میں سابقہ زندگی اور رسولخدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ قرابت داری کے اعتبار سے اور اس امر و قصد کیلئے بہترین اور اہل ترین فرد ہیں۔

اس کہ بعد شبث نے گفتگو شروع کی معاویہ نے جب اس کی مدلل گفتگو سنی تو وہ حیران رہ گیا اور جب کوئی جواب بن نہ پڑا تو طیش میں اس کی زبان سے کچھ ناشایستہ الفاظ نکل گئے۔ اس نے حضرت علی علیہ السلام کے نمائندوں سے کہا کہ یہاں سے اٹھو اور چلے جاؤ۔ میرے اور تمہارے درمیان فیصلہ اب تلوار ہی کرے گی۔ اس پر شبث نے کہا کہ تم ہمیں تلوار سے ڈرارہے ہو خدا کی قسم ہم جلدی ہی تمہیں گرداب بلا میں گرفتار دیکھیں گے۔ یہ کہہ کر یہ نمائندے وہاں سے اٹھ گئے اور حضرت علی علیہ السلام کے پاس چلے آئے[2]۔ اس کے بعد حضرت علی علیہ السلام نے اپنی سپاہ کو حکم دیا کہ وہ چند دستوں میں تقسیم ہوجائے اور باری باری اپنے ان حریفوں اور ہم پلہ قبائل کے ساتھ جو معاویہ کی سپاہ میں ہیں نبرد آزما ہوں اور اس طرح طرفین نے ماہ ذی الحجہ کو جنگ و نبرد میں گذارا دیا۔[3]

دوبارہ وفود کی روانگی

ماہ محرم کی آمد جنگ وجدال کو روکنے کا ایک عمدہ بہانہ تھا۔ اور فریقین میں اس امر پر معاہدہ ہوگیا کہ ماہ محرم کے آخر تک جنگ نہ کی جائے۔ حضرت علی علیہ السلام نے اس وقت کو صلح پسندانہ اقدامات کے لئے بہترین موقع جانا۔ چنانچہ آپؑ نے اس مقصد کے تحت ایک وفد جو عدی بن حاتم، یزید بن قیس، شبث بن ربعی اور زیاد بن خَصَفَہ پر مشتمل تھا معاویہ کے پاس بھیجا۔

ہر نمائندے نے جو لازم سمجھا وہ کہا۔ لیکن معاویہ کی منطق ہمیشہ کی طرح اب بھی وہی تھی اس نے پہلے کی طرح اب بھی یہی کہا کہ

---

[1] ائتوا ھذا الرجل و ادعوہ الی اللہ و الی الطاعۃ و الی الجماعۃ

[2] وقعہ صفین ص 188-187، کامل ابن اثیر ج 3 ص 285

[3] کامل ابن اثیر ج 3 ص 286، وقعہ صفین ص 195

: میں جنگ سے دست بردار نہیں ہوسکتا میرے اور علی علیہ السلام کے درمیان صرف تلوار ہی فیصلہ کرسکتی ہے۔اس ضمن میں اس نے مزید کہا کہ: تم ہمیں کیوں اس جماعت کی اطاعت وفرمانبرداری کی دعوت دے رہے ہو۔خلافت کے اصل حقدار ہم ہیں نہ کہ تمہارا پیشوا کیونکہ تمہارے پیشوا نے ہمارے خلیفہ کو قتل کیا ہے۔ہماری منظم جماعت کو منتشر کردیا ہے۔اس گفتگو کے بعد حضرت علی علیہ السلام کے نمائندے کوئی نتیجہ حاصل کئے بغیر واپس آ گئے۔[1]

معاویہ کے نمائندے

معاویہ نے بھی ایک وفد جو حبیب بن مسلمہ، شرحبیل اور معن بن یزید پر مشتمل تھا حضرت علی علیہ السلام کی خدمت میں روانہ کیا۔ انہوں نے گفتگو کا آغاز عثمان کے قتل سے کیا اور کہا کہ: اگر تم صادق ہو اور تم نے عثمان کو قتل نہیں کیا تو ان کے قاتلوں کو ہمارے حوالے کر و اس کے بعد خلافت سے دست بردار ہوجاؤ اور مسئلہ خلافت کو رائے عامہ پر چھوڑ دو تا کہ لوگ باہمی مشورے اور اتفاق رائے سے جسے چاہیں اپنا خلیفہ منتخب کریں۔

حضرت علی علیہ السلام نے اس سے سخت برتاؤ کے ضمن میں شائستگی سے مذکورہ مسائل کی تردید کی اور قتل عثمان، اپنی بیعت اور بنی امیہ خصوصا معاویہ کی پہلی زندگی اور حق سے ان کی عداوت کو بیان فرمایا۔معاویہ کے نمائندوں کے پاس چونکہ امامؑ کی باتوں کا کوئی جواب نہیں تھا اسلئے وہ اٹھ کر چلے گئے۔[2]

دغہ بازی کمزور کا حربہ

معاویہ کے لشکر کا سپاہ اسلام کے ساتھ پہلا معرکہ پانی پر ہوا اور اس کے لشکر کو شکست ہوئی اس شکست اور اس طرز گفتگو سے جو امیرالمومنین علیہ السلام سے براہ راست نیز آپؑ کے نمائندگان کے ذریعے ہوئی اس نے سپاہ اسلام کی قوت، ان کے جذبہ ایثار اور فوج کے بعض سردار و کمانڈروں کی مددگاری کا اندازہ لگایا اور جان لیا کہ جو لوگ ایمان وعقیدت سے سرشار ہو کر جنگ کرنے کے لئے آئے ہیں اگر بالفرض ان کے ساتھ جنگ ہوئی بھی تو پنجہ کشی کر کے سنگین خسارے کے باوجود نصرت وفتح حاصل نہیں کی جاسکتی۔بالخصوص ان حالات میں جب کہ ان کے چاروں طرف خطرہ ہی خطرہ ہے۔چنانچہ انہوں نے یہ ارادہ کیا کہ حضرت علی علیہ السلام کی سپاہ کے بعض سرداروں سے ملاقات کی جائے اور انھیں لالچ کے ذریعے شوق وترغیب ولا کر نیز سپاہ کے درمیان شک وشبہ پیدا کر کے ان میں تفرقہ پیدا کیا جائے تا کہ اس کے باعث عساکر اسلام میں کمزوری و ناتوانی پیدا ہوجائے اور بالآخرہ شکست و پسپائی سے دوچار ہوں۔اس راہ میں انہوں نے جو عملی تدابیر اختیار کیں ہم ان کے یہاں چند نمونے پیش کریں گے۔

لشکر کے سرداروں سے ملاقات

حضرت علی علیہ السلام کا وفد جب معاویہ سے رخصت ہو کر چلا گیا تو اس نے اس وفد کے ایک رکن زیاد بن خَصَفَہ سے دوبارہ ملاقات کرنے کی خواہش ظاہر کی۔چنانچہ حضرت علی علیہ السلام سے متعلق گفتگو کرتے ہوئے اس نے زیاد سے کہا کہ وہ اپنے قبیلے کے ہمراہ اس کام میں میری مدد کرے اور ان سے یہ وعدہ کیا کہ وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو گیا تو شہر بصرہ یا کوفہ کی حکومت اس کو دے دی جائے گی۔

---

[1] وقعہ صفین ص 198-197

[2] کامل ابن اثیر ج 3 ص 293-291، تاریخ طبری ج 5 ص 7، وقعہ صفین ص 202-201

لیکن معاویہ کو اس سے مدد و تعاون میں مایوسی ہوئی تو اس نے عمرو عاص سے کہا کہ ہم علی علیہ السلام کے لشکر کے سرداروں میں سے جس کے ساتھ بھی گفتگو کرتے ہیں وہ ہمیں اطمینان بخش لگتا ہے وہ سب دل سے باہمی طور پر متحد ہیں[1]۔

2 قاریوں، زاہدوں کی جماعت سے ملاقات

معاویہ جب حضرت علی علیہ السلام کے لشکر کے سرداروں اور فرمانداروں کو فریفتہ کرنے میں ناامید ہوگیا تو اس نے ان قاریوں اور زہد فروشوں کی جانب توجہ کی جن کی ظاہری زندگی ہی اسلام سے متاثر ہوئی تھی۔

شام اور عراق کی سپاہ میں دونوں لشکروں کے درمیان تیس ہزار سے زیادہ قاری قرآن موجود تھے یہ قاری دونوں لشکروں کی صفوں سے نکل کر باہر آگئے اور انہوں نے علیحدہ جگہ پر اپنے خیمے نصب کئے اور یہ فیصلہ کیا کہ فریقین کے درمیان ثالث کے فرائض انجام دیں۔

اس مقصد کے پیش نظر ان کے نمائندے دونوں سپاہ کے فرمانداروں سے ملاقات کرنے کی غرض سے گئے اور ہر ایک نے اپنے نظریات دوسرے کے سامنے بیان کیئے ان کی طرز گفتگو سے یہ اندازہ ہوتا تھا کہ ان پر معاویہ کی جادو بیانی کا اثر ہوگیا ہے۔

جب یہ جماعت حضرت علی علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئی تو آپؑ نے انھیں آگاہ کیا کہ وہ کسی کی پر فریب گفتگو سے متاثر نہ ہوں۔اور فرمایا کہ: اس بات کا خیال رہے کہ معاویہ کہیں دین کے معاملے میں تمہاری جانوں کو مفتون و فریفتہ نہ کرلے۔[2]

لیکن ابھی کچھ عرصہ نہ گزرا تھا کہ انہی لوگوں کی کثیر تعداد اشعث اور چند دیگر افراد کی سرکردگی میں معاویہ کی جادو و بیانی پر فریفتہ ہوگئے اور جنگ کے معاملے میں انہوں نے عہد شکنی کی ۔اور حضرت علی علیہ السلام کے خلاف صف بستہ ہوگئے چنانچہ حضرت علی علیہ السلام نے مجبورا معاویہ کی جانب سے مسلط کردہ شرط جنگ بندی کو قبول کرلیا۔

3 سپاہ کے درمیان خلل اندازی

معاویہ نے حضرت علی علیہ السلام کی سپاہ کے دلوں میں تذبذب و تزلزل پیدا کرنے اور ذہنوں پر خوف و ہراس طاری کرنے کی غرض سے اس دوران جب کہ فریقین کے درمیان جنگ جاری تھی حکم دیا کہ خط لکھا جائے جسے تیر پر باندھ کر حضرت علی علیہ السلام کے لشکر میں پھینک دیا گیا۔اس خط کا مضمون یہ تھا کہ: خدا کے ایک خیر اندیش بندے کی طرف سے لشکر عراق کو پیغام۔آگاہ کیا جاتا ہے کہ معاویہ نے تم پر دریائے فرات کا کنارہ کھول دیا ہے وہ چاہتا ہے کہ تمام لشکر عراق کو اس میں غرق کردے۔جس قدر ممکن ہو سکے فرار کر جاؤ۔

اہل کوفہ میں سے ایک شخص نے یہ خط اٹھالیا اور پڑھ کر دوسرے کو دے دیا۔اور اسطرح یہ خط دست بدست ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچ گیا چنانچہ جس شخص نے بھی یہ خط پڑھا لکھنے والے کو خیر اندیش ہی سمجھا۔

معاویہ نے اس اقدام کے بعد دوسو آدمیوں کو بیلچے اور کدالیں دے کر اس پشتے کی جانب روانہ کردیا جو دریائے فرات پر بنا ہوا تھا اور ان سے کہا کہ تم اپنے کام پر لگ جاؤ۔

---

[1] کامل ابن اثیر ج 3 ص 290، وقعہ صفین ص 200-199، معاویہ کی اس گفتگو سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس نے حضرت علی علیہ السلام کے دیگر سرداران سے بھی اس قسم کی بات کی تھی۔

[2] وقعہ صفین ص 190-188

حضرت علی علیہ السلام کو جب اس خط کے بارے میں علم ہوا تو آپؑ نے اپنے سپاہیوں سے کہا کہ: معاویہ کا یہ اقدام عملی نہیں وہ چاہتا ہے کہ اپنی سازش سے تمہیں پسپائی کیلئے مجبور کرے اور تمہارے درمیان آشفتگی و سراسیمگی پیدا کردے اس پر سپاہیوں نے جواب دیا کہ ہم کیسے اس بات پر یقین نہ کریں۔ہم دیکھ ہی رہے ہیں کہ ان کے مزدور نہر کھودنے میں لگے ہوئے ہیں۔ہم تو یہاں سے کوچ کرتے ہیں۔یہ آپکی مرضی ہے کہ آپ بھی چلیں یا یہیں قیام کریں چنانچہ اس فیصلے کے بعد حضرت علی علیہ السلام کے سپاہی پیچھے ہٹنے لگے اور لشکر سے دور جا کر انہوں نے پڑاؤ کیا۔جس جگہ سے حضرت علی علیہ السلام کی سپاہ نے کوچ کیا تھا اس پر معاویہ کی سپاہ نے قدم جما دیئے)۔[1]

فیصلہ کن جنگ

ماہ محرم کے ختم ہوتے ہی مذاکرات کا بھی خاتمہ ہو گیا اور فریقین جنگ کیلئے تیار ہو گئے امیرالمومنین فرماتے ہیں: میں نے تمہیں مہلت دی کہ شاید تم حق کی طرف واپس آ جاؤں کلام اللہ کے ذریعے تمہارے لئے حجت و دلیل پیش کی لیکن تم شورش و سرکشی سے باز نہ آئے۔تم نے دعوت حق سے روگردانی کی۔اس لئے اب تم جنگ و جدال کے لئے تیار ہو جاؤ کیونکہ خداوند تعالیٰ خیانت کاروں کو پسند نہیں کرتا۔ اس کے بعد آپ نے لشکروں کی صفوں کو منظم کیا معاویہ نے بھی اپنی سپاہ کو آراستہ کیا۔[2]

امیرالمومنین نے اپنی سپاہ کو مرتب کرتے ہوئے فرمایا کہ: جب تک دشمن پیشقدمی نہ کرے تم جنگ شروع نہ کرنا کیونکہ تمہارے پاس حجت و دلیل موجود ہے ان کا جنگ شروع کرنا تمہارے لئے دوسری حجت و دلیل ہے جب انہیں شکست دے چکو تو فرار کرنے والوں کو قتل نہ کرنا۔زخمیوں پر حملہ آور نہ ہونا، برہنہ نہ کرنا مردہ لوگوں کے ناک،کان نہ کاٹنا جس وقت تم ان پر غالب آ جاؤ تو تم ان کے گھروں میں اس وقت تک داخل نہ ہونا جب تک میں اجازت نہ دوں اس مال کے علاوہ جو میدان جنگ میں رہ گیا ہے تم انکی کسی چیز کو ہاتھ نہ لگانا اگرچہ عورتیں تمہیں،تمہارے سرداروں اور تمہارے نیک بزرگوں کو ناشائستہ الفاظ سے یاد کررہی ہیں مگر تم انہیں تکلیف نہ پہنچانا کیونکہ وہ جسمانی طور پر کمزور اور عقل کے اعتبار سے ناقص ہیں۔[3]

سپاہ کو مرتب کرنے کے بعد آپؑ نے مالک اشتر کو کوفہ سے سواروں کا اور سھل بن حنیف کو بصرہ کے دستہ کا فرماندار مقرر کیا۔کوفہ کی پیادہ فوج کی فرمانداری عمار یاسر کو تفویض کی گئی اور بصرہ کی پیادہ فوج کا فرماندار قیس بن سعد کو مقرر کیا کوفہ و بصرہ کے قاریوں کو آپؑ نے --مسعر بن فدکی --کی تحویل میں دیا اور پرچم ہاشم مرقال کے سپرد کیا۔[4]

یکم صفر 37ھ دونوں فوجوں کے درمیان جنگ شروع ہوئی کوفہ کی فوج نے مالک کی کمانڈری اور شام کی فوج نے حبیب بن مسلمہ کی کمانڈری میں شدید جنگ کا آغاز کیا یہ معرکہ ظہر تک جاری رہا۔

اگلے دین ہاشم مرقال میدان میں اترے اور شام کے اس لشکر کے ساتھ جو ابوالاعور کی زیر فرمانداری میدان جنگ میں آیا تھا نبرد آزمائی کی اور شامیوں کے ساتھ سخت جنگ کے بعد وہ واپس اپنی لشکر گاہ میں آئے۔

---

[1] وقعہ صفین 490-489،اس واقعہ کی تفصیل بعد میں آئے گی۔

[2] وقعہ صفین ص190

[3] وقعہ صفین ص204-203

[4] کامل ابن اثیر ج3 ص294،تاریخ طبری ج5 ص11،لیکن وقعہ صفین میں صفحہ 205 پر منقول ہے کہ سوار دستے کی کمانڈری عمار کو اور پیادہ فوج کی عبداللہ بدیل کو دی گئی۔

تیسرے روز عمار یاسر مہاجر وانصار بدریوں کے ساتھ میدان جنگ میں اترے اور عمرو عاص سے مقابلہ کیا عمار نے اپنی سپاہ سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ: کیا تم ان دشمنوں کو دیکھنا چاہتے ہو جنہوں نے خدا اور اس کے رسول ﷺ کے خلاف جنگ کی اور دشمنوں کو مدد پہنچائی خداوند تعالیٰ کو چونکہ اپنا دین عزیز تھا اسی لئے اس نے اسے کامیابی عطا کی اور بالآخر اس دشمن نے خوف کی وجہ سے اپنا سر اسلام کے سامنے خم کر دیا پیغمبر اکرم ﷺ کے رحلت کے بعد اس دشمن کی مسلمانوں کے خلاف دشمنی وعداوت آشکارا ہوگئی۔ مسلمانو تم دشمن کے لشکر سے جنگ کرو کیونکہ انکے سرداران لوگوں میں سے ہیں جو نور الٰہی کو خاموش کرنے کا ارادہ کئے ہوئے ہیں۔ اس کے بعد انہوں نے پیادہ فوج کے فرماندار زیاد بن نُضر کو حکم دیا کہ حملہ کریں اور خود بھی حملہ آور ہوئے اور عمرو عاص کو پسپا کر دیا۔

چوتھے دن حضرت علی علیہ السلام کے فرزند محمد حنفیہ میدان جنگ میں گئے اور عبیداللہ بن عمر سے جنگ کی۔ دونوں جانب سے مقابلہ سخت رہا۔ بالآخرہ عبیداللہ نے محمد حنفیہ کو جنگی کشتی کی دعوت دی محمد حنفیہ نے پیشقدمی کی مگر حضرت علی علیہ السلام نے منع کر دیا اور خود ان کی جگہ کشتی گیری کیلئے تشریف لے گئے۔ مگر عبیداللہ بن عمر اس کے لئے تیار نہ ہوا۔

پانچویں دن عبداللہ بن عباس کا ۔۔ ولید بن عقبہ ۔۔ سے مقابلہ ہوا سخت نبرد آزمائی کے بعد انہوں نے ولید بن عقبہ کو جنگی کشتی کی دعوت دی مگر اس کے دل پر خوف طاری ہوگیا اور بالآخر لشکر اسلام فتح وکامرانی کے ساتھ واپس آیا۔[1]

چھٹے دن قیس بن سعد اور ۔۔ ذی الکلاع ۔۔ کے درمیان سخت معرکہ ہوا سخت نبرد آزمائی کے بعد واپس آیا۔

ساتویں دن مالک اشتر کا اپنے سابقہ رقیب سے مقابلہ ہوا اور ظہر کے وقت لشکر گاہ واپس آئے۔

عام جنگ

امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام نے دیکھا کہ جنگ کو ایک ہفتہ ہوگیا ہے اگرچہ دونوں طرف سے بہت سے سپاہی قتل کئے جا چکے ہیں مگر اس کے باوجود لشکر اسلام کو فتح نصیب نہیں ہو رہی ہے اسی لئے آپ نے عام حملے کا حکم دیا اور فرمایا کہ: ہم کیوں اپنی پوری فوجی طاقت کو حریف کے خلاف جنگ میں بروئے کار نہ لائیں؟

اسی لئے آپ نے 8 صفر شب چہارشنبہ (بدھ کی رات) اپنی سپاہ کے سامنے تقریر کی اور فرمایا کہ: جان لو کہ کل تمہیں دشمن کے روبرو ہونا ہے اس لئے تمام رات عبادت میں گزارو اور قرآن مجید کی کثرت سے تلاوت کرو خداوند تعالیٰ سے دعا کرو کہ ہمیں صبر ونصرت عطا فرمائے دشمن کے مقابل مکمل پائیداری، ثابت قدمی سے آنا اور پوری جد وجہد واستواری سے اس کا مقابلہ کرنا اور ہمیشہ راستگو رہنا۔

حضرت علی علیہ السلام کی جیسے ہی تقریر ختم ہوئی آپؑ کی سپاہ نے اپنے اسلحہ اور تلوار نیزہ وزوبین وغیرہ کو سنبھالا اور اسے جلا دینی شروع کی۔ حضرت علی علیہ السلام صبح کے وقت تک اپنے لشکر کو آراستہ کرتے رہے۔ آپ کے حکم کے مطابق منادی کے ذریعے دشمن کو اعلان جنگ سنایا اور کہا کہ: اے شامیو کل صبح تم سے میدان کارزار میں ملاقات ہوگی۔[2]

منادی کی آواز جب دشمن کے کانوں میں پہنچی تو اس کی صفوں میں کہرام مچ گیا سب نے بیم وترس کی حالت میں معاویہ کی جانب رخ کیا اس نے تمام سرداروں اور فرمانداروں کو بلایا اور حکم دیا کہ اپنی فوجوں کو تیار کریں۔

---

[1] کامل ج3 ص294، لیکن وقعہ صفین میں درج ہے کہ فریقین کے لشکر فتح وکامرانی کے بغیر واپس آئے ملاحظہ ہو وقعہ صفین ص222۔

[2] مروج الذہب ج2 ص379، کامل ج3 ص295-294، وقعہ صفین ص223-214

حضرت علی علیہ السلام نے جب اپنے لشکر کو آراستہ کرلیا تو آپؑ اپنی جگہ سے اٹھے اور سپاہ میں جوش وخروش پیدا کرنے کیلئے ان کے سامنے تقریر کی اور فرمایا کہ: اے لوگو خداوند تعالیٰ نے تمہیں اس تجارت کی جانب آنے کی دعوت دی ہے جس میں عذاب سے نجات دلائی جائے گی اور خیر وفلاح کی جانب بلایا ہے۔ یہ تجارت خدا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صداقت پر ایمان اور راہ خدا میں جہاد ہے۔ اس کا معاوضہ تمہیں یہ ملے گا کہ تمہارے گناہ بخش دئے جائیں گے اور خُلد بریں میں تمہیں رہنے کیلئے پاکیزہ مکان ملیں گے اور اس کا انتہائی اجر یہ ہے کہ تمہیں خدا کی رضا نصیب ہوگی جو ہر اجر سے کہیں عظیم ہے۔ قرآن کا خدا کے محبوب بندوں سے ارشاد ہے کہ: خداوند تعالیٰ ان مجاہدین حق کو دوست وعزیز رکھتا ہے جو محکم دیور کی طرح دشمن کے مقابل آجاتے ہیں اور اس سے جنگ وجدال کرتے ہیں [1]۔ اپنی صفوں کو سیسہ پلائی ہوئی بنیادوں کی طرح محکم کرلو اور ایک دوسرے کے دوش بدوش رہو۔ زرہ پوش سپاہ پیشا پیش رہیں اور جن کے پاس زرہ نہیں انہیں زرہ پوش سپاہ کے عقب میں رکھا جائے اپنے دانت بھینچے رکھو کیونکہ اس کے باعث شمشیر کی ضرب سے کاسہ سر محفوظ رہتا ہے۔ اس سے قلب کو تقویت اور دل کو آسودگی حاصل ہوتی ہے۔ اپنی آوازوں کو خاموش رکھو اس لئے کہ اس کی وجہ سے سستی وشکست سے نجات ملتی ہے اور چہرہ پر متانت ووقار کی کیفیت پیدا ہوتی ہے ... اپنے پرچموں کو یکجا رکھو اور انہیں باحمیت دلاوروں کے سپرد کرو جو لوگ مصائب ومشکلات میں صبر کرتے ہیں اور پرچم پر مسلط رہتے ہیں۔ وہ اس کی ہر طرف سے حفاظت میں کوشاں رہتے ہیں۔ [2]

حضرت علی (ع) کا خطبہ ختم ہونے کے بعد آپ کے اصحاب میں سے بھی ہر شخص نے اپنے قبیلے کے لشکر میں جوش وخروش پیدا کرنے کی خاطر تقریر کی۔ انہی مقررین میں سعید بن قیس بھی شامل تھے چنانچہ وہ اپنے ساتھیوں کے درمیان سے اٹھے پہلے تو انہوں نے حضرت علی علیہ السلام اور آپؑ کے اصحاب کی قدرومنزلت کا ذکر کیا اس کے بعد انہوں نے معاویہ کا تعارف کرایا۔ [3] اس کے ساتھ ہی انہوں نے اپنے دوستوں کو جنگ کرنے کیلئے ترغیب دلائی۔

فریقین کے لشکر چونکہ جنگ کیلئے آمادہ تھے اس لئے بدھ کے دن سخت معرکہ ہوا۔ رات کے وقت دونوں لشکر بغیر فتح ونصرت واپس اپنے خیموں میں آگئے [4]۔

امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام نے جمعرات کی صبح نماز فجر جلدی پڑھ لی سپاہ سے خطاب کرنے اور جنگ کی ترغیب دلانے کے بعد آپؑ نے گھوڑا طلب فرمایا [5] اس پر سوار ہونے کے بعد آپ قبلہ رخ کھڑے ہوگئے انکے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف تھے اور خداوند تعالیٰ سے یوں راز ونیاز کررہے تھے: خداوندا یہ قدم تیری راہ میں بڑھ رہے ہیں بدن خستہ وناتواں ہیں دلوں پر لرزہ ووحشت طاری ہے اور یہ ہاتھ تیری بارگاہ میں اٹھے ہوئے ہیں اور آنکھیں تیری طرف لگی ہوئی ہیں اس کے بعد آپ نے ایک آیت پڑھی جس کا ترجمہ یہ ہے (اے

---

[1] سورہ صف آیہ 4 إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِهِ صَفًّا كَأَنَّهُم بُنْيَانٌ مَّرْصُوصٌ ﴿٤﴾

[2] نہج البلاغہ کے خطبہ 124 کا اقتباس، وقعہ صفین ص 235

[3] وقعہ صفین ص 236

[4] کامل ابن اثیر ج 3 ص 296

[5] اس سے قبل حضرت علی علیہ السلام کی سواری میں جانور خچر تھا اس روز آپؑ نے تنومند ودراز دم گھوڑا لانے کے لئے حکم دیا۔ یہ گھوڑا اس قدر تنومند وطاقتور تھا کہ اسے قابو میں رکھنے کے لئے دو لگام استعمال کرنی پڑتی تھیں اور وہ اپنی اگلی ٹانگوں سے زمین کھودتا رہتا تھا۔

رب ہماری قوم کے درمیان ٹھیک ٹھیک فیصلہ کر دے اور تو بہترین فیصلہ کرنے والا ہے۔[۱]

آخر میں آپ نے سپاہ سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ سیرو علی برکۃ اللہ([۲] آگے بڑھو خدا تمہاری پشت و پناہ ہے)۔

امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام نے نبرد آزما ہونے سے قبل شام کے ہر قبیلے کا نام دریافت فرمایا اس کے بعد آپؑ نے اپنی سپاہ کے قبائل کو حکم دیا کہ تم میں سے ہر سپاہی اپنے ہم نام اور ہم پلہ وشان قبیلے کے ہر اس شخص سے جنگ کرے جو دشمن کی صفوں میں شامل ہے[۳]

سپاہ اسلام کی علامت وہ سفید رنگ کا کپڑا تھا جو انہوں نے اپنے سروں اور بازووں پر باندھ رکھتا تھا۔اور ان کا نعرہ یا اللہ، یا احد، یا صمد، یا رب محمد یا رحمت اور یا رحیم تھا۔اس کے برعکس معاویہ کی سپاہ کا نشان زرد پٹی تھی جسے انہوں نے بھی اپنے سروں اور بازووں پر باندھ رکھا تھا۔اور ان کا نعرہ یہ تھا نحن عباداللہ حقا حقا یالثارات عثمان[۴]

قرآن کی طرف دعوت

اس سے قبل کہ حضرت علی علیہ السلام کے سامنے عمرو عاص کا مکر وفریب ظاہر ہو آپؑ نے اپنی جمعیت کو بیدار کرنے اور دشمن پر اتمام حجت کی خاطر اس وقت بھی جب کہ آپؑ نے اپنی فوج میں ذرہ برابر زبونی وناتوانی محسوس نہیں کی، یہ تجویز پیش کی اور فرمایا کہ: کوئی شخص قرآن شریف اپنے ہاتھ میں اٹھالے اور دشمن کے نزدیک پہنچ کر اسے قرآن کی طرف آنے کی دعوت دے ایک شخص جس کا نام-۔سعید-۔ تھا اٹھا اور اس نے سپاہ دشمن کی جانب جانے کا اظہار کیا حضرت علی علیہ السلام نے دوبارہ اپنی اس تجویز کو زبان مبارک سے ادا کیا اسی نوجوان نے آپؑ کی اس تجویز پر لبیک کہا کیونکہ اکثر وبیشتر افراد کا خیال تھا جو شخص بھی اس راہ میں پیشقدمی کرے گا اس کا مارا جانا یقینی ہے۔

حضرت-۔سعید-۔نے قرآن مجید ہاتھ میں لیا اور سپاہ دشمن سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ: اے لوگو شورش وسرکشی سے باز آؤ امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام قرآنی حکومت اور عدل الٰہی کی دعوت دے رہے ہیں سیدھا راستہ اختیار کرو سیدھا راستہ وہی ہے جو مہاجرین و انصار نے اختیار کیا لیکن اہل شام نے اس کو اپنے نیزوں اور تلواروں سے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔[۵]

معاویہ کہاں ہے؟

فریقین کے لشکر کے درمیان جنگ جیسے جیسے شدید تر ہوتی جاتی تھی، مالک اشتر، عمار اور عبداللہ بدیل جیسے امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کے یار و مددگار شیر کی طرح غراتے اور دشمن پر حملہ آور ہوتے حضرت علی علیہ السلام بھی میدان کارزار میں داخل ہوئے دشمن کی سپاہ نے جیسے ہی آپؑ کو دیکھا اس پر خوف وہراس طاری ہو گیا بعض قبائل کو تو اپنی جان کے لالے پڑ گئے اور یہ فکر ستانے لگی کہ کس طرح نجات پائیں

---

[۱] سورہ اعراف آیہ 89 رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَأَنتَ خَيْرُ الْفَاتِحِينَ ﴿٨٩﴾

[۲] وقعہ صفین ص 230، شرح ابن ابی الحدید ج 5 ص 176

[۳] وقعہ صفین ص 229، کامل ابن اثیر ج 3 ص 298، تاریخ طبری ج 5 ص 14، شرح ابن ابی الحدید ج 5 ص 186

[۴] وقعہ صفین ص 332

[۵] وقعہ فین ص 244، شرح ابن ابی الحدید ج 5 ص 196، اس پورے قصے میں یہ نکتہ قابل توجہ ہے کہ حضرت علی علیہ السلام نے خیرخواہی کا جو یہ اقدام کیا تھا اس کے پیش نظر معاویہ کے کسی سپاہی نے اپنے فیصلہ جنگ پر تردید نہیں کی وہ اس نوجوان کو دیکھتے رہے لیکن جب معاویہ کی صفوں میں شکست کے آثار نمودار ہوئے تو اس کے سپاہیوں نے اس شکست کی تلافی کے لئے قرآن کو نیزے پر چڑھا لیا اور وہ بھی سپاہ عراق کو قرآن کی دعوت دینے لگے حضرت علی علیہ السلام کی سپاہ میں سے کچھ لوگوں پر اس کا اثر ہو گیا چنانچہ انہوں نے حضرت علی علیہ السلام سے کہا کہ حکم صادر کیجئے کہ مالک اشتر واپس آجائیں ورنہ ہم آپؑ کو قتل کر دیں گے۔

چنانچہ قبیلہ خثعم کے سردار عبداللہ خنش نے خثعم قبیلہ عراق کے سرگروہ کعب سے پیغام کے ذریعے یہ درخواست کی کہ صلہ رحم کی خاطر اور ایک دوسرے کے حقوق کا پاس کرتے ہوئے جنگ سے کنارہ کشی اختیار کرلے لیکن مخالفت سے دوچار ہوا۔[1]

اسی اثناء میں سپاہ اسلام کے فرماندار میمنہ عبداللہ بدیل جو بہت ہی شجاع و دلیر شخص اور دوزرہ پہن کر جنگ کرتے تھے دونوں ہاتھوں میں تلواریں لئے دشمن کی سپاہ کے میسرہ کی جانب بڑھے اور اسے چیرتے ہوئے ان لوگوں تک پہنچ گئے جو معاویہ کے فدائی کہلاتے تھے یہ لوگ معاویہ کے ایسے جانثار و باوفا دوست تھے جنہوں نے یہ عہد کیا تھا کہ جب تک ہمارے دم میں دم ہے اس کی حفاظت کرتے رہیں گے معاویہ نے ان فدائیوں کو حکم دیا کہ عبداللہ کے بمقابل آجائیں اور خفیہ طور پر اسے اپنے میسرہ کے فرماندار حبیب بن مسلمہ سے کہا کہ وہ ابن بدیل کو آگے بڑھنے سے روکے لیکن وہ آگے بڑھتے ہی گئے معاویہ نے ناچار مصلحت اس امر میں سمجھی کہ اپنی جگہ بدل دے اور وہ پیچھے کی طرف بھاگ گیا لیکن عبداللہ پکار پکار کر کہہ رہے تھے یالثارات عثمان (عثمان کے خون کا بدلہ) معاویہ کی سپاہ نے جب یہ نعرہ سنا تو اس نے انہیں اپنا ہی سپاہی سمجھ کر انہیں راستہ دیا۔

معاویہ کو چونکہ دوسری مرتبہ اپنی جگہ سے ہٹ کر پیچھے آنا پڑا تھا اس لئے اس نے دوبارہ حبیب بن مسلمہ سے کہا کہ میری مدد کرو چنانچہ اس نے بڑا سخت حملہ کیا اور دائیں جانب کے لشکر (جناح راست) کو چیرتا ہوا عبداللہ بن بدیل تک پہنچ گیا۔ عبداللہ سو قاریوں میں سے اکیلے رہ گئے تھے (باقی سب پسپا ہو چکے تھے) چنانچہ وہ پوری دلیری سے جنگ کرتے رہے اور زبان سے بھی کہتے رہے کہ: معاویہ کہاں ہے۔ معاویہ نے جب عبداللہ کو اپنے نزدیک دیکھا تو اس نے پکار کر کہا کہ اگر تلوار سے ان پر حملہ نہیں کر سکتے تو انھیں آگے بھی نہ آنے دو ان پر سنگباری شروع کردو چنانچہ ہر طرف سے اس جانباز اسلام پر اس قدر پتھر برسائے گئے کہ وہ وہیں شہید ہو گئے۔ معاویہ نے حکم دیا کہ انکے ناک، کان کاٹ لئے جائیں لیکن ان کی عبداللہ بن عامر سے چونکہ سابقہ دوستی تھی اسیلئے وہ مانع ہوئے اور معاویہ نے بھی اس خیال کو ترک کردیا۔[2]

حضرت علی علیہ السلام میدان کارزار میں

امیرالمومنین حضرت علی کمانڈر انچیف کے فرائض انجام دینے کے علاوہ بہت سے مواقع پر بالخصوص حساس ترین لمحات میں خود بھی میدان کارزار میں پہنچ جاتے اور دشمن کے حملوں کا مقابل کرتے اگرچہ آپ کے اصحاب و فرزند آپؑ کے دشمن کے درمیان حائل ہوجاتے اور آپکی پوری حفاظت کرتے اور ان کی یہ خبرگیری آپکے لیئے جنگ کرنے میں مانع ہوتی۔

بطور مثال ایک موقع پر میان کارزار میں بنی امیہ کے -- احمر -- نامی غلام جو بڑا جری و دلاور شخص تھا آگے بڑھا۔ جس وقت حضرت علی علیہ السلام کی نگاہ اس پر گئی تو آپ بھی اسکی طرف بڑھے اسی اثناء میں حضرت علی علیہ السلام کا غلام جس کا نام -- کیسان -- تھا آگے بڑھ آیا۔ دونوں کے درمیان کچھ دیر تک نبرد آزمائی ہوتی رہی۔ بالاخر وہ احمر کے ہاتھوں مارا گیا اب احمر حضرت علی علیہ السلام کی جانب بڑھا تا کہ آپ کو شہید کردے۔ حضرت علی علیہ السلام نے اس سے قبل کہ دشمن وار کرے ہاتھ بڑھا کر اس کا گریبان پکڑا اور اسے گھوڑے پر سے کھینچ لیا۔ اور اسے

---

[1] حضرت عبداللہ بن بدیل کے بھائی کا نام بھی عثمان تھا۔ وہ بھی دشمن کے ہاتھوں قتل ہوئے تھے۔ یہاں عثمان سے مراد ان کے بھائی ہیں۔

[2] وقعہ صفین ص 248-245، شرح ابن ابی الحدید ج 5 ص 196، اگرچہ تاریخ کی کتابوں میں ایسے کئی دلیر جانبازوں کا ذکر ملتا ہے مگر اس کتاب کے اختصار کو مدنظر رکھتے ہوئے ان کی کیفیات بیان کرنے سے چشم پوشی کی گئی ہے تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو شرح ابن ابی الحدید ج 5 ص 214 وقعہ صفین ص 258

سر سے اوپر اٹھا کر زمین پر دے مارا کہ اس کے شانہ و بازو ٹوٹ کر الگ ہو گئے اور ایک طرف کھڑے ہو گئے۔ اتنے میں فرزندان علی علیہ السلام (حضرت امام حسین علیہ السلام اور حضرت محمد حنفیہ) وہاں پہنچ گئے اور تلوار کے وار سے اسے ہلاک کر دیا۔

راوی مزید بیان کرتا ہے کہ: احمر کے قتل کے بعد شامیوں نے جب حضرت علی علیہ السلام کو اکیلا دیکھا تو وہ آپؑ کی طرف بڑھے اور جان لینے کا ارادہ کیا اگرچہ وہ حضرت علی علیہ السلام کی جانب بڑھتے رہے مگر آپؑ کی رفتار میں ذرا بھی فرق نہ آیا اور پہلے کی طرح آہستہ آہستہ قدم بڑھاتے رہے، حالانکہ اپنے لشکر کی طرف پلٹنے کا ارادہ نہیں تھا۔

یہ کیفیت دیکھ کر حضرت امام حسن علیہ السلام نے اپنے والد محترم سے عرض کی کیا حرج ہے کہ آپؑ اپنی رفتار تیز کر دیں اور اپنے ان دوستوں سے آن ملیں جو دشمن کے روبرو کھڑے ہیں اس پر حضرت علی علیہ السلام نے جواب دیا کے اے میرے فرزند تیرے والد کا اس جہان سے کوچ کرنے کے لئے خاص وقت معین ہے اس میں ذرا بھی پس و پیش نہیں ہو سکتی۔ تیرے والد کو اس بات کا ذرا بھی غم نہیں کہ موت کو اپنی آغوش میں لے لے یا موت خود ہی آ کر گلے لگ جائے۔[1]

ایک موقع پر سعید بن قیس میدان کارزار میں موجود تھا اس نے بھی ایک مرتبہ حضرت علی علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا: یا امیر المومنین آپ دشمن کی صف کے نزدیک حد سے زیادہ آگے آ جاتے ہیں کیا آپ کو اس بات کا ذرا بھی خوف نہیں کہ دشمن آپ پر وار کر سکتا ہے اس پر آپؑ نے فرمایا تھا کہ خداوند تعالیٰ سے بڑھ کر کوئی کسی کا نگہبان نہیں اگر کوئی کنویں میں گر جائے یا اس پر دیوار گر رہی ہو یا کوئی اور بلا نازل ہو رہی ہو تو خدا کے علاوہ اس کی کوئی حفاظت کرنے والا نہیں اور جب موت آ جاتی ہے تو تمام تدابیر بیکار ہو جاتی ہیں۔[2]

دوستوں کی حمایت و مدد

حضرت علی علیہ السلام میدان جنگ میں عین اس وقت بھی جب کہ میدان کارزار میں پیش قدمی فرما رہے ہوتے تھے اگر ضرورت پیش آ جاتی تو اپنی جان کو خطرہ میں ڈال کر وہ اپنے ساتھیوں کی مدد کیلئے تیزی سے پہنچتے۔

غرار بن ادہم شامی لشکر کا مشہور سوار تھا ایک روز اس نے عباس بن ربیعہ کو جنگی کشتی کیلئے للکارا عباس گھوڑے سے اتر کر نیچے آ گئے اور غرار سے کشتی میں نبرد آزما ہو گئے سخت زور آزمائی کے بعد عباس نے شامی کی زرہ کو چاک کر دیا اس کے بعد آپ نے تلوار نکال کر اس کے سینے پر وار کیا یہاں تک کہ وہ زخمی ہو کر مارا گیا یہ منظر دیکھ کر لوگوں نے نعرہ تکبیر بلند کیا۔

ابوالاغرّ سے یہ واقعہ منقول ہے کہ میں نے اچانک سنا کہ میرے پیچھے کوئی شخص یہ آیت تلاوت کر رہا ہے-- **قاتلوھم یعذبھم اللہ بایدیکم و یخزھم و ینصرکم علیھم و یشف صدور قوم مومنین**-- (انھیں قتل کر ڈالو خدا تمہارے ذریعہ انہیں عذاب میں مبتلا کرتا ہے اور ذلیل کرتا ہے اور تمہاری مدد کرتا ہے مومنوں کے دلوں کو شفا بخشتا ہے اور ان سے کدورت دور کرتا ہے [3]

جب میں نے پلٹ کر دیکھا تو وہاں امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کو پایا۔ اس کے بعد آپؑ نے مجھ سے فرمایا ہم سے کس شخص نے

---

[1] وقعہ صفین ص 250-249، شرح ابن ابی الحدید ج 5 ص 198، تاریخ طبری ج 5 ص 19، کامل ابن اثیر ج 3 ص 299

[2] وقعہ صفین ص 250، شرح ابن ابی الحدید ج 5 ص 199

[3] عباس بن ربیعہ بن حارث بن عبد المطلب

دشمن سے جنگ کی؟ میں نے عرض کیا کہ آپ کے بھتیجے نے۔اس پر آپؑ نے فرمایا کیا میں نے تمہیں اور ابن عباس کو جنگ کرنے سے منع نہیں کیا تھا؟ انہوں نے جواب دیا کہ جی ہاں آپ نے منع فرمایا تھا۔مگر دشمن نے خود ہی مجھے للکارا۔اس پر آپ نے کہا کہ اگر تم نے اپنے پیشوا کی اطاعت کی ہوتی تو وہ اس سے کہیں زیادہ بہتر تھا کہ تم دشمن کی للکار کا جواب دیتے۔اس کے بعد آپ نے بارگاہ خداوندی میں دعا کی کہ وہ عباس کی لغزش کو معاف کرے اور جہاد کی انہیں جزا دے۔

عرّار کے قتل ہوجانے کی وجہ سے معاویہ بہت زیادہ مضطرب و آشفتہ خاطر ہوا چنانچہ اس کے حکم کے مطابق اور انعام کے وعدے پر قبیلہ۔۔لخم۔۔کے دو افراد نے عباس بن ربیعہ کو پیکار کی غرض سے للکارا۔لیکن حضرت علی علیہ السلام نے انھیں نبرد آزمائی کی اجازت نہیں دی اور فرمایا کہ معاویہ تو یہ چاہتا ہے کہ بنی ہاشم میں سے ایک شخص بھی زندہ نہ رہے...

اس کے بعد آپؑ نے عباس کے لباس اور اسلحہ سے خود کو آراستہ کیا اور انہی کے گھوڑے پر سوار ہوکر ان دونوں افراد کی طرف روانہ ہوئے اور انہیں وہیں ہلاک کردیا۔میدان کارزار سے واپس آکر آپ نے عباس کا اسلحہ انہیں واپس کیا اور فرمایا کہ جو کوئی تمہیں نبرد آزمائی کے لئے للکارے پہلے تم میرے پاس آؤ...[1]

اس واقعے سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ حضرت علی علیہ السلام کی بنی ہاشم بالخصوص خاندان رسالت کی جانب خاص توجہ وعنایت تھی اور انکی جان کی حفاظت کیلئے آپؑ ہر ممکن کوشش فرماتے۔چنانچہ بحران جنگ میں جب کہ آپؑ کی جانب تیروں کی بارش ہورہی تھی اور آپ کے فرزندوں کو دشمن اپنے تیروں کا نشانہ بنائے ہوئے تھا،اس وقت بھی آپؑ کو اپنی جان کی پروانہ تھی چنانچہ خود آگے بڑھ کر جاتے اور اپنے ہاتھ سے تیروں کے رخ کو کبھی ایک طرف اور کبھی دوسری جانب منتشر کردیتے۔[2]

سوالات

1 حضرت علی علیہ السلام نے اپنے نمائندے معاویہ کے پاس کس مقصد کے تحت روانہ کئے؟

2 معاویہ نے اپنے لشکر کی کمزوری کی تلافی کس طرح کرنا چاہی اور لشکر اسلام کو کمزور وناتوان کرنے کیلئے اس نے کیا اقدامات کئے؟اس کی دو مثالیں پیش کیجئے؟

3 نبرد آزمائی سے قبل حضرت علی علیہ السلام نے اپنے سپاہیوں کے لئے کیا احکامات صادر کئے؟

4 پہلی اور دوسری عام جنگوں کا آغاز کن تاریخوں سے ہوا؟ فریقین کے لشکروں کی علامات ونعرے کیا تھے؟

5 حضرت علی علیہ السلام نے جنگ سے قبل اتمام حجت کے طور پر اور مسلمانوں کی خون ریزی کو روکنے کیلئے کیا اقدامات کیئے؟

6 جنگی پہلو کو مدنظر رکھتے ہوئے حضرت علی علیہ السلام کے سپاھیانہ کردار کو مختصر طور پر بیان کریں۔

---

[1] سورہ توبہ آیہ 14

[2] شرح ابن ابی الحدید ج5 ص219

گیارھواں سبق

قاسطین (جنگ صفین)

استقامت و پایداری کیلئے نصیحت

لشکر اسلام کا مرکزی حصہ پہلے کی طرح اب بھی سپاہ دشمن کے قلب میں جنگ آزما تھا حبیب بن مسلمہ کے سخت حملے کے باعث بائیں بازو کا پرہ (جناح راست) پسپا ہو کر فرار کرنے لگا تھا امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام نے جب یہ کیفیت دیکھی تو انہوں نے مالک کو حکم دیا کہ ان فرار کرنے والوں کی طرف جاؤ اور ان سے کہو کہ: موت سے بچ کر کہاں جا رہے ہو کیا اس زندگی کی جانب جو قطعی ناپایدار ہے؟ مالک فرار کرنے والوں کی جانب لپکے اور کئی مرتبہ پکار کر کہا کہ لوگو میں مالک ہوں لیکن کسی نے ان کی جانب توجہ نہ کی جس کی وجہ یہ تھی کہ بیشتر لوگ انھیں اشتر کے نام سے جانتے تھے لہٰذا جس وقت انہوں نے کہا کہ میں مالک اشتر ہوں تو فرار کرنے والے واپس آنے لگے اور ان کے گرد جمع ہو گئے۔

مالک نے اپنے زور بیان سے لوگوں کو دوبارہ جنگ و نبرد کیلئے آمادہ کر لیا اس کے بعد انہوں نے قبیلہ--مذحج--کے افراد کو جو اپنے دلیری و جنگجوئی میں مشہور تھے خاص طور پر نبرد آزمائی کی دعوت دی اور کہا کہ میدان کارزار میں اپنی مردانگی کے جوہر دیکھائیں اور دشمن کو پسپائی پر مجبور کر دیں ان سب نے ایک زبان ہو کر اپنی آمادگی کا اعلان کر دیا اور کہنے لگے کہ ہم آپ کے فرمانبردار ہیں طائفہ ہمدان کے سو افراد اور ان کے علاوہ دیگر چند دانشور جرائتمند اور باوفا لوگ مالک کی جانب واپس آ گئے اور اس طرح دوبارہ دائیں جانب کا پرہ مضبوط ہو گیا ان کے جوش و خروش کا یہ عالم تھا کہ جس لشکر پر بھی حملہ آور ہو جاتے اسے نیست و نابود کر دیتے[1] چنانچہ ان کے سخت و شدید حملات کا یہ نتیجہ برآمد ہوا کہ دشمن کو مجبوراً پسپا ہونا پڑا۔

فرار کرنے والوں کی تنبیہ و سرزنش

فرار کرنے والے جب واپس آ گئے تو امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام نے اس پیش بندی کے خیال سے کہ یہ اقدام دوبارہ نہ ہو ان سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ: میں نے تمہاری چابکدستی و دلاوری بھی ملاحظہ کی اور دیگر سپاہ کی صفوں سے تمہیں سرتابی کرتے ہوئے بھی دیکھا۔اہل شام تو جفا کار، پست فطرت اور صحرا نشین بدو ہیں مگر افسوس انہوں نے تمہیں راہ فرار دکھا دی جب کہ تم شائستہ و لائق، برگزیدہ اور سربرآوردہ عرب ہو جو رات کی تاریکیوں میں قرآن پاک کی تلاوت کرتے تھے لوگ گمراہی میں بھٹک رہے تھے تم حق کی جانب آنے کی دعوت دے رہے تھے اگر تم فرار کرنے کے بعد واپس نہ آ گئے ہوتے تو وہ سخت سزا تمہارے گریبان گیر ہوتی جو خداوند تعالیٰ نے مفرورین

---

[1] وقعہ صفین ص253،250

کیلئے مقرر کی ہے۔[1]

...یہ جان لو کہ جو شخص راہ فرار اختیار کرتا ہے وہ خدا کے غضب کو برانگیختہ کرتا ہے اور خود کو ہلاکت کی جانب لے جاتا ہے اور وہ اس پستی و مذلت کی طرف چلا جاتا ہے جو ہمیشہ اس کے ساتھ رہتی ہے وہ اس کے ذریعے اپنے لئے ابدی ننگ ورسوائی اور بدبختی کے سامان مہیا کرتا ہے جو شخص فرار کرتا ہے نہ اس کی عمر میں اضافہ ہوتا ہے اور نہ ہی اسے خدا تعالیٰ کی رضاء وخوشنودی حاصل ہوتی ہے اس بنا پر ان مذموم صفات کو حاصل کرنے سے موت کہیں زیادہ گوارا ہے۔[2]

جنگ میں مالک کا کردار

مالک اشتر دراز قامت، مضبوط جسم اور لاغر بدن انسان تھے مگر بہت زیادہ طاقتور وتومند ایک مرتبہ قیس کے دو فرزند مُنقذ اور حمیر ان کے بارے میں گفتگو کر رہے تھے۔منقذ نے کہا کہ اگر مالک کی نیت ان کے عمل کی طرح ہے تو عربوں میں ان کا ثانی نہیں اس پر حمیر نے جواب دیا کہ ان کا عمل ان کے خلوص نیت کا آئینہ دار ہے۔[3]

مالک سرتاپا ایسے مسلح تھے کہ انھیں پہچانا نہیں جاسکتا تھا شمشیر یمانی ان کے ہاتھ میں تھی جس وقت یہ تلوار ان کے ہاتھ میں گھوم جاتی تھی تو لگتا تھا کہ یہ تلوار نہیں آب رواں ہے اور جس وقت فضا کو چیرتی ہوئی گذرتی تھی تو اس کی چمک سے دیکھنے والوں کی آنکھیں چکاچوند ہو جاتی تھیں۔[4]

--ابن جمہان --نے جب ان کی تلوار سے آگ نکلتی دیکھی اور دشمن پر ان کے شگفت آور حملے کو دیکھا تو ان سے کہا: خداوند آپ کی اس عظیم فداکاری کے بدلے ہیں جزاء خیر عطا فرمائے جو آپ مسلمانوں اور امیرالمومنین کے دفاع کیلئے انجام دے دیتے ہیں۔

مالک نے ہمدانیوں کے ساتھ ان پانچ صفوں کو اپنے محاصرہ میں لے لیا تھا کہ جنہوں نے معاویہ سے یہ عہد کیا تھا کہ مرتے دم تک تم پر آنچ نہیں آنے دیں گے لیکن مالک نے چار صفوں کو پسپا کر دیا۔[5]

مالک جیسے لائق واہل فرماندار کی موجودگی جہاد میں سپاہیوں کی حوصلہ مندی اور دل گرمی کا سبب ہوتی وہ جس لشکر پر بھی حملہ آور ہوتے وہ لشکر فرار کر جاتا اور جب کبھی منتشر و پراگندہ سپاہ کے درمیان پہنچ جاتے تو انھیں لشکر کی شکل میں مرتب ومنظم کر دیتے جس وقت انہوں نے یہ دیکھا کہ سپاہ اسلام کے لشکر کے فرمانداروں اور پرچمداروں میں سے دو شخص سخت جنگ ونبرد کے بعد شہید ہو گئے ہیں تو انہوں نے کہا کہ: خدا کی قسم یہی صبر جمیل اور کریمانہ عمل ہے اور مرد وہ ہے جو میدان کارزار میں یا تو کسی کو قتل کر دے یا خود شہید ہو جائے اور جو اس

---

[1] شاید اس آیت کی جانب اشارہ ہے یا ایہا الذی آمنوا اذا لقیتم الذین کفروا زحفا فلا تولوا ہم الادبار و من یولہم یومئذ دبرہ الا متحرفا لقتال او متحیزا الی فئۃ فقد باء بغضب من اللہ و ماواہ جہنم و بئس المصیر (اے لوگو جو ایمان لائے ہو، جب تم ایک لشکر کی صورت میں کفار سے دوچار ہو تو ان کے مقابلے میں پیٹھ نہ پھیرو جس نے ایسے موقعے پر پیٹھ پھیری مگر یہ کہ جنگی چال کے طور پر ایسا کرے یا کسی دوسرے فوجی دستہ سے جا ملنے کے لئے تو وہ اللہ کے غضب میں گھر جائے گا اور اس کا ٹھکانہ جہنم ہوگا اور وہ بہت برا ٹھکانہ ہے سورہ انفال آیہ 14-15

[2] وقعہ صفین ص256، کامل ابن اثیر ج3 ص304، تاریخ طبری ج5 ص25، شرح ابن ابی الحدید ج5 ص204

[3] وقعہ صفین 255-254

[4] وقعہ صفین 255-254

[5] وقعہ صفین 255-254

کے بغیر میدان جنگ سے واپس آتا ہے تو کیا اس کیلئے باعث ننگ ورسوائی نہیں ہے۔[1]

دو حجر کی جنگ

صفر کی 7 تاریخ کو جب کہ فریقین کے لشکر ایک دوسرے کے مقابل آ گئے تو پہلا شخص جو معاویہ کے لشکر سے نکل کر میدان کارزار میں آیا اور حریف کو نبرد آزمائی کیلئے للکاراوہ ۔۔حجر شر۔۔ کے نام سے مشہور اور امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کے یار باوفا حضرت حجر بن عدی کا چچازاد بھائی تھا حجر شر کا مقابلہ کرنے کے لئے حجر بن عدی میدان جنگ میں پہنچے اور دو حجر کے درمیان سخت نبرد آزمائی ہوئی اسی اثنا میں ۔۔خزیمہ بن ثابت۔۔ حجر شر کی مدد کے لئے میدان جنگ میں آ گیا اور حجر بن عدی کو اس نے زخمی کر دیا، سپاہ اسلام نے جب یہ منظر دیکھا تو وہ بھی میدان کارزار کی جانب بڑھے اور خزیمہ بن ثابت کو قتل کر ڈالا حجر شر بھی مجاہدان اسلام میں سے ایک شخص کو قتل کرنے کے بعد اپنے چچازاد بھائی (حجر بن عدی) کے ہاتھوں ہلاک ہوا اس کی ہلاکت حضرت علی علیہ السلام کے لئے باعث مسرت ہوئی اور آپؑ باری تعالیٰ کا شکر بجالائے۔[2]

حریث کا قتل

حریث معاویہ کا غلام تھا تنومند ہونے کی وجہ سے اپنے آقا کا بہت محبوب و پسندیدہ تھا اسے میدان جنگ میں اسی وقت بھیجا جاتا تھا جب کہ میدان کارزار سخت گرم ہوا اور جنگ دشوار وحساس لمحات گذر رہی ہوا اس میں اور معاویہ میں شباہت بھی بہت زیادہ تھی چنانچہ کبھی کبھی وہ اپنا مخصوص لباس بھی اس غلام کو پہنا دیتا جس کے باعث لوگ یہ سمجھنے لگتے کہ معاویہ بذات خود میدان جنگ میں آ گیا ہے۔

معاویہ نے اس سے یہ فرمائش کی کہ امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کے علاوہ وہ جس سے بھی چاہے نبرد آزما ہو جائے لیکن عمرو عاص نے اسے اپنی باتوں سے یہ ترغیب دلائی کہ موقعہ ملے تو حضرت علی علیہ السلام سے بھی مقابلہ آرا ہو جائے چنانچہ وہ حضرت علی علیہ السلام کا مقابلہ کرنے کے لئے گیا اور کہنے لگا کہ اگر مجھ سے زور آزمائی کرنا چاہتے ہو تو آ جاؤ۔حضرت علی علیہ السلام نے ایک ہی وار میں اس کے دو ٹکڑے کر دیئے اس کے قتل سے معاویہ کو سخت صدمہ ہوا اور اس نے عمرو عاص کی سخت ملامت کی۔[3]

آخری تجویز

سرزمین صفین پر دونوں لشکروں کا قیام کافی طویل ہو گیا اس عرصے میں فریقین کا جانی و، مالی نقصان بھی بہت زیادہ ہوا ایک روز اس وقت جب کہ میدان کارزار گرم تھا اور حضرت علی علیہ السلام کے ہاتھوں دشمن کے بہت سے جانباز دلاور مارے جا چکے تھے آپؑ نے لشکر حریف کو للکارا اور کہا کہ ہے کوئی جو مجھ سے نبرد آزما ہو مگر دشمن کی صفوں میں سے کوئی بھی میدان جنگ میں نہ آیا اس وقت حضرت علی علیہ السلام گھوڑے پر سوار تھے چنانچہ آپؑ لشکر شام کے سامنے آئے اور معاویہ کو طلب کیا معاویہ نے کہا کہ ان سے پوچھو کہ کیا کام ہے؟ آپ نے فرمایا کیا اچھا ہوتا کہ معاویہ میرے سامنے ہوتا اور میں ان سے بات کرتا یہ سن کر معاویہ عمرو عاص کی موافقت کے بعد اپنی صف سے نکل کر سامنے آیا۔

---

[1] کامل ابن اثیر ج 3 ص 302، تاریخ طبری ج 5 ص 24

[2] وقعہ صفین ص 254-253 الا لیستحیی الرجل ان ینصرف لم یقتل ولم یقتل؟

[3] وقعہ صفین 243، شرح ابن ابی الحدید ج 5 ص 195

امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا کہ: افسوس تیرے حال پر آخر تو نے کیوں لوگوں کو قتل کرنے پر کمر باندھ رکھی ہے؟ کب تک دونوں لشکر اپنی تلواریں کھینچے رہیں گے کیوں نہ ہم باہم نبرد آزما ہو جائیں تا کہ جو بھی غالب آجائے حکومت اسی کو مل جائے اس پر معاویہ نے عمروعاص سے پوچھا کہ تمہاری کیا رائے ہے؟ کیا میں علی علیہ السلام سے نبرد آزمائی کروں عمروعاص نے کہا کہ تجویز تو معقول ومنصفانہ ہے اگر اس وقت اس تجویز سے روگردانی کی تو تیرا خاندان ابد تک ذلت وخواری میں گرفتار رہے گا۔

معاویہ نے کہا کہ: بھلا میں اور تمہاری باتوں میں آجاؤں میں علی بن ابی طالب علیہ السلام کو خوب جانتا ہوں خدا کی قسم اس نے جس سے بھی دست وپنجہ نرم کیا اسی کے خون سے زمین کو سیراب کر دیا[۱] یہ کہہ کر وہ واپس اپنے لشکر کی جانب چلا گیا اور آخری صف میں پہنچ کر پناہ لی یہ منظر دیکھ کر حضرت علی علیہ السلام کو ہنسی آگئی چنانچہ آپ بھی اپنی جگہ واپس آگئے۔[۲]

بدترین طریقے کا سہارا

حارث بن نضر کا شمار امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کے اصحاب میں ہوتا تھا عمروعاص کو ان سے خاص دشمنی تھی اور شاید ہی کوئی ایسی مجلس ہو جس میں حارث کی برائی نہ کرتا ہو حارث نے بھی عمروعاص کے متعلق کچھ شعر کہے اور اس کے پاس بھیج دیئے ان اشعار میں اسے یہ اشتعال دلایا گیا تھا کہ اگر نیک نام اور کار خیر کی تمنا ہے تو علی بن ابی طالب کے مدمقابل آجاؤ۔

ان اشعار کو پڑھ کر عمروعاص نے قسم کھائی کہ علی علیہ السلام سے ضرور زور آزمائی کروں گا چاہے ہزار مرتبہ موت کا سامنا کرنا پڑے یہ کہہ کر وہ میدان کارزار میں آیا حضرت علی علیہ السلام بھی اس کی جانب بڑھے حضرت علی علیہ السلام کو دیکھ کر عمروعاص پر ایسا خوف طاری ہوا کہ اس نے خود کو گھوڑے سے زمین پر گرا دیا اور شرمگاہ کھول دی حضرت علی علیہ السلام نے منھ پھیر لیا تو عمروعاص نے راہ فرار اختیار کی۔[۳]

دشمن کے سرداروں کا اعتراف

عمروعاص، عتبہ، ولید، عبداللہ ابن عامر اور طلحہ کے بیٹے جیسے لشکر شام کے نامور سردار ایک رات معاویہ کے گرد جمع تھے اور گفتگو حضرت علی علیہ السلام کے بارے میں ہو رہی تھی عتبہ نے کہا کہ: علی علیہ السلام کا ہمارے ساتھ رویہ بڑا ہی عجیب وحیرتناک ہے کیونکہ ہم میں سے کوئی بھی ایسا نہیں بچا جوان کے ستم کا نشانہ نہ بن چکا ہو میرے دادا عتبہ اور بھائی حنظلہ کو تو انہوں نے قتل ہی کیا تھا میرے چچا شیبہ کے قتل میں بھی وہ شریک تھے ولید تیرے باپ کو بھی علی علیہ السلام نے ہی قتل کیا ہے اور اے مروان تجھے علی علیہ السلام سے دو لحاظ سے صدمہ پہنچا ہے۔

اس پر معاویہ نے کہا کہ: یہ جو کچھ تم کہہ رہے ہو تو وہ علی علیہ السلام کی شجاعت کا اعتراف ہے تم نے ان کا کیا بگاڑ لیا؟

مروان نے کہا کہ: آپ کیا چاہتے ہیں میں ان کا کیا کروں؟ اس نے کہا کہ اپنے نیزے سے ان کی تکہ بوٹی کر دو مروان نے کہا کہ: لگتا ہے کہ آپ کو مذاق سوجھا ہے اور ہمارے ذریعہ آسودہ خاطر ہونا چاہتے ہیں۔

---

[۱] وقعہ صفین ص 272، شرح ابن ابی الحدید ج 5 ص 215

[۲] واللہ ما بارز ابن ابی طالب رجلا قط الاسقی الارض من دمہ

[۳] وقعہ صفین ص 274-275-316، شرح ابن ابی الحدید ج 5 ص 218-217، یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ تاریخ کے اس حصے میں حضرت علی علیہ السلام اور معاویہ کا اپنی سپاہ کے ساتھ جو رویہ رہا اسے مورخین نے مختلف طوار سے بیان کیا ہے انہوں نے لکھا ہے حضرت علی علیہ السلام کتنی ہی مرتبہ محاذ جنگ پر تشریف لے گئے اور آپؑ نے اپنے ساتھیوں کی مدد بھی کی مگر اس کے برعکس معاویہ کی یہ پوری توجہ اپنی جان کی حفاظت کی جانب رہی اس واقعے کے ضمن میں جو اوپر گذرا ہے معاویہ نے عمروعاص سے کہا تھا کہ: کیسی نادانی کی باتیں کرتے ہو قبائل عک اشعریان اور جذام کے ہوتے ہوئے میں علی علیہ السلام سے نبرد آزمائی کروں، وقعہ صفین 275

اس موقع پر ولید نے بھی چند اشعار کہے جن کا مفہوم ومضمون یہ تھا کہ: معاویہ کہتا ہے کہ ہے کوئی جو ابوالحسن پر حملہ آور ہو اور اپنے مقتول بزرگوں کا ان سے انتقام لے گویا فرزند ہند کو دل لگی سوجھی ہے یا وہ کوئی اجنبی ہے جو علی علیہ السلام کو نہ پہچانتا ہو کیا تم ہمیں اس سانپ سے ڈسوانا چاہتے ہیں جو صحرا کے بیچ رہتا ہے اگر کاٹ لے تو اس کے زہر کا منتر نہ ملے ہم تو علی علیہ السلام کے مقابل اس بجو کی طرح ہیں جو کسی وسیع دشت میں ہیبت ناک شیر غراں کے سامنے آ گیا ہو۔ عمرو عاص نے حیلے سے تو اپنی جان تو بچالی مگر ڈر کے مارے اس کا دل سینے میں دھڑک رہا تھا۔

ولید کے اشعار سن کر عمرو عاص کو غصہ آ گیا اس نے جواب دیا کہ: ولید نے تو علی علیہ السلام کے رعب دار و وحشت ناک نعروں کی یاد تازہ کر دی۔ میدان جنگ میں شجاعت ودلاوری کے جوہر ان کی ذات سے نمایاں ہوتے ہیں جب قریش ان کا ذکر کرتے ہیں تو ان کے دلوں کے پرندے سینوں کے قفس سے پرواز کرنے لگتے ہیں تم مجھے تو تنبیہہ وتوبیخ کر رہے ہو درحالیکہ معاویہ اور ولید تک علی علیہ السلام سے دہشت کھاتے ہیں۔ اور ولید اگر تو سچ کہہ رہا ہے اور کوئی سور ماسوار ہے تو علی علیہ السلام کا سامنا کر خدا کی قسم اگر علی علیہ السلام کی آواز بھی سن لی تو دل ہوا ہو جائے گا اور رگیں پھول کر کپہ ہو جائیں گی اور عورتیں تیرا سوگ مناتی رہیں گی۔[۱]

پھر دھوکا

دلیری وجانبازی، راہ خدا میں جہاد مقدس اور شرک کے گدی داروں کی بیخ کنی حضرت علی علیہ السلام کے ایسے نمایاں کارنامے ہیں جن کا شمار آپ کے اہم ترین امتیازات وافتخارات میں ہوتا ہے لیکن معاویہ رائے عامہ کو بدلنے کی خاطر انہی فضائل کو ایسے نقص سے تعبیر کرتا تھا جو اس کے خیال کی رو سے امور مامداری اور امت کی قیادت میں مانع ثابت ہوتے ہیں۔

ایک روز معاویہ نے عبیداللہ بن عمر کو اس کام پر مقرر کیا کہ وہ حضرت امام حسن علیہ السلام کے پاس جائے اور ان سے ملاقات کرے اور ان تک معاویہ کا پیغام پہنچائے جب وہ حضرت امام حسن علیہ السلام کے پاس پہنچا تو اس نے کہا کہ: آپ کے والد نے اول سے آخر تک قریش کا خون بہایا ہے اور اپنے عمل سے ان کے دلوں میں جذبہ کینہ ودشمنی کو برافروختہ کیا ہے کیا آپ ان کا ساتھ ترک نہیں کر سکتے تا کہ زمام خلافت آپ کے اختیار میں دے دی جائے اس پر حضرت امام حسن علیہ السلام نے فرمایا کہ: یہ ہرگز ممکن نہیں خدا کی قسم یہ کام کسی بھی صورت میں عمل پذیر نہیں ہو سکتا لگتا ہے کہ تیرا وقت پورا ہو چکا ہے اور تو آج یا کل میں قتل ہونے والا ہے شیطان نے تجھے فریفتہ کر لیا ہے اسی لئے اس نے تیرے کاروبار کو رونق بخشی ہے خداوند تعالیٰ تجھے نیست و نابود کرے۔

عبیداللہ، معاویہ کے پاس واپس آ گیا اور تھوڑی دیر نہ گذری تھی کہ چار ہزار سپاہیوں کا لشکر میدان میں حملہ آور ہوا اور طائفہ ہمدان کے ایک شخص کے ہاتھوں قتل ہوا امام مجتبیٰ علیہ السلام نے جو پیشین گوئی فرمائی تھی وہ صحیح ثابت ہوئی۔

حضرت امام حسن علیہ السلام نے اس کا خون آلود لاشہ جب زمین پر گرا ہوا دیکھا تو آپ کو مسرت ہوئی اور خداوند تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔[۲]

نویں روز جب کہ پرچم، ہاشم مرقال کے ہاتھ میں تھا سپاہ اسلام میں خاندان مذحج اور سپاہ شام سے، عک، لخم اور اشعریوں کے

---

[۱] شرح ابن ابی الحدید ج 6 ص 314-313، وقعہ صفین 424-423، وقعہ صفین میں نقل ہے کہ حضرت علی علیہ السلام نے جب عمرو عاص پر ضرب کاری لگائی اور وہ اس کی تاب نہ لا سکا تو اس نے یہ بدترین راہ اختیار کی۔

[۲] وقعہ صفین 418-417

درمیان شدید جنگ جاری تھی، حضرت علی علیہ السلام کی تلوار سے پانچ سو سے زیادہ عرب کے سر برآوردہ اور دلاور قتل ہوئے یہاں تک کہ آپ کی تلوار خمیدہ ہوگئی۔

راوی کا بیان ہے کہ ہم حضرت علی علیہ السلام کی خمیدہ تلوار لیتے اور اسے سیدھا کر دیتے اور واپس دے دیتے جسے لے کر آپ دشمن کی صفوں میں اتر جاتے خدا کی قسم ہم نے کوئی ایسا شجاع نہیں دیکھا جو دشمن کے لئے علی علیہ السلام سے زیادہ سخت ہو۔[1]

اس روز فریقین کے لشکر ایک دوسرے کی جان لینے پر تلے ہوئے تھے پہلے تو تیروں اور پتھروں سے مقابلہ ہوتا رہا اس کے بعد نیزوں سے جنگ ہوئی جب نیزے بھی ٹوٹ گئے تو تلواروں اور لوہے کے گرزوں سے ایک دوسرے پر حملہ آور ہوئے اس دن میدان کارزار ایسا گرم تھا کہ اسلحہ کی چکا چک کے علاوہ کوئی آواز سنائی نہ دیتی تھی۔نعروں کی گونج، بجلی کی گرج، پہاڑوں کی چٹانیں ٹکرانے سے کہیں زیادہ ہولناک تھی فضا اس وقت ایسی گرد آلود تھی کہ لگتا تھا کہ سورج غروب ہورہا ہے اس گرد وخاک اور تاریکی کے درمیان پرچم و بیرق کہیں نظر نہ آتے تھے مالک اشتر کبھی سپاہ میمنہ کی طرف جاتے اور کبھی لشکر میسرہ کی جانب لپکتے چنانچہ وہ جس لشکر یا قبیلے کے پاس پہنچتے جنگ جاری رکھنے کے سلسلے میں اس کی حوصلہ افزائی کرتے۔

جنگ نصف شب تک جاری رہی اس قت نماز پڑھنے کا بھی موقعہ نہ تھا مالک اشتر مسلسل میدان جنگ کی جانب بڑھے چلے جارہے تھے یہاں تک کہ کارزار، ان کے پیچھے رہ گیا اور وہ آگے نکل گئے۔

اس اثنا میں حضرت امام مجتبی علیہ السلام دشمن پر حملہ آور ہونے کے ارادے سے آگے بڑھے لیکن انھیں علیہ السلام دیکھ کر حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا کہ: ان کو میدان جنگ میں جانے سے روکا جائے کیونکہ ان دو فرزندوں (حضرت امام حسن علیہ السلام وحضرت امام حسین علیہ السلام) کی جانب میری خاص توجہ ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ نسل پیغمبر روئے زمین سے مفقود و ناپدید ہوجائے۔[2]

امیر المومنین علیہ السلام قلب لشکر میں پیش پیش تھے مالک دائیں پرے میں اور ابن عباس سپاہ کے بائیں پرے میں موجود تھے انجام کار یہ جنگ نویں روز اس دسویں شب جو لیلۃ الھریر[3] کے نام مشہور ہے اختتام پذیر ہوئی جس میں فریقین کا بہت زیادہ جانی و مالی نقصان ہوا اور دونوں لشکروں[4] کے سپاہی بھی تھک چکے تھے مگر تھکن کے آثار سپاہ شام میں نظر آتے تھے اور فتح وظفر کی علامات سپاہ عراق سے ہویدا تھیں۔

دو لائق سپہ سالاروں کی شہادت

نویں روز جو دردناک حادثات رونما ہوئے ان میں حضرت علی علیہ السلام کے دو فرمانداروں یعنی عمار یاسر اور ہاشم مرقال کی شہادت تھی اگرچہ عمار کی عمر نوے سال سے تجاوز کر گئی تھی مگر ان میں اس قدر چستی و دلیری تھی اور ایسا جوش وخروش پایا جاتا تھا کہ اس سے جوانوں کو تقویت ہوتی تھی۔

---

[1] وقعہ صفین ص297

[2] وقعہ صفین 478-477

[3] وقعہ صفین ص475، لیکن اسی کتاب کے صفحہ 392 پر اور شرح ابن ابی الحدید ج5 ص249 میں درج ہے کہ اس وقت اکثر سپاہ نے نماز اشاروں سے پڑھی۔

[4] نہج البلاغہ خ198، (فیض)

عمار جس وقت میدان کارزار کی جانب روانہ ہوئے تھے اس وقت وہ دست بدعا تھے اور خداوند تعالیٰ سے فریاد کر رہے تھے اے پروردگار اے خدایا تو ناظر وشاہد ہے اگر میں یہ جان لوں کہ تیری رضا اسی میں تھے کہ میں خود کو سمندر میں گرادوں تو میں ایسا ہی کرونگا اگر مجھے یہ معلوم ہوجائے کہ تیری خوشنودی اس میں ہے کہ میں اپنے سینہ ودل کو نوک شمشیر پر اس طرح رکھ دوں کہ وہ میری کمر سے نکل آئے تو یقینا میں ایسا ہی کروں گا لیکن اس علم کے مطابق جو تو نے مجھے دیا ہے کہ میں یہ جانتا ہوں کہ تجھے آج کوئی عمل اس سے زیادہ راضی وخوشنود نہیں کرسکتا کہ تباہ کاروں کے خلاف جہاد کروں۔[1]

عمار وہ مخلص دلاور اور ایسے جنگجو سپاہی تھے جو میدان کارزار میں تھکنا نہیں جانتے وہ عاشق جانبازی کی مانند جنگ کرتے حق کے دشمنوں کے لئے انکی تلوار موت کا پیغام تھی اور جس کے سر پر پڑ جاتی اسے واصل جہنم کرتی مگر حامیان حق کے دلوں کو اس سے تقویت ملتی در حقیقت وہ میزان حق تھے چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہی کی شان میں تو فرمایا تھا کہ: عمار حق کے ساتھ زندہ ہے اور حق عمار کے ساتھ ہے [2] جو شخص بھی ان کے محاذ پر جنگ کرتا اسے یہ یقین ہوتا کہ وہ حق کی مدافعت کریں گے اور اسی راہ میں اگر انھیں قتل بھی کر دیا گیا تو انھیں بہشت بریں میں جگہ ملے گی۔

مسلمانوں کے درمیان یہ بات مشہور تھی کہ عمار میزان حق ہیں چنانچہ جب کبھی حق و باطل کے درمیان تشخیص کرنا مقصود ہوتا تو عمار کے عمل اور موجودگی کو بطور سند پیش کیا جاتا اس کی ایک مثال یہ ہے کہ: ان کے چچازاد بھائی --ذی الکلاع حمیری--شامی سپاہ عراق میں شامل تھا عمار نے اسے بلایا اور کہا میں نے اس لئے بلایا ہے کہ تمہیں وہ حدیث سناؤں جو عمرو عاص نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کی ہے اس کی بعد انہوں نے وہ حدیث بیان کی جس میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا کہ: شام اور عراق کے لشکر ایک دوسرے کے مقابل ہوں گے ان میں سے ایک حق وہدایت کا پیشوا ہوگا اور عمار اسی کے ساتھ ہوں گے [3] اس پر ابونوح نے کہا تھا کہ: خدا کی قسم عمار ہمارے ساتھ ہیں اور ہم سب سے زیادہ انھیں تم سے جنگ کرنے پر اصرار ہے کتنا اچھا ہوتا کہ تم سب ایک تن ہوتے اور میں اسے ذبح کرتا اور سب سے پہلے تجھ چچازاد بھائی کو ہی قتل کرتا... کیونکہ ہم حق پر ہیں اور تم باطل پر ہو۔

اس کے بعد ذوالکلاع کی درخواست پر وہ عمرو عاص کے پاس گئے تاکہ اس تک بھی یہ اطلاع پہنچائی جاسکے کہ امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کے لشکر میں عمار بھی موجود ہیں اور شامیوں سے جہاد کرنے کیلئے واقعی وہ سنجیدہ ہیں تاکہ ان کے ضمیر کو بیدار کیا جاسکے۔

عمرو عاص نے بھی گفتگو کے درمیان اس حقیقت کا اعتراف کیا کہ: اس نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سن رکھا ہے کہ عمار کو جفا کار اور باغی قتل کریں گے اس کے بعد عمرو عاص کی تجویز پر اس کے اور عمار کے درمیان ملاقات کا پروگرام مرتب کیا گیا گفتگو عمرو عاص کی جانب سے شروع ہوئی اس نے عمار کو پند ونصیحت کرتے ہوئے کہا کہ: وہ جنگ وخونریزی سے باز رہیں اس ضمن میں یہ بھی کہا کہ: ہمارے اور تمہارے درمیان خدا کا فیصلہ قرآن اور رسول مشترک ہیں عمار نے کہا کہ: خدا کا شکر جس نے یہ توفیق دی کہ تم نے وہ سب باتیں اپنی زبان سے کہیں جو مجھے اور میرے دوستوں کو کہنی چاہیے تھیں نہ کہ تمہیں۔ اب میں تمہیں بتاتا ہوں کہ میں تم سے کیوں جنگ کر رہا ہوں رسول

---

[1] لغت میں ہریر کے معنی اس آواز کے ہیں جو سردی پڑنے کی وجہ سے کتے سے نکلتی ہے چونکہ اس شب شدید جنگ جاری تھی اور فریقین کے گھڑسوار ایک دوسرے کے سر پر چیختے تھے اس لئے اس رات کو لیلۃ الہریر کہتے ہیں (معجم البلدان ج5 ص403، مجمع البحرین ج3 ص518 مادہ ہرر

[2] نصر بن مزاحم نے وقعہ صفین ص475 میں اس دن اور رات کے دوران قتل ہونے والوں کی تعداد ستر ہزار افراد بیان کی ہے۔

[3] وقعہ صفین ص320، شرح ابن ابی الحدید ج5 ص253

خداﷺ نے فرمایا تھا کہ: میں --ناکثین-- سے جنگ کروں چنانچہ میں نے ایسا ہی کیا رسول خداﷺ نے ہی یہ حکم دیا تھا کہ میں --قاسطین-- سے جنگ کروں اور تم وہی ہو اسی لئے تم سے برسر پیکار ہوں[1]

بالاخر گفتگو کسی فیصلہ کن نتیجے تک نہیں پہنچی اور اب عمار دشمن کی اس فوج کے مقابلے میں گئے جس کی فرمانداری عمرو عاص کے ہاتھ میں تھی جس وقت ان کی نگاہ عمرو عاص کے پرچم پر گئی تو انہوں نے کہا کہ: خدا کی قسم اس پرچم کے خلاف تو میں تین مرتبہ جنگ کر چکا ہوں اس راہ پر چل کر آدمی کہیں نہیں پہنچے گا اور دوسرے راستوں سے یہ کسی طرح بھی بہتر نہیں۔[2]

عمار نے اپنے ساتھیوں کے درمیان بآواز بلند کہا کہ: کہاں ہیں وہ لوگ جو رضا خدا کے متمنی ہیں اور جنہیں مال و اولاد سے علاقہ نہیں[3] اس کے بعد انہوں نے ان لوگوں سے خطاب کرتے ہوئے جنہوں نے راہ خدا میں پیشقدمی کی تھی کہا کہ اے لوگو ہمارے ہمراہ ان لوگوں سے جنگ وجدل کیلئے جلد جلد آ گئے آؤ جو اپنی دانست میں عثمان کے خون کا بدلہ لینا چاہتے ہیں۔[4]

عمار جس لشکر میں شامل تھے اس کے پرچمدار ہاشم مرقال تھے وہ اپنے پرچمدار کی حوصلہ افزائی کرتے رہتے کہ دشمن پر حملہ آور ہوں ہاشم مرقال بھی اپنی بے مثال دلاوری کے باعث جنگجو سپاہی کیلئے راستہ ہموار کرتے رہتے جب کبھی ان کا نیزہ ٹوٹ جاتا تو حضرت عمار انھیں دوسرا نیزہ دے دیتے ان دو جانبازوں کی بے پناہ و دلیرانہ نبرد آزمائی نے عمرو عاص کو ایسا مرعوب کیا اور اس کے دل پر ایسی وحشت طاری ہوئی کہ اس نے بآواز بلند کہا کہ جس شخص نے یہ سیاہ پرچم اپنے ہاتھ میں سنبھال رکھا ہے اگر اسی طرح آگے بڑھتا رہا تو آج یہ تمام عربوں ک ہلاک کر ڈالے گا۔[5]

جب یہ پیشوائے حریت یعنی عمار بہت سے شامیوں کو ہلاک کر چکے تو ان پر معاویہ کی فوج کے دو دلاور حملہ آور ہوئے اور ان میں سے ایک نے اپنے نیزے سے ایسی کاری ضرب لگائی کہ وہ زمین پر آ رہے اور دوسرے نے ان کے سر مبارک کو تن سے جدا کر دیا[6] اور اس طرح اس جری و دلیر سپاہی نے اپنے اس سر کو جس سے وہ اپنے معبود حقیقی کے سامنے جبین سائی کیا کرتا تھا میدان جہاد میں اسی کی خاطر قربان کر دیا۔

اس جنگ کے دوسرے دلیر و جانباز ہاشم بن عتبہ تھے جو دو زرہ پہنے ہوئے تھے امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام نے جس وقت پرچم ان کے سپرد کیا تو بطور مزاح ان سے کہا کہ: اس کالے بزدل کا تو ڈر کہیں تمہارے دل میں نہیں؟[7] اس پر انہوں نے عرض کیا کہ: یہ تو امیر المومنین علیہ السلام کو جلد ہی معلوم ہو جائے گا قسم خدا کی میں ان کے سروں کو اس طرح اڑاوں گا کہ جس طرح کوئی اس دنیا سے دوسری دنیا میں

---

[1] حضرت عمار سے متعلق احادیث نبوی کے بارے میں مزید معلومات کے لئے ملاحظہ ہوں معجم رجال الحدیث ج 12 ص 267، طبقات ابن سعد ج 3 ص 187، استیعاب ج 2 ص 436، اور وقعہ صفین ص 343-342

[2] یلتقی اهل الشام و اهل العراق وفی احد الکتیبیتین الحق و امام لهدی و معه عمار بن یاسر

[3] وقعہ صفین ص 340-333

[4] والله ان هذه الرایة قاتلها ثلاث عرکات و ما هذه بارشدهنّ (وقعہ صفین ص 340)

[5] این من یبتغی رضوان ربه ولا یؤب الی مال ولا ولد

[6] وقعہ صفین ص 326

[7] وقعہ صفین ص 328

جانے کا قصد رکھتا ہو-اس کے بعد انہوں نے نیزہ اپنے ہاتھ میں لے لیا اور اس زور سے اسے جھٹکا دیا کہ وہ ٹوٹ گیا دوسرا نیزہ لایا گیا وہ چونکہ سوکھ چکا تھا اسی لئے انہوں نے اسے دور پھینک دیا بالآخر انھیں ایک نرم نیزہ دیا گیا جس پر انہوں نے پرچم کا پھریرا باندھا اور اپنے حملے کو اس خیمے پر مرکوز کر دیا جس میں عمرو عاص، معاویہ اور ان کے دوست واحباب جمع تھے اس روز کشت کشتار کا ایسا بازار گرم ہوا کہ کسی نے اس سے پہلے ایسی قتل وغارتگری نہ دیکھی تھی اور نہ ہی کسی کو موت کی ایسی گرم بازاری یاد تھی۔[1]

آخری مرتبہ جب سیاہ پرچم امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام نے ہاشم کو دیا تو چاہا کہ اب یہ جنگ ایک طرف ہو چنانچہ آپ نے فرمایا کہ: ہاشم معلوم نہیں اب تمہارا آب ودانہ کب تک کا باقی ہے؟ اس پر انہوں نے عرض کیا کہ اس مرتبہ راہ جہاد میں ایسا نکلوں گا کہ پھر کبھی واپس نہ آؤں گا آپ نے فرمایا کہ--تمہارے مقابل ذی الکلاع ہے اور اس کے گرد موت منڈھلا رہی، سرخ موت--۔[2]

ہاشم میدان کارزار کی طرف روانہ ہوئے جب وہ معاویہ کے نزدیک پہنچے تو اس نے پوچھا کہ کون شخص ہے جو آگے بڑھا چلا آرہا ہے اسے بتایا گیا کہ ہاشم مرقال ہیں[3] یہ سن کر اس نے کہا کہ وہی بنی زہرہ کا کانا، خدا اسے غارت کرے[4] ہاشم نے اپنے ان ساتھیوں کے ہمراہ جو قاری قرآن اور خدا کے عاشق تھا کتنی مرتبہ دشمن کی صف کو درہم برہم کیا چنانچہ جس وقت وہ طائفہ--تنوخ--کے پرچم تک پہنچے تقریباً دشمن کے دس دلاوروں[5] کو ہلاک کر چکے تھے انہوں نے معاویہ کے پرچمدار کو جو طائفہ--عذرہ--کا فرد تھا قتل کر دیا اس کے بعد ذوالکلاع ان سے جنگ کرنے کیلئے میدان میں آیا ان کے درمیان ایسی زبردست جنگ ہوئی اور ایسی کاری ضربیں ایک دوسرے کو لگائی کہ دونوں ہی قتل ہو گئے[6] اس کے بعد ان کے فرزند عبداللہ نے فوراً ہی اپنے والد کا پرچم اٹھا لیا اور جہاد کیلئے آمادہ ہو گئے۔[7]

حضرت عمار کی شہادت کا ردعمل

عمار یاسر اور ہاشم مرقال کی شہادت نے امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام اور آپؑ کے اصحاب کو بہت زیادہ غمگین ورنجیدہ خاطر کیا چنانچہ ان کی جدائی کا ایسا قلق وصدمہ ہوا کہ آپ نے ان کے سوگ میں گریہ وزاری کرتے ہوئے چند اشعار بھی کہے جن کا مفہوم یہ ہے کہ: اے موت مجھے تجھ سے رہائی تو نصیب نہ ہو گی اور مجھے بھی اس زندگی سے نجات دے کیونکہ تو نے تمام دوستوں کو مجھ سے چھین لیا ہے مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ تو میرے دوستوں کو خوب پہچانتی ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تو کسی راہنما کی مدد سے ان کی تلاش میں نکلتی ہے۔[8] لیکن اس کے ساتھ ہی اس شہادت نے باطل کے چہرے کو بے نقاب کر دیا اور لشکر شام کے بہت سے سپاہیوں کا ارادہ متزلزل ہو گیا چنانچہ ان میں سے بعض افراد کو جن میں عبداللہ بن سوید بھی شامل تھے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وہ حدیث یاد آ گئی جو آپؐ نے عمار کی شان میں فرمائی تھی اور

---

[1] وقعہ صفین ص 341-340

[2] یہاں حضرت امیر المومنین علیہ السلام کا اشارہ حضرت مرقال کی جانب تھا کیونکہ وہ ایک آنکھ سے محروم تھے۔

[3] وقعہ صفین ص328

[4] انھیں مرقال اس بنا پر کہا جاتا تھا کہ وہ بہت چست وچالاک اور تیز رفتار تھے چونکہ ان کی آنکھ جاتی رہی تھی اسے لئے انھیں اعور بھی کہا جاتا تھا۔

[5] وقعہ صفین 347-346

[6] وقعہ صفین 355

[7] الا ایھا الموت الذی لست تارکی ارحنی فقد افنیت کل خلیل اراک بصیرا بالذین احبھم کانك تنحو محوہ بدلیل

[8] تاریخ طبری ج5 ص 41

ان پر یہ ظاہر ہو گیا کہ معاویہ ناحق اور باطل پر ہے اور اس کی یہ جنگ دراصل بغاوت تھی چنانچہ انہوں نے معاویہ کا ساتھ چھوڑ کر امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کی ہمراہی اختیار کر لی۔

عمار کی شہادت نے سپاہ دشمن کو بھی اتنا متاثر کیا کہ اس کا حوصلہ بھی متزلزل ہو گیا چنانچہ عمرو عاص نے اس کے اثر کو زائل کرنے کے خیال سے ایک بہانہ نکل ہی لیا اور یہ اعلان کر دیا کہ --عمار کے قاتل ہم نہیں بلکہ علی علیہ السلام ہیں کیونکہ انہوں علیہ السلام نے انھیں محاذ جنگ پر بھیجا تھا۔[1]

معاویہ نے بھی اس جرم کی پاداش میں کہ عمرو عاص نے وہ حدیث نقل کی تھی جو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عمار کی شان میں بیان کی تھی اس کی بہت زیادہ سرزنش کی اور کہا کہ تم نے شام کے لوگوں کو میرے خلاف شورش پر آمادہ کیا ہے کیا ضروری تھا کہ تم نے جو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا تھا اسے یہاں بیان کرتے انہوں نے جواب دیا کہ مجھے کیا معلوم تھا کہ وہ وقت بھی آئے گا جب جنگ صفین بپا ہو گی جس روز میں نے یہ حدیث بیان کی تھی اس وقت عمار ہمارے اور تمہارے ہم خیال تھے اس کے علاوہ جو کچھ میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سن کر بیان کیا تھا تم نے بھی اسے نقل کیا ہے اور اگر اس بات سے تمہیں انکار ہے تو خود ہی شام کے لوگوں سے دریافت کر لو معاویہ کو پہلے سے بھی زیادہ طیش آیا اور اس نے عمرو عاص کو بہت زیادہ سخت وسست کہا۔[2]

سوالات

1 جب بعض سپاہی محاذ جنگ سے فرار کر گئے تو حضرت علی علیہ السلام نے کیا اقدام کیا اور انہیں علیہ السلام کس حد تک اپنے مقصد میں کامیابی ہوئی؟

2 مالک اشتر کا جنگ صفین میں کیا کردار رہا مختصر طور پر بیان کیجئے؟

3 معاویہ کا غلام حریث کس طرح فریفتہ ہوا اور وہ کس کے ہاتھوں مارا گیا؟

4 جنگ ختم کرنے کے لئے حضرت علی علیہ السلام نے معاویہ کے سامنے کونسی تجویز رکھی؟

5 معاویہ نے حضرت علی علیہ السلام کے لشکر میں تزلزل پیدا کرنے کیلئے محاذ جنگ پر حضرت امام حسن علیہ السلام کے سامنے کیا تجویز پیش کی اس پر حضرت حسن علیہ السلام کا کیا ردعمل ظاہر ہوا؟

6 سپاہ اسلام کے فرمانداروں پر عمار کو کیا خصوصیت و برتری حاصل تھی؟

7 شام کی سپاہ پر عمار کی شہادت کا کیا اثر ہوا اس کے بارے میں ایک تاریخی مثال پیش کیجئے؟

8 عمار کی شہادت کا اثر زائل کرنے کے لئے عمرو عاص نے کیا ترکیب نکالی؟

---

[1] وقعہ صفین 34

[2] وقعہ صفین 345

بارھواں سبق

قاسطین (جنگ صفین)

نجات کے لئے کوشش

سپاہ اسلام کی جانب سے معاویہ اور عمروعاص کو جب پے در پے شکستیں ہوئیں تو وہ اس نتیجے پر پہنچے کہ امیر المومنین حضرت علی (ع) کے لشکر کی تاب نہیں لا سکتے اور ان کی شکست فاش ہونے میں زیادہ دیر نہیں۔ اسی لئے انہوں نے جنگ سے نجات پانے اور اپنے مقام وحیثیت کے تحفظ کی خاطر کوشش شروع کردی۔ سب سے پہلے انہوں نے عراق کے لشکر کے بعض سرداروں کو پیغامات بھیجے اور ان سے جنگ ترک کرنے کی درخواست کی معاویہ نے اپنے بھائی عتبہ کو جو نہایت ہی فصیح بیان اور چرب زبان آدمی تھا حکم دیا کہ وہ علی علیہ السلام کے سردار لشکر اشعث بن قیس سے ملاقات کرے اور جنگ وجدل ختم کرنے کیلئے اسے آمادہ کرے۔

عتبہ نے اشعث سے ملاقات کی اور خوب مدح سرائی کرنے کے بعد کہا کہ: آپ عراق اور یمن کے لوگوں کے سردار ہیں۔ آپ کی عثمان سے نہ صرف قرابت داری تھی بلکہ آپ ان کی فوج کے فرماندار بھی تھے حضرت علی علیہ السلام کے دیگر اصحاب کے برخلاف آپ طائفہ شام کے لوگوں کی حمیت وغیرت اور ان کے جذبہ ناموس کی خاطر جنگ وجدل میں حصہ لے رہے ہیں۔

آخر میں اس نے اپنی آمد کا مدعا بیان کیا اور کہا: جنگ انتہائی پر خطر صورت اختیار کر چکی ہے ہم آپ سے یہ تو نہ کہیں گے کہ آپ حضرت علی علیہ السلام سے کنارہ کشی اختیار کر لیجئے البتہ اس بات کے متمنی ہیں کہ اس جنگ کا اب کسی طرح خاتمہ ہو جائے تا کہ سپاہ مزید ہلاک نہ ہو۔

اشعث نے عتبہ کی تعریف وستائش کا جواب دیتے ہوئے اس کے اس بیان کی تائید کی کہ اس کی جنگ شام کے لوگوں سے ایمان وعقیدے کی بنیاد پر نہیں بلکہ میں اہل عراق کی حمایت اس بنا پر کر رہا ہوں کہ ہر شخص کو چاہیئے کہ وہ اپنے گھر کی خود حفاظت کرے اس نے جنگ ختم کرنے کے سلسلے میں بھی انھیں منفی جواب نہ دیا اور کہا کہ: میرے نظریئے کا اعلان جلد ہی کر دیا جائے گا۔[1]

اس ملاقات کے ذریعے عتبہ کو اتنی کامیابی تو ہوگئی کہ اس نے اشعث کے ذہن میں صلح کا میلان پیدا کر دیا اور جو تجاویز و پیشنہادات بعد میں وقوع پذیر ہوں گی ان کے اجراء نیز سپاہ عراق میں اس کی تشہیر وترویج کیلئے ایک موثر عامل کے طور پر اسے آمادہ کر لیا گیا ہے۔

معاویہ نے یہ بھی حکم دیا کہ عتبہ اور اشعث کے درمیان جو ملاقات ہوئی ہے نہ صرف اسے بلکہ جو گفتگو ان دونوں نے کی ہے اسے حرف بحرف سپاہ عراق کے درمیان منتشر کر دیا جائے۔ عمرو سے کہا کہ وہ ابن عباس کو بھی خط لکھے عمرو عاص نے خط اس طرح لکھا.. علی علیہ السلام کے بعد چونکہ آپ ہی اس جماعت کے سرور وسردار ہیں اسی لئے جو گذر گیا اسے فراموش اور آئندہ کے بارے میں غور وفکر کیجئے۔ خدا کی قسم اس جنگ نے ہم پر اور تم پر زندگی حرام اور صبر وتحمل کی تاب تمام کر دی ہے یہ جان لیجئے کہ عراق اور شام کو بیک وقت جب ہی قابو میں لایا

---

[1] وقعۂ صفین 408-409

جاسکتا ہے جب کہ ان میں سے ایک نیست ونابود ہوجائے طرفین کیلئے صلاح اس امر میں ہرگز نہیں کہ حریف مقابل ہلاک ہوجائے ہمارے اور تمہارے درمیان ایسے لوگ بھی موجود ہیں جنہیں جنگ وجدل پسند نہیں۔آپ مشیر وامین ہیں لیکن اشتر سنگدل انسان ہیں اور یہ مناسب نہیں کہ انھیں مشورے میں شریک کیا جائے۔

ابن عباس نے یہ خط حضرت علی علیہ السلام کی خدمت میں پیش کردیا جسے دیکھ کر آپ کو ہنسی آ گئی اور فرمایا کہ: اس --عمرو عاص-- کو خدا غارت کرے معلوم نہیں کہ اسے کس چیز نے اس بات کیلئے مجبور کیا کہ وہ تم سے اس قسم کی توقع رکھے؟ اور اس کا جواب دینے کیلئے حکم دیا ابن عباس نے عمرو عاص کو واضح ومدلل جواب دیا اور اس کی امیدوں پر قطعی پانی پھیر دیا۔[1]

آخری فریب

معاویہ کو اتنی کامیابی تو ہو ہی گئی تھی کہ وہ ایسا میدان ہموار کرلے جس کے ذریعے وہ سپاہ عراق کے درمیان اپنے آخری جنگی حربے کو بروئے کار لاسکے۔اس نے چونکہ سن لیا تھا کہ امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام نے اپنے تمام اہل لشکر کے درمیان یہ فرمایا ہے کہ: کل جنگ کو یک طرفہ کردیا جائے گا اسی لے اس نے عمرو عاص سے کہا کہ بس یہی ایک رات ہے جس میں ہم کچھ کرسکتے ہیں کل جنگ یک طرفہ ہوجائے گی اس بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟ اس نے جواب دیا کہ: آپ کے جوانوں میں نہ تو ان جوانوں کا مقابلہ کرنے کی تاب وطاقت ہے اور نہ ہی آپ علی علیہ السلام کے مثل ومانند ہیں وہ دین کی خاطر جنگ کررہے ہیں اور آپ دنیا کے لئے۔آپ زندگی وبقاء کے متمنی ہیں اور وہ شہادت کے خواہشمند۔عراق کے لوگوں کو آپ کے غالب آنے کا خوف وہراس ہے مگر شام کے عوام حضرت علی علیہ السلام کی فتح وکامرانی سے خوش وخرم ہیں لیکن میں ایک مشورہ دیتا ہوں اور وہ یہ کہ ان کے سامنے ایسی تجویز پیش کردی جائے کہ جس کو وہ قبول کرلیں یا اسے رد کردیں ان کے درمیان اختلاف راہ پاسکے۔انہیں یہ دعوت دیجئے کہ قرآن ہمارے درمیان ثالث وحکم ہے۔اور یہی ایسی راہ ہے جس کے ذریعے آپ کامیاب ہوسکتے ہیں میں نے اس حربے کو ہمیشہ اس خیال کے پیش نظر التواء میں رکھا تاکہ اسے بوقت ضرورت بروئے کار لایا جاسکے معاویہ نے اس کے اس نظریے کو پسند کیا۔[2]

اشعث بن قیس نے امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کے اس بیان کی پیروی کرتے ہوئے کہ دشمن آخری چند سانس لے رہا ہے کہا ...میں کل ان پر حملہ کروں گا تاکہ بارگاہ خداوندی میں ان کا محاکمہ کیا جائے [3] اس نے اپنے طائفہ --کندا-- کے لوگوں سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ: اے مسلمانو: تم دیکھ رہے ہو کہ تم پر کیا گزر گئی ہے کتنے عرب ہلاک ہوچکے ہیں خدا کی قسم میں نے اپنی پوری زندگی میں ایسا منحوس دن نہیں دیکھا جو حاضر ہیں وہ غائب لوگوں کو یہ پیغام پہنچادیں کہ اگر کل کا دن بھی اسے طرح گذرا تو عربوں کی نسل نیست ونابود ہوجائے گی عورتوں اور بچوں کے سر پر کوئی وارث نہ رہے گا۔

معاویہ کے جاسوسوں نے اشعث کے اس بیان کو اس تک پہنچادیا معاویہ نے اس کے اس بیان کو اپنی جنگی سازش کی بنیاد اور نیرنگی فکر کا محور بنالیا اس نے اشعث کے بیان کی تائید کرتے ہوئے حکم دیا کہ آدھی رات کے وقت عراقیوں کے درمیان بلند آواز سے کہیں

---

[1] وقعہ صفین 413-409

[2] وقعہ صفین 477-476

[3] وقعہ صفین 476 ولم یبق منهم الا آخر نفس...انا غار علیهم بالغداة احاکمهم الی الله عزوجل

کہ --اے عراقیو اگر ہم میں سے ہر ایک دوسرے کو قتل کرے گا تو ہماری عورتوں اور اولاد کا کون ولی و وارث ہوگا اب جو کچھ باقی رہ گیا ہے کم از کم اس کی حفاظت کی جائے۔[۱]

بروز جمعہ (یوم الہریر) مالک اشتر کے حملے دشمن پر مسلسل جاری تھے یہاں تک کہ ان کے سپاہی تھک گئے چنانچہ انہوں نے اپنی سپاہ سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ: میں تمہارے لئے خدا سے پناہ مانگتا ہوں اس لئے کہ (اگر زندہ بچ گئے) تو باقی دنوں میں اپنے گلے کا دودھ دوہیا کرو گے[۲] اس کے بعد انہوں نے اپنا گھوڑا طلب کیا اور پرچم کو --حیان بن ہوذہ-- سے لے کر زمین میں گاڑ دیا۔ اور باآواز بلند یہ کہتے ہوئے سپاہ کے درمیان پہنچ گئے کہ: تم میں سے کون حاضر ہے کہ اپنی جان کا خدا سے معاملہ کرے اور اشتر کے شانہ بشانہ جنگ کرے تا کہ اسے یا تو فتح و نصرت نصیب ہو یا شہادت اس تقریر کے بعد بہت سے سپاہی ان کے گرد جمع ہو گئے اور ان کے ہمراہ دشمن پر حملہ آور ہوئے یہاں تک کہ انہوں نے سپاہ شام کو دھکیل کر ان کی قرارگاہ لشکر تک پہنچا دیا لیکن یہاں پہنچ کر انھیں دشمن کا سخت مقابلہ کرنا پڑا چنانچہ اس مقابلے میں مالک کے پرچمدار شہید بھی ہو گئے۔

حضرت علی علیہ السلام نے جب یہ دیکھا کہ فتح و کامیابی مالک کے قدم چومنا چاہتی ہے تو آپؑ نے ان کی مدد کیلئے سپاہ کی ایک جماعت روانہ کی۔[۳]

مالک کی سرشکن ضربات اور دشمن کے ٹھکانہ پر مسلسل یورش سے یہ خوشخبری مل رہی تھی کہ فتح و نصرت جلد ہی نصیب ہونے والی ہے شام کے ضعیف و عمر رسیدہ لوگوں کے لبوں پر یہ صدا بلند تی اللہ اللہ فی الحرمات من النساء والبنات[۴] (خدا کیلئے اپنے عورتوں اور بیٹیوں کا تو کچھ تو خیال و پاس کرو)

معاویہ نے اپنے لشکر کی جب یہ زبوں حالی دیکھی اور یہ یقین ہو گیا کہ شکست میں قطعا شک نہیں تو اس نے عمرو عاص سے کہا کہ: ہم تو اب فنا ہوا چاہتے ہیں کہاں ہے وہ تمہارا آخری حربہ[۵] یہ سن کر عمرو عاص نے باآواز بلند کہا کہ: اے لوگو تم میں سے جس کے پاس بھی قرآن مجید ہے اسے نیزے کی نوک پر حمائل کر دو۔ تقریبا پانچ سو قرآن نیزوں پر آ گئے اس کے ساتھ لوگوں کو چیخ و پکار بھی شروع ہو گئی کہ: ہمارے اور تمہارے درمیان قرآن حاکم و ثالث ہے اگر ہمیں قتل کر دو گے تو شام کی سرحدوں کی کون نگرانی و حفاظت کرے گا[۶]

سپاہ عراق کا ردعمل

عراق کے بعض سپاہیوں پر دشمن کے حیلہ و نیرنگ اور اس کے پرفریب، ہیجان انگیز نعروں کا جادو چل گیا (بالخصوص اشعث جیسے

---

[۱] وقعہ صفین 481-480

[۲] اعیذکم باللہ ان ترضعوا الغنم سایر الیوم یہ اس بات پر کنایہ ہے کہ اگر تمہیں فتح نصیب نہ ہو تو تمہاری حالت عورتوں جیسی ہو جائے گی جو چوپاؤں کا دودھ دوہا کرتی ہیں۔

[۳] وقعہ صفین 476-475، کامل ابن اثیر ج3 ص 31-315

[۴] وقعہ صفین ص479، مروج الذہب ج2 ص 390

[۵] مروج الذہب ج2 ص390 ھلم مخباتك یابن عاص فقد ھلکنا

[۶] مروج الذہب ج2 ص390 ایک قول کے مطابق لیلۃ الہریر میں ہی معاویہ کے جاسوسوں نے اشعث کی بات اس تک پہنچا دی تھی چنانچہ اس کے بعد ہی معاویہ نے اس بات کا فیصلہ کیا تھا کہ قرآن کو نیزوں پر چڑھا دیا جائے وقعہ صفین 481

سرداروں پر چونکہ ان کے دل معاویہ کی جانب مایل تھے اسی لئے ان کا شمار امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کے منافقین میں ہوتا تھا) چنانچہ انہوں نے لوگوں کو مشتعل کرنا شروع کر دیا تا کہ وہ دشمن کے دام فریب میں آ جائیں اور اسی لئے انہوں نے بآواز بلند یہ کہنا شروع کر دیا کہ --تمہاری دعوت کتاب خدا ہم نے قبول کر لیا ہے آؤ ہم اسی طرف چلیں--[1]

امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام نے جب یہ کیفیت دیکھی تو اپنی سپاہ کے افکار روشن کرنے اور دشمن کے حیلہ و نیرنگ سے باخبر کرنے کی خاطر فرمایا کہ --اے بندگان خدا اسی طرف چلتے رہو دشمن سے جہاد کرتے ہوئے حقیقت وحقانیت کو اپنے ہاتھ سے نہ جانے دو معاویہ، عمرو عاص اور ابن ابی معیط... کو دین وقرآن سے کوئی سروکار نہیں میں ان لوگوں کو تم سے بہتر جانتا ہوں ان کے بچپن سے سن رسیدہ ہونے تک میرا سابقہ رہا ہے یہ اپنے وقت کے بدترین بچے اور بدترین مرد رہے ہیں اگر یہ لوگ قرآن کی عظمت سے واقف ہوتے اور اس کے احکام پر عمل کرتے تو ان کو نیزوں پر نہ چڑھاتے۔ وہ جو کچھ کر رہے ہیں سب نیرنگ ونفاق ہے۔[2]

اس سے قبل یہ واقعہ رونما ہوا کہ حضرت علی علیہ السلام نے اس خط میں جو معاویہ کو لکھا تھا یہ پیشین گوئی کر دی تھی گویا میں دیکھ رہا ہوں کہ حوصلہ شکن ضربات، بے حد و اندازہ کشت وخون اور یقینی شکست وریخت کے بعد تم اپنے ساتھیوں کے ہمراہ کتاب اللہ کی جانب آنے کی دعوت دو گے چنانچہ جو لوگ اس دعوت کی دہائی دیں گے وہ کافر ہوں گے یا منافق یا حق سے روگرداں[3] دشمن کی اس سازش کو ناکام کرنے اور سپاہ فریقین کے افکار بیدار کرنے کی خاطر حضرت علی علیہ السلام نے حضرت سعید کو قرآن کے ساتھ شامیوں کی جانب روانہ کیا اور انھیں حکومت قرآن کی دعوت دی۔

سپاہ عراق میں نظریاتی اختلاف

حضرت علی علیہ السلام کی تقاریر وتنبیہات کا اثر چند ہی لوگوں پر ہوا ان میں اکثریت ایسے لوگوں کی تھی جنہوں نے ضد اختیار کر لی تھی اور ان کا اس بات پر اصرار تھا کہ جنگ ترک کر دی جائے چنانچہ انہوں نے پکار پکار کر کہنا شروع کیا: اس جنگ نے ہمیں نگل لیا اس میں ہمارے تمام مرد مارے گئے ان کی دعوت کو قبول کر لو ورنہ سب مارے جاؤ گے۔ جو لوگ اس حق میں تھے کہ جنگ جاری رہے ان میں مالک اشتر پیش پیش تھے۔ ان کی دلیل یہ تھی کہ معاویہ کے پاس اب اپنی فوجی طاقت کا دم خم نہیں جب کہ ہماری فوجی طاقت بہت زیادہ ہے اور ہم میں حوصلہ مندی ہے اگر اس کے پاس تمہاری جیسی فوجی طاقت ہوتی تو وہ ہرگز جنگ سے روگرداں نہ ہوتا[4]

جنگ کو جاری رکھنے کے حامیوں میں دوسرے شخص --عدی بن حاتم-- تھے انہوں نے کہا کہ ہر چند ہماری سپاہ کا کشت وخون ہوا ہے اور ان میں سے بہت سے مجروح بھی ہوئے ہیں مگر حق کی پاسداری کر رہے ہیں اس لئے ہم اہل شام زیادہ ثابت قدم و پائیدار ہیں اب وہ لوگ زبوں وناتواں ہو چکے ہیں ضروری ہے کہ اس موقع سے فائدہ اٹھایا جائے اور ہم ان سے جنگ کریں۔[5]

انہی افراد میں سے --عمرو بن حمق-- اپنی جگہ سے اٹھے اور کہنے لگے: اے امیر المومنین علیہ السلام ہم نے آپ کا ساتھ باطل کی

[1] نجیب الی کتابہ اللہ عزوجل نتنیب الیہ، تاریخ طبری ج5 ص48، کامل ابن اثیر ج3 ص316، مروج الذہب ج2 ص390
[2] تاریخ طبری ج5 ص48، مروج الذہب ج2 ص391 کامل ج3 ص316
[3] شرح ابن ابی الحدید ج16 ص134
[4] وقعہ صفین 483-482
[5] وقعہ صفین 483-482

خاطر نہیں دیا ہے بلکہ ہم راہ خدا میں اور حق قائم کرنے کی غرض سے آپ کے دوش بدوش رہے ہیں اب کام اپنے انجام کو پہنچ چکا ہے اور ہم بھی آپ کے مطیع وفرمانبردار ہیں[1]...

اس جماعت کے مقابل اشعث کھڑا تھا اور کہنے لگا اے امیر المومنین علیہ السلام ہم آپ کے آج بھی وہی جاں نثار دوست ہیں جو کل تھے لیکن کام کا انجام آغاز سے مختلف ہے مجھ سے بڑھ کر کوئی اہل عراق کا دوست او مجھ سے بدتر کوئی شامیوں کا دشمن نہیں انہوں نے جب کلام اللہ کی دعوت دی ہے تو قبول کر لیجئے کیونکہ اس کیلئے آپ ان سے کہیں زیادہ اہل ولائق ہیں لوگ اپنی زندگی و بقاء کے متمنی ہیں ہلاکت و تباہی انھیں پسند نہیں۔

امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام نے اس خیال کے پیش نظر کہ لشکر کے درمیان ہم آہنگی برقرار رہے اور ان کے درمیان کوئی اختلاف واشتعال پیدا نہ ہو پہلے تو خود سے ہی کہا کہ اس مسئلہ کے بارے میں غور کیا جانا چاہیئے[2] لیکن جیسے ہی ہر گوشہ و کنار سے صلح کے بارے میں دبی دبی آوازیں آنے لگیں تو آپ نے فرمایا کہ: اے بندگان خدا اس میں کوئی شک نہیں کہ کلام اللہ کی دعوت قبول کرنے کیلئے میں آپ سے زیادہ لائق واہل ہوں مگر دین وقرآن کے معاملے میں معاویہ اور عمرو عاص کی بات الگ ہے...ان کا قول اگرچہ کلمہ حق ہے مگر اس کے پس پردہ جو ارادہ کارفرما نظر آتا ہے وہ باطل ہے قرآن کو نیزے پر چڑھانا معرفت اور ایفائے عہد کی بنیاد پر نہیں بلکہ یہ بھی حیلہ و نیرنگ اور ایک بہانہ ہے تم صرف ایک گھنٹے کے لئے اپنے دست و بازو اور سر میرے حوالے کر دو تو جلد ہی یہ دیکھو گے کہ حق اپنے آشکارہ نتیجے پر پہنچ چکا ہے اور ستمگروں کی بیخ کنی ہونے میں ذرا بھی دیر نہیں۔

لیکن اشعث نے جب یہ دیکھا کہ اس کی بات کو نظر انداز کیا جا رہا ہے اور یا اس پر عمل ہونا مشکل ومحال نظر آتا ہے تو یہ بات اس کیلئے ناقابل برداشت ہوگئی چنانچہ وہ سپاہ کی جانب روانہ ہوا تا کہ اپنے اس نظریے کا ان کے درمیان پرچار کر سکے چنانچہ اس نے اس بات پر سب سے زیادہ زور دیا کہ جنگ بند کر دی جائے اور یہ بات اس نے ان حساس لمحات میں کہی جب کہ جنگ کی چکی مالک اشتر کے ہاتھ میں گھوم رہی تھی اور دشمن گیہوں کے دانوں کی مانند ان کی سرشکن ضربات کے باعث پس رہے تھے وہ میدان کارزار میں حق کو روشن اور فتح و نصرت کو آشکار کرنا چاہتے تھے دشمن کے آخری محاذ کو زیروزبر کرنے میں بھی اب چند قدم کا ہی فاصلہ رہ گیا تھا۔

شامیوں کی زندگی اب معاویہ اور عمرو عاص کے باریک تار امید سے وابستہ تھی وہ سراسیمہ وپریشان معاویہ کے سر پر کھڑے چلا رہے تھے اور کہہ رہے تھے معاویہ ایسا لگتا ہے کہ اہل عراق ہماری دعوت قبول کرنے کو تیار نہیں اپنی اس تجویز کو ان کے سامنے دوبارہ رکھیے تم نے یہ دعوت دے کر دشمن کو جرات مند وگستاخ کر دیا ہے اور لالچ وحرص نے تم کو گھیر لیا ہے[3]۔

دوسری طرف اشعث کی کوشش کے باعث تقریبا دو ہزار آہن پوش افراد سلاح بدست اور شمشیر بدوش ان قاریان قرآن کی جماعت کے ہمراہ جن کو بعد میں جزو خوارج کہا گیا۔۔مسطر بن فدکی۔۔اور۔۔زید بن حصین۔۔کی قیادت میں حضرت علی علیہ السلام پر حملہ آور ہوئے وہ آپ کو بار بار ضدی وخودسر کہے جا رہے تھے۔

---

[1] وقعہ صفین 483-482

[2] وقعہ صفین 483-482

[3] وقعہ صفین 482

انہوں نے پہلی مرتبہ حضرت علی علیہ السلام کو امیر المومنین علیہ السلام خطاب کرنے کے بجائے یہ کہا اے علی انہوں نے کلام اللہ کی دعوت دی ہے تم اسے قبول کرلو ورنہ ہم تمہیں بھی عثمان کی طرح قتل کروائیں گے اور ہم خدا کو شاہد بنا کر کہتے ہیں کہ ہم یہ کام کر گزریں گے۔

حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا کہ: افسوس تمہاری حالت پر میں وہ پہلا شخص ہوں جس نے قرآن کی دعوت دی اور میں ہی پہلا فرد ہوں جس نے اس کی دعوت کو قبول کیا میرے لئے یہ کسی طرح بھی شائستہ و سزاوار نہیں کہ حکمیت قرآن کی دعوت دی جائے اور میں اسے قبول نہ کروں میں ان سے اس لئے جنگ کر رہا ہوں کہ وہ حکم قرآن کے آگے اپنی گردنیں خم کر دیں کیونکہ انہوں نے حکم خداوندی سے روگردانی کی اور اس کے احکام سے عہد شکنی کر کے اس کی کتاب سے منحرف ہو گئے ہیں میں بار بار تمہارے سامنے یہ اعلان کر چکا ہوں کہ ان کا ہرگز یہ ارادہ نہیں کہ احکام الٰہی پر عمل پیرا ہوں بلکہ اپنے اس اقدام سے وہ تمہیں فریب دے رہے ہیں میں نے جو کچھ کہا اور وہ بات جو تم کہہ رہے ہو اس پر غور کرو اگر میری اطاعت مقصود ہے تو جنگ کرو اور اگر میرے حکم کی خلاف ورزی منظور ہے تو تمہیں اختیار ہے جو چاہو کرو۔[1]

انہوں نے حضرت علی علیہ السلام کے بیان کی جانب توجہ کئے بغیر کہا کہ اشتر کو حکم دیجئے کہ وہ جنگ سے دست بردار ہو کر واپس آجائیں۔[2]

مالک کا واپس آنا

امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام نے ناگزیر یزید بن ہانی کے ذریعے مالک کو پیغام بھجوایا کہ واپس آجائیں۔ مالک اس وقت دشمن کی استقامت و پایداری کو کاری ضرب لگا چکے تھے اور فتح و نصرت ان کے قدم چوم لینا چاہتی تھی انہوں نے جواب دیا کہ: یہ وقت مجھے اپنے موقف سے دور کرنے کیلئے مناسب نہیں مجھے خداوند تعالیٰ کی ذات سے امید ہے کہ فتح و کامیابی حاصل ہوگی میرے بارے میں آپ جلدی نہ کیجئے انہوں نے مالک کا پیغام حضرت علی علیہ السلام کو پہنچا دیا انہی لحات کے دوران میدان کارزار میں گرد و غبار بلند ہوا اور نبرد آزما سپاہ کی پر جوش و خروش صدائیں سنائی دیں اب مالک اشتر کی فتح و نصرت اور شامیوں کی شکست فاش نمایاں ہو چکی تھی۔

لیکن فتح و نصرت کی ان علامتوں سے کوئی بھی علامت ان سرکشوں کو جنہوں نے حضرت علی علیہ السلام کو اپنے حصار میں لے رکھا تھا ضد پر سے نہ روک سکی وہ غضبناک ہو کر چیخے اور کہنے لگے کہ یقیناً آپ نے مالک کو یہ حکم دیا ہے کہ آتش جنگ کو مزید برافروختہ کریں اس پر حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا کہ: افسوس تمہاری حالت پر کیا میں نے تمہارے سامنے قاصد مالک کی جانب روانہ نہیں کیا جو بات روشن و آشکارا میں نے کہی تھی کیا وہ تمہارے کانوں تک نہیں پہنچی؟ انہوں نے کہا: دوبارہ یہ پیغام بھجوائے کہ وہ واپس آجائیں اور اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو ہم آپ سے قطع تعلق کر لیں گے حضرت علی علیہ السلام نے دوبارہ یہ پیغام بھیجا کہ یہاں فتنہ بپا ہے تم واپس آجاؤ اشتر نے قاصد سے پوچھا کیا یہ شور و غوغا قرآن کو نیزوں پر بلند کرنے کے باعث بپا ہوا ہے؟ قاصد نے جواب دیا ہاں اس کی وجہ یہی ہے اس پر مالک نے کہا کہ خدا کی قسم جس وقت قرآن کو نیزوں پر لایا گیا تھا مجھے اسی وقت یہ گمان گذرا تھا کہ اختلاف و تفرقہ پیدا ہوگا یہ طرح ریزی و نقشہ کشی اس غیر معمولی ذہنی کی پیداوار ہے جس کا نام عمرو عاص ہے۔

اس کے بعد انہوں نے یزید بن ہانی سے کہا کہ: کیا تم دیکھ نہیں رہے ہو کہ خداوند تعالیٰ نے ہمیں فتح و کامیابی عطا فرمائی ہے کیا اس

---

[1] فان تطعیونی فقاتلوا و ان تعصونی فاصنعوا ما بدالکم

[2] ملاحظہ ہو، کامل ابن اثیر ج 3 ص 317-316، تاریخ طبری ج 5 ص 49، وقعہ صفین 490-489

وقت یہ مناسب ہے کہ اس موقع کو ہاتھ سے جانے دوں اور واپس چلا آجاؤں؟ یزید بن ہانی نے کہا کہ: کیا آپ یہ چاہتے ہیں کہ اس محاذ جنگ پر تو آپ کامیاب ہو جائیں اور ادھر آپ امیر المومنین علیہ السلام کو دشمن کے حوالے کردیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ--سبحان اللہ آپ نے یہ کیا بات کہی خدا کی قسم میں ایسا ہرگز چاہوں گا یہ کہہ کر وہ میدان کارزار سے واپس آ گئے۔[۱]

سرکشوں کی سرزنش

مالک جب میدان کارزار سے واپس آ گئے تو وہ ان لوگوں پر غضبناک ہوئے جنہوں نے حضرت علی علیہ السلام کو گھیر رکھا تھا اور کہا: اے مذلت پذیر پست عنصر لوگو تمہیں غالب وفاتح دیکھ کر دشمن نے حکمیت قرآن کی دعوت دی ہے کیا دعوت دینے کیلئے یہی وقت رہ گیا تھا خدا کی قسم انہوں نے احکام الٰہی وقرآن اور سنت کو پامال کیا ہے اس لئے تم ان کی دعوت قبول نہ کرو مجھے اتنی مہلت دے دو کہ میں یہاں سے جاؤں اور واپس چلا آؤں میں فتح وکامیابی کو اپنے سامنے دیکھ رہا ہوں انہوں نے کہا کہ: ایسا نہیں ہوسکتا مالک نے کہا کہ--کم از کم مجھے اتنا ہی وقت دے دیا جائے جتنی دیر گھوڑے کو دوڑنے میں لگتی ہے انہوں نے جواب دیا کہ ایسے وقت میں ہم تمہارے ساتھ شریک گناہ ہیں-- اس پر مالک نے کہا کہ تم اپنی بات کر رہے ہو تم وہ لوگ ہو جنہوں نے اپنے برگزیدہ لوگوں کو قتل کرا دیا اور جو پست فطرت تھے وہ زندہ ہیں ایسی حالت میں تم خود کو کس طرح حق پر سمجھ سکتے ہو؟ کیا اس وقت جب تم شامیوں کو قتل کر رہے تھے یا اس وقت جب کہ تم کشت وکشتار سے دستبردار ہو گئے ہو؟ دوسری صورت میں تمہیں یہ بات تسلیم کر لینی چاہیئے کہ تمہارے وہ عزیز جو قتل ہوئے تم سے بہتر وافضل تھے اگرچہ تم ان کی فضیلت سے انکار نہیں کر سکتے مگر اب وہ اپنی آگ میں خود جل رہے ہیں--

وہ لوگ جو مالک کی منطق ودلیل کا جواب نہ دے سکے انہوں نے کہا--کہ اب آپ ہم سے حجت وبحث نہ کیجئے کیونکہ ہم نے راہ خدا میں ہی جنگ کی تھی اور راہ خدا میں ہی اس جنگ سے دستکش ہو رہے ہیں آپ کی اطاعت ہرگز نہیں کریں گے بہتر ہے کہ آپ اپنی راہ لیں...--

مالک نے چاہا کہ امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام اس جنگ کو جو شامیوں سے ہو رہی تھی سرکشوں پر مسلط کردیں۔

لیکن انہوں نے چلانا شروع کر دیا کہ امیر المومنین علیہ السلام نے حکمیت کو تسلیم کر لیا ہے قرآن کے حکم پر وہ راضی ہیں اس کے علاوہ ان کے لئے کوئی چارہ نہیں اس پر اشتر نے کہا کہ اگر امیر المومنین علیہ السلام نے حکمیت کو قبول کر لیا ہے تو میں بھی اس پر راضی اور خوش ہوں--

حضرت علی علیہ السلام نے جب یہ دیکھا کہ سرکش لوگ آپؑ ہی کی موجودگی میں دروغ گوئی سے کام لے رہے ہیں تو آپؑ نے کوئی بات کہے بغیر نظریں زمین پر جھکالیں[۲] لیکن جب سب لوگ خاموش ہو گئے تو آپؑ اپنی جگہ سے اٹھے اور فرمایا کہ: تم جب تک مجھ سے متفق وہم خیال تھے جنگ کرتے رہے یہاں تک کہ جنگ نے تمہیں زبوں وناتواں کر دیا خدا کی قسم جنگ کے زبونی وناتوانی نے تمہیں پکڑ لیا ہے اور تمہیں تمھارے حال پر چھوڑ دیا ہے تمہیں یہ جان لینا چاہیئے کہ کل تک میں امیر المومنین علیہ السلام تھا مگر آج میں حکم بجالانے کے لئے مامور ہوں کل تک مجھے اختیار تھا اور تمہیں حکم دے سکتا تھا مگر آج میں اس حکم سے محروم ہوں آج میرے حکم کو ٹھکرایا جا رہا ہے اس لئے میں

---

[۱] وقعہ صفین 491-490 کامل ج3 ص317 تاریخ طبری ج5 ص49

[۲] وقعہ صفین 491-90، کامل ج3 ص317، تاریخ طبری ج5 ص50

تمہیں تمہاری مرضی کے خلاف مجبور نہیں کر سکتا۔۔[1]

امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام ان سے خطاب کرنے کے بعد تشریف فرما ہوئے قبائل کے سرداروں نے اپنے خیالات کا اظہار کیا ان میں سے بعض جنگ کی حامی وطرفدار تھے اور بعض صلح کے متمنی وخواہشمند[2]

نفاق وحماقت کے خلاف جدوجہد

اگرچہ سپاہ شام کی طرف سے یہ آوازیں بلند ہورہی تھیں کہ۔۔ہم نے قرآن کے سامنے اپنے سر خم کردیئے ہیں اور تم بھی قرآن کی حکومت کو تسلیم کرلو۔۔مگر عمل میں وہ لوگ درحقیقت قرآن کے حکم سے روگرداں تھے کیا اب تک امیرالمومنین علی علیہ السلام نے قرآن کے احکام کو تسلیم نہیں کیا تھا اور کیا آپؑ کا عمل قرآن کے حکم کی بنیاد پر نہ تھا یا جیسے ہی سپاہ شام کے سرداروں نے قرآن کو نیزوں پر چڑھایا اور ظاہرداری سے کام لیا تو قرآن کا حکم بھی بدل گیا اور یہیں سے علی علیہ السلام کا راستہ قرآن سے علیحدہ ہوگیا؟ شامیوں نے درحقیقت اپنے اس عمل سے حق وعدالت کو نفاق کے پیروں تلے روند ڈالا۔

انہی لوگوں میں کچھ تعداد ایسے لوگوں کی بھی تھی جنھوں نے اپنے ہادی وپیشوا کو نہ پہچانا انہوں نے اپنی حماقت ونادانی سے اپنی خواہشات ہی نہیں بلکہ دشمن کی خواہشات کو امیرالمومنین علیہ السلام پر مسلط کرکے ظلم ونفاق کی بنیادوں کو مضبوط کردیا جب کچھ کوتاہ فکر اور کج اندیش لوگ ان سے آکر مل گئے تو نفاق کی گرم بازاری پہلے سے کہیں زیادہ بڑھ گئی۔ان حالات میں نفاق سے ٹکر لینا گویا اس وقت ایسا اقدام کرنا حماقت ونادانی سے پنجہ نرم کرنا تھا۔

امیرالمومنین علیہ السلام ایسی حساس صورتحال کے روبرو تھے جس میں ایک طرف منافق ومفاد پرست لوگ قرآن کو نیزوں پر بلند کئے ہوئے تھے اور دوسری طرف وہ لوگ تھے جو بظاہر محاذ حق پر جنگ وجدال کررہے تھے مگر اس کے ساتھ ہی امیرالمومنین حضرت علی علیہ السلام پر تلوار کھینچے کھڑے تھے کہ حکم قرآن کو تسلیم کیجئے۔اور وہ اس بات سے قطعی بے خبر تھے کہ اس بارے میں قرآن کا صریح ارشاد ہے کہ۔۔ان طائفتان من المومنین اقتتلوا فاصلحوا بینہما فان بغت احداہما علی الاخری فقاتلوا التی تبغی حتی تفی الی امر اللہ۔۔[3] اور اگر اہل ایمان میں سے دو گروہ آپس میں لڑ جائیں تو ان کے درمیان صلح کراو پھر اگر ان میں سے ایک گروہ دوسرے گروہ پر زیادتی کرے تو زیادتی کرنے والے سے لڑو یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کیطرف پلٹ آئے۔

باغی وسرکش جانتے تھے کہ مسلمانوں کے قانونی وشرعی زمامدار امیرالمومنین حضرت علی علیہ السلام ہیں اور معاویہ آپؑ سے باغی وبرگشتہ۔اسے چاہیئے کہ سرکشی سے دستبردار ہوجائے۔حق کے سامنے گردن خم کردے۔اور اگر ایسا نہیں تو حکم قرآن کے مطابق جنگ وجدال کریں۔

سرکشوں نے حیلہ ونیرنگ پرکار بندرہ کر قرآن کو تو نیزوں پر چڑھادیا مگر ان سے یہ نہیں کیا گیا کہ ہم امیرالمومنین حضرت علی علیہ السلام کی حکومت کو تسلیم کرنے کے لئے آمادہ ہیں۔بلکہ وہ تو یہ چاہتے تھے کہ انھیں کوئی ایسا موقعہ مل جائے جس کے ذریعے وہ اپنی یورش وسرکشی کو

[1] وقعہ صفین 484

[2] وقعہ صفین 485-484

[3] سورہ حجرات آیت 8

جاری رکھ سکیں مگر سپاہ عراق میں سے کچھ ظاہر بین اور کج اندیش افراد انجانے میں ان کے ہاتھوں کا کھلونا بن کر رہ گئے جس کا یہ نتیجہ ہوا کہ رنج وافسوس کے علاوہ انہیں کچھ نہ ملا۔

حکمیت وثالثی کی دعوت

معاویہ نے سپاہ عراق کے درمیان اختلاف پیدا کرنے اور مسئلہ حکمیت کی پیش کش کے بعد حضرت علی علیہ السلام کی خدمت میں خط لکھا کہ ہمارا اختلاف کافی طویل ہو گیا ہے اور دونوں طرف سے بہت زیادہ خون بہایا جا چکا ہے اور ڈر ہے کہ کہیں حالت پہلے سے زیادہ بدتر نہ ہو جائے اور اس کی ذمہ داری ہم دونوں پر ہوگی کیا آپ اس بات سے متفق ہے کہ لوگوں کی کشت وکشتار کو روکا جائے اور دینی اخوت ومحبت برقرار ہو جائے۔اس کی راہ یہی ہے کہ آپ اور میرے ہوا خواہوں سے دو معتبر حکم (ثالث) انتخاب کئے جائیں اور وہ کلام اللہ کی اساس و بنیاد پر فیصلہ کریں۔کیونکہ ہمارے لیئے یہی بہتر ہے کہ خوف خدا کو دل میں رکھیں اور اگر اہل قرآن ہیں تو اس حکم کا پاس کریں۔[1]

معاویہ ایسا نافہم تو نہیں تھا کہ اسے یہ معلوم نہ ہوتا کہ حضرت علی علیہ السلام اس ظاہر سازی کا فریب نہ کھائیں گے اس نے اتنا یقینا سوچ ہی رکھا تھا کہ اس خط کا مضمون سپاہ عراق کے بعض کج اندیش اور منافق افراد کے کانوں تک ضرور پہونچے گا اور وہ اس سے متاثر بھی ہوں گے۔

امیرالمومنین حضرت علی علیہ السلام نے اپنے مدلل بیان سے صریح الفاظ میں واضح وقطعی جواب دیتے ہوئے اسے لکھا کہ معاویہ تم مجھے حکمیت قرآن کی دعوت دے رہے ہو جبکہ تم اس سے کہیں دور ہو اور تم اس کتاب مقدس کو اپنا حکم بنانا نہیں چاہتے ہو ہم نے دعوت قرآن کو حکمیت کی بنیاد پر قبول کیا ہے نہ کہ تمہاری تجویز پر[2]

معاویہ کی جانب روانگی

اشعث جو دستہ مخالفین اور صلح پسندوں کا سردار بنا ہوا تھا معاویہ کے خط کی تشہیر کرنے کے بعد حضرت علی علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ لوگ شامیوں کی دعوت حکمیت سے خوش وخرم ہیں اگر آپ اجازت دیں تو میں معاویہ کے پاس جاؤں اور اس سے پوچھوں کہ کیا چاہتے ہو۔[3]

کیا اشعث واقعی یہ نہیں جانتا تھا کہ معاویہ کیا چاہتا ہے آخر وہ کون سا مقصد تھا جس کی خاطر وہ معاویہ کے پاس جانے کی کوشش کر رہا تھا اسے ان تمام باتوں کا علم تھا اور وہ یہ بھی جانتا تھا کہ اب فیصلہ کرنے کا اختیار کس کے ہاتھ میں ہے وہ حضرت علی علیہ السلام کے ان الفاظ کو نہیں بھولا تھا جو آپؑ نے چند لحہ قبل فرمائے تھے کہ۔۔میں کبھی امیر تھا مگر اب تابع و مامور ہوں لیکن اس کے باوجود اس نے حضرت علی علیہ السلام سے اجازت مانگی تا کہ وفد کے اراکین کے درمیان اس کی حیثیت ماموری رہے۔

حضرت علی علیہ السلام نے اسے بہت بے اعتنائی سے جواب دیا کہ اگر چاہو تو معاویہ کے پاس جا سکتے ہو[4] اشعث تو اس موقع کی

---

[1] وقعہ صفین 493

[2] وقعہ صفین 493، نہج البلاغہ مکتوب 48

[3] وقعہ صفین 499-498

[4] وقعہ صفین 499

تلاش میں تھا،ی اور خود کو اس نے وفد کا رہبر فرض کر لیا تھا وہ ظاہراً حضرت علی علیہ السلام کے نمائندے کی حیثیت سے معاویہ کے پاس گیا اور اس کے سامنے چند سوال پیش کئے معاویہ نے اس کے وہی جواب دیے جو وہ خط میں حضرت علی علیہ السلام کو لکھ چکا تھا۔

اس پر اشعث نے کہا یہ سب مبنی برحق ہے اس کے بعد وہ حضرت علی علیہ السلام کے پاس واپس آ گیا۔

جب یہ خبر پھیل گئی کہ اشعث کو وفد کا سربراہ بنایا گیا ہے تو لوگوں نے باآواز بلند کہنا شروع کیا کہ: ہم اس حکم پر راضی ہیں اور ہمیں یہ منظور ہے۔

اس کے بعد شام و عراق کے لشکروں کے قاری یکجا جمع ہوئے اور انہوں نے اس بات پر اتفاق کیا کہ حکم قرآن کو بحال کیا جائے۔[1]

حکمین (ثالثوں) کا انتخاب

یہ تو پہلے سے معلوم تھا کہ معاویہ کا حکم عمرو عاص ہوگا اور شام کے لوگوں کو بھی اس کے انتخاب کئے جانے پر اتفاق ہوگا چنانچہ معاویہ نے بغیر کسی مشورے کے حکم مقرر کر دیا اور اپنی سپاہ کو اپنے اس انتخاب کے ذریعہ مطمئن کر دیا۔

عراق کے لوگ اپنے ہادی اور پیشوا کی حکم عدولی کے باعث اگرچہ تباہی اور ہلاکت کے دہانے تک پہنچ چکے تھے مگر اس کے باوجود انہوں نے حکم کے انتخاب کے حق سے بھی امیر المومنین علیہ السلام کو محروم کر دیا اشعث نے ان قاریان قرآن کے ہمراہ (جو بعد میں خوارج شمار کئے گئے) بلند کہنا شروع کیا کہ --ہم ابوموسی اشعری کو انتخاب کرتے ہیں اس پر حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا کہ: مجھے اس پر اتفاق نہیں کیونکہ میں انہیں اس کام کا اہل نہیں سمجھتا اشعث، زید بن حصین اور مسعر بن فدکی نے قاریان قرآن کے ساتھ یک زبان ہو کر کہا کہ ہمارا انہیں پر اتفاق ہے کیونکہ وہیں ہیں جنہوں نے ہمیں اس جنگ کی مصیبت سے محفوظ رکھا اس پر حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا کہ مجھے یہ انتخاب منظور نہیں کیونکہ انہوں نے میرا ساتھ چھوڑ دیا تھا اور وہ لوگوں کو میری مدد کرنے سے منع کر رہے تھے اس کے بعد وہ فرار کر گئے چنانچہ کئی ماہ گذر جانے کے بعد میں نے انھیں امان و پناہ دی -- میں اس کام کے لئے عباس کو اہل و شایستہ سمجھتا ہوں۔

لیکن وہ لوگ حسب سابق اپنی ضد پر قائم رہے اور کہنے لگے کہ ہمارے لئے آپ کے ہونے یا عباس کے ہونے میں ذرا فرق نہیں لیکن ہم یہ چاہتے ہیں کہ حکم ایسے شخص کو بنایا جائے جو آپ کی اور معاویہ کی طرف سے بے لاگ ہو اور اس کی نظر میں دونوں افراد یکساں و برابر ہوں۔

حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا کہ میں پھر مالک اشتر کو مقرر کرتا ہوں اس پر اشعث نے بلند آواز سے کہا کیا اشتر کے علاوہ کوئی اور شخص تھا جس نے ساری زمین میں آگ لگائی؟ اگر ہم ان کا نام منظور کر لیتے ہیں تو ہمیں ان کا پابند رہنا ہوگا حضرت علی علیہ السلام نے دریافت فرمایا کہ ان کا حکم کیا ہے سب نے ایک آواز ہو کر کہا یہ کہ شمشیر ہاتھ میں لیکر تمہارا اور اپنا مدعا حاصل کرنے کی خاطر جان تک کی بازی لگا دیں۔

حضرت علی علیہ السلام کو انکی ضد اور خودسری پر طیش آ گیا اور فرمایا کہ ابوموسی کے علاوہ کسی اور کو اپنا حکم تسلیم نہیں کرو گے؟ انہوں نے کہا نہیں اس پر حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا جو چاہو وہ کرو[2]

---

[1] وقعہ صفین ص499

[2] وقعہ صفین 499-500، کامل ابن اثیر 3-318-319

سوالات

1 معاویہ نے جنگ سے فرار کرنے اور اپنی حالت وحیثیت کی حفاظت کے لئے کیا اقدامات کئے؟

2 معاویہ اور عمر و عاص نے شکست سے نجات پانے کے خاطر کیا سازش کی؟

3 جب قرآن مجید کو نیزوں پر بلند کیا گیا تو سپاہ عراق کا کیا ردعمل ظاہر ہوا؟

4 سپاہ عراق میں کون لوگ جنگ جاری رکھنے کے حق میں تھے اور کون اس مقصد کے لئے پیش پیش تھے؟

5 وہ لوگ کون تھے جنہوں نے فتح ونصرت کے آخری لمحات میں حضرت علی علیہ السلام کو جنگ بندی پر مجبور کیا؟

6 حکمیت کا مسئلہ پہلی مرتبہ کس کی طرف سے پیش کیا گیا... حضرت علی علیہ السلام اور سرکش سپاہ کا حکم مقرر کرنے کے سلسلے میں کیا نظریہ تھا؟

تیرھواں سبق

قاسطین (جنگ صفین)

خوارج کی نامزدگی

ان سرکشوں اور باغیوں کی حماقتیں اور کوتاہیوں جو بعد میں (خوارج) کے نام سے مشہور ہوئے ایک دو نہ تھیں۔ان سے جو لغزشیں اور خطائیں سرزد ہوئیں ان میں سے ایک یہ بھی تھی کہ انہوں نے حاکم کا انتخاب صحیح نہیں کیا۔اگر چہ ان کا دعوی تو یہ تھا کہ انہوں نے غیر جانبدار شخص کو منتخب کرنے کی کوشش کی ہے۔مگر جس شخص کو انہوں نے اس کام کے لئے نامزد کیا اس کی عداوت و دشمنی حضرت علی علیہ السلام کے ساتھ دوسروں کی نسبت کہیں زیادہ تھی۔لیکن اس کے برعکس معاویہ کو حق انتخاب اس شخص کیلئے دیا گیا کہ جو اس سے کہیں زیادہ مال وجاہ کا حریص اور اس کا فرمانبردار تھا۔

ابوموسی وہ شخص تھا جس نے اس وقت جبکہ کوفہ کی فرمانروائی اس کے ہاتھ میں تھی اپنے پیشوا کے حکم سے سرتابی کی تھی اور جنگ جمل کے موقع پر لوگوں کو حضرت علی علیہ السلام کی مدد سے منع کیا تھا۔

چنانچہ یہی وجہ تھی کہ حضرت علی علیہ السلام نے انہیں ایک خط میں لکھا تھا کہ تمہاری طرف سے جو بات مجھ تک پہنچی ہے اس میں تمہارا نفع بھی ہے اور نقصان بھی۔جیسے ہی میرا پیغام رساں تمہارے پاس پہنچے تم اپنی کمر کس لینا۔اور اس پر مضبوطی سے پٹکا باندھ لینا۔اور اپنی کمین گاہ سے نکل کر باہر آجانا۔جو افراد تمہارے ساتھ ہیں انہیں بھی باخبر کر دینا۔اگر میرے اس حکم پر عمل کرنا مقصود ہو تو قدم آگے بڑھانا۔اگر خوف غالب ہو اور سستی تمہارے وجود سے عیاں ہوتی ہو تو کہیں اور نکل جانا۔خدا کی قسم تمہاری گیلی اور سوکھی ہر لکڑی کو جلا کر خاک کردوں گا۔اور اتنا موقع نہیں دوں گا کہ بیٹھ کر دم لے سکو تمہیں پیٹھ پیچھے جس چیز کا خوف اور ڈر رہا ہے اسے بھی تم اپنے سامنے پاؤں گے۔[1]

لیکن اس سرکش کارندے نے نہ صرف کمر ہی نہ کسی اور حضرت علی علیہ السلام کی دعوت کا مثبت جواب نہ دیا بلکہ حضرت علی علیہ السلام کا وہ وفد جو حضرت امام حسن علیہ السلام کی سرکردگی میں گیا تھا اس کی بھی مخالفت کی۔اور جو لوگ اپنا فرض ادا کرنے کی غرض سے ابوموسی کے پاس آئے تھے تاکہ اپنا فریضہ معلوم کریں تو یہ ان سے کہتا تھا کہ اگر آخرت کی فکر ہے تو اپنے گھروں میں جا کر بیٹھو۔عثمان کی بیعت ابھی ہماری گردنوں پر ہے۔اگر جنگ کرنا ہی مقصود ہے تو پہلے عثمان کے قاتلوں سے جنگ کرو۔[2]

اسی وجہ سے جنگ جمل میں حضرت علی علیہ السلام کے اقدام کو ایک قسم کا فتنہ بتایا تھا اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ حدیث نقل کی تھی کہ جس وقت فتنہ بپا ہو تو بیٹھے رہنے سے بہتر ہے کہ لیٹ جاؤ۔اگر کھڑے ہو تو بہتر ہے کہ بیٹھ جاؤ اور اگر چل رہے ہو تو اس سے اچھا ہے کہ اپنی جگہ کھڑے رہو۔یہ کہہ کر وہ لوگوں کو اس بات کی جانب ترغیب دلا رہا تھا کہ اپنی تلواروں کو میان میں رکھ دو اور نیزوں کو توڑ ڈالو تا کہ اس فتنے

---

[1] نہج البلاغہ مکتوب 63

[2] الامامہ والسیاسہ ج1 ص61

کے شر ان کا دامن کو نہ پکڑ لے۔[1]

آیا ایسا شخص جو اس طرز فکر کا حامل ہو اور جس کا حضرت علی علیہ السلام کے خلاف اس طرح کا یہ موقف رہا ہو، کیا وہ اس لائق ہو سکتا تھا کہ اسے حضرت علی علیہ السلام کے نمائندے کی حیثیت سے منتخب کیا جائے؟

چنانچہ یہی وجہ تھی کہ حضرت علی علیہ السلام ہمیشہ اس فکر میں رہتے تھے کہ وہ لوگ جو توہمات میں غرق ہیں ان پر صحیح افکار کو روشن اور حقیقت کو واضح کر دیا جائے۔ اسی لئے آپؑ نے یہ فیصلہ کیا کہ چونکہ ابوموسی کا تعلق خوارج کے گروہ سے ہے حکمیت کے واسطے ان کے منتخب کئے جانے کے مسئلے کو مزید وسیع پیمانے پر پیش کریں۔ اور سب کے سامنے وہ دلائل پیش کر دیں جن کی بنا پر وہ حکمیت کیلئے ان کا نام منظور کرنا نہیں چاہتے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے اپنے تمام ساتھیوں کو جمع کیا اور فرمایا کہ: یہ جان لو کہ شامیوں نے اس شخص کا انتخاب کیا ہے جو قضیے میں ان سب سے زیادہ نزدیک ہے۔ لیکن تم نے اس شخص کو منتخب کیا ہے جو اس قضیے میں تمہاری نفرت کا سب سے زیادہ حقدار ہے۔ کیا تم بھول گئے ہو کہ یہ ابوموسی ہی تھا جو یہ کہا کرتا تھا کہ جنگ جمل محض ایک فتنہ ہے۔ اس مقصد کیلئے تم اپنی کمانوں کے چلے نہ چڑھاؤ اور اپنی تلواروں کو میان میں رکھ لو۔ اگر اس کی اس بات میں حقیقت تھی تو وہ کیوں بحالت مجبوری جنگ صفین میں شریک ہوا۔ اگر یہ صورتحال نہیں ہے تو اس پر دروغگوئی کا الزام عائد کیا جانا چاہئے... عمرو عاص کے اندرونی ارادے کو عبداللہ بن عباس کے ذریعے خاک میں ملا دو۔ اس موقعے کو ہاتھ سے جانے نہ دو۔ اسلام کے اطراف میں جو سرحدیں ہیں ان کی حفاظت کرو۔ کیا تم دیکھتے نہیں ہو کہ تمہارے شہروں پر حملہ کئے جا رہے ہیں ورتمہیں تیروں کا نشانہ بنایا جا رہا ہے۔[2]

امیرالمومنین حضرت علی علیہ السلام چاہتے تھے کہ عباس کو حکم مقرر کر کے جنگ بندی کے ان تلخ و ناگوار اثرات کو کم کر دیں جنہوں نے ان لوگوں کے دل و دماغ پر غفلت کا پردہ ڈال دیا تھا۔ کیونکہ عمرو عاص کی نیرنگیوں اور دیگر کمزوریوں سے دوسروں کے مقابل وہ زیادہ واقف و باخبر تھے۔ اس کے علاوہ مذاکرہ میں بھی وہ ان سے زیادہ محکم وقوی تھے۔[3]

لیکن ایسا معلوم ہوتا تھا کہ حضرت علی علیہ السلام کی بات کسی کی کان تک نہیں پہنچی اور کسی کے دل و دماغ پر اس کا اثر نہ ہوا۔ اشعث تو حضرت علی علیہ السلام کی بات سن کر ہی برافروختہ ہو گیا بالخصوص اس وقت جب کہ اس نے یہ دیکھا کہ جس شخص کو مذاکرے کیلئے منتخب کیا جا رہا ہے وہ قریش میں سے ہے۔ اور اشعث یہ سمجھتا تھا کہ ان کا حکم مقرر کیا جانا قبیلہ یمن کی مذمت کئے جانے کی واضح و روشن دلیل ہے۔ اور اسی بنا پر وہ کہہ رہا تھا کہ عبداللہ بن عباس میں حکم ہونے صلاحیت نہیں ہے۔ چنانچہ انہوں نے ناراض ہو کر با آواز بلند کہا کہ: خدا کی قسم قیامت تک قبیلہ مُضر کے افراد بیک وقت حکم نہیں بنائے جا سکتے۔[4] معاویہ نے چونکہ حکم کیلئے قبیلہ مُضر کے شخص کا انتخاب کیا ہے اس لئے آپؑ ایسے شخص کا انتخاب کریں جو قبیلہ یمن کے لوگوں میں سے ہو۔ اس پر آپؑ نے فرمایا کہ: مجھے ڈر ہے کہ کہیں تمہارا یمنی دھوکہ نہ کھا جائے۔ اشعث نے کہا اگر وہ دھوکہ کھا گیا اور وہ بات جو ہمارے لئے پسندیدہ نہیں اس نے اسی کو فیصلے میں تسلیم کر لیا تو اس سے بہتر ہے کہ دونوں ہی افراد قبیلہ

---

[1] نہج البلاغہ خطبہ 236 سے ماخوذ

[2] حضرت علی علیہ السلام نے اپنے خطبے میں بھی اس امر کی جانب اشارہ کیا ہے کہ عباس کو منتخب کرنے میں کیا مصلحت تھی تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو وقعہ صفین ص 500

[3] ربیعہ اور مضر کا شمار عرب کے دو بڑے قبیلوں میں ہوتا تھا یہ دونوں قبیلے نزار ابن معد بن عدنان کے فرزندان، ربیعہ اور مضر کی نسلوں سے تھے قبیلہ ربیعہ کے بیشتر لوگ یمن میں اور مضر کے اکثر افراد حجاز میں آباد تھے یہ دونوں قبیلے اپنے قبائلی مسائل کی بنا پر ایک دوسرے کی جان کے دشمن تھے

[4] وقعہ صفین/500

مضر سے ہوں تا کہ ہماری مرضی کے مطابق حکم کے فرائض انجام دے سکیں۔

اس طرح اشعث نے اپنے باطنی نفاق کو ظاہر و آشکار کر دیا۔ وہ اقتدار حاصل کرنے کی غرض سے چاہتا تھا کہ حکم کسی ایسے شخص کو بنایا جائے جو انہی کے قبیلے کا ہو۔لیکن اس نظریے کے پس پشت ان یمنیوں کا قبائلی تعصب کارفرما تھا جو سپاہ عراق و شام میں بکثرت شامل تھے۔ ایسی صورت میں اگر دو حکم میں سے ایک اسی قبیلے کا ہو تو وہ کیوں نہ خلافت پر نظر رکھیں۔ ابوموسی کے موقف سے اشعث بخوبی واقف تھا اور یہ جانتا تھا کہ وہ معاویہ کی طرفداری نہیں کرے گا۔ جس کی وجہ یہ تھی کہ ابوموسی اسے بھی فتنہ سمجھتا تھا۔ اس کے برعکس دوسری طرف ان کے ماضی کو مدنظر میں رکھتے ہوئے کہا جا سکتا تھا کہ وہ حضرت علی علیہ السلام کا بھی جانبدار نہ ہوگا۔ چنانچہ اسی وجہ سے اسے بہترین طاقت سمجھا گیا تھا۔

اشعث کتنا اقتدار پسند اور جاہ طلب تھا اس کی شاہد ذیل کی داستان ہے۔

طایفہ۔۔بنی ولیعہ۔۔ان طائفوں میں سے تھا جو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت کے بعد مرتد ہو گئے تھے۔ جس وقت زیاد ابن لبید انصاری نے ان سے جنگ کی اور انہیں اپنی تلوار کی دھار کا مزہ چکھایا تو وہ اشعث کی حمایت حاصل کرنے کی غرض سے طائفہ کندہ کے سردار کے پاس گئے اس نے اس موقع کو سلطنت حاصل کرنے کا بہانہ سمجھا اور ان سے کہا کہ اگر تم مجھے اپنا بادشاہ تسلیم کر لو تو میں تمہاری مدد کرنے کیلئے تیار ہوں۔ انہوں اس کی اس شرط کو مان لیا۔ چنانچہ وہ بھی دائرہ اسلام سے خارج ہو گیا۔ اور۔۔قحطان۔۔خاندان کے بادشاہوں کی طرح رسم تاج پوشی ادا کی گئی۔[1]

اس کے بعد ان کی قیادت کرتے ہوئے وہ مسلمین کے ساتھ برسرپیکار رہا۔لیکن زیاد کے لشکر نے جیسے ہی دباؤ ڈالا اور اس قلعے کا جس میں اس نے پناہ لی تھی محاصرہ کیا تو انہوں نے فیصلہ کیا کہ اپنی زندگی کو خیانت کے ذریعے خرید لیں اور اپنے ساتھیوں سے دور ہو کر اس نے اپنے نیز اپنے دس قرابت داروں کے لئے پناہ مانگی۔ اس کے بعد اس نے قلعے کا دروازہ کھول دیا اور باقی لشکر کو موت کے منھ میں دھکیل دیا۔[2]

ان خیانت کاریوں کی وجہ سے اسے مسلمانوں اور کفار کے درمیان ہمیشہ لعن طعن اور نفرت کی نظر سے دیکھا جاتا تھا۔ بالخصوص کندہ طائفے کی عورتیں اس بزدلی اور خیانت کاری کی وجہ سے جو اس سے سرزد ہوئی تھی اور جس کے باعث اس طائفے کے ایک گروہ کو سخت نقصان پہنچا تھا، سخت لعنت و ملامت کیا کرتی تھیں۔ اور عام طور پر۔۔عرف النار۔۔(آگ لگانے والا جاسوس) کہا کرتی تھیں۔ اور اس اصطلاح کا اطلاق اس شخص پر کیا جاتا تھا جس کی سرشت میں مکر، فریب اور دغہ بازی شامل ہو۔[3]

ابوموسی بھی جس کا نام اشعث نے حکمیت کیلئے پیش کیا تھا۔ کسی طرح بھی اشعث سے کم نہ تھا۔ جس وقت جنگ جاری تھی اس نے جانبین کی طرف سے کنارہ کشی اختیار کر کے اور شام میں اس مقام پر جو۔۔عرض۔۔کے نام سے مشہور تھا گوشہ نشینی اختیار کر لی تھی۔لیکن جیسے ہی اس کے غلام نے یہ اطلاع دی کہ لوگ جنگ سے دست کش ہو گئے ہیں اور تمہارا نام حکم کی حیثیت سے لیا جا رہا ہے تو صفین کی جانب روانہ ہوا اور امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کے لشکر تک پہنچ گیا۔

[1] لا انصركم حتى تملكوني فملكوه و توجوه كما يتوج الملك من قحطان۔
[2] شرح ابن ابی الحدید ج1 ص295-293
[3] شرح ابن ابی الحدید ج1 ص296، تاریخ طبری ج3 ص338

مالک اشتر اور احنف ابن قیس جیسے امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور ابوموسی کے اوصاف وافکار بیان کرنے کے بعد عرض کیا کہ انہیں حکم منتخب نہ کیا جائے۔ اس ضمن میں انہوں نے یہ بھی کہا کہ اس کا اعلان کرنے کیلئے وہ خود تیار ہیں۔

امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام نے ان کا نظریہ لوگوں کے سامنے بیان کیا۔ لیکن اس پر خوارج نے کہا کہ ہم ابوموسی کے علاوہ کسی دوسرے شخص کو منتخب نہ کریں گے۔[۱]

اس سلسلے میں انہوں نے مزید کہا کہ: ابوموسی وہ شخص ہیں جن پر شام وعراق کے لوگوں کو اعتماد ہے۔ وہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس یمن کے لوگوں کا نمائندہ بن کر آ چکے ہیں اور مال غنیمت کے سلسلہ میں حضرت ابوبکر کے امین اور حضرت عمر کے کارگزار رہ چکے ہیں۔[۲]

آخر کار ابوموسی اشعری سپاہ عراق کی جانب سے حکمیت کیلئے مقرر کر دیا گیا۔

حکمیت کا معاہدہ

جب حکمین مقرر کر لئے گئے تو معاہدہ صلح اس طرح لکھا گیا (ہذا ما تقاضی علیہ علی بن ابی طالب امیر المومنین علیہ السلام ومعاویہ بن ابی سفیان...) لیکن اس پر معاویہ نے اعتراض کیا اور کہا کہ: اگر میں نے انہیں امیر المومنین تسلیم کر لیا ہوتا تو ان سے جنگ نہ کرتا۔ عمرو عاص نے بھی یہی کہا کہ: ہر چند علی علیہ السلام تمہارے امیر ہیں لیکن وہ ہمارے نہیں۔ اس لئے صرف ان کا اور ان کے والد کا نام لکھا جائے۔[۳]

لیکن احنف بن قیس نے کہا کہ: اس لقب کو حذف نہ کیا جائے اس کے لئے خواہ کتنا ہی خون ہو جائے کیونکہ مجھے ڈر ہے کہ اگر یہ لقب ایک دفعہ حذف کر دیا گیا تو پھر واپس نہ دیا جائے گا۔[۴]

امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کافی دیر تک اس فکر میں محو رہے کہ یہاں تک کہ اشعث آ گیا۔ اس کی آنکھوں میں فاتحانہ چمک تھی اور لہجہ خیانت سے سرشار وشرابور۔ اس نے فخریہ انداز میں کہا کہ: اس نام کو حذف کر دیجئے۔

امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کو ماضی کا وہ واقعہ یاد آ گیا جب کہ -- صلح حدیبیہ -- کا معاہدہ لکھا جا رہا تھا -- (ہذا ما تصالح علیہ محمد رسول اللہ وسہیل) ابن عمرو سہیل کو یہ ضد تھی کہ لقب -- رسول اللہ -- حذف کیا جائے اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انتہائی صبر سے اس کی اس ضد کو برداشت کر رہے تھے۔

حضرت علی علیہ السلام کیلئے لقب رسول اللہ حذف کرنا گوارہ نہ تھا لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا کہ اسے حذف کر دیا جائے اور فرمایا کہ اس لقب کے حذف کئے جانے سے مجھے رسالت سے تو محروم نہیں کر دیا جائے گا۔ اس کے بعد آپ نے حضرت علی علیہ السلام کی جانب رخ کر کے فرمایا کہ: ایک دن تمہارے سامنے بھی یہی مسئلہ آئے گا۔ اگرچہ تمہیں بہت زیادہ کوفت ہوگی مگر تمہیں بھی یہی کرنا ہوگا۔[۵]

اب وہ زمان موعود آن پہنچا تھا۔ چنانچہ حضرت علی علیہ السلام نے پوری رضا ورغبت اور مکمل اطمینان کے ساتھ اس کلام کو ملحوظ رکھتے

---

[۱] وقعہ صفین ص 502-500، تاریخ طبری ج 5 ص 52-51- کامل ابن ایثر جلد 3 / 319

[۲] تاریخ طبری ج 5 ص 52، کامل ابن اثیر ج 3 ص 319، وقعہ صفین 508، الامامہ والسیاسہ ج 1 ص 114

[۳] لا تمسح اسم امرۃ المومنین عنك وان قتل الناس بعضهم بعضا فانی اتخوف الا ترجع الیك ابدا

[۴] شرح ابن الحدید ج 2 ص 232، وقعہ صفین 508، الامامہ والسیاسہ ج 1 ص 114

[۵] یہ جملہ حضرت علی علیہ السلام کی فرمائش کے مطابق سنۃ بسنۃ نقل کیا گیا ہے۔

ہوئے جو رسول گرامی ﷺ کے زبان مبارک سے ادا ہوا تھا فرمایا کہ:--لا الہ اللہ واللہ اکبر--تاریخ خود کو دھرا رہی ہے...[1]۔

آج میں ان کی آل واولاد کیلئے اس طرح لکھ رہا ہوں جیسا رسول خدا ﷺ ان کے آباواجداد کیلئے تحریر فرما چکے ہیں۔[2]

معاہدے کا متن لقب --امیر المومنین-- حذف کر کے طرفین کی اتفاق رائے سے جس طرح تحریری شکل میں آیا اس کا اجمالا ذکر ہم ذیل میں اس کے اہم نکات کے ساتھ کریں گے۔

1 طرفین قرآن وسنت پیغمبری ﷺ کے مطابق حکم خداوندی کو قبول کریں گے۔حکم قرآن اوسنت رسول ﷺ کے جو خلاف ہے اسے وہ دور کرنے کی کوشش کریں گے۔

2 حکمین ابوموسی اشعری اور عمرو عاص ہیں۔جب تک حق سے تجاوز نہ کریں ان کے جان ومال اور ناموس کو حفظ وامان میں رکھا جائے گا۔

3 حکمین اور تمام مسلمین پر فرض ہے کہ وہ حکم کو قرآن وسنت کے مطابق قبول کریں۔اور اس پر عمل پیرا ہوں۔

4 جب تک حکمین کا حکم جنگ بندی برقرار ہے اس وقت تک طرفین میں سے کسی کو بھی دوسرے پر تجاوز کرنے کا حق نہیں۔

5 منصفین کو اختیار ہے کہ وہ شام وعراق کے درمیان کوئی متوسط نقطہ متعین کر سکتے ہیں۔ان افراد کے علاوہ جن کے بارے میں اتفاق رائے ہوگا کسی بھی شخص کو مجلس منصفین میں داخل ہونے کی اجازت نہیں دی جائے گی۔منصفی کی مدت ماہ رمضان کے آخر تک معین ہے۔

6 اگر منصفین نے مقررہ مدت تک قرآن وسنت کے مطابق حکم صادر نہیں کیا تو طرفین کو حق حاصل ہوگا کہ اپنی پہلی حالت پر واپس آجائیں اور ایک دوسرے سے جنگ کریں۔

مذکورہ معاہدے پر حضرت علی علیہ السلام کے طرفداروں میں سے عبداللہ بن عباس، مالک اشتر، حضرت امام حسن علیہ السلام، حضرت امام حسین علیہ السلام، سعید بن قیس نیز اشعث نے اور معاویہ کی طرف سے حبیب بن مسلمہ، ابوالاعور بُسر وغیرہ نے دستخط کئے۔[3]

اور اس طرح ایک سو دس روزہ جنگ ستر مرتبہ سے زیادہ مقابلوں کے بعد تاریخ 17 صفر سنہ 37 ہجری کو اختتام پذیر ہوئی۔[4]

مورخین نے اس جنگ کے جانی نقصانات کے مختلف اعداد درج کیئے ہیں۔بعض نے مقتولین کی تعداد ایک لاکھ دس ہزار بتائی ہے۔جن میں سے نوے ہزار شام کے سپاہی اور بیس ہزار عراقی فوج کے لوگ شامل تھے اور پچیس ہزار عراق کے لوگ۔[5]

جنگ صفین کے عبرت آموز سبق

جنگ صفین کا نتیجہ اسلام کی فتح ونصرت کے ساتھ یہ ہونا چاہیئے تھا کہ فتنہ وفساد و نیز درخت نفاق کی بیخ کنی ہو اور اس کے ساتھ ہی

---

[1] فالیوم اکتبها الی ابنائهم کما کتبها رسول الله الی ابائهم سنة ومثلا۔ وقعہ صفین 508، شرح ابن ابی الحدید ج 2 ص 232، تاریخ طبری ج 5 ص 52

[2] وقعہ صفین ص 504-505، الامامیہ والسیاسہ ج 1 ص 115، کامل ابن اثیر ج 3 ص 320

[3] مروج الذہب ج 2 ص 393-394

[4] مروج الذہب ج 2 ص 393-394

[5] وقعہ صفین 511

فرمانروائے شام کی بیدادگری کا قلع قمع ہوجائے۔لیکن عراقی فوج کے بعض کمانڈروں کی خودسری اور امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کے حکم سے روگردانی کے باعث جونتائج برآمد ہوئے وہ انتہائی تلخ و ناگوار ہونے کے ساتھ، عبرت آموز بھی ثابت ہوئے اس سے قبل کہ جنگ صفین کے نتائج کا اجمالی جائزہ لیا جائے ہم یہاں اس کے بعض درس آموز نکات کی جانب اشارہ کریں گے:

1 جنگ صفین نے ثابت کردیا کہ معاویہ کے بارے میں امیر المومنین علیہ السلام نے جو بھی پیشین گوئی کی اور ابتدائے امر سے ہی جتنے بھی موقف اختیار کئے وہ تمام حق پر مبنی تھے اور اس بات کے آئینہ دار تھے کہ حضرت علی علیہ السلام کو ایسے عناصر کی کتنی گہری شناخت تھی۔

معاویہ کی سیاسی سرگرمی کے باعث ناسازگار ماحول پیدا ہوگیا تھا اور وہ افراد جنہوں نے اپنے کروفر کی خاطر انھیں ان کے مرتبے پر برقرار رکھا تھا اگر اس ہنگامہ آرائی میں سرگرم عمل نہ ہوتے تو وہ تمام ہلاکتیں تباہیاں نہ ہوتیں جو اس جنگ کی وجہ سے رونما ہوئیں امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام نے اس کی معزولی کا فرمان جاری کرکے اور جنگ و نبرد آزمائی کے ذریعے اس کی سرکشی و بالادستی کا جس طرح قلع وقمع کیا اس سے آپؑ نے یہ ثابت کردیا کہ اس جیسے کسی بھی غیر پسندیدہ عنصر کو ہرگز برداشت نہیں کیا جاسکتا تھا۔

2 جنگ کے دوران لشکر شام پر یہ بات ثابت ہوگئی کہ لشکر اسلام کو قوت ایمانی اور دلیرانہ حوصلہ مندی کے باعث اس پر نمایاں فضیلت و برتری حاصل ہے چنانچہ یہی وجہ تھی کہ معاویہ نے اپنی شکست و نابودی سے نجات پانے کے لئے فریب کاری و نیرنگی کا سہارا لیا۔

بلاشک وتردید کہا جاسکتا ہے کہ اس فضیلت و برتری کا بنیادی عامل خود حضرت علی علیہ السلام نیز ان کے فرزندوں اور اصحاب کا جذبہ ایثار وقربانی تھا۔

3 اسلامی افواج جب تک حضرت علی علیہ السلام کے زیر فرمان رہیں انھیں نمایاں کامیابی حاصل ہوئی لیکن جیسے ہی افواج کے سرداروں نے خودسری اختیار کرکے آپ کے احکام سے روگردانی کی تو نہ صرف مسلمانوں بلکہ دین اسلام کو سخت ناگوار نتائج وحادثات سے دوچار ہونا پڑا۔

4 جنگ صفین نے یہ سبق سکھایا کہ اگر پیروان حق اپنے موقف پر ثابت قدم رہیں تو حق ہی غالب رہتا ہے۔ اور اس کا ہی بول بالا ہوتا ہے۔ اس کے برعکس اگر وہ اپنے جزئی جانی مالی نقصان کی وجہ سے اپنے موقف سے پھر جائیں اور سازش و ریشہ دوانی کا رویہ اختیار کرلیں تو ظاہر ہے کہ باطل کو ہی ان پر برتری و بالادستی حاصل ہوگئی۔

جنگ کے نتائج

صفین کی تباہ کن جنگ کے باعث دونوں ہی لشکروں کا سخت مالی و جانی نقصان ہوا اس کے ساتھ ہی اس جنگ کے جو سودمند و ضرررساں نتائج برآمد ہوئے ان کی کیفیت مندرجہ ذیل ہے۔

1 جب لشکر عراق میدان جنگ سے واپس آیا تو اس کی فوج میں سخت باہمی اختلاف پیدا ہوگیا۔ چنانچہ ان میں سے بعض کو تو میدان کارزار ترک کرنے کا اتنا سخت افسوس و ملال ہوا تھا کہ ان کے دلوں میں ان لوگوں کے خلاف دشمنی وعداوت پیدا ہوگئی جو میدان جنگ ترک کرانے کے اصلی محرک تھے۔ چنانچہ یہ دشمنی وعداوت اس حد تک پہنچی کہ بھائی بھائی سے اور بیٹا باپ سے نفرت کرنے لگا۔ اور کہیں کہیں تو نوبت یہاں تک آئی کہ انہوں نے ایک دوسرے کو خوب زدوکوب کیا۔[1]

---

[1] مروج الذہب ج2 ص394

2اگر چہ معاویہ کا نقصان بہت زیادہ ہوالیکن اس کے باوجود وہ عمرو عاص کی نیرنگی کے باعث اپنی سیاسی حیثیت برقرار رکھنے میں کامیاب ہوگیا۔ جنگ سے قبل وہ امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کی حکومت کا معزول و باغی کارگزار تھا لیکن اس معاہدے کی رو سے جو اس جنگ کے بعد کیا گیا اس کا مرتبہ حضرت علی علیہ السلام کے ہم پایہ وہم پلہ تھا۔ اور اسے سرکاری سطح پر رہبر شام تسلیم کرلیا گیا تھا۔

3اگر چہ لشکر عراق میں ایسے سپاہیوں کی تعداد کم ہی تھی جنہوں نے اس جنگ سے درس عبرت لیا اور راہ حق پر کاربند رہے لیکن اس میں ایسے ظاہر بین فوجیوں کی تعداد بہت زیادہ تھی جو منافق اور اقتدار پرست افراد کے دام فریب میں آگئے اور انہوں نے اپنی نیز دین اسلام کی تقدیر کو حیلہ گر، نیرنگ ساز، کج اندیش حکمین کے حوالے کردیا اور اپنے لئے مصائب وآلام کو دعوت دے دی۔

4اس جنگ کا دوسرا اہم نتیجہ فتنہ وآشوب کا بیج بویا جانا تھا اور یہ درحقیقت عراقی فوج کے بعض نادان افراد کی خودسری وضد کا ثمرہ تھا۔

چنانچہ اشعث اس معاہدے کو لے کر دونوں لشکروں کے سپاہیوں کی جانب روانہ ہوا اور اس کی شرائط پڑھ کر انھیں سنائیں۔ شامیوں نے سن کر خوشی کا اظہار کیا اور انہیں قبول بھی کرلیا لیکن فوج عراق میں سے بعض نے تو اس پر رضایت ظاہر کی، بعض نے مجبوراً انھیں پسند کیا مگر چند ایسے بھی تھے جنہوں نے سخت مخالفت کی اور معترض ہوئے۔

مخالفت کی پہلی صدا طایفہ --عنزہ-- کی جانب سے بلند ہوئی جو چار ہزار سے زیادہ افراد پر مشتمل تھا۔ اور ان میں دو افراد نے بلند کہا لاحکم الا اللہ یعنی خدا کے علاوہ کسی کو حاکمیت کا حق نہیں۔ اس کے بعد وہ معاویہ کے لشکر پر حملہ آور ہو گئے مگر شہید ہوئے۔[۱]

دوسرے مرحلے پر --بنی تمیم-- کا نعرہ سنا گیا بلکہ اس قبیلے کے ایک فرد نے تو اشعث پر حملہ بھی کردیا۔ اور کہا کہ امر خداوندی میں افراد کو حاکم قرار دیا جاسکتا ہے ایسی صورت میں ہمارے جوانوں کے خون کا کیا انجام ہوگا؟[۲]

تھوڑی دیر نہ گذری تھی کہ لاحکم الا اللہ کا ہلہلہ وغلغلہ بیشتر سپاہیوں کے گلے سے جوش مارنے لگا۔ انہوں نے اپنے گذشتہ عمل کی اس طرح اصلاح کی کہ --حکمیت-- کے لئے راضی ہوجانا دراصل ہماری اپنی ہی لغزش تھی لیکن اپنے کئے پر ہم اب پشیمان اور توبہ کے طلب گار ہیں چنانچہ انہوں نے علی علیہ السلام سے کہا کہ جس طرح ہم واپس آگئے ہیں آپؑ بھی آجایئے ورنہ ہم آپؑ سے بیزار ہوجائیں گے۔[۳]

وہ اس قدر جلد پشیمان ہوئے کہ انہوں نے پوری سنجیدگی سے یہ مطالبہ کردیا کہ معاہدہ جنگ بندی پر کاربند نہ رہا جائے۔ لیکن حضرت علی علیہ السلام نے آیات مبارکہ "وَاَوْفُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ اِذَا عٰهَدْتُّمْ وَلَا تَنْقُضُوا الْاَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيْدِهَا" (اللہ کے عہد کو پورا کرو جب تم نے ان سے کوئی عہد باندھا ہو اور اپنی قسمیں پختہ کرنے کے بعد توڑ نہ ڈالو)[۴] اور "اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ" (لوگو بندشوں کی پوری پابندی کرو)[۵] سنا کر انھیں عہد و پیمان شکنی سے باز رکھا[۶]

---

[۱] وقعہ صفین 513-512

[۲] وقعہ صفین 513-512

[۳] وقعہ صفین 516-/513

[۴] سورہ نحل آیت 91

[۵] سورہ مائدہ آیت 1

[۶] حروراء 200 جگہ کوفہ سے تقریبا نصف فرسخ کے فاصلے پر واقع تھی اور چونکہ انہوں نے یہاں قیام کیا تھا اسی لئے وہ حروریہ کہلائے جانے لگے۔ تاریخ یعقوبی ج 2 ص 291

مگر ان کی سست رائے اور متزلزل ارادے پر اس کا ذرا بھی اثر نہ ہوا جنگ کی کوفت کے آثار بھی ان کے چہرے سے زائل نہ ہوئے تھے کہ دوسرے فتنے کا بیج بو دیا گیا۔

سرکشوں کی تشکیل و گروہ بندی

جب جنگ صفین ختم ہوگئی تو امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کوفہ واپس تشریف لے آئے لیکن جو لوگ سرکش و باغی تھے وہ راہ میں آپؑ سے علیحدہ ہو گئے۔ یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے اس وقت جب کہ جنگ پوری اوج پر تھی تو حضرت علی علیہ السلام کو یہ دھمکی دی تھی کہ جنگ بندی کا اعلان کیجئے ورنہ ہم آپؑ کو قتل کر ڈالیں گے اور حکمیت کا تعین ہو جانے کے بعد انہی افراد نے لاحکم الا اللہ کا نعرہ بلند کیا تھا اور ۔۔حروراوء۔۔[1] نامی مقام پر تقریباً بارہ ہزار افراد نے قیام کیا اور یہاں خود ایک مستقل گروہ کی شکل اختیار کر لی جہاں انہوں نے ۔۔شبث بن ربعی ۔۔کو اپنا فرماندار اور ۔۔عبداللہ بن کوّاء۔۔ کو اپنا امام جماعت مقرر کیا۔[2]

حضرت علی علیہ السلام کے اصحاب نے جب اس واقعے کے بارے میں سنا تو اس خیال کے پیش نظر کہ وہ اپنی وفاداری کا حضرت علی علیہ السلام پر دوبارہ اظہار کریں انہوں نے آپؑ کے ساتھ نیا عہد کیا اور وہ یہ تھا کہ دوستان علی علیہ السلام کے ساتھ دوست اور آپؑ کے دشمنوں کے ساتھ دشمن کا سلوک روا رکھیں۔لیکن خوارج نے اس وعدہ کو کفر و گناہ سے تعبیر کیا اور شیعیان علی علیہ السلام سے کہا کہ تمہاری اور شامیوں کی مثال ان دو گھوڑوں کی سی ہے جنہیں دوڑ کے مقابلے میں لگایا گیا ہو چنانچہ اس راہ میں تم کفر کی جانب بڑھ گئے ہو۔

حضرت علی علیہ السلام خوارج کے درمیان

جب خوارج ،حضرت علی علیہ السلام سے علیحدہ ہو گئے تو آپؑ نے یہ سوچ کر کہ ان کے ساتھ زیادہ نزدیک سے ملاقات کی جائے اور ان کے ذہنوں میں جو پیچیدگیاں پیدا ہو گئی ہیں ان کا حل تلاش کیا جائے۔سب سے پہلے ابن عباس کو ان کے پاس بھیجا حضرت علی علیہ السلام چونکہ انکے بارے میں جانتے تھے کہ وہ حالات و واقعات کا تجزیہ تو نہیں کر سکتے البتہ حریف کو قائل کرنے کی ان میں غیر معمولی مہارت و صلاحیت ہے اسی لئے آپؑ نے ابن عباس سے تاکیداً یہ بات کہی کہ ان کے ساتھ گفتگو کرنے میں عجلت نہ کریں بلکہ اس قدر توقف کریں کہ میں ان تک پہنچ جاؤں۔[3]

لیکن ابن عباس جیسے ہی وہاں پہنچے انہوں نے فوراً ہی بحث و گفتگو شروع کر دی۔ بالآخر انہوں نے بھی مجبوراً اپنی زبان کھولی اور اس آیہ مبارکہ وان خفتم شقاق بینھما فابعثوا حکما من اہلہ وحکما من اہلھا[4]

(اور اگر تم کو کہیں شوہر اور بیوی کے تعلقات بگڑ جانے کا اندیشہ ہو تو ایک حکم مرد کے رشتہ داروں میں سے اور ایک عورت کے رشتہ داروں میں سے مقرر کرو) نیز حکم عقل کے ذریعے ثابت کر دیا کہ ۔۔حکمیت ۔۔کا تقرر شرعاً جائز ہے مگر انہوں نے جواب میں اس مرتبہ بھی

---

[1] کامل ابن اثیر ج3263،مروج الذہب ج3952

[2] کامل ابن اثیر ج3، 327

[3] سورہ نساء آیہ 35،ابن عباس کی دلیل یہ تھی کہ جب خداوند تعالیٰ نے ایک خاندان کی اصلاح کیلئے ایک منصف ثالث کو لازم قرار دیا ہے تو یہ کیسے ممکن ہے کہ اس کا اطلاق اس عظیم امت پر نہ ہو۔

[4] کامل ابن اثیر ج3 ص327

وہی بات کہی جو اس سے پہلے کہتے چلے آرہے تھے۔[1]

ابن عباس کے چلے جانے کے بعد حضرت علی علیہ السلام بھی اس طرف روانہ ہوئے اور چونکہ یزید بن قیس سے واقفیت تھی اس لئے آپؑ اسی کے خیمے میں پہنچے یہاں دو رکعت نماز ادا کرنے کے بعد آپؑ نے مجمع کی جانب رخ کیا اور دریافت فرمایا کہ تمہارا رہبر کون ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ --ابن الکوا--اس کے بعد آپؑ نے فرمایا کہ وہ کون سی چیز تھی جس نے تمہیں ہم سے برگشتہ کیا۔انہوں نے کہا کہ آپؑ کی جانب سے حکمیت کا تعین وتقرر اس پر حضرت علی علیہ السلام نے جواب دیا کہ حکمیت کی پیشکش تمہاری جانب سے کی گئی تھی۔ میں تو اس کا سخت مخالف تھا انہوں نے حضرت علی علیہ السلام کے مدلل جوابات کی تائید کرتے ہوئے اپنی اس نئی راہ وروش کی یہ توجیہ پیش کی کہ ہمارے سابقہ اعمال کفر پر مبنی تھی چنانچہ ہم نے ان سے توبہ کر لی ہے۔آپؑ بھی تائب ہو جایئے اکہ ہم آپؑ کے ہاتھ پر دوبارہ بیعت کر لیں۔

حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا انی--استغفر اللہ من کل ذنب--اس پر خوارج نے سمجھا کہ آپؑ نے--حکمیت--کو منظور کرنے پر توبہ کی ہے۔چنانچہ وہ سب آپؑ کے ساتھ کوفہ چلے آئے اور بظاہر اس فتنہ وفساد کا خاتمہ ہو گیا۔[2]

منافقین کی تحریکات

وہ منافق وموقع پرست لوگ جو حکومت کے اقتدار اور مملکت میں امن وامان کی فضا برداشت نہیں کر سکتے تھے جب خوارج کا گروہ واپس گیا تو مختلف قسم کی افواہیں پھیلانے لگے۔اور یہ کہنا شروع کر دیا کہ امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام حکمیت کے معاملے میں پشیمان ہیں وہ اسے گمراہی تصور کرتے ہیں اور فکر میں ہیں کہ جنگ کے امکانات پیدا ہو جائیں تا کہ دوبارہ معاویہ کی جانب روانہ ہو سکیں۔[3]

یہ افواہیں معاویہ کے کانوں تک بھی پہنچیں اس نے ایک شخص کو کوفہ کی جانب روانہ کیا تا کہ اس سلسلے میں بیشتر اطلاعات فراہم کر سکے۔امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کو معاویہ اچھی طرح جانتا تھا یہ بھی معلوم تھا کہ حضرت علی علیہ السلام قرآن اور اسلام کے راستے سے منحرف نہ ہوں گے اور جو عہد و پیمان انہوں نے کیا ہے اس کی وہ بھی خلاف ورزی نہ کریں گے۔لیکن شاید ظاہر کرنے کے لئے کہ وہ حضرت علی علیہ السلام کی حرکات وسکنات کی نگرانی کر رہا تھا اسی لئے اس نے یہ اقدام کیا۔

اس بارے میں یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ معاویہ کو متحرک کرنے کا اصل عامل اشعث تھا۔اور وہ عہد جنگ بندی کی خلاف ورزی سے متعلق افواہوں کے بارے میں جاننا چاہتا تھا۔کیونکہ اشعث وہ شخص تھا جو ابن ابی الحدید کے قول کے مطابق معتزلی تھا اور جن کا مقصد حضرت علی علیہ السلام کو حکومت میں ہر قسم کی تباہی وبربادی کو فروغ دینا تھا اور مسلمانوں کے لئے ہر طرح کی اضطرابی وپریشانی کا عامل بنا مقصود تھا۔[4] چنانچہ حضرت علی علیہ السلام نے بھی اسے منافق اور کافر بچہ کے ساتھ یاد کیا ہے۔[5]

اس احتمال کو جو چیز تقویت دیتی ہے وہ یہ ہے کہ جس وقت شام سے حضرت علی (ع) کے پاس پیغام پہنچا اور آپؑ سے معاہدے کی خلاف ورزی سے اجتناب کرنے کو کہا گیا تو امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کی خدمت میں وہ حاضر ہوا اور ان بہت سے لوگوں کی موجودگی

---

[1] تاریخ یعقوبی ج 2 ص 191، کامل ابن اثیر ج 3 ص 328، عقد الفرید ج 2 ص 388

[2] سیرۃ الائمہ الاثنی عشر ج 1 / 489

[3] کل فساد کان فی خلافۃ علی علیہ السلام و کل اضطراب حدث فاصلہ الاشعث، شرح نہج البلاغہ ج 2 ص 279

[4] علیک لعنۃ اللہ ولعنۃ اللاعنین حائک بن حائک منافق بن کافر نہج البلاغہ ج 19

[5] سیرۃ الائمہ الاثنی عشر ج 1 / 498،

میں جوحضرت علی علیہ السلام کی خدمت میں حاضر تھے کہا کہ یہ سننے میں آیا ہے کہ آپؑ حکمیت کو گمراہی قرار دیتے ہیں اور اس پر ثابت قدم رہنا آپ کے نزدیک کفر ہے۔[1]

افواہوں کو بے بنیاد ثابت کرنے اور ان کی حقیقت کو عوام پر واضح و روشن کرنے کے لئے حضرت علی علیہ السلام نے ضروری سمجھا کہ مسجد میں تشریف لے جائیں اور وہاں حاضرین سے خطاب کریں چنانچہ آپؑ نے ارشادات عالیہ کے دوران فرمایا کہ: جس شخص کو یہ گمان ہے کہ میں معاہدہ حکمیت پر قائم نہیں ہوں تو اس نے دروغگوئی سے کام لیا ہے اور جو بھی مسلمان حکمیت کو گمراہی کا سبب سمجھتا ہے وہ دوسروں کے مقابل خود زیادہ گمراہ ہے۔[2]

حضرت علی علیہ السلام کا خطبہ ابھی ختم نہیں ہوا تھا کہ مسجد کے ایک کونے سے یہ آواز سنائی دی کہ --اے علی تم نے ان افراد کو خدا کے دین میں شامل کرلیا--لاحکم الا اللہ اس آواز کے بلند ہونے کے ساتھ ہی مسجد کی پوری فضا لاحکم الا اللہ کے نعروں سے گونجنے لگی۔[3]

منافقین کی تحریکات کا نتیجہ یہ برآمد ہوا کہ خوارج نہ صرف اپنی اصلی حالت پر واپس نہیں آئے بلکہ کینہ وعداوت ان کے دلوں میں پہلے کے مقابل زیادہ گھر کرنے لگا۔ چنانچہ جلسہ ختم ہوا تو لوگ گذشتہ کی نسبت اب زیادہ غم وغصہ اور نفرت کے جذبات سے لبریز شہر کے باہر روانہ ہوئے اور اپنے خیمہ گاہوں میں واپس آگئے۔

سوالات

1 اشعث جنگ بندی کے لئے کیوں بہت زیادہ کوشش کررہا تھا اس کے مرتد ہونے کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں؟

2 امیرالمومنین حضرت علی علیہ السلام ابوموسی کو کن اسباب کی بنا پر منتخب کرنا نہیں چاہتے تھے۔ اشعث اور اس کے حواریوں نے ان کے انتخاب پر کیوں اصرار کیا؟

3 صلح حدیبیہ اور معاہدہ صفین کے درمیان کیا باہمی ربط ہے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس بارے میں کیا پیشین گوئی تھی؟

4 جنگ صفین سے مسلمانوں نے کیا سبق سیکھا؟

5 جنگ صفین کے کیا نتائج برآمد ہوئے؟ مختصر طور پر لکھیئے

6 جب امیرالمومنین علیہ السلام کوفہ تشریف لے گئے تو وہ کون تھے جو آپ کے ساتھ کوفہ میں داخل نہ ہوئے ان کی تعداد کتنی تھی؟ انہوں نے اپنے خیمے کہاں لگائے اور ان کا پیش امام کون شخص تھا؟

7 خوارج جب کوفہ واپس آگئے تو انہوں نے کیا افواہیں پھیلائیں اور ان میں کون لوگ سرگرم عمل تھے اس سلسلے میں اشعث کیا کردار رہا؟ مختصر طور پر لکھیئے؟

---

[1] شرح نہج البلاغہ علامہ خوئی ج4 ص126

[2] سیرۃ الائمہ الاثنی عشر ج1 ص489

[3] شرح نہج البلاغہ، علامہ خوئی ج1 ص127

چودھواں سبق

مارقین۔حکمیت کا نتیجہ ورد عمل

منصفین کا اجتماع

معاویہ نے جب یہ دیکھا کہ حکمیت کے معاملے میں عراقی فوج کی کثیر تعداد امیرالمومنین حضرت علی علیہ السلام برگشتہ ہوگئی ہے تو اس نے یہ کوشش شروع کردی کہ جس قدر جلد ہوسکے حکمیت کا نتیجہ اس کی مرضی کے مطابق برآمد ہوجائے۔اس مقصد کے تحت اس نے حضرت علی علیہ السلام کے خلاف سرکشی وشورش کا محاذ قائم کردیا تاکہ وہ اپنے سیاسی موقف کو قائم کرسکے۔

چنانچہ اس ارادے کے تحت اس نے جونمائندے حضرت علی علیہ السلام کی خدمت میں بھیجے انھیں ہدایت کردی کہ جس قدر جلد ممکن ہوسکے منصفین اپنا کام شروع کردیں۔

بلاآخرہ 38ھ چار سو افراد کے ہمراہ دونمائندہ وفد۔۔دومۃ الجندل [1] ۔۔نامی مقام پر جمع ہوئے۔امیرالمومنین حضرت علی علیہ السلام کی جانب سے جو وفد بھیجا گیا تھا اس کی سرپرستی کے فرائض ابن عباس انجام دے رہے تھے۔[2]

جس وقت یہ وفد روانہ ہونے لگا تو امیرالمومنین حضرت علی علیہ السلام کے بعض اصحاب نے ابوموسی کو کچھ ضروری ہدایات بھی کیں [3] جن کا ان پر ذرا بھی اثر نہ ہوا۔جس وقت اُسے مشورے دیئے جارہے تھے تو وہ مسلسل اپنے داماد عبداللہ ابن عمر کی جانب دیکھ رہا تھا اور یہ کہہ رہا تھا کہ: خدا کی قسم اگر میرا بس چل سکا تو عمر کی راہ ورسم کو از سر نو زندہ کروں گا۔[4]

عمروعاص کی جیسے ہی ابوموسی سے ملاقات ہوئی تو وہ اس کے ساتھ نہایت عزت واحترام کی ساتھ پیش آیا اور اس بات کی کوشش کرنے لگا کہ اسے اپنا ہم خیال بنالے ابتدائی مراحل انجام دینے کے بعد وہ دونوں مشاورت کے لئے بیٹھ گئے اور باقی افراد دو جانب کھڑے اس گفتگو کا انتظار کرنے لگے۔

شام کا وفد خاص نظم وضبط کے ساتھ آیا تھا ملاقاتوں اور گفتگو میں احتیاط کا عنصر غالب تھا اسی اثناء میں معاویہ نے عمروعاص کو خط لکھا جس کے مضمون کی اطلاع اس کے علاوہ کسی کو نہ ہوئی اس کے برعکس عراقی وفد کے اراکین احتیاط سے دور شوروغوغا پاکئے ہوئے تھے امیرالمومنین حضرت علی علیہ السلام نے بھی ابن عباس کو خط لکھا ابھی قاصد اونٹ سے اترا بھی نہیں تھا کہ لوگ اس کے گرد جمع ہوگئے۔اور پوچھنے لگے کہ خط میں کیا لکھا گیا ہے یہی کام انہوں نے ابن عباس کے پاس پہنچ کر کیا لیکن جب انہوں نے خط کے مضمون کو ان سے پوشیدہ رکھنا چاہا تو لوگ ان کے بارے میں بدگمانی کرنے لگے اور ان کے بارے میں چرچے ہونے لگے یہاں تک کہ ابن عباس کو ان کی حماقت وضد پر غصہ

---

[1] اس کا شمار مدینہ کے قریات میں ہوتا ہے

[2] ملاحظہ ہو وقعہ صفین 533،مروج الذہب ج2 ص 390

[3] ملاحظہ ہو وقعہ صفین 536

[4] وقعہ صفین 534،واللہ ان لو استطعت لاحین سنۃ عمر

آ گیا انہوں نے سرزنش کرتے ہوئے درشت لہجے میں کہا کہ: افسوس تمہاری حالت پر تمہیں کب عقل آئے گی دیکھتے نہیں ہو کہ معاویہ کا قاصد آتا ہے اور کسی کو یہ تک معلوم نہیں ہوتا کہ کیا پیغام لے کر آیا ہے وہ اپنی بات کو ہوا تک لگنے نہیں دیتے اور ایک تم ہو کہ میرے بارے میں ہر وقت بدگمانی کرتے رہتے ہو۔[1]

حکمیت کا نتیجہ اور اس کا ردعمل

منصفین کے درمیان بحث وگفتگو تقریباً دو ماہ تک جاری رہی مذاکرات کے دوران ابوموسی کی یہ کوشش رہی کہ عمرو عاص امور خلافت کو عبداللہ ابن عمر کی تحویل میں دے دے دوسری طرف عمرو عاص معاویہ کی تعریف کے پل باندھے چلا رہا تھا اور اسے عثمان کا ولی و جانشین کہتے اس کی زبان نہیں تھکتی تھی۔ وہ یہ کوشش کر رہا تھا کہ کس طرح ابوموسی کو قائل کرلے اور یہ کہنے پر مجبور کرے کہ خلافت اسی کا حصہ ہے۔

بلاآخر نتیجہ یہ برآمد ہوا کہ فریقین نے اس بات پر اتفاق کیا کہ ۔۔حضرت علی علیہ السلام اور معاویہ دونوں ہی خلافت سے دست بردار ہوجائیں اور امور خلافت کو مشاورت کی صوابدید پر چھوڑ دیں اس موافقت کے بعد اعلان کیا گیا کہ لوگ حکمیت کا نتیجہ سننے کے لئے جمع ہوجائیں۔ جب لوگ جمع ہو گئے تو ابوموسی نے عمرو عاص کی جانب رخ کیا اور کہا کہ منبر پر چڑھ کر اپنی رائے کا اعلان کرو عمرو عاص تو اول دن سے ہی اس بات کا متمنی تھا اور اسی لئے وہ ابوموسی کی تعریف وخوشامد کرتا رہتا تھا مگر اس نے استعجاب کرتے ہوئے کہا کہ: سبحان اللہ حاشا وکلا کہ یہ جسارت کروں اور آپ کی موجودگی میں منبر پر قدم رکھوں، خداوند تعالیٰ نے ایمان وہجرت میں آپ کو مجھ پر فوقیت عطا کی ہے آپ اہل یمن کی طرف سے نمائندہ بن کر رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو چکے ہیں اور پھر رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جانب سے آپ ہی نمائندہ بنا کر یمن کے لوگوں کے پاس بھیجے گئے تھے...اس کے علاوہ سن وسال میں آپ مجھ سے بڑے ہیں اس بنا پر آپ ہی گفتگو شروع کریں[2]

ابوموسی گفتگو شروع ہی کرنا چاہتا تھا کہ ابن عباس نے کہا کہ عمرو عاص تمہیں دام فریب میں لانے کی فکر میں ہے گفتگو کا آغاز اسے ہی کرنے دو کیونکہ وہ بہت عیار اور نیرنگ ساز آدمی ہے مجھے یقین نہیں کہ جس چیز پر اس نے اپنی رضایت ظاہر کی ہے اس پر وہ عمل بھی کرے۔

لیکن ابوموسی نے ابن عباس کی نصیحت پر عمل نہیں کیا اور اس نیک مشورے کے باوجود وہ منبر پر چڑھ گیا اور اعلان کیا کہ ہم نے اس امت کے امور پر غور کیا اور اس نتیجہ پر پہنچے کہ وحدت نظر سے بڑھ کر ایسی کوئی شئی نہیں جو اس درہم برہم حالت کی اصلاح کر سکے۔ چنانچہ میں نے اور میرے حریف ساتھی ۔۔عمرو۔۔ نے اس بات پر اتفاق کیا ہے کہ علی علیہ السلام اور معاویہ دونوں ہی خلافت سے دستبردار ہوجائیں اور اس معاملے کو مسلمانوں کی مجلس مشاورت کی تحویل میں دے دیا جائے تاکہ جس شخص کو یہ مجلس مشاورت پسند کرے اسے ہی منصب خلافت پر فائز کیا جائے۔

اس کے بعد اس نے پروقار لہجے میں کہا کہ میں نے علی علیہ السلام اور معاویہ کو خلافت سے برطرف کیا۔

---

[1] وقعہ صفین 534

[2] ملاحظہ ہوالامامہ والسیاسہ ج1 ص118، وقعہ صفین 544

اس کے بعد عمرو عاص منبر پر گیا اور اس نے بآواز بلند کہا کہ لوگو تم نے اس شخص کی باتیں سن لیں میں بھی علی علیہ السلام کو ان کے مقام سے برطرف کرتا ہوں لیکن اپنے دوست معاویہ کو اس منصب پر مقرر کرتا ہوں کیونکہ انہوں نے عثمان کے خون کا بدلہ لیا ہے اور اس منصب کے لئے وہ مناسب ترین شخص ہے یہ کہہ کر وہ منبر سے نیچے اتر آیا۔

مجلس میں ایک دم شور و ہیجان بپا ہو گیا لوگ طیش میں آ کر ابوموسی پر پل پڑے بعض نے عمرو عاص پر تازیانہ تک اٹھا لیا ابوموسی نے شکست کھائے ہوئے انسان کی طرح اپنے خیانت کار حریف کی اس حرکت پر اعتراض کیا تجھے یہ کیا سوجھی؟ خدا تجھے نیک توفیق نہ دے تو نے خیانت کی ہے اور گناہ کا مرتکب ہوا ہے تیری حالت کتے جیسی ہی ہے اسے چاہے مارا جائے یا چھوڑ دیا جائے وہ ہر حالت میں بھونکتا ہی رہتا ہے اس پر عمرو نے جواب میں کہا کہ تیری حالت اس گدھے کی سی ہے جس پر کتابیں لدی ہوئی ہیں۔[1]

حکمیت کا معاملہ اس تلخ انجام کے ساتھ اختتام پذیر ہوا ابوموسی جان کے خوف سے فرار کر کے مکہ چلا گیا عمرو عاص فاتح کی حیثیت سے شام کی جانب روانہ ہوا اور اس نے معاویہ کو خلیفہ کی حیثیت سے سلام کیا۔

حکمیت سے جو نتیجہ برآمد ہوا اس نے عراق کے لوگوں کی ذہنی کیفیت کو بری طرح متاثر و مجروح کیا کیونکہ ایک طرف تو خوارج کا غم و غصہ پہلے کی نسبت اب کہیں زیادہ بڑھ گیا تھا کہ جس کا سبب یہ تھا کہ انھیں امید تھی کہ امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام معاہدے کے منسوخ کرنے پر راضی ہو جائیں گے اور معاویہ کے خلاف اعلان جنگ کر دیا جائے گا دوسری طرف جب یہ افسوسناک خبر کوفہ و بصرہ کے لوگوں تک پہنچی کہ حضرت علی علیہ السلام خلافت سے برطرف کر دیئے گے وہیں تو مسلمانوں کے درمیان اختلافات بہت زیادہ تیر کے آور دان کی خلیج کافی وسیع ہوتی چلی گئی چنانچہ نوبت یہاں تک پہنچی کہ ایک دوسرے کو برملا سخت و ست کہنے لگے۔

امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام نے لوگوں کے درمیان رفع اختلاف، حزن و ملال کے آثار میں کمی اور مسئلہ حکمیت کے بارے میں رائے عامہ روشن کرنے کی خاطر اپنے فرزند حضرت حسن مجتبی علیہ السلام کو حکم دیا کہ وہ عوام کے سامنے جا کر تقریر کریں۔

حضرت امام حسن علیہ السلام منبر پر تشریف لے گئے اور فرمایا لوگو حکمین کے بارے میں تم بہت زیادہ گفتگو کر چکے ہو ان کا انتخاب اس لئے عمل میں آیا تھا کہ وہ قرآن کی بنیاد پر حکم کریں گے مگر ہوائے نفسانی کی پیروی کرنے کی وجہ سے انہوں نے فیصلہ قرآن کے برخلاف کیا ہے اس بنا پر انھیں حکم نہیں کہا جا سکتا بلکہ وہ محکوم کہلائے جانے کے مستحق ہیں۔

ابوموسی جو عبداللہ بن عمر کا نام تجویز کر چکا تھا تین اعتبار سے لغزش و خطا کا مرتکب ہوا۔

اس کی پہلی لغزش تو یہی تھی کہ اس نے اس کے خلاف عمل کیا جو عمر نے کہا تھا عمر چونکہ اسے خلافت کا اہل نہیں سمجھتے تھے اسی لئے انہوں نے اس کو مجلس مشاورت کا رکن بھی قرار نہیں دیا تھا۔

دوسری لغزش ان کی یہ تھی کہ انہوں نے یہ فیصلہ عبداللہ سے مشورہ کئے بغیر کیا اور انھیں یہ معلوم نہیں تھا کہ وہ اس پر رضامند ہوں گے یا نہیں۔

تیسری لغزش یہ تھی کہ عبداللہ اس حیثیت سے ایسا انسان نہیں تھا جس کے بارے میں مہاجرین و انصار کا اتفاق رائے ہوتا۔

اب رہی مسئلہ حکمیت کی اصل (تو کوئی نئی بات نہیں کیونکہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم غزوات کے دوران اس پر عمل کر چکے ہیں) رسول

---

[1] واقعہ صفین 546---545، الامامہ والسیاسہ ج1 ص118

خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے طائفہ --بنی قریظہ-- کے بارے میں سَعد بن معاذ کو حکم قرار دیا تھا اور چونکہ حکمیت رضائے خداوندی کے خلاف تھی اس لئے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس پر راضی نہ ہوئے۔

حضرت امام حسن علیہ السلام کے بعد امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کے فرمانے پر عبداللہ بن جعفر اپنی جگہ سے اٹھے اور عامہ کو مطلع کرنے کی غرض سے انہوں نے تقریر کی [1]

خوارج کے مقابل حضرت علی علیہ السلام کا موقف [2]

حکمیت کے معاملے میں شکست سے دوچار ہوکر امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام معاویہ سے جنگ کرنے کی غرض سے اپنے آپ کو آمادہ کرنا شروع کیا تاکہ مقررمدت ختم ہوجانے کے بعد صفین کی جانب واپس چلے جائیں لیکن خوارج نے حضرت علی علیہ السلام کی اطاعت کرنے کی بجائے شورش وسرکشی سے کام لیا اور پہلے کی طرح اس مرتبہ بھی نعرہ لاحکم الا اللہ کی بنیاد پر امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام اور معاویہ کو وہ کافر کہنے لگے۔

انھیں جب بھی موقع ملتا وہ شہر کوفہ میں داخل ہوجاتے اور جس وقت حضرت علی علیہ السلام مسجد میں تشریف فرما ہوتے تو وہ اپنا وہی پرانا نعرہ لگانے لگتے اس کے ساتھ ہی انہوں نے اس شہر میں اپنے افکار ونظریات کا پرچار بھی شروع کردیا۔

امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام نے خاموش و پرسکون رہ کر اور کوئی ردعمل ظاہر کئے بغیر اپنی تحریک کو جاری رکھا وہ ان کے ساتھ انتہائی نرمی اور تواضع کے ساتھ پیش آئے اگرچہ حضرت علی علیہ السلام چاہتے تو ان لوگوں سے کسی بھی قسم کا سلوک روا رکھ سکتے تھے مگر آپؑ نے ان کی تمام افتراپردازیوں اور سیاسی سرگرمیوں کے باوجود اپنے محبت آمیز رویے میں ذرہ برابر بھی تبدیلی نہ آنے دی آپؑ ان سے اکثر فرماتے کہ --تمہارے تین مسلم حقوق ہمارے پاس محفوظ ہیں:

1 شہر کی جامع مسجد میں نماز پڑھنے اور اجتماعات میں شرکت کرنے سے تمہیں ہرگز منع نہیں کیا جائے گا۔

2 جب تک تم لوگ ہمارے ساتھ ہو بیت المال سے تمہیں تنخواہیں ملتی رہیں گی۔

3 جب تک تم ہم پر تلوار اٹھاؤ گے ہم تمہارے ساتھ ہرگز جنگ کے لئے اقدام نہ کریں گے [3]

خوارج اگرچہ نماز میں حضرت علی علیہ السلام کی پیروی نہیں کرتے تھے مگر اجتماع نماز کے وقت ضرور پہنچ جاتے وہ لوگ اس جگہ نعرے لگا کر اور دوسرے طریقوں سے آپؑ کو پریشان کرکے آزار پہنچانے کی کوشش کرتے رہتے ایک دن جس وقت حضرت علی علیہ السلام نماز میں قیام کی حالت میں تھے خوارج میں سے ایک شخص نے جس کا نام --کوا-- تھا آواز بلند یہ آیت پڑھی:

--ولقد اوحی الیك والی الذین من قبلك لئن اشرکت لیحبطن عملك ولتکونن من الخاسرین-- [4]

---

[1] الامامہ والسیاسہ ج1 ص119

[2] خوارج جمع ہے خارجہ کی اصطلاحا اس کا اطلاق اس فرقے پر ہوتا ہے جنھوں نے حضرت علی علیہ السلام کے خلاف شورش وسرکشی کی اور نہروان نامی مقام پر آپ سے بر سرپیکار ہوئے ابن ملجم کا شمار بھی خوارج ہی میں ہوتا ہے حضرت علی علیہ السلام اسی شخص کے ہاتھوں شہید ہوئے (کتاب ملل ونحل تالیف شہرستانی ج1 ص144)

[3] ان لکم عندنا ثلاثا لا نمنعکم صلواۃ فی ھذا المسجد ولا نمنعکم نصیبکم من ھذا الفی ما کانت ایدیکم مع ایدینا ولا نقتلکم حتی تقاتلونا (تاریخ طبری ج5 ص74 کامل ج3 ص335، الجموعہ الکاملہ ج5 ص171)

[4] سورہ زمر آیت 65

(اس آیت میں خطاب پیغمبرﷺ سے کیا گیا ہے کہ: اے نبی ان سے کہو پھر کیا اے جاہلو تم اللہ کے سوا کسی اور کی بندگی کرنے کے لئے مجھ سے کہتے ہو (یہ بات ہمیں ان سے صاف کہہ دینی چاہیئے کیونکہ) تمہاری طرف اور تم سے پہلے گزرے ہوئے تمام انبیاء کی طرف یہ وحی بھیجی جا چکی ہے۔اگر تم نے شرک کیا تو تمہارا عمل ضائع ہو جائے گا اور تم خسارے میں رہو گے)

--ابن کوا--یہ آیت پڑھ کر چاہتا تھا کہ امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کو اشارہ و کنایہ میں یہ بتا دے کہ آپ نے عہد گذشتہ میں جو اسلام کے لئے خدمات انجام دی ہیں ان سے ہر چند انکار نہیں کیا جا سکتا لیکن آپؑ نے کفر کے باعث اپنے تمام گذشتہ اعمال کو تلف و ضائع کر دیا ہے۔

حضرت علی علیہ السلام خاموش رہے اور جب یہ آیت پوری پڑھی جا چکی تو آپ نے نماز شروع کی...--ابن کوا--نے دوسری مرتبہ یہ آیت پڑھی حضرت علی علیہ السلام اس مرتبہ بھی خاموش رہے چنانچہ جب وہ یہ آیت کئی بار پڑھ چکا اور چاہتا تھا کہ نماز میں خلل انداز ہو تو امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام نے یہ آیت تلاوت فرمائی

فَاصْبِرْ إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ وَلَا يَسْتَخِفَّنَّكَ الَّذِينَ لَا يُوقِنُونَ ﴿٦٠﴾ [1] (پس اے نبی صبر کرو یقینا اللہ کا وعدہ سچا ہے اور ہرگز ہلکا نہ پائیں تم کہ وہ لوگ جو یقین نہیں کرتے) اور آپ نے اس کی جانب توجہ و اعتنا کئے بغیر نماز جاری رکھی۔[2]

امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کا طرز عمل یہ تھا کہ آپ لوگوں کی نعرہ بازی اور نکتہ چینی کا جواب منطقی نیز واضح و روشن دلائل سے دیتے تا کہ وہ اپنی ذہنی لغزش کی جانب متوجہ ہو سکیں اور آپؑ کو پریشان کرنے سے باز رہیں اسی لئے آپؑ فرماتے کہ اگر خوارج خاموش رہتے ہیں تو ہم انھیں اپنی جماعت کا جز و رکن سمجھتے ہیں اگر وہ اعتراض کیلئے لب کشائی کرتے ہیں تو ہم ان کا مقابلہ منطق و دلیل سے کرتے ہیں اور وہ ہمارے ساتھ ضد پر اتر آئیں تو ہم ان سے نبرد آزمائی کرتے ہیں۔[3]

منشور

خوارج نے ایک خاص انداز فکر کی بنیاد پر امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کی حکومت کے خلاف شورش و سرکشی کی ان کے اس دائرہ عمل میں مندرجہ ذیل نکات شامل تھے۔

1 امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام معاویہ، اور عثمان، اصحاب جمل اور حکمیت سے متفق و ہم خیال اشخاص نیز ان افراد کو کافر تصور نہ کرنے والے لوگ اور مذکورہ بالا افراد سے وابستہ گروہ سب کے سب کافر ہیں۔

2 امر بالمعروف و نہی از منکر کی بنیاد پر ظالم و ستمگر خلیفہ وقت (امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کے خلاف بلا قید و شرط شورش کرنا ضروری ہے کیونکہ ان کی رائے میں اس کا اطلاق کسی شرط و پابندی کے بغیر ہر جگہ ضروری و لازمی امر تھا۔

3 مسئلہ خلافت کا حل مجلس مشاورت کے ذریعے کیا جانا چاہئے اور اس مقام کو حاصل کرنے کیلئے ان کی دانست میں واحد شرط یہ تھی کہ آدمی صاحب تقوی و ایمان ہو اور اگر خلیفہ انتخاب کے بعد اسلامی معاشرے کی مصلحتوں کے برخلاف کوئی اقدام کرے تو اسے اس

---

[1] سورہ روم آیت 60

[2] شرح ابن ابی الحدید ج 2 ص 311، تاریخ طبری ج 5 ص 73

[3] ان سکتوا عمعناھم ان تکلموا حججناھم و ان خرجوا علینا قاتلناھم (تاریخ طبری ج 275، کامل بن اثیر ج 3 ص 334)

عہدے سے معزول کر دیا جائے اور اگر وہ اپنے منصب سے دست بردار نہ ہو تو اس سے جنگ و نبرد کی جانی چاہیئے۔[1]

اس منشور کی بنیاد پر وہ ابو بکر اور عمر کی خلافت کو صحیح سمجھتے تھے کیونکہ ان کی رائے میں یہ حضرات صحیح انتخاب کے ذریعے عہدہ خلافت پر فائز ہوئے تھے اور وہ مسلمانوں کی خیر و صلاح کی راہ سے منحرف نہ ہوئے تھے عثمان اور امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کے انتخاب کو اگر چہ وہ ہر چند درست ہی سمجھتے تھے مگر اس کے ساتھ وہ یہ بھی کہتے تھے کہ عثمان نے اپنی خلافت کے چھٹے سال سے اپنے رویے کو بدلنا شروع کر دیا تھا اسی لئے وہ خلافت سے اگر چہ معزول کر دیئے گئے تھے مگر وہ چونکہ اپنے اس منصب پر فائز رہے اسی لئے وہ کافر اور واجب القتل تھے علی علیہ السلام نے بھی چونکہ حکمیت کو تسلیم کر لیا تھا اور اس اقدام پر پشیمان ہو کر انہوں علیہ السلام نے توبہ نہیں کی تھی اسی لئے وہ کافر اور واجب القتل ہیں (معاذ اللہ [2]

مجموعی نعرہ

خوارج کا انتہائی اہم اور پر جوش ترین نعرہ لاحکم الا اللہ تھا اگر چہ یہ نعرہ انہوں نے قرآن مجید سے ہی اخذ کیا تھا[3] مگر عدم واقفیت اور فکری جمود کے باعث اس کی وہ صحیح تفسیر نہ کر سکے۔

مذکورہ آیہ مبارکہ میں --حکم-- سے مراد قانون ہے مگر خوارج نے اپنی کج فہمی کی بنا پر اس کے معنی --رہبری-- سمجھ لئے جس میں حکمیت بھی شامل ہے وہ اس بات سے بے خبر رہے کہ خود قرآن نے ان کی کج فہمی کو رد کیا ہے جب قرآن نے بیوی و شوہر کے اختلاف اور حالت احرام میں [4] شکار کرنے تک مسائل کے بارے میں انسانوں کو حکمیت کا حق دیا ہے تو یہ کیسے ممکن تھا کہ مسلمانوں کے دو گروہ کے درمیان ایسے حساس معاملات اور عظیم اختلافات کے بارے میں انسانوں کو حق حکمیت نہ دیا جاتا جس سے بعض انسانی زندگیوں کی نجات بھی وابستہ ہو۔

امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام نے ان لوگوں کی اطلاع کے لئے جو خوارج کا پروپیگنڈا بالخصوص اس دلکش نعرے سے متاثر ہو گئے تھے موثر تقریر کی اس میں آپؑ نے فرمایا کہ اگر چہ یہ بات مبنی بر حقیقت ہے مگر اس سے جو مقصد و ارادہ اخذ کیا گیا ہے وہ محض باطل ہے اس میں شک نہیں کہ حکم خدا کیلئے ہی مخصوص ہے لیکن ان لوگوں نے حکم کی جو تفسیر کی ہے اس سے مراد فرمانروا ہے اور ان کا کہنا ہے کہ خدا کے علاوہ

---

[1] خوارج کے نعرہ --لاحکم الا اللہ-- سے جو مطلب اخذ کیا گیا تھا اسی مفہوم میں اس کا ذکر حضرت علی علیہ السلام کے خطبہ نہج البلاغہ 40 میں بھی ملتا ہے ابتداء میں ان کی رائے یہ تھی اجتماع کو امام وقت اور حکومت کی ضرورت نہیں اور لوگوں کو چاہیئے کہ خود براہ راست کلام اللہ پر عمل کریں مگر اس رائے کو ظاہر کرنے کے بعد انہوں نے حضرت عبد اللہ بن وہب راسبی سے رجوع کیا اور انہی کے ہاتھ پر بیعت کی (کامل ابن اثیر ج3 ص335)

[2] جاذبہ و دافعہ علی علیہ السلام منقول از ضحی الاسلام و ملل و نحل شہرستانی

[3] اِنِ الۡحُکۡمُ اِلَّا لِلّٰہِ ؕ یَقُصُّ الۡحَقَّ وَ ہُوَ خَیۡرُ الۡفٰصِلِیۡنَ (فیصلہ کا سارا اختیار اللہ کو ہے وہی امر حق بیان کرتا ہے اور وہی بہترین فیصلہ کرنے والا ہے (سورہ الانعام آیت 57)

[4] شوہر اور بیوی کے اختلاف کا ذکر سورہ نساء کی آیت 35 میں آچکا ہے اور ہم اس کا پہلے ذکر کر چکے ہیں لیکن احرام کی حالت میں اگر کوئی محرم دیدہ و دانستہ شکار کرے تو اسے چاہیئے کہ کفارہ ادا کرے اور بطور کفارہ وہ جو جانور ذبح کرے اس کی حکمیت دو عادل انسان کریں چنانچہ قرآن مجید فرماتا ہے وَمَنۡ قَتَلَہٗ مِنۡکُمۡ مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآءٌ مِّثۡلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ یَحۡکُمُ بِہٖ ذَوَا عَدۡلٍ مِّنۡکُمۡ (احرام کی حالت میں شکار نہ مارو اور اگر تم میں سے کوئی جان بوجھ کر ایسا گذرے تو جو جانور اس نے مارا ہے اسی کے ہم پلہ ایک اور جانور اسے مویشیوں میں سے نذر دینا ہوگا جس کا فیصلہ تم میں سے دو عادل آدمی کریں گے (سورہ مائدہ آیت 95)

کسی فرمانروا کا وجود نہیں درحالیکہ انسانوں کیلئے خواہ اچھے کام انجام دیتے ہوں یا برے فرمانروا کا وجود ناگزیر ہے [1]

بغاوت

خوارج ابتدا میں بہت امن پسند تھے اور صرف لوگوں پر تنقید و اعتراض ہی کیا کرتے تھے امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کے ساتھ ان کا رویہ وہ تھا جو اوپر بیان کیا جا چکا ہے مگر آہستہ آہستہ انہوں نے اپنی راہ و روش بدلی چنانچہ نوبت یہاں تک پہنچی کہ شورش و سرکشی پر اتر آئے ایک روز عبداللہ بن وہب راہبی نے انھیں اپنے گھر پر جمع ہونے کی دعوت دی اور ان کے سامنے نہایت ہی پر جوش و لولہ انگیز تقریر کے ذریعے انہوں نے اپنے ہم مسلک لوگوں کو شورش و سرکشی پر آمادہ کیا اس ضمن میں اس نے کہا کہ بھائیو اس جور و ستم کی نگری سے نکل کر اچھا تو یہی ہے کہ پہاڑوں میں جا کر آباد ہو رہیں تا کہ وہاں سے ہم ان گمراہ کن بدعتوں کا مقابلہ کر کے ان کا قطع قمع کر سکیں۔[2]

اس کے بعد --حرقرص بن زہیر-- نے تقریر کی ان دونوں کی تقاریر نے خوارج کے دل و دماغ پر بہت گہرا اثر کیا اور ان میں پہلے کی نسبت اب زیادہ جوش و خروش پیدا ہونے لگا اگلا جلسہ --ذفر بن حصین طائی-- کے گھر پر ہوا اس نے مفصل تقریر کے بعد کہا کہ میں اپنے نظریئے یں دوسروں کی نسبت زیادہ محکم و پایدار ہوں اگر ایک شخص اس سلسلے میں میرا ساتھ نہ دے تو میں اکیلا ہی شورش و سرکشی کروں گا -اے بھائیو تم اپنے چہروں اور پیشانیوں پر شمشیر کی ضربیں لگاؤ تا کہ خدائے رحمن کی اطاعت ہو سکے [3] اس کے بعد اس نے یہ تجویز پیش کی کہ بصرہ کے خوارج کو خط لکھا جائے تا کہ جس قدر جلد ممکن ہو سکے وہ --نہروان-- میں ان سے آن ملیں اہل بصرہ نے مثبت جواب دیا اور کوفہ کے گروہ کے ساتھ آ کر مل گئے [4]

خوارج نے اپنی تحریک کوفہ کے باہر راہزنی اور ناکہ بندی کے ذریعے شروع کی۔قتل و غارتگری کو انہوں نے اپنا شعار بنایا اور جو لوگ امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کے حامی و طرفدار تھے ان کے ساتھ وہ دہشت پسندانہ سلوک کرنے لگے۔

اس اثناء میں انھیں دو شخص نظر آئے ان میں سے ایک مسلمان تھا اور دوسرا عیسائی،عیسائی کو تو انہوں نے چھوڑ دیا مگر مسلمان کو اس جرم میں قتل کر دیا کہ وہ حضرت علی علیہ السلام کا طرفدار ہے۔[5]

عبداللہ بن خباب سر برآوردہ شخص اور امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کے کارپرداز تھے وہ اپنی زوجہ کے ساتھ جا رہے تھے کہ خوارج سامنے سے آ گئے ان کو دیکھتے ہی انہوں نے کہنا شروع کیا کہ:--اسی قرآن نے جو تیری گردن میں حمایل ہے تیرے قتل کا حکم صادر کیا ہے--قتل کرنے سے پہلے ان سے کہا گیا اپنے والد کے واسطہ سے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث نقل کرو انہوں نے کہا--میرے باپ کہتے تھے کہ میں نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے کہ میرے بعد کچھ عرصہ نہ گذرے گا کہ فتنہ و فساد کی لہریں ہر طرف پھیل جائیں گی اس وقت بعض لوگوں کے دل حقیقت کو سمجھنے سے قاصر رہیں گے اور وہ اسی طرح مردہ ہو جائیں گے جیسے انسانی جسم ایسے وقت میں بعض افراد

---

[1] كلمة حق يراد بها باطل نعم انه لا حكم الا الله ولكن هولاء يقولون لا امرة الا لله انه لا بد للناس من امير من بر او فاجر ...(نہج البلاغہ خ 40)

[2] کامل ابن اثیر ج 3/ 335

[3] يا اخواننا ضربوا اجباههم ووجوههم بالسيف حتى يطاع الرحمن عزوجل

[4] الامامہ والسیاسہ ج 1 ص 133،تاریخ طبری ج 5 ص 75،کامل ج 3 ص 336

[5] شرح نہج البلاغہ خوئی ج 4/ 127

رات کے وقت مومن ہوں گے لیکن دن کے وقت کافر اس وقت تم خدا کے نزدیک مقتول بن کر رہ لینا (حق کی پاسبانی کرنا اس کام میں چاہے تمہاری جان پر بن جائے) مگر قتل وخونریزی سے گریز کرنا[1]

عبداللہ نے حدیث بیان کر کے اس وقت مسلمانوں میں جو معاشرہ کارفرما تھا اس کی تصویر کشی کر دی تا کہ خوارج اس سے پند و نصیحت لے سکیں لیکن انہوں نے ان کے ہاتھ پیر اس بری طرح جکڑے کہ دیکھنے والے کے دل پر رقت طاری ہوتی تھی اور بہت زیادہ شکنجہ کشی اور آزار رسانی کے بعد انھیں نہر کے کنارے لے گئے جہاں انہوں نے انھیں بھیڑ کی مانند ذبح کیا ان کی حاملہ زوجہ کو قتل کرنے کے بعد ان کا شکم چاک کیا اور نارسیدہ بچے کو بھی انہوں نے ذبح کر ڈالا[2]

عبداللہ کا قتل جس بے رحمی سے کیا گیا تھا اس پر ایک عیسائی شخص معترض ہوا وہ باغبان تھا اس وضع و کیفیت کو دیکھ کر وہ کچھ کھجوریں لے گیا اور قاتلوں کو پیش کیں جنہیں بغیر قیمت ادا کئے انہوں نے قبول کرنے سے انکار کر دیا اس پر عیسائی نے کہا کہ عجیب بات ہے کہ تم عبداللہ جیسے بے گناہ شخص کو قتل کر سکتے ہو اور بغیر قیمت ادا کیے کھجوریں کھانے میں تمہیں عذر ہے۔[3]

معاویہ سے جنگ

حکمیت کی مدت اسی وقت ختم ہوئی جب کوفہ و بصرہ میں خوارج جمع ہو رہے تھے مذکورہ مدت کے ختم ہو جانے کے بعد امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام نے حرٗوراء میں معاویہ سے جنگ کرنے کا فیصلہ کیا چنانچہ شہر میں آمادہ رہنے کا اعلان کر دیا گیا اس کے بعد آپ نے لوگوں کو جہاد کی جانب رغبت دلانے کی خاطر تقریر کی اور فرمایا کہ:

اب تم جہاد کرنے دشمن کی جانب روانہ ہونے کیلئے تیار ہو جاؤ پیر کے دن --نخیلة-- نامی مقام پر عسکر گاہ میں تمہیں جمع ہونا ہے ہم نے منصفین کا انتخاب اسی لئے کیا تھا کہ وہ قرآن کی بنیاد پر حکم کریں گے مگر تم نے دیکھ لیا کہ انہوں نے کلام اللہ اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف اقدام کیا خدا کی قسم میں ان سے جنگ کروں گا اگر کسی نے بھی ساتھ نہ دیا تو میں تنہا ہی ان سے نبرد آزمائی کروں گا۔[4]

اس کے بعد آپؑ --نخیلہ-- کی جانب روانہ ہوئے اور بصرہ کے صوبہ دار کو خط لکھ کر اس سے مدد چاہی جب خوارج کو یہ علم ہوا کہ سپاہ اسلام نخیلہ میں جمع ہو رہی ہے تو انہوں نے حرٗوراء میں قیام کرنا تحفظ کے اعتبار سے خلاف مصلحت سمجھا اور اس جگہ کو ترک کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

اس سے قبل کہ وہ اپنی قیام گاہ کو خالی کر کے جائیں امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام نے اتمام حجت کے طور پر انھیں خط لکھا اور انھیں یہ دعوت دی کہ وہ دیگر سپاہ کے ساتھ آن ملیں تا کہ معاویہ کی جانب روانہ ہوا کر اس کے ساتھ جنگ کی جا سکے مگر انہوں نے اس خط کا جواب نفی میں دیا۔[5]

---

[1] ستکون بعدی فتنه یموت فیها قلب الرجل کما یموت بَدَنُهُ یمسی مومنا و یصبح کافر افکُن عندالله المقتول و لا تکن القاتل (شرح نہج البلاغہ خوئی ج4 ص128، تاریخ طبری ج5 / 81

[2] شرح نہج البلاغہ خوئی ج4 ص128، تاریخ طبری ج5 ص81، اعیان الشیعہ ج1 ص522 (دس جلدیں مطبوعہ بیروت) و کامل ابن اثیر ج3 ص341

[3] شرح نہج البلاغہ علامہ خوئی ج4 ص128، اعیان الشیعہ ج1 / 523

[4] الامامہ والسیاسہ ج1 ص123

[5] الامامہ والسیاسہ ج1 ص123

امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام جب خوارج کو راہ حق پر لانے میں مایوس ہو گئے تو آپ نے یہی فیصلہ کیا کہ انھیں انہی کے حال پر چھوڑ کر اصل مقاصد کی جانب روانہ ہوا جائے چنانچہ آپؑ نے نخیلہ میں بھی تقریر کا اہتمام کیا اور افواج کی معاویہ سے جنگ کرنے کے لئے حوصلہ افزائی کی اس ضمن میں آپؑ نے فرمایا: کہ میں نے بصرہ کے بھائیوں کو بھی خط لکھا ہے اور جیسے ہی وہ یہاں پہنچ جائیں گے ہم دشمن کی جانب روانہ ہوں گے۔[۱]

بصرہ کی فوج جو تین ہزار دو سو سے زیادہ سپاہیوں پر مشتمل تھی آن پہنچی سپاہ کی مجموعی تعداد تقریباً اڑسٹھ (68) ہزار ہوگئی[۲] اس سے پہلے کہ لشکر روانہ ہو بعض سپاہ نے دبی آواز میں کہنا شروع کیا کہ کیا ہی اچھا ہوتا کہ پہلے خوارج سے جنگ کر لی جاتی اور جب ان کا کام تمام ہو جاتا تو ہم صفین کی جانب رخ کرتے۔

لیکن امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام نے انھیں اس امر کی جانب متوجہ کیا کی معاویہ کے ساتھ جنگ کی کیا اہمیت ہے اور اسے کیوں مقدم سمجھنا چاہیئے اور انھیں سمجھایا کی فی الحال خوارج کے مسئلے کی طرف سے خاموشی اختیار کی جائے اور سر دست ان کا نام تک نہ لیا جائے۔

سپاہ نے جب امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کے یہ اقوال سنے تو اس نے کہا کہ فیصلہ کن اقدام کے لئے ہماری جانب سے آپ کو کل اختیار ہے اور کہا کہ ہم ایک متحد جماعت اور آپؑ کے خیر خواہ ہیں جس گروہ کی جانب لے جانے میں آپ خیرہ وصلاح سمجھیں ادھر ہی ہمیں لے چلیں[۳]

خوارج کے ساتھ جنگ کی ضرورت

خوارج کی سرگرمیوں کے بارے میں انتہائی اختصار کے ساتھ اوپر اشارہ کیا جا چکا ہے امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کو جب ان کے ان مجرمانہ افعال کے خبریں ملیں تو اس کے بعد آپؑ نے ان کی طرف سے چشم پوشی کرنا اور انھیں ان کے حال پر چھوڑ دینا مناسب نہ سمجھا کیونکہ یہاں مسئلہ اظہار خیال ورائے کا نہ تھا بلکہ معاشرے کے امن میں خلل انداز ہونا اور شرعی حکومت کے خلاف مسلح گروہ کی بغاوت تھی چنانچہ اس بنا پر آپؑ نے معاویہ سے جنگ کئے جانے کے فیصلے کو بدل دیا۔

--عبداللہ بن خباب-- کا قتل امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کیلئے اس قدر گرانبار ہوا کہ آپ نے ان خوارج کے سامنے جنہوں نے یہ اعتراف کیا کہ ہم ان کے قاتل ہیں فرمایا: اگر خطۂ ارض کے تمام لوگ یہ کہیں کہ ہم ان کے قتل میں شریک ہیں اور میں ان کے خون کا بدلہ لے سکوں تو سب کو قتل کر ڈالوں گا۔[۴]

امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام نے مزید اطلاعات حاصل کرنے کیلئے --حارث بن مُرّہ-- کو خوارج کے پاس روانہ کیا خوارج نے انھیں قتل کر دیا ان کے اس اقدام نے سپاہ کو پہلے سے کہیں زیادہ متاثر اور غضبناک کر دیا چنانچہ اس نے بآواز بلند کہا کہ یا امیر المومنین کیا آپ انھیں اسی لیئے بے مہار چھوڑ رہے ہیں کہ وہ ہمارے پیچھے ہماری عزت و ناموس اور مال و اموال کے ساتھ جو چاہیں کریں؟ پہلے آپؑ

---

[۱] تاریخ طبری ج5 ص78، کامل ابن اثیر ج3 ص239

[۲] کامل ج3 ص340

[۳] سر بنا یا امیر المومنین حیث احببت فنحن حزبُكَ و انصارك. الامامہ والسیاسۃ ج1 ص125، تاریخ طبری ج5 ص80، کامل ج3 ص341

[۴] واللہ لو اقر اهل الدنیا کلهم بقتله بکذا و انا اقدر علی قتلهم به لقتلتهم شرح نہج البلاغہ خوئی ج4 ص128 وابن ابی الحدید ج2 ص282

ہمیں ان کی طرف لے چلیئے ان سے فراغت پا لینے کے بعد ہم --شامی --دشمن کی جانب روانہ ہوں گے۔[۱]

امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام نے بھی ان کی بات مان لی چنانچہ سپاہ کو ان کا تعقب کرنے کیلیئے --پل[۲] --کے اس پار جانے کا حکم دیا یہاں سے یہ لشکر --دیرابوموسی --کی جانب روانہ ہوا اور دریائے فرات کے کنارے --نہروان[۳] --نامی جگہ پر پڑاو ڈالا۔

راہ میں حضرت علی علیہ السلام کو یہ اطلاع دی گئی کہ خوارج پل پار کر کے آگے آ چکے ہیں اس موقع پر امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام نے اپنے ساتھیوں کے عقیدہ کو مستحکم کرنے نیز اپنی معنوی عظمت کے بارے میں بتانے کی خاطر فرمایا: کہ ان کی قتل گاہ نہر کے اس طرف ہی ہے خدا کی قسم اس جنگ و پیکار میں اگر ان کے دس آدمیوں نے نجات حاصل نہ کی تو تم میں بھی دس افراد قتل نہیں ہوں گے۔[۴]

جس وقت سپاہ دریائے فرات کے کنارے پہنچی معلوم ہوا کہ خوارج نے دریا پار نہیں کیا ہے حضرت علی علیہ السلام نے نعرہ تکبیر بلند کیا اور فرمایا: --اللہ اکبر صدق رسول اللہ --[۵]

جنگ کا سدّ باب کرنے کی کوشش

دونوں لشکر دریائے نہروان کے کنارے ایک دوسرے کے مقابل آ چکے تھے امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام نے نبرد آزمائی سے قبل ہر ممکن کوشش کی کہ جنگ نہ ہو چنانچہ آپؑ نے مندرجہ ذیل شرائط رکھیں

1 خوارج سے کہا کہ وہ عبداللہ بن خباب کے قاتلوں نیز شہداء کو ہمارے حوالے کر دیں تا کہ ہم تم سے دستبردار ہو کر شام کی جانب روانہ ہو جائیں انہوں نے جواب دیا کہ ہم سب ہی قاتل ہیں اور مزید یہ کہا کہ تمہارا اور ان کا خون بہانا ہمارے لئے جائز و مباح ہے[۶]

2 آپؑ نے یہ تجویز رکھی کہ تم میں سے کون شخص اس کام کیلیئے آمادہ ہے کہ قرآن مجید اٹھائے اور اس جماعت کو کلام اللہ کی جانب آنے کی دعوت دے طائفہ بنی عامر کے ایک نوجوان نے اپنے آمادگی کا اعلان کیا انہوں نے قرآن پاک اپنے ہاتھ میں لیا اور خوارج کو اس کی جانب آنے کی دعوت دی خوارج نے ان پر بھی تیروں کی بارش کر دی اگر چہ ان کے چہرے پر سب سے زیادہ تیر لگے تھے مگر اس کے باوجود وہ امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کے نزدیک آ گئے اور چند لحہ بعد ہی شہید ہو گئے۔[۷]

3 قیس بن سعد اور ایوب انصاری جیسے اصحاب نے بھی اتمام حجت کے طور پر خوارج کے سامنے تقاریر کیں ان حضرات کے علاوہ امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام بذات خود تشریف لے گئے اور آخری مرتبہ انھیں مخاطب کرتے ہوئے فرمایا --میں تمہیں کل کے لئے آگاہ کیئے

---

[۱] الامامہ والسیاسہ ج1 ص127، تدع ھولاء القوم و ارثنا یخلفوننا فی عیالنا و اموالنا ؟سر بنا الیھم فاذا فرغنا نھضنا الی عدونا من اھل الشام

[۲] یہ پل دریائے طبرستان پر حلوان اور بغداد کے درمیان واقع تھا اور شاہراہ خراسان اسی پل سے گذرتی تھی (مروج الذہب ج2 ص405)

[۳] اس نام کے تین گاؤں ہیں جو طول میں ایک دوسرے کے بعد آباد تھے ان کی شناخت نہروان اعلی نہروان اوسط اور نہروان اسفل سے کی جاتی تھی یہ گاؤں واسطہ اور بغداد کے درمیان آباد تھے

[۴] مصارعھم دون النطفة واللہ لا یفلت منھم عشرۃ ولا یھلك منکم عشرۃ نھج البلاغہ خ 59

[۵] مروج الذہب ج2 ص405

[۶] انا کلنا قتلنا ھم کلنا مُستحل لدماء کُم و دمائھم الامامہ والسیاسہ ج 1 ص 127

[۷] شرح نہج البلاغہ خوئی ج4 ص129

دیتا ہوں کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ امت اسلامیہ تمہیں لعنت وملامت سے یاد کرے کیونکہ تمہارے جسم تو اسی نہر کے کنارے زمین پر گریں گے اور تم کوئی محکم دلیل یا سنت بطور سند اپنے بارے میں چھوڑ کر نہیں جاؤ گے--

اس کے بعد آپؑ نے حکمیت کے افسوناک واقع اس معاملے میں اپنے نیز خوارج کے کردار اور اپنے ہی قول سے ان کی روگردانی وخلاف ورزی کے بارے میں تقریر کی اس ضمن میں آپؑ نے مزید فرمایا: کہ اگر چہ حکمین نے کلام اللہ اور سنت رسول ﷺ سے منحرف و روگردان ہو کر اپنے نفسانی میلان کی بنیاد پر حکم جاری کیا مگر ہم اب بھی اپنی اس سابقہ روش پر قائم ہیں اس کے بعد تم کہو کہ کیا کہنا چاہتے ہو اور کہاں سے آ گئے ہو؟[1]

3 تقریر ختم کرنے کے بعد امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام نے پرچم امان ابوایوب انصاری کے حوالے کیا اور انھیں حکم دیا کہ اعلان کریں کہ جو شخص بھی اس پرچم کے نیچے آ جائے گا امن وامان میں رہے گا اس کے علاوہ جو کوئی شہر میں داخل ہوگا یا عراق کی جانب واپس چلا جائے گا وہ بھی امان میں رہے گا ہمیں تمہارا خون بہانے کے ضرورت نہیں[2]

امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام نے جیسے ہی پرچم امان لہرایا تو بہت سے لوگوں نے باآواز بلند کہنا شروع کیا التوبہ، التوبہ یا امیر المومنین چنانچہ اس کے بعد تقریبا آٹھ ہزار افراد مخالفت سے دستبردار ہو کر پرچم امان کے نیچے جمع ہو گئے۔[3]

سوالات

1 منصفین کس تاریخ کو اور کہاں جمع ہوئے ان میں سے ہر ایک کی ابتدائی رائے کس کے حق تھی اور انہوں نے کس مسئلے پر اتفاق رائے کیا؟

2 حکمیت کے نتیجے کا عراق کے لوگوں پر کیا ردعمل ہوا حضرت علی علیہ السلام نے حکمیت کے ناپسندیدہ اثرات دور کرنے اور عامہ پر حقائق کی وضاحت کیلئے کیا اقدامات کیئے؟

3 اس سے قبل خوارج کہ دہشت پسندانہ راہ وروش اختیار کریں حضرت علی علیہ السلام کا ان کے ساتھ کیسا سلوک ورویہ تھا؟ اس سلسلے میں حضرت علی علیہ السلام کے اقوال میں سے ایک قول بطور نمونہ پیش کیجئے۔

4 خوارج کے فکری دائرہ عمل کی تشکیل کن چیزوں پر منحصر تھی؟

5 حضرت علی علیہ السلام نے معاویہ سے جنگ کرنے کے بجائے اپنی توجہ کس بنا پر خوارج کی جانب کر دی؟

6 حضرت علی علیہ السلام نے خونریزی روکنے کیلئے کیا اقدامات کئے؟ اس کے دو نمونے پیش کیجئے

---

[1] فما نبو کم ومن این ایتتم ؟ الامامہ والسیاسہ ج1 ص127، تاریخ طبری ج5 ص84، کامل ج3 ص343

[2] الامامہ والسیاسہ ج1 ص128، کامل ج3 ص345، تاریخ طبری ج5 ص85

[3] شرح نہج البلاغہ خوئی ج4 ص135

پندرھواں سبق

مارقین۔ جنگ نہروان

دوسپاہ کے درمیان جنگ ونبرد

حضرت علی علیہ السلام نے اگرچہ صلح کی ہر ممکن کوشش کی مگر اس کے باوجود ان میں سے چار ہزار سے زیادہ خوارج باقی رہ ہی گئے۔ وہ عبداللہ بن وہب کے زیر فرمان اب بھی اپنے پرانے عقیدے پر پوری طرح قائم تھے اور الرواح الرواح الی الجنۃ (بڑھو جنت کی طرف) کے نعرے لگاتے ہوئے حضرت علی علیہ السلام کے لشکر پر حملہ آور ہو گئے [1]

حضرت علی علیہ السلام نے بھی اپنی سپاہ کی صفیں آراستہ کیں چنانچہ میمنہ پر حجر بن عدی اور میسرہ پر شبث بن ربعی کو متعین کیا۔ سوار فوج کی فرماندار ی ابوایوب انصاری اور پیادہ لشکر کی ابوقتادہ کے سپرد کی قیس بن سعد کو مدینہ کے لوگوں کا سردار مقرر کیا ان کی تعداد بھی تقریباً آٹھ سوار افراد پر مشتمل تھی قلب لشکر میں آپ بذات خود موجود ہے [2]

تیراندازی خوارج کی جانب سے شروع ہوئی چنانچہ جب ایک شخص کو خون آلود حالت میں آپؑ کے سامنے لایا گیا تو آپؑ نے فرمایا کہ حملہ کرو کیونکہ اب اس گروہ کا قتل کرنا ہمارے لئے جائز ہے۔ [3]

دونوں لشکر ایک دوسرے پر حملے آور ہوئے شروع میں اگرچہ لشکر اسلام کے سوار فوج، دشمن کے سنگین حملے کے باعث اپنے مقام سے پیچھے ہٹ گئے اور پوری صف لشکر سے الگ ہو گئے خوارج اس پر تیر کی تیزی سے حملے آور ہوئے وہ قلب لشکر پر حملہ کرنے کے ارادے سے آگے بڑھے ہی تھے کہ یکا یک جنگ کا نقشہ ہی بدل گیا تیراندازوں کے اس دستے کو جو پہلے سے ہی اس مقام کی پشت پر متعین تھا جہاں سوار فوج کی جگہ مقرر کی گئی تھی انہیں اپنے تیروں کا نشانہ بنایا اور اپنی طرف سے غافل و بے خبر پا کر ان پر حملہ کر دیا یہ حملہ ایسا اچانک اور سخت تھا کہ ان کے لئے نہ آگے بڑھنا ممکن تھا اور نہ پیچھے ہٹنے کے لئے کوئی چارہ تھا خوارج کا خیال تھا کہ سوراوں کے لشکر نے ان کی طرح سے پشت کر لی ہے لیکن اس نے دائیں اور بائیں بازو کے پرے ساتھ لے کر انھیں اپنے درمیان زنبور کی طرف نرغے میں لے لیا اور دم شمشیر و سرنیزے سے ان کی خوب خاطر و تواضع کی۔ قلب لشکر اسلام کے درمیان محاذ پر متعین دستے کو چونکہ ابھی تک کوئی نقصان نہیں پہنچا تھا وہ بھی ان کی سرکوبی کرنے کی غرض سے حملہ آور ہوا سپاہ دشمن کے فرماندار عبداللہ بن وہب کے علاوہ ذوالثدیہ، اخنس طائی، مالک بن وضّاح وغیرہ جیسے دیگر فرماندار لشکر، حضرت علی علیہ السلام کی شمشیر کے باعث ہلاک ہوئے [4]

خوارج چونکہ سخت نرغے میں آ گئے تھے اسی لئے وہ اس میں بری طرح پھنس گئے اور دو گھنٹے بھی نہیں گذرنے پائے تھے کہ وہ

---

[1] الامامۃ والسیاسۃ ج 1 ص 128، کامل بن اثیر ج 3 ص 346، تاریخ طبری ج 5 ص 86

[2] الامامۃ والسیاسۃ ج 1 ص 128۔

[3] الان حل قتالھم احملوا علی القوم مروج الذھب ج 2 ص 405۔

[4] شرح نہج البلاغۃ علامہ خوئی ج 4 ص 136، منقول از کشف الغمۃ

زمین پر اس طرح گرنے لگے جیسے خزاں کے دونوں میں درختوں سے پتے گرتے ہیں گویا یہ بھی کوئی کن فیکون کی طرح تکوینی حکم تھا جس کے تحت ان سے کہا گیا کہ مرجاؤ اور وہ مر گئے چار ہزار افراد میں سے صرف نو شخص یعنی شہدائے اسلام کی تعداد کے برابر اپنی جان بچا کر بھاگ گئے اور اس طرح امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کی پیشین گوئی صحیح ثابت ہوئی۔

جنگ کے بعد

جنگ ختم ہوجانے کے بعد امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام نے حکم دیا کہ--ذوالثدیہ--کی تلاش وجستجو کریں (رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جنگ نہروان میں مقتولین کی جو خصوصیات بتائیں تھیں وہ اس شخص میں موجود تھیں حضرت علی علیہ السلام نے اس کی جستجو اس لئے کرائی تھی کہ حق کی روشن دلیل اور تائید امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام واضح ہوجائے)

سپاہی اس کی لاش تلاش کرنے کے لئے نکلے مگر ناکام واپس آگئے اس کے بعد امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام خود اس کی لاش نکالنے کے لئے تشریف لے گئے کچھ دیر بعد اس کی لاش دیگر مقتولین کی لاشوں کے نیچے سے نکل آئی اسے دیکھ کر آپ مسرور ہوئے اور فرمایا اللہ اکبر میں نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کوئی بات کبھی غلط نہ پائی رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا کہ اس کا ایک ہاتھ چھوٹا ہوگا جس میں ہڈی نہ ہوگی اس کے ایک طرف پستان جیسا گوشت کا گولہ ابھرا ہوا ہوگا جس پر پانچ یا سات بال اگے ہوئے ہوں گے جس وقت امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام نے یہ تمام خصوصیات دیکھیں تو آپ فوراً سجدے میں تشریف لے گئے اور خدا کا شکر بجالائے۔[۱]

اس کے بعد آپؑ گھوڑے پر سوار ہوئے اور مقولین کی لاشوں کے پاس سے گذرے اور فرمایا افسوس تمہارے اور اس کے حال پر جس نے تمہیں مغرور کیا اور اس حال کو پہنچا دیا۔ دریافت کیا گیا کہ کس شخص نے انھیں مغرور کیا؟ آپؑ نے فرمایا شیطان اور نفس امارہ انھیں غرور کی جانب لے گیا آرزوں نے انھیں فریب دیئے نافرمانیاں انھیں حسین وجمیل نظر آئیں اور فتح ونصرت کے وعدے نے انھیں اپنا فریفتہ کرلیا۔[۲]

حضرت علی علیہ السلام نے وہ ہتھیار اور چوپائے جو میدان جنگ میں بطور مال غنیمت ہاتھ آئے تھے سپاہ کے درمیان تقسیم کردیئے خوارج کے باقی سامان، ان کے کنیز وغلام وغیرہ کوکوفہ واپس آنے کے بعد ان کے وارثوں کے حوالے کردیا۔[۳]

اصل دشمن کی جانب توجہ

امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام نے خوارج کی سرکوبی کے بعد جدوجہد کے اصل محاذ اور اسلام کے دفاع کی جانب رخ کیا اس جدوجہد کی خصوصیت واہمیت بتانے، معاویہ کے خلاف جہاد مقدس کی لشکر اسلام کو ترغیب دلانے اور عوام کو معاویہ کی حکومت کے عواقب وانجام سے باخبر کرنے کی غرض سے آپؑ نے تقریر کی اور فرمایا کہ اے لوگو جب فتنہ وفساد کی لہریں ہر طرف پھیل چکی تھیں اور اس کا بحران اپنے انتہائی درجہ کو پہنچ چکا تھا اس وقت کسی میں اتنی جرات وہمت نہ تھی کہ میدان کارزار میں داخل ہو اس وقت میں ہی ایسا شخص تھا جس نے اس فتنے کو خاموش کردیا... یادرکھو فتنوں میں سب سے زیادہ بھیانک خطرہ بنی امیہ کے فتنے کا ہے یہ فتنہ سیاہی اور اندھیرے کا فتنہ ہے اور جب

---

[۱] مروج الذہب ج2 ص406
[۲] نہج البلاغہ کلمات قصار 323
[۳] مروج الذہب ج2 ص407 والامامۃ والسیاسۃ ج1/ 128

اس کا سایہ پھیل جائے گا تو اس کی بلا خاص طور پر نیک لوگوں پر نازل ہوگی...ان کے اذیت ناک مظالم تم پر سالہا سال تک جاری رہیں گے ان پر تمہارا فاتح ہونا اتنا ہی اہم ہے جتنا غلاموں کا اپنے مالک پر غالب آنا یا پیروکاروں کا اپنے پیشوا پر غلبہ حاصل کر لینا...اس وقت قریش یہ چاہیں گے ان کے پاس جو کچھ اس دنیا میں ہے اسے خرچ کر کے بس ایک بار اسے دیکھ لیں اگر چہ وقت چند ہے لحات پر منحصر ہے بس اتنا ہے جتنا ایک اونٹ کو نحر کرنے میں صرف ہوتا ہے آج وہ چیز جس کا صرف ایک حصہ میں ان سے مانگ رہا ہوں اور وہ نہ دینے پر بضد ہیں کل اسے مجھے دینے کے لئے اصرار کریں گے اور یہ چاہیں گے کہ میں اسے قبول کر لوں۔

غالیوں کا وجود[1]

امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام نے اپنی حقانیت ثابت کرنے، خواب غفلت میں سوئے ہوئے لوگوں بالخصوص خوارج کو جگانے اور چند دیگر مصلحتوں کی بنا پر بہت سے غیبی مسائل کی پشین گوئی کرنا شروع کر دی لیکن کچھ کم ظرف لوگوں نے آپ کے بارے میں مبالغے سے کام لیا وہ خوارج کے عین مقابل آ گئے اور چونکہ امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کی غیر معمولی عقل و نظر اور دانش و بینش سے وہ حیرت زدہ و مرغوب تھے اسی لئے وہ آپؑ کو حد انسانیت اور مخلوقیت سے بالاتر سمجھنے لگے اور آپؑ کی الوہیت کے قائل ہو گئے۔

امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کے نظریے کے مطابق دونوں ہی گروہ ہلاک و بدبختی سے دوچار ہوئے چنانچہ اس سلسلے میں آپؑ خود فرماتے ہیں کہ میرے معاملے میں دو شخص ہلاک ہوئے ایک وہ جس نے مبالغہ کیا اور دوسرا میرا بدخواہ دشمن[2]

ایک روز امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام تقریر فرما رہے تھے سامعین میں سے ایک شخص جو آپؑ کا والہ و شیدائی تھا اپنی جگہ سے اٹھا اور کہنے لگا انت، انت آپؑ نے فرمایا افسوس تیرے حال پر میں کیا ہوں؟ اس نے کہا انت اللہ یہ سن کر امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام نے حکم دیا کہ اس کے ہم عقیدہ ساتھیوں کو گرفتار کر لیا جائے[3]

غلات جو غیب کی باتیں امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام سے سنتے تھے انھیں لوگوں میں مشہور کر دیتے اور کہتے کہ ایسے کاموں کا کرنا خدا کے علاوہ کسی کے بس کی بات نہیں اسی بنا پر علی علیہ السلام یا تو خدا ہیں یا کوئی ایسی شخصیت ہے جس کے وجود میں ذات خداوندی حلول کر گئی ہے[4]

جنگ نہروان کے نتائج وعواقب

جنگ نہروان کا خاتمہ اگر چہ خوارج کی سرکوبی پر ہوا لیکن اس کے جو نتائج برآمد ہوئے وہ نہایت مضر اور اندوہناک ثابت ہوئے جن میں سے بعض کا ذکر ذیل میں کیا جاتا ہے۔

1 اس جنگ میں مقتولین کی تعداد چونکہ بہت زیادہ تھی اس لئے سپاہ عراق کے دلوں پر بہت زیادہ خوف و ہراس غالب آ گیا اور باہمی اختلاف کی بنا پر وہ دو گروہ میں تقسیم ہو گئے اس کے علاوہ وہ لوگ جن کے عزیز و اقربا اس جنگ میں مارے گئے تھے وہ امیر المومنین

---

[1] نہج البلاغہ خطبہ 93

[2] غلات اور غالیہ علی علیہ السلام کے عقیدت مندوں کا وہ گروہ تھا جس نے آپؑ کے بارے میں اس قدر مبالغے سے کام لیا کہ دائرہ مخلوق سے نکال کر الوہیت کے سراپردے تک لے آیا ملل و نحل شہرستانی ج 1 ص 237

[3] هلك فيّ رجلان محب غال و مبغض قال. نهج البلاغه كلمات قصار 117

[4] شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج 5 ص 5۔

حضرت علی علیہ السلام سے سخت بدگمان ہو گئے۔

2 لشکر اسلام میں سرکشی اور نافرمانی کا جذبہ بہت زیادہ بڑھ گیا چنانچہ نوبت یہاں تک پہنچی کہ سپاہ یہ بہانہ بنا کر کہ جنگ کی کوفت دور کر رہے ہیں حضرت علی علیہ السلام کے فرمان بجالانے میں سستی اور کاہلی سے کام لینے لگے بالخصوص اس وقت جب کہ وہ جنگ سے واپس آ کر اپنے خاندان کی گرم آغوش میں پہنچے اور اہل خاندان کے چہروں پر غم واندوہ کے آثار دیکھے یہ عامل نیز اس کے ساتھ ہی دیگر عوامل اس امر کا باعث ہوئے کہ انہوں نے ہمیشہ کیلئے جنگ کا ارادہ ترک کر دیا اور معاویہ کے ساتھ آشتی کرنے کو ان کے ساتھ جنگ کرنے پر ترجیح دینے لگے۔

مورخین نے لکھا ہے کہ جب جنگ نہروان ختم ہوگئی تو امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام اپنی سپاہ کے سامنے کھڑے ہوئے اور فرمایا: کہ خداوند تعالیٰ نے تمہیں آزمایا اور تم اس کے امتحان میں پورے اترے اسی لئے اس نے تمہاری مدد کی اب تم جلدی سے معاویہ اور اس کے ظالم وستمگر ساتھیوں سے جنگ کرنے کے لئے روانہ ہوجاؤ انہوں نے کلام اللہ کو پس پشت ڈال دیا ہے اور نہایت معمولی قیمت پر دشمن سے سازباز کرلی ہے یہ سن کر ساتھیوں نے کہا کہ امیر المومنین علیہ السلام ہماری طاقت اب جواب دے چکی ہے ہمارے زرہ بکتر پارہ پارہ ہو چکے ہیں تلواریں ٹوٹ چکی ہیں اور نیزوں کی نوکوں میں خم آ گئے ہیں ہمیں وطن جانے کی اجازت دیجئے تاکہ وہاں ہم اپنا اسلحہ تیار کرسکیں وہاں رہ کر کچھ وقت خوشی وخرمی میں بسر کریں اور اپنے ساتھیوں کی تعداد میں اضافہ کریں ایسی صورت میں ہم دشمن کا بہتر طور پر مقابلہ کرسکیں گے [1]

امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام جانتے تھے کہ واپس جانے کا کیا انجام ہوگا لیکن جب آپؑ نے اکثریت کو اس نفاق انگیز نظریے کی جانب مائل دیکھا تو مجبوراً ان کے سات اتفاق کیا اور نخیلہ کی جانب واپس آ گئے یہاں آپؑ نے (سپاہ کو تاکید کردی کہ وہ اپنی لشکر گاہ (چھاؤنی) کو چھوڑ کر نہ جائیں اہل وعیال کی جانب کم توجہ دیں اللہ کے جہاد کیلئے تیاری کرتے رہیں سپاہ میں سے چند ہی لوگ ایسے تھے جنہوں نے حضرت علی علیہ السلام کی ہدایات پر عمل کیا چنانچہ چند روز تک یہاں قیام کرنے کے بعد آہستہ آہستہ اپنے اپنے گھروں کی جانب واپس جانے لگے جہاں انہوں نے آرام کی زندگی بسر کرنا شروع کر دی۔[2]

جہاد کی دعوت

جب حضرت علی علیہ السلام کوفہ واپس تشریف لے آئے تو آپؑ کوشش کرنے لگے کہ ہر ممکن طریقے سے لوگوں کو معاویہ سے جہاد کرنے کی ترغیب دلائیں ایک موقعے پر تقریر کرتے ہوئے آپؑ نے فرمایا کہ اے لوگو اس دشمن کی جانب روانہ ہونے کیلئے تیار ہو جاؤ جس کے ساتھ جنگ کرنا خداوند تعالیٰ کی قربت کا سبب ہے وہ لوگ جو امرحق سے روگرداں ہو چکے ہیں کلام اللہ سے دور ہیں اور دین کے کاموں میں پیچھے رہ گئے ہیں درحقیقت اندھیرے اور گمراہی میں ڈوبے ہوئے ہیں ان کے خلاف تم جتنے سپاہی اور گھوڑے فراہم کرسکتے ہو مہیا کرلو اور خداوند تعالیٰ پر بھروسہ کرو۔

امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کی تقریر کا لوگوں پر ذرا بھی اثر نہ ہوا اور جنگ پر جانے کے لئے انہوں نے کوئی آمادگی ظاہر نہیں کی حضرت علی علیہ السلام نے انھیں چند دنوں کے لئے ان کے حال پر چھوڑ دیا اس عرصے میں آپؑ نے سرداران قوم کو دعوت دی اور ان کا نظریہ جاننا

---

[1] شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج5 ص7

[2] الامامۃ والسیاسۃ ج1281، تاریخ طبری ج895، کامل ابن اثیر ج3 ص349، طبری لکھتے ہے کہ حضرت علی علیہ السلام سے یہ گفتگو اشعث نے کی تھی۔ لیکن علامہ مفید (مرحوم) نے اپنی کتاب امالی میں دوسرے قول کو قابل قبول قرار دیا ہے ملاحظہ ہو الغارات ج1 ص257 حاشیہ

چاہا بعض نے عذر و بہانہ بنایا[1] کچھ نے رضایت کا اظہار کیا مگر چند لوگ ایسے بھی تھے جنہوں نے اس دعوت کو قبول کیا۔

امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام دوبارہ عوام کے اجتماع میں کھڑے ہوئے اور فرمایا کہ اے اللہ کے بندو میں جب بھی حکم دیتا ہوں آخرتم کیوں زمین سے چپک کر بیٹھ جاتے ہو کیا آخرت کی زندگی کے مقابلے اس چند روزہ دنیا کی خوشیوں پر فریفتہ ہو گئے ہو؟ عزت کی بجائے تم نے ذلت و خواری کو اختیار کر لیا ہے آخر کیا وجہ ہے کہ میں تمہیں جب بھی جہاد کی دعوت دیتا ہوں تم آنکھیں پھیرنے لگتے ہو؟ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تم موت کے کنارے آپہنچے ہو یا تمہارے دل سراسیمہ و پریشان ہیں جو سمجھ نہیں سکتے آنکھیں بند ہیں جو دیکھ نہیں سکتیں شاباش تم پر اور تمہاری دلیری پر فرصت کے لمحات میں تم گویا جنگل کے شیر ہو اور جب تمہیں جنگ کیلئے دعوت دی جائے تو لومڑیوں کی طرح فرار کرنے لگتے ہو اب مجھے تم پر اعتماد نہیں رہا[2]

حضرت مالک کا صوبہ دار مصر کی حیثیت سے تقرر

مالک اشتر ایک با اثر ورسوخ سردار اور امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کے محکم و طاقتور فرمانداز نیز آپؑ کے سچے حامی و طرفدار تھے عثمان کے قتل کے بعد وہ پہلے شخص تھے جنہوں نے امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کے دست مبارک پر بیعت کی-- بیعت کرتے وقت بہت ہی پریشانی کے عالم میں کہا تھا کہ-- کیا ان تین افراد کے بعد بھی آپؑ زمام حکومت سنبھالنے کیلئے تیار نہیں[3]

اس کے اگلے دن مسجد میں لوگوں کے درمیان جو حضرت علی علیہ السلام کے دست مبارک پر بیعت کرنے آئے تھے انہوں نے کہا تھا کہ یہ پیغمبروں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصی اور علم انبیاء کے وارث اور وہ بزرگ ہستی ہیں جو سخت آزمائشوں سے گذرے ہیں کلام اللہ اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ کے رضوان بہشت ہونے کی شہادت دی ہے آپ وہ شخص ہیں جو فضائل کے اعتبار سے کمال کی منزلت پر پہنچ چکے ہیں آپ کی نیک طینتی اور دانشمندی کے بارے میں ان لوگوں کو بھی شک نہ تھا جو اس دنیا سے گذر چکے ہیں اور جو آئندہ آئیں گے وہ بھی اس پر یقین کریں گے آپ لوگ اٹھیے اور آپ کے دست مبارک پر بیعت کیجئے[4]

اس کے بعد وہ ہر جگہ اور ہر مرحلے پر اپنی لاثانی اور بے نظیر بہادری کے باعث ہمیشہ امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کے دوش بدوش رہے ان کے اثر ورسوخ اور سیاسی تدبر کا اندازہ اس فرمان سے لگایا جاسکتا ہے جو امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام نے ان کے نام حکومت مصر تفویض کرتے وقت جاری کیا تھا اس کے علاوہ وہ خطوط جو امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام نے ان کے نام تحریر فرمائے تھے نیز وہ مراکز جن کی فرمانروائی انہوں نے قبول کی تھی ان کے حسن تدبر و معاملہ فہمی کے آئینہ دار ہیں[5]

جنگ صفین اور واقعہ حکمیت کے بعد سپاہ عراق میں بتدریج کمزوری اور پراگندگی کے باعث لوگوں کے درمیان بالخصوص دارالخلافت سے دور و دراز کے علاقوں میں استقامت و پائیداری کا وہ جذبہ جس سے خوشی و نشاط ہوتی ہے نیز معاویہ سے جنگ کرنے کا جوش وخروش آہستہ آہستہ سرد ہونے لگا۔

---

[1] الامامۃ والسیاسۃ ج1 ص129

[2] ان میں سے کچھ نے بیماری کا بہانہ بنایا اور خود کو بیمار ظاہر کیا حالانکہ وہ بیمار نہ تھے بلکہ وہ جنگ سے فرار چاہتے تھے۔

[3] کامل ابن اثیر ج3493، تاریخ طبری ج5 ص90، الامامۃ والسیاسۃ، ج1 ص129، غارات ج1 ص35۔

[4] الامامۃ والسیاسۃ ج1 ص47

[5] تاریخ یعقوبی ج2 ص179

امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کو اطلاع ملی کہ معاویہ کا حامی وطرف دار معاویہ بن خدیج نامی ایک شخص مصر میں عثمان کے خون کا بدلہ لینے کے لئے اٹھ کھڑا ہوا ہے اس نے وہاں کے امن وامان کو درہم برہم، صوبہ دار محمد بن ابی بکر کی حیثیت ومنزلت کو متزلزل اور وہاں کے لوگوں کا زندہ رہنا سخت دشوار کر رکھا ہے امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام نے فیصلہ کیا کہ صوبہ دار کا تبادلہ کر دیا جائے مالک اشتر چونکہ نصیبین [1] میں مامور تھے اس لئے جنگ صفین کے بعد وہ واپس وہیں چلے گئے تھے حضرت علی علیہ السلام نے انھیں بلایا اور مصر سے متعلق مسائل کے بارے میں انھیں سمجھا کر محمد بن ابی بکر کا جانشین مقرر کر دیا [2] اس ضمن میں فرمایا کہ تمہارے علاوہ اس جگہ کیلئے کوئی اور اہل وشایستہ نہیں اس لئے اس طرف روانہ ہو جاؤ [3] اس کے ساتھ ہی آپؑ نے وہاں کے لوگوں کے لئے مراسلہ روانہ کیا جس میں آپؑ نے مرقوم فرمایا کہ بندہ خدا علی امیر المومنین علیہ السلام کی جانب سے مسلمانان مصر کو معلوم ہو کہ جب لوگوں نے خطہ ارض پر حکم خدا سے روگردانی کی تو انہوں نے اس کے غضب کو دعوت دی... میں ایک ایسے بندہ خدا کو تمہاری طرف روانہ کر رہا ہوں جو خوف و ہراس کے دنوں میں چین کی نیند نہیں سوتا سخت و بحرانی وقت میں وہ دشمن سے خوفزدہ نہیں ہوتا اور وہ بدکار لوگوں کے لئے آگ سے زیادہ سوزناک ہے اس کا نام مالک بن حارث ہے۔

حضرت مالک کی شہادت

مالک مصر جانے کیلئے تیار ہو گئے کوفہ میں مقیم معاویہ کے جاسوسوں نے اس واقعے کی اطلاع اسے دے دی معاویہ جانتا تھا کہ اگر مالک مصر پہنچ گئے تو وہ اس پر قبضہ کرنے میں ہرگز کامیاب نہ ہو سکے گا چنانچہ اس نے خفیہ طور پر علاقہ --قلزم-- [4] کے تحصیلدار کے نام فرمان جاری کیا کہ جس طرح بھی ممکن ہو سکے مالک کو مصر پہنچنے سے قبل ہی قتل کر دے اور اس سے یہ وعدہ کیا کہ اگر وہ اس مقصد میں کامیاب ہو گیا تو تادم حیات اس علاقے کی مالگذاری اسے عطا کرے گا۔

اس پرفریب فرمان کے جاری کرنے کے بعد اس نے دعا گوئی کے لئے ایک جلسہ طلب کیا تا کہ حاضرین جلسہ مالک کی تباہی کے لئے دعا کریں کہ اگر کہیں اس کا یہ حربہ کامیاب ہو گا تو وہ لوگوں کو یہ کہہ کر خوش فہمی میں مبتلا کر سکے کہ ان کی موت تمہاری دعاؤں کے اثر سے واقع ہوئی ہے۔ حضرت مالک جب قلزم پہنچے وہ ایک شخص [5] جو ان کی ہلاکت کے لئے مامور کیا گیا تھا ان کے پاس آیا اور انھیں اپنے گھر آنے کی دعوت دی حضرت مالک نے اس کی دعوت قبول کر لی میزبان نے امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام اور آپؑ کی حکومت کی تعریف کے ایسے پل باندھے کہ مالک کو اس پر اعتماد ہو گیا اس نے دسترخوان بچھایا اور شہد کا شربت جس میں مہلک زہر یلا ہوا تھا سامنے لا کر رکھ دیا مالک نے اسے پیا اور تھوڑی دیر بعد ہی وہیں شہید ہو گئے [6] اس شہادت کے باعث امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کو سخت رنج ہوا اور معاویہ

---

[1] مصر کی فرمان داری پر مامور ہونے سے قبل حضرت مالک اشتر موصل، نصیبین، دارا سنجار، آمد، ہیت اور عانات کے والی رہ چکے تھے شرح نہج البلاغہ ناصر مکارم ج 3 ص 455

[2] نصیبین آباد جزیرہ کا شہر او رشام میں موصل کے مقام پر ہے معجم البلدان ج 5/ 288

[3] اس بارے میں اختلاف ہے کہ حضرت مالک اشتر کو محمد بن ابی بکر کی شہادت سے قبل صوبہ دار مقرر کیا گیا یا اس واقعے کے بعد مورخین کے نزدیک یہی قول مشہور و معتبر ہے اس کے علاوہ نہج البلاغہ کا مکتوب

[4] الغارات ج 2581 شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج 6/ 74

[5] یہ مصر کے راستے میں ایک بستی تھی یہاں سے مصر کا فاصلہ تین دن کا تھا معجم البلدان ج 4 ص 388

[6] الغارات نامی کتاب کے مصنف نے اس کا نام --خراخر-- لکھا ہے ملاحظہ ہو الغارات ج 1 ص 259

بہت خوش وخرم دونوں حضرات نے جو باتیں ان کے بارے میں کہیں ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ ایک عظیم سانحہ تھا۔

قبیلہ --نخع-- کے چند سردار پرسہ دینے کے لئے حضرت علی علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے انہوں نے آپؑ کی کیفیت کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے--آپؑ مالک کی شہادت سے سخت مضطرب خاطر تھے اس موقعے پر آپ نے فرمایا کہ اس شہادت کا اجر خدا ہی دے- مالک کی کیا تعریف کروں خدا کی قسم اگر اسے پہاڑ سے بھی تراشا گیا ہوتا تو وہ یکتا وممتاز زمانہ ہوتا اگر وہ پتھر کا بھی انسان ہوتا تو ایسا ہی محکم اور ارادے کا مضبوط ہوتا کوئی سواری اس کے کہسار وجود سے بالاتر نہ ہوسکتی کوئی پرندہ اس کی عظمت کے اوج بلندی سے نہیں گذر سکتا[1]

معاویہ تو حضرت مالک کا جانی دشمن تھا جب اس نے یہ خبر سنی کہ وہ شہید ہوگئے ہیں تو اس نے کہا کہ علی علیہ السلام کے دو ہاتھ تھے ان میں سے ایک تو جنگ صفین میں قطع ہوگیا وہ تھا عمار اور دوسرا ہاتھ مالک اشتر تھا جو آج شہید ہوگیا[2]

مصر پر لشکر کشی

معاویہ کو جب یہ معلوم ہوا کہ عراق کی سپاہ نے امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کے حکم سے روگردانی کی ہے اور آرام طلبی وتن پروری کو اس نے اپنا شعار بنالیا ہے تو اس نے عمرو عاص، ضحاک بن قیس، بسر بن ارطاۃ اور ابوالاعور سلمی جیسے مشاورین کو اپنے پاس بلایا اور ان کے ساتھ مشورہ کیا اتفاق اس بات پر ہوا کہ وہ علاقے جو حضرت علی علیہ السلام کی قلمرو حکومت میں شامل ہیں حملہ کرکے ان پر قبضہ کرلیا جائے۔

اس وقت مصر چونکہ خاص اہمیت کا حامل تھا (جس کی وجہ یہ تھی کہ یہ منطقہ عراق کے مقابلے شام سے نزدیک تر ہے اور وہاں کے اکثر وبیشتر لوگ عثمان کے مخالف تھے اس لئے بھی معاویہ کو اس منطقہ کی طرف سے تشویق لاحق رہتی تھی اس کے علاوہ مصر پر قبضہ ہوجانے کے بعد محصول کی آمدنی میں اضافہ ہوسکتا تھا اور وہاں کی انسانی طاقت کو حضرت علی علیہ السلام کے خلاف استعمال کیا جاسکتا تھا) اسی لئے اس نے یہ خاکہ تیار کیا کہ عثمان کے طرفداران عناصر کو جو مصر میں ہیں بروئے کار لائیں اور لشکر کشی کا آغاز وہاں سے کیا جائے اس سے قبل کہ وہ اس طرف اپنے فوجی طاقت روانہ کریں انہوں نے --معاویہ بن خدیج-- اور --مسلمہ بن مخلد-- جیسے اپنے ہوا خواہوں کو خط لکھا اور اس میں اس بات کا تذکرہ کیا کہ کثیر تعداد میں میری سپاہ جلد ہی تمہاری مدد کے لئے پہنچ جائے گی[3]

اس کے بعد اس نے تقریبا چھ ہزار سپاہی عمرو عاص کی زیر فرمانداری روانہ کئے اس کی چونکہ دیرینہ آرزو تھی کہ اس منطقہ پر حکمرانی کرے اسی لئے اس طرف روانہ ہوگیا عثمان کے طرفدار بھی بصرہ سے چل کر اس کے ہمراہ ہوگئے۔

اس سے قبل کہ شہر میں داخل ہوں عمرو عاص نے محمد بن ابی بکر کو خط لکھا جس میں انہیں یہ تنبیہ کی کہ اس سے پہلے کہ شام کی سپاہ تمہارا سرتن سے جدا کردے تم خود ہی اپنے عہدے سے برطرف ہوجاؤ اور بصرہ سے نکل کر کسی بھی طرف چلے جاؤ۔

محمد بن ابی بکر نے اپنے خط کے ساتھ عمرو عاص کا مراسلہ اور معاویہ کا عریضہ حضرت علی علیہ السلام کی خدمت میں روانہ کردیا اور آپ

---

[1] الغارات ج1 ص264-259

[2] مالك و ما مالك و الله لو كان جبلا لو كان فندا ولو كان حجرا لكان صلدا لايرتقيه الحافر و لايوقى عليه الطائر (نہج البلاغہ- کلمات قصار 443، الغارات ج1 ص265) الغارات کے مصنف نے یہ واقعہ قدرے مختلف طور پر بیان کیا ہے۔

[3] كانت لعلى بن ابى طالب يدان يمينان فقطعت احداهما يوم صفين يعنى عمار و قطعت الاخرى اليوم و هو مالك اشتر الغارت ج1ص264، كامل ابن اثير ج3ص353

سے مدد کے طالب وخواستگار ہوئے۔

حضرت علی علیہ السلام نے محمد بن ابی بکر کو جو خط لکھا اس میں آپؑ نے انہیں ہدایت کی تھی کہ استقامت اور پایداری سے کام لیں اور شہر کی حفاظت کے پورے انتظامات کئے جائیں اس کے ساتھ ہی آپؑ نے حکم دیا کہ کنانہ بن بشر کو چونکہ آزمودہ، باتجربہ اور جنگجو سردار سپاہ ہیں حملہ آوروں کی جانب روانہ کیا جائے اور مصر میں بھی اپنے لوگوں کو جو بھی سواری میسر آ سکے اس کے ہمراہ تمہاری طرف روانہ کر رہا ہوں[1]

اس کے بعد حضرت علی علیہ السلام منبر پر تشریف لے گئے اور فرمایا کہ: نابغہ زادہ[2] کثیر سپاہ لے کر مصر پر حملہ کرنے کی غرض سے روانہ ہوا ہے محمد بن ابی بکر اور دیگری مصری بھائیوں کو تمہاری مدد کی ضرورت ہے جس قدر جلد ممکن ہو سکے ان کی داد و فریاد کو پہونچو کہیں ایسا نہ ہو کہ مصر تمہارے ہاتھ سے نکل جائے اگر یہ ملک تمہارے ہاتھ میں رہے تو باعث عزت و شرف ہے اور تمہارے دشمنوں کی کمزوری اور ناتوانی کا سبب کل کے لئے یہ ہماری وعدہ گاہ ہے اور جرعہ کی فوجی چھاونی[3]

حضرت علی علیہ السلام دوسروں سے پہلے ہی سپاہ کی لشکر گاہ (چھاؤنی) میں تشریف لے گئے وہاں آپؑ نے ظہر کے وقت تک انتظار کیا جو لوگ وہاں پہونچے ان کی تعداد سو سے بھی کم تھی مجبوراً کوفہ کی جانب روانہ ہو گئے جب رات ہوئی تو آپؑ نے قبائل کے سرداروں کو بلایا اور فرمایا کہ: حمد و تعریف خدا کی قضاء و قدر نے میرے باعث تمہیں آزمائش میں مبتلا کیا لوگو میں نے جب بھی تمہیں حکم دیا تم نے اس کی اطاعت نہیں کی اور جب بھی میں نے تمہیں اپنی طرف آنے کی دعوت دی تم نے اسے قبول نہ کیا...اپنی مدد اور راہ حق میں جہاد کرنے کے لئے تم کس چیز کے منتظر ہو؟ موت چاہتے ہو یا ذلت وخواری...کیا تمہارے پاس وہ دین وایمان نہ رہا جو تمہیں متحد کر سکے کیا اب تم میں وہ غیرت وحمیت باقی نہیں رہی جو تمہیں جہاد کی جانب جانے کے لئے ترغیب دلا سکے...کیا یہ بات باعث حیرت نہیں کہ معاویہ پست فطرت، ظالم و جفا کار لوگوں کو جمع کرنے کے لئے کہے اور وہ اس کے گرد جمع ہو جائیں اور صلہ وانعام کی تمنا کئے بغیر اس کی اطاعت و پیروی کریں لیکن اس کے برعکس جب میں تم کو جو اسلام اور ہمت و مردانگی کی یادگار رہ گئے ہو اپنی طرف آنے کی دعوت دیتا ہوں تو میری مخالفت کرتے ہو تم مجھے اکیلا نہ چھوڑو اور انتشار و پراکندگی سے گریز کرو[4]

حضرت علی علیہ السلام کی تقریر نے مالک بن کعب کی غیرت کو للکارا وہ مجمع کے درمیان سے اٹھ کھڑے ہوئے کہ جہاد پر جانے کیلئے تیار ہیں حضرت علی علیہ السلام نے اپنے خدمتگذار سعد سے کہا کہ لوگوں میں جا کر منادی کریں اور مالک کے ہمراہ مصر کی جانب روانہ ہوں چنانچہ ایک ماہ گذر جانے کے بعد مالک کے گرد دو ہزار افراد جمع ہو گئے تو مصر کی جانب انہوں نے کوچ کیا پانچ روز تک سفر کرنے کے بعد حضرت علی علیہ السلام کے نمائندے نے یہ اطلاع پہنچائی کہ محمد بن ابی بکر شہید ہو گئے یہ خبر سن کر مالک حضرت علی علیہ السلام کے حکم بموجب واپس کوفہ آ گئے[5]

محمد بن ابی بکر کی شہادت

محمد بن ابی بکر کو جب حضرت علی علیہ السلام کا خط ملا تو انہوں نے معاویہ اور عمرو عاص کو تند لہجے میں قطعی جواب دیا اس کے ساتھ ہی

---

[1] شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج6 ص81

[2] الغارات ج1 ص276280، شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج5 ص85-82، کامل ابن اثیر ج3 ص356

[3] عمرو عاص کی ماں کا نام تھا

[4] یہ جگہ کوفہ کے باہر خیرہ و کوفہ کے درمیان واقع ہے۔

[5] نہج البلاغہ ج180، شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج6 ص90، ولغارات ج1 ص290

انہوں نے اپنی سپاہ کو دعوت دی کہ حملہ آوروں سے جنگ و پیکار کریں جن لشکروں نے نبرد آزمائی کا اعلان کیا ان کی تعداد تقریباً دو ہزار افراد ہوگئی چنانچہ انھیں کنانہ بن بشر کی زیر قیادت وفرمانداری دشمن کی جانب روانہ کیا اور خود بھی دو ہزار افراد کو ساتھ لیکر ان کے پیچھے کوچ کیا پہلے قصبے میں شام کے پیشگام سپاہ نے پے در پے حملوں کے باعث مصر کی مختصر دفاعی قوت کا قطع قمع کر دیا عمرو عاص نے معاویہ بن خدیج کو پیغام بھیجا اور اس سے مدد طلب کی تھوڑی دیر نہ گذری تھی کہ معاویہ بن خدیج نے میدان کارزار کو لشکریوں سے بھر دیا۔

مصریوں کے مخالف اپنی پوری طاقت کے ساتھ کنانہ کے مقابل جمع ہوگئے انہوں نے جب یہ دیکھا کہ دشمن کے ہر طرف سے سخت دباؤ کے باعث وہ اپنے گھوڑے کو حرکت نہیں دے سکتے تو وہ چھلانگ لگا کر زمین پر گر کئے ان کے ساتھی بھی انہیں دیکھ کر گھوڑوں سے اتر گئے کنانہ جس وقت دشمن کے سپاہیوں کو بری طرح کچل رہے تھے یہ آیت ان کے زبان پر تھی۔ وما کان لنفس ان تموت الا باذن اللہ کتبا موجلا [1]

چنانچہ آپ اس قدر دشمن سے برسر پیکار رہے کہ شہید ہوگئے۔

کنانہ بن بشر کی شہادت کے بعد محمد بن ابی بکر کے اطراف سے فرمانداری کا سلسلہ چونکہ ٹوٹ چکا تھا اس لئے جو سپاہ باقی رہ گئی تھی وہ منتشر اور پراگندہ ہوگئی ناچار انہوں نے بھی ایک ویرانے میں پناہ لی۔مصر کے شورش پسندوں کے رہبر ابن خدیج نے انکی تلاش شروع کی اور انہیں اس ویرانے میں چھپا ہوا پایا اور گرفتار کیا پہلے شمشیر سے سر کو تن سے جدا کیا اسکے بعد جسم کو مرے ہوئے گدھے کی کھال میں بھر کر آگ لگادی [2]

جب محمد بن ابی بکر کے قتل کی خبر معاویہ اور عمر عاص کے پاس ملک شام میں پہونچی تو انہوں نے انتہائی مسرت اور شادمانی کا اظہار کیا عبداللہ ابن مسیب کا کہنا ہے کہ جس وقت محمد بن ابی بکر کے قتل کئے جانے کی خبر ملک شام میں پہنچی تو اس موقع پر جسقدر خوشی اور مسرت کا اظہار کیا گیا ایسی خوشی ومسرت وشادمانی میں نے کبھی نہیں دیکھی تھی [3]

لیکن ان کی شہادت کی خبر جب امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کو ملی تو آپ نے فرمایا کہ: ان کے قتل کئے جانے کا غم واندوہ اتنا ہی ہے جتنا معاویہ کو اس کا سرور۔ جب سے میں نے میدان کارزار میں قدم رکھا مجھے کسی کے قتل کئے جانے کا اتنا صدمہ نہیں ہوا جتنا اس کی وجہ سے ہوا ہے وہ میرے اپنے گھر میں پل کر جوان ہوا اور میں نے اسے اپنی اولاد کی طرح سمجھا وہ میرا حقیقی خیر خواہ تھا ایسے شخص کی وفات پر جس قدر رنج وغم کیا جائے بجا ہے خدا سے دعا ہے کہ وہی اس کی جزا دے [4]

لوگوں کی تنبیہ وسرزنش

محمد بن ابی بکر کی رقت انگیز شہادت اور لوگوں کی پے درپے تباہ کاریوں کے باعث امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام بہت زیادہ آزردہ خاطر ہوئے چنانچہ جب یہ اطلاع ملی کہ عمرو عاص نے مصر پر قبضہ کر لیا تو آپؑ نے واضح طور پر لوگوں کو سخت سست کہنا شروع کر دیا اور فرمایا

---

[1] الغارات ج1 ص294-292و7 شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج6 / 91

[2] کوئی ذی روح اللہ کے اذن کے بغیر نہیں مر سکتا موت کا وقت تو لکھا ہوا ہے (آل عمران آیہ 145)

[3] الغارات ج1 ص282، شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج6 / 86، کامل ابن اثیر ج3 ص357

[4] الغارات ج1 ص282، شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج2 ص86، کامل ابن اثیر ج3 ص357

کہ تم وہ لوگ ہو جو کسی کے خون کا بدلہ لینے میں میری مدد نہیں کر سکتے اگر کوئی گتھی الجھ جائے تم اسے سلجھا نہیں سکتے پچاس دن سے زیادہ میں تمہارے سامنے داد و فریاد کرتا رہا کہ بھائیو آؤ اور میری مدد کرو مگر تم اس اونٹ کی طرح کلبلاتے رہے جو درد شکم کے مارے تڑپ رہا ہو تمہاری حالت اس شخص کی سی ہے جو راہ جہاد میں تو نکلے مگر یہ سوچ کر کہ اس کام سے مجھے حاصل کیا ہوگا زمین پکڑے بیٹھے رہے یہاں تک کہ تم ہی میں سے ایک مختصر سپاہ کی جماعت تھی جنہیں دیکھ کر لگتا تھا کہ خود کو جان بوجھ کر موت کے منہ میں دھکیل رہے ہیں افسوس تمہاری حالت زار پر [1]

حضرت علی علیہ السلام کے رنج و اندوہ کا یہ عالم تھا کہ زندگی سے بیزاری اور یہ آرزو کرنے لگے کہ جس قدر جلد ہو سکے موت آجائے تا کہ ان لوگوں کی ہمنشینی کے سخت و سنگین بار سے نجات ملے۔

حضرت علی علیہ السلام نے حضرت ابن عباس کو جو خط مرقوم فرمایا تھا اس میں آپؑ نے اس احساس کرب کا اظہار اس طرح کیا تھا: مصر کو دشمن نے فتح کر لیا محمد بن ابی بکر شہادت سے ہمکنار ہوئے... میں نے لوگوں کو بار بار ان سے ہمدوش ہونے اور ان کی مدد کرنے کی ترغیب دلائی اور کہا اس سے پہلے کہ پانی سر سے گذر جائے تم ان کی داد و فریاد کو پہنچو چند لوگ تیار بھی ہوئے مگر بد دلی کے ساتھ کچھ عذر و بہانہ کر کے علیحدہ ہو گئے اور بعض نے تو ان کی مدد کرنے سے قطعی ہاتھ اٹھایا اور گھروں میں گھس گئے میں تو خدا سے یہی دعا کر رہا ہوں کہ مجھے ان لوگوں کے چنگل سے نجات دلائے اور ان سے رہائی کی کوئی سبیل نکل آئے۔

خدا کی قسم دشمن کے ساتھ جنگ و پیکار کرتے وقت شہادت کی آرزو نہ ہوتی اور میں نے راہ خدا میں خود کو مرنے کیلئے آمادہ نہ کر لیا ہوتا تو میں اس بات کو ترجیح دیتا کہ ایسے لوگوں کا ایک دن بھی منہ نہ دیکھوں اور ان کے پاس سے بھی نہ گذروں [2]

سوالات

1 جنگ نہروان کس کی طرف سے شروع ہوئی اس میں کون فاتح رہا؟

2 ذوالثد یہ کس شخص کا نام تھا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے بارے میں کیا فرمایا تھا؟

3 غلات کون تھے اور ان کے وجود میں آنے کی کیا اسباب تھے؟

4 جنگ نہروان کے کیا نتائج برآمد ہوئے؟

5 صوبہ دار مصر کو تبدیل کرنے کی کیا وجہ تھی؟

6 مالک اشتر کی کہاں اور کیسے شہادت ہوئی؟

7 کن محرکات کی بنا پر معاویہ نے اسلامی حکومت کے قلمرو پر حملہ کرنا مصر سے شروع کیا؟

8 محمد بن ابی بکر کی شہادت کس شخص کے ہاتھوں اور کس طرح ہوئی؟

---

[1] مروج الذہب ج2 / 409

[2] الغارات ج1 ص297

سولھواں سبق

نہروان کے بعد

دہشت پسند اور غارتگر گروہ

معاویہ کو اس اقتدار کے باوجود جو اس نے حاصل کیا تھا اور اس اثر و رسوخ کے بعد بھی جو س کا شام کے لوگوں پر ہو گیا تھا نیز ہ سپاہ عراق میں ہر طرح سے انتشار و پراگندگی پیدا کر کے بھی یہ اطمینان نہ تھا کہ اگر امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کے مرکز حکومت پر حملہ کرے گا تو وہ کامیاب ہو جائے گا اس نے جنگ صفین کے دوران جو ہولناک مناظر اپنی آنکھوں سے دیکھے تھے اور حضرت علی علیہ السلام کی تلوار کے جن واروں کو اس نے سہا تھا وہ اس امر کے متقاضی نہ تھے کہ ایسا کوئی اقدام کرے۔ اسے اب تک جو کامیابی نصیب ہوئی تھی وہ سب حیلہ و نیرنگ کا نتیجہ تھی چنانچہ اس کے ساتھیوں نے جب بھی یہ تجویز پیش کی کہ کوفہ پر حملہ کیا جائے تو اس نے اس کا جواب نفی ہی میں دیا اس ضمن میں اس نے کہا کہ عراق کے لوگوں کو شکست دینے اور پراگندہ فوجی دستے عراق کے مختلف علاقوں میں سرکشی و غارت گری کرتے رہیں کیونکہ یہی ایسا طریقہ ہے جس کے ذریعے ہمارے حامی و طرفدار بتدریج طاقت ور ہوتے چلے جائیں گے اور عراق کا محاذ شکست و ریخت اور خوف و خطر میں مبتلا رہے گا جب عراق کے اشراف و سربرآوردہ لوگ یہ کیفیت دیکھیں گے تو وہ خود ہی علی علیہ السلام کا ساتھ چھوڑ کر ہماری طرف آنے لگیں گے۔

اس فیصلے کے بعد اس نے نعمان بن بشیر، سفیان بن عوف، عبداللہ بن مَسعدہ اور ضحاک بن قیس جیسے فرمانداروں کی زیر قیادت سپاہ کے دستے منظم کئے اور انھیں عراق کے مختلف علاقوں میں روانہ کیا تا کہ اس فرمان کو جس میں مسلمانوں کے لئے تباہی و بربادی اور خوف و دہشت کے عناصر شامل تھے جاری و ساری کر سکے۔

یہاں ہم ان ہلاکت بار تجاوزات کی دردانگیز داستان بیان کرنے کے ساتھ ہی ان افراد کا مختصر تعارف کرائیں گے جو ان دستوں کے سرغنہ و سردار تھے۔

1 نعمان بن بشیر

وہ انصار اور طائفہ خزرج میں سے تھا عثمان کے زمانے میں جو شورشیں ہوئیں ان میں اس نے خلیفہ وقت کا ساتھ دیا۔ عثمان کے قتل کے بعد ان کا خون آلودہ کرتا وہ ملک شام لے کر گیا اور معاویہ کو پیش کیا اور یہیں سے وہ معاویہ کا حامی و طرفدار ہوا معاویہ کی طرف سے کچھ عرصہ حاکم کوفہ بھی رہا اور اس کے بعد اسے ۔۔حمص ۔۔کا حاکم مقرر کیا گیا۔ معاویہ نے اسے 39ھ میں دو ہزار افراد کے ساتھ ۔۔عین التمر ۔۔[1] کی جانب روانہ کیا امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کے فوجی محافظ دستے پر جو تقریباً سو افراد پر مشتمل تھا اس نے حملہ کیا لیکن دلاور مدافعین نے اپنی تلواروں کی نیامیں توڑ کر پوری پامردی و جانبازی سے دفاعی مقابلہ کیا اس عرصے میں تقریباً پچاس افراد ان کی مدد کے لئے

[1] یہ کوفہ کے مغرب میں شہرانبار کے نزدیک بستی تھی (معجم البلدان ج4 ص176) الغارات ج2/ 445، طبری ج5/ 133، کامل ابن اثیر ج3/ 475، شرح ابی الحدید ج2/ 301-305

وہاں آن پہنچے نعمان کے سپاہیوں کو یہ گمان گذرا کہ مدافعین کے پاس مدد کے لئے جو لشکر پہنچا ہے اس کی تعداد بہت زیادہ ہے چنانچہ راتوں رات وہ اس جگہ سے بھاگ نکلے اور شام کی جانب رخ کیا۔

2 سفیان بن عوف

اسے معاویہ کی طرف سے اس مقصد کے تحت مقرر کیا گیا تھا کہ عراق کے بعض مقامات پر حملہ کریں معاویہ نے رخصت کرتے وقت اسے یہ تاکید کی تھی کہ:

تمہارے سامنے کوئی بھی ایسا شخص آئے جو تم سے متفق و ہم خیال نہ ہو اسے بے دریغ قتل کر دینا تمہارے راستے میں جو بھی بستیاں آئیں انھیں ویران کرتے چلے جانا لوگوں کے مال و متاع کو لوٹ لینا کیونکہ لوٹ مار بھی قتل کرنے کے برابر ہی ہے بلکہ بعض اوقات غارتگری قتل سے زیادہ جانگداز و مہلک ثابت ہوتی ہے۔

چلتے وقت اسے یہ ہدایت بھی کی کہ پہلے شہر -- ہیت -- [1] پر حملہ کرنا اس کے بعد انبار اور مدائن کے شہروں پر قبضہ کرنا سفیان بن عوف چھ ہزار سپاہیوں کو ساتھ لے کر روانہ ہوا جب شہر ہیت میں اسے کوئی نظر نہ آیا تو اس نے شہر انبار پر یورش کی محافظین شہر کو کثیر تعداد میں قتل کرنے کے بعد اس نے شہر میں کشت و کشتار اور غارتگری کا بازار گرم کیا اور بہت ساماں جمع کر کے وہ شام کی طرف واپس آ گیا۔[2]

امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کو جب اس واقعے کی اطلاع ملی تو آپؑ نے جہاد کی فضیلت کے بارے میں مفصل تقریر کی اور بتایا کہ جو لوگ اس اسلامی فرض سے روگردانی کرتے ہیں وہ کیسے ناگوار نتائج سے دوچار ہوتے ہیں اس ضمن میں آپؑ نے فرمایا کہ: میں شب و روز پنہاں و آشکارا تمہیں اس گروہ سے برسر پیکار ہونے کی دعوت دیتا رہا میں نے تمہیں یہ ہدایت کی کہ اس سے پہلے وہ تمہارے ساتھ نبرد آزما ہوں تم ہی ان پر وار کر دو...لیکن تم نے سستی سے کام لیا اور فرض جہاد کو ایک دوسرے پر ٹالتے رہے چنانچہ نوبت یہاں تک آن پہنچی کہ تم پر ہر طرف سے پے در پے حملے کئے جانے لگے تمہیں غارتگری کا نشانہ بنایا جانے لگا اور اب تمہاری زمین و جائیداد کے مالک دوسرے لوگ ہوئے ہیں یہ شخص جس نے اپنی سپاہ کو ساتھ لے کر شہر انبار پر حملہ کیا -- غامد -- قبیلے کا ہے اس نے فرماندار شہر حسان بن حسان بکری کو قتل کیا اور تمہاری سپاہ کو اس نے ان کی عسکر گاہوں سے باہر نکل دیا ہے۔

مجھے یہ اطلاع ملی ہے کہ ان میں سے ایک شخص ایک مسلم خاتون اور اس اہل کتاب عورت کے گھر میں جو مسلمانوں کی زیر حمایت زندگی بسر کرتی تھی داخل ہوا اور ان کے زیورات ان کے جسموں پر سے اس نے اتار لئے اس کے بعد بہت سال غنیمت جمع کر کے وہ اور اس کے ساتھی واپس چلے گئے۔ دیکھنے کی بات یہ ہے کہ ان غارتگروں میں سے نہ تو کوئی زخمی ہوا اور نہ ہی کسی کے خون کا قطرہ زمین پر گرا اس واقعے کے بعد اگر ایک سچا مسلمان غم و افسوس کے باعث مر جائے یا ڈوب مرے تو بجا ہوگا اور وہ قابل سرزنش بھی قرار نہ دیا جائیگا۔[3]

3 عبداللہ بن مسعدہ

ابتدا میں وہ حضرت علی علیہ السلام کے حامی و طرفداروں میں سے تھا لیکن دنیا پرستی کے باعث کچھ عرصہ بعد معاویہ کے ساتھ جاملا اور

---

[1] یہ شہر دریائے فرات کے کنارے بغداد اور انبار کے درمیان واقع تھا (معجم البلدان 5/ 420)

[2] شرح ابن ابی الحدید ج2 ص85، کامل ابن اثیر ج3/ 376 و الغارات ج2/ 464

[3] نہج البلاغہ خ27

اس کا شمار حضرت علی علیہ السلام کے سخت ترین دشمنوں میں کیا جانے لگا۔ معاویہ نے اسے سترہ سو افراد کے ساتھ ۔۔تیاء۔۔[1] کی جانب روانہ کیا اور یہ حکم دیا کہ جس بستی میں سے بھی گذرنا اس سے زکات کا مطالبہ کرنا اور جو شخص ادا کرنے سے منع کرے اسے قتل کرڈالنا۔ عبداللہ مکہ اور مدینہ کے شہروں سے گذرا جب حضرت علی علیہ السلام کو اس کی روانگی کی اطلاع ملی تو آپؑ نے مسیب بن نجبہ فزاری کو دو ہزار افراد کے ساتھ ان کا مقابلہ کرنے کے لئے روانہ کیا تیاء میں دونوں حریف لشکر ایک دوسرے کے مقابل آ گئے دونوں کے درمیان سخت معرکہ ہوا جس کے باعث شامی لشکر کا فرماندار زخمی ہوا اور مسعدہ راتوں رات شام کی جانب بھاگ گیا[2]

4 ضحاک بن قیس

وہ معاویہ کی فوج کا فرماندار تھا وہ کچھ عرصہ تک محافظین شہر دمشق کا صدر امین رہا اور بعد میں کوفہ کی حکومت بھی اسے تفویض کی گئی اس نے معاویہ کے حکم پر تین ہزار سپاہیوں کو ساتھ لیکر سرزمین ۔۔نعلبیہ۔۔[3] کی جانب رخ کیا اس کے گرد و نواح کے ان تمام قبائل کو اس نے اپنی غارتگری کا نشانہ بنایا جو حضرت علی علیہ السلام کے مطیع و فرمانبردار تھے اس کے بعد وہ کوفہ کی جانب روانہ ہوا راستے میں اسے قطقطانہ[4] نامی علاقے میں عمر بن عمیس سے سامنا ہوا وہ زیارت حج بیت اللہ کیلئے تشریف لے جا رہے تھے ضحاک بن قیس نے انھیں اور ان کے قافلے کو لوٹ لیا اور انھیں اپنے مقصد کی طرف جانے سے روکا[5]

حضرت علی علیہ السلام نے ان کا مقابلہ کرنے کے لئے حجر بن عدی کو چار ہزار سپاہیوں کے ہمراہ ان کے راستے پر روانہ کیا حجر کا ضحاک سے ۔۔تدمر۔۔[6] نامی مقام پر مقابلہ ہوا جس میں سپاہ کے اُنیس سپاہی مارے گئے اس کے بعد ان کی سپاہ فرار کر کے شام کی جانب چلی گئی۔[7]

5 بسر بن ارطاہ

قبیلہ قریش میں سے تھا عراق و حجاز کی جانب معاویہ نے جو فرماندار روانہ کیئے تھے ان میں اس کا شمار خونخوار ترین فرماندار کی حیثیت سے ہوتا ہے رخصت کرتے وقت معاویہ نے اس سے کہا تھا کہ مدینہ پہنچنے کیلئے روانہ ہو جاؤ راستے میں لوگوں کو منتشر و پراگندہ کرتے رہنا سامنے جو بھی آئے اسے خوفزدہ ضرور کرنا جو لوگ تمہاری اطلاعت سے انکار کریں ان کے مال و متاع کو تباہ و غارت کر دینا بسر بن ارطاۃ تین ہزار افراد کو ساتھ لے کر مدینہ کی طرف روانہ ہوا وہ جس بستی سے بھی گزرتا تا وہاں کے مویشیوں پر قبضہ کر لیتا اور انھیں اپنے لشکریوں کے حوالے کر دیتا مدینہ پہنچ کر اس نے تقریر کی جس میں دل کھول کر مسلمانوں پر سخت نکتہ چینی کی اور جو نہ کہنا تھا وہ تک کہا اس کے ساتھ ہی

---

[1] یہ بستی شام کے اطراف میں شام اور وادی القریٰ کے درمیان اس راستے پر واقع ہے جہاں سے شام و دمشق کے حجاج گذر کر مکہ پہنچتے تھے (معجم البلدان ج2/ 67)

[2] تاریخ طبری ج5/ 134، کامل ابن اثیر ج3/ 376، تاریخ یعقوبی ج2/ 196

[3] یہ کوفہ کے راستے میں ایسی بستی تھی جہاں حجاج قیام کرتے تھے یہ خزیمہ سے پہلے اور شقوق کے بعد حجاج کی منزل گاہوں پر واقع تھی۔

[4] یہ جگہ کوفہ کے نزدیک خشکی کی سمت واقع تھی سرزمین طف اور زندان نعمان بن منذر اسی جگہ تھی (معجم البلدان ج4/ 374)

[5] تاریخ طبری ج5/ 135 لیکن ثقفی نے الغارات کتاب ج3/ 422 میں لکھا ہے کہ ضحاک بن قیس نے عمرو بن عمیس نیز اس کے ساتھیوں کو قتل کر دیا۔

[6] تدمر سرزمین شام کا قدیم شہر تھا یہ جگہ شہر حلب سے پانچ دن کے سفر پر واقع تھی (معجم البلدان)۔

[7] تاریخ طبری ج5/ 135، الغارات ج2/ 425

انھیں مجبور کیا کہ اس کے ہاتھ پر بیعت کریں بہت سے گھروں کو نذر آتش کرنے کے بعد ابو ہریرہ کو اپنا جانشین مقرر کیا اور خود مکہ کی جانب روانہ ہو گیا راستے میں قبیلہ خزاعہ کے بہت سے لوگوں نیز چند دیگر افراد کو قتل کیا اور ان کے مال کو لوٹ کر قبضے میں کر لیا۔ مکہ پہنچ کر اس نے ابولہب کی اولاد میں سے بہت سے لوگوں کو تہ تیغ کر ڈالا اور یہاں سے --سراۃ-- کی جانب روانہ ہوا جہاں اس نے حضرت علی علیہ السلام کے حامی و طرفداروں کو قتل کر ڈالا --نجران-- اور یمن میں اس نے کشت و کشتار کا خوب بازار گرم کیا یہی نہیں بلکہ فرماندار یمن عبید اللہ بن عباس کے دو کم سن بچوں کے سر تک اس نے اپنے ہاتھ سے قلم کئے قتل و غارتگری اور کشت و کشتار کا بازار گرم کرنے اور تقریبا تیس ہزار کو تہ و تیغ کرنے کے بعد وہ واپس ملک شام پہنچ گیا[1]

حضرت علی علیہ السلام کا رد عمل

حضرت علی علیہ السلام کو جب بسر بن ارطاۃ کے بزدلانہ حملوں کا علم ہوا تو آپؑ نے لوگوں کو اس مقابلہ کرنے کی دعوت دی اور فرمایا: کہ مجھے اطلاع ملی ہے کہ بسر نے یمن پر قبضہ کر لیا ہے خدا شاہد ہے کہ مجھے اس بات کا علم تھا کہ یہ لوگ جلد ہی تم پر غالب آجائیں گے جس کی وجہ یہ ہے کہ وہ باطل پر تو ہیں مگر یکجا ہیں اس کے برعکس تم حق پر ہو مگر منتشر و پراگندہ۔ تمہارے رہبر و پیشوا نے تمہیں راہ حق پر چلنے کے لئے کہا مگر تم نے نافرمانی کی وہ آج باطل پر ہیں مگر اپنے سردار کے مطیع و فرمانبردار ہیں۔

وہ اپنے رہبر کے ساتھ امانت داری سے کام لیتے ہیں اور تم خیانت کرتے ہو وہ اپنے شہروں میں اصلاح کے کام کر رہے ہیں اور تم فساد بپا کئے ہوئے ہو میں تمہارے پاس اگر قدح (پیالہ) بھی بطور امانت رکھوں تو اس بات کا احتمال ہے کہ اس کے گرد کوئی ڈوری بندھی ہوئی ہو تو وہ بھی چرالی جائے گی۔[2]

اہل کوفہ نے پہلے کی طرح اب بھی حضرت علی علیہ السلام کے فرمان پر اپنی سرد مہری دکھائی کچھ عرصہ گزر جانے کے بعد آپ نے ایک ہزار افراد پر مشتمل لشکر جاریہ بن قدامہ کی زیر فرمانداری ترتیب دیا جسے ساتھ لے کر جاریہ بصرہ کی طرف روانہ ہوئے حجاز کے راستے سے وہ یمن پہنچے بسر کو یہ اطلاع مل چکی تھی کہ جاریہ کا لشکر حرکت میں ہے چنانچہ اس نے یمامہ کی سمت کو ترک کر کے اپنا رخ دوسری طرف موڑ لیا جاریہ منزلگاہ پر اترے بڑی تیزی کے ساتھ ان کا تعاقب کرنے کے لئے روانہ ہو گئے بسر ان کے خوف سے کبھی ایک طرف فرار کر جاتا اور کبھی دوسری جانب یہاں تک کہ وہ حضرت علی علیہ السلام کی قلمرو و حکومت سے باہر چلا گیا لوگوں نے جب اسطرح فرار ہوتے ہوئے انہیں دیکھا تو اچانک ان پر حملہ کر دیا جاریہ کے خوف نے اس کو ایسا سراسیمہ و وحشت زدہ کیا کہ اس کو نہ تو تحفظ و دفاع کا ہوش رہا اور نہ ہی اس مال کو وہ اپنے ساتھ لے سکا جسے اس نے قتل و غارتگری سے جمع کیا تھا بسر کا مقابلہ کئے بغیر جاریہ واپس کوفہ تشریف لے آئے۔[3]

معاویہ کے تجاوز کارانہ اقدام کا نتیجہ

شام کے جن سرپسندوں نے فتنہ و فساد کے بیج بوئے تھے ان کی امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کی زیر حکومت قلمرو پر پے در پے حملے سخت نقصان دہ نتائج کا باعث ہوئے ان میں سے چند کا ذکر ذیل میں کیا جاتا ہے۔

---

[1] ملاحظہ ہو الغارات ج2/600، و دیگر بعد کے صفحات، نیز شرح ابن ابی الحدید ج2/17-7 و الغاتی 16/266

[2] نہج البلاغہ خ25

[3] شرح ابن ابی الحدید ج2/16

1 وہ اسلامی معاشرہ جس میں اب امن وسکون مجال ہونے لگا تھا دوبارہ بدامنی اور بحرانی کیفیات کا شکار ہونے لگا خوارج کا فتنہ ابھی دبا ہی تھا بصرہ وکوفہ میں بھی معاویہ کی تحریک کے شرپسند حملہ آوروں نے مدینہ، مکہ، یمن اور دیگر شہروں میں فتنہ وفساد بپا کرنا شروع کردیا۔

2 وہ بزدل اور سست عقیدہ لوگ اس خوف وخطرہ کے باعث جو اس وقت ماحول پر مسلط تھا یہ سوچنے لگے کہ حکومت اس قابل نہیں کہ امن بحال کرسکے اور معاویہ کے حملے آور ہر جگہ پر اپنا قبضہ کرلیں گے اس لئے وہ معاویہ کی جانب چلے گئے۔

3 دیگر عوامل کے ساتھ غارتگر دستوں کے حملے اس امر کے باعث ہوئے کہ امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام جنگ نہروان کے بعد اپنی منتشر ومتفرق فوجی طاقت کو تیزی کے ساتھ یکجا جمع نہ کرسکے نیز ایسے محکم ومضبوط فوجی، سیاسی اور اقتصادی تشکیلات بھی وجود میں نہ آسکیں جن کے باعث معاویہ کا مقابلہ کیا جاسکتا۔

4 وہ لوگ جو حضرت علی علیہ السلام کی حکومت کے حامی اور طرفدار تھے کثیر تعداد میں بزدلانہ حملوں میں قتل ہوئے قبیلہ ہمدان کے سب ہی افراد حضرت علی علیہ السلام کے پیرو ومعتقد تھے وہ بسر کے حملوں کا شکار ہوئے جس میں سارے مردوں کو قتل کردیا گیا اور عورتوں کو بُسر کی قید میں ڈال دیا گیا اور یہ وہ اولین مسلم خواتین تھیں جنہیں بردہ فروشوں کے بازار میں لایا گیا۔

دو متضاد سیاسی روشیں

اوپر جو کچھ بیان کیا گیا ہے وہ چند نمونے اس سیاسی روش وحکمت عملی کے ہیں جو معاویہ نے مطلق اقتدار حاصل کرنے اور حضرت علی علیہ السلام کی حکومت کو تباہ وبرباد کرنے کے لئے اختیار کی تھی اس کے مقابل ہم امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کی انصاف پسندانہ وعدل گسترانہ سیاسی راہ وروش کو دیکھتے ہیں چنانچہ جس وقت جاریہ بن قدامہ کو حضرت علی علیہ السلام رخصت کرنے لگے تو آپ نے یہ نصیحت کی کہ: صرف جنگجو لوگوں سے ہی جنگ کرنا تم کو چاھے مجبورا پیدل سفر طے کرنا پڑے مگر عوام کے چوپایوں پر ہرگز نظر مت رکھنا جب تک کنوؤں اور چشموں کے مالک اجازت نہ دے دیں تم راستے میں کسی کنویں اور چشمے کا پانی استعمال نہ کرنا کسی مسلمان کو فحش بات نہ کہنا جس سے تمہارا عہد وپیمان ہوجائے اس کے ساتھ عہد شکنی کرکے ظلم نہ کرنا اور ذرہ برابر خون ناحق نہ بہانا۔[1]

جب ہم ان دو متضاد روشوں کا باہمی مقابلہ کرتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ ان میں سے پہلی قتل وغارتگری پر مبنی ہے اگر چہ یہ حکمت عملی بظاہر لوگوں کے مال وحقوق کا احترام کرتی ہے مگر چونکہ پہلا راستہ جس راہ سے گزر کر منزل مقصود تک پہنچتا ہے وہ اصول وضوابط کے کسی دائرے میں نہیں آتا اسی لئے وہ شرعی اور قانونی قواعد کی پابندی بھی نہیں کرتا اس کے برعکس قانونی حدود اور انسانی قدریں دوسرے گروہ کی راہ میں چونکہ مانع وحایل ہوتی ہیں اسی لئے وہ اسے ہر ناجائز وناروا کام کو انجام دینے سے روکتی ہیں۔

حق گوئی اور عدل پسندی جیسی خصوصیات کی پابندیوں کے باعث حضرت علی علیہ السلام کی سپاہ کے دنیا پرست افراد نے جہاد جیسے مقدس فرض کو انجام دینے میں سستی وسہل انگاری سے کام لیا کیونکہ وہ اپنے سامنے ایسی جنگ دیکھتے تھے جس کا اجر اس دنیا میں ان کے لئے موت کے سوا کچھ نہ تھا اگر وہ جنگ میں کامیاب ہوتے تو دشمن کے مال پر قبضہ نہیں کرسکتے تھے وہ کسی دشمن کو نہ تو اپنی مرضی سے قتل کرسکتے تھے اور نہ ہی اس کے بیوی بچوں کو اپنی قید میں رکھ سکتے تھے جب یہ شرائط و پابندیاں عائد ہوں تو جنگ کس لئے کریں؟ جنگ کے محرکات

---

[1] تاریخ یعقوبی ج2/ 200

احکام خداوندی کی پابندی اور انسانی فضائل پیش نظر رکھے جاتے تو ان کیلئے جنگ کرنا امر لا حاصل تھا اس کے برعکس اہل شام معاویہ کی ایک آواز پر فوراً لبیک کہتے کیونکہ جنگ سے ان کے تمام حیوانی جبلتوں کو آسودگی ملتی جسے بھی وہ چاہتے قتل کرتے، کنیز و غلام بنا لیتے قتل و غارتگری ہی ان کی آمدنی کا ذریعہ و وسیلہ تھا بالخصوص اہل شام میں ان لوگوں کے جن کی تربیت اسلامی اصول کے مطابق نہیں ہوئی تھی حضرت علی علیہ السلام نے کوفہ کے لوگوں سے خطاب کرتے ہوئے اس کی جانب اشارہ کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ جس چیز سے تمہاری اصلاح ہوتی ہے اور جو چیز تمہاری کجی کو درست کرتی ہے میں اس سے واقف ہوں لیکن تمہاری اس اصلاح کو اپنے ضمیر کی آواز کے خلاف میں اور ناجائز سمجھتا ہوں[1]

امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کی ریاکار سیاست مندوں کی راہ و روش اختیار کرنے کے بجائے ہمیشہ یہ کوشش رہی کہ عراق کے عوام کی اصلاح کے ذریعے عام لوگوں کے ضمیر میں اپنے جذبے کو بیدار کرتے رہیں نیز اسلامی معاشرے کی کمزوری اور دشمن کی طاقت کے عوامل کی جانب توجہ دلا کر انھیں اصلاح نفس و تہذیب اخلاق کی تعلیم دیں تا کہ ان کی کمزوریوں کو دور کر کے انھیں دعوت حق قبول کرنے کی اصلاح دی جا سکے۔

حضرت علی علیہ السلام کے خطبات و ہمدردانہ نصائح میں وہ تمام انسانی محرکات اور مادی و معنوی پہلو موجود ہیں جن میں عراق کے عوام کی فلاح و بہبود مضمر تھی چنانچہ ہر درد و غم اور ہر کمزوری و ناتوانی کا علاج ان پر کاربند رہ کر ہی کیا جا سکتا تھا اور اسی میں ان کی فلاح و بہبود پنہاں تھی۔

کوئی بھی فرد بشر وہ علم و اقتدار کے اعتبار سے خواہ کسی بھی مقام و منزلت پر ہو حضرت علی علیہ السلام جیسی بصیرت نظر کے ساتھ اس کیفیت کو بیان نہیں کر سکتا تھا جو اس وقت عراق و شام پر مسلط و حکم فرما تھی اپنے رہبر کے حکم سے روگرداں ہو کر اور جہاد جیسے مقدم فرض سے کنارہ کشی کر کے عراق کے لوگوں کی کیا سرنوشت ہو سکتی تھی اسے حضرت علی علیہ السلام سے بہتر کوئی دوسرا شخص بیان نہیں کر سکتا تھا اس کے ساتھ ہی آپؑ نے بہترین دستور عمل پر کاربند رہنے کی ہدایت فرمائی تھی جس سے ان کی حالت فلاح و بہبود پا سکتی تھی۔

لیکن عراق کے عوام آپؑ کی نظر میں ان سے کہیں بدتر تھے جنہیں معاویہ جنگ و پیکار کے لئے بھیجا کرتا تھا کیونکہ وہ دوستی کا لبادہ پہن کر آپؑ کے پرچم کے نیچے جمع ہوتے اور ہوا خواہی و طرفداری کا دم بھرتے لیکن اس کے ساتھ اس جنگ میں جو اہل شام کی طرف سے شروع کی جاتی وہ دفاعی اقدام نہ کرتے وہ ہر لحہ و لحظہ کوئی نہ کوئی بہانہ تراشتے رہتے کبھی کہتے کہ موسم بہت گرم ہے اتنی تو مہلت دیجئے کہ دن کی تمازت ذرا کم ہو جائے اور کبھی یہ کہنے لگتے کہ موسم بہت سرد ہے اس وقت تک کے لئے صبر کیجئے کہ موسم معتدل ہو جائے۔[2]

جب حضرت علی علیہ السلام انھیں یہ کہہ کر لاجواب کر دیتے کہ سردی و گرمی تو تمہارے لئے ایک بہانہ ہے خدا کی قسم تم اس قدر کاہل و بزدل ہو چکے ہو کہ اگر تلوار تمہارے روبرو آجائے تو اسے دیکھ کر فرار کر جاؤ گے اس پر وہ کہتے کہ ہم اس صورت میں ہی میدان کارزار کی طرف جا سکتے ہیں کہ جنگ میں آپ بھی ہمارے ساتھ شریک ہوں۔

ان کی یہ شرائط اس وضع میں تھی جب کہ مرکزی حکومت کو حضرت علی علیہ السلام کی سخت ضرورت تھی اس پر حضرت علی علیہ السلام فرماتے کیا ان حالات کے تحت میرے لئے میدان جنگ کی جانب روانہ ہونا مناسب ہے تمہاری یہی شرط کافی ہے کہ میں اپنے ایک دلاور اور قابل اعتماد فرماندار کا انتخاب کروں اور اس کے ہمراہ تمہیں جنگ پر روانہ کروں[3]

---

[1] انی لعالم بما یصلحکم و یقیم اودکم ولکنی لا اری اصلاحکم بافساد نفسی نہج البلاغہ خ 69-
[2] نہج البلاغہ خ17
[3] نہج البلاغہ خ119

حضرت علی علیہ السلام کے دست مبارک میں جب تک عنان حکومت رہی آپ کا کوئی بھی وقت ایسا نہ گذرا جس میں آپ نے عوام کی راہنمائی نہ فرمائی ہو وہ اپنے تجربیات اور علوم باطنی کے ذریعے ان پر وہ چیزیں کشف و عیاں کرتے جن میں ان کی فلاح و بہبود مضمر تھی اور انہی سے ان کی حالت بہتر ہو سکتی تھی چنانچہ ایک مرتبہ آپؑ نے خود فرمایا تھا: کہ میں نے تمہارے ساتھ رہ کر تمہاری ہمنشینی و ہمدمی کو زیبائی اور خوبصورتی بخشی اور میری ہمیشہ یہی کوشش رہی کہ جس قدر ممکن ہو سکے تمہیں ذلت وخواری کے حلقے اور جور و ستم کی بندشوں سے آزاد کروا دوں۔[1]

لیکن افسوس کہ حضرت علی علیہ السلام نے اصلاح کی جو بھی ہمدردانہ سعی و کوشش کی اس کا اثر ان کے تھکے ہوئے جسموں پر اور خستہ و کوفتہ دل و دماغ پر اس حد تک نہ ہو سکا جس قدر آپؑ چاہتے تھے چنانچہ یہی وجہ تھی کہ انہوں نے خود کا غارتگر شامیوں کے حوالے کر دیا تاکہ جب بھی چاہیں اور جس طرح بھی چاہیں ان کے جان و مال کو نذر آتش کر دیں۔

فتنہ خریت

خوارج کے تباہ کن وخطرناک عقائد ان لوگوں کے دلوں میں جو ذہنی طور پر فرسودہ و ناکارہ ہو چکے تھے اور اس کج رفتاری کیلئے آمادہ تھے بتدریج قوت پانے لگے اور ان کی وجہ سے اسلامی معاشرے کے لئے وہ نئی مشکل پیدا ہوگئی جس کا ذکر ذیل میں آئے گا۔

--خریت بن راشد--[2] بہت سرسخت خوارج میں سے تھا جب حکمیت کے نتیجے کا اعلان کیا گیا تو وہ اپنے حواریوں کو ساتھ لے کر حضرت علی علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا کہ اس کے بعد مجھ سے آپؑ کی اطاعت و فرمانبرداری نہ ہو سکے گی میں آپؑ کے پیچھے نماز بھی ادا نہ کروں گا...اور کل میں آپ سے علیحدہ ہو جاؤں گا۔

اپنے اس فیصلے کا محرک وہ مسئلہ حکمیت کو سمجھتا تھا حضرت علی علیہ السلام نے اس کو جواب دینے میں نرم رویہ اختیار کیا اور اسے پند و نصیحت کرنے کے بعد فرمایا: کہ وہ حکمیت کے بارے میں چاہیں تو بحث و گفتگو کر سکتے ہیں اس وقت تو اس نے گفتگو کرنا مناسب نہ سمجھا البتہ اگلے دن کا وعدہ کر کے چلا گیا مگر رات کے وقت وہ اپنے حواریوں کو ساتھ لے کر فرار کر گیا۔

اور دیگر خوارج کی طرح دہشت پسندی اور غارتگری شروع کر دی چنانچہ راہ میں اسے جتنے بھی کینہ پرور و عناد پسند لوگ ملے وہ اس کے ہمراہ ہو گئے وہ مدائن پہنچ گیا۔

امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام --زیاد بن خصفہ-- کو ان کا تعاقب کرنے کے لئے روانہ کیا اور مختلف شہروں میں اپنے کارپردازوں کو بھی لکھا تاکہ وہ ان علاقوں میں جو ان کے زیر فرمان ہیں ان کی تلاش و جستجو کے لئے اپنے کارندے مقرر کریں اور اس کے نتائج سے آپ کو مطلع و باخبر کرتے رہیں[3]۔

حضرت علی علیہ السلام کے --قرظہ بن کعب نامی-- کارپرداز نے اسے اپنی حراست میں لے لیا اور اس واقعے کی حضرت علی علیہ السلام کو اطلاع کی حضرت علی علیہ السلام نے زیاد کو اس بارے میں مطلع کیا اور حکم دیا کہ اسے میرے پاس روانہ کر دو اگر وہ آنے سے انکار کرے تو ان کے

---

[1] نہج البلاغہ خ 159

[2] یہ حضرت جنگ جمل اور جنگ صفین میں حضرت علی علیہ السلام کے ہمراہ تھے جنگ جمل میں تو انہوں نے قبیلہ نصر کی فرمانداری کے فرائض بھی انجام دئے لیکن مسئلہ حکمیت کے بعد حضرت علی علیہ السلام سے برگشتہ ہو گئے اور آپؑ کی مخالفت پر اتر آئے۔الغارات ج 1 / 333-332

[3] الغارات ج 1 338-332

ساتھ جنگ کرو کیونکہ اس نے نیز اس کے حواریوں نے حق کو پس پشت ڈال کر لوگوں کا ناحق خون بہلایا ہے اور راستوں میں بدامنی پھیلا رکھی ہے۔[1]

زیاد اور خریت ایک دوسرے کے مقابل آئے دونوں کے درمیان گفتگو اور سوال و جواب ہوئے خریت اپنے عقیدے میں پابر جا تھا دونوں کے درمیان سخت جنگ ہوئی اور ان کے بیشتر افراد کاری زخموں کے باعث مجروح ہوئے جب رات ہوگئی تو خریت فرار کر کے اہواز کی سمت چلا گیا اور زیادہ واپس بصرہ تشریف لے آئے۔

اہواز میں بہت سے راہزن، اس کے ہم عقیدہ عرب اور سطحی مسلمان جو اس کی تحریک کو دین پر ضرب لگانے، خراج ادا نہ کرنے اور قانون کی ہر قید و بند سے خارج ہونے کا ذریعہ و وسیلہ سمجھتے تھے اس کے گرد جمع ہو گئے۔

حضرت علی علیہ السلام کو جب ان واقعات کی اطلاع ملی تو آپؑ نے --معقل بن قیس-- کو ایک ہزار افراد کے ہمراہ جنگ کرنے کے لئے بھیجا آپؑ نے صوبہ دار بصرہ حضرت عبداللہ بن عباس کو بھی لکھا کو دو ہزار افراد کے ساتھ کسی دلیر و بہادر نیز راستباز شخص کو روانہ کریں تا کہ وہ حضرت معقل کے ساتھ مل کر جنگ کر سکے اس کے ساتھ ہی آپؑ نے زیاد اور ان کے ہم قبیلہ لوگوں کی تعریف و توصیف کرتے ہوئے انھیں واپس آنے کے لئے حکم صادر کیا[2]۔

حضرت ابن عباس نے حضرت خالد بن معدان طائی کو دو ہزار افراد کے ہمراہ روانہ کیا خریت کا تعاقب کرنے کے لئے حضرت معقل اہواز پہنچ کر اترے اس وقت خوارج وسیع دشت سے گذر کر کوہ رامہرمز کی بلندیوں کی جانب جانے کی کوشش و فکر میں تھے تا کہ تعاقب کرنے والی جماعت کی نسبت وہ بہتر اور زیادہ مستحکم جگہ پر قیام کر سکیں لیکن معقل نے انھیں اچانک بے خبر زغے میں لے لیا اور ابھی وہ پہاڑ کے دامن سے اوپر نہیں گئے تھے کہ ان پر حملہ کر دیا خونریز جنگ، قبیلہ بنی ناجیہ کے تین سو ستر افراد کے قتل اور ان کے بے دین ساتھی کی کشت و کشتار (جن میں کچھ عرب، بے دین اور بعض کرد شامل تھے) کے بعد خریت کیلئے فرار کے علاوہ کوئی چارہ باقی نہ رہ گیا

[3] یہاں سے فرار کرنے کے بعد خریت بحرین میں دورترین ممکن مقام پر پناہ گزیں ہوا یہاں بھی اس نے اپنے اغراض و مقاصد کا پرچار شروع کر دیا اور دوبارہ لوگوں کو اپنے گرد آنے کی دعوت دینے لگے معقل نے حضرت علی علیہ السلام کے حکم کے مطابق ان کا تعاقب کیا بحرین پہنچنے کے بعد اس نے سب سے پہلے حضرت علی علیہ السلام کا وہ خط پڑھ کر سنایا جس میں آپؑ نے مسلمانوں، عیسائیوں، مرتدین اور بے دین لوگوں سے خطاب کیا تھا اس کے بعد انہوں نے پرچم دین لہرایا اور کہا کہ خریت اور اس کے ان حواریوں کی علاوہ جو کینہ و عداوت کے باعث مسلمانوں سے علیحدہ ہو گئے ہو جو شخص بھی اس پرچم کے زیر سایہ آ جائے گا وہ امن و امان میں رہے گا اور ابھی چند لمحے ہی گذرے تھے کہ خریت کے اطراف میں اس کے اہل قبیلہ کے علاوہ کوئی شخص نہ رہا اس کے اور معقل کے درمیان سخت جنگ ہوی تجاوز کاروں کی استقامت و پایداری ایک گھنٹہ سے زیادہ قائم نہ رہ سکی ان کا رہبر اپنے ایک سو ستر سے زیادہ افراد کے ساتھ قتل ہوا باقی ساتھی ایسے فرار کر گئے جیسے بھیڑوں کے درمیان کوئی بھیڑیا آیا ہو لیکن وہ بھی گرفتار و قید ہوا ان میں سے جو لوگ تائب ہو گئے معقل نے انھیں آزاد کر دیا اور باقی افراد کو جو تعداد میں پانچ سو سے زیادہ تھے کوفہ کی جانب روانہ کر دیا۔[4]

---

[1] الغارات ج3421 / 349

[2] الغارات ج1 / 349

[3] الغارات جلد، 3531-352-کامل ابن اثیر ج3 / 368-367

[4] الغارات ج1 / 359-کامل ابن اثیر 3 / 369

آخری سعی وکوشش

4039 ہجری کے دوران معاویہ کی یورش میں چونکہ بہت اضافہ ہوگیا تھا اسی لئے حضرت علی علیہ السلام نے اس کے حملوں کو روکنے کے لئے ان فوجی دستوں کو بھیجنے کے علاوہ جن کی حیثیت محفوظ لشکر کی تھی یہ فیصلہ کیا کہ اپنی تمام سعی وکوشش شام کی جانب لازم وضروری فوجی طاقت روانہ کرنے کیلئے صرف کردیں تا کہ معاویہ کی تجاوز کاری کا ہمیشہ کے لئے سد باب ہوسکے کیونکہ آپ کے لئے اس کے علاوہ کوئی چارہ باقی نہیں رہ گیا تھا کہ مکمل جنگی سطح پر اس کا مقابلہ کیا جائے تا کہ اس شر سے ہمیشہ کے لئے نجات حاصل ہو اور وہ بھی اپنی جگہ خاموش ہر کر بیٹھے رہے۔اس فیصلے کے بعد آپ نے حضرت معقل بن قیس کو سَواد [1] کوفہ [2] کی جانب روانہ کیا تا کہ لوگوں کو جنگ میں شریک ہونے کی دعوت دے سکیں۔

آپؑ نے والی آذربائیجان قیس بن سعد کو بھی خط لکھا جس میں مرقوم فرمایا کہ وہ لوگوں کو شام کی جانب روانہ ہونے کیلئے آمادہ اور نظریاتی اعتبار سے ان میں وحدت یکجہتی کرے [3]

اس کے علاوہ حضرت علی علیہ السلام نے خود بھی کوفہ کے لوگوں کو آمادہ کرنے کے لئے مفصل تقریر کی جس میں آپؑ نے فرمایا کہ اے اللہ کے بندو گذشتہ اقوام کی تاریخ پر غور وفکر کرنا تمہارے لئے بیش قیمت درس عبرت ہے کہاں ہیں وہ بادشاہوں کے غول اور ان کے وارثین سلطنت کہاں ہیں فراعنہ اور ان کے جانشین؟ کدھر گئے وہ خاندان رس کے مدنی فرمانروا جن سب نے پیغمبروں کو تہ تیغ،سنت کے روشن چراغوں کو خاموش اور ستمگروں کی راہ وروش کو زندہ کیا تھا کہاں گئے وہ فرمانروا جو عظیم لشکر لے کر روانہ ہوئے اور جنہوں نے ہزاروں بلکہ لاکھوں کی سپاہ کو شکست دی کدھر جا چھپی فاتحین کی وہ فوج کثیر تعداد جو یکجا جمع ہوئی اور جس نے نئے شہروں کی بنیاد رکھی؟

...خدا کے برگزیدہ و نیک بندے سفر پر جانے کے لئے کمر بستہ ہوگئے انہوں نے دنیا کا فانی وبے ثبات چند روزہ چیزوں کا سودا آخرت کی جاودانی زندگی سے کیا سچ تو یہ ہے کہ ہمارے وہ بھائی جنہوں نے جنگ صفین میں اپنا خون بہایا تھا اگر آج اس دنیا میں نہیں ہیں تو انہوں نے کون سا خسارہ برداشت کیا؟

کہاں ہیں وہ میرے بھائی جنہوں نے جہاد کی راہ اختیار کی اور جادہ حق طے کیا کہاں ہیں عمار یا کہاں گئے ابن تیہان ذوالشہادتین؟اور کدھر گئے ان جیسے دوسرے لوگ جنہوں نے موت سے عہد و پیمان کیا اور شرپسندوں کے ہاتھوں اپنے سر قلم کرائے اس کے بعد آپؑ نے ریش مبارک پر اپنے ہاتھ رکھے اور کافی دیر تک گریہ وزاری کرتے رہے۔اس کے بعد فرمایا: کہ افسوس افسوس کہاں گئے وہ میرے بھائی جنہوں نے قرآن پاک کی تلاوت کی اور زندگی میں اسے اپنا حاکم بنایا اپنے فرائض کے پابند رہے اور ہمیشہ انھیں پورا کیا انہوں نے سنت نبوی کو زندہ اور بدعتوں کا قلع قمع کیا انہوں نے جہاد کی حکومت کو قبول کیا اور اپنے ہادی اور رہبر پر پورا اعتماد کرتے ہوئے اس کی پیروی کی۔

---

[1] سوادکوفہ اطراف کوفہ میں وہ جگہ تھی جہاں کھجور کے درخت اس کثرت سے تھے کہ دور سے وہ جگہ سیاہ نظر آتی تھی اسی وجہ سے اسے سواد کہا جاتا تھا یہ جگہ طول ہیں موصل سے آبادان تک اور عرض میں غریب سے علوان تک پھیلی ہوئی تھی (مجمع البحرین ج 3/ 72)۔

[2] الغارات ج 2/ 782، تنقیح المقال مامقانی ج 3/ 297

[3] تاریخ یعقوبی ج 2/ 203

اس کے بعد آپؑ نے باآواز بلند فرمایا: (جہاد جہاد) اے خدا کے بندو میں تمہیں یہ بتا دینا چاہتا ہوں کہ آج میں بھی تمہارے ساتھ عسکر گاہ کی جانب چلوں گا جو شخص بھی خدا کی جانب جلد از جلد آنا چاہتا ہے وہ نکل کر ہمارے ساتھ آئے۔[1]

آپؑ کی اس سعی و کوشش کا یہ نتیجہ برآمد ہوا کہ تقریباً چالیس ہزار افراد عسکر گاہ میں جمع ہو گئے۔

بقول۔۔نوف بکالی۔۔آپؑ نے دس ہزار سپاہ کا پرچم حضرت امام حسین علیہ السلام کو دیا دس ہزار سپاہی حضرت قیس کے زیر نگرانی کئے دس ہزار سپاہ حضرت ابوایوب انصاری کی زیر فرمانداری مقرر کئے اور دس ہزار سپاہی ان دیگر فرمانداروں کے حوالے کئے جنہوں نے اس تعداد میں مزید اضافہ کیا تھا اور حکم دیا کہ پوری فوج صفین کی جانب روانہ ہو لیکن ابھی جمعہ بھی نہ گذرا تھا کہ آپؑ کے سر مبارک پر ابن ملجم نے کاری ضرب لگائی جس کے باعث لشکر بحالت مجبوری واپس کوفہ آ گیا۔[2]

حضرت علی علیہ السلام کے خلاف دہشت پسندانہ سازش

تمام مشکلات اور سختیوں کے باوجود حضرت علی علیہ السلام جس زمانے میں شام کی جانب روانہ ہوئے اور معاویہ سے جنگ کا تدارک کر رہے تھے اسی عرصہ میں چند خوارج بظاہر مراسم حج بیت اللہ ادا کرنے کی نیت سے مکہ میں جمع ہوئے یہاں انہوں نے چند جلسات کی تشکیل کی جس میں ان مقتولین کو یاد کیا جو جنگ نہروان میں کام آ گئے تھے ان کے خیال میں وہ لوگ بے قصور مارے گئے تھے اور ان کے قتل کے اصل ذمہ دار حضرت علی علیہ السلام، معاویہ اور عمرو عاص تھے۔

ان کے خیال میں یہ تینوں ہی حضرات۔۔ائمہ ضلال (گمراہوں کے امام) تھے۔ چنانچہ انہوں نے فیصلہ کیا کہ تینوں کا فیصلہ کر دیا جائے تاکہ اس طرح باہمی اختلاف، کشمکش اور نا انصافی کی بیخ کنی کر دیں۔

ان میں سے تین افراد نے اس مقصد کے لئے اپنی زندگی داؤ پر لگا دی۔ تاکہ تینوں مذکورہ حضرات کی زندگی کو ختم کر دیں حضرت علی علیہ السلام کو قتل کرنے کا ذمہ عبدالرحمن ابن ملجم نامی نے لیا انہوں نے اس سازش کی تکمیل کے لئے باہمی عہد و پیمان کئے اور یہ فیصلہ کیا کہ بتاریخ 19 ماہ رمضان 40ھ صبح کے وقت وہ اپنی دہشت پسندانہ کاروائی پر عمل درآمد کریں گے اس کے بعد وہ ایک دوسرے سے جدا ہو گئے۔

ابن ملجم کوفہ میں داخل ہوا اور اپنی چچازاد بہن قطام کے گھر پہنچا وہ اس کے ساتھ پہلے بھی چونکہ معاشقہ کر چکا تھا اسی لئے اب اسے اپنی شادی کرنے کا پیغام دیا قطام خود خوارج میں سے تھی اس کے بھائی اور باپ کا قتل جنگ نہروان میں ہو چکا تھا اسی لئے اس کے دل میں حضرت علی علیہ السلام کے خلاف سخت عداوت و دشمنی تھی اس نے کہا کہ میں اس شرط پر شادی قبول کر سکتی ہوں کہ ایک کنیز و غلام اور تین ہزار درہم نقد دینے کے علاوہ تو علی علیہ السلام کو قتل کر دے اگر تو اس مقصد میں کامیاب ہو گیا تو تو میرے کلیجے کو ٹھنڈا کرے گا اور مجھ سے داد مراد پائے گا اور اگر کہیں تو خود مارا گیا تو تجھے دنیوی نعمتوں سے کہیں زیادہ عظیم اس کا اجر و ثواب ملے گا۔

ابن ملجم نے جب دیکھا کہ یہ عورت اس کام کے لئے بہت زیادہ اصرار کر رہی ہے تو اس نے بتا دیا کہ میں یہی ناپاک ارادہ لے کر کوفہ سے آیا ہوں۔[3]

---

[1] ملاحظہ ہو نہج البلاغہ کا خطبہ 182

[2] نہج البلاغہ خ 182، ومناقب ابن شہر آشوب ج 3/ 194

[3] مروج الذہب ج 2/ 411، بحار ج 42/ 228، مقاتل الطالبین 18 تاریخ طبری ج 5/ 143

ابن ملجم نے شبیب بن بجرہ نامی دوسرے شخص سے جو خود بھی خوارج میں سے تھا اس کام میں مدد لی قطام نے وردان بن مجالد کو بھی اس کے ساتھ کر دیا تا کہ وہ بھی اس کام میں اس کا مددگار ہو سکے اس نے ۔۔اشعث بن قیس ۔۔کو بھی اپنا راز دار بنالیا اس شخص نے بھی اس کام کو تمام کرنے کے لئے اس کی حوصلہ افزائی کی [1]

شہادت کا انتظار

امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام نے احادیث نبوی اور علم لدنی کی بنیاد پر یہ پیشین گوئی کر دی تھی کہ آپؑ کی شہادت ماہ رمضان المبارک کے آخری عشرہ میں واقعہ ہوگی جب ماہ رمضان آ گیا تو افطار کے بعد آپؑ کبھی امام حسن علیہ السلام کبھی امام حسین علیہ السلام اور بعض راتوں میں حضرت عبداللہ بن عباس کے گھر قیام فرماتے لیکن افطار کے وقت تین لقموں سے زیادہ تناول نہ فرماتے جب اس کی وجہ دریافت کی گئی تو آپؑ نے فرمایا کہ میری یہ آرزو ہے کہ خداوند تعالیٰ کا دیدار شکم سیر ہوئے بغیر کروں [2]

ماہ مبارک کی انیسویں شب میں امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام پر سخت ہیجانی کیفیت طاری تھی آپؑ اچانک گھر کے اندر سے نکل کر صحن میں تشریف لے آتے اور وہاں ٹہلنے لگتے اور آسمان کی طرف دیکھتے ۔آپؑ نے سب حاضریں کو بتادیا تھا کہ آج کون سا عظیم حادثہ رونما ہونے والا ہے آپ یہ فرما چکے تھے کہ ۔۔خدا کی قسم میں غلط نہیں کہہ رہا ہوں اور مجھے غلط خبر نہیں دی گئی ہے کہ آج کی رات وہی رات ہے جس کا مجھ سے وعدہ کیا جا چکا ہے [3]

اس رات حضرت علی علیہ السلام تمام وقت بیدار رہے پوری رات تلاوت قرآن مجید اور عبادت میں گذری طلوع فجر سے قبل جب آپ گھر سے مسجد تشریف لے جانے لگے تو راستے میں مرغابیاں آ گئیں جنہیں راستے سے دور کر دیا گیا اس پر حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا کہ انھیں کچھ مت کہو یہ نوحہ وگریہ کر رہیں ہیں [4]

شہادت

امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام مسجد میں تشریف لائے جو لوگ محو خواب تھے انھیں بیدار کیا کہ خداوند تعالیٰ کی عبادت ومناجات میں مشغول ہوں آپؑ نے ابن ملجم کو بھی بیدار کیا (31) وہ تو اول شب سے ہی آپؑ کی آمد کا منتظر تھا اور اس وقت خود کو سوتا ہوا بنالیا تھا اس کے بعد آپؑ نماز ادا کرنے کیلئے کھڑے ہوئے اور قلب وزبان کو ذکر خدا میں مشغول کر دیا ۔

اس وقت شبیب نے چاہا کہ آپؑ پر تلوار سے وار کرے مگر اس کی تلوار محراب مسجد سے ٹکرا کر رہ گئی ابن ملجم تباہ کار جلدی سے آگے آیا اس نے اپنی تلوار اوپر اٹھائی اور باواز بلند کہا ۔۔الحکم للہ لا لك یا علی و لا لاصحابك ۔۔یہ کہہ کر اس نے حضرت علی علیہ السلام کے سر مبارک پر اپنی تلوار اٹھائی جو ٹھیک اسی جگہ لگی جہاں جنگ خندق میں ۔۔عمرو بن عبدود ۔۔[5] کی تلوار آپ کے سر مبارک پر لگ چکی تھی حق و

---

[1] حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ حضرت علی علیہ السلام کے قتل میں اشعث بن قیس شرکت تھا اس کی بیٹی نے حضرت امام حسن علیہ السلام کو زہر دیا اس کا بیٹا محمد بھی حضرت امام حسین علیہ السلام کے قتل میں شریک تھا بحارج 42 / 226

[2] بحارج 42 / 224، ارشاد مفید 14

[3] واللہ ما کذبت ولا کذبت انہا معی لیلۃ التی وعدت فیہا بحار ج 226/42، ارشاد 15

[4] ذروہن فانہن نوائح بحارج 42 / 226، وارشاد مفید/15

[5] بحارج 42 / 226، ارشاد ص 12

عدل کا وہ پیکر جو صریح و واضح کفر اور الحاد کے ضربات سے زمین پر نہیں گر سکا تھا آج نفاق اور جہل و تعصب آمیز ظاہری تقدس کے ایک ہی وار سے خاک و خون میں لوٹنے لگا حضرت علی علیہ السلام نے جیسے ہی ضرب شمشیر کو محسوس کیا فرمایا:--**فزت و رب الکعبہ**-- [1] قسم کعبہ کے خدا کی آج میں نے کامیابی حاصل کی۔

آپؑ کے فرزندوں اور اصحاب پر تو گویا غم و اندوہ کا پہاڑ ٹوٹ پڑا ہر طرف سے گریہ و نالہ اور آہ و بکا کی صدائیں سنائی دینے لگیں لوگ سراسیمگی کی حالت میں مسجد کی جانب دوڑے۔

حضرت علی علیہ السلام کا سر مبارک حضرت امام حسن علیہ السلام کی آغوش میں تھا جس سے مسلسل خون جاری تھا زخم کی شدت اور بہت زیادہ خون بہہ جانے کی وجہ سے آپؑ اب تک بے ہوشی کی حالت میں تھے ابن ملجم بھی پکڑا گیا اور اسے حضرت امام حسن علیہ السلام کی خدمت میں پیش کیا گیا حضرت مجتبیٰ علیہ السلام نے اس سے فرمایا اے ملعون تو نے پیشوائے مسلمین حضرت علی علیہ السلام کو قتل کر دیا کیا نیکی اور خیر خواہی کا بدلہ یہی ہے تو وہی شخص ہے جسے خلیفہ وقت نے پناہ دی اور اپنا مقرب بنایا؟

اس کے بعد آپؑ نے والد محترم کی خدمت میں عرض کیا بابا جان یہ آپ کا اور خدا کا دشمن بحمد اللہ گرفتار کرلیا گیا ہے وہ اس وقت آپ کے روبرو حاضر ہے۔

حضرت علی علیہ السلام نے چشم مبارک کو کھولا اور فرمایا کہ تو بہت عظیم سانحہ کا مرتکب ہوا ہے اور تو نے نہایت ہی خطرناک کام کیا ہے کیا میں تیرے لئے برا امام ثابت ہوا؟ ایسی کون سی مہربانی اور بخشش تھی جو میں نے تیرے حق میں روا نہ رکھی کیا لطف و مہربانی کا یہی بدلہ وصلہ ہے؟ اس کے بعد آپؑ نے حضرت امام حسن علیہ السلام سے فرمایا کہ اے فرزند عزیز اپنے اس قیدی کے ساتھ خاطر و مدارات کا سلوک کرنا اور اس کے ساتھ مہربانی و نوازش سے پیش آنا۔

جو کچھ تم کھاؤ اور پیو وہی تم اسے کھلانا اور پلانا اگر میں مرجاؤں تو میرے خون کے قصاص میں اسے قتل کر دینا مگر اس کے ناک، کان نہ کاٹنا کیونکہ میں نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان مبارک سے سنا ہے کہ اس کتے کے بھی ناک کان نہ کاٹو جس نے تمہیں کاٹا ہے اور اگر میں بچ گیا تو میں ہی جانتا ہوں کہ اس کے ساتھ کیا سلوک کروں گا اسے معاف کر دینے میں مجھے سب پر فضیلت حاصل ہے کیونکہ ہمارا خاندان وہ خاندان ہے جس نے بڑے بڑے گناہگاروں کو معاف کیا اور ان کے ساتھ ہم بزرگواری کے ساتھ پیش آتے ہیں [2]

حضرت امام حسن علیہ السلام اپنے والد بزرگوار کو گھر لے آئے لوگ گریہ و نالہ کرتے اور آپ سے رخصت ہوتے عجب کہرام کا عالم تھا لگتا تھا کہ غمگساروں کی جان کھینچ کر لبوں پر آ گئی ہے۔

حضرت امام مجتبیٰ علیہ السلام نے بعض اطبا کو جن میں اثیر بن عمرو سکونی سب سے زیادہ ماہر و حاذق طبیب تھے علاج کے لئے بلایا انہوں نے کہا کہ بھیڑ کا تازہ جگر لاؤ اس کی ایک رگ انہوں نے حضرت علی علیہ السلام کے زخم کے اندر رکھی اور اسے باہر نکال لیا انہوں نے دیکھا کہ مغز کی سفیدی اس رگ پر لگ گئی ہے اور دم شمشیر کی ضرب نے دماغ تک اثر کیا ہے یہ دیکھ کر اس طبیب نے کہا-- یا امیر المومنین اگر کوئی

---

[1] مناقب ج3/312، بحار ج42/239

[2] بحار الانوار ج42/288-287

وصیت کرنا چاہیں تو کر دیجئے۔۔[1]

امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام نے اپنے فرزندوں کو اخلاق حسنہ کی وصیت فرمائی اپنی زندگی کے قابل قدر و قیمت درس انھیں اور تمام مسلمین کو دیئے۔امور خلافت اپنے فرزند محترم امام حسن علیہ السلام کو تفویض کیئے اور اس کا گواہ اپنے فرزندوں اور بزرگان خاندان کو بنایا کلام مجید اور اپنا اسلحہ آپ کی تحویل میں دیا۔

جب حضرت علی علیہ السلام اپنے فرزندوں کو پند و نصائح کر چکے تو آپؑ نے موت کی علامات محسوس کیں اس کے بعد آپ قرآن پاک کی تلاوت میں مشغول ہو گئے آخری آیت جو آپ کی زبان مبارک پر آئی وہ یہ تھی۔

فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ۝ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ۝ [2]

(پھر جس نے ذرہ برابر نیکی کی ہوگی وہ اس کو دیکھ لے گا اور جس نے ذرہ برابر بدی کی ہوگی وہ اس کو دیکھ لے گا)

بتاریخ 21 رمضان 40 ھ اس وقت جب کہ آپ کا سن شریف تریسٹھ برس کا تھا آپ کی روح مقدس و مطہر اس جہان فانی سے پرواز کر کے عالم جاودانی کی جانب عروج کر گئی۔

حضرت امام حسن علیہ السلام نے اپنے دیگر بھائیوں اور حضرت علی علیہ السلام کے اصحاب کی مدد سے اپنے شہید والد محترم کی تجہیز کا انتظام کیا غسل و کفن کے بعد جب کچھ رات گذر گئی تو اس پیکر مقدس کو کوفہ سے باہر لے آئے تمام راستہ جنازے کے پیچھے رہ کر طے کیا اور جنازہ اس جگہ لایا گیا جو آج نجف اشرف کے نام سے مشہور و معروف ہے نماز جنازہ ادا کرنے کے بعد انتہائی خاموشی کے ساتھ اس پیکر تقدس کو سپرد خاک کر دیا[3]

سلام علیہ یوم ولد و یوم استشھد و یوم یبعث حیا

سلام ہو آپ پر جس دن آپ کی ولادت ہوئی اور جس دن شہید کئے گئے اور جس دن زندہ اٹھائے جائیں گے۔)

[1] مقاتل الطالبین 23
[2] سورہ زلزال آیہ 6
[3] بحار الانوار ج 42/ 294

سوالات

1۔معاویہ نے کن محرکات کے تحت دہشت پسند دستے ان مناطق میں بھیجے جہاں حضرت علی علیہ السلام کی حکومت تھی؟

2۔بسر بن ارطاہ نے جو قتل وغارتگری کی اس کی کچھ مثالیں بیان کیجئے ان کے تجاوز کارانہ اقدام کا حضرت علی علیہ السلام کی جانب سے کیا ردعمل ہوا؟

3۔سپاہ عراق پر سپاہ شام کی کامیابی کے کیا عوامل تھے؟ نہج البلاغہ میں بیان کئے گئے حضرت علی علیہ السلام کے اقوال کی روشنی میں اس امر کی وضاحت کیجئے؟

4۔معاویہ کے حملات اور تجاوز کارانہ اقدامات کا سدباب کرنے کیلئے حضرت علی علیہ السلام کا آخری فیصلہ کیا تھا؟

5۔امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کو قتل کرنے کے لئے خوارج نے کیا سازش کی اس اقدام میں کون سے عوامل کارفرما تھے؟

6۔حضرت علی علیہ السلام نے اپنے قاتل کے بارے میں کیا ارشاد فرمایا؟ اور حضرت امام حسن علیہ السلام کو اس سلسلے میں کیا پندنصائح کیئے

7۔حضرت علی علیہ السلام کی شہادت کس تاریخ کو واقع ہوئی شہادت کے وقت آپ کا سن مبارک کتنا تھا؟

چوتھا حصّہ

حضرت امیرالمومنین علی علیہ السلام کی سوانح حالات

حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کی سوانح حیات

حضرت امام حسن علیہ السلام کی سوانح حالات

حضرت امام حسین علیہ السلام کی سوانح حالات

حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کی سوانح حالات

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کی سوانح حالات

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی سوانح حالات

حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی سوانح حالات

حضرت امام علی رضا علیہ السلام کی سوانح حالات

حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کی سوانح حالات

حضرت امام علی نقی علیہ السلام کی سوانح حالات

حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کی سوانح حالات

حضرت امام آخرالزمان عجل اللہ فرجہ الشریف کی سوانح حالات

پہلا سبق:

حضرت علی علیہ السلام کی زندگی کے حالات

(پہلا حصہ)

ائمہ طاہرین اوران کی تعداد

علم تاریخ، تمام اقوام میں رائج فنون میں سے ایک فن ہے۔ مورخین، تاریخ لکھنے کے لئے سفر کرتے اور دنیا بھر میں گھومتے رہتے ہیں جبکہ عوام اس کی معرفت کے شوقین اور علماء و مفکرین اس کی شناخت کے سلسلے میں اپنی دلچسپی کا اظہار کرتے ہیں۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت کے بعد، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جانشینوں اور لوگوں کے دین و دنیا کے پیشواؤں کی تعداد بارہ ہے اور اس سلسلہ میں عامہ اور خاصہ دونوں ہی نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بہت سی روایتیں نقل کی ہیں یہاں تک کہ ان میں سے بہت سی روایتوں میں ائمہ معصومین علیہم السلام کے ناموں کی صراحت بھی موجود ہے[1]۔

ان حضرات کی تعداد اور ناموں پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نص کے علاوہ ہر امامؑ نے خدا کے حکم سے اپنے بعد والے امامؑ کا تعارف بھی کرایا ہے۔ جیسا کہ پہلے امام حضرت امیر المومنین نے شہادت کے وقت اپنے بیٹے امام حسن علیہ السلام کے نام کی تصریح فرما دی تھی اور امام حسن علیہ السلام نے بھی اپنی وفات کے وقت اپنے بھائی امام حسین علیہ السلام کے عہدہ امامت کا اعلان کر دیا تھا نیز یہی عمل تمام ائمہ معصومین علیہ السلام نے انجام دیا۔

ائمہ معصومین کے نام:

1۔ حضرت امیر المومنین علی بن ابیطالب علیہ السلام

2۔ حضرت امام حسن مجتبی علیہ السلام

3۔ حضرت امام حسین علیہ السلام

4۔ حضرت امام سجاد علیہ السلام

5۔ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام

6۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام

7۔ حضرت امام موسی کاظم علیہ السلام

8۔ حضرت امام رضا علیہ السلام

---

[1] تفصیل کے لئے۔۔ کتاب کفایۃ الاثرفی النص علی الائمۃ الاثنی عشر۔۔ اور کتاب۔۔ الفقیہ للنعمانی۔۔ ص57، ص110۔۔۔ بحار الانوار۔۔ جلد36، ص226، ص372، ۔۔ غیبت شیخ۔۔ ص99، 87۔ اور۔۔ غیبت مفید۔۔ کا مطالعہ فرمائیں اور کے علاوہ ولایت اور اس کی شرائط کے موضوع پر قرآن مجید کا مطالعہ ہم کو بارہ اماموں پر انحصار کرنے کی ہدایت کرتا ہے۔

9۔حضرت امام محمد تقی علیہ السلام

10۔ علیہ السلام حضرت امام علی النقی علیہ السلام

11۔حضرت امام حسن العسکری علیہ السلام

12۔حضرت امام مہدی (حجۃ بن الحسن) علیہ السلام

ائمہ معصومین کی سیرت

ہمارے بارہ امام پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اکرم کی تعلیم وتربیت کا کامل نمونہ تھے، ان حضرات کی سیرت، رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت تھی۔البتہ دوسو پچاس سال کی مدت (یعنی 11ھ ق سے لیکر 260ھ ق) تک جب یہ معصومین علیہ السلام حضرات لوگوں کے درمیان موجود تھے اس زمانہ میں مختلف حالات پیش آتے رہے کہ جن میں ائمہ معصومین علیہ السلام کی زندگی مختلف شکلوں میں جلوہ گر ہوتی رہی لیکن پھر بھی انہوں نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اکرم کے اصلی مقصد یعنی اسلام کی نشر واشاعت اور اصول وفروع کو تغییر وتبدیلی اور تحریف سے محفوظ رکھنے نیز ممکنہ حد تک لوگوں کی تعلیم وتربیت تا سلسلہ میں کسی قسم کا دریغ نہیں کیا۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے 23 سالہ تبلیغی دور میں زندگی کے تین مرحلوں سے گزرے ہیں، چنانچہ بعثت کے شروع کے تین سال آپ نے پوشیدہ طور پر تبلیغ کرنے میں گزارے، اس کے بعد دس سال تک مسلسل مکہ میں علی الاعلان لوگوں کو دعوت اسلام دیتے رہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیروکار دونوں ہی دشمنان اسلام کی طرف سے ڈھائے جانے والے سخت مظالم اور آزار کا شکار رہے، اس دور میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دین اسلام کی تبلیغ کے لئے کسی طرح کی آزادی حاصل نہیں تھی۔پھر آخر کے دس سال اس حالت میں گزرے کہ حکومت اسلامی کی بنیاد رکھی گئی اور اسلام نے اپنی فاتحانہ ترقی اور پیش قدمی کو جاری رکھا اور ہر لحظہ مسلمانوں پر کمال ودانش کے دروازے کھلتے رہے۔

ائمہ معصومین گوناگوں حالات سے دوچار تھے۔ان کے زمانے کی صورت حال، پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہجرت کے پہلے والے زمانہ کے ساتھ بہت زیادہ مشابہت رکھتی تھی کبھی تو بعثت کے پہلے تین سالوں کی طرح، کسی صورت سے بھی اظہار حق ممکن نہ تھا اسی وجہ سے یہ حضرات بھی نہایت احتیاط کے ساتھ اپنے فرائض پر عمل کرتے رہے ہیں جیسا کہ چوتھے امام حضرت زین العابدین علیہ السلام نے یہی کیا۔

اور کبھی ہجرت سے دس سال پہلے کی طرح صرف نشر احکام اور معارف دین کی تعلیم دیتے اور افراد کی تربیت کرتے تھے ادھر حکّام بھی ایذا رسانی سے باز نہیں آتے تھے اور ہر روز ایک نئی مشکل پیدا کر دیتے تھے۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہجرت کے بعد کے حالات سے کسی حد تک حضرت امام علی علیہ السلام کے پانچ سالہ دور حکومت کے حالات اور حضرت امام حسن علیہ السلام کی زندگی کے تھوڑے دنوں کے حالات کے مشابہ تھے۔نیز اسی طرح کی صورت حال حضرت امام حسین علیہ السلام کی زندگی میں بھی پیش آئی، جس میں حق مکمل طور پر جلوہ گر ہوا اور اس نے شفاف آئینہ کی طرح پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ کے عمومی حالات کو پیش کیا۔

اس زمانہ کے علاوہ کہ جس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اور کسی بھی زمانہ میں ائمہ معصومین نے آشکارہ طور پر وقت کے حکمرانوں کی مخالفت نہیں کی اور نہ ہی ان سے کھلم کھلا برسر پیکار ہو سکے اسی وجہ سے ان کے لئے قول وعمل میں تقیہ ناگزیر تھا۔اس کے باوجود بھی ان کے

دشمن، ان کی شمع حیات کوگل کرنے اوران کے آثار کومٹانے کی کوششوں میں لگے رہے۔

اختلاف کی اصل وجہ

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے بعد اسلامی معاشرہ میں مختلف حکومتیں بنیں اورانہوں نے اپنے آپ کوحکومت اسلامی کا نام دیا۔ بنیادی طور پر یہ تمام حکومتیں اہل بیت کی مخالف تھیں۔

نیز یہ مخالفت اور دشمنی ناقابل آشتی، بنیادی اور اعتقادی تھی۔ یہ صحیح ہے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اپنی احادیث میں اپنے اہل بیت علیہم السلام کے فضائل و مناقب بیان فرمائے ہیں کہ جن میں سے ایک اہم ترین سمجھی جانے والی بات یہ ہے کہ اہل بیت علیہم السلام، احکام دین، معارف قرآن اورخدا کی حلال وحرام کردہ چیزوں سے مکمل طور پرآگاہ تھےاوروہ انھیں لوگوں کے لئے بیان فرماتے تھے نتیجہ میں ان کی تعظیم اوراحترام تمام امت پرلازم تھا،لیکن امت نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی اس وصیت کا حق ادانہیں کیا۔

مختلف مقامات خصوصاً غدیرخم میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے حضرت علی علیہ السلام کواپنا جانشین معین فرمادیا تھا،لیکن اس کے برخلاف کچھ مسلمانوں نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی رحلت کے بعد دوسروں کوپیغمبر صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا جانشین چن لیااوراہل بیت علیہم السلام کوان کے مسلّم حق سے محروم کردیا۔نتیجہ میں حکومت وقت،اہل بیت کوہمیشہ اپنا خطرناک رقیب شمار کرتی رہی اورمختلف طریقوں سے انہیں ختم کردینے یا گوشہ نشین بنادینے کی کوشش میں لگی رہی۔ائمہ معصومین پیغمبر صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اعظم کی سیرت کوامت اسلامی کے سامنے پیش کرتے تھے،حکومت اسلامی کے فرائض کی رعایت اوراسلام کے تمام احکام کے اجراءکوضروری سمجھتے تھے۔لیکن پیغمبر صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے بعد تشکیل پانے والی حکومت، احکام اسلامی کی مکمل رعایت اورسیرت پیغمبر صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی متابعت کی پابندی نہیں کرتی تھی بلکہ ہمیشہ اپنی نفسانی اورسیاسی خواہشوں کے مطابق احکام اورقوانین کی تفسیر کرتی رہی،امیرالمومنین۔ان کے بارے میں فرماتے ہیں کہ:

بیشک یہ دین اشرار کے ہاتھوں میں اسیر، نیز ہواوہوس اوردنیا طلبی کا ذریعہ ہوگیا ہے [1]

ابن ابی الحدید شرح نہج البلاغہ میں حضرت علی علیہ السلام کی خصوصیات کوبیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

حضرت علی علیہ السلام شریعت کے پابند تھےاور جوکچھ دین کے خلاف تھااس کویکسرنظرانداز کردیتے تھےاوراس پرعمل نہیں کرتے تھے۔

اسی طرح حضرت علی علیہ السلام خودفرماتے ہیں کہ:اگردین وتقوی مانع نہ ہوتاتو میں عرب کا زیرک ترین شخص ہوتا۔

لیکن دوسرے خلفاء نے جوخود بہترسمجھااورجوان کی رائے کے مطابق تھااسی پرعمل کیا، چاہے وہ شرع کے مطابق ہویانہ ہو۔[2]

خداوندعالم نے چندآیات میں امت اسلامی کوحتی کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کواحکام اسلامی میں تبدیلی کرنے سے منع کیا ہے۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اسلام نےبھی ان ناقابل تغییر احکام اورقوانین کی روشنی میں لوگوں کے درمیان ایسی روش اختیار کی کہ جس سے قوانین الٰہی کے اجراء میں زمان، مکان اوراشخاص کے اعتبار سے کوئی فرق نہ رہ جاتا۔

---

[1] ۔فانّ ھذا الدین قد کان اسیراً فی ایدی الاشرار یعمل فیه بالھوی و تطلب به الدنیا۔۔(نہج البلاغہ فیض الاسلام خط53 ص1010 مالک اشتر کے نام خط)

[2] شرح نہج البلاغہ جلد1 ص28۔

پیغمبر اکرم ﷺ کی سیرت طیبہ کا مقصد صرف یہ تھا کہ احکام آسمانی، لوگوں کے درمیان عادلانہ اور مساوی طور پر جاری ہو سکیں اور اسلام کے قوانین میں کوئی تبدیلی اور تحریف واقع نہ ہو اسی روش کے ذریعہ آپ ﷺ نے لوگوں کے درمیان ہر طرح کے امتیاز کو ختم کر دیا حتی کہ آپ ﷺ، خدا کے حکم سے واجب الاطاعت حاکم اور فرمانروا قرار پائے۔ پیغمبر اکرم ﷺ کے لئے ان کی زندگی میں بجز اس امتیاز کے کہ جو دستور خداوندی کے وجہ سے تھا ذرہ برابر بھی لوگوں کی بہ نسبت کوئی امتیاز نہ تھا۔

لیکن ائمہ معصومین کے زمانہ میں برسر اقتدار حکومتوں نے ظاہری لحاظ سے بھی اپنی سیرت کو پیغمبر اکرم ﷺ کی سیرت سے منطبق نہیں کیا اور اپنی راہ و روش کو یکسر بدل ڈالا۔

1۔ رسول خدا ﷺ کی رحلت کے بعد اسلامی معاشرہ میں شدید ترین اختلافات رونما ہوئے اور امت اسلامی، طاقتور اور کمزور دو دستوں میں تقسیم ہوگئی۔ [1] اور ایک گروہ کی عزت و آبرو اور جان و مال دوسرے گروہ کی ہوا و ہوس کا بازیچہ بن گئی۔

2۔ نام نہاد اسلامی حکومتیں تدریجاً قوانین اسلامی کو بدلنے لگیں اور کبھی اسلامی معاشرہ کی مصلحت کو بالائے طاق رکھتے ہوئے اپنی حکومت اور اقتدار کے تحفظ کی خاطر احکام الٰہی پر عمل کرنے سے کتراتی تھیں اور اسلامی دستور و قوانین کی مخالفت کرتی تھیں۔

یہ روش روز بروز وسعت پاتی گئی اور نوبت یہاں تک پہونچی کہ زمامداران حکومت اور کام کرنے والوں میں ذرّہ برابر احکام اسلامی اور دینی حدود کی پابندی کا پاس و لحاظ نہ رہا۔ لیکن ائمہ معصومین، قرآن کے حکم کے مطابق احکام اسلام اور سیرت پیغمبر ﷺ کے اجراء کو ہمیشہ اور تمام لوگوں کے لئے لازم جانتے تھے، اسی اختلاف اور تضاد کی بنا پر اس وقت کی حکومتیں اپنی طاقت کا فائدہ اٹھاتے ہوئے ائمہ معصومین کی حیثیت کو کمزور بنانے اور ان کو معاشرے اور لوگوں سے دور کرنے کی کوششیں کرتی رہیں اور ہر ممکن طریقہ سے ان کے نور کو گل کرنے میں لگی رہیں [2]۔

اہل بیت شدید مشکلات سے دوچار رہے اور سخت ترین کینہ توز دشمنوں میں رہنے کے باوجود بھی حقائق دین کی تبلیغ کرتے رہے اور صالح افراد کی تربیت سے دست بردار نہ ہوئے۔

ان کی مسلسل تعلیم و تربیت ہی کا اثر تھا کہ حق کے پیروکاروں کی تعداد، رحلت پیغمبر ﷺ ﷺ کے وقت مختصر ہونے کے باوجود اواخر عصر ائمہ علیہم السلام میں کثیر ہوگئی۔

علی ابن ابیطالب علیہ السلام

مذکورہ بالا مقدمہ میں ہم نے ائمہ معصومین علیہم السلام کی عمومی سیرت اور انکی معاصر حکومتوں کا اجمالی ذکر کیا ہے نیز ان کے درمیان اختلاف کے اسباب کی تحقیق پیش کر دی ہے، اور اب ہم ائمہ معصومین علیہم السلام کی سوانح عمری کے بارے میں بقدر گنجائش دروس بیان کریں گے یہ تو واضح ہے کہ تمام معصوم پیشواؤں کی مکمل علمی، سیاسی اور اجتماعی زندگی کو چند گھنٹوں میں بیان نہیں کیا جا سکتا۔ لہٰذا مختصر وقت کے پیش نظر، رہبران الٰہی کی زندگی کا سرسری جائزہ ہی پیش کیا جا رہا ہے۔

---

[1] مزید معلومات کے لئے۔۔ تاریخ اسلام امامت حضرت کے زمانہ میں۔۔ سبق 4 کی طرف رجوع فرمائیں۔

[2] جو بیان اس مقدمہ میں کلی طور پر آیا ہے اور جس بات کا دعوی کیا گیا ہے آیندہ دروس میں ائمہ معصومین کے بارے میں خلفاء کے موقف اور معصوم رہبروں کے اقدامات کے نمونوں کے ساتھ پیش کیا جائے گا۔

ابتدا پہلے امام حضرت امیر المومنین علیہ السلام کی زندگی سے کی جارہی ہے۔ آپؑ کی زندگی کو پانچ حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

الف۔ ولادت سے بعثت پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک

ب۔ بعثت سے ہجرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک

ج۔ ہجرت سے رحلت پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک

د۔ رحلت پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خلافت تک

ہ۔ خلافت سے شہادت تک

اب ہم ان پانچوں حصوں میں سے ہر حصہ کے بارے میں بحث کا نچوڑ پیش کریں گے۔

ولادت سے بعثت پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک

حضرت علی بن ابی طالب۔ جمعہ کے دن 13 رجب 30 ھ ق عام الفیل (بعثت سے دس سال پہلے) خانہ خدا میں پیدا ہو[۱] ئے۔ ان کے پدر عالیقدر عمران[۲] ابن عبدالمطلب ابن ہاشم ابن عبدمناف تھے اور ان کی والدہ ماجدہ فاطمہ بنت اسد ابن ہاشم ابن عبدمناف تھیں۔

حضرت علی علیہ السلام نے چھ سال کی عمر تک اپنے والدین کے پاس زندگی گزاری اس کے بعد حضرت محمد ابن عبداللہ کی درخواست پر اُن کے پاس چلے آئے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دامن تربیت میں رہے۔[۳]

حضرت علی علیہ السلام اپنے اس زمانہ کے بارے میں یوں فرماتے ہیں:

وَضَعنی فی حِجرہ وَ اَنا وَلَدٌ یَضُمُّنی الی صَدرہ وَ یَکنُفُنی فی فِراشہ وَ یُمسُّنی جَسَدَہ وَ یُشمَّنی عَرَفَہُ و کانَ یَمْضَغُ الشیءَ ثمَّ یُلقمنیہ...وَلَقَد کُنتُ أَتَّبِعُهُ أَتَّبِعُهُ إتّباعَ الفَصیل أثرَ اُمّہ، یَرفَعُ لی فی کُلّ یوم: من اخلاقہ علماً و یامُرنی بالاقتداء بہ، وَلَقَد کانَ یُجاوِرُ فی کل سُنَۃ: بحراء فاراہ ولا یراہ غیری...[۴]

بچپن میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھے اپنی آغوش میں لیتے اپنے سینہ سے لگاتے اور اپنی مخصوص آرامگاہ پر جگہ دیتے اپنا جسم اقدس میرے جسم سے مس کرتے اور اپنی خوشبو سے میرے مشام جاں کو معطر فرماتے غذا چبا کر میرے منہ میں رکھتے۔

میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس طرح پیروی کرتا تھا کہ جیسے (اونٹ کا) شیر خوار بچہ اپنی ماں کے پیچھے پیچھے چلتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر روز میرے لئے اپنے اخلاق کا علَم بلند کرتے تھے اور مجھے حکم دیتے تھے کہ میں ان کے کردار کی پیروی کروں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر سال غار حرا میں تشریف لے جاتے تھے اور اس وقت میرے علاوہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو، کوئی دیکھ نہیں پاتا تھا۔

---

[۱] ارشاد مفید/ 9 مطبوعہ بیروت۔ بحار جلد 35/ 5 منقول از تہذیب، کشف الغمہ مطبوعہ تبریز جلد 1/ 59 خانہ کعبہ میں آپؑ کی ولادت کے موضوع کو اہل سنّت کے بہت سے مورخین و محدثین نے لکھا ہے۔ مزید تفصیل کے لئے مروج الذہب جلد 2/ 249۔ شرح الشفا جلد 1/ 151۔ مستدرک حاکم جلد 3/ 283 شرح قصیدہ عبدالباقی آفندی از آلوسی/ 5 ملاحظہ ہو۔

[۲] عمران کے چار بیٹے، طالب، عقیل، جعفر اور علی علیہ السلام تھے۔ آپ ابوطالب کی کنیت سے مشہور تھے۔ لیکن ابن ابی الحدید نے جلد 1 ص 11 پر حضرت علی علیہ السلام کے والد کا نام عبدمناف لکھا ہے۔

[۳] سیرۃ ابن ہشام جلد 1/ 262، کامل ابن اثیر جلد 2/ 58، کشف الغمہ جلد 79، تاریخ طبری 2/ 312۔

[۴] نہج البلاغہ خطبہ قاصعہ سے چند جملے از صبحی صالح حدیث 192 ص 300 اور دوسطریں ص 812 سے۔

خورشید رسالت کا اعلیٰ کردار، حسن رفتار، عدالت پسندی، انسان دوستی اور خدا پرستی حضرت علی علیہ السلام کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کے خطوط معین کرنے کے لئے بہترین نمونہ اور سر مشق عمل ہے۔

بعثت سے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہجرت تک

حضرت علی علیہ السلام ابھی نوجوان تھے اور آپؑ کا سن دس سال سے زیادہ نہیں ہوا تھا لیکن پھر بھی آپؑ کی فکر اور آگاہی اتنی تھی کہ جب حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علی وآلہ وسلم نے اپنی پیغمبری کا اعلان فرمایا تو آپؑ نے سب سے پہلے ایمان کا اعلان فرمایا[1] اس سلسلہ میں آپؑ فرماتے ہیں:

لم یجمع بیتٌ واحدٌ یومئذ: فی الاسلام غیر رسول و خدیجه و انا ثالثهما اری نور الوحی و الرسالة و اشمّ ریح النبوة۔ [2]

اس زمانہ میں جب اسلام کسی گھر میں نہیں پہونچا تھا۔ فقط پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کی بیوی خدیجہ سلام اللہ علیہا مسلمان تھیں اور تیسرا میں مسلمان تھا۔ میں نور وحی کو دیکھتا اور نبوت کی خوشبو سونگھتا تھا۔

جب آیہ و انذر عشیرتك الاقربین[3] نازل ہوئی تو حضرت علی علیہ السلام نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان کے مطابق اپنے رشتہ داروں میں سے چالیس افراد کو منجملہ اپنے چچا ابولہب، عباس اور حمزہ وغیرہ کو مہمان بلایا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کھانے پینے کے بعد فرمایا:

اے فرزندان عبدالمطلب میں جو چیز تمہارے لئے لایا ہوں مجھے نہیں معلوم کہ عرب کے جوانوں میں سے کوئی بھی اس سے بہتر چیز تمہارے لئے لایا ہو۔ میں تمہارے لئے دنیا وآخرت کی بھلائی نیز خیر وسعادت کا تحفہ لایا ہوں۔ خدا نے حکم دیا ہے کہ میں تم کو اس کی طرف بلاؤں تم میں سے کون ہے جو اس راستہ میں میری مدد کرے تا کہ وہی میرا بھائی، میرا وصی اور میرا جانشین قرار پائے؟

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تین بار یہ بات دہرائی اور ہر بار تنہا حضرت علی علیہ السلام ہی کھڑے ہوئے اور انہوں نے اسی امر میں اپنی آمادگی کا اعلان فرمایا۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

یہ (علی علیہ السلام) ہی میرے بھائی، میرے وصی اور میرے جانشین ہیں ان کی باتوں کو سنو اور ان کی اطاعت کرو[4]۔

حضرت علیہ۔ نے مکہ کی پوری تیرہ سالہ زندگی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں گزاری اور وحی الٰہی کو مکتوب فرماتے رہے۔

علی علیہ السلام، بستر رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر

اظہار اسلام کی بنا پر قریش کے سر برآوردہ افراد نے اپنی تسلّط طلب خواہشوں کی راہ میں وجود پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خطرناک تصور کیا۔ اسی وجہ سے دارالندوہ میں جمع ہوئے اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے برسر پیکار ہونے کے لئے آپس میں مشورہ کرنے لگے۔ آخر میں

---

[1] تاریخ طبری جلد 2 ص 310 کامل ابن اثیر جلد 2 ص 50۔ ابن ہشام جلد 1 ص 262، کشف الغمہ جلد 1 ص 86

[2] نہج البلاغہ فیض الاسلام خطبہ 23 ص 811، ص 812۔

[3] سورہ شعراء آیت 214۔

[4] تاریخ طبری جلد 2 / 320۔ مجمع البیان جلد 7۔8 / 206۔ الغدیر جلد 2 / 379۔ کامل ابن اثیر جلد 2 / 62۔63 ان ہذا أخی ووصی و خلیفتی فیکم فاسمعوا لہ واطعوا۔۔۔

یہ طے پایا کہ ہر قبیلہ سے ایک ایک آدمی چنا جائے تاکہ رات کو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر پر حملہ کیا جائے اور سب مل کر ان کو قتل کر دیں۔
پیغمبر اکرم، صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وحی الٰہی کے ذریعہ کی ان سازشوں سے آگاہ ہو گئے اور یہ حکم ملا کہ راتوں رات مکہ کی طرف ہجرت کر جائیں۔ [1]
آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی علیہ السلام سے فرمایا: کہ آپؑ میرے بستر پر اس طرح سو جاؤ کہ کسی کو یہ معلوم نہ ہونے پائے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جگہ کون سو رہا ہے۔

حضرت علی علیہ السلام کی یہ فداکاری اتنی اہمیت اور قدر و منزلت کی حامل تھی کہ مختلف روایات [2] کی بنا پر خدا نے یہاں پر یہ آیت نازل کی:

ومن الناس من یشری نفسہ ابتغاء مرضات اللہ واللہ رؤف بالعباد [3]

لوگوں میں سے کچھ ایسے ہیں جو رضائے خدا کی راہ میں اپنا نفس بیچ دیتے ہیں اور خدا، اپنے بندوں پر مہربان ہے۔

ہجرت سے رحلت پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک

الف۔ علی علیہ السلام، پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے امین

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جب ہجرت کا حکم ملا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے خاندان کے افراد اور قبیلہ کے درمیان حضرت علی علیہ السلام سے زیادہ کسی کو امانت دار نہیں پایا۔ اسی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو اپنا جانشین بنایا تاکہ وہ لوگوں کی امانتیں ان تک پہنچا دیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قرض ادا کریں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دختر حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا اور دوسری عورتوں کو مدینہ پہنچا دیں۔

حضرت علی علیہ السلام، پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم پر عمل کرنے کے بعد، اپنی والدہ گرامی جناب فاطمہ بنت اسد، بنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا، زبیر کی بیٹی فاطمہ اور کچھ دوسرے لوگوں کے ساتھ مدینہ روانہ ہوئے اور مقام قبا [4] میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اکرم سے جا ملے۔ [5]

ب۔ علی علیہ السلام اور راہ خدا میں جہاد

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مدینہ ہجرت کرنے کے بعد راہ حق میں اپنی جان کی بازی لگانے والوں اور جان کی پروا، نہ کرنے والوں میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب کے درمیان حضرت علی علیہ السلام بے نظیر تھے۔ آپؑ غزوہ تبوک کے علاوہ۔ کہ جس میں آپؑ، پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم سے مدینہ میں رک گئے تھے۔ تمام غزوات میں موجود رہے۔ اور زیادہ تر آپؑ کی فداکاری و ایثار کے سبب، لشکر اسلام نے لشکر کفر و شرک پر غلبہ حاصل کیا۔ آپؑ نے ہمیشہ اپنے دشمن و مد مقابل کو شکست دی اور کبھی بھی دشمن کو پیٹھ نہیں دکھائی اور فرمایا کہ اگر تمام عرب ایک

[1] سیرۃ ابن ہشام جلد 2/ 124۔ کامل ابن اثیر جلد 2/ 101-103۔ الصحیح من سیرۃ النبی جلد 2/ 238۔
[2] تفسیر المیزان جلد 2/ 99۔ (دس جلد والی) تفسیر برہان جلد 1/ 206 ملاحظہ ہو۔
[3] سورہ بقرہ/ 207۔
[4] مدینہ سے دو فرسخ دور قبا قبیلہ بنی عمرو بن عوف کے سکونت کی جگہ تھی۔ معجم البلدان جلد 4/ 301۔
[5] مناقب ابن شہر آشوب جلد 2/ 58، الصحیح من سیرۃ النبی جلد 2/ 295۔

کے پیچھے ایک مجھ سے لڑیں تو میں اس جنگ میں پیٹھ پھیرنے والا نہیں ہوں۔ [1]

بلا خوف وتردید یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ اگر اس جانباز اسلام کی جانبازیاں اور فداکاریاں نہ ہوتیں تو بعید نہیں تھا کہ بدر، احد، خندق اور خیبر... یا کسی بھی جنگ میں کفار ومشرکین، چراغ رسالت کو باآسانی گل کر کے پرچم حق کو سرنگوں کر دیتے۔ اس مقام پر مولا علی علیہ السلام کی جنگ خندق وخیبر کے دو میدانوں کی فداکاریوں کو بیان کرتے ہوئے اب ہم آگے بڑھیں گے۔

1۔ اسلام دشمن مختلف گروہوں نے ایک دوسرے سے ہاتھ ملالیا تا کہ یک بیک مدینہ پر حملہ کر کے اسلام کو ختم کر دیں پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسلام نے جناب سلمان فارسی کی پیشکش پر حکم دیا کہ مدینہ کی ان اطراف میں خندق کھود دی جائے کہ جہاں سے دشمن کے داخل ہونے کا خطرہ ہے۔

خندق کے دونوں طرف دونوں لشکر ٹھہرے ہوئے تھے، کہ عرب کا نامی گرامی جنگجو عمرو بن عبدود دشمن کے لشکر سے خندق کو پار کر کے رجز پڑھتا اور مبارزہ طلبی کرتا ہوا آیا۔ حضرت علی علیہ السلام نے قدم آگے بڑھائے دونوں میں گفتگو کے بعد عمرو گھوڑے سے اتر پڑا اور اس نے گھوڑے کو پے کر دیا، تلوار لے کر حضرت علی علیہ السلام پر حملہ آور ہوا تو امامؑ نے دشمن کے وار کو اپنی ڈھال پر روکا اور اس کے بعد آپؑ نے ایک ضرب سے اس کو زمین پر گرا دیا پھر قتل کر ڈالا۔ عمرو کے ساتھیوں نے جب یہ منظر دیکھا تو وہ میدان سے بھاگ کھڑے ہوئے اور جو رہ گئے وہ امام کی تلوار ذوالفقار کے لقمہ بن گئے [2]۔ جب امام فاتحانہ واپس آئے تو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے فرمایا: اگر تمہاری آج کی جنگ کو امت اسلام کے تمام پسندیدہ اعمال سے تولا جائے تو تمہارا یہ عمل سب سے برتر ہے۔ [3]

2۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اکرم نے یہودیوں کے مرکز، خیبر کا محاصرہ کیا اس غزوہ میں آنکھوں کے درد کے سبب حضرت علی علیہ السلام جنگ میں شامل نہ تھے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دو مسلمانوں کو پرچم دیا اور وہ دونوں ہی کامیابی حاصل کرنے سے پہلے ہی واپس آ گئے، پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: پرچم ان کا حق نہیں تھا علی علیہ السلام کو بلاؤ لوگوں نے عرض کیا کہ ان کی آنکھوں میں درد ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ان کو بلا لاؤ وہ، وہ ہیں جن کو خدا اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دوست رکھتا ہے اور وہ بھی خدا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دوست رکھتے ہیں...

جب حضرت علی علیہ السلام تشریف لائے تو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: علی علیہ السلام کیا تکلیف ہے؟ تو حضرت علی علیہ السلام نے کہا: آنکھوں میں تکلیف ہے۔

اس وقت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے لئے دعا فرمائی اور ان کی آنکھوں پر اپنا لعاب دہن لگایا۔ کہ جس سے حضرت علی علیہ السلام کی آنکھوں کا درد ختم ہو گیا، جب حضرت علی علیہ السلام نے سفید پرچم لہرایا۔ تو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے فرمایا: جبرئیل تمہارے ساتھ ہیں اور کامیابی تمہارے آگے آگے ہے، خدا نے ان لوگوں کے دلوں میں خوف وہراس ڈال دیا ہے...

حضرت علی علیہ السلام میدان میں گئے تو سب سے پہلے مرحب سے سامنا ہوا کچھ باتیں ہوئیں اور آخر کار اس کو زمین پر گرا دیا۔ یہودی قلعہ کے اندر چھپ گئے اور دروازہ بند کر لیا۔ امام دروازہ کے پیچھے آئے اور جس دروازہ کو بیس آدمی بند کرتے تھے اس کو

[1] واللہ لو تظاھرت الرحب علی قتالی لما ولّیت عنہا۔ شرح نہج البلاغہ فیض الاسلام ص، 971۔

[2] ارشاد مفید/ 52، 53۔

[3] بحار جلد 2/ 205۔۔ لو وزن الیوم عملك بعمل امة محمد لرجع عملك بعملهم.....

اکیلے کھولا اور اس کو اپنی جگہ سے اکھاڑ اور یہودیوں کی خندق پر ڈال دیا یہاں تک کہ مسلمان اس کے اوپر سے گزر کر کامیاب ہوئے۔[1]

ج۔ علی علیہ السلام اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جانشینی

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے بعد، مسلمانوں کے امور کی سرپرستی اور ولایت کے مسئلہ میں صرف اپنی پوشیدہ دعوت اور اعلان پر ہی اکتفا نہیں کیا تھا بلکہ جس طرح کہ ہم ذکر کر چکے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعوت اور تبلیغ کے پہلے ہی دن سے مسئلہ ولایت کو توحید و نبوت کے ساتھ صریحاً بیان فرمادیا تھا۔ اور پھر خصوصیات و فضائل کے مجموعہ حضرت علی علیہ السلام کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس، خدا کا یہ فرمان موجود تھا کہ دین و دنیا کے امور میں علی علیہ السلام کی ولایت و سرپرستی اور اپنے بعد ان کی جانشینی کا اعلان فرمادیں۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کام کو مختلف مواقع پر منجملہ غدیر خم میں انجام دیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے 10ھ فریضہ حج کی انجام دہی کے لئے مکہ کا قصد فرمایا، مورخین نے اس سفر میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھیوں کی تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار لکھی ہے۔[2] حج سے واپسی پر 18 ذی الحجہ کو صحراء جحفہ کی غدیر خم نامی جگہ پر پہنچے۔ منادی نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کے مطابق اعلان کیا الصلوۃ جامعۃ سب لوگ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گرد جمع ہوگئے۔ اونٹوں کے پالانوں سے ایک بلند جگہ منبر بنایا گیا اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس پر تشریف لے گئے، حمد خدا اور مفصل خطبہ کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے لوگو مؤمنین پر ولایت و سرپرستی کا زیادہ حق کون رکھتا ہے؟ تو لوگوں نے کہا: خدا اور اس کا پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زیادہ بہتر جانتے ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میرا ولی خدا ہے اور میں مومنین پر خود ان کے نفسوں سے زیادہ حق رکھتا ہوں اور پھر فرمایا من کنت مولاہ فہذا علیٌ مولا[3] جس کا میں سرپرست و ولی ہوں یہ علی علیہ السلام بھی اس کے سرپرست و ولی ہیں خدایا ان کے دوستوں کو دوست رکھ اور ان کے دشمنوں کو دشمن قرار دے۔ ابھی لوگ پراکندہ نہیں ہوئے تھے کہ یہ آیت نازل ہوئی:

الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دینا۔[4]

آج تمہارے دین کو میں نے کامل کردیا اور اپنی نعمتیں تم پر تمام کردیں، اور تمہارے لئے دین اسلام کو پسند کرلیا۔

سوالات:

1۔ ائمہ معصومین علیہم السلام کی عمومی سیرت کیا تھی اور کیا ائمہ معصومین علیہم السلام اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت میں کوئی فرق تھا؟ اور اگر تھا تو وہ کیسا فرق تھا؟

2۔ ائمہ معصومین علیہم السلام اور ان کی معاصر حکومتوں کے درمیان، اختلاف کی اصل وجہ کیا تھی؟

3۔ امیر المومنین کا بچپن کیسے گزرا اور خود آپؑ نے اس بارے میں کیا فرمایا ہے؟

4۔ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب پہلی بار اپنے بعد امیر المومنین کی جانشینی کے مسئلہ کی تصریح کی تو وہ کون سا وقت اور کونسا موقع تھا؟

5۔ جنگوں میں امیر المومنین کی فداکاری کا ایک نمونہ بیان فرمائیں؟

---

[1] ارشاد مفید/65، 67۔

[2] الغدیر جلد1/9۔

[3] سورہ مائدہ/3۔

[4] ۔الغدیر جلد1/9-11۔

دوسرا سبق:

حضرت علی علیہ السلام کی سوانح عمری

(دوسرا حصہ)

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت سے خلافت تک

رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اکرم کی وفات کے فوراً بعد، بعض مسلمانوں نے سقیفہ بنی ساعدہ میں جمع ہو کر جانشین پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم معین کرنے کے بارے میں ایک مٹینگ کی، باوجود اس کے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی زندگی ہی میں حضرت علی علیہ السلام کو حکم پروردگار کے مطابق اپنا جانشین مقرر فرمادیا تھا۔لیکن اس کے برخلاف لوگوں نے حکومت، حضرت ابوبکر کے حوالہ کردی۔ حضرت ابوبکر 13ھ ق میں 63 سال کی عمر میں اس دنیا سے چلے گئے۔ان کی مدت خلافت دوسال تین ماہ تھی۔[1]

ان کے بعد حضرت عمر بن خطاب نے حضرت ابوبکر کی وصیت کے مطابق خلافت کی زمام سنبھالی اور آخر ذی الحجہ 23ھ ق کو ابولولو فیروز کے ہاتھوں قتل کردیئے گئے۔اور ان کی خلافت کی مدت دس سال چھ ماہ اور چار دن تھی۔[2]

حضرت عمر نے اپنا خلیفہ معین کرنے کے لئے ایک کمیٹی تشکیل دی جس کا نتیجہ وثمرہ حضرت عثمان ابن عفان کے حق میں ظاہر ہوا۔ انہوں نے حضرت عمر کے بعد محرم کے اواخر میں 24ھ ق کو خلافت کی باگ ڈور سنبھالی اور ذی الحج 35ھ ق کو ناانصافی اور بیت المال میں خرد برد کے الزامات کی وجہ سے مسلمانوں کی ایک شورش میں ایک کثیر جمعیت کے ہاتھوں قتل کردیئے گئے اور ان کی خلافت بارہ سال سے کچھ کم مدت تک رہی۔[3]

مذکورہ تینوں خلفاء، پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد، یکے دیگرے تقریباً 25 سال تک لوگوں پر حکومت کرتے رہے۔اس طویل مدت میں اسلام اور جانشینی پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حوالے سے سب سے زیادہ مستحق وسزاوار شخصیت امیر المومنین علی بن ابی طالب۔کی تھی کہ جنھوں نے صبر وشکیبائی سے کام لیا اور گھر میں بیٹھے رہے۔

حضرت علی علیہ السلام جو خلافت کو اپنا مسلم حق سمجھتے تھے، ان لوگوں کے مقابل اٹھے جنھوں نے ان کے حق کو پامال کیا تھا، آپؑ نے اعتراض کیا اور جہاں تک اسلام کی بلند مصلحتوں نے اجازت دی اس حد تک آپ نے اپنے احتجاج واستحقاق کو ان پر، روشن فرمایا۔

اسلام کی عظیم خاتون حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا نے بھی اس احتجاج میں آپ کا مکمل ساتھ دیا اور تاحیات ہر موڑ پر آپؑ کی مدد کرتی رہیں اور انہوں نے عملی طور پر ثابت کردیا کہ دوسروں کی حکومت غیر قانونی ہے۔

لیکن چونکہ اسلام ابھی نیا نیا تھا اس لئے حضرت علی علیہ السلام نے تلوار اٹھانے اور جنگ کی آگ بھڑکانے سے گریز کیا۔ کیونکہ طبیعی

---

[1] مروج الذہب، جلد2 / 298۔

[2] مروج الذہب، جلد2 / 304۔

[3] مروج الذہب جلد2 / 333۔

طور پر اس فعل سے اسلام کو نقصان پہنچتا۔ اور ممکن تھا کہ پیغمبر ﷺ کی زحمتوں پر پانی پھر جاتا یہاں تک کہ آپؑ نے اسلام کی آبرو بچانے کے لئے ضروری مقامات پر تینوں خلفاء کی دینی اموراور بہت سے سیاسی مشکلات میں رہنمائی اور ان کی ہدایت سے دریغ نہیں فرمایا جیسا کہ یہ لوگ بھی مجبوراً، گاہے بہ گاہے آپؑ کی علمی بزرگی اور قابل قدر خدمات کا اعتراف کرتے رہے چنانچہ خلیفہ دوم اکثر کہا کرتے تھے: لولا علیؑ لہلک عمر [۱] یعنی اگر علی نہ ہوتے تو عمر ہلاک ہو گئے ہوتے۔

خلافت سے شہادت تک

حضرت عثمان کے قتل کے بعد اکثریت کے اصرار اور خواہش پر تقریباً مہاجرین وانصار کے اتفاق سے حضرت علی علیہ السلام خلافت کے لئے منتخب کئے گئے۔ امامؑ نے پہلے اس عہدہ کو قبول کرنے سے انکار کیا۔ واضح رہے کہ یہ انکار اس لئے نہیں تھا کہ آپؑ اپنے اندر زمامداری کی توانائی اور مصائب برداشت کرنے کی طاقت نہیں پاتے تھے، یا یہ کہ ان سے زیادہ مناسب، اصحاب کے درمیان کوئی اور شخص بھی موجود تھا۔ بلکہ یہ انکار اس لئے تھا کہ حضرت علیہ السلام جانتے تھے کہ اسلامی معاشرہ گذشتہ خلفاء کی غلط سیاست کی بنا پر خصوصاً عثمان کے زمانہ خلافت میں طبقاتی اختلاف اور اجتماعی واقتصادی تفریق کا شکار ہو چکا تھا۔ آپؑ دیکھ رہے تھے کہ اصلی اسلام کے اصول ومفاہیم کہ جن پر پیغمبر اکرم ﷺ اپنی زندگی کے طویل عرصہ میں عمل کرتے رہے ہیں وہ فراموشی کی نذر ہو کر ختم ہو چکے ہیں۔ ان تمام چیزوں کو اپنی جگہ پر لانے میں مشکلیں اور سختیاں ہونگی۔ اور ان تمام باتوں کے پیش نظر حضرت علی علیہ السلام نے چاہا کہ لوگوں کو آزما کر دیکھا جائے کہ وہ انقلاب اسلامی کی روش کو عملی طور پر اختیار کرنے پر کس حد تک آمادہ ہیں، تاکہ بعد میں ایسا نہ سمجھ بیٹھیں کہ علی علیہ السلام نے ان کو غافل بنا کر، ان کی انقلابی تحریک اور شورش سے فائدہ اٹھالیا۔

ان تمام باتوں اور دوسری باتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے امامؑ نے اصحاب اور جمہور کے بہت اصرار کے باوجود فوری طور پر حکمرانی قبول کرنے سے انکار کر دیا اور لوگوں کے جواب میں فرمایا:

مجھے چھوڑ دو اور کسی دوسرے کو تلاش کر لو۔ کیونکہ جو کام سامنے ہے اس میں طرح طرح کی ایسی مشکلات ہیں کہ دلوں میں ان کے تحمل کی طاقت اور عقلوں میں ان کے قبول کرنے کے توانائی انہیں ہے۔ عالم اسلام کے افق کو ظلم وبدعت کے سیاہ بادلوں نے گھیر رکھا ہے اور اسلام کا روشن راستہ متغیر ہو چکا ہے تم یقین جانو کہ اگر میں نے خلافت کو قبول کیا تو جو کچھ میں جانتا ہوں اس کے مطابق تمہارے ساتھ سلوک کرونگا اور کسی بھی بولنے والے کی بات یا ملامت کرنے والے کی ملامت پر کان نہیں دھروں گا۔ [۲]

مجمع عام میں تقریر اور اتمام حجت کے بعد جب لوگوں نے بہت زیادہ اصرار کیا تو آپؑ نے جمعہ کے دن 25 ذی الحجہ 25ھ ق [۳] کو مجبوراً خلافت قبول کر لی اور لوگوں نے آپؑ کی بیعت کی۔

حضرت علی علیہ السلام منصب فرماں روائی پر

حضرت علی علیہ السلام نے ایسے حالات میں حکومت کی باگ ڈور سنبھالی کہ جب اسلامی معاشرہ شگاف اور اجتماعی واقتصادی اختلاف

---

[۱] بحار جلد 4 / 149، الغدیر جلد 4 / 64۔66 وجلد 6 صفحات 81، 93، 106، 113 وجلد 17 صفحہ 151 وجلد 8 / 186 وشرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید معتزلی جلد 1 ص 58۔

[۲] نہج البلاغہ 92۔۔ صبحی صالحی۔۔۔

[۳] کامل ابن اثیر جلد 3 / 193۔

کی بنا پر تباہی و ہلاکت کے دہانے پر پہنچ چکا تھا اور ہر طرح کی دشواریاں اور پیچیدہ مشکلات آپ کے انتظار میں تھیں۔

جن مقاصد کے لئے حضرت علی علیہ السلام نے حکومت قبول کی تھی ان کو بروئے کار لانے کے لئے آپؑ نے اپنی انقلابی سیاست کو چند مرحلوں میں رائج کیا۔

اس سیاست کے تین مرحلے تھے:

1۔حقوق کا مرحلہ 2۔مال کا مرحلہ 3۔انتظام کا مرحلہ

اب ہم اختصار کے ساتھ مندرجہ بالا، مراحل کا تجزیہ پیش کرتے ہیں۔

الف۔حقوق کا مرحلہ

حقوق کے سلسلہ میں امامؑ کی اصلاحات، تمام لوگوں کو مساوی حقوق دینے اور بیت المال سے بخشش وعطا کے سلسلہ میں امتیاز اور برتری کو لغو قرار دینے پر مبنی تھے۔ آپؑ نے فرمایا: ذلیل اور ستم دیدہ میرے نزدیک طاقتور ہیں یہاں تک کہ میں ان کا حق انھیں واپس دلا دوں اور طاقتور میرے نزدیک ناتواں ہے یہاں تک کہ میں مظلوم کا حق اس سے واپس لے لوں۔ [1]

ب۔مالی مرحلہ

اس سلسلہ میں امامؑ نے جو پہلا اقدام کیا وہ اس دولت وثروت کو واپس لینا تھا کہ جو عثمان کی خلافت کے زمانہ میں دیدی گئی تھی۔ امیر المومنین علیہ السلام نے اموال، ملکیت، پانی اور زمین (یعنی تیول) کو [2] کہ جنہیں حضرت عثمان نے اپنے رشتہ داروں اور کارندوں کو بخش دیا تھا، بیت المال میں واپس لے لیا۔ [3]

اس کے بعد اموال کی تقسیم میں لوگوں کو اپنی سیاست سے آگاہ کیا اور فرمایا:

اے لوگو میں بھی تم میں سے ایک فرد ہوں اور سود و زیاں میں تمہارے ساتھ شریک ہوں میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روش کی طرف تمہاری راہنمائی کرونگا اور ان کے قوانین کو تمہارے درمیان جاری کروں گا۔ آگاہ ہو جاؤ کہ ہر قطعہ زمین اور یتول (یعنی ملک، آب اور زمین) جو عثمان نے دوسروں کو دے دیئے ہیں اور ہر وہ مال، کہ جو مال خدا سے دیا گیا ہے ان سب کو بیت المال میں واپس لوٹ جانا چاہئے۔ بیشک کوئی بھی چیز حق کو ختم نہیں کرسکتی۔ خدا کی قسم اگر میں دیکھوں گا کہ یہ مال کسی عورت کو جہیز میں دیا گیا ہے یا اس سے کوئی کنیز خریدی گئی ہے تو میں سب کو واپس پلٹا دوں گا۔ بیشک عدالت میں وسعت ہے اور اگر کسی پر عدالت سخت اور دشوار ہے تو ظلم وستم اس پر اور بھی

---

[1] نہج البلاغہ صبحی صالح۔۔ الذلیل عندی عزیز حتی اخذ الحق لہ و القوی عندی ضعیف حتی اخذ الحق منہ۔۔۔

[2] ۔۔تیول۔۔ سے مراد وہ ملک، پانی اور زمین ہے جو حکومت کی طرف سے کسی کو واگذار کی جائے تا کہ وہ اس کی آمدنی سے استفادہ کرے (فرہنگ عمید، جلد 2، ص654)۔

[3] مسعودی نے مروج الذہب ج2، ص353 پر اور ابن ابی الحدید نے شرح نہج البلاغہ جلد1، ص27 پر اس بات کی تصریح کی ہے زیادہ معلومات کے لئے مذکورہ بالا منابع کی طرف اور اسی طرح شرح نہج البلاغہ خوئی جلد3، ص215 اور فی ظلال نہج البلاغہ جلد1، ص130، شرح بحرانی جلد1، ص296 اور کتاب سیرۃ الائمہ مصنفہ علامہ سید محمد امین جلد، 1، جزء دوم ص11 ملاحظہ ہوں۔

زیادہ دشوار ہوگا[1]

ج۔انتظامی مرحلہ

حضرت علی علیہ السلام نے انتظامی سیاست کو دو مرحلوں میں عملی جامہ پہنایا:

1۔غیر صالح حکمرانوں کو معزول کرنا اور ہٹانا اس سلسلہ میں آپؑ فرماتے ہیں:

مجھے اس بات سے بہت دکھ ہے کہ اس امت کے بیوقوف اور بدکار لوگ، امور کی باگ ڈور اپنے ہاتھوں میں لئے ہوئے ہیں اس کے نتیجہ میں مال خدا کو اپنے درمیان ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ میں الٹ پھیر کرتے ہیں اور خدا کے بندوں کو اپنی غلامی کی طرف کھینچے جا رہے ہیں یہ لوگ نیکوکاروں سے لڑتے ہیں اور فاسقوں کو اپنا ساتھی بناتے ہیں اس گروہ میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو شراب پی چکے ہیں اور ان پر حد بھی جاری ہو چکی ہے اوران میں سے بعض نے اسلام کو قبول ہی نہیں کیا جب تک کہ ان کے لئے کوئی عطیہ معین نہیں ہوا...[2]

2۔صالح اور لائق حکمرانوں کی تعیین اوران کو مختلف شہروں میں بھیجنا۔عثمان بن حنیف کو بصرہ کا حاکم سہل بن حنیف کو شام کا حاکم اور قیس بن زیاد کو مصر کا حاکم بنایا اور ابوموسی اشعری کو مالک اشتر کے اصرار کی بنا پر ان کے عہدہ پر کوفہ میں باقی رکھا۔[3]

حضرت علی علیہ السلام کے اقدامات پر مخالفین کا ردعمل

حضرت علی علیہ السلام کے اصلاح طلب اقدامات جس طرح غریب اور ستم رسیدہ طبقہ کے لئے مسرت کا باعث تھے اسی طرح قریش کے غرور، خود بینی اور فوقیّت کے جذبہ پر کاری ضرب تھے، اس وجہ سے جب ثروت مندوں کے چیدہ افراد اور بڑے طبقہ نے اپنی ذاتی منفعت اور اپنی اجتماعی حیثیت کو خطرے میں دیکھا تو حضرت علی علیہ السلام کے ساتھ مذاکرہ اور مالی وحقوقی مسائل میں آپؑ کی سیاست میں تبدیلی سے مایوس ہونے کے بعد، علم مخالفت بلند کر دیا اور لوگوں کو بیعت توڑ دینے پر بھڑکانے، مختلف بہانوں سے امامؑ کی حیثیت کو کمزور کرنے اور داخلی جنگ واختلاف کو ہوا دینے لگے۔

حضرت علی علیہ السلام نے اپنے بعض ارشادات میں اپنے مخالفین کو تین گروہوں میں تقسیم کیا ہے اور فرمایا ہے کہ:

میں جب امر خلافت کے لئے اٹھا تو ایک گروہ نے بیعت توڑ دی اور کچھ لوگ دین سے باہر نکل گئے اور ایک گروہ نے شروع سے ہی طغیان وسرکشی کی[4]۔

اب امیرالمومنین علیہ السلام کی اسلامی حکومت کے بالمقابل ان تینوں گروہوں کے موقف کو مختصراً بیان کیا جائے گا:

الف۔ناکثین (عہد توڑ دینے والے)

پیسے کے پرستار، لالچی اور تفرقہ پرداز افراد، امامؑ کی سیاست کے مقابلہ میں آرام سے نہیں بیٹھے۔انہوں نے پہلا فتنہ بصرہ میں

---

[1] ثورۃ الحسین مہدی شمس الدین، ص75، نہج البلاغہ/15، شرح ابن ابی الحدید جلد1، ص269۔

[2] نہج البلاغہ خطبہ نمبر62۔

[3] تاریخ یعقوبی جلد2/179، کامل ابن اثیر جلد3/201۔

[4] ۔فلما نهضت بالأمر نكثت طائفة ومرتت أخرى وقسط آخرون... خطبہ شقشقیہ۔

کھڑا کیا۔ اس فتنہ کے بیج بونے والے افراد طلحہ و زبیر تھے، یہ دونوں بصرہ اور کوفہ کی گورنری کا مطالبہ کر رہے تھے [1] اور امامؑ کے سامنے انہوں نے صریحاً اظہار کر دیا کہ ہم نے اس لئے آپؑ کی بیعت کی ہے کہ خلافت کے کام میں آپؑ کے ساتھ شریک رہیں۔ [2]

لیکن حضرت علی علیہ السلام نے ان کی خواہش کی موافقت نہیں کی اور دونوں آخر میں عمرہ کے بہانہ سے مکہ چھوڑ کر مدینہ چلے گئے اور وہاں جناب عائشہ کی مدد اور جناب عثمان کے زمانہ کے برطرف شدہ حکمران مکہ کے توسط سے طلحہ و زبیر نے ایک سازش تیار کی، ان کی اس ساز باز سے ناکثین کا مرکزی ڈھانچہ تشکیل پا گیا۔

ان لوگوں نے امویوں کی دولت سے استفادہ کرتے ہوئے خون عثمان کے انتقام کی آڑ میں جناب عائشہ کی رہبری میں ایک لشکر تیار کرلیا اور بصرہ کی طرف چل پڑے اور بصرہ کا دفاع کرنے والوں پر حملہ کر دیا، طرفین میں شدید ٹکراؤ ہوا بہت سے لوگ قتل اور مجروح ہوئے اور حاکم بصرہ عثمان بن حنیف کے گرفتار ہو جانے کے بعد شہر بصرہ ان کے قبضہ میں آ گیا۔

حضرت علی علیہ السلام شام سے جنگ کرنے کے وسائل مہیا کرنے میں لگے ہوئے تھے (اسلئے کہ معاویہ نے قانونی طور پر خلافت سے سرکشی کا اعلان کر کے امامؑ کی بیعت کو رد کر دیا تھا) جب عائشہ، طلحہ اور زبیر کی شورش کی خبر آپؑ تک پہونچی تو آپؑ امت کے تفرقہ سے ڈرے اور آپؑ نے یہ سمجھا کہ ان لوگوں کا خطرہ معاویہ کی سرکشی سے زیادہ اہم ہے۔ اگر فوری طور پر اس فتنہ کی آگ کو خاموش نہ کیا گیا تو ممکن ہے کہ خلافت حق کی بنیاد متزلزل ہو جائے۔

اس وجہ سے آپؑ، ان لوگوں سے جنگ پر آمادہ ہو گئے اور آپؑ کا لشکر جلد ہی مدینہ سے باہر آ گیا، مقام رَبذہ [3] سے آپؑ نے کوفہ والوں کے لئے خطوط اور نمائندے بھیجے اور ان کو اپنی مدد کیلئے بلایا۔

چنانچہ حضرت علی علیہ السلام کے نمائندہ امام حسن علیہ السلام اور عمار یاسر کی کوششوں کی بنا پر کوفہ کے ہزاروں افراد، حضرت علی علیہ السلام کی مدد کے لئے کوفہ چھوڑ کر مقام ذی قار [4] میں حضرت علی علیہ السلام سے ملحق ہو گئے۔

حضرت علی علیہ السلام نے ان پیمان شکنوں سے ٹکراؤ سے پہلے مختلف ذرائع سے صلح کی کوشش کی اور اپنی طرف سے خون ریزی سے بچنے کے لیئے انتہائی کوشش کی لیکن کامیابی حاصل نہ ہو سکی اس لئے کہ شورش کرنے والے جنگ کا پختہ ارادہ کر چکے تھے۔

حضرت علی علیہ السلام کو مجبوراً ان سے جنگ کرنا پڑی اور شدید جنگ کے بعد، یہ فتنہ حضرت علی علیہ السلام کی فتحیابی اور ناکثین کی شکست فاش پر ختم ہوا۔ بہت سے لوگ قتل ہوئے اور بقیہ شام کی طرف بھاگ گئے یہ جنگ تاریخ میں جنگ جمل کے نام سے مشہور ہے۔

ب۔ قاسطین

جب حضرت علی علیہ السلام نے اسلامی معاشرہ کی فرماں روائی کی ذمہ داری قبول کی تھی تو اسی وقت سے یہ ارادہ کرلیا تھا کہ

---

[1] کامل ابن اثیر جلد، 2۔ ص 196۔

[2] تاریخ یعقوبی جلد 2، ص 180، شرح ابن ابی الحدید جلد، 1، ص 230۔

[3] ۔۔ابوزر۔۔ مدینہ کا ایک دیہات ہے جو مدینہ سے تین میل کے فاصلہ پر واقع ہے اور مشہور صحابی۔۔ جناب ابوذ۔۔ر وہیں مدفون ہیں۔ معجم البلدان جلد 3/27۔

[4] ذی قار، بکر بن وائل سے متعلق کوفہ اور واسط کے درمیان ایک ایسا حصہ تھا جہاں پانی موجود تھا۔ معجم البلدان جلد 4 / 293۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت کو، جو مدت سے بھلائی جا چکی تھی زندہ کر دیں گے، قانون الٰہی سے ہر طرح کی سرکشی اور تمرد کی کوشش کو ختم کر دیں گے اور بنی امیہ کی روش کو کہ جس کے سربراہ اور اس قانون شکنی کو جاری رکھنے والے معاویہ کو اسلامی معاشرے سے ہٹا دیں گے۔

لہٰذا آپؑ نے اپنی حکومت کے پہلے ہی دن سے یہ طے کر لیا تھا کہ معاویہ کو شام کی گورنری سے معزول کر دیں گے، اس سلسلہ میں کسی کی بات یا سفارش حتی ابن عباس کی بات بھی آپؑ کے مؤقف کو بدلنے میں مؤثر نہ ہو سکی۔ کیونکہ آپؑ کسی بھی صورت میں معاویہ کے وجود کو اسلامی حکومت میں برداشت نہیں کر سکتے تھے۔

اولاً: اسلامی حکومت میں معاویہ جیسے گورنروں کا وجود، حضرت عثمان کی حکومت کے خلاف مسلمانوں کی شورش کا اہم ترین سبب تھا۔ مسلمانوں نے بار باران لوگوں کو برطرف اور معزول کرنے کا مطالبہ کیا تھا۔ اب اگر حضرت علی علیہ السلام ان کو (اگر چہ تھوڑی اور محدود مدت کے لئے بھی) باقی رکھتے تو لوگ نئی حکومت کے بارے میں کیا فیصلہ کرتے؟

ثانیاً: شام میں معاویہ اور اس کی حکومت نے جو مقام وحیثیت پیدا کر لی تھی اس سے حضرت علی علیہ السلام نے بخوبی یہ اندازہ لگا لیا تھا کہ معاویہ کسی طرح بھی شام کی حکومت سے دست بردار نہیں ہوگا۔ اب اگر حضرت علی علیہ السلام کی طرف سے بھی تائید ہو جاتی تو ہوسکتا تھا کہ کل اسی تائید کو معاویہ اپنی حقانیت کی سند سمجھ لیتا اور اس کو امامؑ کی حکومت کے خلاف استعمال کرتا۔

امامؑ بخوبی جانتے تھے کہ معاویہ اپنی زندگی میں شام میں مرکزی حکومت کے نمائندہ اور ماموری کی حیثیت سے عمل نہیں کر رہا ہے۔ بلکہ وہ شام کو اپنی حکومت سمجھتا ہے اور اس سرزمین پر اس کے سارے پروگرام اور کام حکومت کے اس سربراہ جیسے تھے جس نے خود حکومت کی بنیاد رکھی ہو اور مختلف ذرائع سے اپنا اقتدار قائم کیا ہو۔ وہ معروف اور صاحب نفوذ شخصیتوں کو خرید لیتا تھا اور قیمت کے ذریعہ دوسروں کو محروم کر کے اور لوگوں کے امن وامان کو چھین کر ایک گروہ کو مال وثروت فراہم کرتا تھا۔ وہ کسانوں، تاجروں اور تمام مالیات ادا کرنے والوں کو شدید ظلم کا نشانہ بناتا اور ان سے مطلوبہ مال لے کر عربی قبائل کے ان رؤسا کو دیتا کہ، جو اس کی فوج کی مدد سے آزادی پسند ہر طرح کی تحریک کو کچلنے کے لئے آمادہ ہوتے تھے۔ اس طرح انہوں نے اپنے آپ کو بہت دنوں تک اپنے منصب پر باقی رکھنے کے لئے آمادہ کر رکھا تھا۔

معاویہ اور حضرت عثمان کا کرتہ

معاویہ، حضرت علی علیہ السلام کو اچھی طرح جانتا تھا وہ اس بات سے بے خبر نہیں تھا کہ علی علیہ السلام بہت جلد اسے تمناؤں کی کرسی سے نیچے کھینچ لیں گے اور اس کی مادی خواہشوں، آرام طلبیوں اور ہوس اقتدار کے درمیان ایک مضبوط بند باندھ دیں گے۔ اس لئے معاویہ نے اپنی جھوٹی حکومت کی بنیاد کو مضبوط کرنے اور اپنے مقاصد تک پہونچنے کے لئے انقلابی مسلمانوں کے ہاتھوں حضرت عثمان کے قتل کو بہترین موقع اور ذریعہ سمجھا۔ اسی وجہ سے اس نے قتل عثمان کو بہت بڑا بنا کر پیش کیا اور شدید پروپیگنڈہ کے ذریعہ اس کو ایسا حادثہ وفاجعہ بنا دیا کہ شام والوں کے دل لرز گئے۔

معاویہ نے حکم دیا کہ جناب عثمان کے خون آلود کرتے کو انکی بیوی نائلہ کی کٹی ہوئی انگلی کے ساتھ۔ جس کو نعمان بن بشیر لایا تھا[1]۔ دمشق کی جامع مسجد کے منبر کی بلندی پر لٹکا یا جائے اور اس نے شام کے کچھ بوڑھوں کو اس کُرتے کے اردگرد نوحہ سرائی اور عزاداری کے لئے

[1] کامل ابن اثیر جلد 3/ 192۔

آمادہ کیا۔[1] اس طرح انہوں نے شام کے لوگوں کے جذبات کو مرکزی حکومت کے خلاف بھڑکا دیا اور ان کو اتنا غصہ دلایا کہ وہ معاویہ سے بھی زیادہ غیظ و غضب میں آ گئے اور معاویہ سے زیادہ جنگ اور انتقام کے لئے آمادہ نظر آنے لگے۔

طلحہ و زبیر اور عائشہ کی شورش نے بھی، جو حضرت عثمان کی حمایت کے نام پر وجود میں آئی تھی، معاویہ کے کام کو اور آسان بنا دیا۔ اب معاویہ ان چیزوں کی مدد سے شام والوں کو برانگیختہ کر سکتا تھا اور ان کو جس طرف چاہتا لے جا سکتا تھا۔

آغاز جنگ

معاویہ کے اردگرد جب دنیا پرست اور بے ایمان لوگ جمع ہو گئے تو معاویہ جنگ کیلئے تیار ہو گیا تا کہ حق و عدل والی، شرعی حکومت سے ٹکرا جائیں، معاویہ کا لشکر صفین میں پہنچا اور فرات کے کنارے خیمہ زن ہو گیا اس کے ساتھیوں نے اصحاب امیر المومنین علیہ السلام پر پانی بند کر دیا۔

حضرت علی علیہ السلام کوفہ میں تھے جب آپؑ کو خبر ملی کہ معاویہ ایک کثیر لشکر کے ساتھ صفین میں پہنچ چکا ہے تو آپؑ اس سے مقابلہ کے لئے آمادہ ہوئے، حضرت علی علیہ السلام کے سپاہیوں کی فوج سیلاب کی طرح اٹھی اور فرات کے کنارے پہنچ کر[2] معاویہ کے لشکر کے سامنے آ گئی لیکن حضرت علی علیہ السلام کے سپاہیوں نے دیکھا کہ فرات تک پہنچنے کا راستہ نہیں ہے۔

حضرت علی علیہ السلام نے خون ریزی نہ ہونے کی بڑی کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہوئے جنگ ناگزیر تھی، حضرت علی علیہ السلام کے سپاہیوں نے جنگ کے شروع ہی میں شامیوں کو فرات کے کنارے سے بھگا دیا اور شام کے لشکر کو بھاری نقصان پہنچایا۔ جب عراق کے لشکر نے فرات کو اپنے ہاتھوں میں لے لیا تو حضرت علی علیہ السلام نے بڑے پن کا ثبوت دیا اور فرمایا: چھوڑ دو ان کو پانی لینے دو...

اس کے بعد دونوں لشکروں کے درمیان چھوٹے چھوٹے حملے ہوتے رہے۔ حضرت علی علیہ السلام نہیں چاہتے تھے کہ اجتماعی حملہ شروع ہو۔ اس لئے کہ آپؑ کو یہ امید تھی کہ دشمن، حق کے سامنے اپنی گردن جھکا دے ں گے اور جنگ سے ہاتھ روک لے ں گے لیکن دشمن اسی طرح آمادہ پیکار رہے۔ طرفین اس کشیدگی کے جاری رہنے سے تھک گئے اس اعتبار سے ان کے درمیان، صلح و موافقت کی کوئی امید باقی نہ رہی۔

جب حضرت علی علیہ السلام نے حالات کا یہ رخ دیکھا تو اپنے اصحاب کو ایک بڑی جنگ کے لئے آمادہ کر لیا۔ معاویہ بھی جنگ کے لئے تیار ہو گیا نتیجہ میں دونوں گروہوں کی آپس میں مڈبھیڑ ہوئی لیلۃ الہریر[3] میں سخت ترین جنگ ہوئی۔ ایسی جنگ کہ جس میں سپاہی نماز کے وقت کو سمجھ نہیں پا رہے تھے اور بغیر آرام کئے ہوئے مسلسل جنگ کر رہے تھے۔[4]

---

[1] وقعہ صفین ص127۔

[2] طرفین کے لشکر کی تعداد میں اختلاف ہے۔ مسعودی نے مروج الذہب میں حضرت علی علیہ السلام کے لشکر کی تعداد نوے ہزار اور معاویہ کے لشکر کی تعداد پچاسی ہزار لکھی ہے۔ مروج الذہب مسعودی جلد2 ص375۔

[3] لغت میں۔۔ ہریر۔۔ سردی کی وجہ سے کتے کی نکلنے والی آواز کے معنی میں ہے۔ چونکہ اس رات شدت جنگ اور دونوں طرف سے سواروں کی یلغار کی بنا پر دونوں چلّا رہے تھے۔ اسی لئے اس رات کو لیلۃ الہریر کہتے ہیں۔ معجم البلدان جلد5 / 43 مجمع البحرین جلد3 / 518 مادہ ہَرَ رَ۔

[4] وقعہ صفین/475۔

حضرت علی علیہ السلام کے سپہ سالار، مالک اشتر نہایت مردانگی سے میدان میں حملہ کررہے تھے اور اپنے دلیر اور نامور لشکر کو دشمن کی طرف بڑھاتے جاتے تھے، پھر معاویہ کو ایسی شکست ہوئی کہ اس کے سپاہیوں کی تمام صفیں ٹوٹ گئیں اور ایسا لگتا تھا کہ حضرت علی علیہ السلام کا لشکر، فتحیاب ہوجائے گا۔ لیکن معاویہ، عمر و عاص کی مدد سے مکر و فریب کی فکر کرنے لگا اور دھوکہ سے قرآن کو نیزہ پر بلند کردیا جس کی بنا پر حضرت علی علیہ السلام کے سپاہیوں میں اختلاف اور شورش برپا ہوگئی۔

آخر کار اپنے ساتھیوں کی طرف سے نہایت اصرار پر مجبور ہوکر حضرت علی علیہ السلام نے ابوموسی اشعری اور عمر و عاص کی حکمیت پر چھوڑ دیا کہ وہ لوگ اسلام اور مسلمانوں کی مصلحتوں کا مطالعہ کریں اور اپنے نظریہ کا اعلان کریں۔

مسئلہ حکمیت کو قبول کرنے کے سلسلہ میں حضرت علی علیہ السلام اس منزل تک پہونچ گئے تھے کہ اگر اس کو قبول نہ کرتے تو شاید اپنے ہی کچھ سپاہیوں کے ہاتھوں قتل کردیئے جاتے اور مسلمان شدید بحران میں مبتلا ہوجاتے۔

جب حکمین کے فیصلہ سنانے کا وقت آگیا تو دونوں نے اپنے نظریہ کو ظاہر کیا، عمر و عاص نے ابوموسی اشعری کو دھوکہ دیا اور اس نے حکومت معاویہ کو برقرار رکھا، اس بات نے معاویہ کی حیلہ گری کو آشکار کردیا۔

ج۔ مارقین

حکمین کے واقعہ کے بعد، کچھ مسلمان جو حضرت علی علیہ السلام کے ساتھ تھے انہوں نے علی علیہ السلام کے خلاف خروج کیا اور اس حکمیت کو قبول کرلینے کی بناء پر علی کو تنقید کا نشانہ بنانے لگے کہ جس کے قبول کرلینے کا یہی لوگ اصرار کررہے تھے۔

ان لوگوں کو چند دنوں کے بعد اپنی غلطی کا پتہ چل گیا اور وہ نادم ہوئے، انہوں نے اس بات کی کوشش کی کہ حضرت علی علیہ السلام عہد و پیمان توڑ دیں [1] لیکن علی علیہ السلام پیمان توڑنے والوں میں سے نہ تھے۔

خوارج نے حضرت علی علیہ السلام کے مقابلہ میں صف آرائی کرلی، انہوں نے فتنہ و فساد برپا کیا۔ کوفہ سے باہر نکل پڑے اور نہروان [2] میں خیمہ زن ہوگئے یہ لوگ بے گناہ افراد سے متعرض ہوئے اور قتل و غارت گری کرکے لوگوں میں خوف و دہشت طاری کررہے تھے۔

حضرت علی علیہ السلام کوشش کرنے لگے کہ لوگوں کو دوبارہ معاویہ سے جنگ پر آمادہ کیا جائے اور لوگوں نے دوسری بار بھی آپ کی دعوت کو قبول کیا۔

جب آپؑ نے خوارج کی قتل و غارتگری اور فساد کو دیکھا تو خوارج کے خطرہ کو معاویہ کے خطرہ سے بڑا محسوس کیا۔ چونکہ وہ لوگ مرکز خلافت کے قریب تھے۔ اگر علی علیہ السلام کے سپاہی معاویہ سے لڑنے کے لئے جانا چاہتے تو انہیں خوارج کے حملہ کا سامنا کرنا پڑتا اس لئے کہ خوارج اپنے علاوہ مسلمانوں کے تمام فرقوں کو کافر سمجھتے اور ان کے مال اور خون کو حلال جانتے تھے۔ [3]

اس وجہ سے حضرت علی علیہ السلام کے سپاہیوں نے نہروان کی جانب کوچ کیا۔ دونوں لشکروں میں جنگ چھڑ جانے سے پہلے علی علیہ السلام نے اس بات کی کہ کوشش کی منطق کے ذریعہ ان لوگوں کے شبہات کو ان کے سامنے بیان کرکے ان کی ہدایت کی جائے اور خونریزی کا سد

---

[1] یعنی: وہ عہد و پیمان جو جنگ بندی کے بعد حضرت علی علیہ السلام اور معاویہ کے درمیان منعقد ہوا تھا۔

[2] نہروان، واسط اور بغداد کے درمیان ایک وسیع جگہ ہے جہاں اسکان و صافیہ جیسے شہر اس علاقہ میں واقع تھے۔ معجم البلدان جلد 5 / 324۔

[3] ملل و نحل شہرستانی جلد 2 / 118-122۔

باب کیا جائے۔ لیکن افسوس کہ وہ نادان، خرد سے عاری، ہٹ دھرم، استدلال اور حقیقت میں سے کچھ بھی سمجھنے پر آمادہ نہ تھے۔

جب حضرت علی علیہ السلام ان کی ہدایت سے مایوس ہوگئے اور یہ یقین ہوگیا کہ وہ لوگ راہ حق کی طرف ہرگز نہیں لوٹیں گے، تب آپؑ نے ان کے ساتھ جنگ کی۔ امامؑ کے لشکر نے دائیں اور بائیں طرف سے دشمن پر یلغار کردی اور خوارج کو درمیان رکھ کر نیزہ وشمشیر کے ساتھ ان پر ٹوٹ پڑے۔ ابھی تھوڑی دیر بھی نہ گذری تھی کہ نو افراد کے علاوہ سب کو قتل کرڈالا۔

حضرت علی علیہ السلام کی شہادت

آخرکار حضرت علی علیہ السلام نے تقریباً پانچ سال تک حکومت کرنے کے بعد 19 رمضان المبارک کی شب 40ھ ق کو نماز صبح کی ادائیگی کی حالت میں مسجد کوفہ میں، پلید ترین انسان ابن ملجم کی زہرآلود تلوار سے جو خوارج میں سے تھا محراب حق میں ضربت کھائی اور آپؑ کا چہرہ آپؑ کے خون سے گل رنگ ہوگیا۔ اور دو روز بعد رمضان المبارک کی 21 ویں شب کو جام شہادت نوش کیا۔ شہادت کے بعد ان کے جسد اطہر کو نجف کی مقدس سرزمین میں سپرد خاک کیا گیا۔

سوالات

1۔ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت کے بعد سقیفہ کے واقعہ کے سلسلہ میں حضرت علی علیہ السلام کا ردعمل کیا تھا اور آپ نے احقاق حق کے لئے تلوار کیوں نہ اٹھائی؟

2۔ قتل عثمان کے بعد، حضرت علی علیہ السلام نے فوراً خلافت کیوں نہ قبول کرلی؟

3۔ مالی، حقوقی اور انتظامی مرحلوں میں، حکمرانی قبول کرنے کے بعد حضرت علی علیہ السلام کے اقدامات کو مختصراً بیان فرمایئے

4۔ حضرت علی علیہ السلام کی حکومت کے مخالفین کون لوگ تھے اور انہوں نے کون سی جنگیں چھیڑ دیں؟

5۔ معاویہ کو محدود وقت تک اس کے عہدہ پر باقی رکھنے کے بارے میں حضرت علی علیہ السلام نے لوگوں کی منجملہ ابن عباس کی سفارش کیوں قبول نہیں کی؟

تیسرا سبق:

حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کی زندگی

ولادت اور بچپن کا زمانہ

20 جمادی الثانی بروز جمعہ، بعثت پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پانچویں سال خانہ وحی میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دختر گرامی حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا نے ولادت پائی۔[1] آپ کی والدہ ماجدہ جناب خدیجہ سلام اللہ علیہا بنت خویلد تھیں۔

جناب خدیجہ سلام اللہ علیہا قریش کے ایک شریف ونجیب خاندان میں پیدا ااور زیورتربیت سے آراستہ ہوئیں۔ان کے خاندان کے تمام افراد حلیم واندیشمند اور خانہ کعبہ کے محافظ تھے۔جب یمن کے بادشاہ تبّع نے حجر اسود کو مسجد الحرام سے نکال کر یمن لے جانے کا ارادہ کیا تو جناب خدیجہ سلام اللہ علیہا کے والد خویلد دفاع کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے آپ کی جنگ اور فداکاریوں کے نتیجہ میں تبّع اپنے ارادہ کو عملی جامہ نہ پہنا سکا۔[2]

جناب خدیجہ سلام اللہ علیہا کے چچا ورقہ بھی مکہ کے ایک دانش منداور علم دوست شخص تھے۔تاریخ کے مطابق جناب خدیجہ سلام اللہ علیہا پر انکا بڑا اثر تھا۔

والد کے ساتھ

حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کی ولادت سے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وخدیجہ سلام اللہ علیہا کا گھر اور بھی زیادہ مہر ومحبت کا مرکز بن گیا جس زمانہ میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اکرم مکہ میں بڑے رنج والم میں مبتلا تھے،اس زمانہ میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیٹی،نسیم آرام بخش کی طرح ماں باپ کی تھکان کو صبح وشام اپنی محبت سے دور کرتی تھیں اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اکرم کی پر مشقت زندگی کے رنج وغم کے دنوں میں تسکین بخش تھیں۔

حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کا بچپن،صدر اسلام کے بحرانی اور بہت ہی خطرناک حالات میں گذرا جبکہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سخت مشکلات اور خطرناک حوادث سے دوچار تھے۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تن تنہا کفروبت پرستی سے مقابلہ کرنا چاہتے تھے۔چند سال تک آپ پوشیدہ طور پر تبلیغ کرتے رہے جب خدا کے حکم سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کھلم کھلا دعوت اسلام کا آغاز کیا تو دشمنوں کی اذیّت اور ایذا رسانی نے بھی شدت اختیار کرلی۔

جب کفار نے یہ دیکھا کہ اذیت وآزار سے اسلام کی بڑھتی ہوئی ترقی کو نہیں روکا جاسکتا تو انہوں نے ایک رائے ہوکر پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قتل کرڈالنے کا منصوبہ بنایا۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جان کے تحفظ کے لئے جناب ابوطالب نے بنی ہاشم کے ایک گروہ کے ساتھ شعب ابی طالب نامی درّہ

---

[1] مناقب ابن شہر آشوب جلد3 /ص357،بحار الانوار جلد43 ص6۔دلائل الامامہ ص10۔اصول کافی جلد1۔

[2] الروضہ الانف جلد1 ص213،منقول از بانوی نمونہ اسلام مصنفہ ابراہیم امینی ص18۔

میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو منتقل کر دیا۔ مسلمانوں نے تین سال تک اس تپتے ہوئے درّہ میں نہایت تنگی، تکلیف اور بھوک کے عالم میں زندگی گذاری اور اسی مختصر غذا پر گذارہ کرتے رہے جو پوشیدہ طور پر وہاں بھیجی جاتی تھی۔

حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا تقریباً دو سال تک کفار قریش کے اقتصادی بائیکاٹ میں اپنے پدر عالیقدر کے ساتھ رہیں اور تین سال تک ماں باپ اور دوسرے مسلمانوں کے ساتھ بھوک اور سخت ترین حالات سے گذریں۔

10 بعثت میں شعب سے نجات کے تھوڑے دنوں بعد آپ اس ماں کی شفقتوں سے محروم ہوگئیں جنھیں دس سال کی مجاہدت کے رنج وغم خصوصاً اقتصادی ناکہ بدی کی دشواریوں نے رنجور کر دیا تھا۔[1]

ماں کا اٹھ جانا ہر چند کہ جناب فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کے لئے رنج آور اور مصیبت کا باعث تھا اور آپ کی حساس روح کو اس مصیبت نے افسردہ کر دیا تھا لیکن اس کے بعد آپ کو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دامن تربیت میں رہنے کا زیادہ موقع ملا۔

10 بعثت میں جناب ابو طالب اور جناب خدیجہ سلام اللہ علیہا کی وفات نے روح پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایسا اثر کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سال کا نام عام الحزن[2] (غم واندوہ کا سال) رکھا۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ان دونوں بڑے حامیوں کے اٹھ جانے سے دشمن کی اذیت اور آزار رسانی میں شدت پیدا ہوگئی، کبھی لوگ پتھر مارتے کبھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روئے مبارک پر مٹی ڈال دیتے، کبھی ناسزا کلمات کہتے اکثر اوقات آپ نہایت خستگی کے عالم میں گھر کے اندر داخل ہوتے۔

لیکن یہ فاطمہ سلام اللہ علیہا تھیں جو اپنے ننھے ننھے ہاتھوں سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سر اور چہرہ اقدس سے گرد جھاڑتیں، نہایت ہی پیار و محبت سے پیش آتیں اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے آرام اور حوصلہ کا باعث بنتیں، جناب فاطمہ سلام اللہ علیہا لوگوں کے غصہ اور بے مہری کی جگہ اپنے باپ سے مہر ومحبت سے اس طرح پیش آتی تھیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والد گرامی نے آپ کو اُمّ اَبیہا کا لقب دیا۔

ہجرت کے کچھ دنوں بعد آٹھ سال کی عمر میں حضرت علی علیہ السلام کے ساتھ مکہ سے مدینہ تشریف لائیں وہاں بھی باپ کے ساتھ رہیں۔ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کے مشکلات میں حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا برابر شریک رہیں، جنگ احد میں جنگ کے خاتمہ کے بعد جناب فاطمہ سلام اللہ علیہا مدینہ سے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خیمہ گاہ کی طرف دوڑتی ہوئی پہنچیں اور باپ کے خون آلود چہرہ کو دھویا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زخموں کا مداوا کرنے لگیں۔[3]

جناب فاطمہ سلام اللہ علیہا، اسلام اور قرآن کے ساتھ ساتھ پروان چڑھیں۔ آپ نے وحی ونبوت کی فضا میں پرورش پائی۔ آپ کی زندگی پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی سے جدا نہیں ہوئی یہاں تک کہ شادی کے بعد بچوں کے ساتھ بھی آپ کا گھر پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر سے متصل تھا اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خدا کی ہر جگہ سے زیادہ فاطمہ سلام اللہ علیہا کے گھر رفت وآمد تھی۔ ہر صبح مسجد جانے سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فاطمہ سلام اللہ علیہا کے دیدار کو تشریف لے جاتے تھے۔[4]

پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خدمتگار ثوبان بیان کرتے ہیں کہ جب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اکرم سفر پر جانا چاہتے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سب سے آخر میں

---

[1] مناقب ابن شہر آشوب جلد 1 ص 174۔
[2] مناقب ابن شہر آشوب جلد 1 ص 174۔
[3] بحار الانوار جلد 20 ص 88، الصحیح من سیرۃ النبی جلد 4 ص 324۔
[4] کشف الغمہ مطبوعہ تبریز جلد 1 ص 457۔

فاطمہ سلام اللہ علیہا سے وداع ہوتے تھے اور جب سفر سے واپس آتے تھے تو سب سے پہلے فاطمہ سلام اللہ علیہا کے پاس جاتے تھے۔ [۱]

آخر کار پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کے آخری لحات میں بھی فاطمہ سلام اللہ علیہا ان کی بالین پر موجود گریہ فرما رہی تھیں، پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کو یہ کہہ کر دلاسہ دے رہے تھے کہ وہ ہر ایک سے پہلے اپنے باپ سے ملاقات کریں گی۔ [۲]

حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کی شادی

3 ھ میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امیر المومنین علی علیہ السلام سے فاطمہ سلام اللہ علیہا کی شادی کر دی۔ [۳] حقیقت تو یہ ہے کہ یہ خوشگوار رشتہ انہیں کے لائق تھا۔ اس لئے کہ معصومین علیہم السلام کی تصریح کے مطابق حضرت علی علیہ السلام کے علاوہ کوئی بھی فاطمہ سلام اللہ علیہا کا کفو اور ہمسر نہیں ہوسکتا تھا۔

اس شادی کی خصوصیتوں میں سے یہ بات بھی ہے جوان دونوں بزرگ ہستیوں کی بلند منزلت کا ثبوت ہے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قریش کے صاحب نام افراد، بڑی شخصیتوں اور ثروت مندوں کی خواستگاری کو قبول نہیں کیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے تھے کہ فاطمہ سلام اللہ علیہا کی شادی کا مسئلہ حکم خدا سے متعلق ہے۔ [۴]

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کو علی علیہ السلام کے لئے روک کے رکھا تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خدا کی طرف سے مامور تھے کہ نور کو نور سے ملا دیں۔ [۵]

اسی وجہ سے جب حضرت علی علیہ السلام نے رشتہ مانگا تو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قبول فرمایا اور کہا: تمہارے آنے سے پہلے فرشتہ الٰہی نے مجھے حکم خدا پہنچایا ہے کہ فاطمہ سلام اللہ علیہا کی شادی علی علیہ السلام سے کر دو [۶]

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جناب فاطمہ سلام اللہ علیہا کی رضایت لینے کے بعد حضرت علی علیہ السلام سے پوچھا کہ شادی کرنے کے لئے تمہارے پاس کیا ہے؟ آپؑ نے عرض کیا: ایک ذرّہ، ایک شمشیر اور پانی لانے کے لئے ایک شتر کے علاوہ میرے پاس اور کچھ نہیں ہے۔ علی علیہ السلام نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کے مطابق ذرہ بیچ دی اور اس کی قیمت سے، جو تقریباً پانچ سو درہم تھی، جہیز کا معمولی سامان خریدا گیا، ضیافت بھی ہوئی اور مسلمانوں کو کھانا بھی کھلایا گیا۔ مسرت و شادمانی اور دعائے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ فاطمہ سلام اللہ علیہا کو علی علیہ السلام کے گھر لے جایا گیا۔ [۷]

---

[۱] کشف الغمہ فی معرفۃ الائمہ جلد 1 ص 457۔

[۲] امالی طوسی جلد 2 ص 14۔

[۳] جناب معصومہ کی شادی کی تاریخ میں اختلاف ہے سید ابن طاوس نے مرحوم شیخ مفید کی کتاب حدائق الریاض میں اقبال کے مطابق از دواج کی تاریخ 21 محرم 3 ھ نقل کی ہے۔ لیکن مصباح میں اول ذی الحجہ مانتے ہیں۔ امالی میں آیا ہے: فاطمہ سلام اللہ علیہا کی شادی عثمان کی بیوی رقیہ کی وفات کے سولہ دن بعد اور جنگ بدر سے واپسی پر ہوئی بحار جلد 43 / 93-97۔

[۴] ۔ امرھا الی ربھا ۔ ۔ کشف الغمہ جلد 1 ص 353۔ مطبوعہ تبریز بحار جلد 43 ص 1۔

[۵] دلائل الامامہ ص 19۔

[۶] بحار 43 / 127۔

[۷] کشف الغمہ مطبوعہ تبریز جلد 1 ص 360-369۔ بحار جلد 43 ص 127۔ ص 133۔

فاطمہ سلام اللہ علیہا علی علیہ السلام کے گھر میں

حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا باپ کے گھر سے شوہر کے گھر اور مرکز نبوّت سے مرکز ولایت میں منتقل ہوگئیں اور اس نئے مرکز میں فاطمہ سلام اللہ علیہا کے کاندھوں پر فرائض کا گراں بار آ گیا۔

آپ چاہتی تھیں کہ اس مرکز میں ایسی زندگی گذاریں کہ جو ایک مسلمان عورت کے لئے مکمل نمونہ بن جائے تا کہ آئندہ زمانہ میں ساری دنیا کی عورتیں آپؑ کے وجود اور آپؑ کی روش میں حقیقت ونورانیت اسلام دیکھ لیں۔

گھر کے محاذ میں جناب فاطمہ سلام اللہ علیہا کے کردار کے تمام پہلوؤں کو پیش کرنے کے لئے ایک مفصل کتاب کی ضرورت ہے لیکن اختصار کے پیش نظر یہاں چند چیزوں کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے:

الف۔ گھر کا انتظام

حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا اگر چہ بڑے باپ اور عظیم پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نور چشم تھیں اور کائنات میں ان سے بڑی شریف زادی کا وجود نہیں تھا لیکن ان باتوں کے باوجود آپ گھر میں کام کرتی تھیں اور گھر کے دشوار کاموں سے بھی انکار نہیں کرتی تھیں۔

گھر کے اندر آپ اتنی زحمت اٹھاتی تھیں کہ علی علیہ السلام بھی ان سے ہمدردی کا اظہار کرتے اور ان کی تعریف کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ اس سلسلہ میں حضرت علی علیہ السلام نے اپنے ایک صحابی سے فرمایا: کہ تم چاہتے ہو کہ میں اپنی اور فاطمہ سلام اللہ علیہا کی حالت تم کو بتاؤں؟

...آپ گھر کے لئے اتنا پانی بھر کر لاتی تھیں کہ آپ کے جسم پر مشک کا نشان پڑ جاتا تھا اور اسی قدر چکیاں چلاتی تھیں کہ ہاتھ میں چھالے پڑ جاتے تھے گھر کو صاف ستھرا رکھنے، روٹی اور کھانا پکانے میں اتنی زحمت برداشت کرتی تھیں کہ آپ کا لباس گرد آلود ہو جاتا تھا۔[۱]

جناب سیدہ سلام اللہ علیہا نے گھر کو، حضرت علی علیہ السلام اور اپنے بچوں کے لئے مرکز آسائش بنا دیا تھا اس حد تک کہ جب حضرت علی علیہ السلام پر رنج وغم، دشواریوں اور بے سروسامانیوں کا حملہ ہوتا تھا تو آپؑ گھر آ جاتے اور تھوڑی دیر تک جناب فاطمہ سلام اللہ علیہا سے گفتگو کرتے تو آپؑ کے دل کو اطمینان محسوس ہونے لگتا۔

امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ علی علیہ السلام گھر کی ضرورت کے لئے لکڑی اور پانی مہیا کرتے گھر میں جھاڑو دیتے اور فاطمہ سلام اللہ علیہا چکی پیستیں اور آٹا گوندھ کر روٹی پکاتی تھیں۔[۲]

ب۔ شوہر کی خدمت

جناب فاطمہ سلام اللہ علیہا وہ بی بی ہیں جنہوں نے غریب لیکن انتہائی با فضیلت انسان کے ساتھ عقد فرمایا۔ انہوں نے ابتدا ہی سے اسلام اور اپنے شوہر کے حساس حالات کو محسوس کرلیا تھا۔ وہ جانتی تھیں کہ اگر علی علیہ السلام کی تلوار نہ ہوتی تو اسلام کو اتنی پیش قدمی حاصل نہ ہوتی اور یہ بھی جانتی تھیں کہ اسلام کا بہادر سپہ سالار اس صورت میں میدان جنگ میں کامیاب ہوسکتا ہے جب گھر کے داخلی حالات کے اعتبار سے

---

[۱] بحار الانوار جلد 43/ 82۔

[۲] بحار جلد 43/ 151 منقول از کافی ... کانَ اَمیرُ الْمُوْمنینَ علیہ السلام یَحْتَطِبُ وَیَسْقِیْ وَیَکْنُسُ وَ کانَتْ فاطمۃُ A تَطْحَن و تَعْجِنُ و تَخْبِزُ..

اس کی فکر آزاد اور وہ بیوی کی مہر ومحبت اور تشویق سے مالا مال ہو۔ جب علی علیہ السلام میدان جنگ سے تھک کر واپس آتے تھے تو ان کو مکمل طور پر بیوی کی مہربانیاں اور محبتیں ملتی تھیں۔ حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا ان کے جسم کے زخموں کی مرہم پٹی کرتیں، اور ان کے خون آلود لباس کو دھوتی تھیں۔ چنانچہ جب حضرت علی علیہ السلام جنگ احد سے واپس لوٹے تو انہوں نے اپنی تلوار فاطمہ سلام اللہ علیہا کو دی اور فرمایا اس کا خون دھوڈالو۔[1]

آپ زندگی کی مشقتوں میں حضرت علی علیہ السلام کی ہم فکر اور ان کی شانہ بشانہ تھیں۔ آپ ان کے کاموں میں ان کی مدد کرتیں، ان کی تعریف اور تشویق فرماتیں، ان کی فداکاری اور شجاعت کی ستائش کرتیں اور ان کی کوششوں اور زحمتوں کے سلسلہ میں بڑی فرض شناس تھیں۔ پوری زندگی میں کوئی موقعہ بھی ایسا نہیں آیا کہ جس میں آپ نے اپنے شوہر سے دل توڑنے والی کوئی بات کہی ہو یا ان کے دل کو رنج پہنچایا ہو۔ بلکہ ہمیشہ آپ اپنی بے لاگ محبت وعنایت سے ان کی دکھی روح اور تھکے ماندہ جسم کو تسکین دیتی رہی ہیں۔ حضرت علی علیہ السلام اس سلسلہ میں فرماتے ہیں:

جب میں گھر آتا تھا اور میری نظر فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا پر پڑتی تو میرا تمام غم وغصہ ختم ہوجاتا تھا۔[2]

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علی علیہ السلام سے سوال کیا تھا کہ آپ نے فاطمہ سلام اللہ علیہا کو کیسا پایا؟ تو آپؑ نے جواب میں فرمایا تھا کہ فاطمہ سلام اللہ علیہا اطاعت خداوند عالم میں میری بہترین مددگار رہیں۔[3]

ج۔تربیت اولاد

جناب فاطمہ سلام اللہ علیہا کے فرائض میں سے ایک اہم فریضہ، بچوں کی پرورش اور ان کی تربیت تھی۔ آپ کو خداوند عالم نے پانچ اولادیں عطا کی تھیں، حسن علیہ السلام، حسین علیہ السلام، زینب علیہا السلام، ام کلثوم علیہا السلام اور محسن علیہ السلام۔ پانچویں فرزند جن کا نام محسن تھا، وہ سقط ہوگئے تھے۔ آپ کے تمام بچے پاکباز، بااخلاص اور خدا کے مطیع تھے۔ جناب فاطمہ سلام اللہ علیہا نے ایسی اولاد کی پرورش کی کہ جو سب کے سب اسلام کے محافظ اور دین کی اعلی اقدار کے نگہبان تھے۔ کہ جنھوں نے اس راستہ میں اپنی جان دینے کی حد تک مقاومت کا مظاہرہ کیا۔ ایک نے صلح کے ذریعہ اور دوسرے نے اپنے خونین انقلاب سے نہال اسلام کی آبیاری کی اور دین اسلام کو بچالیا۔[4]

ان کی بیٹیوں نے بھی خاص کر واقعہ کربلا میں اپنے بھائیوں کی آواز اور امام حسین علیہ السلام کے پیغام کو کوفہ، شام اور تمام راستوں میں دوسروں تک پہنچایا۔

جناب فاطمہ سلام اللہ علیہا کی معنوی شخصیت

تمام عورتوں کی سردار، حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کی معنوی شخصیت ہمارے ادراک اور ہماری توصیف سے بالاتر ہےں۔ یہ عظیم خاتون کہ جو معصومین علیہم السلام کے زمرہ میں آتی ہیں ان کی اور ان کے خاندان کی محبت وولایت دینی فریضہ ہے۔ اور ان کا غصہ اور ناراضگی خدا

---

[1] سیرۃ ابن ہشام جلد 3 ص 106، الصحیح من سیرۃ النبی جلد 4 ص 324۔ بحار جلد 2 ص 88۔

[2] مناقب خوارزمی، ص 256۔

[3] بحارالانوار جلد 43 / 111۔۔۔۔نعم الصون علی طاعۃ اللہ۔۔۔

[4] یہ حصہ کتاب۔۔بانوی نمونہ اسلام۔۔مصنفہ ابراہیم امینی کا اقتباس ہے۔

کا غضب اور اسکی ناراضگی شمار ہوتی ہے [1] ان کی معنوی شخصیت کے گوشے ہم خاکیوں کی گفتار و تحریر میں کیونکر جلوہ گر ہو سکتے ہیں؟

اس بناء پر، فاطمہ سلام اللہ علیہا کی شخصیت کو معصوم رہبروں کی زبان سے پہچاننا چاہئے۔ اور اب ہم آپ کی خدمت میں جناب فاطمہ سلام اللہ علیہا کے بارے میں ائمہ معصومین علیہ السلام کے چند ارشادات پیش کرتے ہیں:

1۔ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جبرئیل نازل ہوئے اور انہوں نے بشارت دی کہ... حسن علیہ السلام و حسین علیہ السلام جوانان جنّت کے سردار ہیں اور فاطمہ سلام اللہ علیہا جنّت کی عورتوں کی سردار ہیں۔ [2]

2۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: دنیا کی سب سے برتر چار عورتیں ہیں: مریم بنت عمران، خدیجہ سلام اللہ علیہا بنت خویلد، فاطمہ سلام اللہ علیہا دختر محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آسیہ دختر مزاحم (فرعون کی بیوی) [3]

3۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بھی فرمایا: خدا، فاطمہ سلام اللہ علیہا کی ناراضگی سے ناراض اور ان کی خوشی سے خوشنود ہوتا ہے۔ [4]

4۔ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: اگر خدا، امیر المومنین کو خلق نہ کرتا تو روئے زمین پر آپ کا کوئی کفو نہ ہوتا۔ [5]

5۔ امام جعفر صادق علیہ السلام سے سوال ہوا کہ: حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کا نام زہرا یعنی درخشندہ کیوں ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ: جب آپ محراب میں عبادت کے لئے کھڑی ہوتی تھیں تو آپ کا نور اہل آسمان کو اسی طرح چمکتا ہوا دکھائی دیتا تھا کہ جس طرح ستاروں کا نور، زمین والوں کے لئے جگمگاتا ہے۔ [6]

حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا سے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مہر و محبت

جناب فاطمہ سلام اللہ علیہا کے ساتھ پیغمبر اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مہر و محبت اتنی شدید تھی کہ اس کو پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کی تعجب خیز باتوں میں سمجھنا چاہئے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام امور میں معیار حق اور میزان عدل و اعتدال تھے ان کی تمام حدیثیں اور ان کے تمام اعمال یہاں تک کہ تقریر پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (یعنی: ہر وہ کام کہ جس کو دیکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی خاموشی سے اس کی تصدیق کر دیتے) بھی شریعت کا حصہ اور حجت ہے، اور ضروری ہے کہ یہ چیزیں، ساری امت کے اعمال کا قیامت تک نمونہ قرار پائیں۔ اس نکتہ پر توجہ کر لینے کے بعد، جناب فاطمہ سلام اللہ علیہا کی معنوی منزلت اور کردار کی بلندی کو زیادہ بہتر طریقہ سے سمجھا جا سکتا ہے۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاں اور بھی بیٹیاں تھیں [7] اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے خاندان حتی غیروں کے ساتھ بھی بڑی مہربانی اور نیکی سے

---

[1] بحار الانوار جلد 34 / 19۔ و 26 کشف الغمہ جلد 1 مطبوعہ تبریز / 458، الغدیر جلد 3 / 20۔

[2] امالی مفید ص 3، امالی طوسی جلد 1 ص 83، کشف الغمہ جلد 1 ص 456۔

[3] بحار جلد 43 / 9۔ 26........... مناقب ابن شہر آشوب جلد 3 ص 322۔

[4] بحار جلد 43 / 9۔ کشف الغمہ جلد 1 ص 467۔

[5] بحار جلد 43 / 19۔ 26، کشف الغمہ مطبوعہ تبریز جلد ص 472۔

[6] بحار جلد 43 ص 12، علل الشرائع مطبوعہ مکتبہ الداوری قم ص 181۔۔ قال: سئلت ابا عبداللہ عن فاطمہ، لمَ سمیّت زہراء؟ فقال: لانّہا کانت اذا قامت فی محرابہا زہر نورہا لاہل السماء کما یزہر نور الکواکب لاہل الارض...

[7] فاطمہ سلام اللہ علیہا کے علاوہ پیغمبر کی دیگر بیٹیوں کا ثبوت اہل سنت کی کتابوں سے ملتا ہے جبکہ اکثر شیعہ علماء نے تفصیلی تحقیق کے بعد یہ سمجھا ہے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صرف ایک ہی بیٹی فاطمہ سلام اللہ علیہا تھیں۔

پیش آتے تھے لیکن فاطمہ سلام اللہ علیہا سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خصوصی محبت تھی اور فرصت کے مختلف لمحات میں اس محبت کا صریحاً اعلان اور اس کی تاکید فرماتے تھے۔ یہ اس بات کی سند ہے کہ فاطمہ سلام اللہ علیہا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھرانے کی سرنوشت، اسلام کے ساتھ ساتھ ہے اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کا تعلق صرف ایک باپ اور بیٹی کا ہی نہیں ہے۔ بلکہ پوری کائنات کے لئے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عملی تبلیغ کا شعبہ فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کی عملی سیرت سے ہی مکمل ہوتا ہے۔

اس مقام پر پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا سے مہر و محبت کے چند نمونوں کا ذکر کر دینا مناسب ہے۔ یہ نمونے ان نمونوں کے علاوہ ہوں گے کہ جو پہلے بیان ہو چکے ہیں۔

1۔ امام محمد باقر علیہ السلام اور امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ۔ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیشہ سونے سے پہلے فاطمہ سلام اللہ علیہا کے چہرے کا بوسہ لیتے، اپنے چہرہ کو آپ کے سینہ پر رکھتے اور فاطمہ سلام اللہ علیہا کیلئے دعا فرماتے [1]۔

2۔ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فاطمہ سلام اللہ علیہا کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیکر فرمایا:

جو انھیں پہچانتا ہے وہ تو پہچانتا ہے اور جو نہیں پہچانتا (وہ پہچان لے کہ) یہ فاطمہ سلام اللہ علیہا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیٹی ہیں، یہ میرے جسم کا ٹکرا اور میرا قلب و روح ہیں۔ جو ان کو ستائے گا وہ مجھے ستائے گا اور جو مجھے ستائے گا وہ خدا کو اذیت دے گ [2] ا۔

3۔ امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں:

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فاطمہ سلام اللہ علیہا کو بوسہ دیتے تھے، جناب عائشہ نے اعتراض کیا، تو پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب دیا، میں جب معراج پر گیا اور جنت میں پہنچا تو میں نے طوبیٰ کے پھل کھائے اور اس سے نطفہ پیدا ہوا۔ اور جب میں زمین پر پلٹ کر آیا اور خدیجہ سلام اللہ علیہا سے ہمبستر ہوا تو فاطمہ سلام اللہ علیہا کا حمل قرار پایا۔ اس لئے جب میں فاطمہ سلام اللہ علیہا کو بوسہ لیتا ہوں تو مجھے ان سے شجرہ طوبیٰ کی خوشبو محسوس ہوتی ہے۔ [3]

ایمان و عبادت فاطمہ سلام اللہ علیہا

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ کے ایمان کے بارے میں فرمایا کہ: ان کے دل کی گہرائی اور روح میں ایمان اس طرح نفوذ کئے ہوئے ہے کہ عبادت خدا کیلئے وہ اپنے آپ کو تمام چیزوں سے جدا کر لیتی ہیں [4]

امام حسن مجتبیٰ۔ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنی والدہ ماجدہ، حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا زہرا کو دیکھا کہ شب جمعہ محراب میں سپیدہ سحری تک عبادت۔ رکوع و سجود میں مشغول رہتی تھیں۔ میں نے سنا کہ آپ صاحب ایمان مردوں اور عورتوں کے لئے تو دعا کرتی تھیں۔ مگر اپنے لئے کوئی دعا نہ مانگتی تھیں۔ میں نے ان سے عرض کیا کہ جس طرح آپ دوسروں کے لئے دعا کرتی ہیں ویسے ہی اپنے لئے دعا کیوں نہیں

---

[1] بحار الانوار جلد 43 / 42، مناقب ابن شہر آشوب جلد 3 / 334۔۔۔۔ کان النّبی صلی اللہ علیہ وسلم لا ینام حتّی یقبل عرض وَجه فاطمة A یَضَعُ وَجَهَهٗ بین ثدیي فاطمة ویدعولها ۔۔۔۔۔

[2] کشف الغمہ مطبوعہ تبریز جلد 1 / 467، فصول المہمہ / 146، بحار جلد 43 / 52، الغدیر جلد 3 / 20۔۔۔۔ من عرف هذه فقد عرفها و من لم یعرفها فهی فاطمة ینت محمد صلی اللہ علیہ وسلم و هی بضعة منّی و هی قلبی الذی بین جنبی فمن آذاها فقد آذانی و من آذانی فقد آذی ال لہ۔

[3] بحار الانوار جلد 43 / 6 منقول از تفسیر علی بن ابراہیم، کشف الغمہ جلد 1 ص 459۔

[4] بحار ج 33 / 46۔

فرماتیں؟ فرمانے لگیں میرے لال، پہلے ہمسایہ پھر اپنا گھر [۱]۔

حسن بصری کہا کرتے تھے کہ امت اسلامی میں فاطمہ سلام اللہ علیہا سے زیادہ عبادت کرنے والا، کوئی اور پیدا نہیں ہوا وہ عبادت حق تعالیٰ میں اس قدر کھڑی رہتی تھیں کہ ان کے پائے مبارک ورم کر جاتے تھے [۲]۔

فاطمہ سلام اللہ علیہا باپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے وقت ان کا سر اقدس حضرت علی علیہ السلام کی گود میں تھا اور حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا اور حسن و حسین علیہما السلام آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرہ اقدس کو دیکھ دیکھ کر رو رہے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آنکھیں بند اور زبان حق خاموش ہو چکی تھی اور روح عالم ملکوت کو پرواز کر چکی تھی، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت کے سبب، حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا پر سارے جہاں کا غم واندوہ ٹوٹ پڑا، فاطمہ سلام اللہ علیہا جنہوں نے اپنی عمر کو مصیبت و آلام میں گذارا تھا اور تنہا انکی دلی مسرت باپ کا وجود تھا اس تلخ حادثہ کے پیش آنے کے بعد آپکی سب امیدیں اور آرزوئیں تمام ہو گئیں۔

سقیفہ بنی ساعدہ میں مسلمانوں کے ایک گروہ کے اجتماع کی خبر

ابھی رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جسم اقدس زمین پر ہی تھا کہ حضرت ابوبکر کی خلافت و جانشینی کی تعیین کیلئے لوگوں کے اجتماع سے فاطمہ سلام اللہ علیہا کے ذہن کو جھٹکا لگا، اس غم وغصہ کی کیفیت میں تھکے ہوئے اعصاب کو چوٹ پہنچی۔

فاطمہ سلام اللہ علیہا کہ جنہوں نے توحید و خدا پرستی، مظلوم کے دفاع اور ظلم وستم سے مقابلہ کرنے کے لئے تمام سختیوں، دشواریوں، بھوک اور وطن سے دور ہو جانے کی مصیبت کو برداشت کیا تھا وہ اس انحرافی روش کو برداشت نہ کر سکیں۔

حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کے مبارزات ومجاہدات

فاطمہ سلام اللہ علیہا اور علی علیہ السلام جب پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کفن و دفن سے فارغ ہوئے اور مسئلہ خلافت کے سلسلہ میں انجام شدہ عمل سے دوچار ہوئے تو آپ لوگوں نے مدبرانہ اور زبردست مبارزہ کا ارادہ کیا تا کہ اسلام کو ختم ہونے اور مٹ جانے کے خطرہ سے بچا لیا جائے۔ ان کے مبارزات کے چند مراحل، ملاحظہ ہوں۔

پہلا مرحلہ:

حضرت علی علیہ السلام نے یہ ارادہ کیا کہ خلیفہ وقت کی بیعت نہیں کریں گے اور اس طرح آپؑ نے سقیفہ کی انتخابی حکومت کی روش سے اپنی مخالفت کا اظہار کیا۔ جناب فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا نے بھی اس نظریہ کی تائید فرمائی اور اس بات کا مصمم ارادہ کر لیا کہ شوہر پر آنے والے ہر ممکنہ خطرہ اور حادثہ کا واقعی دفاع کریں گی۔

انہوں نے اپنی اس روش کے ذریعہ ثابت کر دیا کہ تمام جنگیں تیر و تلوار سے ہی نہیں ہوتیں، سب سے پہلے اسلام کا اظہار کرنے

---

[۱] بحارالانوار جلد 43 / 82، کشف الغمہ مطبوعہ تبریزی جلد 1 ص 468۔۔۔۔۔ فقالت یابنی الجار ثم الدار۔۔۔

[۲] بحارالانوار جلد 43 / 76، 84۔۔ ما کان فی ھذہ الامۃ اعبد من فاطمۃ کانت تقوم حتی تورّم قدماھا۔۔۔

والے شخص کے خاندان کے افراد اور قریبی افراد کی بے اعتنائی اور حکومت وقت کی تائید نہ کرنا اس کے غیر قانونی ہونے کی سب سے بڑی اور بہترین دلیل ہے۔

جناب فاطمہ سلام اللہ علیہا جانتی تھیں کہ علی علیہ السلام کے حق کے دفاع میں اس طرح کی جنگ کا نتیجہ رنج اور تکلیف ہے۔لیکن انہوں نے تمام دکھوں اور تکلیفوں کو خندہ پیشانی سے قبول کیا اور اس جنگ کو آخری مرحلہ تک پہنچایا۔

دوسرا مرحلہ:

فاطمہ و علی علیہما السلام، جناب امام حسن و حسین علیہما السلام کی انگلی پکڑے ہوئے مدینہ کے بزرگوں اور نمایاں افراد کے پاس جاتے اور ان کو اپنی مدد کی دعوت دیتے اور انہیں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وصیتوں اور ارشادات کو یاد دلاتے تھے[1]۔

جناب فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا فرماتی تھیں اے لوگو کیا میرے باپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علی علیہ السلام کو خلافت کے لئے معین نہیں فرمایا تھا؟ کیا تم ان کی قربانیوں کو بھول گئے؟... کیا میرے باپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا تھا کہ، میں تمہارے درمیان سے جا رہا ہوں مگر دو گرانقدر چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں اگر تم ان سے تمسک کرو گے تو ہرگز گمراہ نہ ہوگے ایک کتاب خدا، اور دوسرے میرے اہل بیت علیہم السلام ہیں، اے لوگو کیا یہ مناسب ہے کہ تم ہم کو تنہا چھوڑ دو اور ہماری مدد سے ہاتھ اٹھا لو؟[2]

تیسرا مرحلہ:

زمام حکومت سنبھالنے کے بعد حضرت ابوبکر نے جناب فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا سے فدک[3] لینے کا ارادہ کیا اور حکم دیا کہ فدک میں کام کرنے والوں کو نکال باہر کیا جائے اور ان کی بجائے دوسرے کارکنوں کو وہاں مقرر کر دیا[4]۔

فدک کو قبضہ میں کرنے کے وجوہات میں سے ایک وجہ یہ تھی کہ وہ لوگ اس بات کو بخوبی جانتے تھے کہ حضرت علی علیہ السلام کے ذاتی فضائل و کمالات، ان کا علمی مقام اور ان کی فداکاریاں قابل انکار نہیں ہیں، اور ان کے بارے میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وصیتیں بھی لوگوں کے درمیان مشہور ہیں اگر ان کی اقتصادی حالت بھی اچھی ہوگئی اور ان کے پاس پیسے آگئے تو ممکن ہے کہ ایک گروہ ان کے ساتھ ہو جائے اور پھر خلافت کے لئے خطرہ پیدا ہو جائے۔اس نکتہ کو ان باتوں میں دیکھا جا سکتا ہے جو حضرت ابوبکر کو مخاطب کر کے حضرت عمر نے کہی ہیں: لوگ دنیا کے بندے ہیں اور سوائے دنیا کے انکا کوئی مقصد نہیں ہے اگر خمس و بیت المال اور فدک کو علی علیہ السلام سے چھین لو تو پھر لوگ خود بخود ان سے علیحدہ ہو جائیں گے۔[5]

جب جناب فاطمہ سلام اللہ علیہا، ابوبکر کے اس اقدام سے مطلع ہوئیں تو انہوں نے سوچا کہ اگر اپنے حق کا دفاع نہ کیا تو لوگ یہ سمجھ

---

[1] الامامۃ والسیاسۃ جلد 1 ص 19۔

[2] ۔۔بانوئے نمونہ اسلام۔۔مصنفہ ابراہیم امینی ص 144۔

[3] ۔۔فدک۔۔مدینہ سے چند فرسخ کے فاصلہ پر ایک دیہات تھا جو 7ھ میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور یہودیوں کے درمیان صلح کے معاہدہ میں بغیر کسی خونریزی کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ملا تھا اور یہ صرف رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حق تھا چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خدا کے حکم کے مطابق فدک کو اپنی بیٹی فاطمہ سلام اللہ علیہا کو بخش دیا تھا۔

[4] تفسیر نور الثقلین جلد 3 / 154 مطبوعہ حکمت قم اصول مالکیت جلد 2۔موضوع فدک والا حصہ ملاحظہ ہو۔

[5] ناسخ التواریخ ج زہراء/ 122۔

بیٹھیں گے کہ حق سے چشم پوشی اور ظلم کے بوجھ کے نیچے دب جانا ایک پسندیدہ کام ہے۔ یا یہ تصور کریں گے کہ حق، ابوبکر کے ساتھ ہے۔ جیسا کہ اس وقت ان تمام مبارزوں کے باوجود حضرت ابوبکر کے پیروکار، ابوبکر کی اس روش کو حق بنا کر پیش کرتے ہیں۔

ان سب باتوں کے پیش نظر، جناب فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا نے ممکنہ حد تک اپنے حق کے دفاع کا ارادہ کیا۔

البتہ جس بی بی کا باپ تازہ ہی دنیا سے رخصت ہوا ہو اور جس کا بچہ تازہ ہی سقط ہوا ہو نیز جس نے اور بہت سے مصائب برداشت کئے ہوں اس کے لئے یہ سب کام سہل اور آسان نہیں تھے، ان حادثات میں سے ایک حادثہ ہی ایک عورت کو ہمیشہ کیلئے ستمگروں سے مرعوب کرنے کے لئے کافی تھا۔ لیکن فاطمہ سلام اللہ علیہا، کہ جنھیں فداکاری اور شجاعت کی خو ماں اور باپ سے وراثت میں ملی تھیں۔ اور جنھوں نے فداکار افراد کے درمیان زندگی گذاری تھی، انھیں یہ چھوٹی چھوٹی دھمکیاں خوفزدہ نہیں کرسکتی تھیں۔

اس مرحلہ میں جناب فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کے مبارزات کا خلاصہ مندرجہ ذیل ہے۔

1۔ بحث و استدلال:

جناب فاطمہ سلام اللہ علیہا نے حضرت ابوبکر سے گفتگو کے دوران قرآنی آیات کی شہادت و گواہیاں پیش کرکے برہان و استدلال سے ثابت کیا کہ فدک ان کی ملکیت ہے اور خلفاء کی شیزی کا یہ اقدام غیر قانونی ہے۔

2۔ مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں تقریر:

جناب فاطمہ سلام اللہ علیہا نے دلائل اور براہین کے ذریعہ خلافت کی مذمت اور اپنی حقانیت ثابت کرنے کے بعد یہ ارادہ کیا کہ مسجد میں جائیں اور لوگوں کے سامنے حقائق کو بیان کریں۔

جناب سیدہ سلام اللہ علیہا نے مسجد میں مہاجرین و انصار کے کثیر مجمع کے درمیان ایک مفصل خطبہ دیا آپؑ نے لوگوں کو خدا کی طرف دعوت دی۔ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کی رسالت کی تعریف کی فلسفہ احکام کے بارے میں گفتگو فرمائی، ولایت اور رہبر و قائد کی عظمت کی تشریح فرمائی اور دوسرے بہت سے اہم مسائل پر روشنی ڈالنے کے بعد لوگوں سے مخاطب ہوئیں کہ جو کہنے کی باتیں تھیں میں نے وہ کہدیں۔

آخر میں فرمایا: اے لوگو جو کہنا چاہئے تھا وہ میں کہہ چکی، باوجود اس کے کہ مجھے معلوم ہے کہ تم میری مدد نہیں کروگے، تمہارے بنائے ہوئے نقشے مجھ سے پوشیدہ نہیں ہیں لیکن میں کیا کروں یہ ایک دردِ دل تھا جس کو میں نے شدت غم کی بنا پر بیان کردیا تاکہ تمہارے اوپر حجت تمام ہوجائے[1]۔

3۔ ترک کلام:

جناب فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا نے مبارزہ کو جاری رکھنے کے لئے ترک کلام کو منتخب فرمایا اور حضرت ابوبکر سے کھلے عام کہدیا کہ اگر فدک کو واپس نہ کروگے تو میں جب تک زندہ رہوں گی تم سے کلام نہیں کرونگی، جہاں بھی ابوبکر سے سامنا ہوتا اپنا رخ ان کی طرف سے پھیر

[1] کشف الغمہ مطبوعہ تبریز جلد 1 ص 491، احتجاج طبرسی جلد 1 ص 141۔ ألا قد قلت ما قلت هذا على معرفة مني بالخذلة التي خامرتكم و الغدرة التي استشعرتها قلوبكم ولكنها فيضة النفس و نفثة الغيظ....۔

لیتیں اور ان سے بات نہ کرتیں [1]۔ اس بی بی علیہ السلام نے جو پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قول کے مطابق رضائے خدا کے بغیر کبھی غضبناک نہیں ہوتی تھیں، اپنی اس روش کے ذریعہ امت کے جذبات و احساسات کی موج کو خلافت کی مشینری کے خلاف ابھارا۔

4۔ رات میں تدفین:

نہ صرف یہ کہ شہزادی نے اپنی زندگی کے آخری لمحات تک مبارزہ کو جاری رکھا بلکہ آپ نے اسے قیامت کی سرحدوں سے ملا دیا۔ اپنے شوہر حضرت علی کو وصیت کرتے ہوئے کہا کہ اے علی علیہ السلام مجھ کو رات میں غسل دینا، رات میں کفن پہنانا اور پوشیدہ طور پر سپرد خاک کر دینا، میں اس بات سے راضی نہیں ہوں کہ جن لوگوں نے مجھ پر ستم کیا ہے وہ میرے جنازہ کی تشییع میں شریک ہوں۔ حضرت علی علیہ السلام نے بھی شہزادی کی وصیت کے مطابق ان کو راتوں رات دفن کر دیا اور ان کی قبر کو زمین کے برابر کر دیا اور چالیس نئی قبروں کے نشان بنا دیئے کہ کہیں ان کی قبر پہچان نہ لی جائے [2]۔

شہادت

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت کا رنج اور خلافت امیر المومنین علیہ السلام غصب کرنے والوں کی روش نے بھی جناب فاطمہ سلام اللہ علیہا کے وجود اور ان کے جسم و جان کو سخت تکلیف پہنچائی، آپؑ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد، مسلسل گریہ کناں اور غمزدہ رہتیں۔ کبھی باپ کی قبر کی زیارت کو تشریف لے جاتیں اور کبھی شہداء کے مزار پر جا کر گریہ فرماتیں [3]۔ نیز گھر میں گریہ وعزاداری میں مصروف رہتی تھیں۔

آخرکار، شہزادی دو عالم جا کر کی طاقت کو کم کر دینے والے غم اور دیگر پہنچنے والے صدموں نے آپ کو مضمحل اور صاحب فراش بنا دیا۔ بالآخر انہیں صدمات کے نتیجے میں آپ 13 جمادی الاولی [4] یا سوم جمادی الثانیہ [5]۔ 11ھ ق یعنی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت کے 75 یا 95 دن بعد، دنیا سے رخصت ہو گئیں اور آپ نے اپنی شہادت سے اپنے پیروکاروں کے دلوں کو ہمیشہ کیلئے غم والم میں مبتلا کر دیا۔

---

[1] شرح ابن ابی الحدید جلد 6 / 46، کشف الغمہ جلد 1 / 477۔

[2] دلائل الامۃ طبری / 46، مناقب ابن شہر آشوب جلد 3 / 363۔ یہ حصہ ابراہیم امینی کی کتاب ۔۔ بانوی نمونہ اسلام ۔۔ کا اقتباس ہے۔

[3] بحار الانوار جلد 43 / 195۔

[4] بحار الانوار ج 43 / 195۔

[5] کشف الغمہ جلد 1 / 503 دلائل الامامہ / 45، بحار 43 / 196 منقول از اقبال الاعمال۔

سوالات

1۔جناب فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کی ولادت کس تاریخ کو ہوئی اور مکہ میں آپ کا بچپن کیسے ماحول اور کن حالات میں گذرا؟

2۔جناب خدیجہ سلام اللہ علیہا کے انتقال کے بعد جناب فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کا باپ کے ساتھ کیسا سلوک رہا اور ام ابیہا آپ کا لقب کیوں پڑا؟

3۔حضرت علی علیہ السلام سے آپ کی شادی کس سن اور کس تاریخ میں ہوئی اور اس شادی کی خصوصیت کیا تھی؟

4۔ایک بیوی کے عنوان سے علی علیہ السلام کے ساتھ جناب معصومہ علیہا السلام کا کیا سلوک رہا؟

5۔جناب سیدہ سلام اللہ علیہا کی عبادت کا ایک نمونہ کا ذکر کیجئے؟

6۔سقیفہ کی کاروائی اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جانشینی کے مسئلہ میں جناب فاطمہ سلام اللہ علیہا کا کیا ردعمل تھا؟

7۔خلافت کی مشینری کے ساتھ آپ کے مبارزہ کی کیا روش تھی؟ اس کے دو نمونے بیان فرمایئے

چوتھا سبق:

امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام کی سوانح عمری

بچپن کا زمانہ

علی علیہ السلام اور فاطمہ سلام اللہ علیہا کے پہلے بیٹے 15 رمضان 3ھ ق کو شہر مدینہ میں پیدا ہوئے [1]۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اکرم تہنیت کیلئے جناب فاطمہ سلام اللہ علیہا کے گھر تشریف لائے اور خدا کی طرف سے اس بچہ کا نام حسن رکھا[2]

امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام سات سال تک پیغمبر صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اسلام کے ساتھ رہے [3]۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اپنے نواسہ سے بہت پیار کرتے تھے۔ کبھی کاندھے پر سوار کرتے اور فرماتے:

خدایا میں اس کو دوست رکھتا ہوں تو بھی اس کو دوست رکھ [4]

اور پھر فرماتے: جس نے حسن علیہ السلام و حسین علیہ السلام کو دوست رکھا اس نے مجھ کو دوست رکھا۔ اور جوان سے دشمنی کرتا ہے وہ میرا دشمن ہے۔[5]

امام حسن علیہ السلام کی عظمت اور بزرگی کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ کم سنی کے باوجود پیغمبر صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے بہت سے عہد ناموں میں آپ کو گواہ بنایا تھا۔ واقدی نے نقل کیا ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے قبیلہ ثقیف کے ساتھ ذمّہ والا معاہدہ کیا، خالد بن سعید نے عہد نامہ لکھا اور امام حسن و امام حسین علیہما السلام اس کے گواہ قرار پائے [6]

والد گرامی کے ساتھ

رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اکرم کی رحلت کے تھوڑے ہی دنوں بعد آپ کے سر سے چاہنے والی ماں کا سایہ بھی اٹھ گیا۔ اس بنا پر اب تسلی و تشفی کا صرف ایک سہارا علی علیہ السلام کی مہر و محبت سے مملو آغوش تھا امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام نے اپنے باپ کی زندگی میں ان کا ساتھ دیا اور ان سے ہم آہنگ رہے۔ ظالموں پر تنقید اور مظلوموں کی حمایت فرماتے رہے اور ہمیشہ سیاسی مسائل کو سلجھانے میں مصروف رہے۔

جس وقت حضرت عثمان نے پیغمبر صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے عظیم الشان صحابی جناب ابوذر کو شہر بدر کر کے رَبَذہ بھیجنے کا حکم دیا تھا، اس وقت یہ

---

[1] ارشاد مفید ص 187۔ تاریخ الخلفاء سیوطی/ 188۔

[2] بحار جلد 43 / 238۔

[3] دلائل الامامہ طبری/ 60۔

[4] تاریخ الخلفاء/ 188، تذکرۃ الخواص/ 177.. اللھم انی احبّہ فاحبّہ...

[5] بحار جلد 43 / 264، کشف الغمہ جلد 1 / 550 مطبوعہ تبریز سنن ترمذی جلد 5 / 7.. من احبّ الحسن و الحسین علیہ السلام فقد احبّنی و من ابغضھا فقد ابغضنی...

[6] طبقات کبیر جلد 1 حصہ 2 / 23۔

بھی حکم دیا تھا کہ کوئی بھی ان کو رخصت کرنے نہ جائے۔ اس کے برخلاف حضرت علی علیہ السلام نے اپنے دونوں بیٹوں امام حسن اور امام حسین علیہما السلام اور کچھ دوسرے افراد کے ساتھ اس مرد آزاد کو بڑی شان سے رخصت کیا اور ان کو صبر و ثبات قدم کی وصیت فرمائی۔ [1]

36ھ میں اپنے والد بزرگوار کے ساتھ مدینہ سے بصرہ روانہ ہوئے تاکہ جنگ جمل کی آگ جس کو عائشہ وطلحہ وزبیر نے بھڑکایا تھا، بجھادیں۔

بصرہ کے مقام ذی قار میں داخل ہونے سے پہلے علی علیہ السلام کے حکم سے عمار یاسر کے ہمراہ کوفہ تشریف لے گئے تاکہ لوگوں کو جمع کریں۔ آپ کی کوششوں اور تقریروں کے نتیجہ میں تقریباً بارہ ہزار افراد امام کی مدد کے لئے آگئے۔ [2] آپ نے جنگ کے زمانہ میں بہت زیادہ تعاون اور فداکاری کا مظاہرہ کیا یہاں تک کہ امام علیہ السلام کے لشکر کو فتح نصیب ہوئی۔ [3]

جنگ صفین میں بھی آپ نے اپنے پدر بزرگوار کے ساتھ ثبات قدم کا مظاہرہ فرمایا۔ اس جنگ میں معاویہ نے عبداللہ ابن عمر کو امام حسن مجتبی علیہ السلام کے پاس بھیجا اور کہلوایا کہ آپ اپنے باپ کی حمایت سے دست بردار ہوجائیں تو میں خلافت آپ کے لئے چھوڑ دونگا۔ اس لئے کہ قریش ماضی میں اپنے آباءواجداد کے قتل پر آپ کے والد سے ناراض ہیں لیکن آپ کو وہ لوگ قبول کرلیں گے۔

لیکن امام حسن علیہ السلام نے جواب میں فرمایا: نہیں، خدا کی قسم ایسا نہیں ہوسکتا۔ پھر اس کے بعد ان سے خطاب کرکے فرمایا: گویا میں تمہارے مقتولین کو آج یا کل میدان جنگ میں دیکھوں گا، شیطان نے تم کو دھوکہ دیا ہے اور تمہارے کام کو اس نے اس طرح زینت دی ہے کہ تم نے خود کو سنوارا اور معطّر کیا ہے تاکہ شام کی عورتیں تمہیں دیکھیں اور تم پر فریفتہ ہوجائیں لیکن جلد ہی خدا تجھے موت دے گا۔ [4]

امام حسن علیہ السلام اس جنگ میں آخر تک اپنے پدر بزرگوار کے ساتھ رہے اور جب بھی موقع ملا دشمن پر حملہ کرتے اور نہایت بہادری کے ساتھ موت کے منہ میں کود پڑتے تھے۔

آپؑ نے ایسی شجاعت کا مظاہرہ فرمایا کہ جب حضرت علی علیہ السلام نے اپنے بیٹے کی جان، خطرہ میں دیکھی تو مضطرب ہوئے اور نہایت درد کے ساتھ آواز دی کہ اس نوجوان کو روکو تاکہ (اسکی موت) مجھے شکستہ حال نہ بنادے۔ میں ان دونوں۔ حسن وحسین علیہما السلام۔ کی موت سے ڈرتا ہوں کہ ان کی موت سے نسل رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منقطع نہ ہوجائے [5]

واقعہ حکمیت میں ابوموسی کے ذریعہ حضرت علی علیہ السلام کے برطرف کردیئے انے کی دردناک خبر عراق کے لوگوں کے درمیان پھیل جانے کے بعد فتنہ وفساد کی آگ بھڑک اٹھی۔ حضرت علی علیہ السلام نے دیکھا کہ ایسے افسوسناک موقع پر چاہیے کہ ان کے خاندان کا کوئی ایک شخص تقریر کرے اور ان کو گمراہی سے بچاکر سکون اور ہدایت کی طرف رہنمائی کرے لہٰذا اپنے بیٹے امام حسن علیہ السلام سے فرمایا: میرے لال اٹھو اور ابوموسی وعمرو عاص کے بارے میں کچھ کہو۔ امام حسن مجتبی علیہ السلام نے ایک پرزور تقریر میں وضاحت کی کہ:

---

[1] حیاۃ الامام حسن جلد 1 ص 20، مروج الذہب جلد 2 / 341، تاریخ یعقوبی جلد 2 ص 172۔ شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید جلد 8 / 252-55۔

[2] کامل ابن اثیر جلد 3 / 227-231۔

[3] حیاۃ الامام الحسن جلد 1 / 396-399۔

[4] وقعہ صفین / 297۔

[5] نہج البلاغہ فیض الاسلام خطبہ 198 ص 11660، املکو عنّی ھذا الغلام لا یھدّنی فانّنی انفس بھذین یعنی الحسن و الحسین علی الموت لئلا ینقطع بھما نسل رسول اللہ۔

ان گوں کو اس لئے منتخب کیا گیا تھا تا کہ کتاب خدا کو اپنی دلی خواہش پر مقدم رکھیں لیکن انہوں نے ہوس کی بنا پر قرآن کے خلاف فیصلہ کیا اور ایسے لوگ حَکَم بنائے جانے کے قابل نہیں بلکہ ایسے افراد محکوم (اور مذمت کے قابل) ہیں۔[۱]

شہادت سے پہلے حضرت علی علیہ السلام نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان کی بناء پر حضرت حسن علیہ السلام کو اپنا جانشین معین فرمایا اور اس امر پر امام حسین علیہ السلام اور اپنے تمام بیٹوں اور بزرگ شیعوں کو گواہ قرار دیا۔[۲]

اخلاقی خصوصیات

امام حسن علیہ السلام ہر جہت سے حسن تھے آپ کے وجود مقدس میں انسانیت کی اعلی ترین نشانیاں جلوہ گر تھیں۔ جلال الدین سیوطی اپنی تاریخ کی کتاب میں لکھتے ہیں کہ حسن علیہ السلام بن علی علیہ السلام اخلاقی امتیازات اور بے پناہ انسانی فضائل کے حامل تھے ایک بزرگ، باوقار، بردبار، متین، سخی، نیز لوگوں کی محبتوں کا مرکز تھے۔[۳]

ان کے درخشاں اور غیر معمولی فضائل میں سے ایک شمہ برابر یہاں پیش کئے جا رہے ہیں:

پرہیزگاری:

آپ خدا کی طرف سے مخصوص توجہ کے حامل تھے اور اس توجہ کے آثار کبھی وضو کے وقت آپ کے چہرہ پر لوگ دیکھتے تھے جب آپ وضو کرتے تو اس وقت آپ کا رنگ متغیر ہوجاتا اور آپ کا نپنے لگتے تھے۔ جب لوگ سبب پوچھتے تو فرماتے تھے کہ جو شخص خدا کے سامنے کھڑا ہو اس کے لئے اس کے علاوہ اور کچھ مناسب نہیں ہے۔[۴]

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: امام حسن علیہ السلام اپنے زمانہ کے عابدترین اور زاہدترین شخص تھے۔ جب موت اور قیامت کو یاد فرماتے تو روتے ہوئے بے قابو ہوجاتے تھے۔[۵]

امام حسن علیہ السلام، اپنی زندگی میں 25 بار پیادہ اور کبھی پا برہنہ زیارت خانہ خدا کو تشریف لے گئے تا کہ خدا کی بارگاہ میں زیادہ سے زیادہ ادب وخشوع پیش کرسکیں اور زیادہ سے زیادہ اجر ملے[۶]۔

سخاوت:

امامؑ کی سخاوت اور عطا کے سلسلہ میں اتنا ہی بیان کافی ہے کہ آپ نے اپنی زندگی میں دوبار تمام اموال اور اپنی تمام پونجی خدا کے راستہ میں دیدی اور تین بار اپنے پاس موجود تمام چیزوں کو دو حصوں میں تقسیم کیا۔ آدھا راہ خدا میں دیدیا اور آدھا اپنے پاس رکھا۔[۷]

---

[۱] الامامہ والسیاسۃ جلد 1 ص 119، حیاۃ الامام الحسن جلد 1 ص 444۔

[۲] اصول کافی جلد 1 /ص 297۔

[۳] تاریخ الخلفاء/ 189۔

[۴] مناقب ابن شہر آشوب جلد 4 / 14۔۔ حقٌّ علی کل من وقف بین یدی رب العرش ان یصفر لونہ و ترتعد مفاصلہ۔۔۔

[۵] بحار جلد 43 / 331۔

[۶] بحار جلد 43 / 331، تاریخ الخلفاء/ 190، مناقب ابن شہر آشوب 4 / 14۔ شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید جلد 16 / 10، تذکرۃ الخواص/ 178۔

[۷] تاریخ یعقوبی جلد 2 / 215، بحار جلد 43 / 332، تاریخ الخلفاء/ 190، مناقب جلد 4 / 14۔

ایک دن آپ نے خانہ خدا میں ایک شخص کو خدا سے گفتگو کرتے ہوئے سنا وہ کہہ رہا تھا خداوندا: مجھے دس ہزار درہم دیدے۔ امام اسی وقت گھر گئے اور وہاں سے اس شخص کو دس ہزار درہم بھیج دیئے۔[1]

ایک دن آپ کی ایک کنیز نے ایک خوبصورت گلدستہ آپ کو ہدیہ کیا تو آپؑ نے اس کے بدلے اس کنیز کو آزاد کر دیا۔ جب لوگوں نے اس کی وجہ پوچھی تو آپ نے فرمایا کہ خدا نے ہماری ایسی ہی تربیت کی ہے پھر اس کے بعد آپؑ نے آیت پڑھی۔ وَإِذَا حُيِّيتُم بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوا بِأَحْسَنَ مِنْهَا[2] جب تم کو کوئی ہدیہ دے تو اس سے بہتر اس کا جواب دو۔[3]

بردباری

ایک شخص شام سے آیا ہوا تھا اور معاویہ کے اکسانے پر اس نے امامؑ کو برا بھلا کہا امامؑ نے سکوت اختیار کیا، پھر آپ نے اس کو مسکرا کر نہایت شیرین انداز میں سلام کیا اور کہا:

اے ضعیف انسان میرا خیال ہے کہ تو مسافر ہے اور میں گمان کرتا ہوں کہ تو اشتباہ میں پڑ گیا ہے۔ اگر تم مجھ سے میری رضامندی کے طلبگار ہو یا کوئی چیز چاہیے تو میں تم کو دونگا اور ضرورت کے وقت تمہاری راہنمائی کروں گا۔ اگر تمہارے اوپر قرض ہے تو میں اس قرض کو ادا کروں گا۔ اگر تم بھوکے ہو تو میں تم کو سیر کر دونگا... اور اگر، میرے پاس آؤ گے تو زیادہ آرام محسوس کرو گے۔

وہ شخص شرمسار ہوا اور رونے لگا اور اس نے عرض کی: میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ زمین پر خدا کے خلیفہ ہیں۔ خدا بہتر جانتا ہے کہ وہ اپنی رسالت کو کہاں قرار دے۔ آپ اور آپ کے والد میرے نزدیک مبغوض ترین شخص تھے لیکن اب آپ میری نظر میں سب سے زیادہ محبوب ہیں۔[4]

مروان بن حکم۔ جو آپ کا سخت دشمن تھا۔ آپؑ کی رحلت کے بعد اس نے آپ کی تشیع جنازہ میں شرکت کی امام حسین۔ نے پوچھا۔ میرے بھائی کی حیات میں تم سے جو ہوسکتا تھا وہ تم نے کیا لیکن اب تم ان کی تشیع جنازہ میں شریک اور رو رہے ہو؟ مروان نے جواب دیا میں نے جو کچھ کیا اس شخص کے ساتھ کیا جس کی بردباری پہاڑ (کوہ مدینہ کی طرف اشارہ) سے زیادہ تھی۔[5]

خلافت

21/ رمضان المبارک 40ھ ق کی شام کو حضرت علی علیہ السلام کی شہادت ہوگئی۔ اس کے بعد لوگ شہر کی جامع مسجد میں جمع ہوئے حضرت امام حسن مجتبی علیہ السلام منبر پر تشریف لے گئے اور اپنے پدر بزرگوار کی شہادت کے اعلان اور ان کے تھوڑے سے فضائل بیان کرنے کے بعد اپنا تعارف کرایا۔ پھر بیٹھ گئے اور عبداللہ بن عباس کھڑے ہوئے اور کہا لوگو یہ امام حسن علیہ السلام تمہارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرزند حضرت علی علیہ السلام کے جانشین اور تمہارے امامؑ ہیں ان کی بیعت کرو۔

---

[1] کشف الغمہ مطبوعہ تبریز جلد 1/558۔

[2] سورہ نساء/86

[3] بحار جلد 43/342

[4] بحار جلد 43/344۔

[5] تاریخ الخلفاء/191، شرح ابن ابی الحدید جلد 16/13، 51 واقعہ کے آخری حصہ میں تھوڑے فرق کے ساتھ۔

لوگ چھوٹے چھوٹے دستوں میں آپ کے پاس آتے اور بیعت کرتے رہے۔[1] نہایت ہی غیر اطمینان نیز مضطرب وپیچیدہ صورت حال میں کہ جو آپ کو اپنے پدر بزرگوار کی زندگی کے آخری مراحل میں در پیش تھے آپ نے حکومت کی ذمہ داری سنبھالی۔ آپ نے حکومت کو ایسے لوگوں کے درمیان شروع کیا جو مبارزہ اور جہاد کی حکمت عملی اور اس کے اعلیٰ مقاصد پر چنداں ایمان نہیں رکھتے تھے چونکہ ایک طرف آپؑ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وعلی علیہ السلام کی طرف سے اس عہدہ کے لئے منصوب تھے اور دوسری طرف لوگوں کی بیعت اور ان کی آمادگی نے بظاہر ان پر حجت تمام کردی تھی اس لئے آپ نے زمام حکومت کو ہاتھوں میں لیا اور تمام گورنروں کو ضروری احکام صادر فرمائے اور معاویہ کے فتنہ کو سلا دینے کی غرض سے لشکر اور سپاہ کو جمع کرنا شروع کیا، معاویہ کے جاسوسوں میں سے دو افراد کی شناخت اور گرفتاری کے بعد قتل کرادیا۔ آپؑ نے ایک خط بھی معاویہ کو لکھا کہ تم جاسوس بھیجتے ہو؟ گویا تم جنگ کرنا چاہتے ہو جنگ بہت نزدیک ہے منتظر رہو انشاءاللہ۔[2]

معاویہ کی کارشکنی

جس بہانہ سے قریش نے حضرت علی علیہ السلام سے روگردانی کی اور ان کی کم عمری کو بہانہ بنایا معاویہ نے بھی اسی بہانہ سے امام حسن علیہ السلام کی بیعت سے انکار کیا۔[3] وہ دل میں تو یہ سمجھ رہے تھے کہ امام حسن علیہ السلام تمام لوگوں سے زیادہ مناسب ہیں لیکن ان کی ریاست طلبی نے ان کو حقیقت کی پیروی سے باز رکھا۔

معاویہ نے نہ صرف یہ کہ بیعت سے انکار کیا بلکہ وہ امامؑ کو درمیان سے ہٹا دینے کی کوشش کرنے لگا کچھ لوگوں کو اس نے خفیہ طور پر اس بات پر معین کیا کہ امامؑ کو قتل کردیں۔ اس بنا پر امام حسن علیہ السلام لباس کے نیچے زرہ پہنا کرتے تھے اور بغیر زرہ کے نماز کے لئے نہیں جاتے تھے، معاویہ کے ان مزدوروں میں سے ایک شخص نے ایک دن امام حسن علیہ السلام کی طرف تیر پھینکا لیکن پہلے سے کئے گئے انتظام کی بنا پر آپ کو کوئی صدمہ نہیں پہونچا۔[4]

معاویہ نے اتحاد کے بہانہ اور اختلاف کو روکنے کے حیلہ سے اپنے عمال کو لکھا کہ تم لوگ میرے پاس لشکر لے کر آؤ پھر اس نے اس لشکر کو جمع کیا اور امام حسن علیہ السلام سے جنگ لڑنے کے لئے عراق کی طرف بھیجا۔[5]

امام حسن علیہ السلام نے بھی حجر بن عدی کندی کو حکم دیا کہ وہ حکام اور لوگوں کو جنگ کے لئے آمادہ کریں۔[6]

امام حسن علیہ السلام کے حکم کے بعد کوفہ کی گلیوں میں منادی نے الصّلوۃ الجامعۃ کی آواز بلند کی اور لوگ مسجد میں جمع ہوگئے امام حسن علیہ السلام منبر پر تشریف لے گئے اور فرمایا کہ: معاویہ تمہاری طرف جنگ کرنے کے لئے آرہا ہے تم بھی نُخَیلہ کے لشکرگاہ کی طرف جاؤ...

---

[1] ارشاد مفید/ 188 شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید جلد 16 / 30 مقاتل الطالبین مطبوعہ بیروت 50-52۔

[2] ارشاد مفید 189، بحار جلد 44 / 45، شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید جلد 16 / 31 مقاتل الطالبین مطبوعہ بیروت/ 53 اما بعد فانك دسّست الرجال للاحتیال والاغتیال وارصدت العیون كانك تحت اللقاء وما اشك فی ذالك فتوقعه انشاءالله۔

[3] امام حسین علیہ السلام کے مقابل معاویہ کی منطق سے واقفیت کے لئے امام حسن علیہ السلام کے نام معاویہ کا وہ خط پڑھا جائے جس کو ابن ابی الحدید نے اپنی شرح کی ج 16 / 37 پر درج کیا۔

[4] بحار جلد 44 / 23۔

[5] شرح شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج 16 / 37 و 38 مقاتل الطالبین مطبوعہ بیروت/ 60۔

[6] ارشاد مفید/ 189، بحار جلد 44 / 46 شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید 16 / 38 مقاتل الطالبین/ 61۔

پورے مجمع پر خاموشی طاری رہی۔

حاتم طائی کے بیٹے عدی نے جب ایسے حالات دیکھے تو اٹھ کھڑا ہوا اور اس نے کہا سبحان اللہ یہ کیسا موت کا سناٹا ہے جس نے تمہاری جان لے لی ہے؟ تم امامؑ اور اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرزند کا جواب نہیں دیتے... خدا کے غضب سے ڈرو کیا تم کو ننگ و عار سے ڈر نہیں لگتا...؟ پھر امام حسن علیہ السلام کی طرف متوجہ ہوا اور کہا میں نے آپ کی باتوں کو سنا اور ان کی بجا آوری کے لئے حاضر ہوں۔ پھر اس نے مزید کہا۔ اب میں لشکر گاہ میں جا رہا ہوں، جو آمادہ ہو وہ میرے ساتھ آ جائے۔ قیس بن سعد، معقل بن قیس اور زیاد بن صَعصَعہ نے بھی اپنی پرزور تقریروں میں لوگوں کو جنگ کی ترغیب دلائی پھر سب لشکر گاہ میں پہنچ گئے۔[۱]

امام حسن علیہ السلام کے پیروکاروں کے علاوہ ان کے سپاہیوں کو مندرجہ ذیل چند دستوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:

1۔ خوارج، جو صرف معاویہ سے دشمنی اور ان سے جنگ کرنے کی خاطر آئے تھے نہ کہ امامؑ کی طرف داری کے لئے۔

2۔ حریص اور فائدہ کی تلاش میں رہنے والے افراد جو مادی فائدہ اور جنگی مال غنیمت حاصل کرنے والے تھے۔

3۔ شک کرنے اور متزلزل ارادہ کے حامل افراد جن پر ابھی تک امام حسن علیہ السلام کی حقانیت ثابت نہیں ہوئی تھی، ظاہر ہے کہ طبعی طور پر ایسے افراد میدان جنگ میں اپنی جاں نثاری کا ثبوت نہیں دے سکتے تھے۔

4۔ وہ لوگ جنہوں نے اپنے قبیلہ کے سرداروں کی پیروی میں شرکت کی تھی ان میں کوئی دینی جذبہ نہ تھا۔[۲]

امام حسن علیہ السلام نے لشکر کے ایک دستہ کو حَکَم کی سرداری میں شہر انبار بھیجا، لیکن وہ معاویہ سے جا ملا اور اس کی طرف چلا گیا۔ حَکَم کی خیانت کے بعد امامؑ مدائن کے مقام ساباط تشریف لے گئے اور وہاں سے بارہ ہزار افراد کو عبید اللہ بن عباس کی سپہ سالاری میں معاویہ سے جنگ کرنے کے لئے روانہ کیا اور قیس بن سعد کو بھی اس کی مدد کے لئے منتخب فرمایا کہ اگر عبید اللہ بن عباس شہید ہو جائیں تو وہ سپہ سالاری سنبھال لیں۔

معاویہ ابتداء میں اس کوشش میں تھا کہ قیس کو دھوکہ دیدے۔ اس نے دس لاکھ درہم قیس کے پاس بھیجے تا کہ وہ اس سے مل جائے یا کم از کم امام حسن علیہ السلام سے الگ ہو جائے، قیس نے اس کے پیسوں کو واپس کر دیا اور جواب میں کہا: تم دھوکہ سے میرے دین کو میرے ہاتھوں سے نہیں چھین سکتے۔[۳]

لیکن عبید اللہ بن عباس صرف اس پیسہ کے وعدہ پر دھوکہ میں آ گیا اور راتوں رات اپنے خاص افراد کے ایک گروہ کے ساتھ معاویہ سے جا ملا صبح سویرے لشکر بغیر سرپرست کے رہ گیا، قیس نے لوگوں کے ساتھ نماز پڑھی اور اس واقعہ کی رپورٹ امام حسن علیہ السلام کو بھیج دی۔[۴]

قیس نے بڑی بہادری سے جنگ کی چونکہ معاویہ نے قیس کو دھوکہ دینے کے راستہ کو مسدود پایا اس لئے اس نے عراق کے سپاہیوں کے حوصلہ کو پست کر دینے کے لئے دوسرا راستہ اختیار کیا۔ اس نے امام حسن علیہ السلام کے لشکر میں، چاہے وہ مَسکن[۵] میں رہا ہو یا مدائن

---

[۱] شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید جلد 16 / 37-40، بحار جلد 44 / 50۔

[۲] ارشاد مفید / 189، بحار 44 / 46۔

[۳] تاریخ یعقوبی ج 2 / 214۔

[۴] ارشاد مفید 190۔

[۵] مسکن منزل کے وزن پر ہے۔ نہر دجیل کے کنارے پر ایک جگہ ہے جہاں قیس کی سپہ سالاری میں امام حسن علیہ السلام کا لشکر پڑاؤ ڈالے ہوئے تھا۔

میں، چند جاسوس بھیجے تا کہ وہ جھوٹی افواہیں پھیلائیں اور سپاہیوں کو وحشت میں مبتلا کریں۔

مقام مَسکن میں یہ پروپیگنڈہ کر دیا گیا کہ امام حسن علیہ السلام نے معاویہ سے صلح کی پیشکش کی ہے اور معاویہ نے بھی قبول کر لی ہے۔[1] اور اس کے مقابل مدائن میں بھی یہ افواہ پھیلا دی کہ قیس بن سعد نے معاویہ سے ساز باز کر لی اور ان سے جاملا ہے۔[2]

ان افواہوں نے امام حسن علیہ السلام کے سپاہیوں کے حوصلوں کو توڑ دیا اور یہ پروپیگنڈے امامؑ کے اس لشکر کے کمزور ہونے کا سبب بنے جو لشکر ہر لحاظ سے طاقت ور اور مضبوط تھا۔

معاویہ کی سازشوں اور افواہوں سے خوارج اور وہ لوگ جو صلح کے موافق نہ تھے انہوں نے فتنہ وفساد پھیلانا شروع کر دیا۔ انھیں لوگوں میں سے کچھ افراد نہایت غصہ کے عالم میں امامؑ کے خیمہ پر ٹوٹ پڑے اور اسباب لوٹ کر لے گئے یہاں تک کہ امام حسن علیہ السلام کے پیر کے نیچے جو فرش بچھا ہوا تھا اس کو بھی کھینچ لے گئے۔[3]

ان کی جہالت اور نادانی یہاں تک پہنچ گئی کہ بعض لوگ فرزند پیغمبر کو (معاذ اللہ) کافر کہنے لگے۔ اور جراح بن سِنان توقتل کے ارادہ سے امامؑ کی طرف لپکا اور چلّا کر بولا، اے حسن علیہ السلام تم بھی اپنے باپ کی طرح مشرک ہو گئے (معاذ اللہ) اس کے بعد اس نے حضرت کی ران پر وار کیا اور آپؑ زخم کی تاب نہ لا کر زمین پر گر پڑے، امام حسن علیہ السلام کو لوگ فوراً مدائن کے گورنر سعد بن مسعود ثقفی کے گھر لے گئے اور وہاں کچھ دنوں تک آپ کا علاج ہوتا رہا۔[4]

اس دوران امامؑ کو خبر ملی کہ قبائل کے سرداروں میں سے کچھ نے خفیہ طور پر معاویہ کو لکھا ہے کہ اگر عراق کی طرف آ جاؤ تو ہم تم سے یہ معاہدہ کرتے ہیں کہ حسن علیہ السلام کو تمہارے حوالے کر دیں۔

معاویہ نے ان کے خطوط کو امام حسن علیہ السلام کے پاس بھیج دیا اور صلح کی خواہش ظاہر کی اور یہ عہد کیا کہ جو بھی شرائط آپؑ پیش کریں گے وہ مجھے قبول ہیں۔[5]

ان دردناک واقعات کے بعد امامؑ نے سمجھ لیا کہ معاویہ اور اس کے کارندوں کی چالوں کے سامنے ہماری تمام کوششیں نقش بر آب کے سوا کچھ نہیں ہیں۔ ہماری فوج کے صاحب نام افراد معاویہ سے مل گئے ہیں لشکر اور جانبازوں نے اپنے اتحاد و اتفاق کا دامن چھوڑ دیا ہے ممکن ہے کہ معاویہ بہت زیادہ تباہی اور فتنے برپا کر دے۔

مذکورہ بالا باتوں اور دوسری وجوہ کے پیش نظر امام حسن علیہ السلام نے جنگ جاری رکھنے میں اپنے پیروکاروں اور اسلام کا فائدہ نہیں دیکھا۔ اگر امامؑ اپنے قریبی افراد کے ہمراہ مقابلہ کیلئے اٹھ کھڑے ہوتے اور قتل کر دیئے جاتے تو نہ صرف یہ کہ معاویہ کی سلطنت کے پایوں کو متزلزل کرنے یا لوگوں کے دلوں کو جلب کرنے کے سلسلہ میں ذرّہ برابر بھی اثر نہ ہوتا، بلکہ معاویہ اسلام کو جڑ سے ختم کر دینے اور سچے مسلمانوں کا شیرازہ منتشر کر دینے کے ساتھ ساتھ اپنی مخصوص فریب کارانہ روش کے ساتھ لباس عزا پہن کر انتقام خون امام حسن علیہ السلام کے لئے نکل پڑتا اور

---

[1] تاریخ یعقوبی جلد 2 / 214۔

[2] تاریخ یعقوبی ج 2 / 214۔

[3] ارشاد مفید / 190، تاریخ یعقوبی جلد 2 / 215، بحار جلد 44 / 47، شرح ابن ابی الحدید جلد 16 / 41 مقاتل الطالبین مطبوعہ بیروت / 63۔

[4] ارشاد مفید / 190، تاریخ یعقوبی ج 2 / 215، بحار جلد 44 / 47 شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج 16 / 41 مقاتل الطالبین مطبوعہ بیروت / 63۔

[5] ارشاد مفید / 190۔191، تاریخ یعقوبی جلد 2 / 215۔

اس طرح فرزند رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خون کا داغ اپنے دامن سے دھوڈالتا خاص کر ایسی صورت میں جب صلح کی پیشکش معاویہ کی طرف سے ہوئی تھی اور وہ امامؑ کی طرف سے ہر شرط قبول کر لینے پر تیار نظر آتا تھا۔ بنابرایں (بس اتنا) کافی تھا کہ امامؑ نہ قبول کرتے اور معاویہ ان کے خلاف اپنے وسیع پروپیگنڈے کے ذریعہ اپنی صلح کی پیشکش کے بعد ان کے انکار کو خلاف حق بنا کر آپؑ کی مذمت کرتا۔ اور کیا بعید تھا۔ جیسا کہ امامؑ نے خود پیشین گوئی کر دی تھی۔ کہ ان کو اور ان کے بھائی کو گرفتار کر لیتا اور اس طریقہ سے فتح مکہ کے موقع پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھوں اپنی اور اپنے خاندان کی اسیری کے واقعہ کا انتقام لیتا۔ اس وجہ سے امامؑ نے نہایت سخت حالات میں صلح کی [۱] پیشکش قبول کر لی۔

معاہدہ صلح

معاہدہ صلح امام حسن علیہ السلام کا متن، اسلام کے مقدس مقاصد اور اہداف کو بچانے میں آپ کی کوششوں کا آئینہ دار ہے۔ جب کبھی کوئی منصف مزاج اور باریک بین شخص صلح نامہ کی ایک ایک شرط کی تحقیق کرے گا تو بڑی آسانی سے فیصلہ کر سکتا ہے کہ امام حسن علیہ السلام نے ان خاص حالات میں اپنی اور اپنے پیروکاروں اور اسلام کے مقدس مقاصد کو بچا لیا۔

صلح نامہ کے بعض شرائط ملاحظہ ہوں:

1۔ حسن علیہ السلام زمام حکومت معاویہ کے سپرد کر رہے ہیں اس شرط پر کہ معاویہ قرآن و سیرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور شائستہ خلفاء کی روش پر عمل کرے۔ [۲]

2۔ بدعت اور علی علیہ السلام کے لئے ناسزا کلمات ہر حال میں ممنوع قرار پائیں اور ان کی نیکی کے سوا اور کسی طرح یاد نہ کیا جائے۔ [۳]

3۔ کوفہ کے بیت المال میں پچاس لاکھ درہم موجود ہیں، وہ امام مجتبیٰ علیہ السلام کے زیر نظر خرچ ہوں [۴] گے اور معاویہ داراب گرد کی آمدنی سے ہر سال دس لاکھ درہم جنگ جمل و صفین کے ان شہداء کے پسماندگان میں تقسیم کرے گا جو حضرت علی علیہ السلام کی طرف سے لڑتے ہوئے قتل کر دیئے گئے تھے۔ [۵]

4۔ معاویہ اپنے بعد کسی کو خلیفہ معین نہ کرے۔ [۶]

5۔ ہر شخص چاہے وہ کسی بھی رنگ و نسل کا ہو اس کو مکمل تحفظ ملے اور کسی کو بھی معاویہ کے خلاف اس کے گذشتہ کاموں کو بنا پر سزا نہ دی جائے۔ [۷]

6۔ شیعیان علی علیہ السلام جہاں کہیں بھی ہوں محفوظ رہیں اور کوئی ان سے معترض نہ ہو۔ [۸]

---

[۱] بحار جلد 44 / 17، شرح ابن ابی الحدید 16 / 41-42، مقاتل الطالبین مطبوعہ بیروت / 14۔

[۲] بحار جلد 44 / 65۔

[۳] ارشاد مفید / 191، مقاتل الطالبین، حیاۃ الامام الحسن بن علی جلد 2 / 237 شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید 16 / 4۔

[۴] تاریخ دول الاسلام جلد 1 / 53، حیاۃ الامام الحسن بن علی ج 2 / 238، تذکرۃ الخواص ابن جوزی / 180، تاریخ طبری ج 5 / 160۔

[۵] جوہرۃ الکلام، حیاۃ الامام الحسن بن علی جلد 2 / 337۔

[۶] بحار الانوار جلد 44 / 65۔

[۷] مقاتل الطالبین / 43۔

[۸] ارشاد مفید حیاۃ الامام الحسن بن علی جلد 2 / 237 شرح ابن ابی الحدید 16 / 4۔

امامؑ نے اور دوسری شرطوں کے ذریعہ اپنے بھائی امام حسین علیہ السلام اور اپنے چاہنے والوں کی جان کی حفاظت کی اور اپنے چند اصحاب کے ساتھ جن کی تعداد بہت ہی کم تھی ایک چھوٹا سا اسلامی لیکن باروح معاشرہ تشکیل دیا اور اسلام کو حتمی فنا سے بچا لیا۔

معاویہ کی پیمان شکنی

معاویہ وہ نہیں تھا جو معاہدہ صلح کو دیکھ کر امامؑ کے مطلب کو نہ سمجھ سکے۔ اسی وجہ سے صلح کی تمام شرطوں پر عمل کرنے کا عہد کرنے کے باوجود صرف جنگ بندی اور مکمل غلبہ کے بعد ان تمام شرطوں کو اس نے اپنے پیروں کے نیچے روند دیا اور مقام نُخیلہ میں ایک تقریر میں صاف صاف کہہ دیا کہ میں نے تم سے اس لئے جنگ نہیں کی کہ تم نماز پڑھو، روزہ رکھو اور حج کے لئے جاؤ بلکہ میری جنگ اس لئے تھی کہ میں تم پر حکومت کروں اور اب میں حکومت کی کرسی پر پہنچ گیا ہوں اور اعلان کرتا ہوں کہ صلح کے معاہدہ میں جن شرطوں کو میں نے ماننے کیلئے کہا تھا ان کو پاؤں کے نیچے رکھتا ہوں اور ان کو پورا نہیں کروں گ[1]ا۔

لہٰذا اس نے اپنے تمام لشکر کو امیر المومنین علیہ السلام کی شان میں ناسزا کلمات کہنے پر برانگیختہ کیا۔ اس لئے کہ وہ جانتا تھا کہ انکی حکومت صرف امام کی اہانت اور ان سے انتقامی رویہ کے سایہ میں استوار ہوسکتی ہے۔ جیسا کہ مروان نے اس کو صاف لفظوں میں کہہ دیا کہ علی کو دشنام دیئے غیر ہماری حکومت قائم نہیں رہ سکتی[2]

دوسری طرف امیر المومنین علیہ السلام کے چاہنے والے جہاں کہیں بھی ملتے ان کو مختلف بہانوں سے قتل کر دیتا تھا۔ اس زمانہ میں تمام لوگوں سے زیادہ کوفہ کے رہنے والے سختی اور تنگی سے دوچار تھے۔ اس لئے کہ معاویہ نے مغیرہ کے مرنے کے بعد کوفہ کی گورنری کو زیاد کے حوالہ کر دیا تھا اور زیاد شیعوں کو اچھی طرح پہچانتا تھا، وہ ان کو جہاں بھی پاتا بڑی بے رحمی سے قتل کر دیتا تھا۔[3]

مدینہ کی طرف واپسی

معاویہ ہر طرف سے طرح طرح کی امام کو تکلیفیں پہنچانے لگا۔ آپؑ اور آپؑ کے اصحاب پر اس کی کڑی نظر تھی ان کو بڑے سخت حالات میں رکھتا اور علی علیہ السلام وخاندان علی علیہ السلام کی توہین کرتا تھا۔

یہاں تک کہ کبھی تو امام حسن علیہ السلام کے سامنے آپ کے پدر بزرگوار کی برائی کرتا اور اگر امامؑ اس کا جواب دیتے تو آپؑ کو بھی ادب سکھانے کی کوشش کرتا۔[4] کوفہ میں رہنا مشکل ہوگیا تھا اس لئے آپ نے مدینہ لوٹ جانے کا ارادہ کیا۔

لیکن مدینہ کی زندگی بھی آپ کے لئے عافیت کا سبب نہیں بنی اس لئے کہ معاویہ کے کارندوں میں سے ایک پلید ترین شخص

---

[1] حیاۃ الامام الحسن بن علی جلد 2 / 237 مقاتل الطالبین/ 43، ذخائر العقبی میں اتنا مزید ہے کہ معاویہ نے شروع میں ان شرائط کو مطلقاً قبول نہیں کیا اور دس آدمیوں کو منجملہ قیس بن سعد کے مستثنی کیا اور لکھا کہ ان کو جہاں بھی دیکھوں گا ان کی زبان اور ہاتھ کاٹ دوں گا امام حسن علیہ السلام نے جواب میں لکھا کہ: ایسی صورت میں، میں تم سے کبھی بھی صلح نہیں کرونگا، معاویہ نے جب یہ دیکھا تو سادہ کاغذ آپ کے پاس بھیجدیا اور لکھا کہ آپ جو چاہیں لکھدیں میں اسکو مان لونگا اور اس پر عمل کرونگا۔

[2] بحار 44 / 49، ابن شرح نہج البلاغہ ابی الحدید ج 16 / 14-15، 46 مقاتل الطالبین مطبوعہ بیروت/ 70 ارشاد، مفید 91۔

[3] الصواعق المحرقہ/ 33 (لایستقیم لنا الامر الا بذالک ای بسبّ علی)۔

[4] حیاۃ الامام الحسن ابن علی جلد 2 / 356۔

مروان مدینہ کا حاکم تھا، مروان وہ ہے جس کے بارے میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا: ہوالوزغ بن الوزغ، الملعون بن الملعون [۱] اس نے امامؑ اور آپ کے اصحاب کا جینا مشکل کردیا تھا یہاں تک کہ امام حسن علیہ السلام کے گھر تک جانا مشکل ہوگیا تھا، باوجودیکہ امامؑ دس برس تک مدینہ میں رہے لیکن ان کے اصحاب، فرزند پیغمبر کے چشمہ علم و دانش سے بہت کم فیض یاب ہوسکے۔

مروان اور اس کے علاوہ دس سال کی مدت میں جو بھی مدینہ کا حاکم بنا اس نے امام حسن علیہ السلام اور ان کے چاہنے والوں کو تکلیف و اذیت پہونچانے میں کوئی کمی نہیں کی۔

شہادت

معاویہ جو امامؑ کی کمسنی کے بہانہ سے اس بات کے لئے تیار نہیں تھا کہ آپؑ کو خلافت دی جائے وہ اب اس فکر میں تھا کہ اپنے نالائق جوان بیٹے یزید کو ولی عہدی کے لئے نامزد کرے تاکہ اس کے بعد مسند سلطنت پر وہ متمکن ہوجائے۔

اور ظاہر ہے کہ امام حسن علیہ السلام اس اقدام کے راستہ میں بہت بڑی رکاوٹ تھے اس لئے کہ اگر معاویہ کے بعد امام حسن علیہ السلام مجتبی زندہ رہ گئے تو ممکن ہے کہ وہ لوگ جو معاویہ کے بیٹے سے خوش نہیں ہیں وہ امام حسن علیہ السلام کے گرد جمع ہوجائیں اور اس کے بیٹے کی سلطنت کو خطرہ میں ڈالدیں لہٰذا یزید کی ولی عہدی کے مقدمات کو مضبوط بنانے کے لئے اس نے امام حسن علیہ السلام کو راستہ سے ہٹادینے کا ارادہ کیا۔ آخر کار اس نے دسیسہ کاری کا مظاہرہ کرتے ہوئے امام حسن علیہ السلام کی بیوی جعدہ بنت اشعث کے ذریعہ آپؑ کو زہر دیدیا اور امام معصوم علیہ السلام سینتالیس سال کی عمر میں 28/صفر 50ھ ق کو شہید ہوگئے اور مدینہ کے قبرستان بقیع میں دفن ہوئے۔ [۲]

سوالات

1۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ امام حسن علیہ السلام کتنے دن رہے اور اس مدت میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت امام حسن علیہ السلام سے کس طرح کی تھی؟ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث میں سے ایک کا ذکر فرمایئے

2۔ اپنے پدر بزرگوار کے زمانے میں، امام حسن علیہ السلام کا جنگ جمل و صفین میں کیا عمل رہا؟ مختصراً بیان کیجئے؟

3۔ امامؑ کی پرہیزگاری اور سخاوت کے واقعات میں سے ایک ایک نمونہ بیان فرمایئے

4۔ حکومت کی ذمہ داری قبول کرنے کے بعد معاویہ کے سلسلہ میں امامؑ کا کیسا موقف رہا؟ مختصراً بیان کیجئے۔

5۔ امام کے سپاہیوں میں کس طرح کے لوگ تھے؟

6۔ صلح کے اسباب و علل کو مختصراً بیان کیجئے۔

7۔ صلح کی تین شرائط کو بیان کرتے ہوئے صلح کے نتائج کو امامؑ کے نظریہ کے مطابق بیان کیجئے۔

8۔ امامؑ کس تاریخ کو کیسے اور دشمن کے ذریعہ کن وجوہ کی بنا پر شہید ہوئے؟

---

[۱] ارشاد مفید/ 191 شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید جلد 16 / 47۔

[۲] حیاۃ الامام الحسن بن علی جلد 1 / 239، مستدرک حاکم جلد 4 / 479۔

پانچواں سبق:

امام حسین علیہ السلام کی سوانح عمری

(پہلا حصہ)

ولادت

تین شعبان 4ھ۔ق کو علی علیہ السلام وپیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دختر گرامی کے دوسرے بیٹے کی پیدائش ہوئی۔[1]

ان کا نام رکھنے کی رسم بھی ان کے بھائی حسن علیہ السلام بن علی علیہ السلام کی طرح پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعہ انجام پائی، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خدا کے حکم کے مطابق اس نومولود کا نام حسین رکھا۔[2]

ولادت باسعادت کے ساتویں دن جناب فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا نے اپنے فرزند کے لئے ایک بھیڑ عقیقہ کے عنوان سے قربان کی اوران کے سر کے بالوں کو تراش کر بالوں کے وزن کے برابر چاندی صدقہ میں دی۔[3]

پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دامن میں

حسین علیہ السلام بن علی علیہ السلام نے اپنے بچپن کے چھ سال اور چند ماہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دامن میں پرورش پائی اورمنبع فیاض رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے علم ومعرفت حاصل کیا۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، امام حسین علیہ السلام سے جو اظہار محبت ولطف فرماتے تھے وہ شیعوں کے تیسرے رہنما کی عظمت وبلندی کو بیان کرتا ہے۔

حضرت سلمان فارسی فرماتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حسین علیہ السلام کو اپنے زانو پر بیٹھا رکھا ہے اور بوسے دے رہے ہیں اورفرماتے ہیں کہ تو سید وسردار ہے، بڑے سردار کا بیٹا ہے، بڑے سرداروں کا باپ ہے، تو امام، فرزند امام اور ابوالائمہ ہے۔تو حجت خدا فرزند حجت خدا اور جونو افراد حجت خدا ہیں انکا باپ ہے انکا خاتم ان کا قائم ہوگا۔[4]

جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا گیا کہ آپ اپنے اہل بیت علیہ السلام میں سے کس کو زیادہ دوست رکھتے ہیں تو فرمایا: حسن و حسین علیہما السلام کو۔[5]

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بار بار حسن علیہ السلام وحسین علیہ السلام کو سینہ سے لگاتے، ان کی خوشبو سونگھتے، بوسہ دیتے اورفرماتے تھے حسن و

---

[1] اعلام الوری/213، بحار جلد 44/201۔

[2] بحار جلد 43/241۔

[3] فروع کافی جلد 6/33 بحار جلد 43/257۔

[4] 146، کمال الدین صدوق جلد 1/262 بحار جلد 43/290۔

[5] ۔سئل رسول اللہ ای اھل البیت احب الیک؟ قال: الحسن والحسین۔۔سنن ترمذی جلد 5/323، بحار جلد 43/264، 265۔

حسینؑ جوانان بہشت کے سردار ہیں۔[1]

پیغمبرؐ اور امام حسینؑ کے درمیان معنوی اور وراثتی رابطہ کو بیان کرنے کے لئے بلندترین قریب ترین اور واضح ترین جملہ، اس جملہ کو کہا جا سکتا ہے جس میں پیغمبرؐ نے فرمایا کہ حسینؑ مجھ سے ہے اور میں حسین سے ہوں۔[2]

والد ماجد کے ساتھ

رسول خداؐ کی آنکھیں بند ہوجانے کے بعد امام حسینؑ نے اپنی عمر مبارک کے تیس سال اپنے پدر بزرگوار کے ساتھ گذارے۔ اس پوری مدت میں آپ دل و جان سے پدر عالیقدر کی اطاعت کرتے رہے اور باپ کی پانچ سالہ حکومت کے زمانہ میں امام حسینؑ اسلام کے مقاصد کو آگے بڑھانے میں ایک جاں باز فداکار کی طرح اپنے بڑے بھائی کی مانند کوشش کرتے رہے اور جمل و صفین و نہروان کی جنگوں میں شریک رہے۔[3]

بھائی کے ساتھ

حضرت علیؑ کی شہادت کے بعد، علیؑ کے بڑے بیٹے حسن بن علیؑ کی طرف امامت و رہبری منتقل ہوگئی۔ امام حسینؑ جو مکتب رسالت وولایت کے پرورده تھے، اپنے بھائی کے ساتھ ہم فکر تھے۔ جب اسلام اور مسلمانوں کے معاشرہ کے مصالح کے پیش نظر امام حسنؑ معاویہ کی صلح کی پیشکش کو قبول کرنے کے لئے مجبور ہوئے تو اس وقت امام حسینؑ بھائی کے غموں میں شریک تھے۔ اور چونکہ آپ جانتے تھے کہ یہ صلح، اسلام اور مسلمانوں کی بھلائی کیلئے ہوئی ہے اس لئے آپ نے ہرگز اعتراض نہیں کیا اور ہمیشہ امام حسنؑ کے موقف کا دفاع کرتے رہے۔[4]

ایک دن معاویہ، امام حسن و امام حسینؑ کے سامنے امام حسنؑ اور ان کے پدر بزرگوار امیر المومنین کی بدگوئی کیلئے لب کشا ہوا۔ امام حسینؑ اٹھے تا کہ اس کی اہانت کا جواب دیں لیکن آپ کے بھائی نے خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور پھر خود ہی انہوں نے معاویہ کو بہت مناسب اور جھنجھوڑنے والے بیان کے ذریعہ خاموش کردیا۔[5]

اخلاقی فضائل و مناقب

امام حسینؑ کی مکمل حق طلب اور خدا پرست 56 سالہ زندگی پر اگر اجمالی نظر ڈالی جائے تو ہم کو پتہ چلے گا کہ آپؑ کی زندگی ہمیشہ پاک دامنی، خدا کی بندگی، محمدیؐ پیغام کی نشر و اشاعت اور انسانیت کی بلند قدروں کی حفاظت میں گذری ہے۔

آپ کو پروردگار کی نماز و بندگی، قرآن، دعا اور استغفار سے بڑا شغف تھا۔ کبھی کبھی شب و روز میں سینکڑوں رکعت نماز پڑھتے

---

[1] الحسن والحسین سید الشباب اھل الجنه. بحار جلد 43 / 264، 265، سنن ترمذی جلد 5 / 323 بحار جلد 43 / 299۔

[2] ۔ حسین منی و انا من حسین۔۔ سنن ترمذی جلد 5 / 324، بحار جلد 43 / 270۔272 مقتل خوارزمی جلد 1 / 146، انساب الاشراب بلاذری جلد 3 / 142۔

[3] الاصابہ جلد 1 ص 333۔

[4] کافی میں منقول ہے کہ جس نشست میں امام حسنؑ بیٹھے رہتے تھے اس میں امام حسینؑ بھائی کے احترام کی بنا پر باتیں نہیں کرتے تھے یہاں تک کہ بخشش وعطا میں بھی اس بات کا خیال رکھتے تھے کہ امام حسنؑ سے ذرا کم ہو۔

[5] ارشاد مفید / 173، شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید جلد 16 / 47۔

تھے، [1] حتی کہ اپنی زندگی کی آخری رات میں بھی عبادت ودعا سے دست بردار نہیں ہوئے اور اس رات آپؑ نے دشمنوں سے مہلت مانگی تا کہ خلوت میں اپنے خدا سے راز ونیاز کرسکیں اور فرمایا: خدا جانتا ہے کہ میں نماز تلاوت قرآن اور دعا واستغفار کو بہت زیادہ دوست رکھتا ہوں۔ [2]

ابن اثیر نے لکھا ہے کہ حسین علیہ السلام بہت روزے رکھتے۔ نمازیں پڑھتے حج کو جاتے، صدقہ دیتے اور تمام اچھے کاموں کو انجام دیتے تھے۔ [3]

حضرت اباعبداللہ الحسین علیہ السلام زیارت خانہ خدا کیلئے بارہا پیدل تشریف لے گئے اور حج کا فریضہ ادا کیا۔ [4]

امام حسین علیہ السلام کی شخصیت ایسی پرشکوہ اور باعظمت تھی کہ جب آپؑ اپنے بھائی امام حسن مجتبی۔ کے ساتھ حج کے لئے پیدل جارہے تھے تو تمام بزرگ اور اسلام کے نمایاں افراد آپؑ کے احترام میں مرکب اور سواری سے اتر پڑتے اور آپؑ کے ہمراہ پیدل راستہ طے کرتے۔ [5]

امام حسین علیہ السلام کا احترام اور ان کی قدردانی کا معاشرہ اس لئے قائل تھا کہ آپؑ ہمیشہ لوگوں کے ساتھ زندگی بسر کرتے اور دوسروں کی طرح ایک معاشرہ کی نعمتوں اور مصیبتوں میں شامل رہتے تھے اور خداوند عالم پر پُرخلوص اعیان کی بنا پر آپ عوام کے غم خوار اور مددگار تھے۔

آپ ایک ایسی جگہ سے گذرے جہاں کچھ فقیر اپنی اپنی چادریں بچھائے ہوئے بیٹھے تھے اور سوکھی روٹیوں کے ٹکڑے کھا رہے تھے۔ امام حسین علیہ السلام کو ان لوگوں نے دعوت دی تو آپ نے ان کی دعوت قبول کی اور ان کے پہلو میں بیٹھ گئے اور پھر آپ نے یہ آیت پڑھی: اِنَّہٗ لَا یُحِبُّ الْمُسْتَکْبِرِیْنَ. [6]

اس کے بعد آپؑ نے فرمایا کہ: میں نے تمہاری دعوت قبول کی اب تم بھی میری دعوت قبول کرو۔ وہ لوگ امام حسین علیہ السلام کے ساتھ ان کے گھر آئے۔ امامؑ نے حکم دیا کہ جو کچھ گھر میں ہے وہ مہمانوں کے لئے لایا جائے۔ [7]

اس طرح آپ نے معاشرہ کو تواضع اور انسان دوستی کا درس دیا۔

اس حصّہ کو علائلی کی اس بات کے خلاصہ کے ساتھ ختم کرتا ہوں جو انہوں نے اپنی کتاب میں اباعبداللہ الحسین علیہ السلام کے بارے میں کہی ہے وہ فرماتے ہیں کہ: تاریخ میں ہم کو ایسے بزرگ افراد نظر آتے ہیں جن میں ہر ایک نے کسی نہ کسی جہت اور کسی نہ کسی محاذ پر اپنی عظمت وبزرگی کو عالمی حیثیت دی ہے۔ ایک شجاعت میں تو دوسرا زہد میں تو تیسرا سخاوت میں...

---

[1] بحار جلد 44 / 196، منقول از فلاح السائل وعقد الفرید۔

[2] ارشاد مفید/ 230 مطبوعہ مکتبہ بصیرتی۔۔ فہو یعلم انّی قد کنت احبُّ الصلوۃ وتلاوۃ کتابہ وکثرۃ الدعا والاستغار۔۔

[3] اسد الغابہ جلد 2 / 20۔

[4] انساب الاشراف بلاذری۔

[5] سورہ نحل/ 23۔

[6] تفسیر سیاسی جلد 2 / 257، مناقب جلد 4 / 66، جلاء العیون مرحوم شبر جلد 2 / 24۔

[7] سمو المعنی/ 104۔

لیکن امام حسین کی عظمت و بزرگی کا ہر پہلو فراز تاریخ کی عظمت کو دوبالا کرنے والا ہے۔ گویا آپؑ میں تمام خوبیاں اور بلندیاں جمع ہوگئی تھیں۔[1]

امام حسین علیہ السلام معاویہ کے زمانہ میں ابوعبداللہ الحسن اپنے پدر بزرگوار کی شہادت کے بعد خدا کے حکم اور اپنے بھائی کی وصیت سے اسلامی معاشرہ کی قیادت اور امامت کے منصب پر فائز ہوئے آپ نے اپنی امامت کے تقریباً دس سال معاویہ کی حکومت کے زمانہ میں گزارے اس مدت میں آپ نے امام حسن علیہ السلام کی روش کو قائم رکھا اور جب تک معاویہ زندہ رہا آپؑ نے کوئی مؤثر اقدام نہ کیا۔

امام حسین اگر چہ یہ دیکھ رہے تھے کہ معاویہ اسلام ہی کی طاقت سے اسلامی معاشرہ کی بنیاد اور قوانین الٰہی کو بدل ڈالنے کی کوشش کررہا ہے۔ چنانچہ آپ کو قلق بھی تھا۔ لیکن جانتے تھے کہ اگر اس کے مقابلہ کے لئے اٹھا جائے تو ہر مفید اقدام و تحریک (اور کوئی بھی نتیجہ حاصل ہونے) سے پہلے آپ کو قتل کردیا جائے گا۔

کبھی تو آپؑ معاویہ کے حرکات و اعمال پر صرف تنقید کرتے اور لوگوں کو آئندہ کے لئے امید دلاتے اور اس تمام مدت میں جب معاویہ، یزید کی ولی عہدی کے لئے لوگوں سے بیعت لے رہا تھا امام حسین علیہ السلام نے شدّت سے مخالفت کی اور یزید کی بیعت کے لئے ہرگز آمادہ نہیں ہوئے یہاں تک کہ کبھی معاویہ کو سرزنش کرتے اور تنقیدی خط لکھتے تھے۔[2]

قیام حسینی

معاویہ کی موت کے بعد خلافت۔ جو کہ سلطنت میں تبدیل ہوگئی تھی۔ اس کے بیٹے یزید کی طرف منتقل ہوگئی۔ زمام حکومت کو ہاتھوں میں لیتے ہی یزید نے اپنے ارکان سلطنت کو مضبوط بنانے کیلئے عالم اسلام کی اہم شخصیتوں اور جانے پہچانے لوگوں سے اپنی بیعت لینے کا ارادہ کیا۔ اس غرض سے اس نے حاکم مدینہ کے نام خط لکھا اور حکم دیا کہ امام حسین علیہ السلام سے میری بیعت لے اور اگر وہ مخالفت کریں تو ان کو قتل کردو۔

مدینہ کے گورنر نے حکم کے مطابق بیعت کا سوال امامؑ کے سامنے رکھا، امام حسین علیہ السلام نے فرمایا: **اناللہ و انا الیہ راجعون و علی الاسلام السلام اذا بلیت الامۃ براع۔ مثل یزید**[3] یعنی جب یزید جیسے لوگ (شراب خوار، جواری، بے ایمان اور ناپاک) حکومت اسلامی کی مسند پر بیٹھ جائیں تو اسلام پر فاتحہ پڑھ دینا چاہیے۔

امامؑ نے بیعت کی پیش کش کو ٹھکرانے کے بعد یہ سمجھ لیا کہ اگر مدینہ میں رہے تو آپؑ کو قتل کردیا جائے گا۔ لہٰذا رات کے وقت پوشیدہ طور پر 28 رجب 60ھ کو اپنے یار و انصار کے ساتھ مکہ کی طرف روانہ ہوگئے[4]۔

آپ کے مکہ میں پہنچنے اور یزید کی بیعت سے انکار کرنے کی خبر مکہ اور مدینہ کے لوگوں کے درمیان پھیل گئی اور یہ خبر کوفہ بھی پہنچ گئی۔ اس طرح لوگوں کو امام حسین علیہ السلام کی مدد اور ان کی موافقت کے لئے اپنے کو آمادہ کرنے کا موقع نظر آیا کہ شاید اس طرح بنی امیہ کے

---

[1] رجال کشی/94۔

[2] مقتل خوارزمی جلد 1/184، لہوف/20 بحار جلد 44/326۔

[3] ارشاد مفید/201، تاریخ طبری جلد 341، بحار جلد 44/326۔

[4] مناقب ابن شہر آشوب جلد 4/90، ارشاد مفید/204 بحار جلد 44/334 کامل ابن اثیر جلد 4/21

ظلم سے نجات مل جائے۔

کوفیوں نے۔مندرجہ بالا نکات کے پیش نظر۔مکہ پہنچنے کی خبر سنتے ہی بہت سے خطوط کے ذریعہ آپؑ کو دعوت دی کہ آپ کوفہ تشریف لائیے ور ہماری رہنمائی کی ذمہ داری قبول کر لیجئے۔

حضرت ابوعبداللہ الحسین علیہ السلام نے جناب مسلم کو روانہ کرنے کے ساتھ ان تمام خطوط کا جواب مختصر جملوں میں اس طرح لکھا اما بعد یہ خط حسین بن علی علیہما السلام کی طرف سے عراق کے مسلمانوں اور مؤمنوں کی جماعت کی طرف بھیجا جا رہا ہے۔تم یہ جان لو کہ ہانی اور سعید جو تمہارے بھیجے ہوئے آخری افراد تمہارے خطوط لے کر آئے۔ان تمام باتوں کی جو تمہاری تحریروں سے عیاں تھیں مجھے اطلاع ملی۔خلاصہ یہ کہ تمہارا مطلب یہ تھا کہ ہمارے پاس کوئی لائق رہبر اور امام نہیں ہے ہمارے پاس آ جایئے اید خدا ہم کو آپ کے ذریعہ ہدایت تک پہنچا دے۔فوری طور پر میں حضرت مسلم کو جو میرے چچا کے بیٹے اور میرے معتمد ہیں،تمہارے پاس بھیج رہا ہوں اگر انہوں نے لکھا کہ تمہارے آخری نظریات عملی طور پر اسی طرح ہیں جیسا کہ تم نے خط میں لکھا ہے تو میں اسے قبول کر کے تمہاری طرف آ ؤں گا۔آخر میں آپؑ نے مزید لکھا۔مجھے اپنی جان کی قسم،امام و پیشوا صرف وہ ہے جو خود دین کا پابند ہو اور عدل و انصاف کرتا ہو اور خدا کی رضا کے لئے حلیم ہو۔[1]

حضرت مسلم اس خط کو لیکر کوفہ پہنچے،ان کے پہنچنے کی خبر بڑی تیزی سے کوفہ میں پھیل گئی۔اہل کوفہ نے پر تپاک طریقہ سے امامؑ کے نمائندہ حضرت مسلم بن عقیل کا استقبال کیا۔ایسا استقبال پہلے کبھی نہیں ہوا تھا،پھر جناب مسلم بن عقیل کے ہاتھوں بیعت کی اور دن بدن بیعت کرنے والوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا رہا۔

کوفہ سے دو خط

امام حسین علیہ السلام کے حق اور یزید کی مخالفت میں انقلابی صورت حال پیدا ہو جانے کے بعد دو خط لکھے گئے۔ایک خط حسین علیہ السلام بن علی علیہ السلام کو لکھا گیا اور دوسرا یزید کو جناب مسلم نے امام حسین علیہ السلام کو لکھا: اب تک بے شمار لوگوں نے میری بیعت کی ہے۔اب آپ کوفہ آ جایئے۔[2]

یزید کے پیروکاروں نے اس کو لکھا کہ: اگر عراق کی حکومت کو بچانا ہے تو کسی لائق گورنر کو بھیجو تا کہ ان فتنوں کو ختم کر دے اس لئے کہ نعمان بن بشیر (حاکم کوفہ) ایک کمزور آدمی ہے یا اس نے اپنے آپ کو کمزور بنا رکھا[3] ہے۔

ان دو خطوط کے نتیجہ میں دو اقدام سامنے آئے۔پہلے خط نے امام حسین علیہ السلام کی کوفہ کی طرف روانگی کے مقدمات فراہم کئے اور دوسرے خط نے پہلے حاکم کو معزول اور اس کی جگہ پر عبیداللہ ابن زیاد کو معین کیا۔

امام حسین علیہ السلام ہر چند کہ کوفیوں کو بخوبی پہچانتے تھے اور ان کی بے وفائی،ان کے عقیدہ کا تزلزل اپنے پدر گرامی اور برادر بزرگ کی حکومت کے زمانہ میں دیکھ چکے تھے لیکن اتمام حجّت اور خداوند عالم کے اوامر کے اجراء کے لئے آپؑ نے کوفہ جانے کا ارادہ کیا۔خصوصاً مکہ میں چند ماہ قیام کے بعد آپؑ نے یہ سمجھ لیا کہ یزید (لعن) کسی طرح بھی آپ سے دست بردار ہونے کے لئے تیار نہیں ہے اور اگر آپؑ

---

[1] ارشاد مفید/205،بحار جلد 44/336۔

[2] مناقب ابن شہر آشوب جلد 4/91،بحار جلد 44/366

[3] 8 ذی الحجہ کو منی جانا ایک مستحب عمل ہے اس زمانہ میں اس استحبابی حکم پر عمل ہوتا تھا لیکن اس زمانہ میں حجاج ایک ساتھ عرفات جاتے ہیں۔

بیعت نہیں کرتے تو آپ کا قتل، اور وہ بھی خانہ خدا کے نزدیک یقینی ہے۔

اس صورت حال میں امام حسین علیہ السلام 8 ذی الحجہ تک۔ جس دن تمام حجّاج منی کی طرف جانے کا ارادہ کر رہے تھے[1] مکہ میں رہے اور حج تمتع کو عمرہ مفردہ سے بدلنے کے بعد اپنے اہل بیت اور اصحاب کو لے کر مکہ کو ترک کیا اور عراق کی طرف چل پڑے۔[2]

امام کا ایسے زمانہ میں اور ایسی جگہ سے کوچ کرنا، جہاں لوگ دور دور سے ارکان حج بجالانے کے لئے آتے ہیں، ایسا بے نظیر اقدام تھا کہ جس کی ایک عام مسلمان سے بھی توقع نہیں کی جاسکتی تھی چہ جائیکہ فرزند پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے، اسی وجہ سے تھوڑی ہی مدت میں سارے شہر مکہ میں امام کے سفر کی خبر گشت کرنے لگی۔

امام حسین علیہ السلام نے اپنے ناگہانی اور آشکار سفر سے اپنے فریضہ پر بھی عمل کیا اور مسلمانوں کو بھی سمجھا دیا کہ فرزند پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یزید کی حکومت کو قانونی نہیں سمجھا اور نہ صرف اس کی بیعت نہیں کی بلکہ اس کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے ہیں۔

حضرت مسلم ابن عقیل کی شہادت

حضرت مسلم کے ہاتھ پر اہل کوفہ کی بیعت اور امام حسین علیہ السلام کی طرف ان کے میلان کی اطلاع یزید کو مل چکی تھی۔ اس نے ابن زیاد کو کوفہ بھیجا ابن زیاد نے شیطانی چال کے ذریعہ ایک نیا بھیس بدلا، چہرہ پر نقاب ڈالا اور بنی ہاشم کے کسی شریف اور بڑی شخصیت کے روپ میں رات کے اندھیرے میں کوفہ میں وارد ہوا۔ جو لوگ امام حسین علیہ السلام کے منتظر تھے انہوں نے یہ گمان کیا کہ یہ حسین علیہ السلام ہیں۔

ابن زیاد بغیر کسی سے کوئی بات کئے اور نقاب میں منھ چھپائے ہوئے سیدھا دار الامارہ پہنچا۔[3]

عبید اللہ ابن زیاد نے دار الامارہ میں مشورہ کیلئے ایک مٹینگ بلائی اور ابتدائی اقدامات کے بعد، کوفہ والوں کے ایمان کی کمزوری، دوغلہ پن اور ان کے خوف سے فائدہ اٹھایا اور ان کو ڈرا دھمکا کر حضرت مسلم کے اطراف سے منتشر کر دیا یہاں تک کہ جب حضرت مسلم نماز کے لئے آئے تو صرف تیس افراد نے ان کے پیچھے نماز پڑھی اور نماز کے بعد وہ بھی متفرق ہو گئے۔ جب آپ مسجد سے باہر نکلے تو آپ کے ساتھ کوئی بھی نہیں تھا

حضرت مسلم نے ابن زیاد کے لشکر سے اکیلے جنگ کی اور ایک بہادرانہ جنگ کے بعد شہید ہو گئے۔[4]

ظلم کے خلاف عظیم ترین قیام

عراق کے قصد سے ابو عبد اللہ الحسین علیہ السلام نے حجاز کو چھوڑ دیا لیکن درحقیقت آپ اس مقصد کی طرف جا رہے تھے جو صرف عراق میں نہیں تھا۔ یہ عظیم مقصد اسلام اور مسلمانوں کو استعمار کے چنگل اور خاندان بنی امیہ کے استبدادی پنجہ سے چھڑانا تھا۔ اسی وجہ سے آپؑ

---

[1] ارشاد مفید/ 281، بحار جلد 44 / 363، اعلام الوری/ 227، اعیان الشیعہ (دس جلد والی) جلد 1 / 593، نہضت الحسین مصنفہ ہبۃ الدین شہرستانی/ 165 مقتل ابی مخنف/ 66، لیکن بعض صحیح روایات سے استفادہ ہوتا ہے کہ امام حسین علیہ السلام نے حج تمتع کا احرام نہیں باندھا تھا کہ اس کو عمرہ مفردہ سے تبدیل کر دیں ملاحظہ ہو وسائل الشیعہ جلد 10 باب 7 از ابواب عمرہ حدیث 2، 3۔

[2] ارشاد مفید/ 206، بحار جلد 44 / 340 مقاتل الطالبین/ 63۔

[3] ارشاد مفید/ 212۔

[4] ارشاد مفید/ 213-216۔

دوستوں کی مقدس م آبانہ باتوں اور نصیحتوں کے برخلاف، جو اس سفر کو ترک کرنے پر مبنی تھیں، اپنے عزم و ارادہ پر جمے رہے اور اسلام کی نجات کے لئے آخری تحریک شروع کی جس کو بہر قیمت انجام تک پہنچانا تھا۔

امام حسین علیہ السلام راستہ میں بہت سے لوگوں کو اپنی مدد کے لئے دعوت دیتے اور جو لوگ ان کے ساتھ تھے ان کو یزید سے جنگ کے بارے میں اپنے مصمم ارادہ سے آگاہ کرتے رہے اور اس جنگ کے نتیجے میں سب کے قتل ہو جانے سے بھی آگاہ کرتے رہے اور اس بات کا اختیار دیا کہ وہ چاہیں تو ساتھ چھوڑ کر جا سکتے ہیں۔ صفاح نام کی ایک جگہ پر کوفہ سے واپس آنے والے فرزدق سے ملاقات ہوگئی، آپؑ نے کوفہ کے حالات کے بارے میں ان سے سوال کیا، فرزدق نے جواب دیا کہ لوگوں کے دل تو آپؑ کے ساتھ ہیں مگر ان کی تلواریں بنی امیہ کے ساتھ ہیں۔ [1]

شہادت

امام حسین علیہ السلام کا قافلہ کوفہ سے پہلے سرزمین کربلا پر (تقریباً کوفہ سے 70 کیلومیٹر دور) دشمن کے بہت بڑے لشکر سے روبرو ہوا۔ آپ کے ساتھ صرف وہی لوگ تھے جو جان کی بازی لگانے والے تھے اور فرزند پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نصرت و مدد کے سوا ان کا اور کوئی مقصد و مطلوب نہ تھا۔

آخر کار یہ لوگ ابن زیاد کے تیس ہزار لشکر کے تنگ گھیرے میں آ گئے [2] یہاں تک کہ فرات کا پانی بھی ان پر بند کر دیا گیا۔

ایسے حالات میں فرزند زہراء حضرت امام حسین علیہ السلام کے سامنے دو ہی راستے تھے یا قتل یا بیعت، حسین ابن علی علیہما السلام جو مکتب وحی محمدی اور ولایت علوی کے پروردہ تھے انہوں نے بیعت نہیں کی اور ان بہتر [3] افراد کے ساتھ (جو ان کے بہترین اصحاب، وابستگان اور فرزند تھے۔ جن میں سے ہر ایک اخلاص، جواں مردی، شجاعت، عزت و شرافت انسانی کی اخلاقی قدروں سے آراستہ اور انسانیت کا مکمل نمونہ تھے دس محرم 60ھ کو صبح سے عصر تک پسر معاویہ کے کثیر اور آراستہ لشکر کے مقابلہ میں ایک شجاعانہ اور قابل فخر جنگ کی۔ اور بالآخر شربت شہادت نوش فرمایا۔ اور اس زمین کے سینہ پر جب تک انسانیت موجود رہے گی اس وقت تک کے لئے اپنے نام کو جاودانہ بنا دیا۔

آپؑ کی شہادت کے بعد دشمن کا لشکر آپؑ کے پسماندگان کے خیمہ میں گھس آیا، تمام مال و اسباب لوٹ لیا اور آپؑ کے اہل بیت کو اسیر کر کے شہداء کے کٹے ہوئے سروں کے ساتھ کوفہ اور وہاں سے شام لے گیا۔

---

[1] ۔۔قلوبھم معک وسیوف مع بنی امیہ۔۔۔۔۔تاریخ طبری جلد 5 / 384، کامل ابن اثیر جلد 4 / 40 ارشاد مفید / 618 بحار، جلد 44 / 195۔

[2] بحار جلد 44 / 386۔ البتہ لشکر یزید کی تعداد کے بارے میں دوسری روایتیں بھی ہیں جن میں سب سے کم بارہ ہزار کی روایت ہے۔

[3] مناقب جلد 4 / 98 پر 35 ہزار افراد کی تعداد بھی لکھی گئی ہے۔

سوالات

1۔حسین علیہ السلام ابن علی علیہ السلام کس تاریخ کو پیدا ہوئے اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اکرم کے ساتھ کتنے دنوں تک رہے؟

2۔صلح کے بارے میں امام حسین علیہ السلام کا موقف کیا تھا؟اس کا ایک نمونہ بیان فرمایئے

3۔امام حسین علیہ السلام کی تواضع اور فروتنی کے ایک نمونہ کا ذکر کیجئے۔

4۔امام حسین علیہ السلام کا قیام کس زمانہ میں اور کس طرح شروع ہوا؟

5۔امامؑ نے مکہ سے کوفہ جانے کا کیوں ارادہ کیا اور کوفہ جانے سے پہلے آپؑ نے کون سا اقدام کیا؟

6۔دشمن کے لشکر سے امام حسین علیہ السلام کس جگہ ملے؟ دونوں لشکروں کے حالات اور آپؑ کی اور آپؑ کے اصحاب کی تاریخ شہادت بیان کیجئے؟

چھٹا سبق:

امام حسین علیہ السلام کی سوانح عمری

(دوسرا حصہ)

زندہ جاوید روداد

اسلام کے تیسرے رہبر کی اوران کی اولاد واصحاب کی دشت کربلا میں جاں بازی، فداکاری اور شہادت آپ کی زندگی کا اہم ترین واقعہ ہے۔جس نے عقل وخرد کو جھنجوڑ کرر کھ دیا، تمام واقعات کے اوپر چھا گیا۔اور ہمیشہ کے لئے تاریخ کے صفحات پر زندہ جاوید و پائیدار بن گیا۔

دنیا میں پیش آنے والا ہر واقعہ۔ چاہے وہ کتنا ہی بڑا اور عظیم کیوں نہ ہو۔اس کو تھوڑے ہی دن گذرنے کے بعد زندگی کا مدّ و جزر فراموشی کے سپرد کردیتا ہے اور مرور زمانہ اس کے فروغ میں کمی کردیتا ہے اور اوراق تاریخ پر سوائے اس کے نام کے کچھ باقی نہیں بچتا۔

لیکن بہت سے واقعات ایسے ہیں کہ زمانہ گذر جانے کے بعد بھی ان کی عظمت گھٹتی نہیں اللہ والوں کی تاریخ اور وہ انقلابات جو آسمانی پیغمبروں اور الٰہی عظیم رہبروں کے ذریعہ آئے ہیں، یہ تمام کے تمام واقعات چونکہ خدا سے متعلق و مربوط ہیں اس لئے ہرگز بھلائے نہیں جاسکیں گے اور مرور زمانہ کا کوئی اثر قبول نہیں کریں گے۔

حضرت حسین علیہ السلام بن علی علیہ السلام کی تحریک اور کربلا کا خونین حادثہ وانقلاب، انسانی معاشرہ کی ایک اہم ترین سرگذشت ہے، اس حقیقت پر تاریخ وتجربہ روشن گواہ ہیں۔

عاشور کی خون آلود تاریخ کے تجزیہ میں دوسرے مطالب سے پہلے چند مطالب توجہ کے قابل اور تاریخی لحاظ سے زبردست تحقیق کے محتاج ہیں جنہیں اختصار سے بیان کیا جارہا ہے:

(1) امام حسین علیہ السلام کے قیام کے اسباب

(2) امام حسین علیہ السلام کی تحریک وانقلاب کی ماہیت

(3) امام حسین علیہ السلام کے انقلاب کے اثرات ونتائج

انقلاب حسین علیہ السلام ابن علی علیہ السلام کا اہم اور واضح سبب ایک انحرافی سلسلہ تھا جو اس وقت اسلامی حکومت کی مشینری میں رونما ہو چکا تھا۔اور لوگوں میں اموی گروہ کے تسلط کی بنا پر دین سے انحراف اور اجتماعی ظلم وستم مکمل طور پر نمایاں تھا۔ یزید کے خلاف امام حسین علیہ السلام کا قیام اس بنا پر تھا کہ وہ اموی حکومت کا مظہر تھا، وہ حکومت جوملت کے عمومی اموال کی عیاشی، رشوت خوری، بااثر افراد کے قلوب کو اپنی طرف کھینچنے اور آزادی دلانے والی تحریکوں کو ختم کرنے میں خرچ کرتی تھی، وہ حکومت جس نے غیر عرب مسلمانوں کا جینا دشوار کر کے ان کو ختم کردینے کی ٹھان لی تھی اور جس نے عرب مسلمانوں کے شیرازہ اتفاق کو بکھیر کران کے درمیان نفاق اور کینہ کا بیج بو دیا تھا۔

وہ حکومت جس نے اموی خاندان کے مخالفین کو جہاں پایا وہیں قتل کردیا۔ ان کے مال کو لوٹ لیا، وہ حکومت جس نے قبائلی

عصبیت کی فکر کو برانگیختہ کردیا مسلمانوں کے اجتماعی وجود کیلئے خطرہ بن گئی تھی۔

وہ حکومت جو کہ اسلام کے پیغام کے تحقق، قوانین وحدود اور اجتماعی عدالت کے اجراء کی بجائے ایک ایسے پلید شخص کے ہاتھ کا کھلونا تھی جو کہ محمد ﷺ کی رسالت اور ان پر وحی کے نزول کا انکار کررہا تھا۔ یزید اپنے دادا ابوسفیان کی طرح تھا، جس کا کہنا تھا اب حکومت بنی امیہ کے قبضہ میں آ گئی ہے خلافت کو گیند کی طرح گھماتے رہو اور ایک دوسرے کی طرف منتقل کرتے رہو... میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ نہ کوئی جنّت ہے نہ جہنّم [1] یزید بھی ان تمام باتوں کو ایک خیال سے زیادہ نہیں سمجھتا تھا۔[2]

امام حسین علیہ السلام نے ایسے حالات میں انقلاب کے لئے ماحول کو سازگار پایا آپؑ نے خود اس وصیت میں جو اپنے بھائی محمد حنفیہ کو کی تھی، اپنے قیام کے بارے میں لکھا کہ میرے قیام کی وجہ ہوا و ہوس اور بشری میلانات نہیں ہیں، میرا مقصد ستمگری اور فتنہ وفساد پھیلانا نہیں ہے۔ بلکہ میرا مقصد تو اپنے جد رسول خدا ﷺ کی امت کی خراب حالت کی اصلاح کرنا ہے۔ میرا مقصد امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہے میں چاہتا ہوں کہ اپنے جد رسول خدا کی سیرت اور اپنے باپ علیہ السلام علی کے راستہ پر چلوں..[3].

اسی طرح حر بن یزید ریاحی سے ملاقات کے بعد اپنی ایک تقریر میں آپؑ نے اپنے قیام کی تصریح کی اور فرمایا: اے لوگو پیغمبر خدا ﷺ نے فرمایا ہے کہ جو کسی ایسے ظالم فرمان روا کو دیکھے جو حرام الٰہی کو حلال شمار کرتا ہو خدا سے کیے گئے عہد و پیمان کو توڑتا ہو اس کے پیغمبر کی سنت کی مخالفت کرتا ہو، خدا کے بندوں پر ظلم و ستم کرتا ہو اور ان تمام باتوں کے باوجود زبان و عمل سے اپنی مخالفت کا اظہار نہ کرے تو خدا اس کو اسی ظالم فرمان روا کے ساتھ ایک ہی جگہ جہنّم میں رکھے گا۔

اے لوگو انہوں نے (یزید اور اس کے ہمنواؤں نے) شیطان کی اطاعت کا طوق اپنی گردن میں ڈال لیا ہے اور خدائے رحمن کی پیروی ترک کردی ہے فساد پھیلا رکھا ہے اور قوانین الٰہی کو معطل کر رکھا ہے، بیت المال کو انہوں نے اپنے لئے مخصوص کرلیا۔ حلال خدا کو حرام اور حرام الٰہی کو حلال سمجھ لیا ہے۔ میں اسلامی معاشرہ کی قیادت کے لئے تمام لوگوں سے زیادہ حق دار ہوں اور ان مفاسد سے جنگ اور ان خرابیوں کی اصلاح کے لئے سب سے پیش پیش ہوں...[4]

امام حسین علیہ السلام نے معاویہ کے زمانہ میں قیام کیوں نہیں کیا؟

ممکن ہے کہ یہاں یہ سوال پیش آئے کہ معاویہ کے زمانہ میں متعدد عوامل ایسے پیدا ہو گئے تھے جو قیام و انقلاب کا تقاضا کرتے تھے اور حسین علیہ السلام ابن علی علیہ السلام ان تمام عوامل سے آگاہ تھے اور آپ نے ان خطوط میں جو معاویہ کے جواب میں لکھے تھے ان اسباب کو

---

[1] الاغانی جلد 6 / 356۔

[2] مقاتل الطالبین / 120، البدایہ والنہایہ / 197۔

[3] ...انی لم اخرج اشراً و لا بطراً و لا مفسداً و لا ظالماً و انما خرجت لطلب الاصلاح فی امة جدی صلی الله علیه و آله و ارید ان آمر بالمعروف و انهی عن المنکر و اسیر بسیرة جدی و ابی علی بن ابی طالب... ۔(بحار ج 44 / 329 مناقب جلد 4 / 89۔

[4] --ان رسول الله قال من رای سلطاناً جائراً مستحلاً لحرم الله ناکثاً لعهد الله مخالفاً لسنة رسول الله یعمل فی عباد الله بالاثم و العدوان فلم یغیر ما علیه بفعل و لا قول۔ کان حقاً علی الله ان یدخله مدخله. آلا و ان هؤلاء قد لزموا طاعة الشیطان و ترکو طاعة الرحمن و اظهر الفساد و عطلوا الحدود و استاثروا بالفی و احلوا حرام الله و حرموا حلاله. و انا احق من غیر.... تاریخ طبری ج / 403، کامل ابن اثیر ج 4 / 48 مقتل مقوم 218 مقتل ابی مخنف۔

بیان بھی کیا ہے۔[1] پھر آپؑ نے معاویہ کے زمانہ میں قیام کرنے سے کیوں گریز کیا؟

جواب: تمام وہ عوامل ومسائل جنہوں نے امام حسن علیہ السلام کو معاویہ سے صلح کرنے کے لئے مجبور کیا وہی عوامل امام حسین علیہ السلام کے لئے بھی قیام سے باز رہنے کا سبب بنے۔[2] عراقی معاشرہ پر مسلط حاکم کی حقیقت کو پہچاننے میں امام حسین علیہ السلام اپنے بھائی حسن علیہ السلام سے کم نہ تھے۔ وہ بھی اپنے بھائی کی طرح لوگوں کی کاہلی اور اسلامی معاشرہ کی افسوسناک صورت حال دیکھ رہے تھے کو اس وقت آپ نے عراق کے لوگوں قیام کرنے کی ترغیب دلانے کے بجائے عظیم مقصد کے لئے آمادہ اور مستعد کرنے کو ترجیح دی۔

عراق کے شیعوں نے ایک خط میں امام حسین علیہ السلام سے درخواست کی کہ وہ معاویہ کے خلاف قیام کرنے کے سلسلہ میں ان کی قیادت کریں۔ حسین ابن علی علیہ السلام نے موافقت نہیں کی اور جواب میں لکھا:

...لیکن میری رائے یہ ہے کہ انقلاب کا وقت نہیں ہے جب تک معاویہ زندہ ہے، اپنی جگہ بیٹھے رہو۔ اپنے گھر کے دروازوں کو اپنے لئے بند رکھو اور اتہام کی جگہ سے دور رہو۔[3]

معاویہ اور یزید کی سیاست میں فرق

معاویہ کے زمانہ میں امام حسین علیہ السلام کا انقلاب برپا کرنے کے لئے نہ اٹھنے اور یزید کے زمانہ میں اٹھ کھڑے ہونے کا اصلی سبب ان دونوں کی سیاسی روش کے اختلاف میں ڈھونڈھنا چاہیے۔

دین وپیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تضاد میں معاویہ کی منافقانہ روش بہت واضح اور اعلانیہ تھی۔ وہ اپنے کو صحابی اور کاتب وحی کہتا تھا اور خلیفہ دوم کی ان پر بے پناہ توجہ اور عنایت تھی، اس کے علاوہ ان اصحاب پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اکثریت کو جن کی لوگ تعظیم واحترام کرتے تھے (جیسے ابوہریرہ، عمر عاص، سمرۃ، مغیرہ بن شعبہ وغیرہ...) کو حکومت وولایت اور ملک کے تمام حساس کاموں کی انجام دہی کے لئے مقرر کیا تاکہ لوگوں کے حسن ظن کا رخ اپنی طرف موڑلیں، لوگوں کے درمیان صحابہ کے فضائل اور ان کے دین کے محفوظ رہنے کی بہت سی روایتیں اور ایسی روایتیں۔ کہ وہ جو بھی کریں معذور ہیں۔ گھڑ لی گئیں، نتیجہ میں معاویہ جو کام بھی کرتا تھا اگر وہ تصحیح اور توجیہ کے قابل ہوتا تھا تو کیا کہنا ورنہ بہت زیادہ بخششوں اور عنایتوں کے ذریعہ معترض کے منہ کو بند کردیا جاتا تھا اور جہاں یہ وسائل موثر نہیں ہوتے تھے انہیں خواہش کے پرستاروں کے ذریعہ ان کو ختم کردیا جاتا تھا۔ جیسا کہ دسیوں ہزار حضرت علی علیہ السلام کے بے گناہ چاہنے والوں کے ساتھ یہی رویہ اختیار کیا گیا:

معاویہ تمام کاموں میں حق کا رخ اپنی طرف موڑ لینا چاہتا تھا اور امام حسن علیہ السلام اور امام حسین علیہ السلام کا ظاہری احترام کرتا تھا وہ بہت زیرک اور دوراندیش تھا اسے یہ معلوم تھا کہ حسین ابن علی علیہ السلام کا انقلاب اور ان کا لوگوں کو قیام کے لئے دعوت دینا میری پوری حکومت اور اقتدار کے لئے خطرہ بن سکتا ہے۔ اس لئے کہ اسلامی معاشرہ میں حسین علیہ السلام کی عظمت اور ان کے مرتبہ سے معاویہ بخوبی واقف تھا۔

اگر حسین علیہ السلام ابن علی علیہ السلام معاویہ کے زمانہ میں قیام کرتے تو اس بات کا قوی امکان تھا کہ معاویہ آپؑ کے انقلاب کو ناکام کرنے کے لئے ایسی روش اختیار کرتا کہ جو اسی جگہ کامیاب ہوجاتی اور امامؑ کے انقلاب کو عملی شکل دینے سے پہلے ہی زہر کے ذریعہ شہید کردیا جاتا

---

[1] امام حسین علیہ السلام نے جو خط معاویہ کو لکھا تھا اس کے متن سے آگاہی کے لئے کتاب الامامہ والسیاسۃ ج 1 ص 155 ص 157 ص 160 ملاحظہ فرمائیں۔

[2] امام حسن کی زندگی کی تاریخ کی تحقیق میں ہم ان اسباب کی طرف اشارہ کرچکے ہیں۔

[3] اخبار الطوال/221، ثورۃ الحسین/161، انساب الاشراف بلاذری ج 3/17، 152۔

اوراس طرح معاویہ اپنے کوخطرہ سے بچالیتا جیسا کہ حسن علیہ السلام ابن علی علیہ السلام، سعد ابن وقاص اور مالک اشتر کوقتل کرنے میں اس نے یہی رویہ اختیار کیا تھا۔

لیکن یزید کی سیاسی روش اس کے باپ کی سیاسی روش سے کسی طرح بھی مشابہ نہ تھی وہ ایک خودفریب اور بے پروا نوجوان تھا اس کے پاس زور زبردستی کے علاوہ کوئی منطق نہ تھی وہ عمومی افکار کوذرہ برابر بھی اہمیت نہیں دیتا تھا۔

وہ اعلانیہ طور پر اسلام کی مقدس باتوں کو اپنے پیروں کے نیچے روندتا تھا اور اپنی خواہشات پوری کرنے کے لئے کسی چیز سے باز نہیں رہتا تھا، یزید کھلے عام شراب پیتا، راتوں کونشست اور بزم میں بادہ خواری میں مشغول رہتا اور گستاخی سے کہتا تھا:

اگر دین احمد میں شراب حرام ہے تواس کو دین مسیح بن مریم میں پیو[1]

یزید مسیحیت کی تعلیمات کی اساس پر پلا تھا اور وہ دل سے اس کی طرف مائل تھا۔[2]

اور دین اسلام سے اس کا کوئی ربط نہیں تھا جبکہ اسلام کی بنیاد پر وہ لوگوں پر حکومت کرنا چاہتا تھا۔ اس طرح سے جو نقصانات اسلام کو معاویہ کے زمانہ میں پس پردہ پہنچ رہے تھے اب وہ یزید کے ہاتھوں آشکار طور پر پہنچ رہے تھے۔

اپنی حکومت کے پہلے سال اس نے حسین ابن علی علیہ السلام اور ان کے اصحاب کوشہید کیا ان کے اہل بیت کو اسیر کیا۔

حکومت کے دوسرے سال اس نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شہر۔ مدینہ۔ کے لوگوں کے مال اور ناموس کو اپنے لشکر والوں پر مباح کردیا اور اس واقعہ میں چار ہزار آدمیوں کو اس نے قتل کیا۔

تیسرے سال خانہ کعبہ۔ مسلمانوں کے قبلہ۔ پر اس نے منجنیق سے سنگ باری کی۔

ایسے سیاسی اور اجتماعی حالات میں حسین علیہ السلام ابن علی علیہ السلام نے انقلاب کے لئے حالات کو مکمّل آمادہ پایا۔ اب بنی امیہ کے مزدور، عمومی افکار کو قیام حسین علیہ السلام ابن علی علیہ السلام کے مقاصد کے بارے میں بدل کر اس کو قدرت وتسلط کے خلاف کشمکش کے عنوان سے نہیں پیش کرسکتے تھے اس لئے کہ بہت سے لوگ یہ دیکھ رہے تھے کہ حکومت کی رفتار دینی میزان اور الٰہی تعلیمات کے خلاف ہے۔

اور یہ بات خود مجبوّر تھی کہ حسین علیہ السلام ابن علی علیہ السلام اپنے سچے اصحاب کو جمع کریں اور حکومت کے خلاف قیام کریں ایسا قیام جس کا مقصد اسلام اور سیرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو زندہ کرنا تھا نہ کہ خلافت اور قدرت حاصل کرنا۔

انقلاب کی ماہیت

امام حسین علیہ السلام کی تحریک میں ایک اہم مسئلہ اس کی کیفیت و ماہیت کا تجزیہ ہے۔ آیا امام حسین علیہ السلام کا اقدام ایک انقلاب تھا یا ایک اتفاقی دھماکہ تھا؟ کچھ لوگ جو انسانی مقدس واقعات کو ہمیشہ محدود اور مادی ترازو پر تولتے ہیں وہ قیام کربلا کی تفسیر وتعبیر اپنی نادانی اور جہالت کی بناء پر ایک حادثاتی دھماکے سے کرتے ہیں۔[3] اس سلسلہ میں کہتے ہیں کہ کبھی مادی واقعات میں تدریجی تغیرات اس حد تک پہنچ جاتے ہیں کہ وہ واقعہ دیگر تغیرات کو قبول نہیں کرسکتا، انجام کار جزئی تغیرات ایک نئی چیز کو وجود میں لاتے ہیں یہ قانون، معاشرہ اور تاریخ میں حاکم ہے۔ معاشرہ ایک حد تک ظالموں کے ظلم کو قبول کرتا ہے جب وہ اس مرحلہ میں پہنچ جاتا ہے کہ اب اس سے قبولیت کی توانائی ختم ہوجاتی

---

[1] فان حرمت یوماً علی دینفخذھا علی دین المسیح بن مریم (تتمہ المنتہی/43)

[2] سمو المعنی عبداللہ علائی/59۔

[3] اس تفسیر کی بنیاد، دیالکتیک (جدلیات) کے اصول چہارگانہ پر استوار ہے جو کمیت کو اصل نام کے ساتھ کیفیت میں تبدیل کرتا ہے۔

ہے تو نتیجہ میں حکومت کرنے والے نظام کے خلاف ایک دھماکہ کی شکل میں انقلاب آ جاتا ہے۔

اس بنیاد پر لوگ کہتے ہیں کہ: امیرالمومنین علیہ السلام کی شہادت کے بعد اموی مشینری کا مسلمان ملت پر دباؤ بڑھ گیا تھا اور معاویہ کے مرنے کے بعد اس کے بیٹے یزید نے اس دباؤ کو دوگنا کر دیا تھا اس فشار کی بنا پر حسین علیہ السلام کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا اور ان کا قیام اسی دھماکہ کا پیش خیمہ تھا۔

امام حسین علیہ السلام کی تحریک کے بارے میں ایسے فیصلے کا سوتا مادی تجزیہ کرنے والوں کے عقیدہ سے پھوٹتا ہے اور اگر وہ قیام امام حسین علیہ السلام کی تاریخ کے متن کو ملاحظہ کرتے اور حقیقت بین اور حق کے شیدائی ہوتے تو ایسا فیصلہ نہ کرتے۔

امام حسن علیہ السلام کی شہادت کے بعد سے معاویہ کی موت تک کے امام حسین علیہ السلام کے اقوال اور وہ خط و کتابت جو ان کے اور معاویہ کے درمیان ہوئی ہے، جس میں امامؑ کا موقف واضح طور پر معاویہ کے خلاف تھا اور آپ معاویہ کو مورد سوال قرار دیتے اور اس کے خلاف قیام کی دھمکی دیتے تھے۔

اسی طرح وہ تقریریں جو مختلف موقعوں پر امام حسین علیہ السلام نے کی ہیں اگر ان سب کو دیکھا جائے تو یہ ساری چیزیں ہم کو اس بات کا پتہ دیتی ہیں کہ ابوعبداللہ الحسین علیہ السلام کی وہ تحریک بہت منظم تھی جس کا نقشہ آزاد منش افراد کے سردار کھینچ رہے تھے اور امت کو اس راستہ پر اس نقشہ کے مطابق عمل کرنے کی دعوت دے رہے تھے اس کے بعد اب قیام سیدالشہداء۔ کو ایک ناگہانی حادثہ یا دھماکہ کیسے کہا جا سکتا ہے ...اگر یہ انقلاب ایک انجانا دھماکہ ہوتا تو اسے بہتر آدمیوں میں منحصر نہیں رہنا چاہئے تھا۔ بلکہ اس کو معاشرہ کے تمام افراد کو گھیر لینا چاہیے تھا امام حسین علیہ السلام کے آگاہانہ انقلاب کو بتانے والے تاریخی قرائن کا ایک سلسلہ اب پیش کیا جا رہا ہے۔

یزید کیلئے بیعت لیتے وقت امامؑ کی تقریر

لالچ اور دھمکی کے ذریعہ معاویہ نے یزید کی ولی عہدی کے لئے اہم شخصیتوں کے ایک گروہ کی موافقت حاصل کر لی تھی جب حسین ابن علی علیہ السلام کے سامنے بات رکھی گئی تو آپ نے اپنی ایک تقریر میں فرمایا:

تم نے اپنے بیٹے کے کمال اور تجربہ کاری کے سلسلہ میں جو تعریف کی وہ ہم نے سُنی، گویا تم ایسے آدمی کے بارے میں بات کر رہے ہو جس کو یا تو تم نہیں پہچانتے ہو یا اس سلسلہ میں فقط تم کو علم ہے۔ جیسا چاہیے تھا یزید نے ویسا ہی اپنے کو پیش کیا اور اس نے اپنے باطن کو آشکار کر دیا۔ وہ کتوں سے کھیلنے والا کبوتر باز اور ہوس پرست شخص ہے جس نے اپنی عمر ساز و آواز اور عیش و عشرت میں گذاری ہے۔ کیا ہی اچھا ہوتا کہ تم اس کام سے صرف نظر کرتے اور اپنے گناہ کے بوجھ کو اور گراں بار نہ بناتے [1]

معاویہ کے نام امام حسین علیہ السلام کا خط

امام حسین علیہ السلام نے ایک مفصل خط معاویہ کو لکھا اور اس کے بڑے بڑے جرائم کو یاد دلایا، جن میں سر فہرست پرہیز گار، بزرگ اور صالح اصحاب اور شیعیان علی کا قتل تھا، فرمایا:

اے معاویہ تمہارا کہنا ہے کہ میں اپنی رفتار و دین اور امت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خیال رکھوں اور اس امت میں اختلاف و فتنہ پیدا نہ

[1] الامامہ والسیاسہ ج1 / 160، 161۔

کروں۔ میں نہیں سمجھتا کہ امت کے لئے تمہاری حکومت سے بڑا کوئی اور فتنہ ہوگا۔ جب میں اپنے فریضہ کے بارے میں سوچتا ہوں اور اپنے دین اور امت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نظر ڈالتا ہوں تو اس وقت اپنا عظیم فریضہ یہ سمجھتا ہوں کہ تم سے جنگ کروں...

پھر آخر میں فرمایا: تمہارے جرائم میں غیر قابل معافی ایک جرم یہ ہے کہ تم نے اپنے شراب خوار اور کتوں سے کھیلنے والے بیٹے کے لئے لوگوں سے بیعت لی ہے[1]۔

منیٰ میں امام حسین علیہ السلام کی تقریر

معاویہ کی حکومت کے آخری زمانہ میں سرزمین منی پر نو سو سے زیادہ افراد کے مجمع میں، جس میں، بنی ہاشم اور اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں سے بزرگ شخصیتیں شامل تھیں۔ امام حسین علیہ السلام نے ملک پر حکومت کرنے والے نظام کے بارے میں استدلالی بیان کے ذریعہ بحث کی اور ان سے یہ خواہش کی کہ ان کی باتوں کو دوسروں تک پہنچائیں اور اپنے شہروں میں واپس پہنچ جانے کے بعد اپنے نظریہ سے امامؑ کو مطلع کریں۔ امام حسین علیہ السلام نے معاویہ کو اپنی تنقید کا نشانہ بناتے ہوئے اپنی تقریر کا آغاز کیا اور ملت اسلامیہ خصوصاً پیروان علی علیہ السلام کے بارے میں معاویہ جن جرائم کا مرتکب ہوا تھا کو یاد دلایا[2]۔

عراق کی طرف روانگی سے پہلے امام حسین علیہ السلام کی تقریر

آٹھ ذی الحجہ کو عراق روانگی سے پہلے امام حسین علیہ السلام نے لوگوں کے ایک مجمع میں حج نہ کرنے اور عراق کی طرف جانے کی وضاحت کی اور فرمایا: ایک دلہن کے گلے کے ہار کی طرح موت انسان کی گردن سے بندھی ہوئی ہے میں اپنے بزرگوں کا اس طرح مشتاق ہوں جس طرح حضرت یعقوب علیہ السلام حضرت یوسف کے مشتاق تھے۔ میں یہیں سے اس جگہ کا مشاہدہ کر رہا ہوں جہاں میں شہادت پاؤں گا اور بیابانی بھیڑیے میرے بدن کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیں گے پھر فرمایا: جو لوگ اس راستہ میں خون دینے اور خدا سے ملاقات کرنے کے لئے آمادہ ہیں وہ میرے ساتھ آئیں میں انشاء اللہ صبح سویرے روانہ ہو جاؤں گا[3]۔

کیا ان تمام تقریروں، کربلا میں شب عاشورا اپنے اصحاب کو رخصت کر دینے اور بیعت سے چشم پوشی کرنے کے باوجود یہ کہنا روا ہے کہ امامؑ کے قیام کو ایک ناگہانی دھماکہ سمجھ لیا جائے؟ وہ لیڈر جو لوگوں کے غم و غصہ اور ناراضگی سے فائدہ حاصل کرنا چاہتا ہو کیا وہ ایسی باتیں زبان پر لا سکتا ہے۔

انقلاب کے اثرات ونتائج

دوسرا اہم مسئلہ یہ ہے کہ کیا حسینی علیہ السلام انقلاب اس وقت کے معاشرہ کو کوئی فائدہ پہنچا کر ضروری کامیابی حاصل کر سکا یا دنیا کے بہت سے شکست خوردہ انقلابات کی طرح ناگہانی طور پر شعلہ ور ہوا اور پھر بجھ کر رہ گیا؟

---

[1] الامامہ والسیاسہ ج1 ص156، انساب الاشراف ج2 ترجمہ معاویہ ابن ابی سفیان، بحار الانوار جلد 44 / 212۔

[2] اصل سلیم بن قیس/ 183-186 مطبوعہ نجف۔

[3] لہوف/ 41، بحار جلد 44 / 366-367، مناقب 4 / 29۔ خطّ الموت علی ولد آدم مَخَطَّ القلادۃ علی جید الفتاۃ وَ ما اولهَنی الی اَسلافی اشتی اقَ یَعقُوبَ الی یُوسُف، وَ خُیّرَ لیّ مصرع: اَنَا لاقیه، کانّی بأَوصالی یَتَقَطّعُها عَسلانُ الفَلَوات بَینَ النّواویس و کَربَلا من کان فینا باذلاً مهجته موطّناً عَلی لقاء الله نفسه فلیرحَل معنا فانّی راحل مصبحاً انشاء الله۔

عاشور کے انقلاب کے اثرات کو سمجھنے کے لئے ہم فوری یقینی کامیابی یا حکومت پر قبضہ اور قدرت حاصل کر لینے کی (منطق) سے ماوراء ہو کر دیکھیں، اس لئے کہ وہ دلائل موجود ہیں جو اس بات کا پتہ دیتے ہیں کہ ابوعبداللہ الحسین علیہ السلام اس سرنوشت سے آگاہ تھے جس کا وہ انتظار کر رہے تھے۔ اس بنا پر فوری کامیابی قیام حسینی علیہ السلام کا مقصد نہیں تھی۔ آپ جانتے تھے کہ ان حالات میں فوری طور جنگی کامیابی ممکن نہیں ہے۔

ان مطالب کے مجموعہ سے یہ پتہ چلتا ہے کہ ہم کو انقلاب حسینی علیہ السلام سے ایسے نتائج کی توقع نہیں کرنی چاہیے جو عام طور پر سارے انقلابات سے حاصل ہوتے ہیں بلکہ ہم کو آپ کے انقلاب کے اثرات ونتائج کو مندرجہ ذیل باتوں میں ڈھونڈنا چاہئے:

1۔ امویوں کے جھوٹے دینی نفوذ کو ختم کرنا اور زمانہ جاہلیت کی بے دینی والحاد کی اس روح کو واضح کرنا جو حکومت اموی کے، مخالف اسلام اعمال کی توجیہ کرتی تھی۔

2۔ ہر ایک مسلمان کے ضمیر میں گناہ کے احساس کو عام کرنا اور اس کو اپنے اوپر تنقید کرنے کی حالت میں تبدیل کر دینا تا کہ اس کی روشنی میں معاشرہ اور زندگی میں ہر آدمی اپنی حیثیت کو معین کرے۔

3۔ اسلامی معاشرہ میں پھیلنے والی بری باتوں کے خلاف مبارزہ اور جنگ کی روح کو اس غرض سے برانگیختہ کرنا کہ اسلامی قدروں کا اعادہ اور اس کا استحکام ہو جائے۔

الف۔ امویوں کے جھوٹے دینی نفوذ کو ختم کرنا

اموی یہ دکھانے کے لئے کہ وہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جانشین ہیں اور انکی حکومت، خدا کے تعیین کردہ احکام کے مطابق ہے، لوگوں کے دینی عقائد سے فائدہ حاصل کر رہے تھے اور ان کا مقصد تھا کہ ہر طرح کی ممکنہ تحریک کی پہلے ہی سے مذمت کی جائے اور دین کے نام پر اپنے لئے اس حق کے قائل ہو جائیں اور ہر طرح کے تمرّد کو چاہے وہ اپنی سمجھ سے کتنے ہی حقدار کیوں نہ ہوں، ختم کر دیا جائے۔

اس غرض سے وہ زبان پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منسوب جھوٹی حدیثوں کے ذریعہ لوگوں کو دھوکہ دیتے۔ اس طرح۔ لوگوں کا حکومت اموی پر ایسا ایمان ہو گیا تھا کہ وہ اموی حکومت حدود دین سے چاہے جتنی بھی خارج کیوں نہ ہو جائے، لوگ پھر بھی اموی حکومت کے خلاف قیام کو حرام سمجھتے تھے۔

امویوں نے اپنے کثیف اعمال پر کس حد تک دین کا پردہ ڈال رکھا تھا اس کو واضح کرنے کے لئے ہم یہاں انقلاب حسینی علیہ السلام سے دو تاریخی نمونے نقل کر رہے ہیں:

1۔ ابن زیاد نے لوگوں کو مسلم کی مدد سے روکنے کے لئے جو خطبہ دیا اس میں اس نے کہا:

واعتصموا بطاعة الله وطاعة ائمتكم [1]

خدا اور اپنے پیشوا (ائمہ) کی اطاعت کرو۔

2۔ عَمر و بن حجّاج زُبیدی۔ کربلا میں اموی سپاہ کے کمانڈروں میں ایک کمانڈر نے جب دیکھا کہ بعض سپاہی حسین علیہ السلام سے مل کر ان کی رکاب میں جنگ کر رہے ہیں تو اس نے چلا کر کہا اے اہل کوفہ اپنے امیر کی اطاعت کرو اور جماعت کے ساتھ رہو اور اس کو قتل کرنے

[1] تاریخ طبری ج5/368، بحار ج44/348۔

کے سلسلہ میں اپنے دل میں کوئی شک نہ آنے دو جو دین سے خارج ہو گیا اور جس نے امام کی مخالفت کی [1]

ایسے ماحول میں نقلی دینی نفوذ کو ختم کرنے کے لئے سب سے زیادہ اطمینان بخش راستہ یہ تھا کہ کوئی ایسا شخص اس کے خلاف قیام کرے جو تمام افراد ملت کی نظر میں مسلّم دینی امتیازات کا حامل ہو تا کہ حکومت اموی کے کریہہ چہرہ سے دینی نقاب اتار کر پھینک دے اور اس کی گندی ماہیت کو آشکار کر دے۔

ایسا مجاہد فی سبیل اللہ سوائے حسین علیہ السلام بن علی علیہ السلام کے اور کوئی دوسرا نہ تھا اس لئے کہ آپ کا دوسروں کے دلوں میں نفوذ و محبوبیت اور خاص احترام تھا۔ انقلاب حسین علیہ السلام کے بالمقابل یزید کے ردعمل نے اسلام اور اموی حکومت کے درمیان حد فاصل کھینچ دی اور اموی حکومت کی حق کے خلاف ماہیت کو روشن کر دیا۔ جو مظالم بنی امیہ نے حسین علیہ السلام، ان کے اصحاب اور اہل بیت علیہم السلام پر ڈھائے تھے اس کی وجہ سے ان کے وہ سارے دینی اور مذہبی رنگ مکمل طور پر اڑ گئے جو انہوں نے اپنے اوپر چڑھا رکھے تھے اور اس کام نے ان کی مخالف دین ماہیت کو آشکار کر دیا۔

حسین ابن علی علیہ السلام نے اپنی مخصوص روش سے امویوں کی دینی پالیسی کو خطرہ میں ڈال دیا انہوں نے جنگ شروع کرنے کے لئے اصرار نہیں کیا اور امویوں کو اس بات کی فرصت دی کہ وہ ان کو اور ان کے اصحاب کو قتل کرنے سے گریز کریں لیکن ان لوگوں کو حسین علیہ السلام اور ان کے اصحاب کا خون بہانے کے علاوہ اور کچھ منظور نہیں تھا۔ اور یہی بات امویوں کی زیادہ سے زیادہ رسوائی کا باعث بنی۔

انہوں نے حسین علیہ السلام کے ساتھ سختی سے کام لے کر در حقیقت اسلام سے جنگ کی اور حسین علیہ السلام ابن علی علیہ السلام نے بھی اس بات سے مناسب فائدہ اٹھایا اور ہر مناسب موقع پر اس نکتہ پر تکیہ کیا اور اپنے درخشاں موقف کو مسلمانوں کے سامنے پیش کیا۔

ب۔ احساس گناہ

انقلاب حسین علیہ السلام کا دوسرا اثر خصوصاً اس کا اختتامی نقطہ تمام افراد میں احساس گناہ کا پیدا کرنا اور ضمیر کی بیداری تھی جس کے بعد وہ آپ کی مدد کے لئے دوڑ پڑے، لیکن نہیں آئے، گنہگار ہونے کا احساس اور وجدان و عقل کی توبیخ و سرزنش، ان لوگوں کے دلوں میں جنہوں نے مدد کا وعدہ کر کے مدد نہیں کی، اسی کربلا کے عصر عاشور سے ابن زیاد کے لشکر کے درمیان عامل قوی تھا۔ اس احساس گناہ کے دو پہلو ہیں، ایک طرف یہ احساس، گنہگار کو اپنے جرم و گناہ کے جبران پر ابھارتا ہے اور دوسری طرف ایسے گناہ کے ارتکاب کا سبب بننے والوں کے لئے لوگوں کے دلوں میں کینہ اور عداوت پیدا کرتا ہے۔

ضمیر کی بیداری اور گناہ کا احساس ہی تھا جس نے انقلاب کے بعد بہت سی اسلامی جمعیتوں کو اپنے گناہ کا جبران کرنے کی غرض سے کوششیں کرنے پر ابھارا اور امویوں کے بارے میں لوگوں کے دلوں میں زیادہ سے زیادہ کینہ اور عداوت پیدا کیا۔

اس وجہ سے واقعہ کربلا کے بعد امویوں کو متعدد انقلابات سے روبرو ہونا پڑا ان سب کا سرچشمہ ان کا اصلی سبب انقلاب حسین علیہ السلام، انقلابی افراد کا امویوں کی مدد سے انکار اور ان سے انتقام لینے کا جذبہ تھا۔

امام حسین علیہ السلام کے پس ماندگان کی اسیری کے زمانہ کی تقریریں بھی اس سلسلہ میں بہت موثر ثابت ہوئیں۔

---

[1] تاریخ طبری ج5 / 435، کامل ابن اثیر ج4 / 67۔

ج۔روح جہاد کی بیداری

حسین علیہ السلام ابن علی علیہ السلام کی شہادت کے بعد جنگ و جہاد کی روح امت اسلامی میں جاگ اٹھی۔انقلاب سے پہلے انفرادی اور اجتماعی بیماریوں کا ایک سلسلہ، اسلام کے تحفظ کی راہ میں مسلمانوں کے انقلاب لانے سے مانع تھا۔لیکن امام حسین علیہ السلام کے انقلاب نے، انقلاب کی تمام انفرادی واجتماعی رکاوٹوں کو توڑ دیا اور اسلام کے پیکر میں ایک نئی روح پھونک دی۔

حسین علیہ السلام بن علی علیہ السلام کے انقلاب کے بعد بہت سی ایسی تحریکیں معرض وجود میں آئیں جن کو اسلامی معاشرہ کے افراد کی پشت پناہی اور حمایت حاصل تھی۔ذیل میں ہم ان تحریکوں میں سے چند کا ذکر کریں گے۔

1۔شہادت حسینی علیہ السلام کا پہلا براہ راست ردّعمل پیغمبر اکرم علیہ السلام کے ایک صحابی سلیمان بن صرد کی قیادت میں انقلاب، توّابین کے نام سے شہر کوفہ میں ظاہر ہوا۔اس تحریک میں بزرگ شیعوں اور امیر المومنین علیہ السلام کے اصحاب میں سے ایک گروہ نے شرکت کی۔

توّابین کی تحریک 61ھ سے شروع ہوئی اور یزید کی زندگی تک پوشیدہ طور پر لوگوں کو خون حسین علیہ السلام کا بدلہ لینے کے لئے دعوت دیتی رہی۔ان لوگون نے یزید کے مرنے کے بعد احتیاط اور رازداری کو ختم کردیا اور اعلانیہ طور پر اسلحہ اور لشکر جمع کر کے آمادہ کارزار ہوگئے۔انکا نعرہ یالثارات الحسین علیہ السلام تھا ان کے قیام کا جو شیوہ تھا اس سے ان کی پاک بازی اور اخلاص کا پتہ چلتا تھا۔[1]

2۔انقلاب توابین کے بعد انقلاب مدینہ شروع ہوا۔حضرت زینب کبریٰ سلام اللہ علیہا مدینہ واپسی کے بعد انقلاب کی کوشش کرتی رہیں اس طرح کہ مدینہ میں یزید کا مقرر کردہ حاکم، مدینہ کے حالات کے خراب ہونے سے خوف زدہ ہوگیا اور جناب زینب علیہ السلام کی کارکردگی کی رپورٹ اس نے یزید کو بھیجی، یزید نے جواب میں لکھا کہ لوگوں کے ساتھ زینب علیہ السلام جو رابطہ قائم کررہی ہیں اس کو منقطع کردو[2]

اسی زمانہ میں اہل مدینہ کی نمائندگی کرتے ہوئے ایک وفد شام پہنچا اور واپس آنے کے بعد اس نے اہل مدینہ کے مجمع میں تقریر کی اور یزید پر ان لوگوں نے تنقید کی، ان کی حقائق پر مبنی تقریروں کے بعد اہل مدینہ نے قیام کیا، یزید کے گورنر کو ان لوگوں نے مدینہ سے نکال دیا پھر یزید کے حکم سے شام کی خون کی پیاسی فوج نے شہر مدینہ پر حملہ کردیا اور نہایت سختی اور خباثت کے ساتھ اس نے قیام مدینہ کو کچل ڈالا۔اور لشکر کے سپہ سالار نے تین دن تک مدینہ کے مسلمانوں کی جان، مال اور عزت وآبرو کو اپنے سپاہیوں کے لئے مباح قرار دیا۔[3]

اس کے بعد 67ھ میں مختار ابن ابی عبیدہ ثقفی نے عراق میں انقلاب برپا کیا اور خون حسین علیہ السلام کا انتقام لیا۔

اس طرح مختلف تحریکیں اور انقلابات ایک دوسرے کے بعد رونما ہوتے رہے یہاں تک کہ بنی امیہ کے خاتمہ پر یہ سلسلہ ختم ہوا۔

---

[1] انقلاب توابین کے واقعہ کی تفصیل طبری نے اپنی تاریخ کی جلد 5 / 551-568 پر لکھا ہے۔

[2] زینب کبریٰ تالیف جعفر النقدی/120، ثورۃ الحسین تالیف محمد مہدی شمس الدین۔

[3] طبری ج 5 / 482۔کامل ابن اثیر ج 4 / 111-113 اور یہ واقعہ تاریخ میں واقعہ حرّہ کے نام سے مشہور ہے۔

سوالات

1۔ رہبران الٰہی کی تحریکوں خصوصاً حسین علیہ السلام بن علی علیہ السلام کی تحریک میں کون سی خصوصیت تھی کہ مرور زمانہ اس کے فروغ اور اس کی ابھارنے والی کیفیت پر اثر انداز نہیں ہوسکا اور زمانوں کے گذر جانے سے اس کو فراموش نہیں کیا جاسکا۔

2۔ اموی حکومت کے خلاف قیام کی اہم ترین وجوہات مختصراً بیان فرمایئے

3۔ امام حسین علیہ السلام نے معاویہ کے زمانہ میں کیوں قیام نہیں کیا؟

4۔ حسین علیہ السلام ابن علی کے انقلاب کی ماہیت کیا ہے، وہ ایک انجانا دھماکہ تھا یا آگاہانہ انقلاب اور کیوں؟

5۔ حکومت یزید کے مقابل حسین بن علی علیہ السلام کے قیام کے اسلامی معاشرہ میں کیا اثرات ونتائج رہے؟ اختصار سے اسکی وضاحت کیجئے۔

ساتواں سبق:

امام زین العابدین علیہ السلام کی سوانح عمری

ولادت

آسمان ولایت کے چوتھے درخشاں ستارے امام علی بن الحسین۔کی پیدائش پانچ شعبان 38ھ کوشہر مدینہ میں ہوئی۔[1]
سید الشہداء حضرت امام حسین۔آپ کے والد اور ایران کے بادشاہ یزدگرد کی بیٹی آپ کی مادر گرامی ہیں۔[2] آپ کی ولادت امیر المومنین علیہ السلام کی شہادت سے دوسال پہلے ہوئی تقریباً 23 برس تک اپنے والد بزرگوار کے ساتھ رہے۔[3]

اخلاقی خصوصیتیں

امام زین العابدین علیہ السلام انسانیت کی خصوصی صفات اور نفس کے کمالات کا مکمل نمونہ تھے۔مکارم اخلاق اور ستم رسیدہ وفقراء کی دستگیری میں آپ کے مرتبہ کا کوئی نہ تھا۔اب آپ کے اخلاق وعادات کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

1۔آپؑ سے متعلق افراد میں سے ایک شخص نے لوگوں کے مجمع میں آپ کی شان میں ناروا کلمات کہے اور چلا گیا۔امام چند لوگوں کے ساتھ اس کے گھر گئے اور فرمایا تم لوگ ہمارے ساتھ چلو تا کہ ہمارا بھی جواب سن لو۔

راستہ میں آپ مندرجہ ذیل آیت،جس میں کچھ مومنین کے اوصاف عالی کا تذکرہ ہے،پڑھتے جاتے تھے۔

وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ.[4]

وہ لوگ جو اپنا غصہ پی کر لوگوں سے درگذر کرتے ہیں اور خدا نیکوکاروں کو دوست رکھتا ہے۔

جب اس آدمی کے گھر کے دروازہ پر پہنچے اور امامؑ نے اس کو آواز دی تو وہ اس گمان میں اپنے کولڑنے کے لئے تیار کر کے باہر نکلا کہ امامؑ گذشتہ باتوں کا بدلہ لینے آئے ہیں۔حضرت سید سجاد علیہ السلام نے فرمایا: میرے بھائی تو تھوڑی دیر پہلے میرے پاس آیا تھا اور تو نے کچھ باتیں کہی تھیں،جو باتیں تو نے کہی ہیں اگر وہ میرے اندر ہیں تو میں خدا سے بخشش کا طلبگار ہوں اور اگر نہیں ہیں تو خدا سے میری دعا ہے کہ وہ تجھے معاف کردے۔

امام زین العابدین علیہ السلام کی غیر متوقع نرمی نے اس شخص کو شرمندہ کر دیا وہ قریب آیا اور امامؑ کی پیشانی کو بوسہ دیکر کہا: میں نے جو باتیں کہیں وہ آپ میں نہیں تھیں اور میں اس بات کا اعتراف کرتا ہوں کہ جو کچھ میں نے کہا تھا میں اس کا زیادہ سزاوار ہوں۔[5]

---

[1] الفصول المہمہ/201۔

[2] اصول کافی جلد/466،ارشاد مفید/253،اعیان الشیعہ (دس جلد والی) جلد 1/ 629۔

[3] ارشاد مفید/253۔

[4] آل عمران/134۔

[5] ارشاد مفید/257،اعیان الشیعہ جلد1/ 632۔

2۔ زید بن اسامہ حالت احتضار میں بستر پر پڑے ہوئے تھے سید سجاد علیہ السلام ان کی عیادت کے لئے ان کے سرہانے تشریف لائے، دیکھا کہ زید رو رہے ہیں آپ نے پوچھا آپ کیوں رو رہے ہیں، انہوں نے کہا پندرہ ہزار دینار میرے اوپر قرض ہے اور میرا مال میرے قرض کے برابر نہیں ہے۔ امامؑ نے فرمایا: مت روئیے آپ کے قرض کی ادائیگی میرے ذمہ ہے۔ پھر جس طرح آپ نے فرمایا تھا اسی طرح ادا بھی کر دیا۔[1]

3۔ راتوں کو امام زین العابدین علیہ السلام مدینہ کے بے سہارا اور ضرورت مندوں میں اس طرح روٹیاں تقسیم کرتے تھے کہ پہچانے نہ جائیں اور ان لوگوں کی مالی امداد فرماتے تھے۔ جب آپ کا انتقال ہو گیا تب لوگوں کو پتہ چلا کہ وہ نامعلوم شخصیت امام زین العابدین علیہ السلام کی تھی۔ آپ کی وفات کے بعد یہ معلوم ہوا کہ آپ ایک سو خاندانوں کا خرچ برداشت کرتے تھے اور ان لوگوں کو یہ نہیں معلوم تھا کہ ان کے گھر کا خرچ چلانے والے امام زین العابدین علیہ السلام ہیں۔[2]

4۔ امام محمد باقرؑ فرماتے ہیں کہ: میرے پدر بزرگوار نماز میں اس غلام کی طرح کھڑے ہوتے تھے جو اپنے عظیم بادشاہ کے سامنے اپنے پیروں پر کھڑا رہتا ہے۔ خدا کے خوف سے لرزتے رہتے اور ان کا رنگ متغیر ہو جاتا تھا اور نماز کو اس طرح ادا کرتے تھے کہ جیسے یہ ان کی آخری نماز ہو۔[3]

حضرت سجاد علیہ السلام کی عظمت

آپ کی شخصیت اور عظمت ایسی تھی کہ دوست دشمن سبھی متاثر تھے۔

یزید ابن معاویہ نے واقعہ حرہ[4] کے بعد حکم دیا کہ تمام اہل مدینہ غلام کے عنوان سے اس کی بیعت کریں اس حکم سے اگر کوئی مستثنیٰ تھا تو وہ صرف امام علی بن الحسینؑ تھے۔[5]

ہشام بن عبدالملک۔ اموی خلیفہ۔ حج ادا کرنے کے لئے مکہ آیا تھا، طواف کے وقت لوگوں کا ہجوم ایسا تھا وہ حجر اسود کا استلام نہ کر سکا[6] مجبوراً ایک طرف بیٹھ گیا تا کہ بھیڑ کم ہو جائے۔ اسی وقت امام زین العابدین علیہ السلام مسجد الحرام میں داخل ہوئے۔ اور طواف کرنے لگے لوگوں نے امامؑ کے لئے راستہ چھوڑ دیا۔ آپ نے بڑے آرام سے حجر اسود کو بوسہ دیا۔ ہشام آپ کے بارے میں لوگوں کا احترام دیکھ کر بہت ناراض ہوا۔ شام کے رہنے والوں میں سے ایک شخص نے ہشام سے پوچھا کہ یہ کون تھے جن کو لوگ اتنی عظمت دے رہے تھے؟ ہشام نے اس خوف سے کہ کہیں اس کے ساتھ والے امامؑ کے گرویدہ نہ ہو جائیں جواب دیا کہ: میں ان کو نہیں پہچانتا

حریت پسند مشہور شاعر فرزدق بے جھجک کھڑے ہو گئے اور کہا میں ان کو پہچانتا ہوں اس کے بعد ایک طویل قصیدہ امام زین

---

[1] ارشاد مفید/ 259، مناقب جلد 4 / 163 لیکن مناقب میں زید بن اسامہ کے بجائے۔۔ محمد بن اسامہ۔۔ لکھا ہے۔

[2] تذکرۃ الخواص ابن جوزی/ 184، اعیان الشیعہ جلد 1 / 633، مناقب جلد 4 / 153۔

[3] خصال صدوق مطبوعہ غفاری/ 517، مناقب جلد 4 / 150۔

[4] یہ واقعہ، سانحہ کربلا کے بعد یزید کی حکومت کے دوسرے سال پیش آیا اس میں یزید کے حکم سے سپاہ شام نے مدینہ پر حملہ کیا اور تین دن تک مسلمانوں کی جان، مال، عزت و آبرو کو اپنے اوپر مباح سمجھتے رہے۔

[5] اعیان الشیعہ ج 1 / 636، بحار ج 46 / 138، کامل ابن اثیر ج 4 / 112-113۔

[6] استلام۔ ہاتھ سے لمس کرنا، چھونا، بوسہ دینا۔

العابدین علیہ السلام کی مدح وعظمت اور تعارف میں پڑھ ڈالا۔ اشعار اتنے مناسب اور ہشام کے لئے ایسا طماچہ تھے کہ اموی خلیفہ شدّت ناراضگی کی بنا پر ردّعمل پر آمادہ ہوگیا۔ اس نے حکم دیا کہ فرزدق کو قید خانہ بھیجدیا جائے۔

امامؑ جب اس واقعہ سے مطلع ہوئے تو آپ نے صلہ کے طور پر فرزدق کے پاس کچھ بھیجا فرزدق نے ان درہموں کو واپس کر دیا اور کہلوا بھیجا کہ میں نے یہ اشعار خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خاطر پڑھے تھے۔ امامؑ نے فرزدق کے خلوص نیت کی تصدیق کی اور دوسری بار پھر وہ درہم فرزدق کو بھیجے اور ان کو قسم دی کہ قبول کرلیں۔ فرزدق نے ان کو قبول کرلیا اور مسرور گیا۔ یہاں چند اشعار کا ترجمہ نمونہ کے طور پر پیش کرتے ہیں:۔

1۔ اے سوال کرنے والے تو نے مجھ سے جود وسخا اور بلندی کے مرکز کا پتہ پوچھا ہے، تو اس کا روشن جواب میرے پاس ہے۔

2۔ یہ وہ ہے کہ مکہ کی سرزمین جس کے نقش قدم کو پہچانتی ہے، خانہ کعبہ، حرم خدا اور حرم سے باہر کی زمین پہچانتی ہے۔

3۔ یہ اس کے فرزند ہیں جو بہترین خلائق ہیں، یہ پرہیزگار، پاکیزہ، اور بلند حشم ہیں

4۔ یہ وہ ہیں کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گرامی احمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جن کے جد ہیں۔

5۔ اگر رکن جان جاتا کہ اس کو بوسہ دینے کیلئے کون آرہا ہے تو وہ بے تاب ہوکر اپنے کو زمین پر گرا دیتا تاکہ اس کی خاک پا کو چوم لے۔

6۔ ان بزرگوار کا نام علی علیہ السلام ہے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خدا ان کے جد ہیں۔ ان کی روشنی سے امتوں کی راہنمائی ہوتی ہے...[1]

امام سجاد علیہ السلام اور پیغام عاشورا

واقعہ کربلا کے بعد امام حسین علیہ السلام کے بیٹوں میں سے صرف آپ ہی زندہ بچے تھے۔ اپنے پدر عالیقدر کی شہادت کے بعد دسویں محرم 61ھ کو آپؑ نے امامت وولایت کا عہدہ سنبھالا اور شہادت کے دن تک یزید بن معاویہ، معاویہ بن یزید، مروان بن حکم، عبدالملک بن مروان اور ولید بن عبدالملک جیسے زمامداران حکومت کا زمانہ آپؑ نے دیکھا۔

آپؑ کی امامت کا دور اور معاشرہ میں حکومت کرنے والے اس زمانہ کے سیاسی حالات تمام ائمہ کی زندگی میں پیش آنے والے حالات سے زیادہ دشوار اور حساس تھے۔ سیرت وروش پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے انحراف، امام زین العابدین علیہ السلام کے زمانہ میں اپنے عروج پر تھا۔ اور اس کی شکل بالکل صاف نظر آتی تھی۔

امام زین العابدین علیہ السلام کی روش ان کی امامت کے زمانہ میں دو حصوں میں تقسیم کی جاسکتی ہے۔

الف: اسیری کا زمانہ

ب: اسیری کے بعد مدینہ کی زندگی

الف: کربلا کے جاں گداز واقعہ میں امام زین العابدین علیہ السلام اپنے بزرگوار کے ساتھ تھے۔ خدا کے لطف وکرم نے دشمن کے گزند سے محفوظ رکھا لیکن باپ کی شہادت کے بعد اسیر ہوگئے اور دوسرے لوگوں کے ساتھ کوفہ اور شام تشریف لے گئے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ اہل بیت امام حسین علیہ السلام کا اسیر ہونا۔ آپ کے مقدس انقلاب کو کامیابی تک پہنچانے میں بڑا موثر

[1] امالی سید مرتضی جلد 1 / 66، اعیان الشیعہ (دس جلد والی) جلد 1 / 634، تذکرۃ الخواص، بحار ج 46 / 127-125۔

ثابت ہوا۔ چوتھے امامؑ نے اسیری کے زمانہ میں ہرگز تقیہ نہیں کیا اور کمال بردباری اور شہامت کے ساتھ تقریروں اور خطبوں میں واقعہ کربلا کو لوگوں کے سامنے بیان فرمایا اور حق وحقیقت کا اظہار کرتے رہے۔ مناسب موقع پر خاندان رسالت کی عظمت کو لوگوں کے کانوں تک پہنچاتے رہے، اپنے پدر بزرگوار کی مظلومیت اور بنی امیہ کے ظلم وستم اور بے رحمی کو لوگوں کے سامنے واضح کرتے رہے۔

امام زین العابدین علیہ السلام باوجود اس کے کہ اپنے باپ کی شہادت کے وقت بیمار تھے، باپ، بھائیوں اور اصحاب کی شہادت پر دل شکستہ اور رنجیدہ بھی تھے لیکن پھر بھی یہ رنج وآلام آپ کے فرائض کی انجام دہی اور خون آلود انقلاب کربلا کے تحفظ میں رکاوٹ نہ بن سکے۔ آپ نے لوگوں کے افکار کو روشن کرنے کے لئے ہر مناسب موقع سے فائدہ اٹھایا۔

اسیروں کا قافلہ کوفہ میں

اسیروں کا قافلہ کوفہ پہنچا۔ جب لوگ جناب زینب علیہا السلام اور ان کی بہن ام کلثوم علیہا السلام کے خطبوں سے پشیمان ہوکر رونے لگے تو امام زین العابدین علیہ السلام نے اشارہ کیا کہ مجمع خاموش ہوجائے پھر پروردگار کی حمد وثنا اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود وسلام کے بعد آپؑ نے فرمایا:

اے لوگو میں علی بن الحسین علیہ السلام ہوں، میں اس کا فرزند ہوں کہ جس کو فرات کے کنارے بغیر اس کے کہ انہوں نے کسی کا خون بہایا ہو یا کسی کا حق ان کی گردن پر ہو، ذبح کردیا گیا۔ میں اس کا فرزند ہوں جس کا مال شہادت کے بعد لوٹ لیا گیا اور جس کے خاندان کو اسیر بنا کر یہاں لایا گیا۔ لوگو کیا تمہیں یاد ہے کہ تم نے میرے باپ کو خط لکھ کر کوفہ بلایا اور جب وہ تمہاری طرف آئے تو تم نے ان کو قتل کردیا؟ قیامت کے دن پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے کس منہ سے جاؤ گے؟ جب وہ تم سے فرمائیں گے کہ کیا تم نے میرے خاندان کو قتل کردیا اور میری حرمت کی رعایت نہیں کی لہٰذا تم میری امت میں سے نہیں ہو۔[1]

حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کی تقریر نے طوفان کی طرح لوگوں کو ہلا کر رکھ دیا۔ ہر طرف سے گریہ وزاری کی آوازیں آنے لگیں، لوگ ایک دوسرے کو ملامت کرنے لگے کہ تم ہلاک اور بدبخت ہوگئے اور حالت یہ ہے کہ تم کو خود ہی نہیں معلوم۔

امام حسین علیہ السلام کے اہل حرم کو ابن زیاد کے دربار میں لے جایا گیا اور جب ابن زیاد اور امام زین العابدین علیہ السلام کے درمیان گفتگو ہوئی تو آپؑ نے نہایت یقین اور شجاعت کے ساتھ ہر موقع پر نہایت دنداں شکن جواب دیا جس سے ابن زیاد ایسا غضب ناک ہوا کہ اس نے امامؑ کے قتل کا حکم دیدیا۔ اس موقع پر جناب زینب سلام اللہ علیہا نے اعتراض کیا اور فرمایا کہ: اگر تم علی ابن الحسین علیہ السلام کو قتل کرنا چاہتے ہو تو ان کے ساتھ مجھے بھی قتل کردو۔ امامؑ نے اپنی پھوپھی سے فرمایا: آپ کچھ نہ کہیں میں خود اس کا جواب دے رہا ہوں۔ اس کے بعد آپؑ نے ابن زیاد کی طرف رُخ کیا اور فرمایا: اے زیاد کے بیٹے کیا تم مجھے قتل کرنے کی دھمکی دے رہے ہو کیا تم یہ نہیں جانتے کہ قتل ہوجانا ہماری عادت اور شہادت ہماری کرامت ہے؟[2]

اسیروں کا قافلہ شام میں

ایک ہی رسن میں اہل بیت علیہم السلام کے چند دوسرے افراد کے ساتھ امامؑ کو بھی باندھا گیا تھا اسی حالت میں امام کو شام میں یزید کے

---

[1] احتجاج طبرسی جلد 2/ 30، اعیان الشیعہ (دس جلد والی) جلد 1/ 613، بحار جلد 44/ 112۔

[2] لہوف سید ابن طاؤس/ 144، مقتل خوارزمی جلد 2/ 43، بحار جلد 44/ 117-118۔

دربار میں لے جایا گیا۔ امامؑ نے نہایت شہامت اور دلیری کے ساتھ یزید سے خطاب فرمایا: اے یزید اگر پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھ کو اس حالت میں رسن بستہ دیکھ لیں تو، تو ان کے بارے میں کیا خیال کرتا ہے؟[1] (وہ کیا کہیں گے)۔

امام زین العابدین علیہ السلام کے اس چھوٹے سے جملہ نے حاضرین پر اتنا اثر کیا کہ سب رونے لگے۔[2] امامؑ نے جب یزید سے گفتگو کی تو ایک نشست میں اس نے قتل کی دھمکی دی۔ امامؑ نے اس کے جواب میں فرمایا: اسیری سے آزاد ہونے والے بنی امیہ جیسے کبھی بھی قتل انبیاء واوصیاء کا حکم نہیں دے سکتے مگر یہ کہ اسلام سے خارج ہو جائیں اور اگر تم ایسا ارادہ رکھتے ہو تو کسی صاحب اطمینان شخص کو میرے پاس بھیجو تا کہ میں اس سے وصیت کر دوں اور اہل حرم کو اس کے سپرد کر دوں۔[3]

ایک دن شام کی جامع مسجد میں یزید نے ایک اہم نشست کا انتظام کیا اور خطیب سے کہا کہ منبر پر جا کر زین العابدین علیہ السلام کے سامنے امیر المومنین علیہ السلام اور امام حسین۔ کو برا بھلا کہے اس کرایہ کے خطیب نے ایسا ہی کیا۔

امام سجاد علیہ السلام نے بلند آواز میں فرمایا: وائے ہو تجھ پر اے خطیب تو نے خالق کی ناراضگی کے بدلے مخلوق (یزید) کی خوشنودی خریدی اور اس طرح تم دوزخ میں اپنا ٹھکانہ بنا رہے ہو۔ پھر یزید کی طرف مخاطب ہوئے اور فرمایا تو مجھے بھی اسی لکڑی (منبر) پر جانے دے اور ایسی بات کہنے دے جس سے میں خدا کو خوش کروں اور وہ حاضرین کے لئے اجر وثواب کا باعث ہے۔ یزید نے پہلے تو اجازت نہیں دی لیکن لوگوں کے اصرار کے جواب میں بولا کہ اگر یہ منبر پر جائیں گے تو مجھ کو اور خاندان ابوسفیان کو ذلیل کئے بغیر منبر سے نیچے نہیں اتریں گے لوگوں نے کہا کہ: یہ کیا کر سکتے ہیں؟ یزید نے کہا کہ یہ وہ خاندان ہے جس نے علم و دانش کو بچپنے سے دودھ کے ساتھ پیا ہے۔ لوگوں نے بہت اصرار کیا تو یزید نے مجبوراً اجازت دے دی، امامؑ منبر پر تشریف لے گئے اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود وسلام بھیجنے کے بعد فرمایا:

اے لوگو خدا نے ہم کو علم، بردباری، سخاوت، فصاحت، دلیری اور مؤمنین کے دلوں میں ہماری دوستی عطا کی ہے...پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم میں سے ہیں۔ اس امت کے صدیق حضرت امیر المومنین علی علیہ السلام ہم میں سے ہیں، جعفر طیار ہم میں سے ہیں، حمزہ سید الشہداء ہم میں سے ہیں، امام حسن اور امام حسین علیہما السلام پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دونوں نواسے ہم میں سے ہیں۔

میں فرزند مکہ و منی، فرزند زمزم وصفا ہوں، میں اس کا بیٹا ہوں جس نے حجر اسود کو عبا میں رکھ کر اٹھایا۔[4]

میں اس بہترین خلائق شخص کا بیٹا ہوں جس نے احرام باندھا، طواف وسعی کی، حج بجالایا...میں خدیجۃ الکبریٰ کا بیٹا ہو، میں فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کا بیٹا ہو، میں اس کا بیٹا ہوں جو اپنے خون میں غوطہ زن ہوا، میں اس حسین علیہ السلام کا بیٹا ہوں جس کو کربلا میں قتل کر ڈالا گیا۔

لوگوں میں کھلبلی مچ گئی اور امامؑ کی طرف دیکھ رہے تھے۔ آپؑ ہر جملہ کے ساتھ بنی امیہ کی حقیقت سے پردہ اٹھاتے جا رہے تھے اور اموی گروہ کی کثیف ماہیت کو آشکار کرتے اور اپنے خاندان کی عظمت اور شہادت حسین۔ کی زیادہ سے زیادہ قدر و قیمت لوگوں کے سامنے نمایاں کرتے جا رہے تھے، رفتہ رفتہ لوگوں کی آنکھیں آنسوؤں سے ڈبڈبا گئیں، گریہ گلوگیر ہو گیا۔ پھر ہر گوشہ سے بے تابانہ رونے کی آواز بلند ہوئی۔ یزید کو ڈر لگنے لگا اور امامؑ کی تقریر کو روکنے کے لئے اس نے مؤذن کو آذان دینے کا حکم دیا، مؤذن جب اشہد انّ محمداً رسول

---

[1] اما ظنک برسول اللہ لو رآنا موثقین فی الحبال۔

[2] تذکرۃ الخواص/149، اعیان الشیعہ (دس جلدی) جلد 1/615، بحار جلد 44/132۔

[3] ذریعۃ النجاۃ/234۔

[4] عام الفیل کے 35 سال بعد پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھوں حجر اسود نصب کئے جانے والے واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔

اللہ پر پہنچا تو آپ نے عمامہ سر سے اتار لیا اور فرمایا:

اے مؤذن اسی محمد ﷺ کی قسم ذرا ٹھہر جا۔ پھر یزید کی طرح رخ کر کے فرمایا: اے یزید یہ رسول اکرم ﷺ میرے جد ہیں یا تیرے؟ اگر تم کہو کہ تمہارے جد ہیں تو سب جانتے ہیں کہ یہ جھوٹ ہے اور اگر تم یہ کہتے ہو کہ میرے جد ہیں تو پھر ان کی عترت کو تم نے کیوں قتل کیا ان کے اموال کو کیوں تاراج کیا اور ان کے خاندان کو تم نے کیوں اسیر کر لیا؟

اے یزید تو ان تمام افعال کے باوجود محمد ﷺ کو پیغمبر خدا جانتا ہے اور قبلہ کی طرف رخ کر کے کھڑا ہوتا ہے، نماز پڑھتا ہے، وائے ہو تجھ پر کہ میرے جد و پدر قیامت میں تیرا گریبان پکڑیں گے۔

یزید نے مؤذن کو حکم دیا کہ نماز کے لئے اقامت کہے، لیکن لوگ بہت ناراض تھے یہاں تک کہ کچھ لوگوں نے نماز بھی نہیں پڑھی اور مسجد سے نکل گئے۔ [۱]

شام میں امامؑ کی تقریریں اس بات کا باعث بنی کہ یزید قتل امامؑ کا قصد رکھنے کے باوجود اس بات پر مجبور ہوا کہ آپؑ کو اور تمام اہل بیت علیہم السلام کو مدینہ واپس کر دے۔

روح مبارزہ و جہاد کی بیداری

اسیری کی تمام مدت میں امام زین العابدین علیہ السلام بہت سے لوگوں کے تصور کے برخلاف جو کہ آپ کو شکست خوردہ سمجھتے تھے، ہر محفل و مجلس میں اپنی اور اپنے والد کی کامیابی اور بنی امیہ کے گروہ کی شکست کے بارے میں تقریر کرتے تھے۔

دوسری طرف آپؑ نے اس بات کی کوشش کی کہ اپنے خاندان کی عظمتوں اور خصوصیتوں اور بنی امیہ کے ظلم و جور کے بیان کے ذریعہ مسلمانوں کی انقلابی فکر کو بیدار کریں اور گناہ بنی امیہ سے نفرت کا احساس اور انجام پا جانے والے گناہوں کے جبران کی ضرورت کو لوگوں کے ضمیر و وجدان میں زندہ کریں۔

ابھی زیادہ دن نہیں گذرے تھے کہ اس مثبت رویہّ کی وجہ سے اموی سلطنت کے خلاف عراق و حجاز میں انقلاب کا پرچم بلند ہو گیا اور ہزاروں افراد خون حسین علیہ السلام کا انتقام لینے کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے۔ [۲]

مدینہ واپسی کے بعد

اسیری کے دن گذر جانے کے بعد امام سجاد علیہ السلام مدینہ واپس آ گئے اور معاشرہ پر حکومت کرنے والی سیاست کی حالت بھی بدل گئی۔ بنی امیہ کی حکومت اور سیاسی روش کے مقابل امامؑ کا رویہ بھی بدلا۔

آپؑ کی امامت کا سارا زمانہ اس وقت کے ان ظالم حکمرانوں کے طرح طرح کے اجتماعی بحران و آشوب سے پُر تھا جو مختلف بہانوں سے امامؑ پر دباؤ ڈالنے اور ان کی سرگرمیوں کو محدود کرنے کی کوشش میں لگے ہوئے تھے۔

زمانہ کے حالات سے واقفیت کے لئے ان ظالموں کے جرائم کے چند گوشے ملاحظہ ہوں:

---

[۱] کامل بہائی جلد2/302، بحار جلد45/137-139۔

[۲] امام حسین کی زندگی کی تاریخ کی تحقیق کے سلسلہ میں ہم نے بعض شورشوں اور تحریکوں کی طرف اشارہ کیا ہے۔

یزید کے مرتے ہی[1] عبداللہ بن زبیر جو برسوں سے خلافت وحکومت کی لالچ میں تھا، مکہ میں اٹھ کھڑا ہوا اور حجاز ویمن، عراق و خراسان کے لوگوں نے بھی ان کی بیعت کرلی، اور شام میں معاویہ بن یزید کے ہٹ جانے کے بعد جو بہت تھوڑے دنوں (یعنی تین مہینہ یا چالیس دن) مسند خلافت پر تمکن رہا اس کے بعد مروان بن حکم نے، سازش کے ذریعہ حکومت تک رسائی حاصل کی اور عبداللہ بن زبیر کی مخالفت میں اٹھ کھڑا ہوا۔ شام کے بعد مصر پر اپنا قبضہ مضبوط کیا۔ لیکن اس کی حکومت زیادہ دنوں تک باقی نہیں رہی اور تھوڑی ہی مدت میں مرگیا۔ اس کی جگہ اس کا بیٹا عبدالملک مسند خلافت پر بیٹھا۔ عبدالملک نے شام ومصر میں اپنی پوزیشن مضبوط ہوجانے کے بعد 65ھ میں عبداللہ بن زبیر کا مکہ میں محاصرہ کیا اور ان کو قتل کردیا۔[2]

عبدالملک کے بڑے جرائم میں حجاج بن یوسف کو بصرہ اور کوفہ کا حاکم بنانا ہے۔ حجاج ایک خون خوار اور جرائم پیشہ شخص تھا اس نے لوگوں کو اذیتیں پہنچائیں اور کشت وخون کا بازار گرم کیا۔ خاص کر شیعیان علی علیہ السلام کو ختم کرنے کا اس نے بیڑا اٹھایا اور اپنی حکومت کے زمانہ میں تقریباً ایک لاکھ بیس ہزار افراد کو قتل کرڈالا۔[3]

عبدالملک بڑی سختی سے امام زین العابدین کی نگرانی کرتا تھا اور اس کوشش میں تھا کہ آپؑ کے خلاف کسی بھی طریقہ سے کوئی بہانہ ہاتھ آجائے تو وہ آپؑ پر سخت گیری کرے یا آپ کی توہین کرے۔

اس کو جب یہ اطلاع ملی کہ امام زین العابدین علیہ السلام نے اپنی آزاد کردہ کنیز سے عقد کرلیا ہے تو اس نے ایک خط میں اس کام پر آپ کی شماتت کی۔ اس نے چاہا کہ اس طرح وہ حضرت کو یہ سمجھادے کہ ہم آپؑ کے تمام امور حتی کہ داخلی اور ذاتی امور سے بھی باخبر ہیں۔ اور اس نے اپنی قرابت داری کو بھی یاددلایا، تو امامؑ نے جواب میں آئین اسلام کو اس سلسلہ میں یاددلاتے ہوئے فرمایا: کہ مسلمان ہوجانا اور خدا پر ایمان لانا ہمیشہ دوسرے امتیازات کو ختم کردیتا ہے، امامؑ نے طنز کے ذریعہ اس کے آباواجداد کی گذشتہ جہالت پر (اور شاید اس کی موجودہ جہالت حالت پر) سرزنش کی اور فرمایا:

فلا لوم علی امرءٍ مسلم: انّما اللّومُ لوم الجاهلیة[4]

86ھ میں عبدالملک کے مرنے کے بعد اس کا بیٹا ولید اس کی جگہ پر مسند خلافت بیٹھا۔[5] سیوطی کے بیان کے مطابق وہ ایک ستمگر اور لاپرواہ شخص تھا او دوسرے بنی امیہ کے حکمرانوں کی طرح یہ بھی امامؑ کی شہرت اور محبوبیت سے خوف زدہ تھا اور آپؑ کی علمی و روحانی شخصیت سے اس کو تکلیف تھی، اس وجہ سے وہ شیعوں کے چوتھے پیشوا کا وجود مسلمانوں کے معاشرہ میں برداشت نہیں کرسکتا تھا، اس نے دھوکہ کے ساتھ آپ کو زہر دے دیا۔[6]

ایک طرف تو امام زین العابدین علیہ السلام اپنے زمانہ کے ایسے ظالم و جرائم کا ارتکاب کرنے والے بادشاہوں اور ان کی شدید

---

[1] امام حسین علیہ السلام کی شہادت کے بعد یزید کی حکومت کے سہ سالہ جرائم کو گذشتہ اسباق میں بیان کیا گیا ہے اس لئے یہاں پر اس کا تکرار نہیں کیا۔
[2] کامل ابن اثیر جلد4/ 348-356۔
[3] کامل ابن اثیر جلد4/ 587۔
[4] کافی جلد5/ 244، مناقب جلد4، 162۔ یعنی مسلمان میں کوئی پستی اور ذلت نہیں ہے بلکہ صرف جاہلیت کی فرمائیگی میں پستی ہے۔
[5] تاریخ الخلفاء/ 223۔
[6] مناقب ابن شہرآشوب جلد4/ 176۔

نگرانیوں کو برداشت کررہے تھے، دوسری طرف اپنے اطراف میں ایماندار جاں نثاروں اور مجاہد دوستوں کا فقدان محسوس کرتے تھے۔ لہٰذا آپؑ نے مخفی مبارزہ اور جہاد شروع کیا۔ اپنے دروازہ کو دوسروں کے لئے بند کر دیا، اس طرح آپؑ نے اپنی اور اپنے کچھ قابل اعتماد اصحاب کی جان بچالی اور اس محاذ پر صاحب امتیاز عناصر کی پرورش، صالح افراد کی تیاری اور مخفی مبارزہ کے ذریعہ شیعی افکار کی تعلیم میں مشغول ہو گئے تا کہ اس راستہ کے سلسلہ کو جو بے شک منزل مقصود سے بہت قریب تھا۔ اپنے بعد کے امام کے سپرد کر دیں۔

امام جعفر صادق علیہ السلام اپنی ایک حدیث میں امامؑ چہارم کے حالات اور ان کی کردار ساز خدمات کو اس طرح بیان کرتے ہیں:

حسین ابن علی علیہ السلام کے بعد تمام لوگ راستہ سے پلٹ گئے مگر تین افراد: ابوخالد کابلی، یحیی ابن ام طویل اور جبیر بن مطعم، اس کے بعد دوسرے لوگ ان سے آملے اور شیعوں کا مجمع بڑھ گیا۔ یحیی بن ام طویل مدینہ میں مسجد پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں آئے اور تقریر میں لوگوں سے کہنے لگے: ہم تمہارے (راستہ اور آئین کے) مخالف ہیں اور ہمارے اور تمہارے درمیان دشمنی اور کینہ ہے۔ [۱]

مکہ کے راستہ میں ایک شخص نے اعتراض کرتے ہوئے امام سجاد علیہ السلام سے کہا کہ آپ نے جہاد اور اس کی سختی کو چھوڑ دیا اور حج جو آسان ہے اس کے لئے جا رہے ہیں؟ تو آپؑ نے فرمایا: اگر با ایمان مددگار اور جان نثار اصحاب ہوتے تو جہاد اور مبارزہ حج سے بہتر تھا۔ [۲]

ابوعمر نہدی کا بیان ہے کہ امام زین العابدین علیہ السلام نے فرمایا: مکہ اور مدینہ میں ہمارے بیس دوست (حقیقی اور جاں نثار) نہیں ہیں۔ [۳]

اس طرح امام زین العابدین علیہ السلام کا کام بے حد دشوار ہمت شکن اور شجاعت کا کام تھا اور آپ نہایت محدودیت کے عالم میں اس بات میں کامیاب ہو گئے کہ ایک سوستر ایسے نمایاں شاگردوں کی تربیت کر دیں جن میں سے ہر ایک اسلامی معاشرہ میں روشن چراغ تھا۔ جن افراد کے نام رجال کی کتابوں میں موجود ہیں ان میں سعید بن مسیب، سعید بن جبیر، محمد بن جبیر، یحیی بن ام طویل، ابوخالد کابلی، ابوحمزہ ثمالی جیسی شخصیتوں کے نام لئے جا سکتے ہیں۔

امام زین العابدین علیہ السلام نے نمایاں شاگردوں کی تربیت اور اسلامی معارف کی نشر و اشاعت کے ذریعہ اسلامی معاشرہ اور اموی حکومت کے صاحب حیثیت افراد کے دلوں میں ایک مخصوص شکوہ و عظمت پیدا کر لی یہاں تک کہ ایک حج کے موقع پر جب آپؑ کا سامنا عبدالملک بن مروان سے ہوا تو نہ صرف یہ کہ آپ نے اس کو سلام نہیں کیا بلکہ اس کے چہرہ پر نظر بھی نہیں ڈالی عبدالملک اس بے اعتنائی پر بڑا ناراض ہوا۔ اس نے آہستہ سے امامؑ کے ہاتھ کو پکڑ اور کہا: اے ابومحمد مجھے دیکھئے میں عبدالملک ہوں نہ کہ آپ کے باپ کا قاتل یزید امامؑ نے جواب دیا: میرے باپ کے قاتل نے اپنے اقدام کے ذریعہ اپنی آخرت خراب کر لی اگر تو بھی میرے باپ کے قاتل کی طرح ہونا چاہتا ہے تو کوئی حرج نہیں ہے۔

عبدالملک نے غصہ میں کہا: میں ہرگز ایسا ہونا نہیں چاہتا لیکن مجھے اس بات کی امید ہے کہ آپؑ ہمارے وسائل سے بہرہ مند ہوں گے امامؑ نے جواب میں فرمایا: مجھ کو تمہاری دنیا کی اور جو کچھ تمہارے پاس ہے اس کی کوئی ضرورت نہیں۔ [۴]

---

[۱] بحار جلد 46/144، الاختصاص للمفید/64، رجال کشی/81۔

[۲] احتجاج طبرسی جلد 2/44،45، اعیان الشیعہ جلد 1/635، مناقب جلد 4/159۔

[۳] بحار جلد 46/143، شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید جلد 4/104۔

[۴] بحار جلد 46/120۔

دعائیں

امام زین العابدین علیہ السلام کے مثبت اقدام میں ایک قدم اور بنیادی کوشش یہ تھی کہ آپؑ انفرادی اور اجتماعی تربیت وعقائد سے متعلق مسائل کی نشر واشاعت دعا کے پیرایہ میں کریں جو آپ کی یادگار کے طور پر محفوظ رہ گئی ہیں۔

صحیفہ سجادیہ کے مضامین اور اس میں بیان کی گئی باتوں پر غور وفکر نے بہت سے مسائل کو ہمارے لئے روشن کردیا ہے، اسلامی معاشرہ بلکہ انسانی معاشرہ کو اس کتاب نے عالم کی معلومات، خدا کی معرفت، انسان کی معرفت وغیرہ کے ایک سلسلہ کا تعارف کرایا ہے۔

ان حالات میں جب امام کو بیان اور گفتگو کی آزادی میسر نہ تھی، آپ نے دعا اور مناجات کے ذریعہ اعتقادی اور اخلاقی دستور العمل اور اجتماعی زندگی کے لائحہ عمل کو بیان کیا اور مسلمانوں کے درمیان اس کو منتشر کردیا۔

صحیفہ سجادیہ کی عظمت کو سمجھنے کے لئے مشہور مصری مفسر طنطاوی کا قول کافی ہے، وہ کہتے ہیں کہ صحیفہ سجادیہ وہ تنہا کتاب ہے جس میں علوم ومعارف اور حکمتیں موجود ہیں اس کے علاوہ کسی کتاب میں ایسا ذخیرہ نہیں ہے اور یہ مصر کے لوگوں کی بدنصیبی ہے کہ وہ ابھی تک اس کی گراں بہا اور جاودانہ باتوں سے واقف نہیں، میں اس میں جتنا بھی غور کرتا چلا جاتا ہوں اس کو مخلوق کے کلام سے بالاتر اور خالق کے کلام سے نیچے دیکھتا ہوں۔[1]

امام گوشہ نشینی اور محدودیت کے باوجود دعاؤں کے ذریعہ مسلمانوں کو قیام اور تحریک کا درس دیتے ہیں اور اپنے خدا سے راز ونیاز کی باتیں کرتے ہوئے فرماتے ہیں خدایا مجھ کو ایسی طاقت اور دسترسی عطا کر کہ جو لوگ مجھ پر ظلم کرتے ہیں میں ان پر کامیابی حاصل کروں اور ایسی زبان عنایت فرما کہ مقام احتجاج میں غلبہ حاصل کرسکوں، ایسی فکر اور سمجھ عطا فرما کہ دشمن کے حیلوں کو درہم برہم کردوں اور ظالم کے ہاتھ کو ظلم وتعدی سے روک دوں۔[2]

صحیفہ سجادیہ میں ایسے بہت سارے نمونے موجود ہیں۔

شہادت

امام زین العابدین علیہ السلام 57 سال تک رنج ومصیبت برداشت کرنے کے بعد ولید بن عبدالملک کے دور حکومت میں اس کے حکم سے جس نے اپنی خلافت وحکومت کا محور ظلم وجور اور قتل وغارت بنا رکھا تھا، مسموم ہوکر، 25 محرم 95ھ ق کو شہادت پائی اور قبرستان بقیع میں امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام کی قبر مطہر کے پہلو میں سپرد خاک کئے گئے۔[3]

---

[1] خاتمہ ترجمہ صحیفہ سجادیہ مطبوعہ آخوندی۔

[2] اللھم صلّ علی محمّد و آلہ و اجعل لی یداً علی من ظلمنی و لساناً علی من خاصمنی و ظفراً بمن عاندنی و ھب لی مکراً علی من کادنی۔ ۔صحیفہ سجادیہ دعاء-20---

[3] مصباح کفعمی/509، کافی جلد1 /468، بحار جلد46 /152۔

سوالات

1۔امام زین العابدین علیہ السلام کی تاریخ ولادت بیان فرمایئے وران کی اخلاقی خصوصیات میں سے دونمونے بیان کیجئے۔

2۔ پیغام عاشوراء کو پہنچانے اوراس سے حاصل شدہ نتائج کی نگہبانی کرنے میں آپ نے کیا کردار ادا کیا؟مختصر طور پر وضاحت کیجئے۔

3۔ یزید نے جونشست شام کی جامع مسجد میں منعقد کی تھی،امامؑ نے اس سے اپنے لئے کس طرح فائدہ حاصل کیا؟

4۔مدینہ واپسی کے بعد حکومت بنی امیہ کے مدمقابل امامؑ کا موقف کیوں تبدیل ہوگیا؟اختصار کے ساتھ بیان کیجئے۔

5۔مدینہ واپس آنے کے بعد شہادت کے زمانے تک امام زین العابدین علیہ السلام کے اہم کام کیا تھے؟

6۔امام سجاد علیہ السلام کس تاریخ کو اور کیسے شہید ہوئے؟

آٹھواں سبق:

امام محمد باقر علیہ السلام کی سوانح عمری

ولادت اور بچپن کا زمانہ

ہمارے پانچویں پیشوا امام محمد باقر علیہ السلام جمعہ کے دن پہلی رجب 57 ھ ق کو شہر مدینہ میں پیدا ہوئے۔[1] آپ کا نام محمد، کنیت ابوجعفر اور مشہور ترین لقب باقر ہے۔ روایت ہے کہ حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس لقب سے ملقب فرمایا تھا۔ امام محمد باقر علیہ السلام۔ ماں اور باپ۔ دونوں طرف سے فاطمی اور علوی تھے۔ اس لئے کہ ان کے والد امام زین العابدین۔ امام حسین علیہ السلام کے فرزند تھے۔ اور ان کی والدہ گرامی ام عبداللہ امام مجتبیٰ۔ کی بیٹی تھیں۔ آپ نے امام زین العابدین۔ جیسے باپ کی پرمہر آغوش میں پرورش پائی اور با فضیلت ماں کی چھاتی سے دودھ پیا۔ وہ ماں جو عالمہ اور مقدسہ تھیں، امام جعفر صادق علیہ اسلام سے منقول ہے کہ میری جدّہ ماجدہ ایسی صدیقہ تھیں کہ اولاد امام حسن مجتبیٰ۔ میں کوئی عورت انکی فضیلت کے پایہ کو نہ پہونچ سکی[2]۔

امام محمد باقر علیہ السلام کی عمر چار سال سے کم تھی کہ جب کربلا کا خونین واقعہ پیش آیا۔

آپؑ اپنے جد حضرت ابا عبداللہ الحسین علیہ السلام کے پاس موجود تھے۔ واقعہ کربلا کے بعد 34 برس آپؑ نے اپنے پدر بزرگوار کے ساتھ زندگی گذاری، آپ جوانی ہی کے زمانہ سے علم و دانش، فضیلت و تقویٰ میں مشہور تھے اور آئندہ چل کر مسلمانوں کے علمی مشکلات کے حل کا مرجع سمجھے جانے لگے۔ جہاں کہیں بھی ہاشمیین، علویین اور فاطمیین کی بلندی کا ذکر ہوتا، آپؑ کو ان تمام مقدسات، شجاعت اور بزرگی کا لوگ تنہا وارث جانتے تھے۔

آپؑ کی شرافت اور بزرگی کو مندرجہ ذیل حدیث میں پڑھا جاسکتا ہے۔ پیغمبر۔صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے ایک نیک صحابی، جابر ابن عبداللہ انصاری سے فرمایا: اے جابر تم زندہ رہوگے اور میرے فرزند محمد ابن علی ابن الحسین علیہ السلام سے کہ جن کا نام توریت میں باقر ہے ملاقات کروگے۔ ملاقات ہونے پر میرا سلام پہنچا دینا۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رحلت فرما گئے۔ جابر نے ایک طویل عمر پائی، ایک دن امام زین العابدین علیہ السلام کے گھر تشریف لائے اور امام محمد باقر علیہ السلام کو جو چھوٹے سے تھے دیکھا، ان سے جابر نے کہا: ذرا آگے آیئے امامؑ آگے آ گئے۔ جابر نے کہا: ذرا مڑ جایئے امام مڑ گئے، جابر نے جسم اور ران کے چلنے کا انداز دیکھا اس کے بعد کہا، کعبہ کے خدا کی قسم، یہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہو بہو آئینہ ہیں۔ پھر امام زین العابدین علیہ السلام سے پوچھا یہ بچہ کون ہے؟ آپ نے فرمایا: میرے بعد امام میرا بیٹا محمد باقر علیہ السلام ہے۔ جابر اٹھے اور آپ نے امام کے قدموں کا بوسہ لیا اور کہا: اے فرزند پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں آپ پر نثار، آپ اپنے جد رسول خدا کا سلام و درود قبول فرمائیں انہوں نے آپ کو سلام کہلوایا ہے۔

---

[1] مصباح المتهجد شیخ طوسی/ 557، بحار الانوار جلد 46 / 213۔

[2] کافی جلد 1 / 469۔۔کانت صدیقة لم تدرک فی آل الحسن امراة مثلها۔۔۔

امام محمد باقر علیہ السلام کی آنکھیں ڈبڈبا گئیں اور آپؑ نے فرمایا: جب تک آسمان اور زمین باقی ہے اس وقت تک میرا اسلام و درود ہو میرے جد پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خدا پر اور تم پر بھی سلام ہو اے جابر تم نے ان کا سلام مجھ تک پہنچایا۔[۱]

امامؑ کے اخلاق و اطوار

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام، متواضع، سخی، مہربان اور صابر تھے اور اخلاق و عادات کے اعتبار سے جیسا کہ جابر نے کہا تھا ہو بہو اسلام کے عظیم الشان پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا آئینہ تھے۔

شام کا ایک شخص مدینہ میں ٹھہرا ہوا تھا اور امامؑ کے پاس بہت آتا رہتا تھا اور کہتا تھا کہ تم سے زیادہ روئے زمین پر اور کسی کے بارے میں میرے دل میں بغض و کینہ نہیں ہے، تمہارے اور تمہارے خاندان سے زیادہ میں کسی کا دشمن نہیں ہوں۔ اگر تم یہ دیکھتے ہو کہ میں تمہارے گھر آتا جاتا ہوں تو یہ اس لئے ہے کہ تم ایک سخن ور اور خوش بیان ادیب ہو

اس کے باوجود امامؑ اس کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آتے تھے اور اس سے بڑی نرمی سے بات کرتے تھے کچھ دنوں کے بعد وہ شخص بیمار ہوا اس نے وصیت کی کہ جب میں مرجاؤں تو امام محمد باقر علیہ السلام میری نماز جنازہ پڑھائیں۔

جب اس کے متعلقین نے اسے مردہ دیکھا تو امامؑ کے پاس پہنچ کر عرض کی کہ وہ شامی مرگیا اور اس نے وصیت کی ہے کہ آپ اس کی نماز جنازہ پڑھائیں۔

امام نے فرمایا: مرا نہیں ہے... جلدی نہ کرو یہاں تک کہ میں پہونچ جاؤں اس کے بعد آپ اٹھے اور آپ نے دو رکعت نماز پڑھی اور ہاتھوں کو دعا کے لئے بلند کیا اور تھوڑی دیر تک سر بسجدہ رہے، پھر شامی کے گھر گئے اور بیمار کے سرہانے بیٹھ گئے، اس کو اٹھا کر بٹھایا۔ اس کی پشت کو دیوار کا سہارا دیا اور شربت منگوا کر اس کے منہ میں ڈالا اور اس کے متعلقین سے فرمایا کہ اس کو ٹھنڈی غذائیں دی جائیں اور خود واپس چلے گئے۔ ابھی تھوڑی دیر نہ گذری تھی کہ شامی کو شفا مل گئی وہ امامؑ کے پاس آیا اور عرض کرنے لگا: میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ، لوگوں پر خدا کی حجت ہیں....[۲]

اس زمانے کے صوفیوں میں سے ایک شخص محمد بن مُنکَدر کا بیان ہے کہ ایک دن میں بہت گرمی میں مدینہ سے باہر نکلا وہاں میں نے محمد باقر علیہ السلام کو دیکھا کہ دو غلاموں پر تکیہ کئے ہوئے ہیں۔ میں نے اپنے دل میں کہا کہ قریش کے بزرگوں میں سے ایک بزرگ ایسے وقت میں دنیا کی ہوس اور لالچ میں پڑے ہوئے ہیں، میں ان کو کچھ نصیحت کروں۔ میں ان کے قریب گیا اور سلام کیا۔ ان کے سر اور داڑھی سے پسینہ بہہ رہا تھا۔ امامؑ نے اسی حالت میں میرے سلام کا جواب دیا۔ میں نے عرض کی: خدا آپ کو سلامت رکھے آپ کی جیسی شخصیت والا انسان اس وقت اس حالت میں دنیا حاصل کرنے میں لگا ہوا ہے اگر اسی حالت میں موت آجائے تو آپؑ کیا کریں گے؟

آپ نے فرمایا خدا کی قسم اگر موت آگئی تو خداوند عالم کی اطاعت کی حالت میں موت واقع ہوگی۔ اس لئے کہ میں اس وسیلہ سے اپنے آپ کو تم سے اور دوسروں کی محتاجی سے بچاتا ہوں۔ میں اس حالت میں موت سے ڈرتا ہوں کہ میں (خدانخواستہ) گناہ کے کام میں لگا رہوں۔ میں نے کہا آپ پر خدا کی رحمت ہو، میں نے چاہا تھا کہ میں آپ کو نصیحت کروں لیکن آپ نے مجھ کو نصیحت کی اور آگاہ

[۱] امالی شیخ صدوق/211، بحار الانوار جلد 46/223۔

[۲] امالی شیخ طوسی/261، بحار الانوار جلد 46/233-234 اختصار کے ساتھ۔

فرمایا۔[1]

علم امام محمد باقر علیہ السلام

آپ کا علم بھی دوسرے تمام ائمہ کی طرح چشمہ وحی سے فیضان حاصل کرتا تھا، جابر بن عبداللہ آپ کے پاس آتے اور آپ کے علم سے بہرہ ور ہوتے اور بار بار عرض کرتے تھے کہ اے علوم کو شگافتہ کرنے والے میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ بچپن ہی میں علم خدا سے مالا مال ہیں۔[2]

اہل سنت کے علماء میں سے ایک بزرگوار عبداللہ ابن عطاء مکی فرماتے تھے کہ میں نے امام محمد باقر علیہ السلام کے سامنے اہل علم کو جس طرح حقیر اور چھوٹا پایا ہے ویسا کسی کے سامنے میں نے نہیں دیکھا ہے۔حکم بن عتیبہ لوگوں کے نزدیک جن کا علمی مقام بہت بلند تھا۔امام محمد باقر علیہ السلام کے سامنے ان کی حالت یہ ہوتی تھی کہ جیسے ایک شاگرد استاد کے سامنے۔[3]

آپ کا علمی مقام ایسا تھا کہ جابر بن یزید جعفی ان سے روایت کرتے وقت کہتے تھے وصی اوصیاء اور وارث علوم انبیاء محمد بن علی بن الحسین۔نے ایسا کہا ہے...[4]

ایک شخص نے عبداللہ بن عمر سے ایک مسئلہ پوچھا وہ جواب نہ دے سکے اور سوال کرنے والے کو امام محمد باقر علیہ السلام کا پتہ بتادیا اور کہا کہ اس بچے سے پوچھنے کے بعد جو جواب ملے وہ مجھ کو بھی بتادینا۔اس شخص نے امامؑ سے پوچھا اور مطمئن کرنے والا جواب سننے کے بعد عبداللہ بن عمر کو جا کر بتادیا۔عبداللہ نے کہا: یہ وہ خاندان ہے جس کا علم خداداد ہے[5]۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے علوم ودانش کے اتنے رموز واسرار واضح کئے ہیں کہ سوائے دل کے اندھے کے اور کوئی انکا، انکار نہیں کرسکتا۔اس وجہ سے آپ نے تمام علوم شگافتہ کرنے والے اور علم ودانش کا پرچم لہرانے والے کا لقب پایا۔[6]

انہوں نے مدینہ میں علم کا ایک بڑا دانش کدہ بنایا تھا جس میں سینکڑوں درس لینے والے افراد آپ کی خدمت میں پہونچ کر درس حاصل کیا کرتے تھے۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب میں سے جو لوگ زندہ تھے، جیسے جابر بن عبداللہ انصاری اور تابعین میں سے کچھ بزرگ افراد جیسے جابر بن جعفی، کیسان سختیانی اور فقہاء میں سے کچھ لوگ جیسے ابن مبارک زہری، اوزاعی، ابوحنیفہ، مالک، شافعی اور زیاد بن منذر اور مصنفین میں سے کچھ افراد جیسے طبری، بلاذری، سلامی اور خطیب نے اپنی تاریخوں میں آپ سے روایتیں لکھی ہیں۔[7]

---

[1] ارشاد مفید/264، بحار جلد 46/287، مناقب جلد 4/201۔
[2] علل الشرائع جلد 1/222، بحار جلد 46/225۔
[3] ارشاد مفید/363 مطبوعہ بصیرتی قم۔
[4] ارشاد مفید/263، بحار جلد 46/286، 289۔
[5] مناقب ابن شہر آشوب جلد 4/197، بحار جلد 46/289۔
[6] الصواقع المحرقۃ/120۔
[7] مناقب جلد 4/195، بحار جلد 46/294-295۔

امام اور اموی خلفاء

امام محمد باقر علیہ السلام کی امامت کا زمانہ۔ جو تقریباً 19 سال پر محیط تھا۔ اموی حکمرانوں جیسے ولید بن عبدالملک، سلیمان بن عبدالملک، عمر بن عبدالعزیز، یزید بن عبدالملک، ہشام بن عبدالملک کا زمانہ تھا۔ ان میں سے سوائے عمر بن عبدالعزیز کے۔ جو نسبتاً عدالت پسند تھا۔ سب کے سب ستمگری، استبداد اور مطلق العنانی میں اپنے اسلاف سے کچھ کم نہ تھے اور آگے چل کر انہوں نے امام محمد باقر علیہ السلام کے لئے مشکلیں پیدا کیں۔

امام محمد باقر علیہ السلام کے زمانہ امامت کے سیاسی اور کٹھن حالات سے واقفیت کے لئے ہم یہاں ان میں سے ہر ایک کے بارے میں اب اجمالی گفتگو کر رہے ہیں۔

ولید نے 86ھ ق میں حکومت کی باگ ڈور سنبھالی اور 15، جمادی الآخر 96ھ ق کو مر گیا۔

مسعودی کا بیان ہے کہ ولید ایک ہٹ دھرم، جابر اور ظالم بادشاہ تھا۔[1] اس کے باپ نے اس کو وصیت کی تھی کہ حجاج بن یوسف کا اکرام کرے اور چیتے کی کھال پہنے۔[2] تلوار آمادہ رکھے اور جو اس کی مخالفت کرے اس کو قتل کردے۔[3]

اس نے بھی باپ کی وصیت کو پورا کیا اور حجاج کے ہاتھوں کو اپنے باپ کی طرح مسلمانوں کو ستانے اور ان کو قتل کرنے کے لئے آزاد چھوڑ دیا۔

عمر بن عبدالعزیز، ولید کی طرف سے مدینہ کا حاکم تھا، حجاج کے ظلم سے تنگ آکر جو بھی بھاگتا تھا اس کے پاس پناہ لیتا تھا۔ عمر نے ولید کو ایک خط لکھا اور لوگوں کے ساتھ حجاج کے ظلم کی شکایت کی۔ ولید نے حاکم مدینہ کی شکایت سننے کی بجائے، حجاج کی خوشنودی کے لئے عمر بن عبدالعزیز کو مدینہ کی گورنری سے معزول کر دیا اور حجاج کو لکھا تم جس کو بھی چاہو حجاز کا حاکم بنا دو۔ حجاج نے بھی خالد بن عبداللہ قسری کے لئے سفارش کی جو خود اسی جیسا ایک خونخوار شخص تھا ولید نے یہ سفارش قبول کر لی۔[4]

ولید کا حجاج پر اعتماد کرنا اور اپنے باپ عبدالملک کی تائید، ولید کے طغیان اور اس کی تباہ کاری پر بہترین دلیل ہے۔

اپنے بھائی کے بعد سلیمان بن عبدالملک نے زمام حکومت اپنے ہاتھوں میں لی اور جمعہ کے دن 10 ماہ صفر 99ھ کو مر گیا۔ وہ بڑا پرخور اور عورتوں کا دلدادہ تھا۔ اس کے دور خلافت میں عیاشی اور دربار میں عیش ونشاط کی محفل اپنے اوج پر تھی۔ متعدد خواجہ سراؤں کو اس نے اپنے دربار میں رکھ چھوڑا تھا اور اپنا زیادہ وقت حرم سراء کی عورتوں کے ساتھ گذارتا تھا۔ آہستہ آہستہ بری باتیں ملک کے کارندوں میں بھی سرایت کر گئیں اور یہ باتیں ملک گیر پیمانہ پر پھیل گئیں۔[5]

اس نے دو سال چند مہینے حکومت کی۔ شروع میں اس نے نرمی کا مظاہرہ کیا۔ عراق کے قید خانوں کے دروازے کھول دیئے اور

---

[1] مروج الذہب جلد 3 / 157۔

[2] سیاست میں خشونت اور سختی کے لئے کنایہ ہے۔

[3] مروج الذہب 3 / 160-161۔

[4] کامل ابن اثیر جلد 4 / 577۔

[5] تاریخ سیاسی اسلام جلد 1 / 324۔

بے گناہوں کو آزاد کر دیا جبکہ اس کی زندگی کے لمحات ظلم وستم سے خالی نہ تھے۔ اس نے خالد بن عبداللہ قسری کو جو ظلم اور جرائم میں حجاج کا ثانی تھا، اس کے مقام پر باقی رکھا۔

اس کے بعد عمر بن عبدالعزیز مسند حکومت پر متمکن ہوا۔ اس کا انتقال 25 رجب 101 ھ ق کو ہوا۔ یہ کسی حد تک پریشانیوں اور دشواریوں پر قابو پانے، برائیوں اور تفریق کے ساتھ جنگ کرنے، اس ننگ و عار کے دھبہ کو جو اس وقت کی حکومت کے دامن پر لگا ہوا تھا۔ یعنی علی علیہ السلام پر سب وشتم کرنا۔ دھونے، فدک کو اولاد فاطمہ سلام اللہ علیہا کو واپس دے دینے اور امام محمد باقر علیہ السلام کے حوالے کرنے میں کامیاب ہوئے۔

اس کے بعد یزید بن عبدالملک ان کی جگہ مسند حکومت پر متمکن ہوا۔ اور اپنے حکام کو مندرجہ ذیل خط لکھ کر اپنی حکومت کا آغاز کیا:

عمر بن عبدالعزیز نے دھوکہ کھایا، تم اور تمہارے اطراف کے لوگوں نے اس کو دھوکہ دیا... خط ملتے ہی سابق معاونین اور اپنے دوستوں کو جمع کرو اور لوگوں کو ان کی سابقہ حالت پر پلٹا دو، چاہے وہ مالیات کو ادا کرنے کی طاقت رکھتے ہوں یا نہ رکھتے ہوں، زندہ رہیں یا مر جائیں، لازم ہے کہ وہ ٹیکس ادا کریں۔[1]

یزید بن عبدالملک کا اپنے ہم نام یزید بن معاویہ کی طرح سوائے عیاشی، جرائم، مستی اور عورتوں کے ساتھ عشق بازی کے اور کوئی دوسرا کام نہ تھا۔ وہ اخلاقی اور دینی اصول کا ہرگز پابند نہ تھا۔ اس کی خلافت کا زمانہ بنی امیہ کی حکومت کا ایک سیاہ ترین اور تاریک ترین دور شمار کیا جاتا ہے اس کے زمانہ میں قصائد اور اشعار کی جگہ ساز اور آواز نے لے لی تھی اور اس شعبہ کو اتنی وسعت دے دی تھی کہ مختلف شہروں سے گانے بجانے والے دمشق بلائے جاتے تھے اور اس طرح عیاشی، ہوس رانی، شطرنج اور تاش نے عربی معاشرہ میں رواج پایا۔[2]

اس کے بعد ہشام بن عبدالملک نے حکومت کی باگ ڈور سنبھالی۔ وہ بخیل، بداخلاق، ستمگر اور بے رحم تھا۔ نہ صرف یہ کہ اس نے برائیوں کی اصلاح کیلئے کوئی قدم نہیں اٹھایا بلکہ اس نے بنی امیہ کی خطاؤں کو تقویت بخشی۔ اپنے گورنروں کو اس نے لکھا کہ شیعوں کے ساتھ سختی کر کے ان پر عرصہ حیات تنگ کر دو۔ اس نے حکم دیا کہ ان کے آثار کو مٹا کر ان کا خون بہایا جائے اور ان کو عام حق سے محروم کر دو۔

اس نے حکم دیا کہ شاعر اہل بیت کُمیت کا گھر اجاڑ دیا جائے۔ کوفہ کے حاکم کو لکھا کہ اولاد پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدح کرنے کے جرم میں کُمیت کی زبان کاٹ دی جائے۔

یہی تھا جس نے زید بن علی بن الحسین کے انقلاب کو کچل دیا تھا اور ان کے جسم مقدس کو مثلہ کرنے کے بعد کوفہ کے کلیسا کے پاس نہایت دردناک حالت میں دار پر لٹکا دیا۔

امام محمد باقر علیہ السلام کا اپنی خلافت کے زمانہ میں ایسے ایسے مدعیان خلافت سے مقابلہ تھا۔

خلافت کے بالمقابل امامؑ کا موقف

ہشام، امام محمد باقر اور ان کے فرزند عزیز حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی عزت و وقار سے بہت خوف زدہ تھا اس لئے اپنی

[1] العقد الفرید جلد 5 / 176۔

[2] تاریخ سیاسی اسلام جلد 1 / 331۔

حاکمیت کا رعب جمانے اور خلافت کی مشینری کے مقابلہ میں امام ـ کی اجتماعی حیثیت و وقار کو مجروح کرنے کے لئے اس نے حاکم مدینہ کو حکم دیا کہ ان دونوں بزرگوں کو شام بھیج دے۔

امامؑ کے وارد ہونے سے پہلے اس نے اپنے درباریوں اور حاشیہ نشینوں کو امامؑ کا سامنا کرنے کے لئے ضروری احکامات دیئے۔ یہ طے پایا کہ پہلے خلیفہ اور پھر اس کے بعد حاضرین دربار جو سب کے سب مشہور اور نمایاں افراد تھے، امام محمد باقر علیہ السلام پر تہمت اور شماتت کا سیلاب انڈیل دیں۔

اس عمل سے ہشام کے دو مقصد تھے، پہلا مقصد یہ تھا کہ اس سختی اور تہمت سے امامؑ کے حوصلہ کو کمزور کر کے ہر اُس کام کے لئے جس کی وہ خواہش کرے گا امام کو آمادہ کرلے گا۔ دوسرا مقصد یہ تھا کہ اس ملاقات میں کہ جس میں بڑے بڑے رہبر شریک تھے، آپ کو ذلیل کر دیا جائے۔

امام محمد باقر علیہ السلام وارد ہوئے اور معمول کے مطابق جو طریقہ تھا کہ ہر آنیوالا امیر المومنین کے مخصوص لقب کے ساتھ خلیفہ کو سلام کرتا تھا۔ اس کے برخلاف آپؑ نے تمام حاضرین کی طرف رخ کر کے سلامٌ علیکم کہا، پھر اجازت کا انتظار کئے بغیر بیٹھ گئے۔ اس روش کی بنا پر ہشام کے دل میں کینہ اور حسد کی آگ بھڑک اٹھی اور اس نے اپنا پروگرام شروع کر دیا۔ اس نے کہا تم اولاد علی ہمیشہ مسلمانوں کے اتحاد کو توڑتے ہو اور اپنی طرف دعوت دیکر ان کے درمیان رخنہ اور نفاق ڈالتے ہو، نادانی کی بنا پر (معاذ اللہ) اپنے کو پیشوا اور امام سمجھتے ہو ہشام تھوڑی دیر تک ایسی یاوہ گوئی کرتا رہا پھر چپ ہو گیا۔

اس کے بعد اس کے نوکروں میں سے ہر ایک نے ایک بات کہی اور آپ کو موردِ تہمت قرار دیا۔

امام محمد باقر علیہ السلام اس تمام مدت میں خاموشی اور اطمینان سے بیٹھے رہے۔ جب سب چپ ہو گئے تو آپؑ اٹھے اور حاضرین کی طرف مخاطب ہوئے، حمد و ثنائے خدا اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود کے بعد ان کی گمراہی اور بے راہ روی کو واضح اور اپنی حیثیت نیز اپنے خاندان کے سابقہ افتخار کو بیان کرتے ہوئے فرمایا:

اے لوگو تم کہاں جا رہے ہو اور ان لوگوں نے تمہارا کیا انجام سوچ رکھا ہے؟ ہمارا ہی وسیلہ تھا جس کے ذریعہ خدا نے تمہارے اسلاف کی ہدایت کی اور ہمارے ہی ہاتھوں سے تمہارے کام کے اختتام پر مہر لگائی جائے گی اگر تمہارے پاس آج یہ تھوڑے دنوں کی حکومت ہے تو ہمارے پاس دیر پا حکومت ہوگی۔ ہماری حکومت کے بعد کسی کی حکومت نہیں ہوگی ہم ہی وہ اہل عاقبت ہیں جن کے بارے میں خدا نے فرمایا ہے کہ عاقبت صاحبان تقوی کے لئے ہے[1]۔

امام کی مختصر اور ہلا دینے والی تقریر سے ہشام کو ایسا غصہ آیا کہ سختی کے سوا اور کچھ اس کی سمجھ میں نہ آیا اس نے امامؑ کو قید کر دینے کا حکم دیا۔

امامؑ نے زندان میں بھی حقیقتوں کو آشکار اور واضح کیا۔ زندان کی نگرانی کرنے والوں نے ہشام کو خبر دی، یہ بات اس مشینری کے لئے قابل تحمل نہ تھی جو دسیوں سال سے شام کو علوی تبلیغات کی دست رسی سے دور رکھے ہوئے تھی۔ اس نے حکم دیا کہ امام اور ان کے

---

[1] ناقب ابن شہر آشوب ج4 / 189۔۔ ایها الناس این تذهبون و این یراد بکم؟ بنا هدی الله اولکم و بنا یختم آخرکم فان یکن لکم ملك معجل۔۔ فانّ لنا ملکا موجلاً و لیس من بعد ملکنا ملكٌ لانا اهل العاقبه، یقول الله تعالی۔۔ و العاقبة للمتقین۔ --

ساتھیوں کوزندان سے نکال کر پہرہ اور سختیوں میں مدینہ پہنچایا جائے اور پہلے سے بھی ضروری احکام بھیجے جا چکے تھے کہ راستہ میں کسی کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ اس معتوب قافلہ کے ساتھ کوئی معاملہ کرے۔اوران کے ہاتھوں کسی کو روٹی اور پانی بیچنے کا حق نہیں ہے...[1]

اسلامی ثقافت کا احیاء

امام محمد باقر علیہ السلام ان حالات میں حاکم کی سخت گیری اورضرورت تقیہ کے باوجود۔اس بات میں کامیاب ہوگئے کہ تعلیم وتربیت کے ذریعہ بہت ہی گہری بنیادوں پر مبنی علمی تحریک بنائیں۔انہوں نے آغاز ہی سے تشیع کی بنیادی اور بامقصد دعوت کی اشاعت کیلئے ،وسیع پیمانہ پر کوشش شروع کی۔اس دعوت کی وسعت اتنی تھی کہ شیعوں کے علاقہ جیسے مدینہ اورکوفہ کے علاوہ شیعی فکر کے نفوذ کی قلمرو میں دوسرے نئے علاقوں کا بھی اضافہ ہوا۔اس سلسلہ میں تمام جگہوں سے زیادہ خراسان کا نام لیا جاسکتا ہے۔

حج کے زمانہ میں عراق ،خراسان اور دوسرے شہروں سے ہزاروں مسلمان آپ سے فتوی معلوم کرتے تھے۔اور معارف اسلام کے ہر باب کے بارے میں آپ سے سوال کرتے تھے۔ان بزرگ فقہاء کی طرف سے جو علمی اور فکری مکاتب سے وابستہ تھے ،آپ کے سامنے دشوارگذار مسائل رکھے جاتے تھے تاکہ آپ الجھ جائیں اور لوگوں کے سامنے خاموش رہنے پر مجبور ہوجائیں۔

امام نے ان تمام مقامات پر تشیع کے ارکان کی تفصیلی توضیح کے ساتھ اس کے اعلی صفات کو محدود سطح اور گنے چنے افراد سے نکالا اور اسے آفاقی نکال کر مکتب کے مفاہیم کی نشرواشاعت کے ذریعہ افراد کی پرورش کی اور حقیقی اسلام کو مجسم بنایا۔چنانچہ بہت سے شہروں میں اس کا ردعمل ظاہر ہوگیا تھا۔

ان کاموں کی وجہ سے لوگ ان کے گرویدہ ہوگئے تھے اور آپؑ نے قوم میں بہت زیادہ نفوذ پیدا کرلیا تھا۔جبکہ خلافت بنی امیہ کے زمانہ میں قبیلہ مضر اور حمیر کے درمیان نسلی قتل کی آگ بھڑک رہی تھی۔مگر ہم دیکھتے ہیں کہ دونوں قبیلوں کے درمیان امامؑ کے چاہنے والے تھے جیسا کہ باقاعدہ شیعہ کہے جانے والے شعراء جیسے فرزدق تمیمی مضری اور کمیت اسدی حمیری دونوں ہی امام اور اہل بیت علیہم السلام کی دوستی میں متفق تھے۔

اسلامی نظام کی تشکیل

امام محمد باقر علیہ السلام نے ضرورت کی وجہ سے معاشرہ پر مسلط حکومت سے لڑنے اور آمنے سامنے کی جنگ سے اجتناب کیا اور آپ نے زیادہ تر فکری اور ثقافتی کام کیا۔جونظریاتی تخم ریزی بھی تھی اور سیاسی تقیہ بھی۔لیکن یہ حکیمانہ انداز اس بات کا سبب نہیں بنا کہ امام تحریک امامت کی کلی سمت کو قریبی دوستوں اور سچے شیعوں کے لئے جواُن کے گرویدہ تھے ،واضح نہ کریں۔اور عظیم شیعی مقصد کو۔یعنی اسلامی نظام کو ناقابل اجتناب مبارزہ کے ذریعہ۔ان کے دلوں میں زندہ نہ کریں۔امام محمد باقر علیہ السلام کے امید افزا طریقوں میں سے ایک طریقہ یہ بھی تھا کہ آپ آئندہ کے لئے دل پسند نوید دیتے تھے جو چنداں دور بھی نہیں ہوتی تھی۔

راوی کہتا ہے: ہم ابوجعفر۔کی خدمت میں بیٹھے ہوئے تھے ایک بوڑھا آدمی آیا،سلام کیا اور کہا کہ اے فرزند رسول خدا کی قسم میں آپ کا اور آپ کے چاہنے والوں کا دوست ہوں یہ دوستی دنیا کی لالچ میں نہیں ہے...میں نے آپ کے امر ونہی کو قبول کرلیا ہے اور میں

[1] مناقب ابن شہر آشوب جلد4 /190،بحار جلد46 /312،دلائل الامامہ للطبری/108۔

اس انتظار میں ہوں کہ آپ کی کامیابی کا زمانہ قریب آئے، کیا اب ہمارے لئے کوئی امید ہے؟ امامؑ نے اس بوڑھے آدمی کو اپنے پہلو میں بٹھایا اور فرمایا اے پیرمرد کسی نے میرے والد علی ابن الحسین علیہ السلام سے یہی پوچھا تھا، میرے والد نے اس سے کہا تھا کہ اگر اسی انتظار میں مرجاؤ گے تو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، علی علیہ السلام، حسن علیہ السلام، حسین علیہ السلام اور علی بن الحسین کی بارگاہ میں پہنچو گے ... اور اگر زندہ رہ جاؤ گے تو اسی دنیا میں وہ دن دیکھو گے کہ تمہاری آنکھیں روشن ہوجائیں گی اور اس دنیا میں ہمارے ساتھ ہمارے پہلو میں بلند ترین جگہ پاؤ گے ...[1]

اس طرح کے بیانات اس کھٹن ماحول میں دل انگیز خواب کی طرح نظام اسلامی اور حکومت علوی کی تشکیل کے لئے شیعوں کے ستم رسیدہ دلوں میں امید کی کرن اور متحرک کرنے والی لہر پیدا کرتے اور آئندہ کے لئے اس بات کو یقینی اور نہ ٹلنے والی صورت میں پیش کرتے تھے۔

امامؑ کی یہ روش اس بات کا نمونہ ہے کہ حضرت کا تعلق اپنے نزدیکی اصحاب سے کیسا تھا، اور یہ روش ایک دوسرے سے منظم اور مرتب رابطہ کی نشاندہی بھی کرتی ہے۔ یہی وہ حقیقت تھی جو خلافت کی مشینری کو رد عمل ظاہر کرنے پر ابھارتی تھی۔

ہشام کی خلافت کی مشینری جس کو بلاذری اموی خلفاء میں مقتدر ترین خلیفہ جانتا ہے۔ اگر امام محمد باقر علیہ السلام کے ساتھ سختی سے پیش آتی تھی تو اس کی وجہ یہ تھی کہ آپ کی روش اور عمل میں ہشام اپنے لئے ایک قسم کی تہدید دیکھ رہا تھا اور آپ کا وجو اس کے لئے ناقابل تحمل تھا۔

یہ بات ناقابل تردید ہے کہ اگر امام محمد باقر علیہ السلام فقط علمی زندگی میں سرگرم عمل رہتے اور تنظیم سازی کی فکر نہ کرتے تو خلیفہ اپنے لئے اس بات میں صلاح نہیں سمجھتا کہ وہ سخت گیری اور شدّت کے ساتھ آپ کو سخت مقابلہ کے لئے بھڑکائے اور نتیجتاً آپ کے دوستوں اور معتقدین کو۔ جن کی تعداد کم بھی نہ تھی۔ اپنے اوپر ناراض اور اپنی مشینری سے ناخوش کرلے۔

امام محمد باقر علیہ السلام کے مکتب فکر کے پروردہ افراد

امام محمد باقر علیہ السلام کے مکتب فکر میں مثالی اور ممتاز شاگردوں نے پرورش پائی تھی ان میں سے کچھ افراد کی طرف اشارہ کیا جارہا ہے۔

1۔ ابان ابن تغلب: ابان ابن تغلب نے تین اماموں کی خدمت میں حاضری دی تھے۔ چوتھے امامؑ، پانچویں امامؑ اور چھٹے امامؑ ابان اپنے زمانہ کی علمی شخصیتوں میں سے ایک تھے، تغیر حدیث، فقہ، قرائت اور لغت پر آپ کو تسلط حاصل تھا۔ ابان کی فقہی منزلت کی وجہ ہی سے امام محمد باقر علیہ السلام نے ان سے فرمایا کہ مدینہ کی مسجد میں بیٹھو اور لوگوں کے لئے فتوی دو تا کہ لوگ ہمارے شیعوں میں تمہاری طرح کے میرے پیروکار کو دیکھیں۔[2]

جب امام جعفر صادق علیہ السلام نے ابان کے مرنے کی خبر سنی تو آپ نے فرمایا کہ خدا کی قسم ابان کی موت نے میرے دل کو مغموم کردیا ہے۔[3]

2۔ زرارہ ابن اعین: شیعہ علماء، امام محمد باقر علیہ السلام اور امام جعفر صادق علیہ السلام کے شاگردوں میں سے چھ افراد کو برتر شمار کرتے ہیں

---

[1] بحار الانوار جلد 46 / 361۔362۔
[2] جامع الرواۃ جلد 1 / 9، معجم رجال الحدیث جلد 1 / 147۔
[3] جامع الرواۃ جلد 1 / 9، معجم الرجال الحدیث جلد 1 / 147۔

اورزرارہ ان میں سے ایک ہیں۔ امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ اگر برید ابن معاویہ، ابوبصیر، محمد ابن مسلم اور زرارہ نہ ہوتے تو آثار نبوت مٹ جاتے، یہ لوگ حلال وحرام خدا کے امین ہیں۔ [1] اور پھر فرماتے ہیں: برید، زرارہ، محمد ابن مسلم اور احول، زندگی اور موت میں میرے نزدیک سب سے زیادہ محبوب ہیں۔

3۔ کُمیت اسدی: ایک انقلابی اور بامقصد شاعر تھے ان کی زبان گویا آپ کی شاعری دفاع اہل بیت علیہم السلام کے سلسلہ میں لوگوں کو جھنجوڑنے والی اور (دشمنوں کو) اس طرح ذلیل کرنے والی تھی کہ دربار خلافت کی طرف سے مستقل موت کی دھمکی دی جاتی۔ کُمیت امام محمد باقر علیہ السلام کے شیدائی تھے اور محبت کے اس راستہ میں انہوں نے اپنے کو فراموش کر دیا تھا ایک دن امامؑ کے سامنے امام کی مدح میں کہے جانے والے مناسب اشعار پڑھ رہے تھے کہ امامؑ نے کعبہ کی طرف رخ کیا اور تین بار فرمایا: خدایا کُمیت پر رحمت نازل فرما۔ پھر کُمیت سے فرمایا اپنے خاندان سے میں نے ایک لاکھ درہم تمہارے لئے فراہم کئے ہیں۔

کُمیت نے کہا میں سیم وزر کا طالب نہیں ہوں فقط اپنا ایک پیراہن مجھے عطا فرمائیں۔ امامؑ نے پیراہن ان کو دیدیا۔ [2]

4۔ محمد بن مسلم فقیہ اہل بیت: امام محمد باقر اور امام جعفر صادق علیہما السلام کے سچے دوستوں میں سے تھے آپ کوفہ کے رہنے والے تھے لیکن امام کے علم بیکراں سے استفادہ کرنے کے لئے مدینہ تشریف لائے۔

عبداللہ ابن ابی یعفور بیان کرتے ہیں: میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے عرض کیا کہ کبھی مجھ سے سوالات ہوتے ہیں جن کا جواب میں نہیں جانتا اور آپ تک بھی نہیں پہنچ سکتا۔ آخر میں کیا کروں؟ امامؑ نے محمد ابن مسلم کا نام بتایا اور فرمایا کہ: ان سے کیوں نہیں پوچھتے؟ [3]

کوفہ میں رات کے وقت ایک عورت محمد ابن مسلم کے گھر آئی اور اس نے کہا، میری بہو مرگئی ہے اور اس کے پیٹ میں زندہ بچہ موجود ہے ہم کیا کریں؟

محمد ابن مسلم نے کہا: امام محمد باقر علیہ السلام نے جو فرمایا ہے اس کے مطابق تو پیٹ چاک کر کے بچہ کو نکال لینا چاہئے اور پھر مردہ کو دفن کر دینا چاہئے۔

پھر محمد ابن مسلم نے اس عورت سے پوچھا کہ میرا گھر تم کو کیسے ملا؟ عورت بولی: میں یہ مسئلہ ابوحنیفہ کے پاس لے گئی انہوں نے کہا کہ میں اس بارے میں کچھ نہیں جانتا، لیکن تم محمد ابن مسلم کے پاس جاؤ اور اگر وہ فتوی دیدیں تو مجھے بھی بتا دینا... [4]

شہادت کے بعد مبارزہ

امام محمد باقر علیہ السلام کی رہبری کا 19 سالہ زمانہ نہایت دشوار حالات اور ناہموار راہوں میں گذرا۔ آخر میں آپ کی کم مگر پر برکت عمر کے اختتام کا وقت آیا تو اس شعلہ ور مرکز کے گرم خاکستر سے آپ نے اپنی آخری برق اموی سلطنت کی بنیاد پر گرادی۔

---

[1] جامع الرواۃ جلد1 / 171۔

[2] سفینۃ البحار جلد2 / 496، مناقب ابن شہر آشوب جلد4 / 197۔

[3] جامع الرواۃ2 / 164۔

[4] رجال کشی / 162 چاپ دانشگاہ مشہد۔

امام نے اپنے بیٹے امام جعفر صادق علیہ السلام کو حکم دیا کہ ان کے پیسوں میں سے ایک حصہ (800 درہم) دس سال کی مدت تک عزاداری اور ان پر گریہ کرنے میں صرف کریں۔ عزاداری کی جگہ میدان منیٰ اور عزاداری کا زمانہ حج کا زمانہ ہے۔[1]

حج کا زمانہ دور افتادہ اور نا آشنا دوستوں کی وعدہ گاہ ہے۔ اگر کوئی پیغام ایسا ہو کہ جسے تمام عالم اسلام تک پہنچانا ہو تو اس سے بہتر موقع اور کوئی نہیں ہے۔ حج کے اعمال مسلسل چند دنوں تک متعدد مقامات پر انجام پاتے ہیں اور یہ ظاہر ہے کہ سب سے زیادہ مناسب جگہ منیٰ ہے چونکہ عرفات سے واپسی پر حاجی تین راتوں تک وہاں ٹھہرتے ہیں، اس لئے آشنائی اور ہمدردی کے لئے سب جگہوں سے زیادہ موقع وہیں ملتا ہے۔ اور یہ طبیعی بات ہے کہ اگر ان تین دنوں میں اس بیابان میں ہر سال مجلس عزا برپا ہو تو ہر آدمی کی نظر اس پر پڑے گی اور آہستہ آہستہ لوگ اس سے آشنا ہو جائیں گے اور خود ہی سوال کرنا شروع کر دیں گے کہ کئی برسوں سے مدینہ کے کچھ لوگ۔ وہ مدینہ جو مرکز اسلام اور مرکز صحابہ ہے۔ حج کے زمانہ میں منیٰ میں مجلس عزا برپا کرتے ہیں وہ بھی عالم اسلام کی بلند شخصیت محمد ابن علی ابن الحسین کے لئے تو کیا ان کی موت طبیعی نہ تھی؟ ان کو کس نے قتل کیا یا زہر دیا ہے؟ اور کیوں؟ آخر انہوں نے کیا کہا اور کیا کیا؟ کیا اس کا کوئی سبب تھا اور ان کی کوئی دعوت تھی؟ کیا ان کا وجود خلیفہ کے لئے خطرہ کا باعث تھا؟ دسیوں ابہام اس کے پیچھے دسیوں سوالات اور جستجو والی باتیں اور پھر صاحبان عزا یا اطلاع رکھنے والے ان لوگوں کی طرف سے، جو اس پراگندہ جمعیت میں شریک تھے، جوابات کا ایک سیلاب۔

یہ تھا امام محمد باقر علیہ السلام کا کامیاب نقشہ، شہادت کے بعد جہاد کا نقشہ اور یہ ہے اس پُر برکت زندگی کا وجود جن کی موت اور زندگی خدا کے لئے ہے۔

امام کی شہادت

7 ذی الحجہ 114ھ ق کو 57 برس کی عمر میں ظالم اموی بادشاہ ہشام بن عبدالملک کے ہاتھوں سے حضرت امام محمد باقر علیہ السلام مسموم اور شہید ہوئے۔[2]

شہادت کی رات آپ نے اپنے فرزند حضرت جعفر ابن محمد۔ سے فرمایا کہ میں آج کی رات اس دنیا کو چھوڑ دونگا۔ میں نے ابھی اپنے پدر بزرگوار کو دیکھا ہے کہ وہ خوشگوار شربت کا جام میرے پاس لائے ہیں اور میں نے اس کو پیا اور انہوں نے مجھے سرائے جاوید اور دیدار حق کی بشارت دی۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے اس خداداد علم کے دریائے بیکراں کے تن پاک کو امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام اور امام زین العابدین کے پہلو میں قبرستان بقیع میں سپرد خاک کیا۔[3]

---

[1] بحار الانوار جلد 46/215، 220۔۔عن ابی عبداللہ قال: قال لی ابی: یا جعفر اوقف لی من مالی کذا و کذا النوادب تندبنی عشر سنین بمنی ایام منی۔۔۔

[2] بحار الانوار جلد 46/217۔

[3] بحار الانوار جلد 46/213-215۔

سوالات:

1۔ امام محمد باقر علیہ السلام کس تاریخ کو پیدا ہوئے اور آپ نے اپنے جد حسین بن علی علیہما السلام اور اپنے پدر گرامی قدر امام زین العابدین علیہ السلام کے ساتھ کتنے دنوں تک زندگی بسر کی؟

2۔ امام محمد باقر علیہ السلام کے بارے میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کیا پیشین گوئی تھی؟

3۔ اخلاق امام محمد باقر علیہ السلام میں سے ایک نمونہ بیان فرمائیے

4۔ کن کن اموی خلفاء کے زمانہ میں امامؑ تھے اور امامؑ کے بارے میں انکی عمومی روش کیا تھی؟

5۔ خلافت ہشام کے بارے میں امامؑ کا موقف بیان کیجئے۔

6۔ اسلامی تہذیب وثقافت کے احیاء میں امام محمد باقر علیہ السلام کی کیا خدمات تھیں؟

7۔ اسلامی تہذیب وثقافت کی نشر واشاعت جو خلیفہ کے غیظ وغضب کو بھڑکانے کا اصلی سبب تھی، اس میں امام کی اہم ترین فعالیت کیا تھی؟

8۔ امام محمد باقر علیہ السلام کے مکتب فکر کے تین اصحاب اور شاگردوں کا نام بتائیے

9۔ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کس تاریخ کو اور کیسے شہید ہوئے؟

نواں سبق:

امام جعفر صادق علیہ السلام کی سوانح عمری

ولادت

آسمان ولایت کے چھٹے ستارے حضرت جعفر ابن محمد علیہما السلام 17 ربیع الاول کو اپنے جدّ بزرگوار، رسول خدا کی ولادت کے دن، 86 ھ کو مدینہ میں پیدا ہوئے۔ آپ کی مشہور ترین کنیت ابو عبداللہ اور معروف ترین لقب صادق تھا[1]۔

پدر بزرگوار امام محمد باقر۔ اور مادر گرامی فروہ بنت قاسم ابن محمد بن ابی بکر تھیں۔ جو امام جعفر صادق علیہ السلام کے قول کے مطابق پرہیزگار، باایمان اور نیکوکار خواتین میں سے تھیں[2]۔

آپ کی عمر مبارک 65 سال تھی، 12 سال آپ نے اپنے جد امام زین العابدین علیہ السلام کی آغوش محبت میں اور 9 سال اپنے پدر گرامی امام محمد باقر علیہ السلام کے ساتھ گذارے آپ کی امامت کا زمانہ 34 سال 114ھ ق سے 148ھ تک رہا۔[3]

امام کی پرورش کا ماحول

امام نے اپنی زندگی کا نصف زمانہ اپنے جد بزرگوار اور پدر عالیقدر کی تربیت میں گذارا۔ یہ قیمتی زمانہ آپ کے لئے ایسے بلند مدرسہ اور خاندان وحی سے علم و دانش اور فضیلت و معرفت الٰہی کے کسب کا بہترین موقع تھا۔

امام بچپن ہی سے رنج و مصائب کے ساتھ غمزدہ خاندان میں پل کر بڑے ہوئے۔ امام زین العابدین علیہ السلام کے خاندان جیسا کوئی ہی گھرانہ ملے گا جس نے ایسے مصائب و آلام اور روحانی درد و الم کو دیکھا ہو۔ امام حسین علیہ السلام اور ان کے اصحاب کی شہادت کی جاں گداز یاد، معصوم بچوں اور اہل بیت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اشکوں نے امام سجاد علیہ السلام کے خاندان کے تمام افراد کو ماتم اور دائمی رنج و غم میں مبتلا کر رکھا تھا۔ امام جعفر صادق علیہ السلام نے ایسے گھرانے میں آنکھیں کھولیں۔ اور جیسے جیسے بڑے ہوتے گئے، اپنے زمانہ کے سیاسی و اجتماعی حالات سے آشنا ہوتے گئے۔ اور آپ کی آنکھوں کے سامنے نئے نئے افق کے دروازے کھلتے گئے۔

آپ بہت قریب سے دیکھ رہے تھے کہ آپ کے جد و پدر کے ایک ایک عمل اور آپ کے گھر آنے جانے والے لوگوں کی اموی مشینری نگرانی کر رہی ہے، اور یہ بھی دیکھ رہے تھے کہ آپ کے اصحاب کتنی زحمت اور دشواری کے ساتھ آپ سے ملاقات کر پاتے ہیں۔

دوسری طرف، دادا اور پدر بزرگوار کے پاس تشنگان علوم کے، اگر چہ محدود تعداد میں، آنے جانے سے، مختلف علوم اسلامی اور علمی و فقہی بحثوں کا آپ نے مشاہدہ کیا تھا، اصول امامت کو مستحکم بنانے، احکام کو بیان کرنے، اسلام کی اصلی تہذیب کی نشر و اشاعت اور اہل

---

[1] اعلام الوری/ 266، ارشاد مفید/ 270، مناقب ابن شہر آشوب جلد 4 / 279-280۔

[2] اصول کافی جلد 1 / 472۔ ۔وکانت امی ممن آمنت واتقت واحسنت۔ ۔ بحار جلد 47 / 7۔

[3] بحار جلد 47 / 4 و 6۔

بیت کی روش پر قرآن کی تفسیر کی راہ میں اپنے والد کی کوششوں اور دشواریوں کا آپ نزدیک سے مشاہدہ فرمارہے تھے اور خاندان کے بڑے بیٹے کے عنوان سے ان تمام کاموں میں شریک تھے۔

امام کا اخلاق اور انکی سیرت

امام جعفر صادق علیہ السلام اسلامی اخلاق اور انسانی فضائل کا مکمل نمونہ تھے۔ جیسا کہ آپ نے خود اپنے پیروکاروں سے فرمایا: کونوا دعاۃ الناس بغیر السنتکم [۱] لوگوں کو بغیر زبان کے (اپنے عمل سے) دعوت دو زندگی کے تمام پہلوؤں میں اسلام کی روشنی کا درس پہنچانے کے لئے آپ کی پوری زندگی وقف تھی۔

اب ہم آپ کے اخلاق وسیرت کے چند نمونوں کی طرف اشارہ کریں گے۔ اس امید کے ساتھ کہ آپ کے راستہ پر چلنے والوں اور آپ کے مکتب کی نگہبانی کرنے والوں کے لئے نمونہ قرار پائیں۔

الف۔ حلم وبردباری

حفص بن ابی عائشہ سے روایت ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے اپنے خدمت گذار کو کسی کام کے لئے بھیجا۔ لیکن جب دیر ہوگئی تو آپ خود ہی اس کام کے لئے نکل پڑے۔ غلام کو آپ نے دیکھا کہ ایک گوشہ میں سو رہا ہے آپ اس کے سرہانے بیٹھ کر اس کو پنکھا جھلنے لگے۔ غلام جب بیدار ہوا تو آپ نے اس سے صرف اتنا کہا کہ یہ مناسب نہیں ہے کہ انسان دن میں بھی سوئے اور رات میں بھی، رات تمہارے لئے ہے لیکن دن ہمارے لئے ہے۔ [۲]

ب۔ عفو اور درگذر

امام جعفر صادق علیہ السلام کو کسی نے خبر دی کہ آپ کے فلاں چچازاد بھائی نے لوگوں کے درمیان آپ کو بہت برا بھلا کہا ہے۔ آپ اٹھے، وضو کیا، دو رکعت نماز پڑھی اور نماز کے بعد آپ نے رقت قلب سے فرمایا: خدایا میں نے اپنا حق ادا کر دیا، تیرا جود و کرم سب سے زیادہ ہے تو اس سے درگذر کر اور اس کے اعمال کا مواخذہ نہ کر [۳]

ج۔ حاجت مندوں کی مدد

ابوجعفر خثعمی نقل کرتے ہیں کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے ایک تھیلی جس میں پچاس دینار تھے، ایک شخص کو دینے کے لئے مجھے دی اور آپ نے تاکید کی کہ میرا نام نہ بتانا جب میں نے تھیلی اس آدمی کو دی تو اس نے شکریہ ادا کیا اور کہا: یہ کس کی طرف سے امداد آئی ہے۔ وہ کون شخص ہے جو چند دنوں کے بعد ایک بار یہ امداد میرے پاس بھیج دیتا ہے جس سے ایک سال کا میرا خرچ چل جاتا ہے، لیکن اس کو امام صادق علیہ السلام سے گلہ تھا کہ آپ قدرت رکھتے ہوئے بھی ہماری مدد نہیں کرتے۔ [۴]

---

[۱] بحار جلد 47/ 9؍6۔

[۲] مجلد جلد 47/ 56، مناقب جلد 4/ 274، اعیان الشیعہ جلد 1/ 663۔ الوسائل جلد 11/ 211۔

[۳] مشکاۃ الانوار۔

[۴] بحار الانوار ج 47/ 54۔ مناقب ج 4/ 273۔

د۔امام اورزراعت

ابوعمروشیبانی نقل کرتے ہیں کہ: امام جعفرصادق علیہ السلام کو میں نے دیکھا کہ موٹا اور کھردرا لباس پہنے ہوئے ہیں اور حالت یہ ہے کہ پسینہ بہہ رہا ہے، اور بیلچہ لے کر کھیت میں کام کر رہے ہیں میں نے عرض کی: میں آپ پر قربان ہوجاؤں، بیلچہ مجھے دیدیں تا کہ آپ کی بجائے میں کام کروں آپ نے فرمایا مجھے یہ پسند ہے کہ انسان حصول معاش کے لئے گرمی کی تکلیف برداشت کرے[1]

امام کی شخصیت وعظمت

امام جعفرصادق علیہ السلام کی عظمت اور شخصیت کو نمایاں کرنے کے لئے اتنا کافی ہے کہ آپ کا سخت ترین دشمن، منصوردوانقی جب آپ کی خبرشہادت سے مطلع ہوا تواس نے گریہ کیا اور کہا کیا جعفرابن محمد کی نظیرمل سکتی ہے؟[2]

مالک ابن انس۔جو کہ اہل سنت کے چاراماموں میں سے ایک ہیں۔فرماتے ہیں کہ: جعفرابن محمد کے جیسا نہ کسی آنکھ نے دیکھا اور نہ کسی کان نے سنا اور نہ کسی انسان کے دل میں یہ بات آئی کہ علم وعبادت و پرہیزگاری کے اعتبار سے جعفربن محمد سے برتر بھی کوئی ہوگا۔
[3]

ابن ابی العوجاء۔اس زمانہ کے مادہ پرستوں کا امام امام کی شخصیت کا اعتراف کرتے ہوئے کہتا ہے یہ (امام صادق) بشر سے بالاتر ہیں اگرزمین پرکسی روحانی کا وجود ہوسکتا ہے اور وہ بشر کی صورت میں جلوہ گر ہوتو وہ جعفرابن محمد ہیں۔[4]

امام کا علمی مقام

امام جعفرصادق علیہ السلام کی بلندترین علمی شخصیت اوران کے علوم کا آوازہ اس زمانے کے معاشرہ میں اتنا پھیلا کہ علمی محافل اور فضل ودانش کی مجالس میں نہایت عظمت واحترام کے ساتھ آپ کوصادق آل محمد کے لقب سے یادکیا جانے لگا۔دوست اوردشمن ہرایک نے آپ کےعلمی مقام کی برتری کے بارے میں زبان کھولی۔

ابوحنیفہ۔اہل سنت حنفی مسلک کے امام فرماتے ہیں کہ میں نے جعفرابن محمد سے زیادہ فقیہ کسی کونہیں دیکھا ایک دن منصور کے حکم کے مطابق میں نے چالیس فقہی مسائل تیارکئے تا کہ خلیفہ کے سامنے کسی جلسہ میں آپ سے سوال کروں، سوالات ہوجانے کے بعد امام جعفرصادق علیہ السلام نے ان میں سے ایک ایک سوال کے مواردِاختلاف کے بارے میں ایسا کامل جواب دیا کہ سب نے اعتراف کرلیا کہ اختلاف آراء کے بارے میں آپ سب سے زیادہ علم وآگہی رکھتے ہیں۔[5]

ڈاکٹرعبدالقادرمحمود۔مصری دانشمند اور صاحب قلم، الامام الصادق رائد السنۃ والشعیہ۔نامی کتاب کے مؤلف اپنی کتاب کے مقدمہ میں رقم طراز ہیں امام جعفرصادق علیہ السلام اہل سنت اورشیعہ دونوں کے مرجع ہیں، آپؑ کی عظمت کے لے یہی کافی ہے کہ آپؑ فقہ کے

---

[1] ...انی اُحبّ ان یتاذّی الرجل بحرّ الشمس فی طلب المعیشۃ بحار ج47/ 57

[2] بحار جلد47/ 113---...واین مثل جعفر؟---

[3] الامام الصادق والمذہب الاربعہ جلد1/ 53 منقول ازالتہذیب جلد2/ 104۔مناقب ج4/ 275، بحار47/ 28۔

[4] الامام الصادق والمذاہب الاربعہ جلد1/ 54۔

[5] الامام الصادق والمذاہب الاربعہ جلد1/ 53۔

ائمہ ابوحنیفہ اور مالک اور کیمیا کے ماہر جابر بن حیان کے استاد ہیں، اور ان کا وجود ایک مکتب اور مذہب سے مخصوص نہیں ہے بلکہ سب سے متعلق ہے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام کے ہم عصر زمامداران حکومت

امام جعفر صادق علیہ السلام نے 114ھ ق ہیں امت کی رہبری کی ذمہ داری اپنے ہاتھوں میں لی۔ چند خلفاء بنی امیہ و بنی عباس آپ کے ہم عصر تھے۔خلفاء بنی امیہ میں سے ہشام بن عبدالملک ولید بن یزید، یزید ابن ولید، ابراہیم ابن ولید اور مروان حمار اور خلفاء بنی عباس میں سے ابوالعباس سفّاح اور منصور دوانقی آپ کے ہمعصر تھے۔

بنی امیہ کے جرائم

40ھ ق۔ امیرالمومنین علیہ السلام کی شہادت کے بعد معاویہ کے ہاتھوں میں زمام حکومت آنے سے لے کر۔ 132ھ ق تک۔ جو بنی امیہ کی حکومت کے ختم ہونے کا زمانہ ہے۔ دنیائے اسلام عملی طور پر بنی امیہ کے قبضہ میں تھی۔

تقریباً ایک صدی تک امویوں کی حکومت تاریخ اسلام کے ادوار میں سیاہ ترین حکومت تھی، اس زمانہ میں اسلام اور مسلمان بنی امیہ کے ہاتھوں کا کھلونہ تھے۔مسلمان، خاص کر خاندان نبوت کے پیروشدت، سختی اور گھٹن میں زندگی بسر کررہے تھے۔ امیرالمومنین علی علیہ السلام کیلئے ناروا الفاظ استعمال کرنا بنی امیہ کے منصوبوں میں سرفہرست تھا۔کربلا کا خونین حادثہ اور سیدالشہداء حسین علیہ السلام ابن علی علیہ السلام کی شہادت اس گروہ کے جرائم کا اوج شمار کیا جاتا ہے۔کربلا کے قتل عام کے بعد بھی بہت سے بزرگ شیعہ اور علویوں کو اہل بیت کے طرف دار ہونے کے جرم میں یا توقتل کردیا گیا یا کئی سال تک تاریک اور خوفناک قیدخانوں میں نہایت بری حالت میں رکھا گیا۔

ولید ابن عبدالملک نے حکومت حاصل کر لینے کے بعد اپنی پہلی تقریر میں کہا جو بھی ہمارے سامنے سرکشی کرے گا ہم اس کو قتل کردیں گے اور جو سکوت اختیار کرے گا۔سکوت کا درد اسے مار ڈالے گا۔[1]

بنی امیہ ملحد اور خدا سے غافل تھے انہوں نے ابتداء ہی سے دین اسلام اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دشمنی کررکھی تھی۔ بعد کے واقعات اور بدر واحد وغیرہ کی جنگ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، امیرالمومنین علیہ السلام اور آپ کے خاندان کے بارے میں کینہ میں شدّت کا باعث بنی اور بعد میں جب بھی موقع ملا انتقاماً اسلام اور امت اسلامی کو ختم کرنے میں کسی بھی فریب و جرم کو فروگذاشت نہیں کیا گیا۔

بنی امیہ کی حکومت ختم ہونے کے وجوہات

تاریخ میں خاندان بنی امیہ کے خلاف عراق، ایران، اور شمالی افریقہ کے مسلمانوں کے قیام کے اسباب بہت پھیلے ہوئے ہیں ہم ان وجوہات میں سے صرف ان تین وجوہات کو جو تمام وجوہات سے زیادہ امویوں کے تخت وتاج کو بربادی کے تیز اور تند طوفانوں تک لے گئیں، ذکر کررہے ہیں۔

1۔ ائمہ علیہم السلام کا مسلسل جہاد اور انکی پھیلائی ہوئی روشنی:

اس میں کوئی رشک نہیں کہ ائمہ اور ان کے اصحاب کی پھیلائی ہوئی روشنی اور ان کے مبارزہ خصوصاً واقعہ کربلا نے حکومت بنی امیہ

---

[1] تاریخ طبری 6/ 423، تاریخ کامل 4/ 523۔

کے خلاف نفرت اور شورش پھیلانے میں بڑا اہم کردار ادا کیا۔ نمونہ کے طور پر ملاحظہ ہو: امام جعفر صادق علیہ السلام نے اپنی پوری زندگی۔ منجملہ ان کے ان برسوں میں جب بنی امیہ حکومت کر رہے تھے۔ جہاں تک بنی امیہ کی نگرانیوں اور پابندیوں نے اجازت دی آپ جہاد کرتے رہے اور ظلم وستم کے خلاف جنگ میں مصروف رہے۔

ہشام کی حکومت کے زمانہ میں ایک سال جب امام جعفر صادق علیہ السلام اپنے پدر بزرگوار کے ساتھ حج کو تشریف لے گئے تھے۔ حجاج کے عظیم اجتماع میں آپ نے تقریر کی اور اس تقریر میں اہل بیت علیہم السلام کی امامت ورہبری کے بارے میں فرمایا:

حمد وشکر اس خدا کا جس نے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حق کے ساتھ بھیجا اور ہم کو ان کے ذریعہ کرامت بخشی ہم لوگوں کے درمیان خدا کے منتخب بندے ہیں۔ نجات وہ پائے گا جو ہمارا پیرو ہے اور بدنصیب وتیرہ بخت وہ ہے جو ہم سے دشمنی کرتا ہے کچھ لوگ زبان سے ہماری دوستی کا اظہار کرتے ہیں لیکن دل سے ہمارے دشمن کے دوست ہیں۔ [1]

اس تقریر کی وجہ سے ہشام نے حاکم مدینہ کو حکم دیا کہ ان دونوں بزرگواروں کو شام بھیج دو۔ امام محمد باقر علیہ السلام اور امام جعفر صادق علیہ السلام دمشق پہنچے اور اموی خلیفہ کا برتاؤ دیکھا۔ [2]

2۔ اقتصادی دباؤ:

پیداوار اور درآمد میں اضافہ کے امکانات پیدا کرنے کی بجائے حکومت اموی ٹیکس اور خراج وغیرہ وصول کرنے پر زیادہ زور دیتی تھی۔ بہر حال وہ خلیفہ جس کے ہاتھ میں اقتدار آتا تھا وہ پہلے کی مقدار کو اور بھی بڑھا دیتا تھا۔

انہوں نے تمام کسانوں اور کھیتی کرنے والوں کو مجبور کیا کہ۔ قانونی ٹیکس دینے کے علاوہ۔ ساسانیوں کی طرح نوروز کا ہدیہ کے نام سے کچھ مزید مال ان سے وصول کریں پہلا شخص جس نے اس کو قانونی شکل دی وہ معاویہ تھا اور صرف کوفہ اور اس کے اطراف کا ایک سال کا ہدیہ نوروز ایک کروڑ 30 لاکھ درہم سے زیادہ تھا۔ اسی سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ دوسری جگہوں، جیسے ہرات، خراسان وغیرہ، کا ہدیہ کتنا رہا ہوگا۔ [3]

تمام جگہوں کی اقتصادی طور پر بری حالت تھی خاص کر عراق، جو بنی امیہ کے بڑے بڑے مالداروں کے رہنے کی جگہ اور زرخیز اور پر برکت علاقہ تھا جو زیادہ تر خلیفہ یا حکومت کے سرکردہ افراد کے لئے مخصوص تھا۔ زمامداران حکومت اور ان کے ارد گرد رہنے والوں کی لالچی طبیعت نے وسیع وعریض اسلامی ملک کی عجیب حالت بنا رکھی تھی۔ [4]

عمر بن عبدالعزیز کے زمانہ میں کچھ دباؤ کم ہوا اور مالیات کے مشکلات حل ہوئے لیکن عمر ابن عبدالعزیز کے بعد حالات نے پلٹا کھایا اور پھر وہی صورت حال پیدا ہو گئی اور بحرانی حالت بڑھتی ہی رہی۔

---

[1] دلائل الامامت طبری/104۔

[2] دلائل الامامت طبری/104۔

[3] تاریخ یعقوبی جلد 2/218۔

[4] عراق میں ہشام کا گورنر خالد ابن عبداللہ قسری پر یہ اتہام تھا کہ اس کی سالانہ آمدنی ایک کروڑ تیس لاکھ دینار ہے (البدایہ والنہایہ جلد 9/33) ہشام کی بیوی کے پاس ایسا لباس تھا جس کے تار سونے کے تھے اور اس پر گراں بہا نگینے جڑے ہوئے تھے اور اتنے تھے کہ اس کے بوجھ سے وہ چل نہیں سکتی تھی۔ قیمت لگانے والے اس کی قیمت معین نہ کر سکے جب گورنر اور خلیفہ کی بیوی کی یہ حالت ہے تو پھر خود خلیفہ کی کیا حالت ہوگی (بین الخفاء والخلفائ/28)۔

3۔غیر عرب کونظر انداز کرنا:

بنی امیہ کی حکومت عربیت کی بنیاد پر قائم ہوئی تھی انہوں نے تمام عہدے عربوں کو دے رکھے تھے اور اسلام کے دوسرے گروہ کوموالی[1] کے نام سے پکارتے تھے، نہ صرف یہ کہ ان کوحکومت کے عہدوں سے محروم کررکھا تھا بلکہ ان کوحقارت کی نظر سے دیکھتے تھے۔جو غیر عرب تھا اس کو بصرہ سے نکال دیا گیا تھا۔یہ پناہ گزین اپنے مظاہرہ میں وامحمداہ وااحمداہ کا نعرہ لگاتے تھے اور وہ نہیں جانتے تھے کہ کہاں جا کر پناہ لیں۔[2] کچھ کہتے تھے کہ: تین چیزوں گدھا، کتا اور موالی، سے نماز ٹوٹ جاتی ہے۔

ایک دن معاویہ موالی کی بڑھتی ہوئی تعداد سے غصہ میں آیا اور اس نے ارادہ کیا کہ ان میں سے آدھے کو تہہ تیغ کردے لیکن احنف نے اس اقدام سے اسے روکا۔[3]

جب کوئی عرب نادآدمی سامان خرید کر واپس آتا تھا اور راستہ میں کسی عجمی کو دیکھ لیتا تو وہ اپنے سامان کو زمین پر رکھ دیتا تھا، اب عجمی کا فریضہ تھا کہ وہ اس کو گھر تک پہنچائے۔[4]

ان وجوہات۔اور دوسرے وجوہات۔کی بنا پر حکومت اموی کے خلاف یکے بعد دیگرے شورشیں اور ہنگامے برپا ہوئے اور ہر ایک پر یہ بات روشن ہوگئی کہ سوائے حکمرانی اور تسلط حاصل کرنے کے امویوں کا اور کوئی دوسرا مقصد نہیں ہے۔

اس بغاوت کے دور میں لوگ اس طرح اٹھ کھڑے ہوئے کہ ملک کا کنٹرول ان کے ہاتھوں سے نکل گیا اور مروان حمار۔آخری اموی خلیفہ۔کے زمانہ میں ملک کی حالت ایسی خراب ہوگئی تھی کہ اب دھماکہ ہونے ہی والا تھا۔

دوسری طرف لوگوں نے یہ جان لیا تھا کہ خاندان پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے افراد جو اسلامی معاشرہ میں محبوب ترین لوگ ہیں اور عدالت و تقوی کا نمونہ شمار کئے جاتے تھے۔اور صرف یہی محکم اور قابل اطمینان مرکز ہیں کہ جن کو سامنے لائے بغیر نجات کا کوئی دوسرا راستہ نہیں ہے۔درحقیقت اہل بیت امت اسلامی کا محور اور مرجع تھے جو سب کے جسم میں زندگی کی روح پھونک رہے تھے۔

اسی وجہ سے تمام تحریکیں اور انقلابات رضائے آل محمد کے نعرہ کے ذریعہ ایران، عراق اور شمالی افریقہ میں[5] رشد کی منزل تک پہنچے اور آخرکار نوے (90) سالہ حکومت بنی امیہ کا خاتمہ کردیا۔

امام اور تحریکوں کا رابطہ

انقلاب کے شروع میں تمام آنکھیں امام جعفر صادق علیہ السلام پر لگی ہوئی تھیں اس لئے کہ ان سے زیادہ مناسب کوئی اور نہ تھا جن کو لوگ پہچانتے ہوں، لیکن امام چونکہ لوگوں کی نیتوں اور ان کے ضمیر سے آگاہ تھے اس لئے آپ نے پہلے ہی دن سے موافقت کا اظہار نہیں کیا ہر چند کہ آپ نے اختلاف بھی نہیں کیا۔امام جانتے تھے کہ ہر قیام اگرچہ رضائے آل محمد کے نام پر ہو رہا ہے لیکن اس کا مقصد کچھ اور ہی

---

[1] مولی کی جمع موالی ہے جس کے ایک معنی آزاد شدہ غلام کے ہیں شاید اسی مناسبت سے غیر عرب کو وہ لوگ موالی کہتے تھے۔

[2] السیادۃ العربیہ/56، تاریخ التمدن الاسلامی جلد 1/274، الحیاۃ السیاسیہ لامام الرضا/36۔

[3] العقد الفرید مطبوعہ مصر 1937 جلد 2/270، 219، تاریخ التمدن الاسلامی جلد 1/341، الحیاۃ السیاسیۃ الامام الرضا/26۔

[4] العقد الفرید مطبوعہ مصر 1937 جلد 2/270، 219، تاریخ التمدن الاسلامی جلد 1/341، الحیاۃ السیاسیۃ الامام الرضا/26۔

[5] ضحی الاسلام جلد 1/25، الحیاۃ السیاسیۃ لامام الرضا/27۔

ہے کامیابی کے بعد انقلاب کے رخ کو موڑ کر وہ لوگ اپنے مقاصد کے لئے انجام کو پہنچائیں گے اور اس حقیقت کو امام کے ارشادات سے معلوم کیا جاسکتا ہے۔

1۔عبداللہ ابن حسن نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے خواہش ظاہر کی وہ دعوت میں پیشقدمی کرنے والے سفّاح اور منصور کے ساتھ ہوجائیں آپ نے فرمایا: ان دونوں کی نیت صاف نہیں ہے، تمہارے اور ہمارے نام سے رضائے آل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نعرہ کے سایہ میں انہوں نے ایک تحریک چلا رکھی ہے لیکن نتیجہ کے موقع پر تم کو اور تمہارے دونوں بیٹوں کو پیچھے دھکیل کر اپنے کو لوگوں کے حکمران کی حیثیت سے پہنچوائیں گے۔[1]

2۔سدیر صیرفی کی دعوت میں تعاون کرنے کے جواب میں بھی امام نے فرمایا: میں ان لوگوں میں اخلاص نہیں دیکھ رہا ہوں۔[2]

3۔ابومسلم خراسانی نے، جس نے عباسیوں کو حکومت تک پہنچایا، ایک خط میں امام جعفر صادق علیہ السلام کو لکھا میں لوگوں کو اہل بیت کی دوستی کی طرف دعوت دیتا ہوں کیا آپ اس بات کی طرف مائل ہیں کہ میں آپ کی بیعت کروں؟ امام نے جواب دیا نہ تم ہمارے مکتب کے آدمی ہو اور نہ زمانہ ہمارا زمانہ ہے۔[3]

بنی عباس کا زمانہ

بنی عباس عبدالمطلب ابن عباس پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا کی اولاد سے تھے انہوں نے شروع میں سید الشہداء علیہ السلام کے خون کے انتقام اور خوشنودی آل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور امویوں کے ظلم وستم سے نمٹنے کے نام پر لوگوں کو اپنے اردگرد جمع کیا اور ایرانی، جو اولاد علی علیہ السلام سے محبت کرتے تھے ان سے فائدہ اٹھایا اور انہوں نے بنی امیہ سے جنگ کی تاکہ امویوں سے حکومت لے کر جو اس کا حقدار ہے اس کے حوالے کردیں گے اور انجام کار انہوں نے ابومسلم خراسانی اور ایرانیوں کی مدد سے، جو اُن کے اردگرد جمع تھے بنی امیہ کو درمیان سے نکال باہر کردیا۔ لیکن خلافت کو امام وقت جعفر بن محمد۔ کے حوالہ کرنے کے بجائے خود ہی اس پر قبضہ کرلیا۔[4]

آغاز میں بنی عباس نے اسلام کو ظاہر کر کے اس عنوان سے کہ ہم آل پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں یہ کوشش کی کہ اپنے کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حقیقی وارث اور خلافت کے لئے نہایت موزوں ظاہر کریں۔ اور چونکہ وہ دوسروں کی بہ نسبت یہ بات اچھی طرح جانتے تھے کہ وہ اس منصب کے لائق نہیں ہیں۔ اس لئے محض اقتدار کے ہاتھ میں آتے ہی، سابقہ ظالموں کی طرح انہوں نے بھی اپنی سلطنت کی حفاظت کیلئے امام جعفر صادق علیہ السلام اور ان کے چاہنے والوں پر سختی اور دباؤ ڈالنا شروع کردیا اور ہر ممکن کوشش کی کہ معاشرہ کو خاندان نبوت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دور ہی رکھا جائے تاکہ جس حکومت کو خاندن پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام سے اسلام کا اظہار کر کے حاصل کیا ہے کہیں وہ ہاتھ سے نکل نہ جائے۔

بنی عباس کے پہلے خلیفہ سفاح نے چار سال تک اور دوسرے خلیفہ منصور نے 22 سال تک یعنی امام جعفر صادق علیہ السلام کی شہادت کے دس سال بعد تک اقتدار کو اپنے ہاتھ میں رکھا۔

---

[1] زندگانی پیشوایان اسلام مصنفہ استاد جعفر سبحانی / 74 منقول از اصول کافی۔

[2] الملل والنحل شہرستانی جلد 1 / 154، ینابیع المودۃ / 381۔ الحیاۃ السیاسیۃ لامام الرضا / 41۔

[3] تفصیل کیلئے کتاب الحیاۃ السیاسیۃ للامام الرضا / 63۔ 29 ملاحظہ ہو۔

[4] بحار / 47 / 184۔ ...من ارادالدنیا لا ینصحك ومن ارادالاخر لا یصحبك...

امام نے اس تمام مدت میں خصوصاً منصور کے دور حکومت میں بڑی دشواری اور پریشانی میں زندگی گذاری اگر چہ آپؑ کو حکومت کی سختی اور پابندی کی وجہ سے سچے اسلام کے خدوخال کو دنیا کے سامنے پیش کرنے کا موقع نہیں ملا۔ لیکن مناسب حالات میں حکام وقت پر اعتراض اور ان کو ٹوکنے سے بھی گریز نہیں کیا۔ جب منصور نے ایک خط کے ذریعہ چاہا کہ آپؑ اس کو نصیحت کریں تو آپ نے اس کے جواب میں لکھا جو دنیا کو چاہتا ہے وہ تم کو نصیحت نہیں کرسکتا اور جو آخرت کو چاہتا ہے وہ تمہارا ہم نشین نہیں ہوسکتا۔ [1]

ایک دن منصور کے چہرہ پر ایک مکھی بیٹھ گئی ایسا بار بار ہوتا رہا یہاں تک کہ منصور تنگ آ گیا اور اس نے غصہ میں امام جو وہاں تشریف فرما تھے سے پوچھا کہ خدا نے مکھی کو کیوں پیدا کیا ہے؟ امام نے فرمایا: تاکہ جو جابر ہیں انہیں ذلیل اور رسوا کرے۔ [2]

امام جعفر صادق علیہ السلام نے ہر ممکن صورت میں اپنے بصیرت افروز بیانات میں ولی امر اور اسلام کی باگ ڈور سنبھالنے والوں کے شرائط کو بیان فرمایا اور حکومت بنی عباس کے اصلی چہرہ اور اس کی شکل وصورت کو واضح کر دیا۔

ایک دن آپ کے ایک صحابی نے آپ سے پوچھا کہ آپ کے کچھ پیروکار تنگدستی میں گذر بسر کر رہے ہیں ان کو یہ پیشکش ہوئی ہے کہ ان (بنی عباس) کے لئے گھر بنائیں نہریں کھودیں اور اس طرح اجرت حاصل کریں، یہ کام آپ کی نظر میں کیسا ہے؟ آپ نے فرمایا میں اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ ان کے لئے ایک گرہ بھی ڈالوں یا ایک خط بھی کھینچوں چاہے وہ اس کے لئے کتنے ہی پیسے کیوں نہ دیں اس لئے کہ جو لوگ ظالموں کی مدد کرتے ہیں، قیامت میں آگ کے شعلے ان کو اپنے گھیرے میں لئے رہیں گے یہاں تک کہ خدا بندوں کے درمیان فیصلہ کرے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام کا اصلاحی منصوبہ

بحرانی حالات اور آپس کی رسہ کشی اور مخالفوں سے جنگ، نیز وہ حالات جو امام محمد باقر علیہ السلام نے پہلے سے سازگار کر رکھے تھے یہ سب مل کر اس بات کا سبب بنے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام وہی سچے مظہر امید قرار پائیں جن کا انتظار شیعوں نے مدتوں کیا تھا۔ اور وہی قیام کرنے والا ٹھہریں جو اپنے اسلاف کے طولانی مجاہدات کو نتیجہ تک پہنچائے گا۔ یہاں تک کہ کبھی امام محمد باقر۔ کی صراحت بھی اس آرزو کی پرورش میں موثر رہی ہے۔

جابر ابن یزید نقل کرتے ہیں: کسی نے امام محمد باقر علیہ السلام سے ان کے بعد قیام کرنے والے کا نام پوچھا تو امام نے ابو عبداللہ (امام جعفر صادق علیہ السلام) کے شانہ پر ہاتھ رکھا اور فرمایا: بخدا یہ ہے آل محمد علیہم السلام کا قیام کرنے والا۔ [3]

قیام ائمہ اور شیعوں کے عرف میں وہی مفہوم رکھتا تھا جو مفہوم اس کلمہ سے آج سمجھا جاتا ہے۔ قیام کرنے والا وہ شخص ہے جو مسلط طاقت کے خلاف اور اسلام کی حاکمیت کے لئے اٹھ کھڑا ہو اس مفہوم کا لازمہ جنگی قدرت نمائی نہیں ہے لیکن ہر جہت سے تعرض اور مخالفت کو

---

[1] ۔۔۔۔فقال المنصور یا ابا عبداللہ لم خلق اللہ الذباب؟ قال لیذل بہ الجبابرہ۔۔ مناقب جلد 4 /215۔ الفصول المہمہ /236، کشف الغمہ جلد 2 /158، بحار جلد 37 /166۔

[2] وسائل جلد 12 /129...ما احب انی عقدت لھم عقدۃ اوو کیت لھم و کائر و الا لی ما بین لا بتیھا و لا مدۃ بقلم ان عوان الظلمۃ یوم القیمۃ فی سرارق من نار حتی یحکم اللہ بین الصباد۔

[3] بحار جلد 47 /13، کافی جلد 1 /307، ارشاد مفید/ 271۔ قال مسئل ابو جعفر عن القائم بعدہ فضرب بیدہ علی ابیعبداللہ فقال: ھذا و اللہ قائم آل محمد.....

ضرور ظاہر کرتا ہے۔

اس بناء پر امام جعفر صادق علیہ السلام اپنی ایک اعتراض آمیز اصلاحی تحریک شروع کرتے ہیں لیکن یہ ان کا قیام آخری مرحلہ (یعنی جنگی اقدام) تک، اور آخر میں قدرت حاصل کر لینے تک پہنچے گا یا نہیں؟ یہ وہ باتیں ہیں جن کا یقین آئندہ کے واقعات اور پیشرفت کی کیفیت پر مبنی ہے۔

ان سے پہلے دو امام امام زین العابدین اور امام محمد باقر علیہما السلام۔ اس دشوار راستہ کے پہلے مرحلہ کو سر کر چکے ہیں۔ اب ان کی باری ہے کہ یہ آخری قدم اٹھائیں اور اپنے باپ دادا کی کوشش کو نتیجہ تک پہنچائیں۔ اتفاق سے سیاسی اور اجتماعی حالات بھی۔ جیسا کہ اشارہ کیا جا چکا۔ سازگار تھے۔ امامؑ نے مناسب حالات سے استفادہ کرتے ہوئے بنیادی کام اور اپنی سخت ذمہ داری کو شروع کر دیا تھا۔

ہم اس مقام پر آپ کی 33 سالہ امامت کے پرثمر اور سعی و کوشش سے بھرپور زندگی کے اہم کاموں میں سے دو نمایاں کارناموں کی طرف اشارہ کر رہے ہیں:

1۔ امامت کے مسئلہ کا بیان اور اس کی تبلیغ

2۔ اسلامی تہذیب وثقافت کا بیان اور اس کی نشر واشاعت اور جعفری یونیورسٹی کی داغ بیل ڈالنا۔

الف۔ مسئلہ امامت کا بیان اور اس کی تبلیغ

پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت کے بعد سے ہی ائمہ شیعہ کی تبلیغ میں سرفہرست اہل بیت پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امامت کا اثبات رہا ہے۔ اس موضوع کو امام زادوں کی تحریک میں بھی مشاہدہ کیا جا سکتا ہے جیسا کہ زید ابن علی ابن الحسین علیہ السلام اس کی واضح مثال ہیں۔

امام جعفر صادق علیہ السلام کی تبلیغ بھی اس روش سے باہر نہ تھی۔ آپ نے اس بات کی تبلیغ واشاعت کے وقت اپنے آپ کو ایسے جہاد کے مرحلہ میں پایا جہاں حکام وقت کی نفی کے باوجود اپنے کو ولایت وامامت کے حقیقی حقدار کے عنوان سے لوگوں کے سامنے پہنچوایا جائے۔ حتی کہ آپ نے اس سلسلہ میں اسی پر بس نہیں کیا بلکہ آپ اپنے نام کے ساتھ ائمہ اور اپنے اسلاف کا نام بھی بتاتے ہیں اور اس بیان کے ساتھ اپنی امامت کو اپنے اسلاف کی امامت پر مرتب ہونے والا لازمی نتیجہ شمار کرتے ہیں اور یہ بتانے کے لئے کہ ہم وہ نہیں ہیں جنکی کوئی اصل نہ ہو، اپنے سلسلہ کو پیغمبر سے متصل کرتے ہیں۔

اس تاریخی حقیقت کو ثابت کرنے کیلئے بہت سی روایتیں موجود ہیں۔ نمونہ کے طور پر عمرو ابن ابی المقدام کی روایت، جو شاید اس باب میں ذکر ہونے والی روایتوں میں، بہترین روایت سے اسے پیش کرتے ہیں۔

وہ نقل کرتے ہیں کہ: امام جعفر صادق علیہ السلام کو ہم نے دیکھا کہ 9 ذی الحجہ (روز عرفہ) صحرائے عرفات میں لوگوں کے درمیان کھڑے ہیں اور بلند آواز سے (اس پیغام کو) آپ نے تین مرتبہ دہرایا:

ایها الناس انّ رسول الله کان الامام، ثم کان علیّ بن ابی طالب ثم الحسن، ثم الحسین، ثم علی بن الحسین، ثم محمد بن علی، ثم ھه... [1]

[1] راوی بیان کرتا ہے کہ میں جب منیٰ میں آیا تو میں نے اہل لغت اور عربی جاننے والوں سے ۔۔ھه۔۔کے بارے میں سوال کیا تو لوگوں نے کہا ۔۔ھه۔ فلاں قبیلہ کی زبان ہے اور اس کے معنی اسی طرح سے ہیں۔۔انا فاسئلونی۔ یعنی مجھ سے سوال کرو۔

یعنی اے لوگو (مسلمانوں کے) پیشوا پیغمبر ﷺ تھے ان کے بعد علی ابن ابی طالب اور ان کے بعد (ان کے بیٹے) حسن اور ان کے بعد حسین، حسین کے بعد علی ابن الحسین پھر محمد ابن علی اور ان کے بعد میں امام ہوں، لہٰذا جو سوال پوچھنا ہو پوچھو۔

امام نے چہرہ کو داہنی طرف موڑا اور تین مرتبہ اسی پیغام کو پیش کیا پھر بائیں طرف آپ نے رخ کیا اور تین بار اسی کی تکرار کرتے رہے۔ پھر پیچھے مڑے اور پھر اسی آواز کو بلند کیا اور وہی پیغام دہراتے رہے [1] اس طرح آپ نے بارہ مرتبہ اپنی بات بیان کی اور امامت کے پیغام کو بلند آواز سے میدان عرفات میں جمع ہونے والے ان تمام لوگوں کے کانوں تک پہنچایا جو مسلم علاقوں سے آئے ہوئے تھے۔ تا کہ اس طرح تمام دنیائے اسلام میں یہ پیغام پھیل جائے۔

ب۔ اسلامی ثقافت کی نشر و اشاعت

دینی تہذیب اور اسلامی ثقافت کو اس وقت بہت فروغ ملا اور تیزی سے اس کی جڑیں چاروں طرف پھیل گئیں۔ ائمہ کی زندگی میں اس کی جو شکل تھی اس سے زیادہ واضح، نمایاں اور وسیع صورت میں اس کو دیکھا جا سکتا ہے۔ یہاں تک کہ فقہ شیعہ نے فقہ جعفری کا نام اختیار کیا اور جنہوں نے امام کے سیاسی کام کو نظر انداز کیا ہے وہ بھی اس بات پر متفق ہیں کہ آپ کے پاس وسیع ترین علمی اور فکری وسائل تعلیم موجود تھے۔

آپ کی علمی تحریک اس قدر پھیلی کہ اس نے تمام اسلامی علاقوں کو اپنے حلقہ میں لے لیا، لوگ ان کے علم کا چرچا کرنے لگے اور تمام شہروں میں ان کی شہرت ہوگئی۔ [2]

آپ ایک بہت بڑی اسلامی یونیورسٹی۔ جسکی داغ بیل آپ کے پدر بزرگوار نے ڈالی تھی۔ تشکیل دینے، اس میں چار ہزار افراد کو مختلف علوم میں تربیت کرنے [3] اور ایسی اہم شخصیتوں کو عالم اسلام کے حوالہ کرنے میں کامیاب ہو گئے جو اپنے زمانہ کے روشن چراغ اور محققین وقت گذرے ہیں۔

آپ کے کارنامے محض تفسیر، حدیث اور فقہ میں منحصر نہیں تھے بلکہ آپ فلسفہ، کلام، ریاضیات اور علم کیمیا میں بھی باب علم کھولنے میں کامیاب رہے، ہشام بن حکم، مفضل بن عمر، مومن طاق، ہشام ابن سالم فلسفہ و کلام میں آپ کے ممتاز شاگرد تھے۔ زرارہ، محمد ابن مسلم، جمیل ابن درّاج، حمران ابن اعین، ابو بصیر اور عبد اللہ ابن سنان فقہ، اصول اور تفسیر میں ماہر تھے، جابر ابن حیان ریاضیات اور کیمیا میں، جابر جو۔ بابائے کیمیا کہے جاتے ہیں۔ وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے علم کیمیا حاصل کیا اور اس سلسلہ میں کتاب لکھی، لیبارٹری قائم کی اور قابل قدر تحقیقات چھوڑیں۔ [4]

جو بات یہاں بیان کی جانی چاہئے۔ جو کہ امام جعفر صادق علیہ السلام کی زندگی کے بارے میں جستجو کرنے والے بہت سے لوگوں سے پوشیدہ رہ گئی ہے۔ وہ آپ کی سیاسی اور اعتراض آمیز تحریک ہے۔

---

[1] بحار ج 47/ 58 منقول از کافی۔

[2] الصواعق المحرقۃ/ 120۔

[3] مناقب ابن شہر آشوب جلد 4/ 247، ارشاد مفید/ 271، بحار جلد 47/ 27۔

[4] ر ک۔ مطرح الانظار شرح حال جابر اور تاریخ ابن خلکان ترجمہ امام صادق۔

مقدمہ کے طور پر یہ بات جان لینی چاہئے کہ خلافت اسلامی فقط ایک سیاسی مشینری نہیں ہے بلکہ خلافت ایک سیاسی اور مذہبی قیادت کا نام ہےاوراسلام میں خلیفہ سیاست کے علاوہ لوگوں کے دینی اموراور مذہبی پیشوائی کا بھی ذمہ دار ہے۔

یہ حقیقت اس بات کا سبب بنی کہ خلافت کی پہلی کڑی سے لے کر بعد تک کے حکمرانوں کو چونکہ دینی واقفیت کا بہت کم حصّہ ملا تھا یا کلی طور پر دین سے بے بہرہ تھےاس لئے اس کمی کواپنے سے وابستہ رہنے والی دینی شخصیتوں کے ذریعہ پورا کرتے رہےاوراپنے حکومت سے کرایہ کے فقہاء، مفسرین اورمحدثین کوملحق کر کے یہ چاہا کہ دین وسیاست مرکب ہوجائیں اورضرورت کے موقع پراپنے منشاء کے مطابق آسانی سے۔ان لوگوں کے ذریعہ۔احکام دین کومصلحت کے تقاضہ کے مطابق بدل دیں۔

اس مقدمہ کے بعد بڑی وضاحت کے ساتھ یہ بات سمجھی جاسکتی ہے کہ فقہ جعفری خلافت سے وابستہ فقیہوں کے مقابل محض ایک دینی عقیدہ کامعمولی اختلاف نہ تھا۔بلکہ مندرجہ ذیل دومعترضانہ مضامین کا حامل تھا۔

1۔حکومت کی دینی آگہی سے ناواقفیت، اورلوگوں کے فکری امور کی ذمہ داری لینے کے بارے میں کمزوری کا اظہاراور نتیجتاً اس بات کوثابت کرنا کہ حکومت میں خلافت کے عہدہ کی ذمہ داری قبول کرنے کی صلاحیت نہیں ہے۔

2۔احکام فقہی کے بیان میں مصلحت اندیشی کے بنا پرجن مقامات پرتحریف ہوئی ہےان موارد کی نشان دہی کرنااورفقیہوں کی حکومت کرنے والی طاقت کی خواہشوں کی پیروی کوطشت ازبام کرنا۔

امام جعفرصادق علیہ السلام فقہ، معارف اسلامی اورتفسیر قرآن کوحکومت سے وابستہ علماء کے طریقہ کے خلاف ایک الگ طریقہ سے بیان کر کے عملی طور پراس مشینری کے خلاف جہاد کے لئے اٹھےاورحکومت کی مذہبی نقاب کو پلٹ دیا۔

امام کوان کی تدریسی اورفقہی کارکردگی پرمنصور کی طرف سے دھمکی اوردباؤ کا سامنا کرنا نیز حجاز وعراق کے معروف فقہاء کوحکومت کے دارالحکومت میں پلٹ آنے پرمنصور کا اصراراسی احساس اورتوجہ کا نتیجہ تھا۔

امام جعفرصادق علیہ السلام ضروری حالات میں اسی تنقیدی مضمون کوجوان کے فقہ اورتفسیر کے درس میں تھا،لوگوں کے درمیان رکھتے تھےایک حدیث میں آپ سے منقول ہے کہ ہم ہی وہ ہیں کہ جن کی فرماں برداری کواللہ نے واجب قرار دیا ہے جبکہ تم ان لوگوں کی پیروی کرتے ہوکہ جن کی جہالت کی بنا پرلوگ اللہ کے سامنے کوئی عذرپیش نہیں کر سکتے۔[1]

خلاصہ یہ کہ امامؑ نے اپنی علمی تحریک اوراپنی حقیقی خلافت کے ذریعے سے امواج فاسد کی رائج دین شناسی سے اپنی معترضانہ روش کے ساتھ کہ،جن کواموی اورعباسی حکومت کے سیاسی حالات نے پیدا کر دیا تھا، مذہبی اورقومی کشمکش کومذکورہ بالا دوحصوں میں اوربھی شدیدکردیااورمبارزہ کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے۔

اورغالیوں، زندیقوں، مرجئہ، خوارج، صوفیہ اورمختلف گروہوں اوردستوں کے انحرافی راستوں کو، اپنے مباحثہ اورمناظرہ کے ذریعہ امت اسلامی کے لئےطشت ازبام کردیا[2]۔ان گروہوں نے انحراف پھیلانے کے لئے سازگارحالات بنالئے تھے۔

---

[1] نحن قومٌ فرض اللہ طاعتنا و انتم تاتمّون بمن لا یعذر الناس بجھالتہ کافی ج1 /186۔

[2] امام محمد باقراورامام صادق علیہما السلام کی زندگی کی تاریخ کی تنظیم اورتدوین میں کتاب۔۔پیشوای صادق۔۔مصنفہ استاداورامام شناس محقق، رہبر جمہوری اسلامی حضرت آیت اللہ سیدعلی خامنہ ای سے دوسری کتابوں کی بہ نسبت زیادہ استفادہ کیا گیا ہے۔

شہادت امام جعفر صادق علیہ السلام

منصور، بنی عباسی کا ظالم خلیفہ باوجود اس کے کہ اس نے امامؑ کو اپنی نگرانی اور نہایت محدود ماحول میں رکھا تھا، آپ پر اپنے جاسوس مقرر کردیئے تھے، پھر بھی آپ کے اس وجود کو معاشرہ میں برداشت نہ کرسکا جس کی امامت اور رہبری کا آوازہ دور دراز کے اسلامی علاقوں میں پھیل چکا تھا۔ اس نے آپ کو زہر دینے کا ارادہ کرلیا۔

امام جعفر صادق علیہ السلام 25 شوال 148ھ کو 65 سال کی عمر میں منصور کے ذریعہ زہر سے شہید ہوئے آپ کے جسم اقدس کو آپ کے پدر گرامی کے پہلو میں بقیع میں سپرد خاک کردیا۔[۱]

جعفری یونیورسٹی کے تربیت یافتہ افراد

امام جعفر صادق علیہ السلام کی بڑی درس گاہ میں بہت سے ایسے شاگردوں نے پرورش پائی جنھوں نے مختلف مضامین میں علوم و معارف اسلام کو حاصل کرکے دوسروں تک منتقل کیا[۲]۔ ہم ان کے بلند مقام اور بزرگی کو ظاہر کرنے کے لئے ان شاگردوں میں سے جنھوں نے اس درس گاہ میں تربیت پائی تھی چند نامور شاگردوں کا اختصار سے تعارف کرائیں گے۔[۳]

حمران بن اعیُن

اعین کا خاندان عام طور پر ائمہ کا پیرو تھا، حمران اور ان کے بھائی زرارہ دونوں شیعوں کی نمایاں شخصیتوں میں سے شمار ہوتے تھے اور اپنے زمانہ کے دانش مند و بافضیلت افراد تھے۔ امام محمد باقر اور امام جعفر (علیہما السلام) صادق کے بزرگ صحابہ میں شمار کئے جاتے تھے۔

حمران کی معنوی بزرگی اور ممتاز مقام کے حامل ہونے کے علاوہ علوم قرآن اور دیگر علوم منجملہ علم نحو، لغت، ادبیات عرب میں بھی صاحب نظر تھے ان کے نظریات سے ان کے بعد آنیوالے دانش مند استناد کرتے رہے۔[۴]

امام جعفر صادق علیہ السلام نے ان کے بارے میں فرمایا حمران بن اعین ایک ایسے باایمان شخص ہیں جو ہرگز اپنے دین سے پلٹنے والے نہیں ہیں، نیز آپ نے فرمایا حمران اہل بہشت سے ہیں۔[۵]

ہشام ابن سالم نقل کرتے ہیں کہ ایک دن ایک جماعت کے ساتھ میں امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر تھا۔ اہل شام میں سے ایک شخص وہاں وارد ہوا... امامؑ نے اس سے پوچھا کیا چاہتے ہو؟ اس نے کہا... میں آپ سے مناظرہ کے لئے آیا ہوں۔ آپ نے فرمایا کس چیز کے بارے میں مناظرہ کرنا چاہتے ہو؟ اس نے کہا: کہ قرآن کے بارے میں، امام نے اس کو حمران سے رجوع کرنے کے

---

[۱] کافی جلد 1/ 472، بحار جلد 47/ 1۔ اعلام الوری/ 266، مناقب جلد 4/ 280۔ ارشاد مفید/ 271۔

[۲] امام جعفر صادق علیہ السلام کی زندگی کے بارے میں ایک حصہ یہاں، چونکہ اس حصہ کا حجم دوسرے حصوں سے زیادہ ہوگیا لہٰذا اسے آخر میں رکھا گیا ہے۔

[۳] یہ بتادینا ضروری ہے کہ۔۔۔ امام محمد باقر علیہ السلام۔۔۔ کی زندگی والے حصہ میں بھی امام جعفر صادق اور امام محمد علیہما السلام کے شاگردوں میں سے چند افراد کا اجمالی تذکرہ ہوا ہے۔

[۴] قاموس الرجال جلد 3/ 413۔

[۵] رجال کشی/ 176، 180۔

لئے کہا، اس نے کہا کہ میں آپ سے مناظرہ کرنے آیا ہوں نہ کہ حمران سے آپ نے فرمایا: اگر تم نے حمران کو شکست دیدی تو گویا تم نے مجھ پر کامیابی حاصل کرلی۔

وہ شامی حمران کے ساتھ بحث کرنے لگا اس نے جو بھی پوچھا بڑا مستند جواب ملا یہاں تک کہ وہ تھک گیا، امامؑ نے اس سے پوچھا تم نے حمران کو کیسا پایا؟ اس نے کہا وہ ایک ماہر استاد ہیں میں نے جو پوچھا انہوں نے اس کا جواب دیا۔[۱]

مفضل ابن عمر

مفضل امام جعفر صادق علیہ السلام کے ایک بزرگ صحابی تھے اور ایک مشہور فقیہ شمار کئے جاتے تھے جو امامؑ کے بعض امور کے ذمہ دار تھے۔[۲]

شیعوں کا ایک وفد مدینہ میں آیا اور اس نے امامؑ سے خواہش ظاہر کی کہ کسی ایسے شخص کا ان سے تعارف کرا دیں کہ جس سے۔ دینی امور میں۔ ضرورت کے وقت رجوع کیا جا سکے امام نے فرمایا جس کسی کا کوئی سوال ہو وہ آئے اور مجھ سے دریافت کرلے ان لوگوں نے اصرار کیا کہ آپ ضرور کسی کا تعارف کرائیں۔ امامؑ نے فرمایا مفضل کو میں نے تمہارے لئے معین کیا وہ جو کہیں قبول کرلو اس لئے کہ وہ حق کے سوا کچھ نہیں کہتے۔[۳]

امام جعفر صادق علیہ السلام نے چند نشستوں میں توحید کے سلسلہ میں جناب مفضل کو خاص درس دیئے جن کا مجموعہ کتابی شکل میں توحید مفضل کے نام سے مشہور ہے یہ دروس مفضل پر امام کی مخصوص عنایت اور امامؑ کے نزدیک ان کے علو مرتبت و مقام پر شاہد ہیں۔

جابر بن یزید جعفی

جابر کوفہ کے رہنے والے تھے لیکن امامؑ سے استفادہ کرنے کی غرض سے مدینہ پہنچے اور آپکے مکتب پر فیض سے استفادہ کرنے کے بعد علمی اور معنوی بلندی پر فائز ہوئے اور آپ کے نمایاں اصحاب میں شامل ہو گئے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام سے سوال ہوا کہ آپ کے نزدیک جابر کا کیا مقام ہے؟ امامؑ نے فرمایا: جابر میرے نزدیک اسی طرح ہیں جس طرح سلمان پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نزدیک تھے۔[۴]

آپ عقائد تشیّع کے کھلّم دفاع کی وجہ سے ہمیشہ مخالفین کی تنقید کا شکار رہے اور چونکہ آپ نے کچھ حقائق کے بیان کے لئے ماحول کو ناسازگار دیکھا تو ان بہت سی حدیثوں کو بیان کرنے سے گریز کیا جو آپ نے امام محمد باقر اور امام جعفر صادق (علیہما السلام) سے سن رکھی تھیں۔ آپ فرماتے تھے کہ پچاس ہزار حدیثیں میرے سینہ میں ہیں جن میں سے ابھی تک میں نے ایک حدیث بھی بیان نہیں کی۔[۵]

---

[۱] رجال کشی/276۔

[۲] جامع الرواۃ جلد2/ 258۔

[۳] رجال کشی/327، قاموس الرجال جلد3/ 416۔۔اسمعوا منہ وَاقبلُوا عنہ فانّہ لایقولُ علیَ اللہ وعلیّ الا الحق۔۔۔

[۴] قاموس الرجال جلد3/ 335۔

[۵] صحیح مسلم جلد1/ 102 لیکن رجل کشی ص194 پر جابر کے قول کے مطابق ان احادیث کی تعداد70 ستر ہزار نقل ہوئی ہے۔

سوالات

1۔امام جعفر صادق علیہ السلام کس تاریخ کو پیدا ہوئے اور آپ نے کیسے ماحول میں پرورش پائی ؟
2۔امام کے اخلاق وکردار کے دونمونے پیش کیجئے۔
3۔امام جعفر صادق علیہ السلام کی علمی عظمت ومنزلت کے بارے میں دو اہم شخصیتوں کے نظریات پیش کیجئے۔
4۔امام جعفر صادق علیہ السلام بنی امیہ اور بنی عباس کے کون کون سے بادشاہوں کے ہم عصر تھے؟
5۔اموی حکومت کے زوال کا سبب بیان کیجئے۔
6۔امام نے شورش کرنے والوں کی موافقت کیوں نہیں کی؟
7۔اہل بیت اور علویوں کے ساتھ بنی عباس کا سلوک کیسا تھا اور امام جعفر صادق علیہ السلام نے ان کے مقابلہ میں کونسا رویہ اختیار کیا؟
8۔امام جعفر صادق علیہ السلام نے اپنے اصلاحی منصوبوں میں کن مسائل کو ترجیح دی ؟
9۔خلافت کی مشینری کے مقابل امام کی سیاسی تنقید آمیز علمی تحریک کے پہلو کو واضح کیجئے۔
10۔امام جعفر صادق علیہ السلام کس تاریخ کو کس شخص کے ذریعہ اور کس طرح شہید ہوئے؟

دسواں سبق:

امام موسی بن جعفر علیہ السلام کی سوانح عمری

ولادت

ساتویں امام حضرت موسی بن جعفر علیہ السلام 7 صفر[1] 128ھ ق کو مقام ابواء[1] میں پیدا ہوئے۔[2] آپ کے والد بزرگوار حضرت امام جعفر علیہ السلام ابن محمد علیہ السلام تھے اور مادر گرامی حمیدہ بربریہ تھیں ان کا تعلق ایک بافضیلت غیر عرب بزرگ خاندان سے تھا۔ آپ کی والدہ خاندانی اصل اور فضائل انسانی سے مالا مال تھیں امام جعفر صادق علیہ السلام نے ان کے بارے میں فرمایا: حمیدہ خالص سونے کی طرح پلیدگی سے پاک ہیں... ہمارے اور ہمارے بعد والے امامؑ پر یہ خدا کا لطف ہے کہ ان کے قدموں کو اس نے ہمارے گھر تک پہنچایا۔[3]

امام جعفر صادق علیہ السلام کے گھر اور ان کے علوم سے استفادہ کرنے کے بعد وہ اس منزل پر پہنچ گئیں کہ امامؑ نے حکم دیا کہ مسلمان عورتیں دینی مسائل حاصل کرنے کے لئے ان کے پاس آئیں۔[4]

امام جعفر صادق علیہ السلام نے اپنے بیٹے کی ولادت کی خبر معلوم ہونے کے بعد فرمایا: میرے بعد امامؑ اور خداوند کی بہترین مخلوق نے ولادت پائی...[5]

اس نومولود کے لئے جس نام کا انتخاب کیا گیا وہ موسی تھا اس زمانہ تک خاندان نبوت میں یہ نام نہیں رکھا گیا تھا۔ یہ نام موسی بن عمران علیہ السلام کی کوششوں اور بت شکنی کی یاد دلانے والا نام تھا۔

آپ کے مشہور القاب میں کاظم، عبد صالح، باب الحوائج اور آپ کی سب سے مشہور کنیت ابوالحسن اور ابوابراہیم ہے۔[6]

باپ کی خدمت میں

امام موسی کاظم علیہ السلام نے بچپن ہی سے باپ کی نگرانی، اور خاص تربیت کے تحت اور مہربان ماں کی نوازشوں کے سایہ میں مراحل کمال و رشد طے کئے۔ اپنی زندگی کے بیس سال آپ نے اپنے پدر عالیقدر کی با فیض خدمت اور حیات کی تعمیر کرنے والے مکتب فکر میں گذارے اور اس تمام مدت میں تمام جگہوں پر اپنے والد بزرگوار کے بلند اور بیش قیمت کاموں سے الہام لیتے اور ان کے علم و دانش سے بہرہ ور ہوتے رہے۔ بہت کم مدت میں اس درس گاہ میں جسکی بنیاد آپؑ کے والد کے ہاتھوں رکھی گئی تھی، آپؑ نے ایسا بلند مقام پالیا کہ اس عظیم جعفری یونیورسٹی کی توسیع اور تکمیل میں اپنے والد کی مدد کرنے لگے۔

---

[1] ابواء مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک جگہ کا نام ہے۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسلام کی والدہ گرامی جناب آمنہ بنت وہب کی قبر اسی جگہ ہے۔

[2] بحار الانوار جلد 48/ 1۔ مناقب جلد 4/ 323۔

[3] بحار جلد 48/ 6، کافی جلد 1/ 398۔

[4] انوار البھیۃ/ 163۔

[5] بحار جلد 48/ 3۔

[6] بحار جلد 48/ 11۔

اخلاقی فضائل

جناب موسی ابن جعفر علیہ السلام نے نہ صرف یہ کہ علمی اعتبار سے اپنے زمانہ کے تمام دانش مندوں اور علمی شخصیتوں کو تحت الشعاع قرار دے دیا بلکہ اخلاقی فضائل اور نمایاں اور امتیازی صفات کی بنا پر ہر شخص کی زبان پر آپکا نام تھا۔تمام وہ افراد جو آپ کی پر افتخار زندگی سے واقفیت رکھتے ہیں آپ کی اخلاقی عظمت اور ممتاز فضیلت کے سامنے سر تسلیم خم کرتے ہیں۔

ابن حجر عسقلانی۔اہل سنت کے ایک بہت بڑے دانش منداور محدث۔لکھتے ہیں کہ موسی کاظم علیہ السلام اپنے باپ کے علوم کے وارث اور صاحب فضل وکمال تھے آپ نے جب بہت زیادہ بردباری اور درگذر (جو سلوک آپ نادان لوگوں کے ساتھ کرتے تھے) کا اظہار کیا تو کاظم کا لقب ملا۔آپ کے زمانہ میں معارف علمی اور علم وسخاوت میں کوئی بھی شخص آپ کے پایہ کو نہیں پہنچ سکا۔[1]

امامت حضرت موسی ابن جعفر علیہ السلام

امام جعفر صادق علیہ السلام کے اصحاب میں سے کچھ لوگ آپ کے بڑے بیٹے اسماعیل کو خاندان کا چشم و چراغ شمار کئے جانے کی بنا پر آئندہ کیلئے اپنا پیشوا اور امام سمجھتے تھے لیکن جوانی ہی میں اسمعیل کی موت نے انتظار کرنے والوں کو ناامید کر دیا چھٹے امام نے بھی انکی موت کی خبر کا اعلان کیا یہاں تک کہ بزرگان قوم کو ان کا جنازہ بھی دکھایا تا کہ (انکی امامت والے) عقیدہ کو اپنے دل سے نکال دیں۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے اسماعیل کی موت کے بعد عباسی حکومت کے دباؤ کے باوجود مناسب موقع پر مختلف انداز سے اپنے بعد ہونے والے امام،موسی ابن جعفر علیہ السلام کی طرف اپنے اصحاب کی رہنمائی فرمائی ان کے دو نمونے پیش کئے جارہے ہیں۔

1۔علی ابن جعفر نقل کرتے ہیں کہ میرے والد امام جعفر صادق علیہ السلام نے اپنے اصحاب کی ایک جماعت سے کہا میرے بیٹے موسی کے بارے میں میری وصیت قبول کرو اس لئے کہ وہ میرے تمام بیٹوں اور ان لوگوں سے جو میرے بعد میری یادگار رہ جائیں گے،برتر ہیں اور میرے بعد میرے جانشین اور خدا کے تمام بندوں پر اس کی حجت ہیں۔[2]

2۔منصور بن حازم نقل کرتے ہیں کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے عرض کیا کہ:اگر آپ کو کوئی حادثہ پیش آجائے تو ہمارا امام کون ہوگا؟امام نے اپنے بیٹے موسی کے داہنے شانہ پر ہاتھ رکھ کر فرمایا:اگر مجھ کو کوئی حادثہ پیش آجائے تو میرا یہ بیٹا تمہارا امام ہوگا۔[3]

امامت کا زمانہ

موسی بن جعفر علیہ السلام نے اپنے والد کی رحلت کے بعد 148ھ ق میں 20 سال کی عمر میں اسلامی معاشرہ کی قیادت کی ذمہ داری سنبھالی۔آپ اپنے امامت کے زمانہ میں جو 25 سال کی طویل مدت پر محیط ہے۔اپنے عہد کے خلفاء منصور دوانقی،مہدی،ہادی اور ہارون الرشید کے معاصر رہے۔

امام موسی کاظم علیہ السلام کے جہاد کی شکل اور روش،اس روش کے سلسلہ کی اگلی کڑی تھی جو امام جعفر صادق علیہ السلام نے معاشرہ کے حالات سے روبرو ہونے اور مخالفین کی محاذ آرائی پر اختیار کی تھی۔

---

[1] الصواعق المحرقۃ/203۔

[2] بحار جلد 48/21۔

[3] اعلام الوری/291،ارشاد مفید/290،بحار جلد 48/20۔

اس زمانہ کے اسلامی معاشرہ پر حکومت کرنے والے حالات کے تجزیہ کی بنیاد پر امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے جہاد کے اصلی محور کو مورد تحقیق قرار دیں گے۔

الف۔ امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی علمی تحریک کی تحقیق

اپنے والد بزرگوار کی رحلت کے بعد امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے اس عظیم درسگاہ کی علمی اور فکری رہبری کو اپنے ذمہ لیا جس کی بنیاد مدینہ میں پڑ چکی تھی اور آپ نے بہت سے محدثین، مفسرین، فقہاء متکلمین اور تمام اسلامی دانشمندوں کی اپنے تربیتی مکتب فکر میں پرورش کی اور وسیع فقہ اسلامی کو اپنے جدید خیالات و نظریات سے غنی اور مالا مال کر دیا۔

منصور کی جابرانہ حکومت اور سیاسی حالات کے تقاضا کے تحت امامؑ نے پہلے مرحلہ میں اپنے جہاد کو معارف کی نشر و اشاعت اور باطل عقائد کی روک تھام کی صورت میں نبھایا۔ مندرجہ ذیل واقعہ اس کے جبر کے اس گوشہ کو بیان کرتا ہے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام کو جب منصور دوانقی نے زہر دے دیا تو اس کے بعد اس نے امکانی مخالفین کو راستہ سے ہٹانے کا یہ مناسب موقع سمجھا۔ اس وجہ سے اس نے مدینہ کے حاکم محمد بن سلیمان کو لکھا کہ اگر جعفر بن محمد نے کسی کو اپنا جانشین مقرر کیا ہو تو اس کو حاضر کرو اور اسکی گردن اڑا دو[1]

حاکم مدینہ نے جواباً لکھا جعفر ابن محمد نے وصیت نامہ میں پانچ آدمیوں کو اپنا وصی اور جانشین قرار دیا ہے ان کے نام ہیں:

1۔ منصور دوانقی　　　　2۔ محمد ابن سلیمان (حاکم مدینہ)

3۔ عبداللہ بن جعفر (امام جعفر صادق کے بڑے بیٹے)　　　　4۔ موسیٰ ابن جعفر

5۔ حمیدہ امام کی بیوی اور خط کے آخر میں حاکم مدینہ نے خلیفہ سے پوچھا کہ ان میں سے کس کی گردن اڑا دوں؟

منصور کے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہیں تھی کہ ایسے حالات سے دوچار ہونا پڑے گا اس کو بہت غصہ آیا اور کہا: ان میں سے تو کسی کو بھی قتل کیا نہیں جا سکتا۔[2] امام جعفر صادق علیہ السلام نے ایسا سیاسی وصیت نامہ لکھ کر امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کو قتل سے بچا لیا۔ اس کے علاوہ دوسری کسی بھی صورت میں امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کا قتل یقینی تھا۔

امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی علمی اور ثقافتی کوششوں میں سے دو اہم مندرجہ ذیل ہیں:

1۔ ایسی علمی اور فکری آمادگی کا ہونا کہ جس سے مختلف فکری اور اجتماعی مکاتب سے مقابلہ ہو سکے ان مکاتب فکر میں سب سے زیادہ خطرناک الحادی شعوبیہ[3] مکتب فکر تھا جو اسلام کی بنیاد کو چیلنج کر رہا تھا۔

ایک مذہبی پیشہ ہونے کے ناطے ان عقیدتی خطرات اور آفتوں کے مقابلہ میں امامؑ کا کردار یہ تھا کہ مضبوط دلائل کے ساتھ اصولی راستوں کی رہنمائی کر کے ان افکار کے سامنے دیوار بن کر کھڑے ہو جائیں اور ان کے بے مایہ ہونے کو ثابت کر کے اسلامی ماحول کو کفر،

---

[1] بحار جلد 48 / 18۔

[2] بحار جلد 47 / 3، مناقب ابن شہر آشوب جلد 4 / 320۔

[3] شعوبیہ غیر عرب لوگوں کے ایک گروہ کا نام ہے جو عمر کے زمانہ خلافت میں نیشنلسٹ مخالف فکر کے ساتھ ظاہر ہوا اور اموی و عباسی دور حکومت میں اس کو زیادہ رونق ملی۔ یہ لوگ مسلمان معاشرہ میں اختلاف اور شگاف ڈالنے کا اہم سبب بنے۔۔ک۔۔ حیاۃ الامام موسیٰ ابن جعفرؑ ج 2 / 110-117 اور واہ نامہ اجتماعی و سیاسی مضفقہ حسین رہجو/ 1140۔

زندقہ اور شعوبیوں وغیرہ سے پاک کردیں۔

اس جہاد کی مشکلات میں جو اضافہ کا سبب بنا وہ مسلمانوں کا نظریاتی اختلاف تھا اور اس وقت کی حکومتوں نے بھی لوگوں کے افکار کا رخ موڑنے کے لئے ان اختلافات کو پیدا کیا۔

الفاظ قرآن کے قدیم ہونے والے نظریہ کی پیدائشے، مکتب معتزلہ اور اشاعرہ کا ظہور اور چار فقہوں کا قانونی شکل اختیار کرنا اس کے بڑے واضح نمونے ہیں۔

امام کا یہ اقدام خلافت عباسی کے لئے بڑا گراں تھا۔ امام کے مکتب فکر میں تربیت پانے والے افراد جو اس سلسلہ میں بڑی مہارت اور فعالیت کے حامل تھے سختی میں مبتلا کردیئے گئے اور عقیدہ کے بارے میں ان کو زبان کھولنے سے روکا گیا۔ یہاں تک کہ ہشام ابن حکم کی جان کی حفاظت کے لئے۔ جو مختلف جماعتوں اور مکتب فکر کے لوگوں سے بحث ومناظرہ میں ید طولی رکھتے تھے، خود امامؑ نے کسی شخص کو ان کے پاس بھیج کر وقتی طور پر ان کو بحث ومناظرہ سے روک دیا۔ ہشام نے بھی مہدی عباسی کی موت تک کوئی بات نہیں کہی۔ [۱]

2۔ علم فقہ، حدیث، کلام، تفسیر اور دیگر علمی شعبوں میں بزرگ اور با فضیلت شاگردوں کا پرورش پانا: سید ابن طاؤس نقل کرتے ہیں کہ امامؑ کے قریبی اصحاب مجلس درس میں حاضر ہوتے اور جو کچھ بھی حضرت علیہ السلام سے سنتے اس کو اس لوح میں جو آستینوں میں رکھتے تھے لکھتے جاتے تھے۔ [۲]

یہ سب کچھ ان حالات میں ہو رہا تھا جب کہ عباسی حکومت نے امامؑ کی علمی سرگرمیوں پر پابندی لگادی تھی۔ آپ کے شاگردوں پر سختی کی جارہی تھی۔ ظاہر ہے کہ اس صورت میں وہ کھلم کھلا امامؑ کا نام بھی نہیں لے سکتے تھے بلکہ ابوابراہیم، عبدصالح، عالم، صابر اور امین ایسے ناموں سے یاد کرتے تھے۔

ان تمام باتوں کے باوجود امامؑ علمی، اسلامی اور ثقافتی تحریک کی ارتقا میں بہت بڑا قدم اٹھانے اور سینکڑوں دانشمند اور علمی شخصیتوں کی تربیت میں کامیاب ہوگئے۔ [۳] محمد ابن ابی عمیر، علی بن یقطین، ہشام ابن حکم، ہشام ابن سالم، یونس بن عبدالرحمن اور صفوان ابن یحیی کا نام بطور نمونہ لیا جاسکتا ہے۔

امامؑ کے شاگردوں کی روحانی عظمت اور انکی علمی اور مجاہدانہ شخصیت نے مخالفین، خصوصاً حکومت وقت کی آنکھوں کو خیرہ کردیا ان کو یہ خطرہ لاحق ہوگیا کہ یہ کہیں اپنی اس حیثیت و محبوبیت کی بناء پر جو لوگوں کے درمیان ہے انقلاب برپا نہ کردیں۔ اس لئے وہ ہمیشہ ایسے افراد کو معین کرتے رہتے تھے جو ان کی کارکردگی کی نگرانی کرتے رہیں۔ نمونہ کے طور پر پیش ہے۔

ابن ابی عمیر امام موسی کاظم علیہ السلام کے ممتاز صحابی تھے وہ اس بات میں کامیاب ہوئے کہ مختلف مباحث میں اپنی پچاس جلد کتابیں یادگار چھوڑیں۔

ہارون جس کو امام موسی کاظم علیہ السلام کے نزدیک محمد ابن ابی عمیر کے موقف کی اجمالی اطلاع تھی اس نے محمد ابن ابی عمیر کی فعالیت اور

---

[۱] رجال کشی/266، معجم رجال الحدیث جلد 19/ 279-278۔

[۲] انوار البھیۃ/ 170-169۔

[۳] مرحوم شیخ طوسی نے اپنی (کتاب) رجال میں موسی ابن جعفر علیہ السلام کے شاگردوں کی تعداد دوسو بہتر 272 لکھی ہے لیکن حیاۃ الامام موسی ابن جعفرؑ کے مؤلف محترم نے امام کے تین سو اکیس 321 شاگردوں کے تفصیلی حالات درج کئے ہیں حیاۃ الامام موسی (ع) جلد 2/ 374-224۔

کارکردگی پر نظر رکھنے کے لئے جاسوسوں کو معین کردیا۔انہوں نے اطلاع دی کہ عراق کے تمام شیعوں کے نام محمد کے پاس ہیں۔اس خبر کے ملتے ہی ابن ابی عمیر ہارون کے حکم سے گرفتار کر کے قید میں ڈال دیئے گئے اور شیعوں کے نام اور راز کو بتانے کے لئے ان پر سختی کی جانے لگی لیکن وہ راز اگلنے پر تیار نہیں ہوئے۔[1]

ب۔امامت کا تحفظ اور عمومی انقلاب کیلئے میدان کی توسیع

امامت کے تحفظ کے لئے موسی ابن جعفر علیہ السلام کا مجاہدانہ منصوبہ کچھ اس طرح تھا:

1۔اپنے طرفداروں کی مدد اور ان کی نگرانی کرنا اور حکومت عباسی کے مقابل منفی موقف اختیار کرنے کے لئے ان کو ہم آہنگ بنانا۔

2۔امام اپنے طرفداروں کو حکم دیتے تھے کہ حکومت عباسی سے ہر سطح کا ہر معاملہ اور رابطہ منقطع کرلیں۔

صفوان بن مہران سے امامؑ کی گفتگو امامؑ کے اس صریحی نظریہ اور موقف کو بیان کرتی ہے۔جناب موسی بن جعفر علیہ السلام نے صفوان سے فرمایا:تمہاری ہر بات اچھی ہے سوائے ایک بات کے اور وہ یہ کہ تم اپنے اونٹ ہارون کو کرایہ پر دیتے ہو۔صفوان نے عرض کیا میں ان کو سفر حج کے لئے کرایہ پر دیتا ہوں اور خود ان کے ساتھ نہیں جاتا،آپ نے فرمایا۔کیا کرایہ پر دینے کے بعد۔تمہاری یہ خواہش نہیں رہتی ہے کہ کم از کم مکہ سے لوٹ آنے تک ہارون زندہ رہے،تاکہ تمہارا کرایہ ادا کردے؟صفوان نے کہا کیوں نہیں۔امامؑ نے فرمایا:جو ستمگروں کی بقا کو دوست رکھتا ہو وہ انہیں میں سے شمار کیا جاتا ہے۔اور جو ان کے ساتھ ہو اس کی جگہ جہنم ہے۔[2]

امام موسی کاظم علیہ السلام اپنے دوستوں کو ہر اس منصب اور عہدہ کو قبول کرنے سے منع فرماتے تھے جو ظالم حکومت کی تقویت کا باعث ہو۔آپ نے زیاد ابن سلمہ سے فرمایا:اے زیاد اگر میں کسی بلندی سے گر کر ٹکڑے ٹکڑے ہو جاؤں تو یہ میرے لئے اس سے بہتر ہے کہ میں ظالم حکومت کے کسی منصب کو قبول کروں یا اس کی کسی ایک بساط پر بھی قدم رکھوں۔[3]

موسی بن جعفر علیہ السلام نے ایسی روش اختیار کر کے یہ چاہا کہ خلافت عباسی کی مشینری کی مشروعیت پر خط نسخ کھینچنے کے ساتھ ساتھ ان کو گوشہ گیر بنادیں اور عوامی مرکز بننے سے ان کو محروم کردیں۔

ایک استثنیٰ

امام نے عباسی ستمگر حکومت کے تعاون کو حرام کردینے کے باوجود اپنے لائق اور معتمد اصحاب کے اہم عہدوں پر باقی رہنے کی مخالفت نہیں کی اس لئے کہ ایک طرف تو یہ کام حکومت کی مشینری میں نفوذ کا باعث بنا دوسری طرف اس بات کا باعث بنا کہ لوگ خصوصاً امامؑ کے چاہنے والے ان کی حمایت کے زیر سایہ آجائیں۔

علی ابن یقطین کا حکومت کی مشینری میں قوت حاصل کرلینا اسی منصوبہ کا ایک جزء تھا۔

---

[1] رجال کشی/ 591۔

[2] من احبّ بقائهم فهو منهم من كان منهم كان وَرَدَ النار. رجال کشی/ 441،معجم رجال الحدیث جلد9 / 122۔

[3] یا زیاد لان اسقط من شاهق فاتقطّع قطعةً قطعةً احبُ الیّ من ان التوّلی منهم عملاً او اطا بساط رجل: منهم.. مکاسب شیخ مرتضی انصاری باب ولایت جائز/ 48و تنقیح المقال مامقانی ج1 / 453۔

علی ابن یقطین جو امام ہفتم کے ممتاز شاگردوں میں سے تھے ایک پاکیزہ نفس اور امامؑ کے لئے مورد اطمینان شخصیت کے مالک تھے، عباسیوں سے انہوں نے رابطہ قائم کیا اور ہارون کی طرف سے وزارت کے لئے چنے گئے اور علی ابن یقطین نے امامؑ کی حمایت سے اس منصب کو قبول کیا۔[۱]

بعد میں آپ نے کئی بار یہ چاہا کہ استعفی دیدیں لیکن امامؑ نے ان کو روک دیا۔[۲]

ایک دن امام موسی کاظم علیہ السلام نے ان سے فرمایا کہ: ایک کام کا وعدہ کرو تو میں تمہارے لئے تین چیزوں کی ضمانت لیتا ہوں:

1۔ تم قتل نہیں کئے جاؤ گے۔

2۔ فقر میں مبتلا نہیں ہو گے۔

3۔ قیدی نہیں کئے جاؤ گے۔

علی ابن یقطین نے کہا کہ جس کام کے مجھے پابند ہونا ہے وہ کیا ہے؟

امامؑ نے فرمایا: وہ کام یہ ہے کہ جب ہمارے دوستوں میں سے کوئی تمہارے پاس آئے تو اس کی ضرورت پوری کرو اور اس کا اکرام کرو۔ علی ابن یقطین نے قبول کیا۔[۳]

آپ جب تک اس عہدہ پر باقی رہے شیعوں کے لئے ایک مضبوط قلعہ اور ایک قابل اطمینان پناہ گاہ شمار کئے جاتے رہے۔ اور ان دشوار حالات میں زندگی کی حفاظت کے لئے ضروری اعتبار قائم کرنے اور امامؑ کے دوستوں کو اقتصادی طور پر آزاد بنانے میں آپ نے بڑا موثر کردار ادا کیا۔

2۔ خلافت کی مشینری کے مقابل امامؑ کا صریحی اور آشکار موقف جو اس بات پر مبنی تھا کہ خلافت انکا حق ہے اور وہ اس مقام کو بچانے میں تمام لوگوں پر برتری رکھتے تھے۔

امام کے اس موقف کو واضح کرنے والا ایک نمونہ

ہارون رشید حج سے واپسی پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر مطہر کے پاس حاضر ہوا۔ اور اس نے قریش اور دوسرے قبائل کے بہت سے لوگوں کے سامنے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اس طرح سلام کیا ... السلام علیك یابن عم سلام ہو آپ پر اے چچا کے بیٹے (چچیرے بھائی) اور اس نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اپنی نسبت پر فخر کا اظہار کیا۔ امام موسی کاظم علیہ السلام نے۔ جو وہاں موجود تھے۔ جب اس کی بات سنی تو ضریح مقدس کے پاس کھڑے ہو کر آپ نے کہا: السلام علیك یا ابة سلام ہو آپ پر اے پدر۔ ہارون اس بات پر سخت ناراض ہوا۔ اتنا ناراض کہ اس کے چہرہ کا رنگ بدل گیا۔ لیکن ردّعمل کے طور پر کچھ نہ کر سکا۔[۴]

یہاں تک کہ ایک دن اس نے امامؑ سے کہا کہ آپ لوگ کیسے یہ دعوی کرتے ہیں کہ فرزند پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں جبکہ آپ کے باپ تو

---

[۱] رجال کشی/433۔

[۲] بحار/47/136۔

[۳] رجال کشی/433، بحار جلد 48/136۔

[۴] ارشاد مفید/298، تاریخ بغداد جلد 13/31، مناقب جلد 4/320، اعلام الوری/197، الصواعق المحرقة/204، تذکرة الخواص/314، بحار جلد 48/103، احتجاج طبرسی جلد 2/167۔

علی علیہ السلام ہیں؟

امام نے فرمایا اگر پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زندہ ہوتے اور تمہاری بیٹی کا رشتہ مانگتے تو تم قبول کر لیتے؟

اس نے کہا، سبحان اللہ کیوں نہیں؟ ایسی صورت میں، میں عرب عجم اور قریش پر فخر کرتا۔

حضرت نے فرمایا: کہ اگر رسول خدا زندہ ہوتے تو ہماری بیٹی کا رشتہ نہ مانگتے اور میں بھی یہ رشتہ قبول نہ کرتا،

ہارون نے پوچھا کیوں؟ آپ نے فرمایا: اس لئے کہ وہ ہمارے باپ ہیں (ہر چند ماں کی طرف سے) لیکن تمہارے باپ نہیں ہیں۔ [1]

امت کے انقلابی وجدان کو بیدار کرنا اور انقلابی تحریکوں کی پشت پناہی: منصور کے زمانہ میں اور اس کے بعد بہت سے سادات متقی اور حق طلب علوی جن کو آئمہ سے قریبی نسبت تھی، ظلم وستم کے ختم ہونے، عدالت اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر کی نشر واشاعت کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے نتیجتاً شہید ہو گئے۔

بہت سے انقلابی پوشیدہ طور پر امامؑ سے ملحق تھے اور آپ سے رہنمائی حاصل کرتے رہتے تھے، نمونہ کے طور پر حسین ابن علی جو مدینہ کے علویوں [2] میں سے تھے۔ اپنے ہی قول کے مطابق۔ امام موسی کاظم علیہ السلام سے مشورہ [3] کے بعد ہادی عباس کے خلاف قیام کیا اور تقریباً تین سو افراد کے ایک گروہ کے ساتھ مدینہ سے مکہ کی طرف چل پڑے، سرزمین فخ پر خلیفہ کے سپاہیوں کا سامنا ہوا۔ شدید جنگ کے بعد علوی شکست کھا گئے اور واقعہ کربلا کی طرح عباسیوں نے تمام شہداء کے سر کاٹے اور مدینہ لے آئے اور ایک ہی نشست میں جس میں فرزندان امیر المومنین کی ایک جماعت منجملہ ان کے امام موسی کاظم علیہ السلام تشریف فرما تھے ان سروں کو دکھانے کے لئے لے آئے، سوائے موسی ابن جعفر علیہ السلام کے کسی نے کچھ نہیں کہا۔ آپ نے جب حسین ابن علیؑ قیام فخ کے رہبر کا سر دیکھا تو فرمایا: **انّا للہ و انا الیہ راجعون**۔ خدا کی قسم وہ اس حالت میں درجہ شہادت پر فائز ہوئے کہ مسلمان اور صحیح کام کرنے والے تھے، بہت روزے رکھتے تھے، بڑے شب زندہ دار تھے، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے تھے۔ ان کے خاندان میں ان جیسا کوئی نہیں تھا۔ [4]

ہادی عباسی کو جب معلوم ہوا کہ علویین امام ہفتم کے ایما پر عمل کرتے ہیں تو حادثہ فخ کے بعد بہت ناراض ہوا۔ اور آپ کے قتل کا اس نے ارادہ کر لیا۔ اس نے کہا: خدا کی قسم حسین نے موسی ابن جعفر علیہ السلام کے حکم سے میرے خلاف قیام کیا ہے۔ اس لئے کہ اس خاندان کا امام سوائے موسی ابن جعفر کے اور کوئی نہیں ہے۔ اگر میں ان کو زندہ چھوڑ دوں تو خدا مجھے قتل کرے۔ [5]

---

[1] عیون اخبار الرضا جلد1 / 68، احتجاج طبرسی جلد2 / 163، بحار جلد48 / 129-125۔

[2] یہ حسین ابن علی ابن حسن ابن حسین ابن علی ابن ابیطالب ہیں چونکہ سرزمین۔۔فخ۔۔ میں جو مکہ سے ایک فرسخ کے فاصلہ پر واقع ہے۔ عباسی سپاہیوں کے ہاتھوں قتل کر دیئے گئے اس لئے۔۔صاحب فخ۔۔یا۔۔شہید فخ۔۔کے نام سے مشہور ہوئے۔

[3] مقاتل الطالبین/ 457 نشر دار المعرفۃ بیروت تحت عنوان ذکر من خرج مع الحسین۔ حسین ابن علی اور یحی ابن عبداللہ کی باتوں کا متن ملاحظہ ہو۔۔ ما خرجنا حتی شاورنا اهل بیتنا وشاورنا موسی ابن جعفر فامرنا بالخروج۔۔۔

[4] مقاتل الطالبین۔۔مضی واللہ مسلماً صالحاً صوّاماً قوّاماً آمراً بالمعروف ناهیا عن المنكر ما كان من اهل بیته مثله۔۔ ۔

[5] بحار جلد48 / 151۔۔ واللہ ما خرج حسین الا عن امره ولا عن امره ولا اتبع الا محبته لانه صاحب الوصیته فی اهل هذا البیت قتلنی اللہ ان ابقیتُ علیه۔۔۔

امامؑ کی جو رپورٹیں خلفاء کے پاس پہنچی تھیں نیز وہ اعترافات جو خلفاء کو تھے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت حکومت کی مشینری کی کمین میں بڑے شد و مد سے تھے اور اس کی سرنگونی کی فکر کر رہے تھے۔

لوگوں نے لکھا ہے کہ مہدی عباسی نے امامؑ سے کہا کہ کیا آپ ہم کو اپنے خروج سے محفوظ رکھیں گے...؟[1]

نیز ہارون نے اپنے اس اقدام کی توجیہ میں جو اس نے امامؑ کو گرفتار کرنے کے لئے کیا تھا۔ کہا میں ڈرتا ہوں کہ یہ فتنہ برپا کریں گے اور خون بہے گا۔[2]

ج۔ خلفاء کے عیش و نشاط کے خلاف جنگ

خلفاء بنی امیہ و بنی عباس اور ان سے وابستہ افراد کی زندگی کی نمایاں خصوصیت عیش و نشاط اور تجمل پرستی تھی وہ لوگ جو ٹیکس اور پیسے عوام سے وصول کرتے تھے ان کو اسلامی وسیع و عریض ملک کی آبادکاری اور ترقی میں استعمال کرنے اور لوگوں کے رفاہ اور آرام کے کاموں میں خرچ کرنے کے بجائے بزم سلطنت کی تشکیل، بساط عیش و نشاط بچھانے اور خوشنما محل بنانے میں خرچ کرتے تھے۔

ہارون کی زندگی میں دوسرے خلفاء کی بہ نسبت یہ خصوصیت زیادہ نظر آتی ہے۔ ہارون نے بغداد میں بڑا خوشنما محل بنوایا۔ اپنی عظمت اور ظاہری شان و شوکت کو واضح کرنے کیلئے موسی ابن جعفر علیہ السلام کو وہاں لے گیا۔ طاقت کے نشے میں مست تکبر آمیز لہجہ میں اس نے پوچھا، یہ قصر کیسا ہے؟ آپ نے فرمایا: فاسقوں کا گھر ہے وہی لوگ جن کے بارے میں خدا نے فرمایا: جو لوگ روئے زمین پر ناحق تکبر کرتے ہیں۔ ہم جلد ہی اپنی آیات پر ایمان سے ان کو منصرف کردیں گے (اس طرح کہ) جب وہ کسی آیت یا نشانی کو دیکھیں گے تو ان پر ایمان نہیں لائیں گے اور اگر ہدایت کے راستہ کو دیکھیں گے تو اپنے راستہ کے عنوان سے اس کا انتخاب نہیں کریں گے (یہ سب اس لئے ہے کہ) انہوں نے ہماری آیات کی تکذیب کی ہے اور اس سے غافل ہوگئے ہیں۔[3]

ہارون جو اس جواب سے سخت ناراض تھا اس نے غضبناک ہو کر پوچھا کہ پھر یہ گھر کس کا ہے؟

یہ گھر ایک زمانہ کے بعد ہمارے شیعوں کا ہوگا لیکن (اس وقت) فتنہ کی جڑ اور دوسروں کے لئے آزمائش ہے۔

(اگر یہ شیعوں کا ہے) تو صاحب خانہ اس کو کیوں نہیں لے لیتا؟

آبادی ہونے کے بعد اس کو اس کے مالک سے لے لیا جائیگا اور جب تک آباد نہیں ہوگا واپس نہیں لیا جائے[4] گا۔

شہادت

ہارون کے جبر کے مقابلہ میں امام موسی کاظم علیہ السلام کے رویہ نے اس کو اس بات پر اکسایا کہ وہ امام کو نظر بند کرے اور لوگوں سے ان کے رابطہ کو منقطع کردے اس وجہ سے اس نے امامؑ کو گرفتار کیا اور زندان بھیج دیا۔ لیکن مدینہ سے باہر لے جانے کے لئے ہارون نے مجبور

---

[1] وفیات الاعیان جلد 2 / 256۔

[2] بحار الانوار جلد 48 / 213، 232، ارشاد مفید/ 300، مقاتل الطالبین/ 334۔

[3] ساصرفُ عن آیاتی الذین یتکبرون فی الارض بغیر الحق و ان یروا کل آیة: لا یؤمنوا بها و ان یروا سبیل الرشد لا یتخذه سبیلا و ان یروا سبیل الغی یتخذه سبیلا ذلك بانّهم کذّبوا بآیاتنا و کانوا عنها غافلون۔

[4] ۔ اُخذَت منه آمرةً و لا یاخذها الا معمورة۔ ۔ بحار جلد 48 / 138، تفسیر عیاشی جلد 2 / 30، تفسیر برہان جلد 2 / 37 شاید اس آخری جملہ سے امام کی مراد یہ ہو کہ جب تک گھر کو آباد کرنے کا امکان نہ ہو اس وقت تک اس کو واپس نہیں لیں گے اور اس وقت اس کا وقت نہیں ہے۔

ہو کر کہا دو کجاوے بنائے جائیں اور ہر کجاوہ کو مدینہ کے الگ الگ دروازوں سے باہر نکالا جائے اور ہر ایک کے ساتھ کچھ شہ سوار فوجی چلیں۔ [1] صرف امام کے عقید تمندوں کے خوف سے یہ انتظام نہں گیا گیا تھا بلکہ ہارون کو یہ فکر تھی کہ ان کے پاس کچھ افراد اور کچھ گروہ تیار ہیں جو ایسے موقع پر حملہ کر کے امامؑ کو اس کے مزدوروں کے چنگل سے چھڑا لے جائیں گے۔ اس وجہ سے اس نے ایسی احتیاطی تدبیر اختیار کی تھیں۔

حضرت موسیٰ ابن جعفر علیہ السلام پہلے بصرہ کے زندان میں لے جائے گئے اور ایک سال کے بعد ہارون کے حکم سے بغداد منتقل کر دیئے گئے اور کسی کو ملاقات کی اجازت دیئے بغیر کئی سال تک قید میں رکھے گئے۔ [2]

آخر کار 45 رجب 183ھ ق کو سندی بن شاہک کے قید خانے میں ہارون کے حکم سے زہر دیا گیا، تین دن کے بعد شہید ہو گئے اور بغداد میں قریش کے مقبرہ میں سپرد لحد کئے گئے [3]۔

شہادت کے بعد ہارون کے آدمیوں نے بہت اصرار کیا کہ لوگ اس بات کو قبول کر لیں اور گواہی دیں کہ موسیٰ ابن جعفر علیہ السلام کو زہر نہیں دیا گیا اور وہ طبیعی موت سے دنیا سے رخصت ہوئے ہیں۔ تا کہ اس بہانہ سے اپنے دامن کو ایسے سنگین جرم کے داغ سے بچا لیں اور لوگوں کی ممکنہ شورش بھی روک دیں۔

اور یہ ایک دوسرا گواہ ہے جو عباسی حکومت سے امام کے ٹکراؤ کی طرف ہماری رہنمائی کرتا ہے۔

امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی عملی اور اخلاقی سیرت کے نمونے

1. عبادت

خدا کی خصوصی معرفت آپ کو مزید عبادت اور پروردگار سے عاشقانہ راز و نیاز کی طرف کھینچتی تھی اس وجہ سے اجتماعی کاموں سے فراغت کے بعد آپ عبادت میں اپنا وقت گذارتے تھے۔

جب ہارون کے حکم سے آپ کو زندان میں ڈال دیا گیا تو آپ نے خدا کی بارگاہ میں عرض کیا پروردگارا مدتوں سے میں یہ چاہتا تھا کہ تو اپنی عبادت کے لئے مجھے فرصت دیدے اب میری خواہش پوری ہو گئی لہٰذا میں تیرا شکر ادا کرتا ہوں [4]۔

جب آپ قید خانہ میں تھے اس وقت جب کبھی ہارون کوٹھے سے زندان کی طرف دیکھتا تھا تو یہ دیکھتا تھا تو یہی لباس کی طرح کی

---

[1] الفصول المھمۃ/ 239، مناقب جلد 4/ 327، ارشاد مفید/ 300، اعلام الوری/ 299، مقاتل الطالبین/ 334۔

[2] ہارون کے زندان میں امام کتنے دنوں تک رہے اس میں اختلاف ہے چار سال، دس سال، بھی مذکور ہے۔ تذکرۃ الخواص/ 314 سیرۃ الائمۃ الاثنی عشر جلد 2/ 351، بحار جلد 48/ 206-228، مہدی عباسی کی قید میں جتنے دنوں رہے یہ مدت اس کے علاوہ ہے۔

[3] الفصول المہمہ/ 241، انوار البھیہ/ 181، تاریخ ابوالفداء جلد 2/ 16 یہ بتا دینا ضروری ہے کہ امام موسیٰ کاظم اور امام جواد علیہما السلام کے مرقد اطہر آج کل کاظمین کے نام سے مشہور ہیں۔

[4] اللھم انّی طالماً کُنتُ اَسئَلُکَ اَن تُفَرّغَنی لعبادتك وَ قد استَجَبتَ منّی فلك الحمد علی ذالك.. مناقب جلد 4/ 318، بحار جلد 8، ارشاد مفید/ 300، الفصول المہمہ/ 240۔ تھوڑے سے فرق کے ساتھ۔ امام کا یہ جملہ زندان جانے سے پہلے آپ کے اجتماعی کام میں مشغولیت کی شدّت کو بیان کرتا ہے۔

کوئی چیز زندان کے ایک گوشہ میں پڑی ہے۔ایک باراس نے پوچھ لیا کہ یہ کس کا لباس ہے؟ ربیع نے کہا: یہ لباس نہیں ہے، یہ موسی ابن جعفر علیہ السلام ہیں جو زیادہ تر سجدہ کی حالت ہیں رہتے ہیں۔ہارون نے کہا سچ ہے وہ بنی ہاشم کے بڑے عبادت گزار افراد میں سے ہیں۔ربیع نے پوچھا،تو پھران پر اتنی سختی کیوں کرتا ہے ہارون نے کہا: افسوس اس کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے۔[1]

امام اس دعا کو بہت پڑھتے تھے: اللھم انی اسئلك الراحة عند الموت و العفو عند الحساب[2] خدایا میں تجھ سے موت کے وقت آرام اور حساب کے وقت بخشش کا طلبگار ہوں۔

آپ کی عبادت کو بیان کرنے کے لئے وہ جملہ کافی ہے جو ہم آپ کی زیارت میں پڑھتے ہیں کہ درود ہو موسی ابن جعفر علیہ السلام پر جو پوری رات مسلسل عبادت اور استغفار میں گذارتے تھے،سجدہ ریز رہتے،بہت زیادہ مناجات اور نالہ وزاری فرماتے تھے۔[3]

2.درگذر اور بردباری

امام موسی کاظم علیہ السلام کا درگذر اوران کی بردباری بے نظیر اور دوسروں کیلئے نمونہ عمل تھی،آپ کے لئے کاظم کا لقب اسی خصلت کو بیان کرنے والا اور درگذر کی شہرت کی نشان دہی کرنے والا ہے۔

مدینہ میں ایک شخص تھا وہ ہمیشہ امام کو۔دشنام اور توہین۔کے ذریعہ تکلیف پہنچاتا رہتا تھا۔امامؑ کے کچھ صحابیوں نے یہ پیشکش کی کہ اس کو درمیان سے ہٹادیا جائے۔

امامؑ نے ان لوگوں کو اس کام سے منع کیا پھر اس کے بعد اس کے گھر کا پتہ پوچھ کر۔جو مدینہ سے باہر ایک کھیت میں تھا۔تشریف لے گئے آپؑ چوپائے پر سوار تھے جب اس کے کھیت میں داخل ہوئے،وہ شخص چلانے لگا کہ ہمارے کھیت کو پامال نہ کریں حضرت نے کوئی پروانہیں کی اور سواری ہی کی حالت میں اس کے پاس پہنچے اور سواری سے اترنے کے بعد اس سے ہنس کر پوچھا: اس زراعت کے لئے کتنے پیسے تم نے خرچ کئے ہیں؟ اس نے جواب دیا سو دینار۔آپ نے فرمایا: کتنے فائدے کی امید ہے اس نے جواب دیا دوسو دینا۔آپ نے اس کو تین سو دینار مرحمت فرمائے اور کہا: زراعت بھی تیری ہے،جس کی تو امید لگائے ہوئے ہے خدا تجھکو اتنا ہی دے گا۔وہ شخص اٹھا اور اس نے امامؑ موسی کاظم علیہ السلام کے سر کو بوسہ دیا اور اس نے اپنے گناہوں سے درگذر کرنے کی خواہش ظاہر کی۔امام مسکرائے اور پلٹ گئے...

اس کے بعد ایک دن وہ شخص مسجد میں بیٹھا ہوا تھا کہ حضرت موسی ابن جعفر علیہ السلام وہاں وارد ہوئے جب امامؑ پر اس شخص کی نظر پڑی تو اس نے کہا: خدا بہتر جانتا ہے کہ اپنی رسالت کو کس خاندان میں قرار دے۔[4] اس کے دوستوں نے اس سے تعجب سے پوچھا: کیا بات ہے؟ تم تو اس سے پہلے ان کو بہت برا بھلا کہتے تھے اس نے دوبارہ امام کے لئے دعا کی اور دوستوں سے الجھ پڑا۔

امامؑ نے اپنے اصحاب سے۔جو پہلے اس کو قتل کرنے کا ارادہ رکھتے تھے۔کہا کیا بہتر ہے،تمہاری نیت یا ہمارا سلوک جو اس کو راہ

---

[1] بحار جلد 48 / 108،حیاۃ الامام موسی بن جعفرؑ جلد 1 / 142-140-عیون اخبار الرضا جلد 1 / 78-77۔

[2] ارشاد مفید/ 296،مناقب جلد 4 / 318،اعلام الوری/ 296۔

[3] الصلوۃ علی موسی بن جعفر علیہ السلام الذی یحیی اللیل بالسھر الی السّحر بمواصلة الاستغفار حلیف السجدة و الدموع الغزیرةَ و المناجاتَ الکثیرة الضّراعات و الضراعات المتصلة۔انوار البھیہ مرحوم شیخ عباس قمی/188۔

[4] اللہ اعلم حیث یجعل رسالتہ۔

راستہ پر لانے کا باعث بنا؟[۱]

3.کام اور کوشش

امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے پاس زراعت اور کھیتی تھی آپ خود اس کے کام میں لگے رہتے تھے، حسن ابن علی۔ آپ کے صحابی اور شاگرد۔ اپنے باپ کا قول نقل کرتے ہیں میں نے امام موسیٰ ابن جعفر علیہ السلام سے ان کے کھیت میں اس حالت میں ملاقات کی کہ وہ محنت و مشقت کی وجہ سے قدموں تک پسینے سے بھیگے ہوئے تھے۔ میں نے ان سے کہا: میں آپ پر قربان جاؤں آپ کے آدمی (کام کرنے والے) کہاں ہیں، آپ خود کیوں مشغول ہیں؟

آپ نے فرمایا: مجھ سے اور میرے والد سے بھی زیادہ بزرگ افراد اپنے کھیت میں کام کرتے تھے میں نے عرض کیا وہ کون لوگ ہیں؟ آپ نے فرمایا: میرے جد رسول خدا اور امیر المومنین علیہ السلام اور ہمارے آباء، اس کے بعد آپ نے فرمایا: کھیتی باڑی پیغمبروں مرسلین اور صالحین کا کام ہے۔[۲]

4.سخاوت وکرم

جود و کرم، ساتویں امامؑ کی صفتوں میں سے ایک بڑی نمایاں صفت تھی۔ آپ نے اپنے مالی امکانات کو۔ جو کھیتی باڑی کے ذریعہ آپ نے حاصل کئے تھے۔ اس طرح ضرورت مندوں کے حوالہ کر دیتے تھے کہ مدینہ میں ضرب المثل کے طور پر لوگ آپس میں کہا کرتے تھے اس شخص پر تعجب ہے جس کے پاس موسیٰ ابن جعفر علیہ السلام کی بخشش و عطا کی تھیلی پہنچ چکی ہو لیکن وہ پھر بھی تنگ دستی کا اظہار کرے۔[۳]

آپؑ کی سخاوت و کرم کے بارے میں ابن صباغ مالکی تحریر فرماتے ہیں: موسیٰ کاظم علیہ السلام اپنے زمانہ کے لوگوں میں سب سے زیادہ عابد، دانا اور پاک نفس شخص تھے۔ آپؑ پیسے اور کھانے پینے کا سامان مدینہ کے ستم رسیدہ افراد تک پہنچاتے اور کسی کو خبر بھی نہیں ہوتی تھی کہ یہ چیزیں کہاں سے آئی ہیں۔ مگر آپ کی رحلت کے بعد پتہ چلا[۴]

ایک شخص جس کا نام محمد ابن عبداللہ بکری تھا اپنے مطالبات کو وصول کرنے کے لئے مدینہ آیا لیکن اس کو کچھ نہیں ملا۔ واپسی پر امام سے ملاقات ہوئی اس نے اپنا ماجرا آپ کو سنایا۔ امامؑ نے حکم دیا کہ اس کو تین سو دینار سے بھری تھیلی دی جائے تاکہ وہ خالی ہاتھ اپنے وطن واپس نہ جائے[۵]

5.تواضع اور فروتنی

امام موسیٰ ابن جعفر علیہ السلام ایک کالے چہرہ والے کریہہ المنظر شخص کے پاس سے گذرے آپؑ نے اس کو سلام کیا اور اس کے پاس بیٹھ گئے اس سے باتیں کیں اور پھر اس کی حاجت پوری کرنے کے لئے اپنی آمادگی کا اظہار فرمایا آپ سے کہا گیا کہ اے فرزند رسول کیا

---

[۱] ارشاد مفید/ 297، تاریخ بغداد جلد 13 / 28، مناقب جلد 4 / 319، دلائل الامامہ/ 151-150، بحار ج 48 / 103-102، اعلام الوری/ 296، مقاتل الطالبین/ 332۔

[۲] ..وھو من عمل النبین و المرسلین و الصالحین.. من لا یحضرہ الفقیہ جلد 3 / 98 مطبوعہ بیروت میں/ 401، بحار جلد 48 / 5۔

[۳] عمدۃ الطالب/ 196۔ عجباً لمن جائتہ صرۃ موسی فشکی القلّۃ...

[۴] فصول المہمہ / 237۔

[۵] المجالس السنیۃ جلد 2 / 527۔

آپ ایسے شخص کے پاس بیٹھتے ہیں اوراس کی حاجتیں پوچھتے ہیں؟

آپ نے فرمایا: وہ خدا کے بندوں میں سے ایک بندہ ہے اور خدا کی کتاب میں وہ ایک بھائی ہے، اور خدا کے شہروں میں وہ ہمسایہ ہے، حضرت آدم علیہ السلام جو بہترین پدر ہیں، اس کے باپ ہیں اور آئین اسلام جو تمام دینوں میں برترین دین ہے اس نے ہم کو اور اس کو باہم ربط دیا ہے[1]۔

سوالات

1۔امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کس تاریخ کو پیدا ہوئے اور آپ نے اپنے والد بزرگوار کے ساتھ کتنے دن زندگی گذاری آپ کے والد ووالدہ کا نام اور آپ کی سب سے مشہور کنیت اور لقب بیان کیجئے۔

2۔امام جعفر صادق علیہ السلام کے ارشادات میں سے ایک قول جو آپ کے فرزند موسیٰ ابن جعفر علیہما السلام کی امامت کے بارے میں ہے بیان فرمائیے

3۔امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے اپنے باپ کی علمی تحریک کو کن حالات میں جاری رکھا۔اس زمانہ میں اسلامی معاشرہ پر حکومت کرنے والے حاکم کے رویہ کا ایک نمونہ بیان فرمائیے

4۔امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی علمی اور ثقافتی کوششوں کا کیا نتیجہ رہا؟

5۔امامت کے محاذ کی نگہبانی کے لئے امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے جہاد کا محور کیا چیزیں تھیں۔

6۔امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کس تاریخ کو کس طرح اور کہاں شہید ہوئے؟

---

[1] تحف العقول/35.. عبدٌ من عباد الله و اخ فی کتاب الله و جارٌ فی بلاد الله یجمعنا و اباه خیر الاباء آدم و افضل الادیان الاسلام...۔

گیارہواں سبق:

امام علی ابن موسی الرضا علیہ السلام کی سوانح عمری

ولادت

آسمان ولایت کے آٹھویں ستارہ حضرت علی ابن موسی الرضا علیہ السلام 11 ذی القعدہ 148 ھ ق کو اپنے جد بزرگوار امام جعفر صادق علیہ السلام کی شہادت کے سولہ دن بعد پیدا ہوئے۔[1]

آپ کا نام علی رکھا گیا مشہور لقب رضا اور کنیت ابوالحسن ہے پدر بزرگوار کا اسم گرامی امام موسی کاظم علیہ السلام اور مادر گرامی کا نام نجمہ ہے[2]، جو خردمندی ایمان اور تقوی میں ممتاز ترین عورتوں میں سے تھیں۔[3]

امامت پر نص

امام علی ابن موسی الرضا نے 183 ھ ق میں۔ جناب موسی ابن جعفر علیہما السلام کی شہادت کے بعد 35 برس کی عمر میں منصب امامت سنبھالا۔

آپ کی امامت کا تعیّن تمام ائمہ معصومین علیہم السلام کی امامت کی طرح رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعیین و تصریح اور آپ کے پدر گرامی امام موسی کاظم علیہ السلام کے تعارف سے ہوا۔

اپنی شہادت سے پہلے موسی ابن جعفر علیہما السلام نے زمین پر آٹھویں حجت خدا اور اپنے بعد کے امام کا تعارف مسلمانوں کے درمیان کرایا تاکہ لوگ کجروی اور گمراہی میں نہ جائیں۔

مخزومی نقل کرتے ہیں کہ موسی ابن جعفر علیہما السلام نے مجھ کو اور چند دوسرے افراد کو بلایا اور فرمایا: تم کو معلوم ہے کہ میں نے تم لوگوں کو کیوں بلایا ہے؟ ہم نے کہا نہیں آپ نے فرمایا میں چاہتا ہوں کہ تم لوگ گواہ رہو کہ میرا یہ بیٹا۔ امام رضا کی طرف اشارہ کر کے۔ وصی اور میرا جانشین ہے...[4]

یزید بن سلیط نقل کرتے ہیں کہ عمرہ بجالانے کے لئے میں مکہ جارہا تھا، راستہ میں امام موسی کاظم علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔ میں نے ان سے عرض کی کہ میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوجائیں آپ بھی اپنے پدر بزرگوار کی طرح مجھکو بتایئے اور اپنے بعد آنے والے امام کا تعارف کرایئے امامؑ نے امامت کے بارے میں تھوڑی وضاحت کرنے اور اس بات کو بیان کرنے کے بعد کہ امامؑ خدا اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے معین ہوتا ہے۔ فرمایا میرے بعد میرے فرزند علی علیہ السلام (ابن موسی علیہ السلام) امام ہوں گے جو علی علیہ السلام اور علی علیہ السلام ابن الحسین علیہ السلام کے

---

[1] کافی ج 1/ 406، اعلام الوری 213، ارشاد مفید/ 304، بحار جلد 49/ 2، 3، فصول المہمہ/ 244۔
[2] اس خاتون کا دوسرا نام تکتم تھا۔
[3] اعلام الوری/ 313۔
[4] اعلام الوری/ 316 کافی ج 1/ 249، ارشاد مفید/ 306، الفصول المہمہ 244۔

ہم نام ہیں[1]

اخلاق وسیرت

ائمہ معصومین پسندیدہ اخلاق اور بہترین سیرت میں دوسروں کے لئے نمونہ عمل تھے اور عملی طور پر لوگوں کو پاکیزہ زندگی اور فضیلت کا درس دیتے تھے، وہ لوگ باوجود اس کے کہ امامت کے بلند مقام پر فائز اور خدا کے برگزیدہ بندہ تھے لیکن پھر بھی انہوں نے اپنے کو لوگوں سے جدا نہیں کیا۔

ابراہیم ابن عباس کہتے تھے کہ: میں نے کبھی یہ نہیں دیکھا کہ امام رضاؑ اپنی باتوں سے کسی کو تکلیف پہنچاتے ہوں اور کسی کے کلام کو قطع کرتے ہوں اور کسی حاجتمند کو۔ امکان کے باوجود۔ بھگا دیتے ہوں، دوسروں کی موجودگی میں پیر پھیلاتے یا ٹیک لگاتے ہوں یا اپنے غلاموں میں سے کسی کو کوئی ناروا بات کہتے ہوں، یا لعاب دہن کو دوسروں کے سامنے پھینکتے ہوں اور قہقہہ مار کر ہنستے ہوں، ان کی ہنسی بس تبسم کی حد تک تھی، جب دسترخوان بچھایا جاتا تو تمام گھر والوں کو حتی کہ دربان اور خدمت گزار کو بھی اس پر بٹھاتے اور ان لوگوں کے ساتھ کھانا کھاتے، راتوں کو کم سوتے اور رات کے زیادہ حصہ میں صبح تک بیدار رہتے اور عبادت کیا کرتے تھے، بہت روزے رکھتے۔[2]

محمد بن ابی عباد نقل کرتے ہیں کہ: گرمی میں آپ کا فرش چٹائی اور جاڑوں میں کمبل ہوتا تھا، گھر میں کھردرا کپڑا زیب تن فرماتے لیکن جب کبھی لوگوں کے درمیان جاتے تو (معمولاً جو لباس پہنا جاتا ہے وہی پہنتے تھے) اپنے کو سنوارتے۔[3]

ایک شب اپنے مہمانوں کے ساتھ بیٹھے ہوئے باتیں کررہے تھے کہ ناگاہ چراغ میں کوئی خرابی پیدا ہوگئی، مہمان نے ہاتھ بڑھایا تاکہ چراغ کو روشن کردے حضرت نے منع فرمایا اور خود اس کام کو انجام دیا اور فرمایا ہم وہ ہیں کہ جو مہمانوں سے کام نہیں لیتے۔[4]

حمام میں ایک شخص نے جو آپ کو نہیں پہچانتا تھا، کہا کہ: ذرا کیسہ سے میرا جسم مل دیں۔ امامؑ نے قبول کیا۔ اس نے جب امامؑ کو پہچان لیا تو شرمندگی کے ساتھ عذرخواہی کرنے لگا۔ امامؑ نے کیسہ سے اس کا جسم ملتے ہوئے اس کا دل رکھ لیا کہ نہیں کوئی بات نہیں۔[5]

اہل بلخ کا ایک شخص نقل کرتا ہے کہ میں خراسان کے سفر میں امام رضاؑ کے ساتھ تھا۔ ایک دن دسترخوان بچھایا گیا امام رضاؑ نے تمام خدمت گاروں کو حتی کہ سیاہ ناموں جلد والوں کو بھی دسترخوان پر بٹھایا تاکہ وہ بھی آپ کے ساتھ کھانا کھائیں، میں نے عرض کی: میں آپ پر فدا ہو جاؤں بہتر ہے کہ یہ لوگ دوسرے دسترخوان پر بیٹھ جائیں۔ آپؑ نے فرمایا: ٹھہرو، بیشک خدا ایک ہے، سب کے ماں باپ ایک ہیں اور جزاء عمل کے مطابق ہے۔[6]

امام رضاؑ کے خادم۔ یاسر۔ نقل کرتے ہیں کہ امامؑ نے ہم سے فرمایا کہ جب تم کھانا کھارہے ہو اور میں تمہارے پاس آکر کھڑا ہو جاؤں تو تم (میرے احترام کے لئے) کھڑے نہ ہونا یہاں تک کھانا کھا کر فارغ ہو جاؤ۔ اسی وجہ سے اکثر ایسا اتفاق ہوا کہ امامؑ

---

[1] ۔۔۔۔والامر الی ابنی علی سمی علی و علی۔۔/اعلام الوری318-317، کافی ج1 /252-251، ارشاد مفید307-306۔

[2] اعلام الوری/327، بحار جلد49 /91-90، مناقب جلد4 /360، عیون اخبار الرضاج2 /183-182۔

[3] اعلام الوری/228، بحار جلد49 /89، عیون اخبار الرضاج2 /176، مناقب جلد4 /360۔

[4] ۔انا قومٌ لا نستخدم اضیافنا۔۔ کافی جلد6 /284، بحار جلد49 /102۔

[5] مناقب جلد4 /362، بحار جلد49 /99۔

[6] مہ ان الرب واحدٌ والاب واحدٌ والجزاء بالاعمال، بحار جلد49 /101، کافی جلد8 /230۔

نے ہم کو آواز دی اور ان کے جواب میں کہہ دیا گیا کہ کھانا کھانے میں مشغول ہیں، امامؑ ایسے موقع پر کہہ دیتے تھے کہ اچھا رہنے دو یہاں تک کہ کھانا کھا کر فارغ ہوجائیں۔[۱]

یعقوب نوبختی نقل فرماتے ہیں کہ ایک سائل نے امام رضا علیہ السلام سے کہا کہ مروت کے بقدر مجھے عطا کیجئے امامؑ نے فرمایا کہ ہماری وسعت میں یہ بات نہیں ہے۔ سائل نے عرض کیا، میری مروت کے بقدر عطا کیجئے۔ امامؑ نے غلام کو حکم دیا کہ اس کو دوسو دینار دے دیئے ائیں۔[۲]

امام کا علمی مقام

آٹھویں امام علم وفضل کے اعتبار سے اس منزل پر فائز تھے کہ ہر آدمی آپ کو پہچانتا، آپ کی علمی عظمت کا اعتراف کرتا اور آپ کے سامنے سر تعظیم خم کر دیتا تھا۔

آپ کا زمانہ وہی زمانہ ہے جس زمانہ میں مختلف عقائد وافکار سے سابقہ تھا۔ علوم منتقل ہو رہے تھے۔ معارف یونان واسکندریہ کے متون کا ترجمہ ہو کر دنیائے اسلام اور عرب میں آ رہا تھا، مختلف قسم کے مکاتب فکر کے نظریات اور ان کے گونا گوں عقائد معاشرہ میں آ رہے تھے اور اس کے نتیجہ میں تضاد اور مختلف خیالات وعقائد ابھر رہے تھے، ایسے وقت میں لوگوں کے لئے اعتماد کے قابل صرف امام رضا علیہ السلام کا وجود پر فیض تھا۔

آپ کا پر کشش اور پر فیض محضر مبارک شاگردوں اور محققین سے موجیں مار رہا تھا، مختلف فکری جماعتوں کے رہبروں جیسے ثنویہ، دھریہ، یہود، نصاریٰ، زردشتی، زندیق کے مناظروں کی مرکز خلافت بنی عباس میں گرما گرم نشستیں تاریخ میں موجود ہیں جن میں سے ہر مناظرہ آپ کے علمی اور ارشاد وہدایت کے بلند مقام کو پایہ ثبوت تک پہنچاتا ہے۔[۳]

ان مناظروں میں ایک طرف تو امام انحرافات کا سد باب کرتے اور دوسری طرف لوگوں کو اسلامی علوم ومعارف سکھاتے تھے اور چونکہ خلفاء بنی عباس کے توسط سے ان کتابوں کے ترجمہ کا مقصد سیاسی تھا جیسے علم امامؑ سے مقابلہ یا لوگوں کے ایمان کو اہل بیت علیہم السلام سے برگشتہ کر دینا اس لئے امامؑ نے بھی مخصوص انداز سے ان کے منصوبہ کو خاک میں ملا دیا۔

امامؑ کی شخصیت

امام رضا علیہ السلام کی عظمت وممتاز شخصیت کے متعلق تمام مورخین اور محدثین اتفاق نظر رکھتے ہیں یہاں تک کہ مامون جو آپ کا سخت دشمن تھا اس نے بھی بارہا اس کا اعتراف کیا ہے۔

اس نے اپنے معین کردہ شخص رجاء بن ابی ضحاک سے جب امامؑ کے مدینہ سے مرو سفر کرنے کی خفیہ خبر سنی تو کہا: یہ (امامؑ کی طرف

---

[۱] کافی جلد 6 / 298، بحار جلد 49 / 102

[۲] مناقب جلد 4 / 360

[۳] ان مناظروں کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کے لئے کتاب بحار جلد 49 / 198 کے بعد کے صفحات اور عیون اخبار الرضا جلد 1 / 165-95 ملاحظہ ہوں۔

اشارہ) روئے زمین پر بہترین فرد اور انسانوں میں سب سے بڑے عالم اور عابد ہیں...[1]

نیز امامؑ کی ولی عہدی کے سلسلہ میں مامون نے بیس ہزار افراد کو جمع کر کے خطاب کیا:...میں نے فرزندان عباس اور فرزندان علی کے درمیان تلاش کیا لیکن ان میں سے کسی کو اس امر کے لئے علی ابن موسی رضا علیہ السلام سے زیادہ لائق، متدین، پارسا اور بافضیلت نہیں پایا۔[2]

امامت کا زمانہ

علی ابن موسیٰ علیہما السلام نے اپنے پدر بزرگوار کے قید خانہ میں شہادت کے بعد، 35 سال کی عمر میں رہبری اور امامت کا عہدہ سنبھالا۔ آپؑ کی امامت کی مدت بیس سال تھی، ہارون الرشید کے زمانہ کے دس سال، امین کی حکومت کے زمانہ کے پانچ سال اور مامون کی خلافت کے عہد کے پانچ سال۔

آپؑ کی امامت کے زمانہ میں آپؑ کے مبارزات اور آپؑ کے موقف و رویہ عباسی خلافت کی مشینری کے مدمقابل تھا، واضح کرنے کے لئے ضروری ہے کہ اس زمانہ کے حالات اور خصوصیات کو دیکھتے ہوئے آپ کے زمانہ امامت کو دو حصوں میں تقسیم کیا جائے۔

1۔ آغاز امامت سے خراسان بھیجے جانے تک (183ھ ق تا 201ھ ق)

2۔ خراسان بھیجے جانے کے بعد (201ھ ق سے 203ھ ق تک)

الف۔ آغاز امامت سے خراسان بھیجے جانے تک

علی ابن موسی الرضا علیہ السلام اپنے زمانہ کے حکام جور کی طاقت سے بے پرواہو کر ہدایت و رہبری اور امامت کے فرائض انجام دیتے رہے اس راستہ میں آپؑ نے کسی بھی کوشش سے دریغ نہیں کیا۔ حکومت کے مقابل امامؑ کا رویہ۔ اس استبدادی زمانہ میں۔ ایسا واضح تھا کہ آپؑ کے کچھ اصحاب آپؑ کی جان کے بارے میں ڈرنے لگے تھے۔

صفوان ابن یحیٰی نقل کرتے ہیں کہ امام رضا علیہ السلام نے اپنے والد کی رحلت کے بعد ایسی باتیں کہیں کہ ہم ان کی جان کے بارے میں ڈر گئے، اور ہم نے ان سے عرض کیا، آپؑ نے بہت بڑی بات کو آشکار کر دیا ہے۔ ہم آپؑ کے لئے اسی طاغوت (ہارون) سے ڈر رہے ہیں آپؑ نے فرمایا: جو کوشش چاہے کر لے وہ میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔[3]

محمد ابن سنان فرماتے ہیں کہ ہارون کے زمانے میں، میں نے امام رضا علیہ السلام سے عرض کیا: آپ نے امر امامت کے لئے اپنے کو مشہور کر لیا اور باپ کی جگہ بیٹھے ہیں جبکہ ہارون کی تلوار سے خون ٹپک رہا ہے۔

آپؑ نے فرمایا کہ:...اگر ہارون میرے سر کے بال میں سے ایک بال بھی کم کر دے تو تم گواہ رہنا کہ میں امام نہیں ہوں[4]۔

آٹھویں امامؑ کی اس زمانہ میں ہر چند کہ بڑی وسیع کارکردگی تھی لیکن مصلحت اسلام کا تقاضا یہ تھا کہ خلافت سے براہ راست

---

[1] ۔ هذا خير اهل الارض واعلمهم واعبدهم..... عیون اخبار الرضا جلد 2/ 182، بحار ج 49/ 95۔

[2] دائرۃ المعارف فرید وجدی جلد 4/ 250۔۔ مادہ رضا علیہ السلام۔ مروج الذہب 3/ 441، کامل ابن اثیر ج 6/ 326، طبری جلد 8/ 554۔

[3] ارشاد مفید/ 318، بحار جلد 49/ 113، 115، مناقب جلد 4/ 340، اعلام الوری/ 325، الفصول المہمہ/ 345۔

[4] ...ان اخذ هارون من راسي شعرة فاشهدوا اني لست بامام۔ کافی جلد 8/ 258-257 مناقب جلد 4/ 329، آخر کار وہی ہوا جو کہ امام نے فرمایا تھا ہارون کو امام پر ہاتھ ڈالنے کی فرصت پانے کی بجائے اپنے سپاہیوں کے ساتھ مشرقی ایران میں پیدا ہونے والی شورش دبانے کے لئے خراسان کی طرف سے گذر اراستہ میں بیمار ہوا اور انجام کار 193ھ میں طوس میں انتقال کر گیا تاریخ ابی الفداء جلد 1 جزء دوم/ 18۔۔

ٹکرانے کی بجائے اپنے فریضہ الٰہی کو دوسری طرح انجام دیں تا کہ وہ دشمن امام رضا علیہ السلام کے موقف سے ٹکرانے کے لئے تیار نہ ہو جائیں جو چھٹے امامؑ کی عمر کے آخری زمانہ میں اس بنیادی نقشہ کی گہرائی اور اہمیت سے واقف ہو چکے تھے جو نقشہ امام محمد باقر اور امام جعفر صادق (علیہما السلام) نے جعفری یونیورسٹی کے قالب میں پیش کیا تھا۔

آپ نے علویوں کے بہت سے قیام۔ جیسے اسلامی ثقافت کی نشر و اشاعت کے لئے زید ابن علی کے قیام۔ کی پشت پناہی اور حمایت کے علاوہ، اسلامی ثقافت کے مختلف پہلوؤں کی مخصوص انداز میں اپنے زمانہ کے تقاضا کے مطابق حمایت کی۔

امامؑ کی امامت کا یہ آٹھ سالہ دور (ابتداء امامت سے خراسان بھیجے جانے تک) جو امین و مامون کی خلافت کا زمانہ تھا ایک رخ سے امام محمد باقر اور امام جعفر صادق علیہما السلام کے زمانہ سے مشابہ تھا۔

اس لئے کہ ایک طرف امین و مامون کے درمیان خلافت کے مسئلہ پر خونین اختلافات اور کشمکش چھڑی ہوئی تھی۔ [1] اور نتیجہ میں 198ھ ق میں امین قتل کر دیا گیا اور مامون تخت خلافت پر بیٹھا۔

دوسری طرف انحرافی ثقافت نئے قالب اور جدید شکل میں پھیل رہی تھی علم کلام، فقہ اور اخلاق والے مکاتب فکر ہر لحظہ پراگندہ ہو رہے تھے اور انتشار پھیلا رہے تھے۔ علماء ملل و ادیان، خدمت، تعاون، ترجمہ، طبابت اور قدرتی ذخائر سے فائدہ اٹھانے کے ساتھ ساتھ تفرقہ اندازی اور ایسے مسائل کو نشر کرنے میں لگے ہوئے تھے جو اسلام سے دور اور منحرف کرنے کا سبب بنتے تھے۔ مامون نے اس زمانہ میں علم و حکمت سے دوستی کے نام پر اپنے سیاسی مقاصد کو حاصل کرنے کے لئے ان کے لئے میدان خالی کر رکھا تھا، اور اس بات کی کوشش کر رہا تھا کہ حق دار پارٹی کے ثقافتی نفوذ کو۔ جو کہ امام محمد باقر۔ کے زمانہ سے مائل بہ وسعت تھا۔ محدود کر دے اور معاشرہ کے ذہن کو انقلابی اور اہل بیت کی حق پر استوار ثقافت سے ہٹا دے۔

یہی وہ جگہ ہے جہاں اسلامی معاشرہ کے لئے اس آٹھ سالہ دور میں امام کی شخصیت ابھر کر سامنے آئی اور شیعوں کو بھی موقع ملا کہ مسلسل آپ سے رابطہ رکھیں اور آپ کی رہنمائی سے بہرہ مند ہوتے رہیں خاص کر اس وقت سے جب آپ نے بصرہ اور کوفہ کا سفر کیا اور عوامی مرکز سے براہ راست ارتباط پیدا کیا تو ان دو شہروں کے عوام نے پہلے سے آمادگی کی بنا پر اپنے رہبر کا شاندار استقبال کیا۔ امامؑ نے اپنے دوستوں اور شیعوں سے ملاقات کے علاوہ مختلف قوموں کے دانشمندوں اور مختلف جماعتوں کے لیڈروں سے بحث و مناظرہ کی نشستیں تشکیل دیں اور معارف اسلامی کی مختلف انداز سے نشر و اشاعت کی [2]۔

امامؑ اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنے موقف کے استحکام اور اسلامی معاشرہ کے مختلف طبقوں کے درمیان اپنے نفوذ کو وسعت دینے میں کامیاب ہوئے۔

مامون سے ایک گفتگو میں آپؑ لوگوں کے درمیان اپنے نفوذ کے میزان کی طرف اشارہ فرماتے ہیں کہ: اس امر۔ ولی عہدی۔

---

[1] اس اختلاف کا سبب یہ تھا کہ ہارون نے امین کو اپنے بعد خلافت کے لئے مقرر کیا تھا لیکن اس کی شرط یہ تھی کہ وہ مامون کو اپنا ولیعہد بنائے اور خراسان کے صوبہ کی حکومت اس کے حوالہ کر دے لیکن امین نے ہارون کی موت کے بعد مامون کو ولی عہدی سے معزول کر دیا اور اپنے بیٹے موسیٰ کو اس عہدہ کے لئے نامزد کر دیا۔ یہی بات ان دونوں کے درمیان کشمکش اور خوں چکاں جنگ کا باعث بنی، کامل جلد 6 / 227۔

[2] امام کے بصرہ اور کوفہ کے سفر اور آپ کی خدمت میں پہونچ کر شیعوں کے استفادہ اور اسی طرح آپ کے مناظرہ کے بارے میں بحار جلد 49 / 81-79 ملاحظہ ہوں۔

نے ہمارے لئے کسی نعمت کا اضافہ نہیں کیا ہے۔ میں جب مدینہ میں تھا تو میری تحریر مشرق و مغرب میں چلتی تھی...[1]

اکثر ایسا ہوتا تھا کہ حکومت کے مسائل کو حل کرنے اور مختلف گروہوں کے غصہ کو ٹھنڈا کرنے کے لئے مامون امام رضا علیہ السلام سے رابطہ قائم کرتا تھا اور ان سے یہ خواہش کرتا تھا کہ لوگوں سے باتیں کریں اور ان کو خاموش رہنے اور چپ ہو جانے کی دعوت دیں۔[2]

علویوں کا قیام

علویوں نے بھی دربار خلافت کے جھگڑوں اور ان کے آپس میں الجھ جانے سے فائدہ اٹھایا اور امام کی شخصیت اور ان کے موقف پر تکیہ کرتے ہوئے خلافت کی مشینری کے خلاف قیام اور شورش برپا کی منجملہ اُن کے: (ابوالسرایا) کا قیام تھا،[3] انہوں نے محمد ابن ابراہیم طباطبا کی بیعت کے نعرہ کے ساتھ 199ھ ق میں کوفہ میں خروج کیا اور لوگوں کو خاندان پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نصرت اور شہیدان آل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خون کا انتقام لینے کی دعوت دی۔ ابوالسرایا کا لشکر ان تمام سپاہیوں کو ختم کر دیتا تھا جن کو حکومت ان لوگوں سے مقابلہ کے لئے بھیجتی تھی اور یہ لشکر جس شہر میں بھی جاتا اس کو اپنے قبضہ میں لے لیتا تھا[4]

وہ دو ماہ سے کم عرصہ میں مامون کے دو لاکھ کے لشکر کو قتل کرنے میں کامیاب رہے۔ اس طرح کوفہ، جس نے حسین ابن علی کے ساتھ خیانت کا ثبوت دیا اور زید ابن علی کو تنہا چھوڑ دیا تھا، اس بار ابن طباطبا کی ہمراہی میں علوی تحریک اور اس کے اعلیٰ مقاصد کے دفاع کیلئے اٹھ کھڑا ہوا۔

کوفہ میں ابوالسرایا کے قیام کے علاوہ مختلف علاقوں جیسے بصرہ، یمن، واسط، مدائن حتی بین النہرین اور شام میں علویوں اور غیر علویوں نے قیام کیا اور حکومت عباسی کے مدمقابل ڈٹ گئے۔[5]

یہ تمام چیزیں اس بات کی بیّن دلیل ہیں کہ مختلف طبقات کے لوگ غیر اسلامی حکومت اور عباسیوں کے ظلم کے خلاف تھے اور اہل بیت علیہم السلام کے حق طلب اور مکتب عدالت کے گرویدہ ہوتے جا رہے تھے۔

اسی وجہ سے ہم دیکھتے ہیں اسلامی مملکت کے اندر مامون کی تمام تر کوششوں کے باوجود یہاں تک کہ اپنے بھائی امین کے قتل کر دینے کے بعد بھی تمام اسلامی علاقوں پر جیسا چاہتا تھا ویسا تسلط نہ حاصل کر سکا۔

اگرچہ اس زمانہ میں۔ ظاہری قدرت اور زر و زور کے اعتبار سے۔ نگاہیں حکومت کے پایہ تخت (مرو) پر جمی ہوئی تھیں، لیکن دینی وراثت، آوازہ حق اور حق کے اصلی رہبر کے چہرہ کو دیکھنے کے لئے نگاہیں مدینہ کی طرف متوجہ تھیں یعنی اس شہر کی جانب جہاں فرزند پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور پیشوائے حق حضرت علی ابن موسیٰ رضا علیہ السلام رہتے تھے۔

اس عرصہ میں دوسرے تمام لوگوں سے زیادہ اچھی طرح مامون کو معلوم تھا کہ کون سا حادثہ اس کے انتظار میں ہے ان تحریکوں کا

---

[1] ...ولقد کنت بالمدینه و کتابی ینفذ فی المشرق والمغرب ... بحار جلد 49 / 155-144، کافی ج 8 / 151

[2] عیون اخبار الرضا جلد 2 / 162، 161۔ الحیاۃ السیاسیۃ لامام الرضا / 146، مناقب ج 4 / 347، اعلام الوری / 338۔

[3] یہ امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام کی نسل سے تھے، ابوالفرج نے جابر جعفی سے روایت کی ہے کہ حضرت امام محمد باقر۔ نے ان کی خروج کی خبر دی اور فرمایا 199ھ میں ہم اہل بیت علیہم السلام میں سے ایک شخص منبر کوفہ پر خطبہ پڑھے گا خدا اس کے وجود کی بنا پر ملائکہ پر مباحات کرے گا تتمۃ المنتہیٰ / 264، مقاتل الطالبین / 348۔

[4] ضحیٰ الاسلام ج 3 / 294، تاریخ طبری جلد 8 / 350، الحیاۃ السیاسیۃ لامام الرضا / 183

[5] الحیاۃ السیاسیۃ لامام الرضا / 183 منقول از مقاتل الطالبین، البدایہ والنہایہ۔

سرچشمہ کہاں ہے کس کی پشت و پناہی اور موقف پر اعتماد کرتے ہوئے یہ تحریکیں چل رہی ہیں اس وجہ سے اس نے اس بنیادی اور بڑی بات کی اصولی چارہ جوئی کرنے کی ترکیب سوچی۔

ب۔سفر خراسان کی پیشکش کے آغاز سے شہادت تک

امامؑ کی زندگی کا یہ حصہ جو تقریباً 18 مہینوں پر پھیلا ہوا ہے۔کم مدت ہونے کے باوجود اس واقعہ کو اپنے دامن میں لئے ہے جس نے خلافت عباسی کے مدمقابل امامت کے موقف کو دوسری سطح میں قرار دیا۔

مشکلات اور دشواریاں جو علویوں کی طرف سے پیدا ہوگئی تھیں جن کا سرچشمہ ان کے راس ورئیس امام رضاؑ کی گراں قدر شخصیت تھی، وہ دشواریاں جنہوں نے حکومت کو زوال کے معرض خطر میں ڈال رکھا تھا۔ان کے چنگل سے نجات حاصل کرنے کے لئے مامون نے وہ نیا طریقہ اپنایا جس کو آج تک اس نے نہیں اپنایا تھا۔اور وہ طریقہ یہ تھا کہ ولیعھد ی کی پیشکش کر کے اہم ترین مخالف شخصیت کو اپنے مرکز قدرت میں آنے کی دعوت دے اور ان کو اپنا بالا دست بنا دے۔

لہٰذا نہ چاہنے کے باوجود اپنے وزیر (فضل ابن سہل) سے مشورہ کے بعد امامؑ کو مدینہ سے مامون نے مرو بلایا اور ولیعہدی قبول کرنے کے لئے مجبور کیا۔

مامون کے اس خلاف توقع اور نئے اقدام میں ابتداء میں اس کی حکومت کے لئے بڑی مشکلیں پوشیدہ تھیں جن میں سب سے بڑی مشکل یہ تھی کہ عباسیوں اور علویوں کی رائے اس اقدام کا استقبال نہیں کر رہی تھی۔اس لئے کہ وہ لوگ یہ دیکھ رہے تھے کہ اس نے مسند خلافت تک پہنچنے کے لئے اپنے بھائی کو قتل کر دیا اور خود بھی اہل بیتؑ کے سخت ترین دشمنوں میں شمار کیا جاتا تھا اس لئے مامون نے کسی بھی ممکنہ صورت سے اپنے صدق و اخلاص کو ثابت کرنے کے لئے مندرجہ ذیل اقدامات کئے:

1۔سیاہ لباس کو جو عباسیوں کا شعار تھا، جسم سے اتار پھینکا اور سبز لباس جو علویوں کا شعار تھا پہن لیا۔

2۔اس نے حکم دیا کہ امام رضاؑ کے نام کے سکّے ڈھالے جائیں اور ہر شہر میں منجملہ ان کے مدینہ میں ان کے نام کا خطبہ پڑھا جائے۔

3۔اپنی بیٹی ام حبیبہ کو۔باوجود اس کے کہ امامؑ سے چالیس سال چھوٹی تھی۔امام کی زوجیت میں دے دیا۔

4۔امام رضاؑ اور علویوں کا بظاہر احترام و اکرام کرنے لگا۔

مامون مطمئن تھا کہ ان اقدامات میں سے کوئی بھی اقدام یہاں تک کہ امامؑ کے لئے بیعت حاصل کرنا بھی اس کے نقصان کا سبب نہیں ہے۔اس سیاست کو اپنانے کا مقصد یہ تھا کہ اس وقت فوراً علویوں کی شورش کو روک دیا جائے اور ایک طویل مدتی منصوبہ کے تحت امام کو میدان سے الگ ہٹا دیا جائے۔

ولی عہدی کا واقعہ

امام رضاؑ کی ولی عہدی کے واقعہ کو دو لحاظ سے دیکھنا چاہئے، ایک تو اس زمانہ کی خلافت کی مشینری کی سیاست کے اعتبار سے اور دوسرے امام کے نظریہ کے مطابق۔

الف۔ خلافت کی سیاست کے اعتبار سے

ولی عہدی کے مسئلہ میں مامون کے چند مقاصد پوشیدہ تھے ان میں سے اہم ترین مقاصد کی طرف اشارہ کیا جارہا ہے۔

1۔ امام رضاؑ کی شخصیت سے جو خطرہ تھا اس سے اپنے آپ کو بچا لینا۔

2۔ امام رضاؑ کو اپنے زیر نظر رکھنا اور شاید مامون نے اپنی بیٹی سے آپ کی شادی اسی وجہ سے کی تھی کہ ان کی بیرونی سرگرمیوں کو زیر نظر رکھنے کے علاوہ ان کی داخلی زندگی میں بھی ایک نگہبان معین کر دے جو ہمارے لئے بھی قابل اطمینان ہو اور ان کا بھی اعتماد حاصل کر لے۔

چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ امام کو مرو بلاتے ہی اس نے جاسوسوں کو معین کر دیا منجملہ ان کے ہشام ابن ابراہیم راشدی جو امام کے نزدیک ترین افراد میں سے تھا اور امام کے امور اسی کے ہاتھ سے انجام پاتے تھے وہ فضل ابن سہل اور مامون سے رابطہ پیدا کر کے اپنی مخصوص حیثیت کو ان کے سامنے بیان کرتا ہے اور مامون اس کو (عمومی رابطہ کا ذمہ دار) امامؑ کا نگہبان بنا دیتا ہے اس کے بعد امام سے وہی ملاقات کر سکتا تھا جس کو ہشام چاہتا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ امام کے دوستوں کی ملاقات کم ہوگئی اور جو کچھ امام کے گھر میں ہوتا اس کی خبر ہشام مامون کو دیتا۔[1] اور وہ اس طرح امام کے شیعوں اور رشتہ داروں کو مکمل طور پر پہچانتا تھا۔

3۔ معاشرتی زندگی اور عوام کے مراکز سے امام کا رابطہ منقطع کر دینا۔ تا کہ اس طرح آپکے چاہنے والے آپ تک نہ پہنچ سکنے کی وجہ سے پراکندگی کا شکار ہو جائیں۔

4۔ امام کی معنوی حیثیت اور نفوذ سے علویوں کی شورشوں کو ختم کرنے اور عباسیوں کے خلاف لوگوں کے غیظ وغضب اور کینہ کو ختم کرنے میں فائدہ حاصل کرنا۔ اس نے یہ سمجھا تھا کہ آپ کی شخصیت کا جتنا معنوی نفوذ ہے اور جتنی عوامی پشت پناہی آپ کو حاصل ہے آپ سے اپنا سلسلہ جوڑ کر اتنی ہی جگہ اس کی حکومت بھی لوگوں کے درمیان پیدا کر لے گی۔

5۔ اپنی حکومت کو شرعی حیثیت دینا: اس لئے کہ علویوں کے علاوہ۔ جو حکومت بنی عباس کی حکومت کی بنیاد کو غیر شرعی سمجھتے تھے۔ جو لوگ مامون کے ذریعہ قانونی خلیفہ یعنی امین کے قتل کی وجہ سے۔ خلافت بنی عباس کو مانتے ہوئے۔ بھی وہ مامون کی خلافت کو شک وتردید کی نظر سے دیکھتے تھے۔ اس لئے بہت سے لوگوں نے مامون کی بیعت نہیں کی تھی۔[2]

6۔ اہل بیت کی الٰہی رہبری کو داغدار کرنا اور امام رضاؑ کی اجتماعی اور معنوی حیثیت کو چکنا چور کر دینا۔ اس لئے کہ مامون یہ سمجھتا تھا کہ امامؑ کا ولی عہدی کو قبول کر لینا آپ کی معنوی رہبری کو بہت نقصان پہنچائے گا اور امام پر لوگوں کا اطمینان ختم ہو جائے گا۔

خاص طور پر سن کے اس فرق کی وجہ سے جو امامؑ اور مامون کے درمیان تھا۔ امام مامون سے 22 سال بڑے تھے (اب ایسی صورت میں) ولی عہدی قبول کر لینے کو لوگ امام کی دنیا پرستی پر محمول کرتے۔ اس لئے کہ اس مسئلہ کو اہل بیت (علیہم السلام) کے اس نظریہ اور نعرہ کے خلاف پاتے جو وہ بلند کیا کرتے تھے۔

آٹھویں امامؑ نے مامون کے ساتھ اپنی ایک گفتگو میں اس نقشہ کی طرف اشارہ کیا ہے: آپؑ فرماتے ہیں: تم یہ چاہتے ہو کہ لوگ

---

[1] الحیاۃ السیاسیۃ لامام الرضاؑ 214۔213، بحار جلد 49/ 139، مسند امام رضا 1/ 78، 77، عیون اخبار الرضاج 2/ 152۔

[2] الحیاۃ السیاسیۃ لامام الرضا/ 189۔188۔

کہنے لگیں کہ علی ابن موسی الرضاؑ دنیا سے روگرداں نہیں ہیں، یہ دنیا ہی تو ہے جوان تک آ ئی ہے، کیا تم لوگ نہیں دیکھتے کہ انہوں نے کس طرح خلافت کی طمع میں ولی عہدی قبول کر لی[1]

دوسری طرف مامون کو یہ معلوم تھا کہ امامؑ کا حکومت کا مشینری میں داخل ہونا۔ان تمام خرابیوں اور عظیم انحرافات کے بعد۔ اصلاح کا باعث نہیں بنے گا وہ چاہتا تھا کہ امامؑ کو ایسی جگہ پر لا یا جائے تاکہ لوگوں کو سمجھا یا جاسکے کہ امامؑ امر خلافت کے لائق نہیں ہیں۔

مامون نے حمید ابن مھران اور دوسرے عباسیوں کے جواب میں جو امام رضاؑ کو ولی عہدی سپرد کرنے پر سرزنش کر رہے تھے، اپنے بعض مقاصد کو شمار کرتے ہوئے اعتراف کیا ہے کہ...یہ ہم سے پوشیدہ اور دور تھے اپنی طرف لوگوں کو دعوت دیتے تھے ہم نے چاہا کہ ان کو اپنا ولی عہد قرار دیں تاکہ ان کی دعوت ہمارے لئے ہو جائے اور یہ ہماری سلطنت وخلافت کا اعتراف کرلیں اور ان کے شیدائی یہ سمجھ لیں کہ جس چیز کا وہ دعوی کرتے ہیں ان میں وہ چیز نہیں ہے۔ہم کو یہ خوف تھا کہ اگر ان کو ان کے حال پر چھوڑ دیا جائے تو یہ ہنگامہ برپا کر دیں گے۔ایسا ہنگامہ جس کو ہم لوگ نہیں روک سکتے اور یہ ایسی صورت حال پیدا کریں گے کہ جس کے مقابلہ کی تاب ہم میں نہیں ہے۔[2]

ب: امام کے نکتہ نظر سے

امامؑ کو پہلے مامون کی پیش کش کا سامنا ہوا لیکن امامؑ نے بڑی شدت سے اس کو قبول کرنے سے انکار کیا اور جواب میں فرمایا: اگر خلافت تمہارا حق ہے تو تم کو یہ حق نہیں ہے کہ خدا کے پہنائے ہوئے اس لباس کو اپنے جسم سے اتار کر دوسرے کے جسم پر پہنا دو اور اگر تمہارا حق نہیں ہے تو اس چیز کو کس طرح تم دے رہے ہو جو تمہاری ملکیت نہیں ہے۔[3]

مامون نے ولی عہدی کی پیش کش کی اور امام کو ہر طرح سے اسے قبول کرنے پر مجبور کیا اس نے کہا: عمر ابن خطاب نے اپنے بعد خلافت کے منصب کے لئے ایک شوریٰ (کمیٹی) بنائی اور انکو حکم دیا کہ جو مخالفت کرے اس کی گردن اڑا دینا۔اب جو میں نے ارادہ کیا ہے اس کو قبول کر لینے کے سوا اور کوئی چارہ نہیں ہے ورنہ میں آپ کی گردن اڑا دوں گا۔امامؑ نے اس کی پیش کش کو چند بار ٹھکرانے کے بعد جبر و اکراہ، مشروط طریقہ پر ولی عہدی کو قبول کر لیا[4]۔مامون نے 5 رمضان 201ھ ق کو امامؑ کی ولی عہدی اور بیعت کا جشن منایا۔

مسئلہ ولی عہدی کے بارے میں امامؑ کا موقف واضح ہو جانے کیلئے ہم۔مختصر طور پر۔تین موضوعات کی تحقیق کریں گے۔

1۔امامؑ کی ناراضگی کے دلائل   2۔ولی عہدی قبول کرنے کے دلائل

3۔امامؑ کا منفی رویہ

امامؑ کی ناراضگی کے دلائل

1۔ریان ابن صلت نقل کرتے ہیں کہ میں نے امام رضاؑ کی خدمت میں عرض کیا: اے فرزند رسول کچھ لوگ کہتے ہیں کہ آپ

---

[1] مناقب جلد 4/363۔عیون اخبار الرضا جلد 2/139، بحار جلد 49/129

[2] انوار البھیّہ/207، مناقب ج 4/367، اعلام الوری/343۔

[3] مناقب ج 4/363، بحار ج 49/129، عیون اخبار الرضا جلد 2/139-138

[4] اس سلسلہ میں ملاحظہ ہو مناقب جلد 4/363-362، بحار جلد 49/130-129، ارشاد مفید/310، عیون اخبار الرضا جلد 2/139-138 اعلام الوری/334-333۔عنقریب ان شرائط کی طرف اشارہ کیا جائے گا امام جن شرطوں کے قائل تھے۔

نے مامون کی ولی عہدی کو قبول کرلیا ہے جبکہ آپ دنیا کی نسبت زہد اور بے رغبتی کا اظہار فرماتے ہیں؟ امام نے فرمایا: یہ کام میری خوشی کا باعث نہ تھا لیکن میں ولی عہدی قبول کرنے اور قتل کئے جانے کے درمیان قرار دیا گیا مجبوراً میں نے ولی عہدی کو قبول کیا... [1]

2۔محمد ابن عرفہ نقل کرتے ہیں کہ میں نے امامؑ سے عرض کیا اے فرزند رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپؑ نے ولی عہدی کو کیوں قبول کیا ؟ آپؑ نے فرمایا: اسی دلیل سے جس دلیل سے میرے جد علی علیہ السلام کو شوری میں شرکت کرنے پر آمادہ کیا گیا تھا۔ [2]

3۔امامؑ کے خادم یاسر نقل کرتے ہیں کہ: امامؑ کے ولی عہدی کو قبول کر لینے کے بعد میں نے ان کو دیکھا کہ آپ ہاتھوں کو آسمان کی طرف بلند کر کے فرماتے تھے: خدایا تو جانتا ہے کہ میں نے بجبر واکراہ اسے قبول کیا ہے۔لہٰذا مجھ سے مؤاخذہ نہ کرنا جس طرح تو نے اپنے بندہ یوسف کا۔جب انہوں نے مصر کی حکومت کو قبول کیا۔مؤاخذہ نہیں کیا۔ [3]

ولی عہدی قبول کرنے کے دلائل:

ولی عہدی کو ان شرطوں کے ساتھ قبول کرنا جو امامؑ نے رکھی تھیں، اس زمانہ کی سیاسی اور اجتماعی مصلحت کا تقاضا تھا ورنہ اگر کوئی بھی مصلحت اس کے قبول کرنے میں نہ ہوتی تو امامؑ قبول ہی نہ کرتے چاہے نتیجہ میں ان کا خون ہی کیوں نہ بہادیا جاتا اس موضوع کو واضح کرنے کے لئے چند نکات پیش کیے جاتے ہیں۔

1۔انکار کی صورت میں امامؑ کو جو قیمت ادا کرنی پڑتی وہ صرف ان کی جان نہ تھی بلکہ آپ کے پیروکار سب کے سب واقعی خطرے میں پڑ جاتے اور اس سے کوئی مطلوبہ نتیجہ بھی ہاتھ نہ آتا۔

2۔شیعوں کی امامت کی جگہ اس وقت تک زندانوں اور شہادت گاہوں کے اندر ہی تھی اور شیعہ جو خلافت اسلامی کے اہل تھے۔ امیر المومنین کے زمانہ کے علاوہ۔کبھی بھی قانونی حیثیت (ظاہری حیثیت) ان کو نہیں ملی تھی کہ وہ تخت خلافت کے دامن میں ترقی کریں اور راستہ طے کریں۔

سلف کے مسلسل جہاد اور ان کے خون پاک کی قیمت تھی کہ یہ حیثیت امام علی ابن موسی الرضا علیہ السلام کی بلند و بالا شخصیت میں اجاگر ہوئی تھی لہٰذا اس سے فائدہ اٹھانا چاہئے تھا تاکہ لوگ یہ نہ سوچ بیٹھیں کہ اہل بیت علیہم السلام۔جیسا کہ لوگوں نے مشہور کر رکھا ہے۔صرف عالم اور فقیہ ہیں جن کا سیاست اور عملی میدان میں کوئی حصہ نہیں ہے اور شاید ابن عرفہ کو امامؑ کا جواب بھی اس بات کی طرف اشارہ ہو۔

3۔امامؑ اپنی ولی عہدی کے زمانہ میں مامون کے اصلی چہرہ کو لوگوں کے درمیان پہچنوانے اور اس کی نیت و مقصد کا پول کھول کر لوگوں کے ذہن و دماغ سے ہر طرح کے شک وشبہ کو ختم کرنے میں کامیاب ہو گئے۔

4۔جو نشستیں مامون نے منعقد کیں ان میں امام، علوم اہل بیت کی برتری اور دوسروں کے انحراف کو آشکار کرنے میں کامیاب ہو گئے۔

---

[1] عیون اخبار الرضا جلد 2/ 136، بحار جلد 49/ 130

[2] عیون اخبار الرضا جلد 2/ 139، مناقب جلد 4/ 364، بحار جلد 49/ 140۔شاید امام کا نظریہ یہ رہا ہو کہ لوگ اہل بیت کو سیاست کے میدان میں دیکھ لیں اور ان کو بھول نہ جائیں۔شاید اصل کی تشبیہ خفیہ مصالح پر مشتمل رہی ہو۔

[3] مناقب جلد 4/ 364، بحار جلد 49/ 130

امام کا منفی رویہ

امامؑ نے مامون کی بہانہ بازی والی سیاست کو پہچان کر شروع ہی سے، یہاں تک کہ ولی عہدی قبول کرنے سے پہلے ہی مامون کی مشینری کے مقابل منفی موقف اختیار کیا نمونہ کے طور پر ان میں سے کچھ مواقف پیش کئے جا رہے ہیں۔

1۔ مامون کی خواہش یہ تھی کہ آپ اپنے خاندان میں سے جس کو چاہیں اپنے ہمراہ لائیں لیکن اس کے برخلاف امامؑ یہ بتانے کے لئے کہ یہ ایک زبردستی کا سفر ہے اور مجھ کو وطن سے دور کیا جا رہا ہے۔ اپنے خاندان میں سے کسی کو حتی اپنے اکلوتے بیٹے امام جوادؑ کو بھی اپنے ساتھ نہیں لائے اور گھر سے نکلتے وقت انہوں نے اپنے خاندان والوں سے اپنے سامنے گریہ کرنے کی خواہش کی۔[1]

2۔ امام مدینہ سے مرو کے راستہ میں جب نیشاپور پہنچے تو وہاں علماء اور مختلف گروہ کے لوگوں نے استقبال کیا امامؑ نے ان کی خواہش پر اس حدیث کو بیان فرمایا جو سلسلة الذہب کے نام سے مشہور ہے:

...الله عزوجل یقول: لا اله الا الله حصنی فمن دخل حصنی امن من عذابی[2]

خداوند عالم فرماتا ہے کہ کلمۂ توحید میرا قلعہ ہے جو اس کلمہ کو پڑھے وہ میرے قلعہ میں داخل ہو گیا اور جو میرے قلعہ میں داخل ہو گیا وہ میرے عذاب سے محفوظ ہو گیا۔

جب حدیث ختم ہو گئی تو امامؑ نے اپنی سواری آگے بڑھا دی لیکن چند قدم چلنے کے بعد پھر ٹھہرے اور سر کو کجاوہ سے باہر نکال کر فرمایا: **بشروطها و انا من شروطها** کلمۂ توحید کے کچھ شرائط ہیں اور منجملہ ان شرائط کے (ایک شرط) میں ہوں۔

اس مقام پر امامؑ نے ولایت کے مسئلہ کو توحید کے بنیادی مسئلہ کے ساتھ بیان فرمایا اور جملہ "**انا من شروطها**" کے ذریعہ آپؑ نے بنیادی اور کلی موضوع کی نشاندہی فرمائی، اسی وجہ سے آپؑ نے روایت بیان کرنے سے پہلے اس روایت کے سلسلہ کو بھی بیان فرمایا اور لوگوں کے کثیر مجمع کو یہ سمجھایا کہ امت کی رہبری اور ولایت کا تعلق مبدا اعلی اور خدا سے ہے۔ اس طرح آپؑ نے اپنی امامت کو خدا کی طرف منسوب کر کے حکومت مامون کی مشروعیت پر خط بطلان کھینچ دیا۔

3۔ امامؑ نے ولی عہدی کو قبول کرنے کے لئے کچھ شرطیں رکھیں اور فرمایا (ولی عہدی) مجھے قبول ہے لیکن اس کی شرط یہ ہے کہ میں امر و نہی کرنیوالا اور مفتی و قاضی نہیں رہوں گا کسی کو معزول و منصوب نہیں کروں گا اور کسی چیز کو تبدیل نہیں کرونگا۔[3]

امامؑ نے یہ منفی موقف اختیار کر کے مامون کے بعض مقاصد پر خط بطلان کھینچ دیا اس لئے کہ اس روش کو اختیار کرنا مندرجہ ذیل باتوں کی دلیل ہے:

الف۔ لوگوں کے ذہنوں میں بہت زیادہ شبہ اور ابہام کا پیدا کرنا اور نتیجہ میں مامون کو متہم کر دینا۔

ب۔ مامون حکومت کی شرعی حیثیت کو ختم کرنا۔

---

[1] بحار جلد 49/ 117، مناقب جلد 4/ 340، عیون اخبار الرضا جلد 2/ 219

[2] بحار جلد 49/ 123۔ مسند امام رضا جلد 1/ 59۔۔ مقدمہ۔۔ و 43، عیون اخبار الرضا جلد 2/ 132۔134، الفصول المہمہ/ 254

[3] مناقب جلد 4/ 363، ارشاد مفید/ 310، اعلام الوری/ 334۔۔ اجیبك الی ما تریدمن ولایة العهد علی اننی لا امر و لا انهی و لا افتی و لا اقصی ولا اوی ولا اعزل ولا اغیرّ شیئاً مما هو قائمٌ...

ج۔اپنی پارسائی اورزہد کا اثبات

4۔نمازعیداورامام کا موقف۔مامون نے امامؑ سے چاہا کہ نمازعید پڑھادیں آپؑ نے جواب دیا کہ میرے اورتمہارے درمیان جوشرطیں ہیں ان کی بنا پرتم مجھ کومعذور سمجھو۔مامون نے کہا اس سے ہمارا مقصد یہ ہے کہ لوگ مطمئن ہوجائیں اورآپ کی فضیلت کو پہچان لیں۔

امامؑ نے جب مامون کا اصرار دیکھا تو فرمایا کہ اگر مجبوراً مجھے اس کام کے لئے جانا ہی پڑا تو میں نماز ادا کرنے کے لئے رسول خداصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اورحضرت امیرالمومنین علیہ السلام کی طرح نکلوں گا۔

مامون نے قبول کیا اورحکم دیا کہ حکام، درباری اورعام افرادعید کی صبح کوامام رضا علیہ السلام کے گھر کے پاس حاضر ہوں۔

عید کی صبح ہوئی، امامؑ نے غسل فرمایا اورسفید عمامہ مخصوص انداز سے اپنے سر پر رکھا اپنے آپ کوخوشبو سے معطر کیا، ہاتھ میں عصا لیا اورننگے پیراس حالت میں کہ اپنے لباس کے دامن کوآدھی پنڈلی تک اوپر اٹھار کھا تھا نکلے اوراپنے گھر کے افرادکوبھی آپؑ نے حکم دیا کہ اسی انداز سے باہر نکلیں اس کے بعد سرکوآسمان کی طرف بلند کرکے آپؑ نے تکبیر کہی، آپؑ کے ساتھ چلنے والوں نے بھی آپؑ کی آواز سن کر تکبیر کہی۔لشکر کے کمانڈر،مملکت کے اعلیٰ عہدوں پرفائز افراداورعوام گھر سے باہر نہایت سج دھج کے ساتھ منتظر کھڑے تھے جب امامؑ کو ایسی حالت میں دیکھا توسواریوں سے اتر پڑے اورپیروں سے جوتے نکال ڈالے۔امامؑ تکبیروں کوباربار دہراتے رہے اورجم غفیر،ان کے ساتھ تکبیر کہتا رہا۔ماحول میں ایسی عظمت برس رہی تھی اورایسا شور ہورہا تھا جیسے آسمان وزمین، درودیوارشہر مرو، ان کے ساتھ تکبیر کہہ رہے ہوں لوگوں میں ایسی کیفیت تھی کہ بے اختیار نالہ وگریہ کی آواز بلند ہونے لگی۔امامؑ راستہ میں چلتے رہے لیکن ہردس قدم کے بعد کھڑے ہوجاتے اورچار بارتکبیر کہتے۔[1]

فضل بن سہل نے اس کی رپورٹ مامون کودی اوراتنا اضافہ کیا کہ اگر رضا علیہ السلام اسی طرح بڑھتے رہے تو فتنہ وآشوب برپا ہو جائے گا اورہمارے پاس جان بچانے کا کوئی ذریعہ نہیں ہے آپ ان تک یہ پیغام بھیج دیں کہ لوٹ جائیں۔

مامون نے امامؑ سے کہلوا بھیجا کہ ہم نے آپ کوزحمت دی آپ لوٹ جائیں جو پہلے نماز پڑھاتا تھا وہی نماز پڑھائے گا۔

امامؑ وہیں سے پلٹ گئے [2] اووہ لوگ جوآشفتہ اورپراگندہ تھے انہوں نے مامون کے نفاق اورعوام فریبی کوسمجھ لیا اوریہ جان لیا کہ مامون امامؑ کے لئے جوکچھ کررہا ہے وہ فقط دکھاوا ہے اس کا ہدف صرف اپنے سیاسی مقاصد تک پہنچنا ہے۔

شہادت امامؑ

مامون امامؑ کی روز افزوں عزت ووقعت کودیکھ کر ہمیشہ خوف زدہ رہتا تھا۔جب اس نے یہ سمجھ لیا کہ امامؑ کواپنے سیاسی اغراض و مقاصد کے لئے کسی طرح بھی استعمال نہیں کرسکتا تو اس نے امامؑ کے قتل کا ارادہ کرلیا، اس لئے کہ وہ جانتا تھا کہ جتنا زمانہ گذرتا جائے گا اتنی ہی زیادہ امامؑ کی عظمت اورحقانیت نمایاں ہوتی جائے گی اوراس کا فریب ونفاق واضح ہوتا جائے گا۔

---

[1] تکبیر کی صورت اس طرح تھی: اللہ اکبر، اللہ اکبر علی ما ھدانا، اللہ اکبر علی ما رزقنا من بھیمۃ الانعام و الحمد للہ علی ما ابلانا

[2] ارشاد مفید/ 312،313 الحیاۃ السیاسۃ الامام الرضا/ 353،355، عیون اخبار الرضا جلد 2/ 149، 148 بحار جلد 49/ 134،135 اعلام الوری/ 336،337 الفصول المھمۃ/ 260،261

دوسری طرف امامؑ کو ولیعہدی کے لئے معین کرنے سے بنی عباس خلیفہ کے بارے میں برانگیختہ ہو گئے۔ اتنا برہم ہوئے کہ مخالفت ظاہر کرنے کے لئے انہوں نے ابراہیم ابن مہدی عباسی کی بیعت کر لی۔[۱]

لہٰذا مخصوص منصوبہ کے تحت ماہ صفر کے آخر میں 203ھ ق میں جب آپؑ کی عمر پچپن سال کی تھی آپؑ کو زہر دے دیا۔[۲]

اوراپنے جرم پر پردہ ڈالنے کے لئے شہادت کی خبر پھیلنے کے بعد گریبان چاک، سر پیٹتے آنکھوں سے آنسو بہاتے ہوئے امامؑ کے گھر کی طرف دوڑا۔

لوگ امامؑ کی شہادت کی خبر سنتے ہی آپؑ کے گھر کے اردگرد جمع ہو گئے۔ گریہ و نالہ کی آواز بلند تھی، مامون کو آپ کے قاتل کی حیثیت سے لوگ یاد کرر ہے تھے اور بلند آواز سے فریاد کررہے تھے کہ فرزند رسول خدا قتل کر دیئے گئے[۳] اور اپنے کو حضرت علیہ السلام کے جسد مطہر کی تشییع کے لئے آمادہ کرر ہے تھے۔

مامون نے محسوس کیا کہ اگر آپ کے جسد مطہر کی آشکار اتشییع کی گئی تو ممکن ہے کہ کوئی حادثہ پیش آ جائے لہٰذا اس نے حکم دیا کہ اعلان کر دیا جائے کہ آج تشییع نہیں ہوگی۔ جب لوگ متفرق ہو گئے تو راتوں رات امامؑ کو غسل دیا گیا اور ہارون کی قبر کے پاس جو باغ حمید ابن قحطبہ میں واقع ہے سپرد خاک کر دیا گیا۔[۴]

سوالات

1۔ آٹھویں امامؑ کس تاریخ کو پیدا ہوئے اور کس تاریخ اور سن میں آپ نے امامت کا منصب سنبھالا، آپ کی امامت کی مدت کتنی تھی اور اس مدت میں کتنے خلفائے بنی عباس کا زمانہ رہا؟

2۔ ہارون کی حکومت کے مدمقابل امامؑ کا موقف کیا تھا اور آپؑ کے بعض اصحاب آپ کی جان کے سلسلہ میں کیوں خوف رکھتے تھے؟

3۔ امین اور مامون کے درمیان کشمکش اور جھگڑے نے امامؑ رضا کو کیا حیثیت اور موقع فراہم کیا۔

4۔ امامؑ کی زندگی کے 18 مہینے میں کیا اہم اتفاقات رونما ہوئے اور یہ مسئلہ کس کی طرف سے اور کیوں اٹھا؟

5۔ ولی عہدی کی پیش کش کے مقابل امامؑ کا کیا موقف تھا؟ آپ کے دو اقوال ذکر فرمایئے

6۔ آخر کار امامؑ نے ولی عہدی کیوں قبول کی؟

7۔ نیشاپور اور نماز عید کے واقعہ کی مختصر توضیح کیجئے؟

8۔ امامؑ کس عمر اور تاریخ میں کس طرح شہید ہوئے، شہادت کے بعد مامون کا کیا ردعمل رہا۔؟

---

[۱] عیون اخبار الرضا جلد 2 / 163، کامل ابن اثیر جلد 6 / 327، 341

[۲] بحار جلد 49 / 2، ارشاد مفید / 304، مسند امام الرضا جلد 1 / 10، کافی جلد 1 / 406، فصول المہمہ / 264

[۳] قتل ابن رسول اللہ

[۴] عیون اخبار الرضا جلد 2 / 244، مسند الامام الرضا جلد 1 / 131، 130

بارہواں سبق:

امام محمد تقی علیہ السلام کی سوانح عمری

ولادت

امام رضا علیہ السلام کی عمر 45 سال سے زیادہ ہو چکی تھی لیکن ابھی تک آپ کے ہاں کوئی اولاد نہیں تھیں۔

یہ بات شیعوں کے لئے جو کہ۔ پیغمبر۔ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ائمہ علیہ السلام کی روایتوں کی بنا پر۔ اس بات کے معتقد تھے کہ نویں امام کو آٹھویں امام کا بیٹا ہونا چاہیئے اسی وجہ سے کبھی امام کی خدمت میں پہنچ کر شیعہ اپنی تشویش کا اظہار کرتے اور امامؑ جواب میں ان کا دل رکھتے ہوئے فرماتے تھے کہ خدا ہم کو بیٹا دے گا۔[1]

آخر کار انتظار کی گھڑیاں ختم ہوئیں اور دسویں ماہ رجب 195 ھ ق کو آسمان ولایت کا نواں ستارہ طلوع ہوا[2]۔ آپ کا نام محمد کنیت ابوجعفر اور سب سے مشہور القاب جواد اور تقی ہیں۔ آپ کی والدہ گرامی کا نام سبیکہ تھا امام رضا علیہ السلام نے ان کا نام خیزران رکھا۔ آپ رسول خدا علیہ السلام کی زوجہ جناب ماریہ قبطیہ کے خاندان سے تھیں۔

اس خاتون کی عظمت و بزرگی کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ امام موسیٰ ابن جعفر علیہ السلام نے آپ کے گھر امام رضا علیہ السلام کے آنے سے برسوں پہلے آپ کی بعض خصوصیات کو بیان فرمایا اور۔ اپنے ایک صحابی۔ ابن سلیط سے کہا کہ اگر ان سے ملاقات ممکن ہو تو ان تک میرا اسلام پہنچانا۔[3]

ابویحیی صنعانی نقل کرتے ہیں کہ میں امامؑ رضا علیہ السلام کی خدمت میں حاضر تھا کہ لوگ امام جواد علیہ السلام کو۔ جو اس وقت کم سن تھے۔ لے آئے حضرت علیہ السلام نے فرمایا یہ بچہ وہ مبارک بچہ ہے کہ ہمارے شیعوں کے لئے اس سے زیادہ مبارک بچہ پیدا نہیں ہوا ہے۔[4]

شاید امام کے قول کی دلیل وہی ہو جس کی طرف اس سے پہلے اشارہ ہو چکا ہے اس لئے کہ امام جواد علیہ السلام کی پیدائش نے شیعوں کی یہ تشویش ختم کر دی کہ امام رضا علیہ السلام کا کوئی جانشین نہیں ہے چنانچہ آپ کی ولادت ایمان و اعتقاد کی استواری کا سبب بنی۔[5]

تعیین امامت

ہر چند کہ نویں امامؑ کی امامت محتاج بحث نہیں ہے اس لئے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور سابق ائمہ علیہ السلام کے تصریحی بیانات کے علاوہ یہ بات بھی ہے کہ آپؑ آٹھویں امامؑ کے ایک ہی بیٹے تھے اور آپ کے علاوہ خاندان علوی میں کوئی بھی اس الٰہی منصب کے لائق نہ تھا لیکن

---

[1] انوار البہیہ/227، بحار ج5/15 منقول از عیون المعجزات۔

[2] بحار جلد 50/7، 11، 13، 14۔ ایک قول کی بنا پر اسی سنہ میں رمضان کے مہینہ میں آپ کی ولادت ہوئی تھی۔

[3] بحار جلد 50/11، انوار البہیہ/225۔

[4] کافی ج1/252۔۔ فی باب النص علی ابی الحسن الرضا علیہ السلام۔ انوار البھیّہ/226-225۔

[5] اور یہ بھی احتمال ہے کہ مذکورہ بالا قول سے امام کا مقصد یہ ہو کہ بچپن میں حضرت امام جواد علیہ السلام کی امامت سے شیعوں کیلئے یہ بات روشن ہو گئی کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرح یہاں بھی عمر کا سوال نہیں ہے اور ان کا علم خدا کی طرف سے ہوتا ہے۔

نمونہ کے طور پر آپؑ کی امامت کے سلسلہ میں امام رضاعلیہ السلام کے چند صریحی بیانات پیش کئے جا رہے ہیں۔

1۔ محمد ابن ابی عباد نقل کرتے ہیں کہ میں نے امام رضاعلیہ السلام سے سنا آپ فرما رہے تھے کہ میرے بعد ابوجعفر میرے خاندان کے درمیان میرے وصی اور جانشین ہوں گے [1]۔

2۔ عبداللہ ابن جعفر نقل کرتے ہیں کہ میں صفوان ابن یحیی کے ساتھ امام رضاعلیہ السلام کی خدمت میں پہنچا، امام جوادعلیہ السلام بھی جو ابھی تین سال کے تھے وہاں موجود تھے میں نے امامؑ سے پوچھا کہ اگر کوئی حادثہ پیش آجائے تو آپ کا جانشین کون ہوگا؟ امامؑ نے ابوجعفرعلیہ السلام کی طرف اشارہ کیا اور فرمایا: میرا بیٹا میں نے عرض کیا کہ اس سن وسال میں؟ آپؑ نے فرمایا ہاں اسی سن وسال میں، خداوند عالم نے حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کو اپنی حجت قرار دیا جبکہ آپ دو سالہ بچے تھے۔ [2]

3۔ خیرانی اپنے باپ سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ میں خراسان میں امام رضاعلیہ السلام کے پاس تھا کسی نے آپ سے دریافت کیا، اگر آپ کے ساتھ کوئی حادثہ پیش آجائے تو کس کی طرف رجوع کیا جائے؟

آپ نے فرمایا: میرے بیٹے ابوجعفر۔ کی طرف گویا سوال کرنے والے نے حضرت امام جوادعلیہ السلام کی عمر کو کافی نہیں سمجھا۔ اسی لئے امامؑ نے اضافہ فرمایا کہ خداوند عالم نے حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کو نبوت ورسالت کے لئے معین فرمایا جبکہ ان کی عمر، ابوجعفر کی اس وقت کی عمر سے بھی کم تھی۔ [3]

والد کے ساتھ

امام جوادعلیہ السلام نے اپنی عمر کے تقریباً چھ سا[4]ل اپنے والد بزرگوار امام رضاعلیہ السلام کے ساتھ گذارے، جس سال حضرت رضاعلیہ السلام کو خراسان بھیجا گیا آپ اپنے والد کے ساتھ مکہ تشریف لے گئے۔ حالت طواف میں آپ نے نہایت غور اور دقت نظر سے اپنے پدر بزرگوار کے اعمال اور ایک ایک بات کا جائزہ لیا اور یہ محسوس کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس شخص کی طرح خانہ خدا کو وداع کر رہے ہیں جسے اب پھر دوسری بار لوٹ کر نہیں آنا ہے اس وجہ سے آپ۔ جبکہ آپ کے چہرہ پرغم واندوہ کے آثار تھے۔ حجر اسماعیل کے اندر بیٹھے تھے اور امام رضاعلیہ السلام کے خادم سے جس نے آپ کو وہاں سے اٹھانا چاہا فرمایا: میں یہیں رہوں گا اور اپنی جگہ سے حرکت نہیں کروں گا جب تک خدا کا حکم نہ ہو۔

خادم نے یہ ماجرا امام رضاعلیہ السلام سے بیان کیا امامؑ بہ نفس نفیس اپنے بیٹے کے پاس پہنچے اور آپؑ نے فرمایا میرے لال اٹھو چلیں، آپ نے عرض کیا بابا جان، ہم کیسے چلیں جبکہ ہم یہ دیکھ رہے ہیں کہ آپؑ کعبہ کو اس طرح وداع کر رہے ہیں جیسے دوسری بار پلٹ کر نہیں آنا ہے [5]

ایک معصوم بچے کی چھ سال کی عمر میں اس درجہ کمال اور ذاتی نبوغ کا اظہار ہو رہا ہے۔

---

[1] عیون اخبار الرضا ج2/ 242۔

[2] بحار ج50/ 35۔

[3] ارشاد مفید/ 139، کافی ج1/ 259-258، 315۔

[4] امام رضاعلیہ السلام کی عمر کے آخری دو سال 201 سے 203 تک مراد نہیں ہیں جب آپ کو خراسان لے جایا گیا۔

[5] ۔۔۔ کیف اقوم وقد ودّعت البیت وداعاً لا رجوع بعدہ۔۔ ، کشف الغمہ ج3/ 153-152، سیرۃ الائمہ الاثنا عشر ج2/ 443، انوار البہیہ/ 202۔

آپؑ کی امامت

نبوت کی طرح امامت بھی ایک الٰہی عطیہ ہے جسے خداوند عالم اپنے منتخب اور لائق بندوں کو عطا کرتا ہے اواس بخشش وعطا میں سن وسال کا کوئی دخل نہیں ہے۔نویں امام آٹھ یا نو سال کی عمر میں امت کی امامت اور رہبری کے منصب پر فائز ہوئے۔

معلّی بن محمد نقل کرتے ہیں کہ امام رضا علیہ السلام کی رحلت کے بعد میں امام جواد علیہ السلام سے ملا اور ان کے قدو قامت کو بغور دیکھا تا کہ شیعوں کے سامنے ان کی توصیف کرسکوں اسی اثناء میں آپؑ بیٹھ گئے اور فرمایا: اے معلّی، خدا نے امامت میں بھی نبوت کی طرح احتجاج کیا ہے اور فرمایا ہے:

واتیناہ الحکم صبیّاً [۱]

ہم نے یحییٰ کو بچپن میں نبوت دی۔[۲]

مکارم اخلاق وفضائل

ائمہ معصومین کی خصوصیتوں میں سے ایک حقیقتوں کی شناخت اور اس کا ادراک عام لوگوں کی قوت ادراک سے زیادہ تھا۔اس ذاتی نبوغ اور عقلی فروغ کے ظہور کے لئے بچپن بھی مانع نہیں تھا، اسی وجہ سے ان حضرات کی زندگی اور ان کی عادتیں پیدائش ہی سے دوسروں کے لئے اسوہ اور نمونہ قرار پاتی ہیں۔ان حضرات کی علمی برتری اور مراتب کمال کا علماء اور بزرگوں کا اعتراف، اس حقیقت کی مؤید ہے۔امام محمد تقی علیہ السلام کے اخلاقی فضائل کا گوشہ بیان کرنے سے پہلے اہل سنت کے علماء کا ان کے بارے میں نظریہ بیان کرنا ضروری ہے۔

سبط ابن جوزی فرماتے ہیں: محمد جواد علیہ السلام علم،تقوی، پرہیزگاری اور سخاوت میں اپنے والد بزرگوار کے راستہ پر تھے۔[۳]

ابن تیمیہ کا بیان ہے کہ محمد ابن علی علیہ السلام جن کا لقب جواد تھا بنی ہاشم کے بزرگوں اور ممتاز شخصیتوں میں سے تھے وہ سخاوت اور بزرگی میں مکمل شہرت رکھتے تھے۔اسی وجہ سے جواد نام پڑا۔[۴]

الف۔جود وسخاوت

امام جواد علیہ السلام، بخشش وعطا اور کرامت کا مکمل مصداق تھے لوگ ان کے عطیوں اور عنایتوں سے بہرہ ور ہوتے تھے۔اس حقیقت کی نشان دہی جواد علیہ السلام کے لقب سے ہوتی ہے علی بن ابراہیم اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ میں امام جواد علیہ السلام کی خدمت میں تھا کہ صالح ابن محمد۔قم کے اوقاف کے متولی [۵]۔وہاں آئے اور عرض کیا: میرے آقا وقف کی آمدنی میں سے دس ہزار درہم حلال کر دیجئے، اس لئے کہ ہم نے اس کو اپنے خاندان کے نفقہ میں خرچ کر دیا ہے۔امام نے خندہ پیشانی سے فرمایا: میں نے حلال کیا۔[۶]

---

[۱] سورہ مریم/11۔

[۲] ارشاد مفید/325، مناقب جلد 4/389۔

[۳] ۔وکان علی منہاج ابیہ فی العلم والتقی والزھد والجود۔۔ تذکرۃ الخواص 321۔

[۴] ۔۔محمد بن علی الجواد کان من اعیان بنی ھاشم وھو معروف بالسخاء والسود ولھذا سمتی الجواد۔۔ منھاج السنۃ ج2/137۔

[۵] جو وقف حضرت کے نام سے تھا آپ اس وقف کے متولی تھے۔

[۶] بحار جلد 50/105 منقول از کافی وغیبت شیخ۔

ب۔ دوسروں کی مشکل کو حل کرنا

بست سجستانی [1] سے قبیلہ بنی حنیفہ کا ایک شخص نقل کرتا ہے کہ میں معتصم کی خلافت کے ابتدائی زمانہ میں مکہ کے سفر میں امامؑ کے ساتھ تھا۔حکومت کی کچھ ذمہ دار افراد بھی دسترخوان پر حاضر تھے۔ میں نے امامؑ سے عرض کیا کہ آپ پر فدا ہو جاؤں، میرے علاقہ کا حاکم آپ کے خاندان کے دوستداروں میں سے ہے اور خراج کے سلسلہ میں، میں اس کے محکمہ کا قرضدار ہوں لیکن مجھ میں ادا کرنے کی طاقت نہیں ہے۔اگر آپ مصلحت سمجھیں تو اس کو ایک خط لکھ دیں تا کہ وہ اس سلسلہ میں ہمارے حق میں محبت کا ثبوت دے۔

امامؑ نے فرمایا: کہ میں اس کو نہیں پہچانتا میں نے عرض کیا کہ: جیسا کہ میں نے کہا کہ وہ آپ کا عقیدت مند ہے اس لئے یقینی طور پر آپ کا خط میرے لئے مفید ہوگا۔امامؑ نے کاغذ قلم اٹھایا اور لکھا حامل رقعہ نے تمہارے عقیدہ کی تعریف کی، جان لو کہ اگر تم احسان اور نیک کام کرو گے وہ تمہارے لئے فائدہ مند ہوگا۔اس بنا پر اپنے برادران دینی کے ساتھ حسن سلوک اور نیکی کرو اور یہ جان لو کہ خداوند عالم ایک ذرہ برابر شے کے بارے میں بھی تم سے سوال کریگا[2] میں نے خط لیا اور چل پڑا جب خط کی اور میرے پہنچنے کی خبر سجستان کے انچارج کے پاس پہنچی تو وہ شہر سے دو فرسخ دور تک میرے استقبال کے لئے آیا اس نے خط لیا اس کو چوما اور اپنی آنکھوں سے لگایا اور پوچھا تمہاری کیا حاجت ہے؟ میں نے اس سے اپنی پریشانی بیان کی اس نے حکم دیا کہ میرا نام قرض والے رجسٹر سے نکال دیا جائے۔اور جب تک وہ انچارج کام پر رہا میرا ٹیکس معاف رہا۔اس کے علاوہ اس نے میری اچھی خاصی مدد کی اور جب تک وہ زندہ رہا اس خط کی برکت سے اس نے میرے حق میں نیکی اور حسن سلوک میں کوئی کمی نہیں کی [3]

3۔محمد ابن سہل قمی نقل کرتے ہیں کہ میں مدینہ گیا اور امام جوادؑ کے پاس پہنچا اور میں نے چاہا کہ ان سے ایک لباس مانگ لوں لیکن میں مانگ نہ سکا، میں نے اپنے دل میں کہا کہ اپنی خواہش لکھ کر دوں پھر میں نے لکھ دیا...لیکن میرے دل میں یہ بات گذری کہ خط کو نہ بھیجوں، میں نے خط پھاڑ ڈالا اور مکہ کی طرف چل پڑا۔اسی حال میں ایک شخص کو میں نے دیکھا کہ اس کے ہاتھ میں ایک رومال ہے اور وہ قافلہ میں مجھ کو ڈھونڈ رہا ہے۔وہ مجھ تک پہنچا اور اس نے کہا: میرے آقا نے تیرے لئے یہ لباس بھیجا ہے۔[4]

امام جوادؑ کی شخصیت

امام جوادؑ نے امامت کے انوار مقدس کے پرتو اور خدا کی عبادت و بندگی میں ایسی اجتماعی شخصیت اور حیثیت حاصل کی کہ جس کا اعتراف دوست و دشمن دونوں ہی کرتے ہیں۔

آپؑ کے سخت ترین دشمن مامون نے آپ سے اپنی بیٹی کی شادی کے سلسلہ میں عباسیوں کے اعتراض کے جواب میں کہا: میں

[1] بست افغان کا ایک قدیم شہر ہے جو بلوچستان اور رھند کے راستہ میں واقع ہے اس کا مرکز سجستان تھا جس کا اطلاق وسیع علاقہ پر ہوتا تھا۔ہرات سے 80 فرسخ ہے۔ر۔ک۔معجم البلدان والمنجد باب اعلام،کلمہ بست وسجستان۔

[2] اما بعد فان موصل کتابی ھذا ذکر عنك مذھباً جمیلاً و ان مالك من عملك ما احسنت فیه فاحسن الی اخوانك واعلم ان الله عزوجل سائلك عن مثاقیل الذر والخردل۔

[3] بحار جلد 50/ 87-86،انوار البھیۃ/ 238-237۔

[4] بحار جلد 50/ 44 منقول از خرائج راوندی۔

نے ان کا انتخاب اس لئے کیا ہے کہ میں نے کمسنی کے باوجود علم وفضل میں ان کو سب سے ممتاز پایا۔[۱]

آپؑ کی شخصیت اپنے پدر بزرگوار کے نزدیک ایسی تھی کہ محمد ابن ابی عباد۔کاتب امام رضا علیہ السلام بیان کرتے ہیں کہ امام رضا علیہ السلام اپنے بیٹے محمد کو ہمیشہ کنیت کے ساتھ یاد کرتے تھے[۲]۔(اور جب امام جواد علیہ السلام کا خط پہنچتا تھا) تو فرماتے تھے کہ ابوجعفر نے مجھے لکھا ہے[۳]

محمد بن حسن ابن عمار نقل کرتے ہیں:

دو سال تک میں مدینہ میں علی بن جعفر کی خدمت میں جاتا رہا انہوں نے جو روایت اپنے بھائی موسی ابن جعفر سے سنی تھی مجھ سے بیان کیا کرتے تھے اور میں لکھتا رہتا تھا۔

ایک دن میں مسجد نبوی میں ان کے پاس بیٹھا تھا کہ امام جواد علیہ السلام تشریف لائے۔علی ابن جعفر بغیر جوتے اور ردا کے اپنی جگہ سے اٹھے، آپ کے ہاتھوں کو بوسہ دیا آپ کی تعظیم کی، امامؑ نے ان سے فرمایا اے چچا آپ بیٹھئے خدا آپ پر رحمت نازل کرے۔

انہوں نے کہا: اے میرے سردار: میں کیسے بیٹھ سکتا ہوں جبکہ آپ کھڑے ہیں، جب علی ابن جعفر اپنی جگہ پلٹ آئے تو ان کے دوستوں اور ساتھیوں نے ان کی سرزنش کی اور کہا کہ آپ ان کے باپ کے چچا ہیں اور اس طرح ان کا احترام کرتے ہیں

علی ابن جعفر نے فرمایا: چپ رہو خدا نے اس سفید داڑھی کو۔اپنی داڑھی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے۔امامت کے لائق نہیں سمجھا اور اس جوان کو اس کے لائق پایا اور امام قرار دیا (کیا تم چاہتے ہو کہ) ان کی فضلیت کا انکار کردوں؟ تم جو کہتے ہو میں اس سے خدا کی پناہ مانگتا ہوں، میں اس کا بندہ ہوں۔[۴]

خلافت کے مقابلہ میں امامؑ کا موقف

آپؑ کے سات سالہ زمانہ امامت میں آپؑ کے ہم عصر، مامون اور معتصم نامی دو خلفاء تھے ان کی حکومت کے زمانہ میں آپ کا موقف امام علی ابن موسی الرضا علیہ السلام کے موقف کو جاری رکھنا تھا، اور اس کی وجہ یہ تھی کہ خلافت کی مشینری کے موقف میں اتحاد پایا جاتا تھا جیسا کہ اس سے پہلے بیان ہو چکا ہے کہ امام رضا علیہ السلام کی ولیعہدی سے امامت کا موقف بنی عباس کی طاقت کے مرکز تک پہنچ گیا تھا۔اور چونکہ حکومت نے اپنے موقف کو تبدیل نہیں کیا اس بنا پر بیٹھ رہنا درست نہ تھا۔

خلافت کی مشینری نے بھی اس مسئلہ کو بخوبی درک کر لیا تھا اور امام رضا علیہ السلام کو نماز عید سے روک دینا بھی اسی حقیقت کی بنا پر تھا۔ مامون اس سے ڈرتا تھا کہ ایک نماز پڑھا کر خلافت پر تصرف کرنے کے لئے امامؑ کہیں زمینہ ہموار نہ کرلیں۔

شادی کی سازش

مامون نے بہت کوشش کی کہ امام رضا علیہ السلام کو زہر دیا جانیوالا واقعہ بہت خفیہ اور پوشیدہ طور پر انجام پا جائے لیکن تمام پردہ پوشیوں

---

[۱] ۔۔اخترته لتبريزه على كافة اهل الفضل فى العلم و الفضل مع صغر سنّه... بحار ج50 / 75۔

[۲] عرب احتراماً کسی کو اس کی کنیت سے پکارتے ہیں۔

[۳] عیون اخبار الرضا جلد 2 / 242۔

[۴] ۔۔نعوذ بالله مما تقولون، بل انا له عبد۔۔ کافی ج1 / 258۔انوار البهيه / 228۔227۔

اور ریا کاریوں کے باوجود آخر کار علویوں پر یہ بات آشکار ہوگئی کہ امامؑ کا قاتل اس کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا لہٰذا مامون بہت ناراض ہوا اور انتقام پر اتر آیا۔

انقلابیوں کی چارہ جوئی کرنے اور ان کی رضامندی حاصل کرنے کے لئے مامون نے آٹھویں امام کے فرزند کے لئے مہربانی اور دوستی کا اظہار کیا اور زیادہ فائدہ حاصل کرنے کے لئے اس نے یہ ارادہ کیا کہ اپنی بیٹی ام الفضل کی شادی امام جوادؑ سے کردے۔ اور اس نے کوشش کی کہ امام رضاؑ پر ولی عہدی تھوپ کر اس نے جو فائدہ حاصل کرنے کی کوشش کی تھی اس رشتہ کو قائم کر کے وہی فائدہ حاصل کرلے۔

بنی عباس کو مامون کے اس ارادہ سے خوف محسوس ہوا اور صورت حال کو قبل از وقت روکنے کے لئے جو امام رضاؑ کے زمانہ میں پیدا ہوگئی تھی، جمع ہو کر ایک وفد کی صورت میں مامون کے پاس پہنچے اور کہنے لگے گذشتہ زمانہ میں ہمارے اور علویوں کے درمیان جو کچھ ہوا آپ اس سے اچھی طرح واقف ہیں اور آپ یہ بھی جانتے ہیں کہ گذشتہ خلفاء نے ان کو شہر بدر کیا اور ان کی توہین کی ہے۔ ہم اس سے پہلے امام رضاؑ کی ولی عہدی سے فکر مند تھے لیکن خدا نے وہ مشکل حل کردی۔

اب ہم آپ کو خدا کا واسطہ دیتے ہیں کہ آپ ہم کو دوبارہ غمگین نہ کریں اور اس شادی سے صرف نظر کریں اور اپنی بیٹی کو بنی عباس کے کسی ایسے فرد سے بیاہ دیں جو اس رشتہ کے لائق ہو، مامون نے ان کے جواب میں علویوں کی بزرگی، خلفاء سابقین کی خطا اور ولی عہدی کے مسئلہ کی تائید کرتے ہوئے امام جوادؑ کی تعریف کی اور بزرگی بیان کی اور کہا کہ میں اس جوان کو تم سے زیادہ جانتا ہوں یہ ایسے خاندان سے ہیں جن کا علم خداداد ہے، ان کے آباء واجداد ہمیشہ علم دین وادب میں لوگوں سے بے نیاز تھے [1]۔

یہ دوستی کا مظاہرہ اور مکارانہ ریا کاریوں کے ذریعہ اس شادی سے سیاسی مقصد حاصل کرنے کے علاوہ مامون کا اور کوئی مقصد نہ تھا، جو مقاصد وہ حاصل کرنا چاہتا تھا ان میں سے چند کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے:

1۔ اس کا ارادہ تھا کہ اس رشتہ سے دامن پر لگے ہوئے قتل امام رضاؑ کے داغ کو صاف کردے اور اپنے خلاف علویوں کے اعتراضات اور قیام کو روک دے اور اہل بیتؑ کے دوستدار وطرفدار کے عنوان سے اپنا تعارف کرائے۔

2۔ اپنی بیٹی کو امامؑ کے گھر بھیج کر ہمیشہ کے لئے حضرت کے کاموں کی نگرانی کرنا۔

3۔ مامون کا خیال خام یہ تھا کہ اس ازدواج کے ذریعہ امامؑ کو عیش وعشرت کے دربار سے وابستہ کردیگا اور ان کو لہو ولعب اور عیش و عشرت والی زندگی گذارنے پر آمادہ کردے گا۔ تاکہ اس راستہ سے امامؑ کی عظمت اور تقدس کو ٹھیس پہنچائے اور آپؑ کو عصمت وامامت کے بلند مقام سے گرا کر لوگوں کی نظروں میں حقیر کردے۔ محمد ابن ریان نقل کرتے ہیں کہ مامون نے بہت کوشش کی کہ امام کو لہو ولعب کے لئے آمادہ کرے لیکن کامیاب نہیں ہوا۔ اس کی بیٹی کی شادی کے جشن میں سو ایسی خوبصورت کنیزیں جو جواہرات سے بھرے ہوئے جام اپنے ہاتھوں میں لئے تھیں، مامون نے ان سے کہا کہ امامؑ کے آنے کے بعد ان کے استقبال کو بڑھیں، وہ کنیزیں استقبال کو بڑھیں لیکن امام

---

[1] ۔ انی اعرف بھذا الفتی منکم و انّ اھل ھذا البیت علمھم من اللہ و موادہ و الھامہ لم تزل آبائہ اغنیاء فی علم الدین و الادب عن الرعایا الناقصہ عن حد الکمال۔۔۔ بحار 50/ 75- 74، ارشاد/ 320- 319، کشف الغمہ جلد 3/ 144/ 143۔ مناقب جلد 4/ 381-380۔ اعلام الوری/ 151۔ اسی جلسہ میں مامون نے ایک مناظرہ کا انعقاد کیا تھا اس واقعہ کو۔۔ علمی اور ثقافتی کوششیں۔۔ کے عنوان کے ذیل میں بیان کیا گیا ہے۔

جواد علیہ السلام بغیر کوئی توجہ دیئے ہاں وارد ہوئے اور آپؑ نے عملی طور پر یہ بتادیا کہ ہم ان کاموں سے بیزار ہیں۔ [1]

مامون ان مقاصد اور دوسرے مقاصد تک پہنچنے کے لئے۔ امام رضا علیہ السلام کی شہادت کے ایک سال بعد 204ھ ق میں امام جواد علیہ السلام کو مدینہ سے بغداد لے آیا اور اس نے اپنی بیٹی کی ان سے شادی کردی اور اس بات پر اصرار کیا کہ امام بغداد ہی میں اس کے مزیّن محلوں میں زندگی گذاریں۔

لیکن امامؑ نے مدینہ واپس جانے پر اصرار کیا، تاکہ مامون کے بنائے ہوئے نقشہ کو نقش بر آب کردیں اس وجہ سے آپؑ اپنی بیوی کے ساتھ مدینہ پلٹ گئے اور 220ھ ق تک مدینہ میں مقیم رہے۔

علمی اور ثقافتی کوششیں

امام جواد علیہ السلام نے بادل نخواستہ مختلف صورتوں میں خلافت کی مشینری کے زیر نگرانی زندگی گذاری مگر اس درمیان امکانی حد تک سماجی اور ثقافتی محاذوں پر کوششیں کرتے رہے۔

ان محاذوں میں سے بحث ومناظرہ کا ایک محاذ ہے۔ امامؑ نے اس موقف میں اپنے پدر بزرگوار کی روش کو برقرار رکھا اور آپؑ نے ان جلسوں میں شرکت کی جو مامون نے امامؑ کی علمی اور ثقافتی حیثیت کو شکست دینے کے لئے منعقد کئے تھے اور حقائق ومعارف اسلامی کے بیان کے ساتھ ساتھ آپؑ نے دربار خلافت سے وابستہ فقاہت اور درباری قاضی القضاۃ کے چہرہ کو بے نقاب کیا۔

مامون نے امام نہم کی امامت کے آغاز میں دوبار مجلس مناظرہ منعقد کی ایک مجلس میں جس میں بنی عباس کے بہت سے افراد، نمایاں اور ممتاز درباری شخصیتیں موجود تھیں، مامون نے۔ اس زمانہ کے قاضی القضاۃ۔ یحیی بن اکثم کو امامؑ سے سوال کرنے کے لئے کہا۔

اس نے پہلا سوال اس طرح کیا:

آپ اس شخص کے بارے میں کیا فرماتے ہیں جس نے حالت احرام میں شکار کیا ہو؟ امامؑ نے فرمایا (مسئلہ کی مختلف صورتیں ہیں) حرم کے اندر تھا یا باہر، اس کو اس کام کی حرمت کی خبر تھی یا نہیں، عمداً اس نے شکار کیا یا سہواً، غلام تھا یا آزاد، شکار چھوٹا تھا یا بڑا، اس نے پہلی بار ایسا کیا ہے یا دوسری بار، شکار پرندہ کا تھا یا غیر پرندہ، چھوٹا تھا یا بڑا، شکار کے بعد اپنے فعل پر وہ پشیمان تھا یا پھر کرنے کا ارادہ رکھتا تھا، شکار رات میں کیا تھا یا دن میں، اس کا احرام عمرہ کا احرام تھا یا حج کا؟

امامؑ نے جب مسئلہ کی اس طرح عالمانہ شقیں بیان کیں اور اس کی یوں تشریح کردی تو یحی بن اکثم انگشت بدندان رہ گیا، اس کے چہرہ پر شکست کے آثار نمایاں ہوگئے، اس کی زبان لکنت کرنے لگی اس طرح کہ وہ مذکورہ بالا صورتوں میں سے کسی صورت کا یقین نہ کرسکا۔ حاضرین نے امامؑ کی علمی صلاحیت وقدرت اور قاضی القضاۃ کی شکست کا اندازہ کرلیا [2]۔

امام جواد علیہ السلام مامون کے منعقد کئے ہوئے جلسوں کے علاوہ ضروری موقع پر اسلامی ثقافت کی توسیع اور شبہات واشکالات کو دور

---

[1] بحار جلد 50 / 63-61۔ مناقب جلد 4 / 396، کافی جلد 1 / 414-413۔

[2] ارشاد مفید / 321-320، مناقب جلد 4 / 381، اعلام الوری / 352-351۔ بحار جلد 50 / 76-75، کشف الغمہ جلد 3 / 145-144، فصول المہمہ / 268۔ البتہ اس نشست میں دوسرے مباحث بھی آئے منجملہ ان کے امام کا یحیی بن اکثم سے سوال اور یحیی کا امام کے جواب میں عاجز رہ جانا اور مذکورہ بالا مسئلہ کے شقوں سے متعلق امام کے جواب کو۔ اختصار کو مدنظر رکھتے ہوئے پیش نہیں کیا گیا ہے۔

کرنے کے لئے مختلف گوشہ و کنار سے مدینہ آئے ہوئے علماء اور دانشمندوں کے ساتھ بحث و گفتگو کرنے کیلئے بیٹھتے تھے، نمونہ کے طور پر ایک مورد پیش کیا جاتا ہے: بغداد اور دوسرے شہروں کے اسی افراد حج کے بعد مدینہ کو چلے تا کہ امامؑ جواد سے ملاقات کریں، وہ لوگ پہلے عبداللہ ابن موسی (امام کے چچا) سے ملے لیکن وہ ان کے مسائل کے جواب سے عاجز رہے اتنے میں امام جواد علیہ السلام تشریف لائے اور آپ نے ان کے ایک ایک مسئلہ اور مشکلات کا جواب عنایت فرمایا، علماء نہایت مسرت کے عالم میں اس مجلس سے نکلے اور امامؑ کے لئے دعا کی۔ [1]

امامؑ کے بچپن کو دیکھتے ہوئے ان جلسوں اور باتوں کے ضمن میں جو مسئلہ مناظرہ کے دونوں فریق کے درمیان مورد توجہ تھا وہ آپؑ کی امامت کا مسئلہ تھا۔

ایک طرف امامؑ نے علمی مشکلات سے پردہ اٹھایا اور امامت کے موقف کی تشریح اور حقائق کو بیان کرتے ہوئے ان لوگوں کو۔ جو آپؑ کی کمسنی کی وجہ سے۔ آپؑ کی امامت کے بارے میں شک اور تردد میں مبتلا تھے، حقیقت سے آشنا کیا اور ہر طرح کے شبہ اور تردد سے ان کے ذہنوں سے صاف کیا۔ اور دوسری طرف عبداللہ ابن موسی، امام کے چچا وغیرہ جیسے افراد کو جو بغیر لیاقت اور صلاحیت کے اپنے کو امامت کی جگہ پر لا رہے تھے، عملی طور پر میدان سے دور ہٹا دیا اور ان کو گوشہ گیر بنا دیا۔

نمایاں افراد کی تربیت

امام جواد علیہ السلام کے علمی اور ثقافتی کاموں میں سے ایک کام ایسے ممتاز افراد کی تربیت تھی جن میں سے ہر ایک ثقافت و معارف اسلامی کا ایک منارہ کہا جاتا تھا۔

مرحوم شیخ طوسی نے امام جواد علیہ السلام کے شاگردوں، راویوں اور اصحاب کی تعداد تقریباً ایک سو دس افراد بتائی ہے [2]۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ اس زمانہ میں لوگوں کا حضرت سے ملنا کتنا محدود اور مشکل تھا۔ لیکن اس کے باوجود انہیں محدود افراد میں کچھ روشن چہرے موجود ہیں منجملہ ان کے:

1۔ ابوجعفر، محمد ابن سنان زہری
2۔ احمد ابن ابی نصر بزنطی
3۔ ابوتمام حبیب ابن اوس طائی
4۔ ابوالحسن علی ابن مہز یار اہوازی
5۔ فضل بن شاذان نیشاپوری
6۔ زکریا ابن آدم وغیرہ ہیں

امامؑ کے مکتب کے پروردہ افراد میں سے ہر ایک کسی نہ کسی انداز سے پریشانی اور سختی میں مبتلا تھا۔ عبداللہ ابن طاہر۔ حاکم نیشاپور نے۔ فضل بن شاذان کو نیشاپور سے باہر نکال دیا۔ پھر اس کے بعد ان کی کتابوں کی تفتیش کی جب ان کتابوں کے مندرجات سے لوگوں نے

---

[1] بحار ج 50/ 100۔
[2] رجال شیخ طوسی/ 409-397۔

اس کو آ گاہ کیا۔ تب اس کو اطمینان حاصل ہوا اور اس نے کہا کہ میں ان کے سیاسی عقیدہ کو بھی جانتا ہوں۔[1]

ابو تمام بھی اس دشمنی سے نہ بچ سکے، اس زمانہ کے امراء جو خود بھی اہل شعر و ادب تھے، وہ بھی ان کے شعر کو سننے کے لئے تیار نہ تھے جبکہ آپ اس زمانہ کے بہترین شاعر تھے اور اگر کسی نے پہلے سے بتائے بغیر ان کا شعر پڑھ دیا اور امیروں کو پسند آ گیا تو یہ سمجھ لینے کے بعد کہ یہ ابو تمام کا شعر ہے فوراً اصلی نوشتہ کو پھاڑ ڈالنے کا حکم دیتے تھے۔[2]

معتصم کے دور حکومت میں

مامون کی موت کے بعد 218ھ میں اس کا بھائی اس کی جگہ پر خلافت کے منصب بیٹھا اور امام جواد علیہ السلام کے سلسلہ میں اس نے مامون والی ہی سیاست اختیار کی، جب مدینہ میں امام کی فعالیت سے خوفزدہ ہوا تو وہ 220ھ میں امامؑ کو زبردستی مدینہ سے بغداد لے آیا تا کہ نزدیک سے ان کی نگرانی کر سکے اسکی حکومت میں ایک شخص نے چوری کا اقرار کیا اور اس نے خلیفہ سے یہ خواہش ظاہر کی کہ الٰہی حدود جاری کر کے اس کو پاک کر دیا جائے، معتصم نے تمام فقیہوں کو جلسہ میں جمع کیا اور امام جواد علیہ السلام کو بھی بلایا۔ پہلے اس نے ابن ابی داؤد[3] سے سوال کیا کہ چور کا ہاتھ کہاں سے کاٹنا چاہیے؟

ابن ابی داؤد نے کہا کہ کلائی سے اور اپنی دلیل میں قرآن کی آیت فاغسلوا وجوھکم وایدیکم... پڑھی۔

فقہا کا ایک گروہ ان کی موافقت میں تھا لیکن دوسرے گروہ نے ان کے نظریہ کی مخالفت کی اور کہا کہ کہنیوں سے ہاتھ کاٹنا چاہیے اور انہوں نے اپنے نظریہ کہ تائید میں آیہ فاغسلوا وجوھکم وایدیکم الی المرافق[4] کو دلیل بنایا۔

معتصم نے امام جواد علیہ السلام کی طرف رخ کیا اور پوچھا اس مسئلہ میں آپکا نظریہ کیا ہے؟ امامؑ نے فرمایا یہ لوگ اپنا نظریہ پیش کر چکے اب مجھے معاف رکھ۔

معتصم نے اصرار کیا اور امامؑ کو قسم دے کر کہا: آپ اپنا نظریہ بیان کریں۔

امامؑ نے فرمایا: چونکہ تم نے قسم دلائی ہے اس لئے میں اپنا نظریہ بیان کرتا ہوں دونوں فریقوں نے غلط فیصلہ کیا ہے۔ کیونکہ چور کی فقط انگلیاں کاٹی جائیں گی۔

آپؑ نے فرمایا: اس لئے کہ رسول خدا نے فرمایا ہے کہ سجدہ سات اعضاء پر واجب ہے۔ چہرہ، پیشانی، دونوں ہاتھوں کی ہتھیلیاں، دونوں گھٹنے اور دونوں پیروں کے انگوٹھے لہٰذا چور کا ہاتھ اگر کہنیوں سے کاٹا جائے تو اس کا ہاتھ نہیں بچے گا کہ وہ سجدہ بجالائے اور دوسرے یہ کہ خدا فرماتا ہے کہ انّ المساجد للہ فلا تدعوا مع اللہ احداً[5] سجدوں کی جگہیں خدا کے لئے ہیں پس خدا کے ساتھ کسی کو نہ پکارو لہٰذا جو خدا کیلئے ہے اس کو قطع نہیں کیا جائے گا۔

معتصم کو امامؑ کا نظریہ پسند آیا اور اس نے حکم دیا کہ چور کی انگلیاں کاٹی جائیں۔

---

[1] رجال کشی/539-538۔

[2] مروج الذہب جلد 3/485-483۔

[3] مامون، معتصم، واثق اور متوکل کے زمانہ کے بغداد کے بڑے قاضی القضا میں سے ایک تھے۔

[4] سورہ مائدہ/6۔

[5] سورہ جن/28۔

ابن ابی داود۔ جو خود اس واقعہ کے ناقل ہیں۔ فرماتے ہیں کہ اس مجلس میں میں نے (شرم و حیا سے) موت کی تمنّا کی۔

وہ تین دن کے بعد معتصم کے پاس گیا اور کہا کہ چند دن پہلے والی نشست تمہاری حکومت کے لئے اچھی نہیں تھی، اس لئے کہ تمام علماء اور مملکت کے بزرگ افراد کے سامنے تم نے ابو جعفر علیہ السلام کے فتوی کو۔ جن کو آدھے مسلمان اپنا پیشوا مانتے ہیں اور امر خلافت کے لئے تم سے زیادہ مناسب سمجھتے ہیں۔ دوسروں کے نظریہ پر ترجیح دی۔ یہ خبر لوگوں کے درمیان پھیل گئی اور خود ان کے شیعوں کے لئے برہان بن گئی ہے۔

معتصم جو پہلے ہی سے ہر طرح کی دشمنی اپنے دل میں رکھتا تھا اور امامؑ کو راستہ سے ہٹانے کے لئے موقع کی تلاش میں رہتا تھا، اس کو ابن ابی داود کی باتوں سے سخت جھٹکا لگا اور امامؑ کو قتل کرنے کے بارے میں سوچنے لگا۔[۱]

آخر کار اس نے اپنے منحوس منصوبہ کو عملی جامہ پہنا دیا اور امام جواد علیہ السلام کو جن کی عمر شریف 25 سال سے زیادہ نہ تھی آخر ذی القعدہ 220ھ ق میں آپؑ کو بغداد بلایا اور زہر سے شہید کر دیا[۲]۔

آپؑ کے جسد اطہر کو آپؑ کے جد گرامی قدر حضرت امام موسی ابن جعفر علیہ السلام کے پہلو میں سپرد لحد کیا گیا آج بھی ان دونوں اماموں کا مزار مقدس کاظمین کے نام سے مشہور ہے۔

سوالات

1۔ حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کس تاریخ کو پیدا ہوئے اور ان کی پیدائش سے پہلے شیعہ کیوں تشویش میں مبتلا تھے؟

2۔ امام جواد علیہ السلام نے اپنی عمر کے کتنے دن اپنے والد کے ساتھ گذارے کیا اس زمانہ کا کوئی واقعہ آپ کو یاد ہے؟

3۔ امام جواد علیہ السلام کس عمر میں منصب امامت پر فائز ہوئے، کیا آپؑ کی عمر عہدہ امامت کی ذمہ داری قبول کرنے کی متقاضی تھی، اس سلسلہ میں امامؑ کے ایک بیان کو ذکر کیجئے؟

4۔ امام کی امامت کے ابتدائی زمانہ میں مامون نے کون سا اقدام کیا اور اس سے اس کا کیا مقصد تھا؟

5۔ مامون کی خلافت کے مقابل امامؑ کا کیا رویہ تھا؟

6۔ اسلامی علوم و ثقافت کی نشر و اشاعت میں امامؑ کا کیا کردار رہا؟

7۔ معتصم نے امامؑ کو کیوں بغداد بلایا اور پھر آپؑ کے قتل کا درپے کیوں ہوا؟

8۔ امام جواد علیہ السلام کس تاریخ کو اور کیسے شہید ہوئے؟

---

[۱] بحار جلد 50 / 7-5، منقول از تفسیر عیاشی ج 1 / 320-319، انوار البھیۃ / 243-241

[۲] بحار جلد 50 / 1 بعض روایتوں میں یہ آیا ہے کہ معتصم نے مامون کی بیٹی ام الفضل کے ذریعہ امام کو زہر دے دیا بحار جلد 50 / 10 و اعیان الشیعۃ ج 2 / 36۔

تیرھواں سبق:

امام علی النقی علیہ السلام کی سوانح عمری

ولادت

شیعوں کے دسویں امام 15 ذی الحجہ 212ھ ق کو مدینہ کے صریا[1] نامی قریہ میں پیدا ہوئے۔[2] آپؑ کا اسم گرامی علی اور سب سے مشہور القاب نقی اور ہادی ہیں اور آپؑ کی کنیت ابوالحسن ہے۔ آپؑ ابوالحسن ثالث کے نام سے مشہور ہوئے۔[3]

نویں امام کے والد گرامی امام جواد علیہ السلام تھے اور آپ کی والدہ سمانہ ایک بافضیلت و باتقوی خاتون تھیں آپ مقام ولایت سے آشنائی رکھنے والی اور خلافت الٰہی کی زبردست دفاع کرنے والی خاتون تھیں۔ خود امام ھادی علیہ السلام اپنی والدہ گرامی کے بارے میں فرماتے ہیں کہ میری والدہ میرے حق سے آشنا اور اہل بہشت میں سے ہیں۔

شیطان سرکش ان سے نزدیک نہیں ہوتا اور دشمن جبار کا مکر ان تک نہیں پہنچتا، خدا ان کا محافظ اور نگہبان ہے۔ وہ ہرگز صدیقین و صالحین ماؤں کے صفوں سے باہر نہیں ہیں[4]

امامؑ کی پرورش کا ماحول

امام ہادی علیہ السلام نے اپنی عمر کے سات سال اور کچھ دن اپنے والد کے ساتھ ان کی تربیت اور خاص نگرانی میں گذارے۔

آپؑ جس ماحول میں پروان چڑھے وہ ماحول، دانش کے فروغ تقوی و اخلاق، وسعت علم اور زندگی کے تمام شعبوں میں فکری بلندی سے سرشار ماحول تھا۔ دوسری صدی ہجری میں علماء کی فکری تحریکیں اور مامون کی خلافت کی مشینری کی طرف سے ان کے استقبال کی وجہ سے دینی حقائق کو واضح کرنے اور اس زمانہ کے روشن فکر اور سوجھ بوجھ رکھنے والی نسل تک پیغام اسلام کے پہونچانے کے مواقع اس زمانہ کے ائمہ معصومین علیہم السلام کو حاصل تھے۔

اسلام کے ترقی پذیر عناصر کے گہوارہ پرورش اور زیادہ ترائمہ کی جائے پیدائشے۔ مدینہ۔ میں ماں باپ کی توجہ سے اور تدبیر سے امام کے جسم وروح نے پارسائی اور دوراندیشی کی منزل کمال کو سر کیا۔ وہ جن کی پاکیزہ سرشت میں دوراندیشی اور ہوشمندی پوشیدہ تھی، جو الہام الٰہی کے فیوض و برکات سے تمام شعبوں میں کمالات اور امتیازات کے حامل تھے۔ وہ خلافت عباسی کے ظلم و ستم سے جہاد کرنے والوں کے پیشرو اور اسلامی معاشرہ کی مشعل ہدایت قرار پائے۔

---

[1] ۔۔صریا۔۔ مدینہ سے تین میل کے فاصلہ پر ایک قریہ ہے جس کو موسیٰ ابن جعفر علیہ السلام نے آباد کیا تھا، مناقب جلد 4/382، بحار جلد 50/115۔۔صربا۔۔ بھی لکھا گیا ہے۔

[2] بحار جلد 50/114، 115، مناقب ج4/401، اعلام الوری/355، ارشاد/327، انوار البھیۃ 244۔

[3] اصطلاح راویان شیعہ میں ابوالحسن اول امام ہفتم اور ابوالحسن ثانی امام ہشتم ہیں۔

[4] ۔۔امی عارفۃ بحقی وھی من اھل الجنۃ لا یقربھا شیطان مارد و لا ینالھا کید جبار عنید وھی مکلوئۃ بعین اللہ التی لا تنام و لا تخلف عن امھات الصدیقین و الصالحین۔۔سفینۃ البحار 2/240، انوار البھیۃ/245۔

امامت پر نص

سوائے علی علیہ السلام اور موسی (جو کہ موسی مبرقع کے نام سے مشہور تھے) نویں امام کی اور کوئی اولاد نہ تھی، چونکہ حضرت ہادی علیہ السلام علم و معرفت، تقوی وعبادت میں اپنے زمانہ کے سارے لوگوں سے بلند تھے ان سے کسی کا حتی کہ ان کے بھائی کا بھی موازنہ نہیں کیا جا سکتا۔ اس لئے ان کے والد کے بعد امامت اور رہبری کا بلند مقام ان کو تفویض کیا گیا۔

اسی لیاقت کی بنیاد نیز دوسری باتوں کی بنا پر ان کے پدر بزرگوار نے بارہا اپنے بعد کے لئے ان کی امامت کو صراحت سے بیان فرمایا ہے۔

امیہ ابن علی قیسی نقل کرتے ہیں کہ میں نے ابوجعفر۔ سے عرض کیا کہ آپؑ کا کون جانشین ہوگا۔ تو آپؑ نے فرمایا: میرے فرزند علی علیہ السلام۔ [1]

صقر ابن دلف کہتے ہیں کہ میں نے ابوجعفر امام جواد علیہ السلام سے سنا آپ فرما رہے تھے کہ میرے بعد پیشوا میرا بیٹا علی ہے، ان کا فرمان میرا فرمان، انکی گفتار میری گفتار اور ان کی پیروی میری پیروی ہے اور ان کے بعد ان کے بیٹے حسن علیہ السلام، امام ہیں۔ [2]

امامؑ کا اخلاق اور ان کی سیرت

امام ہادی علیہ السلام اپنے اسلاف کی طرح اخلاق اور فضائل انسانی کا مجسمہ اور کمالات نفس کا مظہر تھے۔

ابن صباغ مالکی اپنی کتاب میں آپؑ کی اخلاقی خصوصیات اور فضائل کا مرقع کھینچتے ہوئے فرماتے ہیں۔

ابوالحسن، علی ابن محمد۔ کی فضیلت اور برتری کی شہرت تمام عالم میں پھیلی ہوئی ہے۔ (ان کی فضیلت ہر جگہ سایہ فگن ہے اور اس سے دوسروں کی چمک دمک ماند پڑ گئی ہے) اور ان کے بلندیوں کی طرف بڑھنے والے سلسلے آسمان کے ستاروں پر حکمرانی کر رہے ہیں۔ کوئی چیز منقبت نہیں شمار کی جا سکتی مگر یہ کہ اس کا لب لباب آپؑ کے وجود میں جلوہ گر ہے اور کوئی فضیلت وکرامت بیان نہیں ہوتی مگر یہ کہ اس کا برترین حصہ آپؑ ہی کی ملکیت ہے۔ ہر قابل تعریف خصلت جب بیان کی منزل میں آتی ہے تو اس کا بلندترین اور مکمل ترین حصہ آپؑ ہی سے متعلق ہوتا ہے۔ آپؑ کا وجود ہر نیک وار جمند خصلت کی ایسی تجلی گاہ ہے جو آپؑ کی عظمت کی تعریف کرتی ہے ان تمام کمالات کے استحقاق کا سرچشمہ وہ بزرگی اور کرامت ہے جو آپؑ کے جوہر زندگی کے ساتھ ملی ہوئی ہے۔ وہ عظمت و بزرگی ہے جو آپؑ کی سرشت میں پوشیدہ ہے۔ آپ کا وجود آب زلال معرفت کے علاوہ کسی اور پانی کے پینے سے منع کرتا ہے۔ اس لئے آپؑ کی جان، پاک ہے، آپؑ کا اخلاق شیرین ہے، آپکی سیرت، عادلانہ اور آپ کے تمام صفات نیک ہیں آپ وقار، سکون، صبر، عفت، طہارت، زیرکی اور دانائی میں طریقہ نبوی اور سرشت علوی پر گامزن تھے۔ ایسے تزکیہ شدہ نفس کے اور ایسی بلند ہمت کے مالک تھے کہ کوئی آپؑ کے پایہ کو پہنچ نہیں سکتا۔ آپؑ کی نیک روش میں آپؑ کا کوئی ثانی نہیں اور کسی نے ان چیزوں کی طمع نہیں کی... [3]

---

[1] اثباۃ الہداۃ جلد 6/ 209۔
[2] الفصول المہمہ/ 283-282۔
[3] المقنا جلد 2/ 218 نوشتہ۔۔دخیل۔۔منقول از اصول کافی، تذکرۃ الخواص/ 322۔

عبادت و بندگی

متوکل کے معین کیے ہوئے افراد چھان بین کے لئے متعدد بار آپؑ کے گھر میں اچانک گھس آئے تو آپ کو کھر درا لباس پہنے ہوئے ایک چٹائی پر نماز کے لئے ایستادہ لکھتے۔

یحییٰ ابن ہرثمہ نقل کرتے ہیں کہ امام ہادی ہمیشہ مسجد میں رہتے تھے اور دنیا سے کوئی رابطہ نہیں رکھتے تھے۔[1]

حائری اپنی کتاب میں لکھتے ہیں کہ عبادت پروردگار سے شدید محبت کی بنا پر آپ راتوں کو آرام نہیں کرتے تھے اور تھوڑی دیر کے علاوہ آپ سوتے نہیں تھے۔ آدھی رات کو کنکروں اور ریگزاروں پر بیٹھتے اور عبادت واستغفار اور تلاوت میں رات بسر کرتے تھے۔[2]

جود و بخشش

امام کے دوستوں میں سے چند افراد جیسے ابوعمرو عثمان ابن سعید، احمد ابن اسحاق اشعری اور علی ابن جعفر ہمدانی، آپؑ کی خدمت میں پہنچے۔ احمد ابن اسحاق نے اپنے بھاری قرض کی امامؑ سے شکایت کی، امام ہادی علیہ السلام نے اپنے وکیل ابوعمرو سے فرمایا تیس ہزار دینار، احمد ابن اسحاق کو اور تیس ہزار دینار علی ابن جعفر کو دیدو اور اپنے لئے بھی تیس ہزار اٹھالو[3]

ابوہاشم جعفری نقل کرتے ہیں کہ میں بہت زیادہ محتاج ہوگیا۔ میں امام ہادی علیہ السلام کی خدمت میں پہنچا جب میں بیٹھ گیا تو آپ نے فرمایا: اے ابوہاشم خدا نے جو نعمتیں تم کو دی ہیں ان میں سے کسی ایک نعمت کا شکر بجالا سکتے ہو؟ میں چپ رہا اور یہ نہ سمجھ سکا کہ کیا کہوں۔

امامؑ نے فرمایا: خدا نے تم کو ایمان دیا ہے اور اس کے ذریعہ اس نے تمہارے جسم کو دوزخ کی آگ سے بچایا ہے، خدا نے تم کو صحت و عافیت عطا کی ہے اور اس نے اپنی عبادت کے لئے تمہاری مدد کی، خدا نے تم کو قناعت دی ہے اور اس کے ذریعہ اس نے تمہاری آبرو بچائی ہے، اے ابوہاشم میں نے یہ باتیں اس لئے شروع کیں کہ میں نے گمان کیا کہ تم اس کے بارے میں مجھ سے شکایت کرنا چاہتے ہو جس نے یہ تمام نعمتیں تم کو دی ہیں۔ میں نے حکم دیدیا ہے کہ سو (100) دینار تم کو دیئے جائیں تم ان کو لے لو۔[4]

عقدہ کشائی

محمد ابن طلحہ نقل کرتے ہیں کہ ایک دن امام ہادی علیہ السلام سامرا سے ایک اہم کام کے لئے ایک دیہات کی طرف روانہ ہوئے۔ اس درمیان ایک آدمی آپؑ کے گھر آیا جب اس نے امامؑ کو وہاں نہ پایا تو وہ بھی اس دیہات کی طرف روانہ ہوا جب امام کی خدمت میں پہنچا تو اس نے عرض کیا کہ میں کوفہ کا رہنے والا ہوں آپؑ کے خاندان کے چاہنے والوں میں سے ہوں لیکن بہت زیادہ قرضدار ہوگیا ہوں، اتنا قرض ہے کہ میں اسے ادا نہیں کرسکتا اور آپؑ کے علاوہ مجھے اور کوئی نظر نہیں آتا جو میری ضرورت پوری کردے۔ امامؑ نے پوچھا تمہارا قرض کتنا ہے؟ اس نے کہا تقریباً دس ہزار درہم۔

---

[1]. نورالابصار/277، ائمتنا نوشتہ۔۔۔دخیل۔۔جلد 218۔

[2]. مناقب جلد 4/ 409۔

[3]. بحار جلد 50/ 129، انوار البهیہ/ 247۔

[4]. بحار جلد 50/ 175، کشف الغمہ جلد 3/ 165-164۔ نورالابصار شبلنجی/ 182-181۔ الفصول المہمہ/ 279-278، الصواعق المحرقہ/ 207-206، انوار البهیہ/ 256-255۔

امامؑ نے اس کی دلجوئی کی اور فرمایا: تم پریشان نہ ہونا اور میں جو حکم دوں اس پر عمل کرنے میں کوتاہی نہ کرنا پھر آپؑ نے اپنے ہاتھ سے ایک رقعہ لکھا اور اس سے فرمایا: اس خط کو اپنے پاس رکھو اور جب میں سامرا پہنچوں تو جتنا پیسہ اس میں لکھا ہے اس کا ہم سے مطالبہ کرنا، چاہے تم کو لوگوں کے سامنے ہی ایسا کرنا پڑے، خبردار اس میں کوتاہی نہ کرنا۔

امام کے سامراء لوٹنے پر جب خلیفہ کے حلقہ بگوش افراد آپؑ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے

وہ مرد عرب وہاں پہنچا اور اس دستخط کو دکھا کر اصرار کے ساتھ اس نے پیسے کا مطالبہ کیا، امامؑ نے نہایت نرمی اور ملائمت سے تاخیر کی معذرت کرتے ہوئے اس سے مہلت مانگی تاکہ کسی مناسب وقت پر آپؑ وہ پیسے ادا کردیں۔ لیکن وہ شخص اسی طرح اصرار کرتا رہا اور اس نے مہلت نہیں دی۔

یہ بات متوکل تک پہنچی تو اس نے تیس ہزار دینار امامؑ کے لئے بھیجنے کا حکم دیا۔

جب پیسے امامؑ کے ہاتھوں تک پہنچے تو آپؑ نے اس مرد عرب کو بلایا اور تمام پیسے اس کو دے دیئے۔ اس نے بتایا کہ اس پیسے کے ایک تہائی سے کم میں میری ضرورت پوری ہوجائے گی لیکن امام نے تمام تیس ہزار دینار اس کو مرحمت فرمادیئے [1]

امامؑ کی معنوی ہیبت وعظمت

محمد ابن حسن اشتر علوی نقل کرتے ہیں کہ میں اپنے والد کے ساتھ متوکل کے گھر تھا اور آل ابوطالب وآل عباس وآل جعفر کی بھی ایک جماعت وہاں موجود تھی کہ امام ہادی علیہ السلام تشریف لائے۔ وہ تمام لوگ جو وہاں کھڑے تھے امام کے احترام میں سواریوں سے اتر پڑے امامؑ گھر میں داخل ہوئے۔ حاضرین میں سے کچھ لوگوں نے ایک دوسرے سے کہا: ہم ان کیلئے کیوں اپنی سواری سے اتریں، وہ نہ تو ہم سے زیادہ صاحب شرف ہیں اور نہ ہم سے عمر میں بڑے ہیں خدا کی قسم ہم ان کے لئے سواری سے نہیں اتریں گے۔

ابوہاشم جعفری نے۔ جو وہاں موجود تھے۔ کہا خدا کی قسم تم لوگ جب انکو دیکھو گے تو نہایت حقیر بن کر سواری سے اتر پڑو گے۔

ابھی تھوڑی دیر نہ گذری تھی کہ امام ہادی علیہ السلام واپس پلٹے، جب حاضرین کی نظر آپؑ پر پڑی تو بے اختیار سواریوں سے اتر پڑے، ابوہاشم نے کہا: کیا تم نے نہیں کہا تھا کہ ہم نہیں اتریں گے؟

لوگوں نے کہا: خدا کی قسم ہم اپنے کو نہیں روک سکے اور بے اختیار اتر پڑے [2]۔

امام کا علمی مقام

خدا نے اپنی لامتناہی قدرت اور اپنے وسیع علم سے خاندان رسالت علیہ السلام کو علم کے خزانے عطا کئے اور ان کو زیور علم سے آراستہ کیا۔ ایسا علم کہ ان سے زیادہ علم دوسری جگہوں پر نہیں پایا جاسکتا۔

شیعوں کے ائمہ علم الٰہی کے پرچم دار، خزینہ دار اور اسرار توحید کے محافظ ہیں۔ امام ہادی علیہ السلام اسی شجرہ طیبہ کی ایک شاخ ہیں جو وسیع اور جامع علم سے مالا مال تھے۔ آپؑ کی علمی عظمت ومنزلت نے عقلوں کو حیرت واستعجاب میں ڈال دیا تھا۔

---

[1]۔ اعلام الوری/361-360۔ مناقب جلد 4/407، بحار جلد 50/137۔ انوار البھیہ/247۔

[2]۔ مزید معلومات کے لئے جبر وتفویض کے مسئلہ میں امام کا خط اور اسی طرح آپ کے احتجاجات جو کتاب تحف العقول میں صفحہ 256-338 پر موجود ہیں ملاحظہ فرمائیں۔

صفات خداوند عالم، تنزیہ و تقدیس پروردگار کے بارے میں آپؑ کی حدیثیں، مذہب، جبر و تفویض، اور جبر و تفویض کے درمیانی امر کے اثبات پر مفصل خط، زیارت ائمہ کے کلمات جو زیارت جامعہ کے نام سے مشہور ہے، آپؑ کی یادگاریں ہیں۔ مخالفین کے ساتھ مختلف موضوعات پر احتجاجات[1] وغیرہ...علماء کے لئے مورد توجہ ہیں جو کہ آپؑ کے علمی پہلوؤں کی گہرائی اور وسعت کا پتہ دیتے ہیں۔

امامت کا زمانہ

امام ہادی علیہ السلام 220ھ ق میں۔ اپنے والد بزرگوار کی شہادت کے بعد۔ آٹھ سال کی عمر میں امامت کے عہدہ پر فائز ہوئے، آپؑ کی امامت کی مدت 3 3 سال اور کچھ دن تھی اس مدت میں بنی عباس کے چھ خلفاء آپؑ کے ہم عصر رہے۔ ان کے نام معتصم، واثق، متوکل، منتصر، مستعین اور معتز ہیں۔

دوران امامت کی خصوصیتیں

دسویں امامؑ کی امامت کا زمانہ پریشانی، تشویش اور انقلاب کا زمانہ تھا۔ اس زمانہ میں خاندان علی علیہ السلام اور ان کے پیروکاروں کے ساتھ حکومت کا سخت اور برا سلوک اپنے عروج پر پہنچا ہوا تھا۔ اور اس شدت پسند روش کی بنا پر وسیع و عریض اسلامی مملکت کے گوشہ و کنار میں علویوں کی شورشیں بہت پھیلی ہوئی تھیں۔

یہاں پر اب ہم خلافت کے اس زمانہ کی بعض خصوصیات کی طرف اشارہ کرتے ہیں تا کہ دسویں امام کے سیاسی حالات کو اچھی طرح سمجھا جا سکے۔

الف: دربار خلافت کی ہیبت و عظمت کا زوال اور موالی کا تسلط

اس زمانہ میں ترک، قبطی اور موالی کا سرنوشت مملکت اسلامی پر تسلط اور مملکت کے امور سے خلیفہ کی کنارہ کشی نے دربار خلافت کی عظمت و ہیبت کو ختم کر دیا، خلافت مذکورہ لوگوں کے ہاتھوں میں ایک گیند کی طرح تھی جسے جدھر چاہتے تھے پھینک دیتے تھے[2]

یہاں تک کہ معتمد نے اس تلخ حقیقت کا اعتراف کیا اور چند اشعار میں اس نے کہا: کیا یہ تعجب خیز نہیں ہے کہ میرے جیسا شخص نہایت چھوٹی چیز سے روک دیا جائے۔ اس کے نام پر پوری دنیا حاصل کی جائے حالانکہ اس میں سے کوئی چیز اس کے ہاتھ میں نہیں ہے۔ فراوان مال و دولت اس کی طرف منتقل ہو لیکن ان میں سے ذرا سی چیز بھی اس کو نہ دی جائے۔

خلافت کی مشینری میں ان لوگوں کا دخل و رسوخ اور اہل بغداد کے لئے حد سے زیادہ مزاحمت و پریشانی اس بات کا سبب بنی کہ معتصم ان لوگوں کو۔ جن کی فوج اور انتظامی فورس میں کثرت تھی۔ لوگوں کی دسترس سے باہر کسی دوسری جگہ منتقل کر دے۔ چنانچہ شہر سامرہ کو اس کام کیلئے چنا گیا اور اسی کو دارالخلافہ قرار دیا گیا اور لشکر کو بھی اسی شہر میں منتقل کر دیا گیا۔

---

[1] اور شاید اس دور میں بنی عباس کے چھ خلیفہ تک ہاتھوں ہاتھ خلافت پہنچنے کی علتوں میں سے ایک بڑی وجہ یہی مسئلہ تھا۔ اور خلافت کے عہدہ پر نسبتاً زیادہ دنوں تک متوکل کے قابض رہنے کی وجہ یہ تھی کہ وہ ایک حد تک قدرت کو اپنے ہاتھوں میں لئے رہنے اور ان لوگوں کی اسیری سے اپنے آپ کو نجات دینے میں کامیاب ہو گیا۔

[2] الیس من العجائب ان مثلی یری ما قل ممتنعاً علیه و تو خذباسمه الدنیا جمیعا و ما من ذاك شیئی فی یدیه الیه یحمل الاموال طرًّا و یمنع بعض ما یجبی الیه

ان عناصر کے راس ورئیس موسی ابن بغا ان کے بھائی محمد ابن بغا ئی۔ بغا شرابی کو چک اور وصیف تھے مؤخر الذکر دونوں افراد مستعین پر ایسے مسلط تھے کہ ان کے بارے میں کہا جاتا تھا کہ خلیفہ وصیف اور بغاء کے درمیان قفس میں قید ہے وہ لوگ جو بھی کہتے ہیں یہ طوطے کی طرح وہی بولتا ہے۔[1]

ب: علویوں کی تحریک کی وسعت

اس زمانہ میں رضائے آل محمد ﷺ اور حکومت کے ظلم و جور کے خلاف اور اعتراض کے عنوان سے بہت سی تحریکیں اٹھیں۔ تحریک کے لیڈر یہ دیکھ رہے تھے کہ ان کے امام فوجی اڈہ کے اندر سامرا میں قید ہیں اور خلافت کی مشینری ان کی نگرانی کر رہی ہے اور کسی مخصوص آدمی کے نام پر لوگوں کو اکٹھا کرنا اس کے قتل کا باعث ہوتا ہے۔ اس لئے وہ لوگوں کو کلی طور پر رضائے آل محمد ﷺ کی طرف دعوت دیتے تھے۔

مورخین نے اٹھارہ تحریکوں کے نام بیان کئے ہیں۔ ہم ان میں سے اختصار کے ساتھ چند تحریکوں کا نام ذکر کر رہے ہیں:

1۔ محمد ابن قاسم علوی کی تحریک: یہ ایک عالم، زاہد اور متقی آدمی تھے۔ انہوں نے معتصم کے زمانہ میں طالقان میں قیام کیا۔ اور عبداللہ ابن طاہر کے ساتھ ایک جھڑپ کے بعد 219ھ ق میں عبداللہ کے ہاتھوں گرفتار ہو کر معتصم کے پاس لائے گئے۔[2]

2۔ یحییٰ ابن عمر علوی کی تحریک: یحیی ایک زاہد متقی اور باعلم و عمل آدمی تھے۔ انہوں نے 250ھ میں کوفہ میں قیام کیا اور بہت سے لوگوں کو اپنے ارد گرد جمع کر لیا اور بیت المال پر حملہ کر کے بیت المال اپنے قبضہ میں کر لیا، زندانوں کے دروازے کھول کر قیدیوں کو آزاد کر دیا اور شہر کے حکام کو شہر سے باہر نکال دیا لیکن آخر میں شکست کھا کر حسین ابن اسماعیل کے ہاتھوں قتل ہوئے۔ ان کی لاش کو دار پر لٹکایا گیا۔[3]

3۔ حسین ابن زید کی تحریک: انہوں نے 250ھ ق میں طبرستان میں قیام کیا اس سرزمین اور (شہر) گرگان پر قبضہ کر لیا اور 270ھ ق میں انتقال فرما گئے ان کے بھائی محمد ان کے جانشین ہوئے[4]

4۔ محمد ابن جعفر علوی کی تحریک: آپ نے 250ھ ق میں خراسان میں قیام کیا لیکن عبداللہ ابن طاہر کے ہاتھوں گرفتار ہو کر قید کر دیئے گئے اور وہیں انتقال فرمایا۔[5]

امامؑ کے ساتھ متوکل کا سلوک

امام ہادی علیہ السلام اگر چہ خلفائے بنی عباس میں سے چھ خلفاء کے ہمعصر رہے لیکن متوکل اور معتز سے آپؑ نے دوسرے خلفاء کی بہ نسبت زیادہ دکھ سہے۔ ان دونوں خلفاء کی سیاست مخالفین، خصوصاً علویوں کا قلع قمع کر ڈالو کی سیاست تھی۔

---

[1] ... خلیفة فی قفس بین وصیف: وبغاء، یقول ما قالا له کما یقول البغاء... مروج الذہب جلد 4/ 61۔
[2] مقاتل الطالبین/ 384۔382۔
[3] مقاتل الطالبین/ 424۔420 کامل ابن اثیر جلد 7/ 130۔126۔
[4] مقاتل الطالبین/ 406، کامل ابن اثیر جلد 7/ 130، 248، 407۔ مروج الذہب ج 4/ 68۔
[5] مقاتل الطالبین/ 406، مروج الذہب جلد 4/ 69۔

متوکل حکومت بنی عباس میں سب سے بڑا ظالم اور بدسرشت بادشاہ تھا اس کی حکومت کی مدت چودہ (14) سال کچھ دن تھی (232ھ ق۔247ھ ق) اور یہ زمانہ دسویں امامؑ اوران کے تابعین کے لئے سخت ترین زمانہ شمار کیا جاتا ہے۔[1]

متوکل جس کا دل امیرالمومنین، ان کے خاندان اوران کے شیعوں کے لئے کینہ سے بھرا ہوا تھا۔ وہ اس بات کی کوشش کرتا تھا کہ اس خاندان کے نمایاں افراد کو نہایت بے دردی سے ختم کردے۔ اسی لئے اس نے علویوں کے ایک گروہ کو قتل کیا اور دوسرے گروہ کو بھی نیست ونابود کرڈالا۔

وہ ائمہ کی جانب بڑھتے ہوئے عمومی افکار کو روکنے اور ائمہ علیہ السلام کو گوشہ نشین بنانے کے لئے جھوٹے خواب نقل کرکے لوگوں کو محمد ابن ادریس شافعی کی۔ جو گذر چکے تھے۔ پیروی کرنے کا شوق دلاتا تھا۔[2] اور 236ھ ق کو اس نے حکم دیا کہ سیدالشھداء حضرت امام حسین علیہ السلام کے مرقد مطہر کو ویران کردیا جائے اوراس زمین پر زراعت کی جائے تاکہ لوگ اس مرقد مطہر کی زیارت کو نہ جائیں جو شیعوں کا مرکز اور دربار خلافت کے ظلم واستبداد کے خلاف شیعوں کی تحریکوں کے لئے الھام بخش ہے۔[3]

لیکن نہ صرف یہ کہ شیعہ کسی بھی طرح اس تربت پاک کی زیارت سے باز نہیں آئے بلکہ یہ جرم ان کے مبارزات کی شدت کو بڑھانے کا سبب بنا اور انہوں نے اپنے نفرت وغصہ کو نعروں اور اشعار کی شکل میں بغداد کے شہر اور مسجد کی دیواروں پر لکھ کر ظاہر کیا۔ ایک شعر کا مضمون ملاحظہ ہو: خدا کی قسم اگر بنی امیہ نے ظلم وستم کے ساتھ فرزند پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قتل کردیا تو اب بنی عباس۔ جو فرزندان عبدالمطلب اور ان کی نسل سے ہیں۔ انہوں نے بھی بنی امیہ کے جرائم کی طرح جرم کا ارتکاب کیا، یہ قبر حسین علیہ السلام ہے جو ویران ہوگئی ہے۔ اور یہ کہ بنی عباس کو اس بات کا افسوس ہے کہ انہوں نے قتل امام حسین علیہ السلام میں شرکت نہیں کی اور اب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تربت پر ظلم اوران کی قبر کو ویران کرکے وہ بنی امیہ کے جرائم کی پیروی کررہے ہیں۔[4]

ائمہ اہل بیت کی دوستی اوران کی پیروی کے جرم میں متوکل لوگوں پر سختی کرتا اوران کو سزائیں دیتا تھا۔

ابن سکیت ایک شیعہ ادیب اور شاعر متوکل کے بیٹوں۔ معتز اور مؤید۔ کے معلم تھے ایک دن خلیفہ نے دونوں بیٹوں کی طرف اشارہ کرکے ابن سکیت سے پوچھا کہ تیرے نزدیک یہ دونوں زیادہ محبوب ہیں یا امام حسن وامام حسین علیہما السلام ؟ ابن سکیت نے بے جھجک جواب دیا کہ امیرالمومنین کے غلام قنبر تیرے دونوں بیٹوں سے بہتر ہیں۔[5]

متوکل کو ہرگز ایسے جواب کی امید نہ تھی چنانچہ وہ بڑا غضب ناک ہوا اس نے ان کی زبان گدی سے کھینچ لئے جانے کا حکم دیا اور اس دردناک طریقہ سے ان کو شہید کردیا۔[6]

---

[1] تاریخ الخلفاء/ 251-350۔

[2] تاریخ الخلفائ/ 347، تاریخ ابوالفداء/ جزء دوم/ 38۔

[3] باللہ ان کانت امیّہ قد اتت قتل بن بنت نبیّھا مظلوماً فلقد اتاہ بنو ابیہ بمثلہ ھذا لعمری قبرہ مھدوماً اسفو علی ان لا یکونوا شارکوا فی قتلہ فتتّبعوہ رمیاً

[4] الفداء نے اپنی تاریخ میں ابن سکیب کا بیان اس طرح لکھا ہے کہ۔۔قنبر تجھ سے اور تیرے دونوں بیٹوں سے زیادہ مجھ کو محبوب ہیں۔

[5] تاریخ الخلفاء/ 348، تاریخ ابی الفداء جلد 1/ جزء دوم/ 41-40

[6] تاریخ الخلفاء/ 348، تاریخ ابی الفداء جلد 1/ جزء دوم/ 41-40

امیر المومنین علیہ السلام سے کینہ اور عداوت نے متوکل کو ایسی پستی اور رزلت میں پہنچا دیا تھا کہ وہ ناصبیوں اور دشمنان اہل بیت علیہم السلام کو اپنے قریب کرتا تھا اور کینہ سے لبریز دل کی تسکین کے لئے حکم دیتا تھا کہ ایک مسخرہ اپنی شرم آور حرکات سے امیر المومنین کا مذاق اڑائے اور ایسے میں متوکل شراب پیتا اور یہ مناظر دیکھ کر قہقہہ لگاتا [1]۔

سامرا میں امام کی جلاوطنی

232ھ ق میں جب متوکل نے اقتدار اپنے ہاتھ میں لیا تو اس نے مختلف طبقہ کے لوگوں میں امام ہادی علیہ السلام کے نفوذ اور ان سے لوگوں کی محبت کو دیکھا تو بہت خوفزدہ ہوا اس وجہ سے اس نے چاہا کہ امامؑ کو مدینہ سے سامرا بلائے اور آٹھویں امامؑ کے سلسلہ میں مامون کے رویہ کی پیروی کرے تاکہ آپ کو ان کے چاہنے والوں سے دور کرنے کے ساتھ ساتھ فعالیت سے بھی روک دے اور قریب سے نگرانی کرتا رہے۔

زمین کے امام جماعت اور والی مدینہ نے امام کے بارے میں متوکل سے جو چغلی لگائی تھی اس نے خلیفہ کو اس ارادہ کو عملی جامہ پہنانے پر اکسایا اس وجہ سے اس نے 234ھ ق (104)

میں امام کے لئے ایک خط لکھا اور اس کو یحیی ابن ہرثمہ کے ذریعہ بھیجا اور حکم دیا کہ سامرا لایا جائے۔[2]

امامؑ اگرچہ متوکل کی بری نیت سے واقف تھے پھر بھی آپؑ نے اپنے آباء کرام کی پیروی کرتے ہوئے اس بات میں بھلائی نہیں محسوس کی کہ متوکل کی مخالفت کی جائے اس لئے کہ اس کی مخالفت چغلی لگانے والوں کے لئے سند بن جاتی اور خلیفہ کو اور زیادہ بھڑکا دیتی اسی وجہ سے آپؑ اس جبری سفر پر آمادہ ہو گئے [3]۔

اور اپنے بیٹے امام حسن عسکری علیہ السلام کو لے کر خلیفہ کے بھیجے ہوئے آدمیوں کے ساتھ سامراء کے سفر پر چل پڑے۔

متوکل نے آپ کی شخصیت کو نقصان پہنچانے اور اپنی طاقت کے مظاہرہ کے لئے حکم دیا کہ امامؑ کو ایک نامناسب جگہ جس کا نام خان الصعالیک تھا، جو گداگروں کی جگہ تھی، وہاں اتارا جائے اور ایک دن وہاں ٹھہرانے کے بعد محلہ عسکر [4] میں امامؑ کے لئے ایک گھر لیا گیا اور آپؑ کو اس میں منتقل کیا گیا [5] آخر عمر تک آپؑ اسی جگہ مقیم رہے اور متوکل اور اس کے بعد کے خلفاء کی طرف سے ہمیشہ نظر بند رہے۔ سامرا میں بیس سالہ قیام کے دوران آپؑ نے بڑے دکھ سہے، خاص کر متوکل کی طرف سے ہمیشہ تہدید اور آزار کا شکار رہے۔ بغیر کسی اطلاع کے پیسہ اور اسلحہ کی تلاشی کے بہانہ بارہا آپؑ کے گھر کی تلاشی ہوتی رہی اور بہت سے مواقع پر خود آپؑ کو خلیفہ کے پاس لے جایا گیا۔

---

[1]. امام کے سامرا جانے کی تاریخ میں اختلاف ہے، مرحوم مفید نے ارشاد میں امام کو متوکل کے خط لکھنے کی تاریخ جمادی الآخر 243ھ ق (ارشاد/ 333) بتائی ہے لیکن جو مناقب جلد 4/ 401 اور دیگر کتابوں میں سامرا میں امام کی قیام کی مدت بیس سال لکھی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے سامرا جانے کی تاریخ وہی 234ھ تھے، اس لئے یہ بات بعید معلوم ہوتی ہے کہ متوکل امام کی فعالیت سے گیارہ سال غافل رہا ہو اور اس نے کوئی فکر نہ کی ہو۔

[2] بحار جلد 50/ 201-200، ارشاد مفید/ 332، تذکرۃ الخواص/ 322

[3]. آپکا سفر زبردستی کا سفر تھا اس کی دلیل خود آپ کا قول ہے آپ نے فرمایا: مجھ کو مدینہ سے زبردستی سامرا لایا گیا بحار 50/ 129

[4]. چونکہ وہ گھر جہاں امام ہادی۔ اور ان کے بعد امام حسن عسکری۔ نظر بند کئے گئے تھے عباسی لشکر گاہ کے پاس تھا اور اس محلہ کو محلہ عسکر کہتے تھے اس لئے یہ دونوں امام عسکریین کے نام سے مشہور ہوئے بحار 50/ 362۔

[5] فصول المہمہ/ 281-280، ارشاد مفید/ 334-333، تذکرہ الخواص 362، انوار البہیۃ/ 259، بحار ج 50/ 200۔

معتز،متوکل کا بیٹا بھی اپنے باپ سے کم نہ تھا۔علویوں کے ساتھ اس کا سلوک بہت ناروا تھا۔اس کی حکومت کے زمانہ میں بہت سے علویوں کو یا تو زہر دیا گیا یا قتل کرڈالا گیا۔امام ہادی علیہ السلام اسی کے زمانہ میں شہید ہوئے۔

امامؑ کی فعالیت اور آپؑ کا موقف

امام ہادی۔کی علمی اور سماجی فعالیت اور خلافت کی مشینری کے مقابل آپ کے موقف سے آگاہی کے لئے ضروری ہے کہ ہم مسئلہ کی دو حصوں میں تشریح کریں۔

1۔مدینہ میں آپؑ کی فعالیت اور آپؑ کا موقف

2۔سامرا میں حضرت علیہ السلام کی کارکردگی اور آپ کا موقف

الف: مدینہ میں آپ کی فعالیت اور موقف

اپنے والد بزرگوار کی شہادت کے بعد اپنی امامت کے زمانہ میں امام ہادی علیہ السلام نے تقریباً تیرہ سال نہایت دشوار گذار اور کھٹن ماحول میں مدینہ میں زندگی بسر کی اور آپؑ نے مختلف گروہوں کو آگاہی بخشنے،طاقتوں کو جذب کرنے اور عوامی مرکز تشکیل دینے میں اپنی تمام تر کوششیں صرف کیں۔

یہ کوششیں اتنی موثر اور دربار خلافت کے لئے ایسی خطرناک تھیں کہ حرمین کے امام جماعت بریحہ نے متوکل کو لکھا اگر تم کو مکہ اور مدینہ کی ضرورت ہے تو علی ابن محمد ہادی علیہ السلام کو اس دیار سے نکال دو اس لئے کہ وہ،لوگوں کو اپنی طرف بلاتے ہیں چنانچہ بہت سے افراد بھی ان کے گرویدہ ہیں۔[۱]

اسی بات کو حکومت بنی عباس کے طرفداروں نے،منجملہ ان کے والی مدینہ نے بھی متوکل کو لکھا اور یہی فعالیت اور لوگوں کی چغلی، اس بات کا باعث ہوئی کہ متوکل امامؑ کو سامرا منتقل کرنے کے نگرانی میں رکھے۔

سامرا لے جاتے وقت مدینہ کے عوام کا ردّ عمل،امام کی سیاسی اور سماجی کوششوں اور معاشرہ میں ان کی حیثیت پر دوسری بولتی ہوئی دلیل ہے۔

یحییٰ بن ہرثمہ نقل کرتا ہے کہ جب مدینہ والوں کو معلوم ہوا کہ ہم امام ہادی علیہ السلام کو مدینہ سے لے جانے کے لئے آئے ہیں تو ان کے نالہ وفریاد کی ایسی آوازیں بلند ہوئیں کہ میں نے اس سے پہلے ایسی آوازیں نہیں سنی تھیں،جب میں نے قسم کھا کر یہ بات کہی کہ امامؑ کے ساتھ کوئی برا سلوک نہیں کروں گا تب لوگ چپ ہوئے۔[۲]

مدینہ والوں کے نالہ وشیون اور ان کی فریاد سے دو حقیقتوں کا پتہ چلتا ہے۔پہلی بات تو یہ ہے کہ اس سے امام کے سلسلہ میں ان کی محبت اور الفت کا اندازہ ہوتا ہے۔اور دوسری بات ہے کہ امامؑ کے بارے میں حکومت کے معاندانہ رویہ سے لوگ آگاہ ہو گئے۔

لوگوں کا غم وغصہ اور ان کی تشویش دو باتوں کی بنا پر تھی:

1۔آپ کی رہبری اور آپ کے فیوض وبرکات سے محرومی اور جدائی۔

---

[۱] ...ان کان لك فی الحرمین حاجة فاخرج علی بن محمد منها فانّه قد دعا الناس الی نفسه و اتبعه خلق کثیر..بحار جلد 50/ 209،سیرۃ الائمۃ الاثنی عشر جلد 2/ 485۔

[۲] مروج الذہب جلد 4/ 84،بحار جلد 50/ 217،تذکرۃ الخواص/ 332۔

2۔اس بات کا احتمال کہ پایہ تخت منتقل کرنے کہ بعد امامؑ کو شہید کر دیا جائیگا اور اس احتمال کو خلیفہ کے بھیجے ہوئے آدمیوں نے لوگوں کے شک آلود چہرہ اور ان کے نالہ وفریاد سے بخوبی محسوس کر لیا تھا۔اسی وجہ سے یحیی بن ہرثمہ نے قسم کھائی کہ کہیں کوئی حادثہ نہ پیش آ جائے۔

ب: سامرا میں امامؑ کی فعالیت اور موقف

امام ہادی علیہ السلام نے جو بیس سال سامرا میں زندگی گذاری اس کھٹن ماحول میں اپنے دوستوں اور خود اپنی نگرانی کے، باوجود امکان کی حد تک پیغام الٰہی کو ہمیشہ کی طرح پہنچانے میں کامیاب رہے۔

آپؑ کی کارکردگی کا خلاصہ دو حصوں میں بیان کیا جا سکتا ہے:

1۔اپنے برحق موقف کو بیان کرنا اور اسے مضبوط بنانا اور باطل کے موقف پر تنقید کرنا۔

2۔عوامی مرکز کی پشت پناہی اور لوگوں کو دربار خلافت میں داخل ہونے اور اس کی مدد کرنے سے روکنا۔

پہلا موقف

اس موقف کو بیان کرنے کے لئے چند نمونوں کا بیان کر دینا ضروری ہے۔

1۔خلیفہ پر کھلم کھلا امام کی تنقید اور واضح بیانات۔

اس کا واضح ترین نمونہ وہ اشعار ہیں جو امام نے خلیفہ کی بزم میں پڑھے اور متوکل نے گریہ کیا۔

متوکل نے ایک بزم منعقد کی اور اس نے حکم دیا کہ امام ہادی علیہ السلام کو بھی لایا جائے، جب امامؑ وہاں پہنچے تو۔متوکل جو شراب خوری میں مشغول تھا۔اس نے امامؑ کو اپنے پہلو میں بٹھایا اور امامؑ سے اس نے اس کام کی بھی خواہش کی (معاذ اللہ) امامؑ نے فرمایا میرا گوشت اور میرا خون ہرگز شراب سے آلودہ نہیں ہوا ہے۔

متوکل آپ کو شراب پلانے سے مایوس ہو گیا اور اس نے اشعار پڑھنے کی پیشکش کی، امام۔نے فرمایا کہ میں بہت کم شعر پڑھتا ہوں متوکل نے کہا شعر پڑھنے کے سوا اور کوئی چارہ ہی نہیں ہے۔

امام نے اشعار پڑھے جس سے خلیفہ بہت متاثر ہوا اتنا متاثر ہوا کہ خود خلیفہ اور حاضرین مجلس نے گریہ کیا۔پھر اس نے بساط شراب کو سمیٹ دینے کا حکم دیا اور امام ہادی علیہ السلام کو چار ہزار دینار دے کر احترام سے واپس بھیج دیا[1]۔

لوگوں کے درمیان انفرادی یا اجتماعی طور پر اپنی حقانیت اور امامت کا اثبات کے مرحلہ میں آپ کا موقف کچھ اس طرح تھا کہ جو دربار خلافت سے آپ کے کلی منفی رویہ کے خلاف نہ تھا۔

---

[1]۔تذکرۃ الخواص/323،مروج الذہب جلد 4 /12-10،تورالابصار شبلنجی/182، بحار جلد 50 /211،امام نے جو اشعار پڑھے ان میں سے کچھ اشعار ملاحظہ ہوں:

باتو علی قلل الاجبال تحرسھم غلب الرجال فما اغنتھم القلل و استنزلوا بعد عزمن معاقلھم و اسکنوا حضراً یا بئس ما نزلوا ناداھم صارخٌ من بعد دفنھم این الاساور و التیجان و العلل این الوجوہ التی کانت منعمہ من دونھا تضرب الاستار و الکلل فافصح القبر عنھم حین سائلھم تلك الوجوہ علیھا الدّود تنتقل قد طال ما اکلوا دھراً و ما شربوا فاصبحوا بعد طول الاکل قد اکلوا.

انہوں نے پہاڑ کی چوٹیوں کو اپنے رہنے کی جگہ قرار دی اور مسلح افراد ان کی حفاظت کر رہے تھے لیکن ان میں سے کوئی چیز بھی موت کو نہ روک سکی۔انجام کار عزت کی بلند چوٹیوں سے قبر کے گڑھے میں گر پڑے انہوں نے کتنی بری جگہ کو اپنے رہنے کی جگہ قرار دیا ایسی صورت میں آواز آئی کہ وہ تاج و زینت وجلال وشکوہ سب کہاں چلے گئے۔کہاں گئے وہ نعمتوں میں غرق چہرے جو مختلف پردوں کے پیچھے زندگی گذارتے تھے (جہاں بارگاہ تھی پردے اور دربان تھے) ایسے موقع پر قبر نے آواز دی اور کہا: نازوں کے پروردہ چہروں کو کیڑے مکوڑے کھا رہے ہیں۔

تاریخ میں اس سلسلہ میں بہت سے نمونے درج ہیں کہ امامؑ نے اپنی پیش گوئی اور معجزات کے ذریعہ لوگوں کو اپنی حقانیت کی طرف متوجہ کرنے اور انہیں خواب غفلت سے بیدار کرنے کی بہت کوشش کی۔

اس میں سے ایک نمونہ حضرت کا سعید ابن سھل بصری سے سلوک ہے۔ سعید خود نقل کرتے ہیں کہ میں واقفی [۱] مذہب کا تھا۔ ایک دن امام ہادی علیہ السلام سے ملا آپ نے مجھ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا، کب تک سوتے رہوگے؟ کیا تم نہیں چاہتے کہ اس غفلت سے بیدار ہوجاؤ؟ امام کی باتوں نے مجھ پر ایسا اثر کیا کہ میں نے اپنا عقیدہ چھوڑ کر حق کو قبول کر لیا[۲]

کسی خلیفہ کے بیٹے کے ولیمہ کے سلسلہ میں امام ہادی علیہ السلام کی بھی دعوت تھی جب آپ تشریف لے گئے تو حاضرین آپ کے احترام میں ساکت ہو گئے لیکن ایک جوان اسی طرح باتیں کرتا اور ہنستا رہا وہ چاہتا تھا کہ امام کو لوگوں کے درمیان سبک کردے امامؑ نے اس نوجوان کی طرف رخ کیا اور فرمایا یہ کیسی ہنسی ہے جس نے تجھے یادخدا سے غافل بنا دیا ہے؟ درآن حالیکہ تم تین دن کے بعد مر جاؤ گے۔

وہ جوان یہ باتیں سن کر چپ ہو گیا، تمام حاضرین امام کی پیشین گوئی کی صداقت کو پرکھنے کے لئے دن گنتے رہے یہاں تک کہ تیسرا دن آیا اور وہ نوجوان مر گیا[۳]

2۔ علمی کارکردگی

لوگوں کو آگاہ کرنے، امامت کے موقف کی وضاحت اور اس کی تفسیر بیان کرنے کے لئے امام کی فعالیت کے محور مندرجہ ذیل ہیں:

1۔ مختلف اقوال یا تحریریں جو حق کو ثابت کرنے والے اور لوگوں کے ذہن میں ابھرنے والے شبہات کو ختم کرنے کے لئے ضروری مقامات پر سامنے آئیں۔

2۔ مناظرہ کے جلسوں میں شرکت کرنا اور خلیفہ یا ان لوگوں کے سوالات کے جواب دینا جن کو خلیفہ سوال کرنے پر اکساتا تھا۔ پھر ان کو علمی اعتبار سے عاجز کر دینا۔

متوکل نے ایک دن ابن سکیت [۴] کو اکسایا کہ امام سے مشکل مسائل پوچھے، انہوں نے ایک نشست میں امام سے وہ مسائل پوچھے جو ان کی نظر میں مشکل تھے امام نے ان تمام سوالوں کے جواب دیئے۔

اس کے بعد ابن سکیت، یحیی ابن اکثم کو میدان مقابلہ میں لایا لیکن یحیی نے بھی منہ کی کھائی اور مغلوب ہوا۔ اس نے متوکل سے کہا کہ ایسے جلسے منعقد کرنا حکومت کی بھلائی کے لئے مفید نہیں ہیں، اس لئے کہ امام کی برتری اور کامیابی کی آواز شیعوں کے کانوں تک پہنچ چکی ہے یہ جلسے ان کے استحکام اور فخر کا باعث بنیں گے [۵]۔

---

[۱]. واقفی وہ لوگ ہیں جنہوں نے موسی ابن جعفر علیہ السلام کی امامت پر توقف کیا ان کے بعد آپ کی امامت کو انہوں نے قبول نہیں کیا، ان کا عقیدہ ہے کہ موسی بن جعفر کا انتقال نہیں ہوا ہے بلکہ وہ نظروں سے پنہاں ہو گئے اور ایک دن ظہور فرمائیں گے۔

[۲] مناقب جلد 4/ 407، بحار جلد 50/ 172۔

[۳] مناقب جلد 4/ 414-415۔

[۴] مناقب جلد 4/ 403-405، بحار جلد 50/ 164-172۔

[۵]. ابن سکیت ہر چند کہ دل سے شیعہ اور دوستدار اہل بیت تھے لیکن چونکہ وہ متوکل کے بیٹوں کے معلم بھی تھے اور شاید وہ اپنے عقیدہ کو چھپاتے تھے اس وجہ سے انہوں نے یحیی بن اکثم کو اس بات کے لئے آمادہ کیا کہ وہ امام سے سوال کرے۔

3۔شاگردوں کی تربیت

دربار خلافت کی طرف سے محدودیت کا شکار ہونے اور آپ کے گھر آنے جانے والوں کی نگرانی ہوتے رہنے کے باوجود امام، قدرآور شخصیتوں اور بافضیلت لوگوں کی تربیت کرنے میں کامیاب ہو گئے، شیخ طوسی نے ان لوگوں کی تعداد جو حضرت سے روایت کرتے تھے ایک سو پچاسی (185) لکھی ہے جن کے درمیان بڑے نمایاں افراد بھی نظر آتے ہیں منجملہ ان کے:

1۔حضرت عبدالعظیم حسنی ہیں جن کا سلسلہ چار واسطوں سے امام حسن مجتبی علیہ السلام سے مل جاتا ہے آپ محدثین اور بزرگ علماء میں شمار ہوتے تھے اور زہد و تقوی میں بڑا مقام رکھتے تھے۔

2۔حسین ابن سعید اہوازی ہیں جنہوں نے فقہ و ادب و اخلاق کے موضوع پر تقریباً تیس کتابیں لکھی ہیں، آپ علمی مقام و منزلت کے حامل ہونے کے علاوہ لوگوں کی ارشاد و ہدایت بھی فرماتے تھے [1]

3۔علی ابن جعفر میناوی جن کو متوکل نے قید خانہ میں ڈال دیا تھا۔

4۔مشہور ادیب ابن سکیت جو متوکل کے ہاتھوں شہید ہوئے...

4۔زیارت جامعہ

امام ہادی علیہ السلام کی باقی رہ جانیوالی یادگار میں سے ایک چیز زیارت جامعہ ہے موسی ابن عبداللہ نخعی نامی ایک شیعہ کی درخواست پر آپ نے ان کو یہ زیارت تعلیم فرمائی تھی۔ ولایت اور معرفت امام کے سلسلہ میں شیعوں کے حیات بخش معارف میں سے ایک دریا اس میں موجزن لائیے ورمرحوم شیخ صدوق علیہ الرحمۃ جیسے بزرگ عالم نے من لایحضرہ الفقیہ اور عیون اخبار الرضا میں، مرحوم شیخ طوسی قدس سرہ نے تہذیب الاحکام میں اس زیارت کو نقل کیا ہے اور اب تک اس کی مختلف شرحیں لکھی جا چکی ہیں۔

دوسرا موقف

اس موقف کی وضاحت کے لئے بھی ہم چند موارد کو بطور نمونہ ذکر کریں گے۔

1۔شیعوں کی حمایت اور پشت پناہی

اس سلسلہ میں امامؑ کی کوشش یہ تھی کہ اپنے دوستوں کی معنوی اور اقتصادی مشکلات کی حمایت و مدد کریں، چنانچہ مختلف علاقوں سے جو پیسے خمس، زکوۃ اور خراج کے پہنچا کرتے تھے امامؑ ان لوگوں کو دے دیتے تھے تا کہ وہ لوگ اسے عمومی مصالح اور لازمی ضرورتوں میں صرف کریں۔

اصحاب میں سے تین افراد کے درمیان نوے ہزار دینار دیئے انے کا واقعہ ہم گذشتہ صفحات میں بیان کر چکے ہیں جو اس حقیقت پر واضح دلیل ہے۔

مذکورہ رقم کا دیا جانا ایسا حیرت انگیز ہے کہ ابن شہر آشوب اس واقعہ کو نقل کرتے کے بعد لکھتے ہیں کہ اتنی بڑی رقم کا خرچ کرنا صرف بادشاہوں کے بس کا کام ہے اور اب تک سنا نہیں گیا کہ کسی نے ایسے بخشش کی ہو۔

---

[1] تنقیح المقال جلد 1/ 329۔

جو قرائن اس روایت میں نظر آتے ہیں وہ اس احتمال کی نفی کرتے ہیں کہ امام نے یہ سارے پیسے اپنے اصحاب کو ذاتی مصارف کے لئے دیئے ہوں۔

رقم کی زیادتی ان میں سے دو افراد کو بغیر درخواست اور بغیر کسی ضرورت کے اتنی بڑی رقم دیا جانا۔ یہ ہمارے دعوی کے گواہ بن سکتے ہیں۔

2۔ اصحاب کو حکومت کے شیطانی پھندے میں پھنسنے سے روکنا اوران کی ہدایت کرنا۔

اپنے بھائی کو متوکل کی بزم شراب سے امامؑ کا روکنا امامؑ کے اس موقف کا بڑا واضح نمونہ [۱] ہے۔

3۔ اپنے پیرووں سے مسلسل تحریری رابطہ رکھنا اوران کو ضروری ہدایات دیتے رہنا۔

نمونہ ملاحظہ فرمائیں:

محمد ابن فرج رخجی کو آنے والے ایک خطرہ سے آگاہ کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ: یا محمد اجمع امرک وخذ حذرک اپنے کاموں کو سمیٹ لو اور ہوشیار ہو۔ محمد فرماتے ہیں کہ میں نے امام۔ کا مطلب نہیں سمجھا یہاں تک کہ خلیفہ کے معین کردہ آدمی آ گئے اور انہوں نے گرفتار کرنے اور بہت زیادہ مارنے پیٹنے کے بعد مجھ کو قید میں ڈال دیا اور میں آٹھ سال تک قید میں رہا۔ [۲]

اگر محمد ابن فرج امامؑ کا مطلب سمجھ گئے ہوتے تو شاید اس خطرہ سے نکل جاتے۔

شہادت امامؑ

تمام پریشانیوں اور محدودیتوں کے باوجود امام بنی عباس کے ظالموں سے معمولی سمجھوتہ پر بھی راضی نہیں تھے اور یہ بات طبیعی ہے کہ امامؑ کی الٰہی شخصیت ان کی اجتماعی حیثیت اور خلفاء کے ساتھ ان کا منفی رویہ ان لوگوں کے لئے خوف وہراس پیدا کرنے والا اور ناگوار تھا۔ اس وجہ سے آپ کے حق میں تمام مظالم کرنے یہاں تک کہ زندان میں ڈال دینے کے بعد بھی خوف وہراس سے محفوظ نہ تھے، اوران کے پاس کوئی راہ چارہ نہ تھی کہ وہ نور خدا کو خاموش کر دیں اور آپ کو قتل کر دیں۔

چنانچہ تیسری رجب 254ھ ق میں 42 سال کی عمر میں معتز کی خلافت کے زمانہ میں آپ کو زہر دیا گیا اور سامرا میں آپ اپنے ہی گھر میں سپرد لحد کئے گئے۔ [۳]

---

[۱]. اس واقعہ کا خلاصہ یہ ہے کہ: جب متوکل امام ہادی پر دسترسی حاصل نہ کر سکا اور آنحضرت کو مجلس لہولعب اور عیش وعشرت میں نہ کھینچ سکا تو کچھ لوگوں کی پیشکش پر اس نے آپ کے بھائی موسی کو اپنی محفل میں دعوت دینے کا ارادہ کیا۔ اور یہ دکھا کر کہ ابن رضا اس کے دسترخوان پر بیٹھے ہیں امام ہادی علیہ السلام کی شخصیت اور حیثیت کو داغدار بنانا چاہا۔ موسی اس کی دعوت پر سامراء پہونچے اور تمام چیزیں پہلے سے فراہم تھیں جو لوگ پہلے سے تیار بیٹھے تھے وہ ان کے استقبال کو پہنچے امام علیہ السلام بھی ان کے ساتھ وہاں گئے اور پہلی ملاقات میں انہوں نے اپنے بھائی کو متوکل کے خیانت آمیز نقشہ میں پھنستے ہوئے دیکھ کر ان کو اس کے جلسہ میں شرکت کرنے سے روکا لیکن موسی نے امام کے نصیحتوں کا اثر نہیں لیا امام نے جب یہ محسوس کر لیا تو آپ نے نہایت یقینی لہجہ میں کہا: تم کو متوکل کی بزم میں شرکت کرنے کا موقع ہی نہیں ملے گا۔ آخرکار وہی ہوا جسکی پیشین گوئی امام علیہ السلام نے کی تھی۔ ارشاد مفید/ 332۔321۔ مناقب جلد 4/ 410۔419 بحار 50/ 158۔

[۲]. اعلام الوری/ 358، مناقب جلد 4/ 414، بحار ج 50/ 140۔

[۳] اعلام الوری/ 355، ارشاد مفید/ 334، مناقب جلد 4/ 401، بحار جلد 50/ 114۔117۔

سوالات

1۔امام ہادی علیہ السلام کس مقام پر کس تاریخ کو پیدا ہوئے، آپ کے والد اور والدہ کا نام لکھیے؟

2۔دسویں امامؑ نے کس تاریخ اور کس سن میں امامت کے عہدہ کی ذمہ داری سنبھالی آپ کی امامت کی مدت کتنی ہے؟ آپ کے معاصر خلفاء کا نام بتائیے

3۔دسویں امامؑ کی امامت کے زمانہ کی خصوصیت کو مختصر طور پر بیان کیجئے؟

4۔متوکل کا امام ہادی علیہ السلام کے ساتھ کیسا سلوک تھا۔اس نے امامؑ کو کس وجہ سے سامرا بلوایا؟

5۔کیا مدینہ میں امام کی سیاسی اجتماعی فعالیت پر دلیلیں موجود ہیں؟

6۔سامرا میں امام ہادی علیہ السلام کی فعالیت اور ان کے موقف کو اختصار سے بیان فرمائیے

7۔امامؑ کی شہادت کس تاریخ کو اور کیسے ہوئی؟

8۔شہادت کے وقت دسویں امامؑ کی کیا عمر تھی؟

چودہواں سبق:

امام حسن عسکری علیہ السلام کی سوانح عمری

ولادت

شیعوں کے گیارہویں امام 10 ربیع الثانی 232ھ ق کو مدینہ میں پیدا ہوئے[1] آپ کا نام حسن، کنیت ابو محمد اور سب سے زیادہ مشہور لقب عسکری تھا۔ آپ کے والد بزرگوار امام ہادی علیہ السلام اور مادر گرامی حدیث تھیں[2]

امامت کی تعیین

بارہویں امامؑ تک تمام ائمہ کا عام روایتیں تعارف کراتی ہیں ان کے علاوہ امام ہادی علیہ السلام نے ہر طرح کے ابہام کو دور کرنے اور تاکید کے لئے اپنے فرزند ارجمند امام حسن علیہ السلام کا تعارف اپنے شیعوں کے درمیان امام اور پیشوا کی حیثیت سے کرایا۔ ان میں سے کچھ تصریحات کی طرف یہاں اشارہ کیا جارہا ہے۔

1۔ ابو ہاشم جعفری امام ہادی علیہ السلام سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: میرے جانشین میرے بیٹے حسن علیہ السلام ہیں، میرے جانشین کے ساتھ کس طرح رہوگے؟ میں نے عرض کیا کہ کیسے رہنا چاہیے، میں آپ پر نثار ہوجاؤں؟

آپ نے فرمایا: جب کوئی شخص ان کو نہ دیکھے تو اس کے لئے درست نہیں ہے کہ ان کے نام کا ذکر کرے۔

میں نے پوچھا: پھر ان کو ہم لوگ کیسے پکاریں گے؟ آپ نے فرمایا: تم کہنا الحجۃ من آل محمد[3]

2۔ صقر بن دلف کہتے ہیں کہ میں نے امام ہادی علیہ السلام کو فرماتے ہوئے سنا کہ: بیشک میرے بعد میرا بیٹا حسن علیہ السلام امام ہے اور ان کے بعد ان کے بیٹے قائم ہوں گے یہ وہ ہیں جو زمین کو ظلم جور سے پر ہونے کے بعد عدل وانصاف سے بھر دیں گے۔[4]

3۔ یحیی بن یسار قنبری نقل کرتے ہیں کہ امام ہادی علیہ السلام نے اپنی رحلت سے چار مہینہ پہلے اپنے بیٹے امام حسن علیہ السلام سے وصیت کی اور ان کی امامت وخلافت کی طرف اشارہ فرمایا مجھ کو اور کچھ دوستوں کو اس پر گواہ قرار دیا۔[5]

والد بزرگوار کے ساتھ

امام حسن عسکری علیہ السلام نے اپنی عمر کے 22 سال اپنے پدر بزرگوار کے دامن تربیت میں گذارے۔ دو سال کی عمر میں اپنے پدر

---

[1] بحار جلد 50 / 236، منقول از مصباح کفعمی واقبال الاعمال، آپ کی ولادت کی تاریخ کے بارے میں دوسرے اقوال بھی ہیں منجملہ ان کے 8 ربیع الآخر 232ھ ق (مناقب جلد 4 / 422 اعلام الوری/ 367) ربیع الاول 230ھ ق وغیرہ۔

[2] بحار جلد 50 / 236۔۔حدیثہ۔۔بھی لکھا گیا ہے نیز۔۔سوسن۔۔کہا گیا ہے۔

[3] ارشاد مفید/ 338، بحار 50 / 240، منقول از کمال الدین صدوق اور غیبت شیخ، اعلام الوری/ 207، کافی جلد 1 / 328، کشف الغمہ جلد 2 / 406۔

[4] بحار جلد 50 / 239 منقول از کمال الدین صدوق۔

[5] بحار جلد 50 / 146، اعلام الوری/ 370، کافی جلد 1 / 325، ارشاد/ 335، غیبت شیخ / 120، کشف الغمہ جلد 2 / 404، فصول المہمۃ/ 384، ارشاد وغیبت شیخ راوی کا نام یحیی بن یسار عنبری لکھا ہے۔

عالیقدر کے ساتھ سامرا تشریف لے گئے اور بیس سال کی اس تمام مدت میں آپ امام ہادی علیہ السلام کی خدمت میں تھے، خلفاء بنی عباس نے آپ کے کردار اور روابط کی نگرانی کی، بنی عباس کے حکمرانوں خصوصاً متوکل کی خاندان علی علیہ السلام اور خاص کر آپ کے والد امام ہادی علیہ السلام کے ساتھ برتے جانے والے مظالم اور کینہ توزی کو امام حسن عسکری علیہ السلام نے بہت قریب سے مشاہدہ فرمایا۔

امام حسن عسکری علیہ السلام اس طویل مدت میں اپنے والد کے مددگاران کے موقف کے پشت پناہ رہے۔ لیکن عسکریین علیہما السلام کو خلفاء بنی عباس نے چونکہ حد سے زیادہ محدود کر دیا تھا اس لئے ان دونوں بزرگواروں کی سیاسی اور مبارزاتی زندگی کے متعلق ابہام پایا جاتا ہے اسی وجہ سے ہم دیکھتے ہیں کہ تاریخ، امام حسن عسکری علیہ السلام کی کوششوں اور ان کے موقف کے بارے میں خاموش ہے۔

اخلاقی خصوصیات وعظمت

امام حسن عسکری علیہ السلام معنوی فضل وکمالات میں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اپنے تمام اسلاف کے مکمل آئینہ دار تھے چنانچہ ہر دوست ودشمن آپ کی اخلاقی عظمت وخصوصیات کا معترف تھا۔

حسن ابن محمد اشعری، محمد بن یحیی اور کچھ دوسرے لوگوں نے نقل کیا ہے کہ ایک دن احمد ابن عبداللہ خاقان [1]۔ قم کی زمینوں اور خراج کا نگران۔ کی نشست میں علویوں اور ان کے عقائد کا تذکرہ چل رہا تھا۔ احمد ابن عبداللہ نے۔ جو اہل بیت کے سخت ترین دشمنوں اور ناصبیوں میں سے تھا۔ کہا کردار، وقار، عفت، نجابت، فضیلت اور عظمت میں، میں نے اپنے خاندان اور بنی ہاشم میں حسن بن علی علیہ السلام جیسا کسی کو نہیں دیکھا، ان کا خاندان ان کو سن رسیدہ اور محترم شخصیتوں پر مقدم رکھتا تھا اور لشکر کے صاحب حیثیت افراد، وزراء اور دیگر افراد کے نزدیک بھی ان کا یہی مقام تھا۔

اس کے بعد وہ اپنے باپ سے امام حسن عسکری کی ملاقات کا واقعہ۔ جو اس کے باپ کے نزدیک آپ کی عظمت وبزرگی کا حاکی ہے۔ بیان کرتے ہوئے کہتا ہے:

میرے باپ نے امام حسن عسکری علیہ السلام کے بارے میں مجھ سے کہا: اگر خلافت بنی عباس کے ہاتھ سے نکل جائے تو مقام خلافت کو بچانے کے لئے بنی ہاشم میں سے ان سے زیادہ کوئی مناسب نہیں ہے اور یہ بات ان کی فضیلت، عفت، زھد، عبادت اور نیک اخلاق کی بنا پر ہے۔ اگر تم نے ان کے والد کو دیکھا ہوتا تو تم کو ایک بزرگ اور بافضیلت انسان کی زیارت کا شرف حاصل ہوتا۔ [2]

امام حسن عسکری علیہ السلام کا زھد

مفوضہ [3] میں سے کچھ لوگوں نے کامل بن ابراہیم مدنی کو چند مسائل پوچھنے کے لئے امامؑ کی خدمت میں بھیجا ان کا بیان ہے کہ جب میں آپ کی خدمت میں پہنچا تو میں نے دیکھا کہ سفید اور لطیف لباس آپ کے جسم پر ہے میں نے اپنے دل میں کہا کہ ولی اور حجت خدا نرم اور لطیف لباس پہنتے ہیں اور ہم کو دوسرے بھائیوں کے ساتھ ہمدردی کا حکم دیتے ہیں اور ایسے لباس پہننے سے روکتے ہیں۔

---

[1] احمد کا باپ (عبداللہ ابن خاقان) حکومت بنی عباس کے وزیروں اور نمایاں لوگوں میں سے تھا۔

[2] ارشاد مفید 339-338، اعلام الوری/ 377-376، کافی جلد 1/ 503، کشف الغمہ جلد 3/ 197، بحار جلد 50/ 327-325، کمال الدین صدوق جلد 1/ 42-40 مطبوعہ جامعہ مدرسین۔

[3] مفوضہ ان لوگوں کو کہتے ہیں جو بندوں کے افعال کے بارے میں ارادہ الٰہی کو بے اثر مانتے ہیں ان کے مقابل والے فرقہ کو جبریہ کہتے ہیں

امامؑ مسکرائے پھر اپنی آستین چڑھائی، میں نے دیکھا کہ کھردرا اور کالا لباس (اس لباس کے نیچے) پہنے ہوئے ہیں۔ پھر آپ نے فرمایا: ھذا للله و ھذا لکم یہ۔ کھردرا لباس۔ خدا کے لئے اور یہ نرم و سفید لباس جو میں نے اس کے اوپر پہن رکھا ہے۔ تمہارے لئے ہے۔[1]

عبادت اور بندگی

اپنے والد بزرگوار کی طرح امام حسن عسکری علیہ السلام بھی خدا کی عبادت اور بندگی کا بہترین نمونہ تھے۔

محمد شاکری نقل کرتے ہیں کہ امامؑ کا طریقہ یہ تھا کہ محراب عبادت میں بیٹھ جاتے اور سجدہ میں چلتے جاتے، میں سوجاتا تھا اور پھر جب بیدار ہوتا تھا تو دیکھتا کہ امام اسی طرح سجدہ کی حالت میں ہیں۔[2]

جب امامؑ قید خانہ میں تھے اس زمانہ میں بعض عباسیوں نے صالح بن وصیف۔ داروغہ زندان۔ کو سمجھایا کہ ان کے ساتھ سختی کرو۔ اس نے اپنے آدمیوں میں سے دو نہایت شریر افراد کو اس کام کے لئے معین کیا لیکن وہ دونوں حضرت کے ساتھ رہ کر بدل گئے اور عبادت و نماز میں بلند مقام پر پہنچ گئے۔ داروغہ زندان نے ان کو بلایا اور کہا تم پر وائے ہو تم اس شخص کے لئے ایسے بن گئے؟

انہوں نے کہا ہم اس شخص کے بارے میں کیا کہیں جو دن کو روزہ رکھتا ہے، پوری رات عبادت کے لئے کھڑا رہتا ہے کسی سے بات نہیں کرتا، سوائے عبادت کے اس کا دوسرا کوئی کام نہیں ہے۔ جب وہ ہم کو دیکھتا ہے تو ہمارا جسم لرزنے لگتا ہے اور اہم اپنا توازن کھو بیٹھتے ہیں[3]

جود و کرم

علی ابن ابراہیم ابن موسی ابن جعفر فرماتے ہیں کہ ایک زمانہ میں، میں تہی دست ہوگیا تھا میں نے اپنے بیٹے محمد سے کہا اس شخص کے پاس (امام حسن عسکری علیہ السلام) چلا جائے جو، جود و کرم میں مشہور ہے۔

اور جب میں امام کی خدمت میں پہنچا تو انہوں نے مجھ کو آٹھ سو درہم عطا فرمائے[4]

ابو ہاشم جعفری نقل کرتے ہیں کہ میں بہت تنگ دستی میں مبتلا تھا۔ میں نے امام حسن عسکری علیہ السلام سے مدد طلب کرنے کا ارادہ کیا لیکن مجھے بہت شرم آئی جب میں گھر لوٹا تو امام علیہ السلام نے ایک خط کے ساتھ سو دینار میرے لئے بھجوائے۔ خط میں لکھا تھا۔ جب تم کو ضرورت ہو بغیر شرمائے مجھ سے مدد مانگ لینا انشاءاللہ جو مانگو گے ملے گا۔[5]

زمانہ امامت

اپنے والد گرامی کے بعد امام حسن عسکری علیہ السلام نے 254ھ ق میں منصب امامت کو سنبھالا آپ اپنی امامت کے قلیل دور۔ چھ

---

[1] بحار جلد 50 / 253 منقول از غیبت شیخ ائمتنا جلد 2 / 271 منقول از اثبات الھداۃ۔

[2] سفینۃ البحار ج 1 / 260۔ ائمتنا جلد 2 / 269۔

[3] بحار جلد 50 / 308، اعیان الشیعہ جلد 2 / 41، کافی جلد 1 / 512، اعلام الوری / 379، کشف الغمہ جلد 12 / 414، مطبوعہ تبریز۔ مناقب جلد 4 / 429، ارشاد / 344۔

[4] اعیان الشیعہ جلد 2 / 40 کافی جلد 1 / 506، ارشاد / 341، بحار جلد 50 / 278، مناقب جلد 4 / 438۔437، کشف الغمہ جلد 3 / 300 (تین جلدوں والی مطبوعہ بیروت)۔

[5] اعلام الوری / 372، مناقب ج 4 / 439، بحار جلد 50 / 267۔

سال۔ میں خلفائے بنی عباس میں سے تین خلفاء معتز (ایک سال) مہتدی (ایک سال) اور معتمد (چار سال) کے ہم عصر رہے۔

امامؑ کے بارے میں خلفاء کی سیاست

آپ کے زمانہ کے تینوں خلفاء کی سیاست وہی گندی سیاست تھی جو پہلے خلفاء کی آپ کے بزرگوں کے ساتھ تھی۔ سیاست، مامون کے زمانہ کے بعد اور بھی زیادہ شدید اور تکلیف دہ ہوگئی جیسا کہ دیکھتے ہیں کہ تین اماموں یعنی امام جواد علیہ السلام 25 سال، امام ہادی علیہ السلام 41 سال، امام حسن عسکری علیہ السلام 28 سال، کی مجموعی زندگی 94 سال سے آگے نہیں بڑھتی۔

ان اماموں کے ہم عصر خلفاء کا رویہ اس بات کی حکایت کرتا ہے کہ وہ ائمہ کی کوششوں اور مبارزات سے بے حد خائف تھے اور انہوں نے انسانی معاشرہ کی ان روشن شعلوں کو اسی وجہ سے محدود کر دیا تھا اور ان کے اوپر کڑی نظر رکھّے ہوئے تھے۔

اس درمیان امام حسن عسکری علیہ السلام دوسرے دونوں ائمہ کی بہ نسبت زیادہ نظر بندی اور نگرانی میں تھے اس کی وجہ یہ تھی کہ:

1۔ امام حسن عسکری علیہ السلام کے زمانہ میں اہل بیت کے پیرو ایک عظیم اور قابل توجہ طاقت کی صورت میں ابھر کر سامنے آئے تھے، وہ لوگ مسلسل قیام کرنے اور رضائے آل محمد کا نعرہ لگانے کی بناء پر عوام الناس کے خیالات کو خاندان رسالت کی طرف متوجہ کر رہے تھے۔ اور خاندان رسالت کی ممتاز شخصیت امام حسن عسکری علیہ السلام تھے۔

معتز کے زمانہ میں، علویوں اور خاندان جعفر طیار و عقیل میں سے ستر سے زیادہ ایسے افراد کو قید کر کے سامرا لایا گیا جنہوں نے حجاز میں قیام کیا تھا۔[۱]

2۔ متواتر اخبار و روایات کے ذریعہ ان لوگوں کو معلوم تھا کہ مہدی موعود علیہ السلام جو تمام باطل اور خود ساختہ حکومتوں کی بنیاد کو ختم کر دیں گے۔ وہ نسل امام حسن عسکری علیہ السلام سے ہوں گے۔

خود امام حسن عسکری علیہ السلام کے بارے میں خلیفہ نے قتل کا ارادہ کیا اور سعید حاجب کو حکم دیا کہ امامؑ کو کوفہ لے جائے اور لوگوں کی نظروں سے دور، راستہ میں قتل کر دے لیکن امامؑ نے اپنے ایک ایسے صحابی کے خط کے جواب میں جو ایسی خبر سن کر تشویش میں پڑ گئے تھے لکھا کہ تین دن کے بعد سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا[۲]

اور تین دن کے بعد دربار عباسی کے ترکوں نے۔ جنہوں نے معتز کو اپنے لئے نفع بخش نہیں پایا، حملہ کر کے خلافت سے ہٹا کر ایک تہہ خانہ میں قید کر دیا اور وہ وہیں مر گیا۔[۳]

معتز کے بعد 255ھ ق میں مہتدی مسند خلافت پر پہنچا اس کی روش۔ جیسا کہ تاریخ بیان کرتی ہے۔ خلفائے بنی عباس کے درمیان ایسی تھی کہ خلفاء بنی امیہ کے درمیان جیسی روش عمر بن عبدالعزیز کی تھی۔ اس نے لوگوں کی فریادرسی کے لئے قبۃ المظالم نام کا خیمہ نصب کیا وہ وہاں بیٹھ جاتا تھا اور لوگوں کے مشکلات کو حل کیا کرتا تھا۔ اسی طرح اس نے شراب کو حرام قرار دیا اور گانے بجانے سے گریز کیا[۴] لیکن یہ

---

[۱] مروج الذہب جلد 4 / 91

[۲] ۔۔بعد ثالث: یاتیکم الفرج۔۔ بحار ج50 / 251 بہ نقل از غیبت شیخ 134، کشف الغمہ ج3 / 206-295 فصول المہمہ / 285۔

[۳] مروج الذہب ج4 / 92۔

[۴] ملاحظہ فرمایئے روج الذہب ج4 / 96 و کامل ابن اثیر ج7 / 335-333۔

ظاہری اور منافقانہ باتیں تھیں اور اس میں محض سیاسی غرض پوشیدہ تھی امام حسن عسکری علیہ السلام کے ساتھ اس کا سخت رویہ اس بات کی بہترین دلیل ہے، امام کو مدتوں قید میں رکھا یہاں تک کہ اس نے آپ کے قتل کا ارادہ کیا لیکن اس کو اجل نے موقع نہیں دیا اور وہ ہلاک ہو گیا۔ [1]

مہتدی اگر چہ حق وعدالت کی طرفداری ظاہر کرتا تھا لیکن جو حق وہ چاہتا تھا وہ اسلامی اصولوں پر منطبق نہیں ہوتا تھا اسی وجہ سے اس کی روش عمومی تنفر اور ملامت کا نشانہ قرار پائی۔

امامؑ اور ان کے پیرو دونوں ہی اسلام کے نگہبان اور سماجی حق وانصاف قائم کرنے والے تھے۔

امام کی نظر میں معاشرہ کی بنیادی مشکل یہ نہیں تھی کہ مھتدی قابض تھا، بلکہ بنیادی مشکل یہ تھی کہ رہبری اپنی اصلی روش سے منحرف ہو گئی تھی اور لوگ اسلامی تعلیم وتربیت وثقافت سے دور ہو گئے تھے۔

جو درباری اور دربار خلافت سے وابستہ افراد لہو ولعب اور عیاشی سے انس پیدا کر چکے تھے ان کے لئے بھی مھتدی کا رویہ بڑا گراں تھا۔

ان دونوں باتوں کی وجہ سے اس کی خلافت گیارہ مہینہ سے زیادہ نہ چل سکی اور آخر کار ترکوں کی شورش سے وہ قتل کر دیا گیا۔ اور اس کی جگہ معتمد خلیفہ بنا [2]

معتمد کا بھی اپنے اسلاف کی طرح سوائے ستمگری اور عیاشی کے اور کوئی کام نہ تھا وہ اپنا زیادہ تر وقت عیاشی میں گذارتا تھا۔ یہاں تک کہ اس کا بھائی موفق رفتہ رفتہ سارے امور پر مسلط ہو گیا۔ اور اس نے سارے امور اپنے ہاتھوں میں لے لئے۔ [3]

اس کی حکومت کے زمانہ میں علویوں کا ایک گروہ نہایت بے دردی سے شہید کر دیا گیا اس کی خلافت کے زمانہ میں جنگ وفساد بہت تھا۔ اتنا خون خرابہ کہ مسلمانوں کے جانی نقصان کی تعداد مورخین نے 15 لاکھ افراد لکھی ہے۔ [4]

معتمد نے امام حسن عسکری علیہ السلام کو قید خانہ میں ڈال دیا اور داروغہ زندان سے ہمیشہ آپؑ کے بارے میں پوچھا کرتا تھا اور وہ ہمیشہ یہی رپورٹ دیتا تھا کہ دن میں روزہ رکھتے ہیں اور راتوں کو نماز وعبادت میں گذارتے ہیں۔ [5]

شورشیں اور انقلابات

علویوں اور غیر علویوں کی شورشوں اور انقلابات کا سلسلہ امام حسن عسکری علیہ السلام کی امامت کے زمانہ میں بھی جاری تھا ان میں سے نمونہ کے طور پر کچھ انقلابات کا ذکر کیا جاتا ہے۔

1۔ ابراہیم بن محمد علوی کی تحریک جو ابن صوفی کے نام سے مشہور تھے۔ انہوں نے 256ھ ق میں مصر میں قیام کیا اور شہر اسنا پر قبضہ کر لیا۔ احمد ابن طولون کے سپاہیوں کو شکست دیدی لیکن دوسری بار اس کے لشکر سے شکست کھا گئے۔ اور بہت نقصان اٹھانے کے بعد بھاگ کر روپوش ہو گئے۔ پھر 259ھ ق میں دوبارہ قیام کیا اور لوگوں کو اپنے گرد جمع کیا۔ نتیجتاً مکہ پہنچنے کے بعد اس شہر کے حاکم کے ذریعہ گرفتار

---

[1] بحار ج50/313۔۔ وکان المهتدی قد صحح العزم علی قتل ابی محمد فشغله الله بنفسه حتی قتل۔۔

[2] تاریخ الخلفائ/363، مروج الذهب جلد4/99۔

[3] مروج الذهب جلد4/363-365-367۔

[4] مروج الذهب جلد4/364۔

[5] انوار البهیّه/286۔

ہوئے اور ابن طولون کے پاس بھیجے گئے۔ پھر قید کردیئے گئے زندان سے رہائی کے بعد مدینہ لوٹے اور وہیں انتقال کیا۔[١]

2۔ علی ابن زید علوی کی تحریک: آپ نے 254ھ ق میں کوفہ میں قیام کیا اور شہر پر قبضہ کرکے حکومت کے نمائندہ کو شہر سے نکال دیا۔ خلیفہ کا لشکر متعدد بار ان سے لڑا آخرکار 257ھ ق میں آپ قتل کردیئے گئے[٢]

3۔ عیسیٰ ابن جعفر علوی کی تحریک: انہوں نے علی ابن زید کے ساتھ کوفہ میں قیام کیا معتز نے ان سے جنگ کے لئے ایک لشکر بھیجا اوران کو شکست دے دی۔ مسعودی نے 255ھ ق میں ان کے قیام کا ذکر کیا ہے۔[٣]

4۔ صاحب زنج کی شورش: 255ھ ق میں اس نے قیام کیا۔ اس کی شورش میں ہزاروں آدمی مارے گئے۔ لوگوں کی عزت و ناموس پر اس کے سپاہیوں نے حملہ کیا۔ دسیوں شہروں میں آگ لگادی گئی اس نے اپنے کو علی ابن محمد اور علوی بتایا وہ اپنا سلسلہ نسب علی ابن حسین علیہ السلام تک پہنچاتا تھا جبکہ وہ جھوٹا تھا۔ بلکہ اس کا سلسلہ نسب عبد قیس تک پہنچتا تھا اور اس کی ماں بنی اسد ابن حزیمہ سے تھی۔[٤]

صاحب زنج کا نعرہ غلاموں اور مزدوروں کی حمایت تھا اسی وجہ سے اس کو صاحب زنج کہتے تھے۔

اس کی شورش پندرہ سال تک چلتی رہی وہ 252ھ ق میں قتل کردیا گیا[٥]

5۔ خوارج کی شورش 252ھ ق سے مساور بن الحمید کی رہبری میں خوارج کی شورش شروع ہوئی 263ھ ق تک اس کے انتقال کے بعد بھی چلتی رہی۔ مساور نے تھوڑے دنوں میں عراق کے بہت سے شہروں پر قبضہ کرلیا اور اس نے خلیفہ کو خراج اور ٹیکس بھیجنے سے انکار کردیا اور تمام معرکوں میں اس نے خلیفہ کے سپاہیوں پر غلبہ حاصل کیا۔[٦]

6۔ یعقوب لیث صفاری کا قیام: 262ھ ق میں خراسان کے بہت سے لوگوں کے ساتھ انہوں نے قیام کیا اور بہت سی زمینوں پر تسلط حاصل کرلیا۔[٧]

امام حسن عسکری علیہ السلام کی کوششیں اور موقف

حوادث کے مقابلہ میں امام کے اقدامات اور ان کی روش کو چار حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

1۔ سیاسی واقعات کے سلسلہ میں امام کا موقف

اپنے پدر بزرگوار کی طرح امام حسن عسکری علیہ السلام نے بھی اس سلسلہ میں بڑا محتاط رویہ اختیار کیا حکومت کے مقابلہ میں امامؑ کے منفی رویہ نے ان کے احترام اور قدر و منزلت کا موقع فراہم کیا۔

---

[١] کامل ابن اثیر جلد 7/ 238-263-264۔

[٢] مروج الذہب جلد 4/ 94۔

[٣] مروج الذہب جلد 4/ 94۔

[٤] کامل ابن اثیر جلد 7/ 205-206۔

[٥] مروج الذہب جلد 4/ 108، کامل بن اثیر جلد 7/ 255-206۔

[٦] کامل ابن اثیر جلد 7/ 174۔

[٧] مروج الذہب جلد 4/ 112۔

ایسی منزلت جس کو نزدیک ترین درباریوں نے بھی سمجھ لیا تھا۔ اس طرح کہ عبیداللہ ابن خاقان سے امامؑ کی ملاقات والے واقعہ سے وہ محض اس بات کی جانب متوجہ ہوگیا تھا کہ موفق۔ طلحہ ابن متوکل۔ یہ چاہتا ہے کہ ان کے پاس آئے تو اس نے امامؑ کو سمجھایا اور عرض کیا کہ آپ جب چاہیں تشریف لے جائیں، چونکہ وہ جانتا تھا کہ موفق سے امام کی ملاقات میں اس کے لئے بھی خطرہ ہے اور امامؑ کے لئے بھی [1]۔

بہت سے اہم واقعات جو آپ کی امامت کے زمانہ میں دربارِ خلافت کو پیش آئے اور آپ نے ان میں سکوت اختیار کیا۔ ان میں سے شورش صاحب زنج کا نام لیا جاسکتا ہے امامؑ کے موقف سے واقفیت کے لئے ضروری ہے کہ اس واقعہ پر تین پہلوؤں سے غور کیا جائے۔

1۔ صاحب زنج کا دعویٰ کہ اس کا سلسلہ نسب امیر المومنین۔ تک پہنچتا ہے۔

2۔ اسلامی قدروں اور اس کے قوانین کے خلاف اس کا قیام۔

3۔ حکومت بنی عباس کے خلاف اس کا قیام۔

پہلی بات کے بارے میں امام نے نہایت واضح موقف اپنایا۔ آپ نے فرمایا: صاحب الزنج لیس منّا اھل البیت [2] صاحب زنج ہمارے خاندان سے نہیں ہے۔

دوسرے پہلو کے بارے میں امامؑ کا موقف بڑا واضح ہے۔ جن جرائم کا ارتکاب صاحب زنج کر رہا تھا آپ قطعی طور پر اس سے متنفر تھے۔ کیونکہ اس کے سارے کام عدل اسلامی اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی واقعی تعلیمات کے خلاف تھے اور یہ بات ہر ایک پر روشن تھی اور اس سلسلہ میں امامؑ کے سکوت کی شاید یہی وجہ تھی کہ سب لوگ جانتے ہی ہیں۔

لیکن تیسری بات کے سلسلہ میں امامؑ نے کوئی خاص موقف اختیار نہیں فرمایا اور ایسا راستہ اختیار کیا کہ ان کے اقدام کو حکومت کی ضمنی تائید نہ شمار کیا جائے۔ اگرچہ صاحب زنج کی شورش میں ضعف اور بہت زیادہ انحراف موجود تھا لیکن سیاسی نکتہ نظر سے یہ شورش بنی عباس کی حکومت کو کمزور کرنے اور ان کی طاقت اور نفوذ کو ختم کرنے کے لئے تھی، اس کے ساتھ ساتھ صاحب زنج سے حکومت وقت کا ٹکراؤ، امامؑ اور ان کے پیروؤں کے فائدہ میں تھا اس لئے کہ خلافت کی مشینری کا دباؤ کچھ کم ہوگیا تھا

2۔ علمی اور ثقافتی تحریک میں امامؑ کا موقف

اگرچہ امامؑ نے اپنی زندگی کا زمانہ حکومت کی نظر بندی میں گذارا لیکن اس کے باوجود علمی اور ثقافتی پہلوؤں میں بلند اور بیش قیمت قدم اٹھانے میں کامیاب رہے کچھ علماء نے اس بارے میں کہا ہے کہ آپ سے نقل ہونے والے مختلف علوم و دانش نے کتابوں کے صفحات پر کردیئے [3]

کفر آمیز افکار و شبہات کی رد میں آپ کے استدلالی اور منطقی جوابات، مناظرے، علمی بحثیں، بیانات، علمی خطوط، تالیف کتاب [4]

---

[1] اس وزیر کے سلسہ میں جو تاریخ سے استفادہ ہوتا ہے اور جو کچھ خود اس کی باتوں سے آشکار ہوتا ہے وہ امامؑ کا احترام کرتا تھا اور آپ کی منزلت اور عظمت کا قائل تھا۔ شاید اسی وجہ سے امام علیہ السلام اس کے دیدار کیلئے تشریف لے گئے تھے تاکہ اس کی اس کیفیت کو اور قوی بنایا جا سکے۔

[2] مناقب جلد 4 ص 429۔

[3]۔ فقد روی عنه من انواع العلم ما ملا بطون الدفاتر۔۔ اعیان الشیعہ جلد 1/ 40

[4] اس تفسیر کی طرف اشارہ ہے جو تفسیر حسن عسکری علیہ السلام کے نام سے مشہور ہے مرحوم علامہ مجلسی بحار الانوار میں فرماتے ہیں کہ۔۔ امام حسن عسکری علیہ السلام کی طرف منسوب تفسیر مشہور کتابوں میں سے ہے اور مرحوم صدوق کے لئے

مورد وثوق ہے ہر چند کہ کچھ محدثین نے امامؑ کی طرف اس کی نسبت سے انکار کیا ہے لیکن صدوق کا قول۔ چونکہ وہ امامؑ کے زمانہ سے قریب تھے۔ اس لئے معتبر ہے۔ اعیان الشیعہ ج 2/ 41 (دہ جلدی چاپ بیروت)۔

اور شاگردوں کی تربیت کے ذریعہ حق کو واضح کرنا، آپ کی علمی اور ثقافتی کوششوں کی آئینہ دار ہے۔ چونکہ ان تمام موارد کو ذکر کرنا ہمارے (موجودہ) کام کے دائرہ سے خارج ہے اس لئے ہم کچھ موارد کے ذکر پر ہی اکتفا کرتے ہیں۔

1۔ یعقوب ابن اسحاق کندی عراق کے مشہور فلسفیوں میں سے تھا۔ اس نے تناقض قرآن کے موضوع پر کتاب لکھنے میں اپنا کافی وقت صرف کیا تھا۔ امام حسن عسکری علیہ السلام اس واقعہ سے مطلع ہوئے اور اس فلسفی کے شاگردوں میں سے ایک کو ایک جملہ بتا کر اس کو اس کے عقیدہ سے منصرف اور اس بات پر آمادہ کیا کہ جو کچھ اس نے لکھا ہے اس کو اس کے عقیدہ سے منصرف اور اس کتاب کو جلا ڈالے۔

آپ نے اس کے شاگرد سے فرمایا کہ اس سے جا کر کہو کہ کیا اس بات کا احتمال نہیں ہے، کہ تم نے جو کچھ سمجھا ہے، ان کلمات (قرآن) کے کہنے والے نے اس کے علاوہ کسی اور مطلب کا ارادہ کیا ہو [1]

2۔ ابوحمزہ نصیر نقل کرتے ہیں کہ میں نے امام کو بارہا روم، فارس اور دوسرے مختلف نسل و زبان کے اپنے غلاموں سے ان کی زبان میں باتیں کرتے دیکھا مجھے تعجب ہوا اور میں نے اپنے دل میں کہا کہ امامؑ تو مدینہ میں پیدا ہوئے اور دوسرے افراد نیز ملتوں سے آپکا رابطہ نہیں رہا پھر یہ زبانیں آپ نے کہاں سے سیکھیں؟

امامؑ نے اس بات کی کوشش کی کہ اس طریقہ سے امامت کے حالات کو غلاموں کے لئے واضح کردیں اور ان کو یہ سمجھا دیں کہ امامؑ کو بھی پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرح اپنی طرف رجوع کرنے والوں کی زبان سے واقف ہونا چاہیے ورنہ وہ امامؑ نہیں ہے اور اس استدلال کے ساتھ کہ خدا نے اپنی حجت امام کو تمام مخلوقات سے جدا بنایا ہے، علم و معرفت اور ہر چیز اسے عطا کی ہے اس وجہ سے وہ تمام ناد اور حوادث روزگار کو جانتے ہیں اس کے علاوہ دوسری صورت میں حجت خدا اور دوسروں کے درمیان کوئی فرق نہیں رہ جائے گا۔ [2]

وہ اپنی علمی قدرت کو خدا کی دی ہوئی قدرت جان کر اس کو اپنی امامت پر دلیل جانتے تھے۔

3۔ عوامی مرکز کی نگرانی، اس کی پشت و پناہی اور تیاری

اپنے پیروں کے چال چلن اور اعمال کی نگرانی کے ساتھ ساتھ امام ان کو عباسیوں کے دام میں پھنسنے سے بچاتے اور ضروری مقامات پر معنوی و اقتصادی مسائل میں ان کی مدد فرماتے تھے۔ نمونہ کے طور پر ملاحظہ ہو۔

1۔ معتز کے قتل سے بیس دن پہلے امامؑ نے اپنے ایک چاہنے والے کو لکھا: الزم بیتک حتی یحدث الحادث [3] اپنے گھر کے اندر بیٹھے رہو اور ہرگز باہر نہ نکلنا یہاں تک کہ کوئی حادثہ پیش آئے۔

2۔ محمد ابن علی سمری آپ کے ایک اصحابی اور آپ کے فرزند کے چوتھے نائب تھے آپ نے ان کو لکھا: فتنۃ تظلّکم فکونوا علی اھبہ [4] ایک فتنہ ہے جو تمہارے اوپر سایہ ڈال رہا ہے اس بنا پر ضروری تیاری کئے رہو۔

3۔ ابوطاہر ابن بلبل نے سفر حج میں علی ابن جعفر ھمّانی کو دیکھا کہ بہت زیادہ بخشش و عطا کر رہے ہیں واپسی پر ایک خط میں آپ

---

[1] ۔ هل يجوز ان يكون مراده بما تكلم منه غير المعاني التي ظننتها انّك ذهبت اليها۔۔ بحار جلد 50/ 311، مناقب 4/ 424۔

[2] ۔۔ ان الله تبارك وتعالى بيّن حجته من سائر خلقه واعطاه معرفة كل شى فهو يعرف اللغات والانساب والاجال والحوادث ولولا ذلك لم يكن بين الحجة والمحجوج فرق۔۔ اعلام الورى/ 356، مناقب ج4/ 428، کشف الغمہ ج3/ 202، ارشاد/ 343، بحار ج50/ 268

[3] کشف الغمہ جلد 3/ 200، کافی جلد 1/ 506، بحار جلد 50/ 277، مناقب ج4/ 436، ارشاد/ 340۔

[4] کشف الغمہ 3/ 207، تاریخ الغیبۃ الصغری تالیف محمد صدر/ 199، بحار جلد 50/ 298، امام کا یہ جملہ بھی معتز کے قتل کی طرف اشارہ ہے۔

نے امام حسن عسکری علیہ السلام کو لکھا، امامؑ نے جواب میں تحریر فرمایا: ہم نے خود ان کو (اس کام کے لئے) ایک لاکھ دینار دیئے ہیں اور جب ہم نے چاہا کہ ایک لاکھ دینار اور دے دیں تو انہوں نے قبول نہیں کیا[1]

روایت یہ بیان کرتی ہے کہ علی ابن جعفر کی بخشش وعطا امام کی زیر نگرانی تھی اور آپ کو اس کی خبر تھی، اور عطا کی جانیوالی خطیر رقم (ایک لاکھ دینار) اس بات کی دلیل ہے کہ پیسے عمومی مصالح اور شیعوں کی ضرورتوں میں خرچ ہورہے تھے۔

4۔آپ کے فرزند حضرت مہدی علیہ السلام کی غیبت کے بارے میں آپ کا موقف:

چونکہ امام حسن عسکری علیہ السلام جانتے تھے کہ خدا کی مشیت میں ان کے فرزند کی غیبت ہے۔اس لئے آپ غیبت کے مسئلہ کو اپنی حیات ہی میں حل کر دینے کی کوشش کر رہے تھے۔اور اپنی امامت پر اعتقاد رکھنے والے معتقدین کے عمومی افکار کو ایسے اہم واقعہ کو قبول کرنے کے لئے آمادہ کر رہے تھے جس کی مثال ماضی میں نہیں تھی۔

البتہ وہ متواتر روایتیں جو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ائمہ معصومین سے بارہویں امام کی غیبت کے بارے میں پہنچی تھیں ان روایتوں نے اس اہم امر کو قبول کرنے کے لئے راہ ہموار کردی تھی۔لیکن امام حسن عسکری علیہ السلام کی موعود منتظر کے باپ ہونے کی حیثیت سے جو سب سے مشکل ذمہ داری تھی وہ یہ تھی کہ وہ مسلمانوں کو آگاہ کردیں کہ ان روایتوں اور پیشین گوئیوں کے تحقق کا زمانہ آگیا ہے اور ان کے فرزند ارجمند، ان روایتوں کے مصداق اور وہی قائم آل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔

ایسے افکار کا بیان اور اس کی تبلیغ۔عقیدہ کے ایک اہم موضوع کے عنوان سے۔لوگوں کے اذہان میں، وہ بھی ایسے سنگین حالات میں بیشک بڑا مشکل اور حساس کام تھا۔

اسی وجہ سے امام حسن عسکری علیہ السلام نے اپنی تمام کوششوں کو صرف کر دیا تا کہ لوگوں کا عقیدہ اور ایمان ڈگمگانے نہ پائے اور عمومی اذہان کو اس بات کے قبول کرنے کے لئے آمادہ کرلیں اور اپنے پیروؤں کو متوجہ کردیں کہ غیبت پر اعتقاد رکھنا لازمی اور ضروری ہے۔

مذکورہ مقصد کو پورا کرنے کے لئے امام کی فعالیت دو حصوں میں تقسیم ہوتی ہے۔

1۔اپنے فرزند کو لوگوں کی نظروں سے پوشیدہ رکھنا اور ان کی حفاظت کرنا نیز خاص لوگوں کو ان کی نشاندہی کرنا چاہتے تھے اور اس اقدام کے علاوہ آپ نے لوگوں سے رابطہ کو محدود کر کے ایک خاص تعداد تک رکھا اور آپ کی روش یہ تھی کہ خط وکتابت یا اپنے معین کئے ہوئے نمائندوں کے توسط سے شیعوں سے رابطہ پیدا کرنا تا کہ وہ اس کے عادی ہوجائیں۔

2۔مسئلہ غیبت کا بیان اور اس کی تشریح انتظار فرج کی فکر کو مسلمانوں کے ذہنوں میں بٹھانا، اس موقف کو واضح اور مستحکم کرنے کیلئے مختلف مناسبتوں سے آپ کا بیان اور اعلان ہوتا رہتا تھا۔ان بیانات کے چند پہلو ملاحظہ ہوں:

1۔امام مہدی علیہ السلام کے صفات کے بارے میں عمومی اور کلی پہلو نیز امام مہدی علیہ السلام کے ظہور اور قیام کی خصوصیتیں بیان کرنا جیسا کہ اپنے اصحاب میں سے ایک صحابی کے جواب میں آپ نے فرمایا: قائم علیہ السلام جب قیام کریں گے تو اس وقت حضرت داؤد علیہ السلام کی طرح

---

[1] ۔۔قد کنا امرنا لہ بماۃ الف دینار: ثم امرنا لہ بمثلہا فابی قبولہ ابقاء علینا۔۔ بحار جلد 50 /20-306، اعیان الشیعہ جلد 2 /41، ائمتنا جلد 2 /273، مناقب ج 4 /224۔عبارت میں تھوڑے اختلاف کے ساتھ۔

بغیر بیّنہ کے اپنے علم کی بنیاد پر لوگوں کے درمیان فیصلہ کریں گے۔[۱] یا وہ قول جس میں آپ فرماتے ہیں جس زمانہ میں قیام کریں گے اس زمانہ میں آپ حکم دیں گے کہ مینارے اور مسجدوں میں مخصوص جگہیں ویران کردی جائیں۔[۲]

امامؑ ان خصوصیتوں کو بیان کرکے اس بدعت کے مقابلہ میں اپنے منفی رویہ کو بیان کررہے، ہیں۔

2۔اس اہم مسئلہ کو قبول کرنے کیلئے شیعوں کے واسطے عمومی اور خصوصی بیانات منجملہ ان کے وہ خط ہے جو آپ نے ابن بابویہ قمی کو لکھا ہے۔آپ لکھتے ہیں کہ میں تم کو بردباری اور انتظار فرج کا حکم دیتا ہوں۔پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ہماری امت کا سب سے بہتر عمل انتظار فرج ہے ہمارے شیعہ ہمیشہ غم والم میں مبتلا رہیں گے یہاں تک کہ میرا فرزند ظہور کرے گا بیشک رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے ظہور کی بشارت دی ہے، وہ زمین کو ایسے ہی عدل وانصاف سے بھردیں گے جس طرح وہ ظلم وجور سے پر ہوگی۔

اے مرد بزرگوار تم صابر رہو اور ہمارے تمام شیعوں کو صبر وشکیبائی کی دعوت دو۔اس لئے کہ زمین خدا کی ملکیت ہے وہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہے گا اس کا وارث بنائے گا اور عاقبت (نیک انجام) پرہیزگاروں کے لئے ہے[۳]

شہادت امام حسن عسکری علیہ السلام

خلفاء بنی عباس۔منجملہ ان کے معتمد۔جانتے تھے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جانشین بارہ افراد ہیں۔ان میں سے بارہواں غیبت کے بعد ظہور کرے گا اور ظلم وجور کی بساط کو الٹ کر رکھدے گا۔

اسی وجہ سے معتمد نہایت شدّت سے امام حسن عسکری علیہ السلام کی نگرانی کرتا تھا، اور طبیب یا معالج یا خدمتگذار کے عنوان سے اس نے جاسوسوں کو امام حسن عسکری علیہ السلام کے گھر میں رکھ دیا تھا تاکہ وہ امام کی زندگی کو نزدیک سے دیکھتے رہیں اور ان کے فرزند کے بارے میں جستجو کریں۔[۴]

آخرکار جب معتمد نے دیکھا کہ لوگوں کی توجہ دن بدن امامؑ کی طرف بڑھتی جارہی ہے، نگرانی اور قیدی بنانے کا الٹا اثر ہورہا ہے تو اس نے آپ کو قتل کردینے کا ارادہ کرلیا۔اور خفیہ طور پر اس نے زہر دے دیا۔امام آٹھ روز کے بعد صاحب فراش ہوگئے اور 8 ربیع الاول 260ھ ق میں عالم جاودانی کی طرف کوچ کر گئے اور اپنے والد بزرگوار کی قبر کے پاس سامرا میں سپرد لحد کئے گئے[۵]

---

[۱] ۔۔اذا قام یقضی بین الناس بعلمه کقضاء داود علیہ السلام و لا یسئل البیّنة۔۔بحار جلد 50/264، مناقب جلد 4/431، کشف الغمہ ج 3/203، ارشاد 343۔

[۲] ۔۔اذا قام القائم امر بهدم المنائر و المقاصیر التی فی المساجد۔۔۔۔بحار جلد 50/250، مناقب جلد 4/437، اعلام الوری/355، مناقب اور اعلام الوری میں۔۔منائر۔۔کی جگہ۔۔منابر۔۔لکھا ہوا ہے۔

[۳] علیك بالصبر و انتظار الفرج قال النبی افضل اعمال امتی انتظار الفرج و لا یزال شیعتنا فی حزن حتی یظهر ولدی الذی بشر به النبی یملا الارض قسطاً و عدلاً کما ملئت جوراً و ظلماً فاصبر یا شیخی یا اباالحسن علی و امر جمیع شیعتی بالصبر فانّ الارض لله یورثها من یشاء من عباده و العاقبة للمتقین۔ مناقب ج 4/426۔بحار ج 50/318۔

[۴] کمال الدین صدوق ج 1/43۔42، مطبوعہ جامعہ مدرسین۔

[۵] مناقب جلد 2/422، بحار جلد 50/236۔237، کشف الغمہ جلد 3/192۔اعلام الوری/349، ارشاد مفید/345، فصول المہمہ/289۔

سوالات:

1۔ امام حسن عسکری علیہ السلام نے کس تاریخ میں ولادت پائی اور انہوں نے اپنے پدر بزرگوار کے ساتھ اپنی عمر کے کتنے دن گذارے؟

2۔ امام حسن عسکری علیہ السلام کی امامت کا زمانہ کس سن میں شروع ہوا۔ اور کتنے دن تک رہا آپ کتنے خلفا کے معاصر رہے اور ان میں سے ہر ایک کے ساتھ کتنے سال رہے؟

3۔ آپ کے زمانہ کے خلفاء کا آپ کے ساتھ کیسا سلوک تھا اور امام حسن عسکری علیہ السلام میں دوسرے ائمہ کی بہ نسبت کیا خصوصیتیں تھیں؟

4۔ امام حسن عسکری علیہ السلام کے زمانہ میں خلافت بنی عباس کے خلاف جو انقلاب اور شورشیں برپا ہوئیں ان میں سے چند نمونے بیان کیجئے؟

5۔ آپ کے فرزند حضرت مہدی (عجل اللہ فرجہ الشریف) کی غیبت کے بارے میں آپ کے موقف کی تشریح فرمایئے

6۔ امام حسن عسکری علیہ السلام نے کس تاریخ میں کس طرح اور کس شخص کے ذریعے شہادت پائی؟

پندرہواں سبق:

امام زمانہ حضرت حجت (عجل اللہ فرجہ الشریف) کی زندگی کے حالات

(پہلا حصہ)

ولادت

شیعوں کے بارہویں امام اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آخری وصی روز جمعہ صبح صادق کے وقت 15۔شعبان 255ھ ق یا 256ھ ق کو مقام سامرا میں پیدا ہوئے۔[1]

ائمہ نے اپنے شیعوں سے ان کے نام کو بیان کرنے سے منع فرمایا اور اتنا فرمایا کہ وہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہم نام ہیں، ان کی کنیت بھی پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کی کنیت ہے[2]

آپ کے مشہور ترین القاب مہدی، قائم، حجت، اور بقیۃ اللہ ہیں۔

آپ کے پدر بزرگوار، گیارہویں امام حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام اور مادر گرامی نرجس[3] بنت یوشعا ہیں جو قیصر روم کے بیٹے اور جناب عیسیٰ علیہ السلام کے ایک حواری شمعون کی نسل سے تھیں ان عظیم المرتبت خاتون کی عظمت کے لئے اتنا کافی ہے کہ امام حسن عسکری علیہ السلام کی پھوپھی جناب حکیمہ نے جو خاندان امامت کی ایک بزرگ خاتون تھیں۔ انھیں اپنی اور اپنے خاندان کی سردار کا خطاب دیا ہے اور خود کو ان کی خدمت گذار سمجھتی تھیں۔[4]

جب جناب نرجس روم میں تھیں تو ایک دن انہوں نے خواب میں دیکھا کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے امام حسن عسکری علیہ السلام سے ان کا عقد کر دیا۔

آپ خواب کے عالم میں حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کی دعوت پر مسلمان ہوئیں لیکن انہوں نے اپنے وابستگان سے اپنا اسلام چھپائے رکھا۔

آخر کار آپ کو خواب میں حکم ملا کہ کنیزوں اور قیصر کے خدمت گذاروں کے درمیان چھپ کر اس لشکر کے ساتھ جو مسلمانوں سے جنگ کے لئے سرحد کی طرف جا رہا ہے، چلی جائیں۔

آپ نے ایسا ہی کیا اور سرحد پر چند دوسرے افراد کے ساتھ لشکر اسلام کی اسیری میں آ گئیں اور بغداد لے جائی گئیں۔

---

[1] کافی جلد 1 / 431 ارشاد مفید/ 346 کمال الدین صدوق جلد 2 / 430 بحار جلد 1 باب 3 ص 31 منتخب الاثر/ 320 الفصول المہمۃ/ 292 اعلام الوری/ 293 غیبت شیخ / 258 اعیان الشیعہ جلد 2 / 44

[2] منتخب الاثر 183-182 کافی جلد 1 / 268

[3] آپ کا نام سوسن صیقل اور ریحانہ بھی بتایا گیا ہے۔ بحار جلد 51 / 5-15 کمال الدین 2 / 32

[4] ۔۔انت سیدتی و سیدۃ اھلی۔۔ بحار جلد 51 / 2۔۔ بل اخذمک علی بصری۔۔ بحار جلد 51 / 12۔ منتخب الاثر/ 325 کمال الدین صدوق/ 424 / 427 اعیان الشیعہ جلد 2 / 46۔

یہ واقعہ احتمال قوی کی بنا پر 248ھ ق میں رونما ہوا جو امام ہادی علیہ السلام کے سامرا میں قیام کا تیرھواں سال تھا اور امام حسن عسکری علیہ السلام اسوقت سولہ سال کے تھے۔ امام ہادی علیہ السلام کے قاصد نے ایک خط بغداد میں جناب نرجس کو دیا جو رومی زبان میں لکھا ہوا تھا۔ اور ان کو بردہ فروشوں سے خرید کر وہ قاصد سامرا لایا۔

جو کچھ جناب نرجس نے خواب میں دیکھا تھا امام ہادی علیہ السلام نے اسے بیان کر دیا۔ اور بشارت دی کہ وہ گیارہویں امامؑ کی بیوی اور ایسے بیٹے کی ماں بنیں گی جو ساری دنیا پر تسلط حاصل کر کے زمین کو عدل و انصاف سے پر کر دے گا۔ اس کے بعد آپ نے جناب نرجس کو اپنی بہن حکیمہ کے حوالے کیا تا کہ وہ ان کو آداب و احکام اسلام سکھائیں کچھ دنوں کے بعد جناب نرجس امام حسن عسکری علیہ السلام کی زوجیت میں آئیں[1]

حکیمہ جب بھی امام حسن عسکری علیہ السلام کی خدمت میں پہنچتیں دعا فرماتیں کہ خداوند عالم ان کو فرزند عطا فرمائے۔ وہ نقل کرتی ہیں کہ ایک روز عادت کے مطابق امامؑ کے دیدار کے لئے گئیں میں نے وہی دعا پھر امامؑ کے سامنے دہرائی امامؑ نے فرمایا جو بیٹا آپ میرے لئے خدا سے مانگ رہی ہیں وہ آج کی رات پیدا ہونے والا ہے۔

میں نے عرض کیا میرے سردار وہ بچہ کس سے پیدا ہوگا؟ آپ نے فرمایا نرجس سے میں اٹھی اور میں نے نرجس کو جستجو کی نگاہ سے دیکھا حمل کی کوئی علامت نہیں ہے۔ امامؑ مسکرائے اور فرمایا: سپیدہ سحری کے وقت آپ پر آشکار ہو جائے گا۔ اس لئے کہ وہ مادر موسی علیہ السلام کی طرح ہیں جن کا حمل ظاہر نہیں ہوا تھا اور ولادت کے وقت تک کسی کو ان کے حمل کی خبر نہ تھی اس لئے کہ فرعون، موسی علیہ السلام کی تلاش میں عورتوں کے شکم کو چاک کر دیتا تھا اور یہ بچہ۔ جو آج کی رات پیدا ہوگا۔ حضرت موسی علیہ السلام کی طرح ہے۔

جناب حکیمہ نقل فرماتی ہیں کہ میں سپیدہ سحر تک نرجس کی نگرانی کرتی رہی اور وہ نہایت آرام کے ساتھ میرے پاس سوئی ہوئی تھیں یہاں تک کہ طلوع فجر کے وقت وہ گھبرا کر اٹھ بیٹھیں۔ میں نے ان کو اپنی آغوش میں سنبھالا اور ان کے اوپر اسم خدا پڑھ کر دم کیا، امامؑ نے۔ دوسرے کمرے سے آواز دی۔ ان کے اوپر سورہ انا انزلنا دم کیجئے۔

میں نے سورہ انا انزلنا پڑھنے کے بعد نرجس کی حالت کو دیکھنا شروع کیا۔ انہوں نے فرمایا جو آپ کے سردار نے خبر دی تھی وہ بات ظاہر ہوگئی ہے۔

میں اسی طرح سورہ قدر پڑھنے میں مشغول تھی کہ بچہ شکم مادر میں میرا ہم آواز ہو گیا اس نے بھی سورہ قدر کی تلاوت کی اور مجھ کو سلام کیا، میں ڈر گئی، امام حسن عسکری علیہ السلام نے آواز دی:، امر خدا میں تعجب نہ کریں۔ خداوند عالم ہم کو بچپن میں حکمت سے گویائی عطا کرتا ہے۔ اور بڑے ہونے کے بعد زمین پر حجت قرار دیتا ہے۔

ابھی امامؑ کی بات ختم بھی نہیں ہوئی تھی کہ یکا یک نرجس سامنے سے غائب ہوگئیں جیسے ہمارے اور ان کے درمیان پردہ حائل ہو گیا ہو، میں آواز دیتی ہوئی امامؑ کی طرف گئی۔ امامؑ نے فرمایا: پھوپھی جان آپ وہیں تشریف لے جائیں ان کو اپنی جگہ پر پائیں گی۔

میں وہاں پلٹ آئی ابھی تھوڑی دیر بھی نہ گذری تھی کہ میرے اور ان کے درمیان پردہ ہٹ گیا۔ اور میں نے نرجس کو اس طرح نور میں غرق دیکھا کہ میری آنکھوں میں ان کو دیکھنے کی طاقت نہ تھی۔

---

[1] بحار جلد 51 / 10-8 غیبت شیخ طوسی / 128-124- کمال الدین صدوق جلد 2 / 423-417- دلائل الامامہ طبری / 267 / 262-

اسی عالم میں، میں نے ایک بچہ کو دیکھا جو سجدہ کے عالم میں تھا اور اپنی انگلی اوپر اٹھائے ہوئے کہہ رہا تھا:

اشهد ان لا اله الا الله وحده لا شريك له و انّ جدی محمداً رسول الله و انّ ابی امير المومنين

اس کے بعد آپ نے ایک ایک امام کی امامت کی گواہی دی اور فرمایا خدایا میرے وعدہ کو پورا کر اور میرے کام کو اتمام کو پہنچا، میرے قدم کو ثبات واستواری عطا کر اور میرے ذریعہ زمین کو عدل وانصاف سے بھر دے [1]

پوشیدہ ولادت

امام عسکری علیہ السلام کے زمانہ علیہ السلام امامت میں حکام بنی عباس کے درمیان بڑی تشویش اور فکرمندی تھی، تشویش ان کثیر اخبارات و احادیث کی بنا پر تھی جو۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ائمہ علیہم السلام سے مروی تھیں۔ ان میں یہ ذکر آ چکا تھا کہ امام حسن عسکری۔ کے ہاں ایک بیٹا پیدا ہوگا جو حکومتوں کی بنیادوں کو پلٹ دینے والا اور تاج وتخت کو الٹ دینے والا ہوگا۔ وہ دنیا کو عدل وانصاف سے بھر دے گا۔ [2] اس لئے امام حسن عسکری علیہ السلام سخت پریشانی میں تھے اور خلافت کی مشینری یہ کوشش کر رہی تھی کہ اس نومولود کو پیدا ہونے سے روک دے۔ [3]

یہی وجہ تھی جو حضرت مہدی علیہ السلام کے حمل اور ولادت کے زمانہ کو لوگوں سے پوشیدہ رکھا گیا اور خدا نے ان کے حمل کو جناب موسیٰ۔ کی طرح مخفی رکھا۔

ولادت کے بعد سوائے خاص اصحاب اور دوستوں کے کسی نے مھدی علیہ السلام کو نہیں دیکھا اور وہ بھی الگ الگ ایک ساتھ اور عام طور پر نہیں۔

خواص کیلئے اعلان

امام حسن عسکری علیہ السلام کی روش یہ تھی کہ اپنے فرزند کو عام لوگوں کی نظروں سے مخفی رکھنے کہ باوجود مناسب موقع پر قابل اطمینان افراد کو حضرت مہدی علیہ السلام کے وجود سے آگاہ فرماتے رہتے اور ان کو حضرت مہدی علیہ السلام کے سامنے حاضر ہونے کا فیض پہنچاتے رہتے تھے، تاکہ اس طرح وہ ان کی پیدائش اور وجود کا یقین حاصل کر لیں اور مشاہدہ فرمالیں نیز ضروری موقع پر دوسرے شیعوں کو اطلاع دیں تا کہ آپ کے بعد لوگ گمراہی میں نہ پڑ جائیں۔

اس وجہ سے امام مہدی علیہ السلام کی ولادت سے لے کر امام حسن عسکری علیہ السلام کی شہادت تک (5 سے 6 سال کی مدت تک) گیارہویں امامؑ کے بہت سے قریبی افراد، شاگرد اور خصوصی اصحاب نے امام مہدی علیہ السلام کی زیارت کی۔

نمونہ کے طور پر چند واقعات کی طرف اشارہ کیا جارہا ہے:

1۔ امام حسن عسکری علیہ السلام کے قریبی اصحاب اور بزرگ شیعوں میں سے ایک شخص احمد ابن اسحاق نقل کرتے ہیں کہ میں امام حسن عسکری علیہ السلام کی خدمت میں پہنچا اور میں نے چاہا کہ ان کے جانشین کے بارے میں ان سے سوال کروں کہ اتفاقاً حضرت نے خود ہی بات

---

[1]۔ اللهم انجزلی وعدی واتمم لی امری و ثبت وطئتی و املا الارض بی عدلا و قسطاً۔۔ بحار جلد 51 /14-12-26-25، کمال الدین صدوق جلد 2 /247-438۔

[2] ان احادیث سے واقفیت کے لئے منتخب الاثر فصل دوم باب 25-34 ملاحظہ ہو۔

[3] امام حسن عسکری علیہ السلام نے ایک حدیث کے ضمن میں اہل بیت سے بنی امیہ و بنی عباس کی مخالفت کی ایک وجہ اس مسئلہ کو قرار دیا ہے۔

شروع کی اور فرمایا: اے احمد بیشک خداوند عالم نے جب سے آدم کو پیدا کیا زمین کو حجت خدا سے خالی نہیں چھوڑا اور کبھی خالی نہیں رکھے گا اور حجت خدا کے واسطے سے اہل زمین سے بلائیں دفع ہوتی ہیں، بارش ہوتی ہے اور زمین کی برکتیں حاصل ہوتی ہیں۔ میں نے عرض کیا: فرزند رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کے بعد امام اور جانشین کون ہے، حضرت گھر کے اندر تشریف لے گئے اور اپنے تین سالہ بچے کو جس کا چہرہ چودھویں رات کے چاند کی طرح چمک رہا تھا، کاندھے پر بٹھائے ہوئے باہر تشریف لائے اور فرمایا: اے احمد ابن اسحاق اگر خدا اور اس کی حجت ائمہ کے نزدیک تم مکرّم نہ ہوتے تو میں اس بچہ کو تمہیں نہ دکھاتا، بیشک یہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہم نام اور ہم کنیت ہے یہ وہ ہے کہ جو ظلم و جور سے بھری ہوئی زمین کو عدل وانصاف سے پر کردے گا[1]

2۔ معاویہ ابن حکیم محمد ابن ایوب بن نوح اور محمد ابن عثمان عمری نے نقل کیا ہے کہ شیعوں میں ہم چالیس افراد امام حسن عسکری علیہ السلام کی خدمت میں پہنچے آپ نے ہم لوگوں کو اپنے بیٹے کو لاکر دکھایا اور فرمایا: میرے بعد یہ تمہارا امام اور میرا جانشین ہے۔ ان کی پیروی کرنا اور (ان کے پاس سے) پراگندہ نہ ہونا ورنہ ہلاک ہوجاؤ گے اور تمہارا دین تباہ ہوجائے گا اور یہ بھی جان لو کہ آج کے بعد تم ان کو نہیں دیکھو گے۔[2]

3۔ احمد ابن اسحاق قمی نقل کرتے ہیں کہ جب حضرت مہدی علیہ السلام پیدا ہوئے تو میرے جد کے پاس ایک خط ہمارے آقا امام حسن عسکری علیہ السلام کی طرف سے پہنچا جسے حضرت نے اپنے ہاتھ سے لکھا تھا۔

اس میں لکھا تھا کہ ہمارے یہاں ایک بیٹا پیدا ہوا ہے۔ ضروری ہے کہ تم اس کی ولادت کی خبر کو مخفی رکھو ہم اپنے قریبی رشتہ داروں اور دوستوں کو رشتہ داری اور دوستی کی بنا پر آگاہ کر رہے ہیں۔ اس کے علاوہ ہم کسی کو اس امر سے آگاہ نہیں کریں گے۔ ہم نے اس بات کو پسند کیا کہ اس بچے کی ولادت کی خبر تم کو دیں تاکہ خداوند عالم اس کی وجہ سے تم کو مسرور کرے جیسا کہ اس نے ہم کو مسرور کیا والسلام[3]

حضرت مہدی علیہ السلام کے شمائل اور خصوصیات

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ائمہ اکرم سے جو کثرت سے روایتیں نقل ہوئی ہیں ان کی بنیاد پر مورخین و محدثین اسلام نے امام عصر علیہ السلام کے شمائل اور اوصاف اپنی کتابوں میں بیان کئے ہیں یہاں ان میں سے کچھ باتوں کی طرف اشارہ کیا جا رہا ہے۔[4]

جواں سال، گندمی رنگ، ہلالی اور کشیدہ ابرو، سیاہ اور بڑی بڑی آنکھیں، چوڑا شانہ، سفید براق اور کشادہ دندان مبارک، ستواں اور خوبصورت ناک، بلند اور روشن پیشانی۔ شب زندہ داری کی بنا پر۔ سر کے بال دوش پر بکھرے ہوئے۔[5] کم گوشت

---

[1] ۔ یا احمد ابن اسحاق لو لا کرامتك علی اللہ و علی حججہ ما عرضت علیك ابنی ھذا انہ سمّی رسول اللہ و کنّیہ الذی یملا الارض قسطاً و عدلاً کما ملئت ظلماً و جوراً ... بحار جلد 52/ 24-23۔کمال الدین صدوق جلد 2/ 384، کشف الغمہ مطبوعہ تبریز جلد 2/ 526۔

[2] بحار جلد 52/ 26-25 کمال الدین جلد 2/ 435، منتخب الاثر 355، کشف الغمہ جلد 3/ 527

[3] منتخب الاثر/ 344-343، کمال الدین صدوق جلد 2/ 434-433۔

[4] خصوصیات حضرت مہدی علیہ السلام کے بارے میں زیادہ معلومات کے لئے ملاحظہ ہو منتخب الاثر از باب چہارم تا باب 25، اعیان الشیعہ جلد 2/ 44، غیبت نعمانی باب 13/ 312 کشف الغمہ جلد 3/ 464-370۔

[5] ۔۔یسیل شعرہ علی منکبیہ۔۔اعیان الشیعہ جلد 2/ 44، منتخب الاثر/ 185، کشف الغمہ مطبوعہ تبریز جلد 2/ 464۔

والے گاذرا زردی مائل۔ داہنے گال پر تل اور شانوں کے درمیان علامت نبوت کی سی علامت ہے… یہ ہے امام زمانہ علیہ السلام کا حلیہ مبارک۔
آپ کے خصوصیات میں سے یہ ہے کہ آپ فرزند پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کی اولاد میں سے ہیں۔ نسل امام حسین علیہ السلام سے نویں پیشوا، خاتم الاوصیاء، آخری نجات دھندہ اور عالمی قائد ہیں جو ساری دنیا کو ظلم و جور سے پر ہونے کے بعد عدل و انصاف سے بھر دیں گے۔

امام حسن عسکری علیہ السلام کی شہادت

امام زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف نے اپنے والد کی شہادت کے بعد 260ھ ق میں امامت کی ذمہ داری سنبھالی۔
امام حسن عسکری علیہ السلام کی بیماری کے زمانہ میں ان کے بیٹے کی تلاش کی کوشش کو جب معتمد نے بے نتیجہ پایا تو ان کی شہادت کے بعد اس نے ابوعیسیٰ متوکل کو معین کیا کہ وہ امام حسن عسکری علیہ السلام کے جنازہ پر نماز پڑھائے اس نے بھی بنی ہاشم اور بقیہ حاضرین کو امامؑ کا چہرہ دکھایا تا کہ لوگوں کے سامنے ظاہر کر سکے کہ امامؑ اپنی طبیعی موت سے دنیا سے رخصت ہوئے ہیں پھر اس نے آپ کے جنازہ پر نماز پڑھائی اور حکم دیا کہ جنازہ اٹھایا جائے۔[۱]
البتہ اس سے پہلے امامؑ کے گھر میں بغیر کسی ظاہری دکھاوے کے ایک اور نماز چند خاص افراد کی شرکت میں پڑھی جا چکی تھی اور اس کا واقعہ یہ ہے کہ جعفر ابن علی، جو اس زمانہ تک سیاست کے میدان میں ظاہر نہیں ہوئے تھے اور جنھوں نے اپنا حقیقی چہرہ ظاہر نہیں کیا تھا، صرف یہ دیکھ کر کہ امام حسن عسکری علیہ السلام کا کوئی شرعی وارث اور جانشین نہیں ہے اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنے کو امام کی شہادت کے بعد وارث اور جانشین کے عنوان سے نمایاں کرنے کے لئے امامؑ کے سلسلہ میں لوگوں کی تعزیت اور اپنی امامت کی مبارک باد قبول کرنے کے لئے گھر کے دروازہ پر کھڑا ہو گیا، نماز کے لئے جنازہ تیار ہوتے ہی جعفر آگے بڑھا تا کہ اپنے بھائی کے جنازہ پر نماز پڑھانے تا کہ وہ نئی حیثیت جو ظاہر کی تھی نماز پڑھانے سے اور مستحکم ہو جائے[۲]
اتفاقاً ایک بچہ گندمی رنگ، بال پریشان، گشادہ دندان مبارک والا ظاہر ہوا اور اس نے جعفر کی عبا کھینچی اور کہا: چچا جان آپ پیچھے کھڑے ہوں میں اپنے باپ پر نماز پڑھانے کے لئے زیادہ حقدار ہوں۔[۳] جعفر بلا چون و چرا پیچھے ہٹ گئے۔ ان کے چہرہ کا رنگ اڑا ہوا تھا امامؑ آگے کھڑے ہو گئے اور آپ نے اپنے اپنے والد ماجد کے جنازہ پر نماز پڑھائی[۴] اس طرح آپ نے اپنے چچا کو رسوا کیا اور ان کے بنائے ہوئے نقشہ کو باطل کر دیا۔ آپ نے اپنے باپ کے مقام امامت اور جانشینی کے لئے اپنی وراثت اور لیاقت کو حاضرین کے سامنے ثابت کیا۔
امام عصرؑ اپنے والد کے جنازہ پر نماز پڑھانے اور اپنے حق کو واضح کرنے کے بعد لوگوں کی نظروں سے غائب ہو گئے۔

مسئلہ غیبت:

خلافت بنی عباس کی مشینری جب اس بات کی طرف متوجہ ہوئی کہ حکومت کی تمام کوشش اور پابندی کے باوجود وارث امام پیدا

---

[۱] ارشاد مفید/ 340 کمال الدین صدوق جلد 1/ 43، بحار الانوار جلد 50/ 328۔
[۲] یہ جعفر وہی ہیں جو بعد میں جعفر کذاب کے نام سے مشہور ہوئے۔
[۳] ۔۔تاخر یا عم فانا احق بالصلوۃ علی ابی۔۔
[۴] بحار جلد 50/ 332-333۔

ہوگیا تو اس نے حضرت کو گرفتار کرنے کے لئے پورا زور لگایا۔ اس غرض سے حکومت کے مامور کردہ افراد امام حسن عسکری علیہ السلام کے گھر پر حملہ آور ہوئے لیکن امام کو گرفتار کرنے میں کامیاب نہ ہو سکے [۱]

یہ کوششیں بتا رہی ہیں کہ بارہویں امام کی جان کو جو خطرات لاحق تھے وہ واقعی تھے۔

کیونکہ ضروری تھا کہ زمین پر امامت اور حجت خدا کے باقی ماندہ سلسلہ کی نگرانی کے لئے کوئی واقعی اقدام کیا جائے۔

امام عصر کی غیبت کے مسئلہ اور اس کی وجوہات کے بارے میں بہت سی باتیں ہیں۔ ان میں سے جو مسلّم ہیں وہ یہ ہیں کہ آپ کی غیبت حکمت اور مشیت الٰہی کی بنیاد پر ہے اور ہم ان حکمتوں کے تمام اسرار سے واقف نہیں ہیں۔

لیکن ممکن ہے کہ ظاہری اور محسوس وجوہات میں سے مندرجہ ذیل نکتہ ایک طرف بنی عباس کی حکومت کی مشینری کا امام مہدی علیہ السلام کی تلاش میں گھر پر حملہ اور چھان بین کرنا اور دوسری طرف امامت عسکریین علیہما السلام کے زمانہ میں لوگوں کی امامت سے روگردانی اور عدم حمایت نے غیبت کیلئے زمین ہموار کردی تھی۔ اگر لوگ حکومت الٰہی کو قبول کرنے کے لئے آمادہ ہوتے اور اپنے رہبروں اور اماموں کی حمایت کرتے تو کیا تعجب کہ امامؑ پردہ غیبت میں نہ جاتے اور قانون الٰہی کو جاری کرنے میں مشغول ہو جاتے جیسا کہ غیبت کے زمانہ کے ختم ہو جانے کے بعد بہت سے لوگ اپنے کو تیار کرلیں گے تو پھر امام ان کے سامنے ظاہر ہوں [۲] گے۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ ؕ [۳]

مرحوم خواجہ نصیر الدین طوسی اپنے رسالہ میں جو انہوں نے امامت کے بارے میں لکھا ہے تحریر فرماتے ہیں: غیبت حضرت مہدی علیہ السلام کے لئے تو یہ سزاوار ہے کہ وہ خداوند سبحانہ کی طرف سے ہو اور نہ ہی یہ سزاوار ہے کہ امام کی طرف سے ہو، بس اس بات میں غیبت منحصر ہے کہ مکلفین اور لوگوں کی طرف سے ہو۔ اور غیبت کا سبب خوف غالب اور عدم تمکین ہے۔ جب غیبت کا سبب زائل ہو جائے گا ظہور ہوگا۔ [۴]

غیبت صغریٰ:

بارہویں امام کی غیبت کے دو مرحلے ہیں: ایک کم مدت کا مرحلہ (غیبت صغریٰ) اور دوسرا لمبی مدت کا مرحلہ (غیبت کبریٰ) غیبت صغریٰ زمانہ کے اعتبار سے بھی محدود تھی اور لوگوں سے رابطہ کے اعتبار بھی محدود۔ زمانہ کے اعتبار سے ستر (70) سال سے زیادہ یہ غیبت نہیں تھی۔ گیارہویں امامؑ کی شہادت کے بعد 260ھ ق سے 329ھ ق کا زمانہ ہے۔ [۵]

---

[۱] کمال الدین مرحوم صدوق جلد 1/ 43 مطبوعہ جامعہ مدرسین۔

[۲] یہ یاد دلا دینا ضروری ہے کہ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ تمام لوگ اس گناہ میں آلودہ ہیں بلکہ اس سے مراد نصاب کی وہ حد ہے جو امام علیہ السلام کے ظہور کے لئے ضروری ہے۔ ورنہ بہت سے نیک افراد ہمیشہ ظہور کے لئے آمادہ رہے ہیں اور آج بھی آمادہ ہیں۔

[۳] سورہ رعد/11۔

[۴] ۔۔اما سبب غیبته فلا یجوز ان یکون من الله سبحانه ولا منه کما عرفت فیکون من المکلفین وهو الخوف الغالب الغالب و عدم التمکین و الظهور یجب عند زوال السبب۔۔ رسالہ امامت فصل سوم ص 25 منقول از نوید امن وامان 190 چونکہ غیبت ولی عصر کے اسرار وعلل کی بحث عقیدہ کی بحث ہے اس لئے اس کے اسرار وعلل کی تحقیق اس رسالہ کی ذمہ داری سے الگ ہے یہاں جس کی طرف اشارہ ہوا ہے، وہ اس عہد کے سیاسی اور تاریخی حالات تھے۔

[۵] شیخ مفید اپنی کتاب ارشاد ص 346 پر غیبت صغریٰ کے آغاز کو ولادت کے موقع سے شمار کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ۔۔ غیبت صغریٰ ولادت مہدی علیہ السلام کے زمانہ سے سفارت کے زمانہ کے اختتام اور آخری سفیر کی رحلت تک ہے اس حساب سے غیبت صغریٰ کا زمانہ 75 سال ہوتا ہے۔

غیبت صغریٰ کے زمانہ میں لوگوں سے امامؑ کا رابطہ بہت محدود تھا یہ رابطہ بالکل منقطع نہیں ہوا تھا کچھ لوگ تھے جن کا آپ سے رابطہ تھا۔اوران کوامامؑ کےنواب خاص کے نام سے جانا جاتا تھا۔شیعوں میں سے ہرایک ان نواب کے ذریعہ اپنے مسائل اورمشکلات امامؑ تک پہنچاتا تھااوران ہی کے ذریعہ اپنا جواب حاصل کرسکتا تھااورکبھی کبھی ان کوامامؑ کی زیارت کا بھی شرف حاصل ہوتا۔

غیبت کبریٰ:

غیبت صغریٰ کا زمانہ گذر جانے کے بعدغیبت کبریٰ کا آغاز ہوا جو ابھی تک جاری ہے یہ غیبت دنیا میں انسانوں کے امتحان کا ذریعہ اورایمان وعمل کے لئے میزان قرار پائی۔غیبت کے دونوں زمانوں کے بارے میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ غیبت کبریٰ کا زمانہ اچانک اور ناگہانی آجاتا تو ممکن ہے کہ افکار کے انحراف کا سبب بن جاتا اوراذہان اس کوقبول کرنے کے لئے آمادہ نہ ہوتے لیکن نواب خاص کے توسط سے شیعوں کا امامؑ سے رابطہ اوران میں سے بعض کی غیبت صغری کے زمانہ میں امام کی بارگاہ میں شرفیابی نے آپ کی ولادت اورحیات کے مسئلہ کوزیادہ مستحکم اورافکارکوغیبت کبریٰ کے قبول کرنے کیلئے آمادہ کردیا[1]۔

غیبت صغریٰ میں امام کے معجزات:

غیبت صغریٰ کے زمانہ میں امامؑ کی طرف سے ان کے خاص نائبین کے ذریعہ بہت سے کرامات ومعجزات ظاہر ہوئے جوآپ کے شیعوں اورپیروؤں کے ایمان کے استحکام کا سبب بنے یہ معجزات کثرت سے ہیں کہ شیخ طوسی کے بقول ان کوشمار نہیں کیا جاسکتا[2]

بطورنمونہ چند معجزات ملاحظہ ہوں

1۔عیسیٰ ابن نصرنقل کرتے ہیں کہ علی ابن زیاد صمیری نے امامؑ کے لئے خط لکھا اورآپ سے کفن کی درخواست کی،تو جواب آیا تم کو80 سال میں (280 ہجری میں یا80 سال کی عمر میں) اس کی ضرورت پڑے گی۔اورانہوں نے اسی سال انتقال فرمایا جس سال کا امامؑ نے فرمایا تھا۔ان کے انتقال سے پہلے امامؑ نے ان کے لئے کفن بھیجا۔[3]

2۔محمد بن شاذان نقل فرماتے ہیں کہ 480 درہم مال امامؑ (خمس) میرے پاس تھا۔اس میں اپنے مال سے بیس درہم میں نے اور شامل کردیئے ورمحمد ابن جعفر[4] کے ذریعے امامؑ کی خدمت میں ارسال کردیئے۔لیکن بیس درہم کا اضافہ کرنے کے بارے میں، میں نے کچھ نہیں لکھا امامؑ کے پاس سے پیسوں کی رسید میرے پاس پہنچی اس میں لکھا تھا۔پانچ سودرہم جس میں 20 درہم تمہارے مال سے تھے مجھ تک پہنچ گئے۔[5]

3۔علی ابن محمد سمری نقل فرماتے ہیں کہ امام کی طرف سے ایک فرمان پہنچا اس میں آپ نے شیعوں کوکربلا اورکاظمین میں ائمہ کی قبروں کی زیارت سے منع فرمایا تھا۔ابھی کچھ دن نہیں گذرے تھے کہ خلیفہ کے وزیر نے باقطانی کو بلایا اس سے کہا کہ بنی فرات سے۔جو

---

[1] بلکہ کہا جاسکتا ہے کہ غیبت کبری کیلئے لوگوں کوآمادہ کرنے کا کام امام ہادی علیہ السلام بلکہ امام جواد علیہ السلام کے زمانہ سے شروع ہوچکا تھا اوروہ لوگ زیادہ تر خط وکتابت کے ذریعہ شیعوں سے رابطہ رکھتے تھے اوران کا ارتباط غیبت صغری کے زمانہ کے ارتباط کے مشابہ تھا تاکہ لوگ غیبت کبری کیلئے ضروری آمادگی پیدا کرلیں۔

[2] غیبت شیخ /170۔

[3] بحار جلد 51 /312، ارشاد مفید/356، غیبت شیخ /172، منتخب الاثر/ 390 کشف الغمہ مطبوعہ تبریز جلد 2/ 456

[4] شیخ نے اپنی رجال میں ایک باب کے عنوان میں ان کا نام لیا ہے۔۔رجال طوسی باب لم یروعن الائمۃ/ 496/ مجمع الرجال جلد 5/ 177۔

[5] بحار جلد 51 /325، ارشاد مفید/356-355 دلائل الائمہ طبری/286، منتخب الاثر/ 382۔غیبت شیخ/ 258، کشف الغمہ مطبوعہ تبریز جلد 2/ 456۔

وزیر کے وابستگان میں سے تھے سے کہے کہ اہل بَرَس سے ملاقات کریں اور ان سے کہیں کہ وہ لوگ مقابر قریش کی زیارت نہ کریں اس لئے کہ خلیفہ نے حکم دیا ہے کہ ماموراافراد ہوشیار رہیں اور جو بھی ائمہ علیہم السلام کی زیارت کے لئے جائے اس کو گرفتار کرلیں۔[۱]

امام عصر علیہ السلام کے نائبین

غیبت صغریٰ یا کبریٰ کسی دور میں بھی امامؑ کا لوگوں سے رابطہ بالکل ختم نہیں ہوا تھا بلکہ سفراء اور نواب کے ذریعہ شیعوں سے آپ کا رابطہ برقرار تھا اور ہے۔

جس طرح غیبت امامؑ کے دو حصے ہیں اسی طرح آپ کی نیابت کی بھی دو صورتیں ہیں، غیبت صغریٰ میں نیابت خاصہ اور غیبت کبریٰ میں نیابت عامہ۔

نیابت خاصہ یہ ہے کہ امامؑ خاص افراد کو اپنا نائب قرار دیتے ہیں اور ان کے نام و علامت کا تعارف کر دیتے ہیں۔ اور نیابت عامہ یہ ہے کہ امامؑ ایک ایسا کلی ضابطہ ہمارے ہاتھوں میں دے دیتے ہیں کہ ہم ہر زمانہ میں ایک یا کئی افراد جن پر ہر جہت سے وہ ضابطہ صادق آتا ہے، نائب امامؑ کی حیثیت سے پہنچانے جاتے ہیں۔

الف۔ نائبین خاص

امامؑ عصر کے خاص نائبین چار تھے۔[۲]

1۔ عثمان ابن سعید

ابوعمرو، عثمان ابن سعید عمری، حضرت مہدی (عجل اللہ فرجہ الشریف) کے پہلے خاص نائب اور عسکریین علیہما السلام کے مورد وثوق اصحاب میں سے تھے اور ان دونوں کے وکیل بھی تھے۔ امام ہادی علیہ السلام اور امام حسن عسکری علیہ السلام دونوں ہی کی طرف سے ان کی توثیق و تمجید ہو چکی ہے۔

احمد ابن اسحاق قمی نقل کرتے ہیں کہ میں نے امام ہادی علیہ السلام سے عرض کیا کہ میں کبھی حاضر رہتا ہوں اور کبھی غائب، جب حاضر رہتا ہوں اس وقت بھی میں ہمیشہ آپ کی خدمت میں نہیں پہنچ سکتا تو ایسی صورت میں کس کی بات کو قبول کیا جائے اور کس کے حکم کی اطاعت کی جائے آپ نے فرمایا: ابوعمرو عثمان ابن سعید ثقہ اور امین ہیں یہ جو کچھ بیان فرمائیں گے میری طرف سے بیان فرمائیں گے اور جو کچھ تم تک پہنچائیں گے، میری طرف سے پہنچائیں گے۔

احمد ابن اسحاق فرماتے ہیں: میں امام ہادی علیہ السلام کی رحلت کے بعد امام حسن عسکری علیہ السلام کے پاس گیا اور میں نے وہی بات کہی (جو اس سے پہلے عرض کر چکا ہوں) آپ نے پھر فرمایا: ابوعمرو، میرے اور میرے والد کے لئے امین ہیں میری زندگی میں اور میرے

---

[۱] وزیر کا نام ابوالفتح فضل بن جعفر فرات تھا اور وہ بنی عباس کے وزراء میں سے تھا۔۔ برس۔۔ حلہ اور کوفہ کے درمیان ایک قریہ ہے، مقابر قریش سے مراد۔۔ کاظمین۔۔ ہے۔ بحار جلد 51/ 312 غیبت شیخ/ 172، ارشاد مفید/ 356، کشف الغمہ مطبوعہ تبریز جلد 2/ 456۔

[۲] البتہ ان چار افراد کے علاوہ دوسرے وکلاء بھی مختلف شہروں میں تھے جو ان ہی چار افراد کے ذریعہ لوگوں کے مسائل کو امام کی خدمت میں پہنچاتے تھے اور مرحوم سید محسن امین کے اقوال کے مطابق ان چار افراد کی سفارت عام اور مطلق تھی لیکن دوسرے افراد بھی جیسے محمد ابن جعفر اسدی، احمد ابن اسحاق اشعری، ابراہیم ابن محمد ہمدانی، احمد ابن حمزہ بن الیسع کو خاص موارد میں نیابت حاصل تھی۔ اعیان الشیعہ جلد 2/ 48۔

مرنے کے بعد قابل اطمینان ہیں۔ یہ جو کہیں گے وہ میری طرف سے کہیں گے اور جو پہونچائیں وہ میری طرف سے پہنچائیں گے۔[1]

گیارہویں امامؑ کی رحلت کے بعد اور مسئلہ غیبت پیش آنے سے پہلے عثمان ابن سعید امام مہدی کے طرف سے نیابت کے عہدہ پر فائز ہوئے امام اور شیعوں کے درمیان رابطہ بنے۔[2]

2۔ محمد ابن عثمان

260ھ ق میں اپنے انتقال سے پہلے عثمان بن سعید نے اپنے بیٹے محمد کو امامؑ زمانہ کے حکم سے اپنے جانشین اور نائب امامؑ کی حیثیت سے پہچنوایا۔[3]

ابو جعفر محمد ابن عثمان بھی اپنے والد کی طرح امام حسن عسکری اور امام مہدی علیہما السلام کے لئے مورد اطمینان تھے۔

عبداللہ ابن جعفر حمیری نقل فرماتے ہیں کہ جب عثمان ابن سعید کا انتقال ہوگیا تو امامؑ کا خط آیا جس میں ابو جعفر محمد ابن عثمان اپنے والد کی جگہ امام کے نائب مقرر کئے گئے تھے۔[4]

محمد ابن عثمان نے اپنی وفات سے پہلے اپنی موت کی خبر دی[5] اور بزرگان شیعہ کے ایک گروہ کی موجودگی میں انہوں نے حسین ابن روح نوبختی کو امام کے امور کے لئے اپنے جانشین کے عنوان سے تعارف کرایا اور کہا: وہ میرے قائم مقام ہیں تم ان کی طرف رجوع کرو۔

محمد ابن عثمان 305ھ ق میں انتقال فرما گئے[6] اور ان کی نیابت کی مدت 45 سال رہی۔

3۔ حسین ابن روح

امام کے تیسرے سفیر ابو القاسم حسین ابن روح نوبختی تھے جو کہ بزرگی اور مخصوص عظمت کے حامل تھے نیز عقل وبینش وتقوی و فضیلت میں مشہور تھے۔

یہ محمد ابن عثمان کے مورد اعتماد اور ان کی جانب سے کچھ امور کے ذمہ دار تھے۔[7]

محمد ابن عثمان کے لئے قابل اطمینان افراد میں سے ایک جعفر ابن احمد قمی تھے جو دوسروں سے زیادہ محمد سے متعلق رہے۔ اتنے قریب تھے کہ کچھ لوگوں نے یہ سمجھ رکھا تھا کہ محمد ابن عثمان کے بعد انہیں کو نائب بنایا جائے گا۔[8]

---

[1] بحار جلد 51/ 344، غیبت شیخ/ 215، اعیان الشیعہ ج 2/ 47، منتخب الاثر/ 393، الکنی و الالقاب جلد 3/ 266-267، رسائل شیخ انصاری مطبوعہ جامعہ مدرسین/ 139۔

[2] بحار جلد 51/ 346۔

[3] بحار جلد 51/ 349، غیبت شیخ/ 218، 220۔ اعیان الشیعہ جلد 2/ 47۔

[4] بحار جلد 51/ 349، غیبت شیخ/ 218، 220، اعیان الشیعہ جلد 2/ 47۔

[5] بحار جلد 51/ 352، الکنی والالقاب جلد 3/ 268، غیبت شیخ/ 222، اعیان الشیعہ جلد 2/ 47۔

[6] بحار جلد 51/ 352، غیبت شیخ/ 223، اعیان الشیعہ جلد 2/ 47، الکنی والالقاب جلد 3/ 268۔

[7] اعیان الشیعہ جلد 2/ 48، غیبت شیخ/ 227۔

[8] بحار ج 51/ 353-354، غیبت شیخ/ 226، اعیان الشیعہ ج 2/ 47-48۔

جب محمد ابن عثمان کے انتقال کا وقت قریب پہونچا تو ان کے سرہانے جعفر ابن احمد اور پائنتی حسین ابن روح بیٹھے ہوئے تھے محمد ابن عثمان نے جعفر ابن احمد کی طرف رخ کیا اور کہا کہ مجھے اس بات کا حکم دیا گیا ہے کہ تمام امور کو ابوالقاسم حسین ابن روح کے حوالہ کردوں۔

جعفر ابن احمد اپنی جگہ سے اٹھے انہوں نے حسین ابن روح کے ہاتھوں کو پکڑ کر محمد کے سرہانے بٹھایا اور خود پائنتی بیٹھ گئے [1]

حسین ابن روح نے تقریباً 21 سال نیابت کے منصب کی ذمہ داری نبھائی اور اپنی وفات سے پہلے انہوں نے امامؑ کے حکم سے نیابت کے امور کو علی ابن محمد سمری کے حوالہ کردیا اور 326ھ ق میں انتقال فرماگئے۔[2]

4۔علی ابن محمد سمری

امام زمانہ کے چوتھے اور آخری سفیر ابوالحسن علی ابن محمد سمری بزرگ اور جلیل القدر تھے کہ صاحب تنقیح المقال کے قول کے مطابق محتاج توصیف نہیں۔[3]

انہوں نے بزرگوں کی ایک جماعت سے فرمایا: خدا تم کو علی ابن بابویہ قمی کی مصیبت پر اجر عنایت فرمائے، ان کا انتقال ہو چکا ہے۔

ان لوگوں نے اس وقت دن اور مہینہ یاد رکھا اور 17 یا 18 روز بعد خبر پہنچی کہ اسی وقت علی ابن بابویہ کا انتقال ہوا تھا۔[4]

علی ابن محمد 329ھ ق میں انتقال فرماگئے ان کی وفات سے پہلے شیعوں کا ایک گروہ ان کے پاس آیا اور ان کے جانشین کے بارے میں سوال کیا، آپ نے فرمایا: مجھے اس کے متعلق کوئی وصیت نہیں کی گئی ہے۔[5] اس کے بعد انہوں نے اس توقیع مبارک کے بارے میں بتایا جو امامؑ کی طرف سے صادر ہوئی تھی۔ اس کا مضمون کچھ اس طرح تھا۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اے علی ابن محمد سمری خدا تمہارے غم میں تمہارے بھائیوں کو جزائے عظیم عطا کرے، تم چھ روز کے بعد مرجاؤ گے لہٰذا اپنے امور سے جلد فارغ ہونے کی کوشش کرو اور کسی کے بارے میں وصیت نہ کرنا کہ تمہارے بعد وہ تمہارا جانشین ہو، اب غیبت کبریٰ کا زمانہ آ گیا ہے اور اس وقت تک ظہور نہیں ہوگا جب تک خداوند متعال اجازت نہ دے...

چھٹے دن جناب سمری اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔[6]

ب۔عام نائبین

امامؑ کے آخری سفیر علی ابن محمد سمری کے انتقال کے بعد غیبت کبریٰ کا زمانہ شروع ہوا ہر چند کہ امام مہدی (عجل اللہ فرجہ

---

[1] بحار جلد 51/ 353-354، غیبت شیخ/ 226، اعیان الشیعہ ج 2/ 48-47، اس سلوک سے پتہ چلتا ہے کہ یہ لوگ معرفت، ایمان اور تسلیم و رضا میں ایسے کامل تھے کہ ہمیشہ اور تمام امور میں اپنے امام کے سامنے سر تسلیم خم کردیتے تھے۔

[2] بحار ج 51/ 358، اعیان الشیعہ ج 2 ص 48۔

[3] تنقیح المقال جلد 2/ 305، ...ثقتہ وجلالتہ اشھر من ان یذکر و اظھر من ان یحرّر...

[4] بحار جلد 51/ 361، جلد 52/ 151، غیبت شیخ/ 243، الکنی والالقاب جلد 3/ 266، اعیان الشیعہ جلد 2/ 48، منتخب الاثر/ 399، تنقیح المقال جلد 2/ 305۔

[5] بحار جلد 51/ 360، منتخب الاثر/ 400۔

[6] اعیان الشیعہ جلد 2/ 47، بحار جلد 51/ 361، کشف الغمہ مطبوعہ تبریز جلد 2/ 530، منتخب الاثر/ 99، تنقیح المقال جلد 2/ 305۔

الشریف) کی طرف سے کوئی خاص نائب معین نہیں تھا۔لیکن آپ کی اور بقیہ ائمہ کی طرف سے ضوابط اور معیار کا ایک سلسلہ موجود ہے تا کہ لوگ اس معیار سے آگاہی حاصل کر کے ہر زمانہ میں اس فرد سے رجوع کر کے اپنے مسائل کے جوابات معلوم کریں جس کے اندر شرطیں پائی جاتی ہوں اس لئے کہ ان کی نظر مہارت اور روایات کی بنا پر حجت ہے۔

مرحوم شیخ طوسی وصدوق وطبری نے اسحاق ابن یعقوب سے نقل کیا ہے کہ حضرت مہدی۔نے (غیبت کے زمانہ میں شیعوں کے فرائض کے بارے میں) فرمایا:

اما الحوادث الواقعه فارجعوا فیها الی رواة حدیثنا فانّهم حجتی علیکم و انا حجة الله علیهم [۱]

آنے والے حوادث وواقعات میں ہماری حدیثیں بیان کرنے والوں کی طرف رجوع کرو۔اس لئے کہ وہ لوگ تمہارے اوپر ہماری حجت اور ہم ان کے اوپر خدا کی حجت ہیں۔

نیز امام حسن عسکری علیہ السلام، امام جعفر صادق علیہ السلام سے ایک روایت کے ضمن میں بیان فرماتے ہیں:

اما من کان من الفقهاء صائنا لنفسه حافظاً لدینه مخالفاً لهواه مطیعاً لامر مولاه فللعوام ان یقلّدوه... [۲]

فقہاء میں سے جو اپنے نفس کو بچانے والا اپنے دین کا نگہبان اپنے ہوا و ہوس کا مخالف اپنے مولا (ائمہ) کے فرمان کا مطیع ہو تو لوگوں پر لازم ہے کہ اس کی تقلید کریں۔

اس طرح اسلامی معاشرہ کی رہبری اور مسلمانوں کے امور کا حل اور ان کا فیصلہ غیبت کبریٰ کے زمانہ میں ولی فقیہ کے ہاتھوں میں آیا۔ولی فقیہ امام زمانہ کی نیابت میں ولایت شرعیہ کا مالک ہے۔اسلامی معاشرہ کی مشروعیت اور حکومت ذمے قانون کا لازم الاجراء ہونا اس کی تائید اور نفاذ سے متعلق ہے اس کے حکم کی مخالفت امامؑ کے حکم کو رد کرنا ہے اور امام کے حکم کو رد کرنا خدا اور حکم خدا کو رد کرنا ہے۔[۳]

دیدار مہدی علیہ السلام

غیبت صغریٰ کے زمانہ میں ان چار مخصوص نائبین کے علاوہ جو امام کی خدمت میں پہنچتے رہتے تھے کچھ دوسرے افراد بھی تھے جو ان چاروں کے توسط سے آپ کی خدمت میں زیارت کا شرف پاتے تھے۔

شیعہ بزرگ علماء نے اپنی کتابوں میں ان لوگوں میں سے بہت سے افراد کا نام بیان فرمایا ہے جنھوں نے غیبت صغریٰ کے زمانہ میں امامؑ کو دیکھا اور ان کے معجزات کو درک کیا ہے۔علماء نے ان ملاقات کرنے والوں میں سے ہر ایک کے واقعہ اور قضیہ کو مختلف اسناد کے

---

[۱] کمال الدین جلد 2 / 484، غیبت شیخ / 177، احتجاج طبرسی جلد 2 / 470، مطبوعہ بیروت، وسائل الشیعہ جلد 18 / 101، کتاب البیع للامام الخمینی جلد 2 / 474، کشف الغمہ مطبوعہ تبریز جلد 2 / 531، بحار جلد 53 / 181، رسائل شیخ انصاری مطبوعہ جامعہ مدرسین/ 139۔

[۲] احتجاج طبرسی بیروت جلد 2 / 458، وسائل الشیعہ جلد 18 / 195، سفینۃ البحار جلد 2 / 381، رسائل شیخ انصاری مطبوعہ جامعہ مدرسین/ 141۔

[۳] مقبولہ عمر ابن حنظلہ کے ذیل میں امام جعفر صادق۔فرماتے ہیں کہ:..فاذا حکم بحکمنا فلم یقبل منه فانما استخف بحکم الله وعلینا ردّ و الراد علینا الرّاد علی الله و هو علی حد الشرك بالله.. وسائل جلد 99/18، کافی جلد 54/1، کتاب فضل العلم باب اختلاف الحدیث حدیث 10، تهذیب جلد 218/6 و 301، کتاب لبیع للامام الخمینی جلد 476/2، فروع کافی جلد 42/7 حدیث 5 باب کراهیة..الارتفاع الی قضاة الجور...

ساتھ ذکر کیا ہے۔

اسی طرح ان بزرگوں میں سے بعض افراد نے ان لوگوں کی داستان کو اپنی کتابوں میں بیان کیا ہے جو غیبت کبریٰ کے زمانہ میں آپ کی خدمت میں پہنچے یا آپ کی کرامات و معجزات کو۔ بیداری یا خواب کے عالم میں۔ مشاہدہ کیا ہے لیکن چونکہ اس وقت اختصار مد نظر ہے اس لئے ان کے ذکر سے چشم پوشی کی جاتی ہے۔[1]

سوالات:

1۔ بارہویں امامؑ کس تاریخ کو اور کہاں پیدا ہوئے؟

2۔ امام عصرؑ کی ولادت کو کیوں چھپایا گیا؟

3۔ خواص سے امام حسن عسکری علیہ السلام کا اپنے بیٹے کی ولادت کو بتانے کا مقصد کیا تھا؟ ان میں سے ایک نمونہ بیان کیجئے۔

4۔ غیبت صغریٰ و کبریٰ کی مدت، دونوں غیبتوں کے درمیان تفاوت اور رابطہ کو بیان فرمائیے

5۔ غیبت صغریٰ کے زمانہ کا امام عصرؑ کا ایک معجزہ بیان فرمائیے

6۔ غیبت صغریٰ کے زمانہ کے امامؑ کے نائبین کا نام اور ان کی مدت نیابت بیان فرمائیے

7۔ غیبت کبریٰ کے زمانہ میں امام عصرؑ کی نیابت کے مسئلہ کی نوعیت بتائیے اور توضیح دیجئے۔

---

[1] تفصیلی معلومات کے لئے ملاحظہ ہو، اعلام الوری/ 425، النجم الثاقب/ 211-209، بحار جلد 51 باب اول، جلد 52، باب 18، 19، 23 و جلد 53/ 200-335- منتخب الاثر فصل چہارم باب اول و فصل پنجم باب دوم و کتاب تبصرۃ الولی فیمن رای القائم المہدی تالیف علامہ سید ہاشم بحرانی، کشف الغمہ جلد 2/ 533، دلائل الامامہ طبری/ 306-295۔

سولھواں سبق:

مہدی علیہ السلام موعود کا عقیدہ [1]

(دوسرا حصہ)

آخری زمانہ میں ایک مصلح الٰہی کا ظہور، پرانے زمانہ سے لوگوں کا بنیادی عقیدہ رہا ہے۔ نہ صرف شیعہ بلکہ اہل تسنّن یہاں تک کہ دوسرے ادیان کے ماننے والے جیسے یہود و نصاری زردشتی اور ہندو بھی ایک بڑے الٰہی مصلح کے ظہور کا اعتقاد رکھتے ہیں اور اس کے انتظار میں ہیں۔

وہ بشارتیں اور پیشین گوئیاں جو حضرت مہدی علیہ السلام اور ان کے ظہور کے بارے میں مقدس کتابوں اور اسلاف کے دوسرے آثار میں ہیں اسی طرح اسلامی ماخذ میں موجود ہیں اور وہ بہت زیادہ ہیں۔

اس مقام پر ان بشارتوں میں سے ہم چند بشارتوں کا ذکر کر رہے ہیں۔

الف۔ تمام ادیان کی نظر میں

زردشتیوں کی کتابوں میں آخری زمانہ اور ظہور مہدی علیہ السلام موعود کے بارے میں بہت سی باتیں مذکور ہیں۔

منجملہ ان کے کتاب جاماسب [2] میں مرقوم ہے کہ زمین عرب اور خاندان ہاشم سے ایک شخص بڑے جسم اور بڑی پنڈلی والا نکلے گا وہ اپنے جد کے دین پر ہوگا، بہت زیادہ لشکر کے ساتھ وہ ایران کی طرف رخ کرے گا اور اس کو آباد کرے گا۔ اور زمین کو انصاف سے بھر دے گا اور اس کی عدالت کی بناء پر بھیڑیا، بھیڑ کے ساتھ پانی پیے گا [3]

ہندوؤں نے بھی اپنی کتاب مقدس وید میں لکھا ہے کہ دنیا کی خرابی کے بعد آخری زمانہ میں ایک بادشاہ پیدا ہوگا جو خلائق کا پیشوا ہوگا۔ اس کا نام منصورہ [4] ہوگا۔ وہ ساری دنیا کو اپنے قبضہ میں کر کے اپنے دین پر لے آئے گا۔ اور مومن و کافر میں سے ہر ایک کو پہچانتا ہوگا، وہ جو کچھ خدا سے مانگے گا وہ اس کو ملے گا۔

---

[1]. اس بات کی وضاحت کر دینا ضروری ہے کہ اس درس میں جو باتیں بیان ہوئی ہیں وہ مختلف نکتہ نظر اور پہلوؤں سے قابل بحث ہیں لیکن یہاں جو ہمارا نظریہ ہے۔ وہ ان مسائل کے تاریخی پہلوؤں سے بحث ہے دوسرے گوشوں سے اپنے مقامات پر بحث ہوگی۔

[2]. زرتشت کے شاگرد اور داماد۔۔ جاماسب۔۔۔ سے منسوب۔۔ دائرۃ المعارف فارسی و بشارت عہدین۔ حاشیہ/ 243۔

[3] بشارت عہدین/ 258، ادیان و مہدویت/ 16۔

[4] ۔۔۔ نجم الثاقب۔۔ ص 47 شمارہ 135 میں ذخیرہ اور تذکرہ سے منقول ہے کہ امام عصر (عجل اللہ فرجہ الشریف) کے ناموں میں سے ایک نام۔۔ منصور۔۔۔ ہے کتاب۔۔ وید۔۔ براہمہ میں جوان کے عقیدہ کے مطابق آسمانی کتاب ہے آیا ہے اور امام محمد باقر علیہ السلام سے آیت۔۔ من قتل مظلوماً فقد جعلنا لولیّہ سلطاناً۔۔ کی تفسیر میں ہے کہ اس سے مراد امام حسین ہیں جو مظلوم قتل کئے گئے اور آیہ۔۔ فلا یسرف فی القتل انّہ کانَ منصوراً۔۔ سورہ اسراء/ 32 کے ذیل میں فرمایا کہ خدا نے مہدی کا نام منصور رکھا ہے اس طرح جس طرح پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام محمد، صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور محمود صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے اور جس طرح حضرت عیسیٰ کا لقب مسیح ہے۔۔۔ مدارک بالا اور بحار الانوار جلد 51 / 31-30۔

توریت [1] سفر پیدائش میں نسل اسماعیل سے پیدا ہونے والے بارہویں امام کے بارے میں گفتگو موجود ہے...اور خاص کر اسماعیل کے بارے میں، میں نے تیری دعا قبول کی اب اس کو برکت دیکر بارآور کرونگا اور اس کو بہت زیادہ کردونگا اور اسی سے بارہ سردار پیدا ہوں گے اور ایک عظیم امت اس سے پیدا کروں گا۔ [2]

داؤد کی زبور میں بھی لکھا ہے کہ...اور صالحین کی خدا تائید کرتا ہے...صالحین وارث زمین ہوں گے اور اس میں ابد تک سکونت اختیار کریں گے [3]۔

عیسائیوں کی کتاب مقدس میں موعود آخر الزمان کے بارے میں زیادہ واضح بشارتیں موجود ہیں۔منجملہ ان کے...پھر تم انسان کے بیٹے کو دیکھو گے کہ جو عظیم قوت اور جلالت کے ساتھ بادلوں پر آرہا ہوگا اس وقت فرشتے چاروں طرف سے زمین کی انتہا اور آسمان کے آخری سرے سے اپنے کو جمع کریں گے لیکن باپ (خدا) کے علاوہ اس دن کی کسی کو خبر نہیں ہے۔نہ فرشتوں کو آسمان میں اور نہ بیٹے کو لہٰذا ہوشیار اور بیدار ہو کر دعا کرو اس لئے کہ تم کو نہیں معلوم کہ وقت کیسا آنے والا ہے...اور کس وقت گھر والا آئے گا [4]۔

ب۔اسلامی مآخذ ومصادر میں

مہدی علیہ السلام موعود کا عقیدہ اسلام کا ایک بنیادی اور اس کی حیات کا مسئلہ شمار کیا جاتا ہے۔

اسلامی مذاہب میں سے کسی خاص مذہب۔حتی کہ فقط شیعہ مذہب۔میں ہی نہیں بلکہ مسلمانوں کے تمام فرقوں نے مستند اور معتبر مدارک اور روایتوں سے اس کو نقل کیا ہے۔اس سلسلہ میں ایک دو روایت نہیں بلکہ بہت سے اقوال اور متواتر روایتیں موجود ہیں۔ [5]

استاد علی محمد علی دخیل نے اپنی کتاب میں اہل سنت کے بزرگ علماء کی 206 کتابوں کا نام لکھا ہے جن میں سے 30 افراد نے حضرت مہدی علیہ السلام کے بارے میں مستقل کتاب لکھی ہے اور 32 افراد نے اپنی کتاب کی ایک فصل کو حضرت مہدی علیہ السلام کے بارے میں پائی

---

[1] بشارت عہدین/245،ادیان ومہدویت/16۔

[2] کتاب مقدس سفر پیدائش باب 17 ص 21 بند 20-21۔

[3]. کتاب مقدس ص 557-856 کتاب مزامیر خز مور 37۔بند 17 و 29۔قرآن زبور میں صالحین کے غلبہ کے ذکر سے متعلق بیان کرتا ہے۔۔ولقد کتبنا فی الزبور من بعد الذکر ان الارض یرثھا عبادی الصالحون۔۔سورہ انبیا/104۔۔زبور میں ذکر۔۔تورات کے بعد ہم نے لکھا ہے کہ ہمارے صالح بندے زمین کے وارث ہوں گے۔

[4]. کتاب مقدس انجیل مرقس باب 13 بند 26،27،32،،33،35 ص 79-78 یہ بتادینا ضروری ہے کہ لفظ۔۔پسر انسان۔۔کتاب قاموس کتاب مقدس میں مسٹر ھاکس کی تحریر کے مطابق کتب عہد جدید میں 80 بار آیا ہے جس میں سے صرف 20 موارد ایسے ہیں جن کا مصداق حضرت عیسیٰ ہیں۔قاموس کتاب مقدس مادہ پسر خواہر 219۔۔اور ان میں سے 50 مورد ایسے ہیں جو ایک نجات دہندہ کے بارے میں بتاتے ہیں اور ان کے ظہور کا وقت اور دن خدا کے علاوہ کوئی نہیں جانتا اور وہ نجات دینے والا حضرت مہدی علیہ السلام کے علاوہ اور کوئی نہیں ہے۔

[5]. علماء اہل سنت میں سے جن لوگوں نے حضرت مہدی کے بارے میں احادیث نبوی کے متواتر ہونے کی تشریح کی ہے ان میں حافظ ابوعبداللہ گنجی شافعی کتاب۔۔البیان۔۔میں ابن حجر عسقلانی نے۔۔فتح الباری۔۔میں، قاضی محمد شوکانی نے۔۔التوضیح فی تواتر ماجاء فی المنتظر والدجال والمسیح۔۔میں شیخ عبدالحق نے لمحات میں شبلنجی نے نور الابصار۔۔میں ابوالفرمان صبّان نے۔۔اسعاف الراغبین۔۔میں تشریح کی ہے۔ملاحظہ ہو منتخب الاثر/5-3 حاشیہ حدیث متواتر اصطلاح میں اس حدیث کو کہا جاتا ہے جس میں متعدد راوی ہوں اس طرح کہ ان کو فی حد نفسہ اور نہ قرائن کے ضمیمہ کے ساتھ کذب سے متہم کیا جاسکتا ہو اس طرح حدیث متواتر کو حدیث قطعی اور حدیث ثابت کہا جاسکتا ہے۔

جانے والی روایات اور ان کی شرح احوال کیلئے مخصوص کیا ہے اور بقیہ افرد نے مختلف مناسبت سے امام عصر (عجل اللہ فرجہ الشریف) سے مربوط احادیث کونقل کیا ہے اور آپ کے خصائص کے بارے میں گفتگو کی ہے۔ [1]

شیعہ مذہب میں بھی پیغمبر اکرم اور ائمہ معصومین۔ سے بہت سی حدیثیں مرقوم ہیں جن میں بارہا حضرت مہدی علیہ السلام ان کی غیبت، ظہور اور قیام سے متعلق گفتگو ہوئی ہے۔

شیعوں سے امام زمانہ علیہ السلام کے سلسلے میں جو روایتیں نقل ہوئی ہیں وہ اس قدر زیادہ ہیں کہ مسائل اسلامی کے کم موضوعات اس پایہ کو پہنچیں گے اور شیعہ علماء میں سے بہت ہی کم لوگ ایسے ملیں گے جنھوں نے آپ کے بارے میں کتاب نہ لکھی ہو یا کوئی بات نہ کہی ہو۔

کتاب امام مہدی علیہ السلام کے مؤلف تحریر فرماتے ہیں: حضرت مہدی علیہ السلام کے بارے میں جو روایتیں شیعہ اور سنی طریقوں سے پہنچی ہیں وہ چھ ہزار سے زیادہ ہیں۔ [2]

ان اخبار کی کثرت اور شہرت کی بنا پر آپ کی ولادت سے پہلے ہی کچھ لوگوں نے مہدویت کا جھوٹا دعوی کیا ہے یا ان کی طرف ایسے دعوے کی نسبت دی گئی ہے نمونہ کے طور پر ملاحظہ ہو امام زمانہ علیہ السلام کی ولادت سے دوسو سال پہلے [3] کیسانیہ فرقہ محمد حنفیہ کو مہدی منتظر تصور کرتا تھا اور اس بات کا مقصد یہ تھا کہ وہ نظروں سے پنہان ہو گئے ہیں اور ایک دن ظہور کریں گے۔ وہ لوگ اپنے دعوے کی دلیل میں ان روایتوں سے تمسک کرتے تھے جو غیبت قائم کے بارے میں منقول ہیں۔ [4]

منصور، خلیفہ عباسی نے اپنے بیٹے کا نام مہدی رکھا تا کہ لوگوں کے انتظار سے فائدہ حاصل کرے۔ [5]

اسی شہرت کی بنا پر بہت سے شیعہ اور سنی علماء نے غیبت کے زمانہ سے پہلے حتی کہ امام عصر علیہ السلام کی پیدائش سے پہلے ان بزرگوار کے بارے میں کتاب لکھی ہے علماء اہل سنت میں سے عباد ابن یعقوب رواجنی متوفی 250ھ ق اور مؤلف کتاب اخبار المہدی کا نام لیا جاسکتا ہے۔ [6]

کتاب مسند احمد، مولفہ احمد ابن حنبل شیسانی، متوفی 241ھ اور صحیح بخاری مؤلفہ محمد اسماعیل بخاری متوفی 256ھ اہل سنت کی ان

---

[1] امام المہدیؑ مصنفہ علی محمد دخیل/ 318-298 مطبوعہ نجف۔

[2] .پیشوائے دوازدہم مطبوعہ مؤسسہ درراہ حق/ 71 منقول از کتاب امام مہدی (عجل اللہ فرجہ الشریف)/ 66۔صرف کتاب منتخب الاثر میں 157 معتبر کتابوں سے امام زمانہ علیہ السلام کے بارے میں تقریباً 6207، احادیث کی طرف اشارہ ہوا ہے۔

[3] .کیسانیہ شیعہ فرقہ میں سے ہے یہ لوگ مختار ابن ابی عبیدہ ثقفی، جن کو یہ لوگ کیسان کہتے تھے، کے دوستوں میں شمار کئے جاتے ہیں کچھ لوگوں نے یہ بھی کہا ہے کہ امیر المومنین علیہ السلام کے غلاموں میں سے ایک غلام کا نام کیسان تھا اور مختار نے اپنی باتیں ان سے سیکھی تھیں۔الملل والنحل شہرستانی جلد 1 مطبوعہ بیروت/ 147 الفرق بین الفرق مطبوعہ بیروت/ 39-38 تالیف عبد القادر بغدادی، مذاہب الاسلامیین ج 2/ 72، 71 مصنفہ ڈاکٹر عبد الرحمان بردی۔

[4] .اعلام الوری مطبوعہ بیروت 1399 ص 416، اعیان الشیعہ جلد 2/ 57۔

[5] .الحیاۃ السیاسیہ لا مام الرضا مصنفہ استاد جعفر مرتضی/ 69 و 82-83۔مؤلف محترم یہ نکتہ بھی تحریر فرماتے ہیں کہ جن لوگوں نے مہدویت کا دعوی کیا ان میں سے ایک۔۔محمد ابن عبد اللہ علوی بھی تھا۔اور امام جعفر صادق علیہ السلام کے علاوہ لوگوں نے ان کی امامت قبول کر لی تھی۔منصور نے لوگوں کے افکار کو اپنی جانب متوجہ کرنے کے لئے اپنے بیٹے کو مہدی کا لقب دیا اور مجمع میں کہا کہ جو محمد ابن عبد اللہ علوی دعوی کرتا ہے وہ جھوٹ ہے اور مہدی موعود میرا بیٹا ہے۔

[6] .فہرست شیخ طوسی/ 176۔

معتبر کتابوں میں سے ہیں جو امامؑ زمانہ کی ولادت سے پہلے لکھی گئی ہیں اور ان لوگوں نے آپ سے متعلق احادیث کو نقل کیا ہے۔[۱]

کتاب مشیخہ تالیف حسن ابن محبوب بھی منجملہ مؤلفات شیعہ میں سے ہے جو امام زمانہ علیہ السلام کی غیبت کبریٰ سے ایک صدی سے زیادہ پہلے لکھی گئی ہے۔اس میں امامؑ سے متعلق اخبار درج ہیں۔[۲]

اسی شہرت اور کثرت روایات کی بنا پر مسلمان صدر اسلام ہی سے قیام مہدی موعود (عجل اللہ فرجہ الشریف) سے آشنا تھے، خاص کر شیعہ اس حقیقت پر راسخ اعتقاد رکھتے تھے اور مناسب موقع پر اسکو مختلف انداز سے بیان کرتے تھے۔

کمیت شیعہ اور انقلابی شاعر متوفی 126ھ نے امام محمد باقر علیہ السلام کی خدمت میں امام موعود (عجل اللہ فرجہ الشریف) کے بارے میں شعر پڑھا اور آپ کے قیام کے زمانہ کے بارے میں سوال کیا۔[۳]

اسماعیل حمیری اہل بیت علیہم السلام کا چاہنے والا ایک شاعر متوفی 173ھ ق نے امام جعفر صادق علیہ السلام کے حضور میں ایک طولانی قصیدہ پڑھا اس کے بعض اشعار کا موضوع اس طرح ہے کہ میں پروردگار کو گواہ قرار دیتا ہوں کہ آپ (امام جعفر صادق علیہ السلام) کا قول مطیع اور گناہگار سب پر حجت ہے ولی امر اور قائم کہ میرا دل جس کا مشتاق ہے وہ یقیناً غائب ہوگا۔

درود و سلام ہو ایسے غائب پر یہ کچھ دنوں تک پردہ غیبت میں رہے گا پھر ظہور کرے گا اور دنیا کے مشرق و مغرب کو عدل و انصاف سے پر کر دے گا۔[۴]

ایک زبردست انقلابی شاعر دعبل خزاعی، متوفی 246ھ ق نے ایک قصیدہ کے ضمن میں جسے امام رضاء کی خدمت میں پڑھا تھا، کہا: اگر وہ چیز نہ ہوتی جس کے واقع ہونے کی امید آج یا کل ہے تو میرا دل ان پر (ائمہ۔پر) حسرت و اندوہ کی وجہ سے پارہ پارہ ہو جاتا (اور وہ امید) ایک امامؑ کے قیام کی ہے جو بلا تردید نام خدا اور برکات الٰہی کے ساتھ قیام کرے گا اور ہمارے درمیان حق و باطل کو جدا کردے گا۔اور اجر و سزا دے گا۔[۵]

احادیث کے نمونے

امامؑ زمانہ کے بارے میں اہل سنت اور شیعوں کے طریق سے وارد ہونے والی روایات کے مضامین سے آشنا ہونے کے لئے نمونہ کے طور پر چند احادیث کا ذکر کیا جا رہا ہے۔

---

[۱] .مسند احمد حنبل جلد 1/ 84، 799، 448 وجلد 2/ 411 وجلد 3/ 21، 27، 37، 52 وجلد 5/ 7۔صحیح بخاری جلد 3 کتاب بدء الخلق باب منزول عیسیٰ ابن مریم/ 87۔

[۲] .اعلام الوری ص416، اثبات الہداۃ ج7/ 53، اعیان الشیعہ ج2/ 58۔

[۳] .الغدیر جلد 2/ 203-202۔

[۴] اشهد ربّی ان قولك حجة على الخلق طرّاً من مطيع و مذنب: بانّ ولیّ الامر و القائم الذی تطلّع نفسی نحو بتطرّب: له غيبة لابدَّ من ان يضيبها فصلی عليه الله من متغيب: فيمكث حينا ثمّ يظهر حينه فيملا عدلاً كلّ شرق و مغرب:
ارشاد مفید/ 284/ اعلام الوری/ 280/ الغدیر جلد 2/ 247 کمال الدین جلد 1/ 35 مطبوعہ جامعہ مدرسین یہ یاد دلانا ضروری ہے کہ سید حمیری امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں پہنچنے سے پہلے اس بات کے معتقد تھے کہ موعود محمد ابن حنیفہ ہیں۔کمال الدین جلد 1/ 32، ارشاد مفید/ 284-293

[۵] فلو لا الذی ارجوه فی اليوم اوغد: تقطع نفسی اثرهم حسرات: خروج امام: لا محالة خارج يقوم على اسم الله بالبركات يميز فينا كل حق: و باطل: و يجزی على النعماء و النقمات۔ الغدیر جلد 2/ 360 الفصول المہمہ/ 249۔کمال الدین جلد 2 باب 35 جلد 6/ 372

1۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اگر دنیا کی عمر کا ایک ہی دن بچے گا تو بھی خدا ہم میں سے ایک شخص کو بھیجے گا جو دنیا کو عدل و انصاف سے اسی طرح بھر دے گا جس طرح وہ ظلم و جور سے بھری ہوگی [1]

2۔ ام سلمہ نقل فرماتی ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مہدی علیہ السلام کو یاد کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ ہاں وہ حق ہے وہ بنی فاطمہ سلام اللہ علیہا میں سے ہوگا۔ [2]

3۔ امام رضا علیہ السلام نے فرمایا: خلف صالح، فرزند حسن ابن علی، صاحب الزمان اور وہی مہدی موعود (عجل اللہ فرجہ الشریف) ہے۔ [3]

4۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: قائم (عجل اللہ فرجہ الشریف) میری اولاد میں سے ہیں ان کا نام میرا نام ہے ان کی کنیت میری کنیت ہے، ان کے شمائل میرے شمائل ہیں ان کی رفتار میری رفتار ہے وہ لوگوں کو میری شریعت اور دین پر قائم کریں گے اور کتاب خدا کی طرف دعوت دیں گے جس نے ان کی اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی جس نے ان کی مخالفت کی اس نے میری مخالفت کی اور جس نے ان کا انکار کیا اس نے میرا انکار کیا۔ [4]

5۔ اصبغ بن نباتہ فرماتے ہیں: میں امیر المومنین کی خدمت میں پہنچا، دیکھا کہ آپ فکر میں ڈوبے ہوئے ہیں اور زمین کو کھود رہے ہیں، میں نے عرض کیا کہ میں آپ کو متفکر دیکھ رہا ہوں کیا آپ کو زمین سے کوئی رغبت ہے؟ نہیں خدا کی قسم مجھکو دنیا اور زمین سے کوئی رغبت نہیں ہے لیکن میں ایک مولود کے بارے میں سوچ رہا ہوں جو میری نسل سے ہے اور میرے فرزندوں میں سے گیارہواں فرزند ہوگا وہ مہدی علیہ السلام ہے وہی جو زمین کو عدل وداد سے پر کردے گا جس طرح وہ ظلم و جور سے بھری ہوگی اس کے لئے غیبت اور حیرت ہے ایک گروہ اس کے بارے میں گمراہ ہوجائے گا اور ایک گروہ ہدایت پائے گا [5]۔

6۔ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: قائم کے لئے دو غیبتیں ہیں ایک کم مدت کی اور دوسری زیادہ مدت کی، غیبت اول میں خواص

---

[1] ... لو لم یبق من الدنیا الا یومٌ لبعث اللہ عزوجل رجلا منا یملاھا عدلاً کما ملئت جوراً.. مسند احمد ابن حنبل جلد 1 / 99، سنن ابی داؤد جلد 4 / 107۔ کتاب المہدیؑ حدیث 83، 22 تھوڑے اختلاف کے ساتھ۔

[2] سعید بن المسیب یقول سمعت امّ سلمۃ تقول سمعت النّبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یذکر المہدی فقال نعم ہو حق و ہو من بنی فاطمۃ۔ مستدرک حاکم جلد 4 / 557 کتاب الفتن و الملاحم، عقد الدرر / 22 وفرائد السمطین ج 2 / 326 حاشیہ۔

[3] .الخلف صالح من ولد ابی محمد الحسن بن علی و ھو صاحب الزمان و ھو المھدی علیہ السلام۔ منتخب الاثر فصل دوم باب 20 / 229 ج 6 منقول از ینابیع المودۃ / 491، غایۃ المراد کشف الغمہ ج 3 / 265۔

[4] ...القائم من ولدی اسمه اسمی کنیته کنیتی و شمائله شمائلی و سنته سنتی یقیم الناس علی ملتی و شریعتی و یدعوھم الی کتاب ربی من اطاعه فقد اطاعنی و من عصاہ فقد عصانی و من انکرہ فی غیبته فقد انکرنی .... منتخب الاثر / 183 بہ نقل از کمال الدین صدوق، اعیان الشیعہ ج 2 / 54 دہ جلدی چاپ بیروت۔

[5] .عن الاصبغ بن نباته قال اتیت امیر المومنین علیہ السلام فوجدته متفکراً ینکت فی الارض فقلت یا امیر المؤمنین مالی اراك متفکراً تنکت فی الارض ارغبة منك فیھا؟ فقال لا واللہ ما رغبت فیھا و لا فی الدنیا یوماً قطّ ولکنی فکرت فی مولود یکون من ظھری، الحادی عشر من ولدی، ھو المھدیؑ الذی یملا الارض عدلا و قسطا کما ملئت جوراً و ظلماً، تکون له غیبه و حیرۃ یضل فیھا اقوامٌ و یھتدی فیھا آخرون.. کافی ج 1 کتاب الحجۃ باب الغیبه، ح 7 ص 33، کمال الدین، ج 1 باب 27 حدیث 1 ص 285، دلائل الامامہ طبری ص 289۔

شیعہ کے علاوہ کوئی اوران کی قیام گاہ کونہیں جان سکے گا اور دوسری غیبت میں سوائے ان کے خاص دوستوں کے کوئی ان کی جگہ کی معلومات نہیں رکھتا ہوگا۔ [1]

انتظارفرج

امید و انتظار اور اس کے مختلف آثار انسان کی فردی اور اجتماعی زندگی میں نا قابل انکار ہیں کوئی بھی انسان اپنی فطرت کے تقاضے کے مطابق امید اور انتظار سے خالی اور بے نیاز نہیں ہے اس لئے کہ انحراف سے دوری مشکلات کے مقابلہ میں مقاومت پیدا کرنے اور کمالی کی طرف بڑھنے کیلئے امید اور انتظار سے بہتر اور کوئی کارساز وسیلہ نہیں ہے۔

تمام آسمانی ادیان حتی وہ مکاتب فکر جو دست بشر کے ساختہ اور پرداختہ ہیں وہ بھی اس بات کی ضرورت پر اتفاق نظر رکھتے ہیں ہر چند کہ انتظار کی مدت، کیفیت اور اس کے مورد میں باہم اختلاف نظر رکھتے ہیں۔

تمام ادیان و مکاتب اسلام میں خصوصاً مکتب تشیع میں مسئلہ انتظار اور امید کو خاص اہمیت دی گئی ہے۔ اور اس کی خاص کیفیت کی عکاسی کی گئی ہے جو انتظار اور ظہور حضرت مہدی علیہ السلام کے موضوع میں درخشاں ہیں [2]۔

انتظار فرج مہدی علیہ السلام اور حق کی باطل پر آخری کامیابی کی فکر تاریخ میں ستمگروں اور ظالموں کے مقابل شیعوں کی مقاومت کا راز اور ان کے رشد کا فلسفہ رہا ہے۔ امام موسی کاظم علیہ السلام ایک روایت میں علی ابن یقطین سے فرماتے ہیں: دو صدیوں سے شیعہ امید و آرزو کے سایہ میں رشد اور پرورش پا رہے ہیں۔ [3]

اس لفظ پر توجہ دینے سے پتہ چلتا ہے کہ مسئلہ انتظار فرج اسلام میں امام زمانہ۔ کے نظروں سے غائب ہونے کے بعد شروع نہیں ہوا بلکہ اس کا سلسلہ صدر اسلام اور نبی کریم کے زمانہ تک پہنچتا ہے وہ روایات جو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ائمہ معصومین سے ظہور قائم اور فضیلت انتظار فرج کے بارے میں ہم تک پہنچی ہیں وہ بہت ہیں ان میں سے چند نمونے بیان کئے جا چکے اور اب چند دوسرے نمونے خاص کر انتظار فرج کے بارے میں ملاحظہ فرمائیں:

1۔ امیر المومنین نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل فرمایا ہے: انتظار فرج (مہدی) تمام عبادتوں سے افضل ہے۔ [4]

2۔ امیر المومنین نے فرمایا: تم منتظر فرج رہو اور رحمت خدا سے مایوس نہ ہونا بیشک خدا کے نزدیک محبوب ترین عمل، انتظار فرج ہے۔ [5]

---

[1] ...للقائم غیبتان احداهما قصیرة و الاخری طویلة، الغیبة الاولی لا یعلم بمکانه فیها الا خاصة شیعته و الاخری لا یعلم بمکانه فیها الا خاصة موالیه... کافی جلد 1/باب الغیبه، حدیث 19 ص 340۔

[2] شہید مطہری اپنی کتاب۔۔ قیام و انقلاب مہدی۔۔ میں فرماتے ہیں کہ انتظار فرج کا نظریہ اسلام کی ایک کلی اصل کے نظریے سے پیدا ہوتا ہے اور وہ نظریہ اللہ کی رحمت سے مایوسی کے حرام ہونے کا نظریہ ہے۔ قیام انقلاب مہدی (ع) انتشارت صدرا 1361ھ ش ص 7۔ استاد کی مراد شاید وہ آیت ہو جس میں ارشاد ہوتا ہے:۔۔ لا تیاسوا من روح اللہ انہ لا ییاس من روح اللہ الا القوم الکافرون۔۔ (یوسف/87)۔

[3] ۔۔یا علی الشیعة تربّی بالامانی منذ ماتی سنة.. ،غیبت نعمانی باب 16 حدیث/14 ص 295۔

[4] ...افضل العبادة انتظار الفرج.. منتخب الاثر فصل 10 باب 2 ص 499 ح 16 منقول از ینابیع المودہ و غایۃ المرام و کمال الدین صدوق باب 25 حدیث 6۔

[5] ...انتظروا الفرج و لا تیاسوا من روح الله فانّ احبّ الاعمال الی الله عزّ و جلّ انتظار الفرج... بحار الانوار جلد 52/ 123، منتخب الاثر/498۔

3۔امام زین العابدین علیہ السلام نے فرمایا: امام زمانہ علیہ السلام کا انتظار بزرگ ترین کشائش ہے۔[۱]

4۔امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: ہمارے قائم کے چاہنے والے خوش نصیب ہیں جو ان کی غیبت کے زمانہ میں ان کے ظہور کے لئے چشم براہ ہیں اور جب وہ ظاہر ہو جائیں گے تو ان کا حکم مانیں گے وہ لوگ خدا کے اولیاء ہیں اور کسی قسم کا خوف و ہراس ان کو نہیں ہے۔[۲]

انتظار فرج قائم آل محمد عجل اللہ فرجہ الشریف نے ان کے پیروؤں کو اس قدر جستجو و کوشش میں ڈالا کہ اکثر ایسا بھی ہوا کہ ائمہ اطہار سے ان کے شیعہ پوچھ لیا کرتے تھے کہ کیا قائم آل محمد عجل اللہ فرجہ الشریف اور مہدی منتظر آپ ہی ہیں؟ اور وہ حضرت بھی حالات کی مناسبت سے امام قائم کا تعارف کراتے تھے۔[۳]

وقت ظہور

امام زمانہ کے چوتھے نائب کی وفات کے بعد غیبت کبریٰ کا زمانہ شروع ہوا اور اب تک غیبت کبریٰ کا دور چل رہا ہے۔ آپ کا ظہور اور قیام اس دور کے اختتام کے بعد خدا کے حکم سے ہوگا۔ ان روایتوں کی بنیاد پر جو ائمہ معصومین سے وارد ہوئی ہیں حضرت کے ظہور کا وقت صرف خدا کو معلوم ہے اور جو کوئی بھی اس سلسلہ میں وقت معین کرے وہ جھوٹا ہے۔

فضیل نے امام باقر علیہ السلام سے پوچھا: کیا اس امر کے لئے وقت نہیں معین کیا جا سکتا؟ آپ نے فرمایا: کذب الوقاتون وقت معین کرنے والے جھوٹے ہیں۔[۴]

اسحاق ابن یعقوب نے محمد ابن عثمان عمری کے ذریعہ ایک خط امام عصر علیہ السلام کو بھیجا اور ان سے چند سوالات دریافت کئے۔ امامؑ نے اس سوال کے جواب میں جو ظہور سے متعلق پوچھا گیا تھا، فرمایا: ظہور فرج خداوند عالم کے حکم سے وابستہ ہے اور وقت معین کرنے والے جھوٹے ہیں۔[۵]

محمد ابن مسلم نقل کرتے ہیں کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے مجھ کو بتایا: جس نے تمہارے سامنے وقت ظہور کو معین کیا اس کو جھٹلانے میں دریغ نہ کرنا۔ اس لئے کہ ہم ظہور کے لئے وقت معین نہیں کرتے۔[۶]

ان روایات کے مجموعہ سے یہ واضح ہوتا ہے کہ ظہور کے وقت کا تعین اسرار الٰہی میں سے ہے ائمہ علیہم السلام میں سے بھی کسی نے وقت ظہور معین نہیں کیا ہے۔ لیکن علامتیں بیان فرمائی ہیں۔ ان علامتوں کا واقع ہونا ظہور کی خوشخبری دیتا ہے۔

---

[۱]۔ انتظار الفرج من اعظم الفرج۔۔ بحار الانوار ج52 / 122، کمال الدین باب 31 ح2 ص320۔

[۲]۔۔۔طوبی لشیعة قائمنا المنتظرین لظهوره فی غیبته و المطیعین له فی ظهوره اولئك اولی اء الله الذین لا خوفٌ علیهم و لا هم یحزنون۔۔ کمال الدین باب 33 حدیث/54۔

[۳] اعلام الوری/ 409-408۔

[۴]۔۔۔عن الفضیل قال سئلت اباجعفر علیه السلام هل لهذا الامر وقت؟ فقال علیه السلام کذب الوقاتون کذب الوقاتون، کذب الوقاتون۔۔ غیبت شیخ/ 262-261۔ بحار الانوار ج52 / 130، منتخب الاثر فصل6، باب8 ح1 ص463۔

[۵]۔۔۔ واما ظهور الفرج فانّه الی الله تعالیٰ ذکره و کذب الوقاتون۔۔ کمال الدین 2 /ص160 حدیث/ 4۔

[۶]۔۔۔من وقّت لك من الناس شیئاً فلا تهابن ان تکذبه فلسنا نوقت لاحد:۔۔۔ بحار الانوار ج52 / 104و/ 117۔

ظہور سے پہلے کے حالات

جو روایات ظہور سے پہلے کے حالات اور علامتوں کے بارے میں نقل ہوئی ہیں انکی تعداد بہت زیادہ ہے پھر ان روایتوں کو نقل کرنا اور انکی تحقیق کرنا بھی آسان نہیں ہے۔اس لئے یہاں چند حالات کے ذکر پر اکتفا کی جاتی ہے۔

1۔ساری دنیا میں ظلم، گناہ اور بے دینی کا پھیل جانا:

بہت سی روایتیں یہ بتاتی ہیں کہ آپ کا قیام اس وقت ہوگا جب ظلم و جور دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے چکا ہوگا۔

بعض روایتوں میں یہ بھی بیان ہوا ہے کہ حضرت قائم عجل اللہ فرجہ الشریف کے ظہور سے پہلے حتیٰ کہ اسلامی معاشرہ میں بھی فسق و فجور، مختلف قسم کے گناہ اور برائیاں۔ جیسے منشیات کی خرید و فروخت، شراب خوری، سود خوری، زنا، بدعت، بے حجابی، بے عفتی مکمل طور پر رائج ہوجائے گی[1]۔

ہم متمدن دنیا میں مذکورہ برائیوں کے اوج کو دیکھ رہے ہیں۔

اسلامی انقلاب کے عظیم رہبر حضرت امام خمینی کی رہبری میں ملت ایران کا اسلامی انقلاب انشاء اللہ امام عصر علیہ السلام کے عالمی انقلاب کا مقدمہ ہوگا۔ درحقیقت یہ انقلاب انھیں مظالم کے خلاف تھا۔ خدا کا شکر ہے کہ بہت سی برائیوں اور خرابیوں کی جڑ اسلامی ملک ایران میں قطع ہوگئی۔اور اس بات کی امید ہے کہ ایک دن ساری زمین عدل و انصاف سے پر ہوجائے گی۔

2۔خروج سفیانی

سفیانی۔ جو روایتوں کی بنیاد پر اموی اور عتبہ ابن ابی سفیان کی نسل سے ہوگا۔اس کا نام عثمان ابن عنبسہ ہے وہ خاندان رسالت اور شیعوں سے خاصی دشمنی رکھتا ہے۔ وہ سرخ چہرہ ٹیڑھی آنکھوں والا چہرہ پر چیچک کے داغ، کریہ المنظر، ظالم و خیانت کار ہے۔[2] شام میں قیام کرے گا اور بڑی تیزی سے پانچ شہروں پر قبضہ کرے گا۔[3] اور ایک بڑے لشکر کے ساتھ کوفہ کی سمت بڑھے گا۔ عراق کے شہروں خصوصاً نجف اور کوفہ میں بڑے جرائم کا مرتکب ہوگا اور مدینہ کی طرف لشکر روانہ کرے گا۔اس کے سپاہی مدینہ میں قتل و غارت گری مچائیں گے۔ وہاں سے مکہ کی طرف جائیں گے لیکن مدینہ اور مکہ کے درمیان بیابان میں خدا کے حکم سے زمین میں دھنس جائیں گے۔

خود سفیانی بھی امامؑ کے مکہ سے مدینہ کی طرف اور مدینہ سے کوفہ کی طرف روانہ ہونے کے بعد۔ عراق سے دمشق کی طرف فرار کرے گا اور امامؑ ایک لشکر اس کے تعاقب میں روانہ فرمائیں گے۔ انجام کار سفیانی بیت المقدس میں امام کے سپاہیوں کے ہاتھوں ہلاک ہوگا۔[4]

---

[1]. اس روایت کے مضمون سے مزید آگاہی حاصل کرنے کے لئے بحار الانوار جلد 52 / باب 25 احادیث/ 24-26، کمال الدین جلد 2 باب 47 / 525۔ منتخب الاثر جلد 1 فصل 6 / باب 2 / احادیث 8، 9، 10، 15، اعیان الشیعہ جلد 2 / 78-77۔

[2]. اس سے مراد زمانہ سابق کا شام ہے جو سیریا، فلسطین اور اردن پر مشتمل تھا۔

[3]. یہ پانچ شہر: دمشق، حمص، فلسطین، اردن۔ قنسرین، بحار الانوار جلد 52 / 206 و اثباۃ الہداۃ ج 7 / 398 و 417 و اعیان الشیعہ ج 2 / 73---

[4]. ملاحظہ ہو۔ اثبات الھداۃ جلد 7 / 417، غیبت نعمانی باب علامات ظہور/ 283 و 247 غیبت شیخ ص 280-265۔ بحار الانوار جلد 52 باب 25 / 279-181 منتخب الاثر فصل 6 / باب 6 / وفصل 7 / باب 10 / اعیان الشیعہ جلد 2 / 74-73۔

3۔سید حسنی کا خروج

سید حسنی۔موجودہ روایات کی بنا پر بزرگان شیعہ میں سے ہیں۔ایران میں دیلم وقزوین [۱] کے علاقہ میں قیام کریں گے اور لوگوں کو اسلام اور ائمہ علیہم السلام کی روش کی طرف بلائیں گے۔بہت سے لوگ ان کے ساتھ ہوں گے اور بہت بڑے علاقہ کو۔اپنی جگہ سے کوفہ تک۔ظلم و جور سے پاک کردیں گے اور کوفہ میں خبر ہوجائے گی کہ امام قائم علیہ السلام نے ظہور کیا ہے اور اپنے اصحاب کے ساتھ کوفہ کی طرف آ رہے ہیں۔وہ سید حسنی کے استقبال کے لئے جائیں گے۔بجز ان چالیس ہزار آدمیوں کے جو امام کی دعوت کو قبول نہیں کریں گے۔اور امام تین دن تک موعظہ کرتے رہیں گے اور ان لوگوں کے اس موعظہ کو قبول نہ کرنے کے بعد ان کے قتل کا حکم صادر فرمائیں گے۔پھر سید حسنی اپنے پیروؤں کے ساتھ امام کی بیعت کریں گے۔[۲]

4۔ندائے آسمانی

ظہور کی علامتوں میں سے ایک ندائے آسمانی ہے جو حضرت علی علیہ السلام اور ان کے شیعوں کی حقانیت کو ثابت کرنے کے لئے آئے گی۔[۳]

مذکورہ علامتوں کے علاوہ دوسری علامتیں بھی ذکر ہوئی ہیں جن میں سے کچھ ظہور سے پہلے اور کچھ ظہور کے ساتھ ظاہر ہوں گی۔

ظہور کے بعد کی حالت

ان تمام روایتوں کے مجموعہ سے جو ظہور حضرت مہدی علیہ السلام کے بعد کے واقعات کے بارے میں ہم تک پہنچی ہیں یہ ثابت ہوتا ہے کہ امام عصر (عجل اللہ فرجہ الشریف) اذن پروردگار کے بعد کعبہ میں رکن ومقام کے مابین ظاہر ہوں گے اس حالت میں کہ پرچم، شمشیر، عمامہ اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پیرہن آپ کے ساتھ ہوگا۔

حق کا منادی آپ کے ظہور کی بشارت کو ساری دنیا کے لوگوں کے کانوں تک پہنچائیگا اور اسم وعلامت کے ساتھ امام کا تعارف کرائے گا اور لوگوں سے کہے گا کہ ان کی بیعت کرو۔

امامؑ کے خاص چاہنے والے جن کی تعداد 313 ہے آسمانی آواز پر لبیک کہکر دعوت کے بعد فوراً مکہ میں آپ کی بیعت کریں گے۔[۴]

اس کے بعد امامؑ اپنی عمومی دعوت کو شروع کریں گے اور فرشتوں کے ذریعہ آپ کی مدد کی جائے گی محروم اور ستم رسیدہ افراد ہر طرف سے جمع ہوکر امام کی بیعت کریں گے۔ان کے مددگار جنگجو، فداکار، دن کے شیر اور رات کے راہب ہوں گے ان کے دل لوہے کہ

---

[۱]. کوہستان شمالی قزوین کے ایک حصہ کا نام۔۔دیلمان۔۔ہے۔

[۲]. بحار الانوار جلد 53/ 16-15۔

[۳]. بحار الانوار ج 52/ 206 و 305، اثبات الهداة ج 7/ 399۔

[۴]. امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ایک روایت کا مضمون یہ ہے کہ جب امام زمانہ ظہور فرمائیں گے تو اس وقت شیعہ نوجوان بغیر کسی پہلے سے کئے وعدے کے اپنے کو مکہ پہنچادیں گے اور امام عصر عجل اللہ فرجہ الشریف کے حضور میں حاضر ہوجائیں گے۔بحار الانوار جلد 52/ 370 وغیبت نعمانی/ 316۔

ٹکڑے کی طرح مضبوط ہوں گے اور ان میں سے ہر آدمی چالیس آدمیوں کی طاقت رکھتا ہوگا وہ لوگ امامؑ کی اطاعت کرنے میں انتھک کوشش کرنے والے ہوں گے اور جدھر جائیں گے، کامیاب ہوں گے۔

امامؑ کچھ دنوں تک مکہ میں رہیں گے پھر مدینہ کی طرف روانہ ہوں گے اور مدینہ میں جنگ کے بعد اپنے سپاہیوں کے ساتھ کوفہ آئیں گے اور اس کو اپنی حکومت کا مرکز قرار دیں گے۔

امام عصر (عجل اللہ فرجہ الشریف) اللہ کی مشیت سے تھوڑے دنوں میں عالم کے مشرق و مغرب کو فتح کر لیں گے اسلام کو پوری دنیا میں پھیلائیں گے اور دین خدا کی تجدید کریں گے۔ اسلام کے پیکر کو بدعتوں سے الگ کریں گے اور کتابوں خدا و سنت پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مطابق حکومت کریں گے۔ امیر المومنین کی طرح ان کی غذا سادہ اور ان کا لباس کھردرا ہوگا۔ [1]

حضرت عیسیٰ مسیح آسمان سے تشریف لائیں گے اور نماز میں آپ کی اقتدا کریں گے۔ [2]

حضرت امام مہدی (عجل اللہ فرجہ الشریف) کی حکومت میں زمین کے خزانے اور اس کی برکتیں آشکارہ ہو جائیں گی۔ ثروت و نعمت اتنی بڑھ جائے گی کہ فقر ختم ہو جائے گا زکوۃ و صدقہ دینے کے لئے کوئی فقیر نہیں ملے گا۔ عدل اور امن و امان ہر جگہ کو گھیر لے گا۔ اس طرح کہ اگر کوئی بوڑھی عورت اپنے سر پر سونے اور جواہرات کا طشت رکھ کر ایک جگہ سے دوسری جگہ جا رہی ہوگی تو کوئی آدمی اس کے لئے رکاوٹ نہیں بنے گا۔ امام کے ساتھ تمام ستم رسیدہ افراد کی ویرانیاں آباد ہو جائیں گی۔ آپ کے اصحاب کی آنکھوں اور ان کے کانوں کو خداوند کریم اتنی طاقت عطا کرے گا کہ وہ لوگ آپ کی باتیں سنیں گے اور آپ کو دیکھیں گے جبکہ آپ اپنی جگہ پر ہوں گے۔

امام مہدی علیہ السلام کی حکومت میں خداوند عالم اپنا دست لطف و مرحمت اپنے بندوں کے سر پر رکھے گا اور ان کی عقل کو استحکام اور ان کے افکار کو ترقی عطا کرے گا۔

اس زمانہ میں ہر شخص اور ہر چیز اپنے مطلوبہ کمال اور زیبائی تک اور انسانیت کی تمام تمنائیں اور آرزوئیں خدا کے ولی اعظم وصی خاتم الانبیاء کی حکومت کے زیر سایہ پوری ہوں گی اور خدا نے جو یہ وعدہ فرمایا ہے کہ وَنُرِيْدُ اَنْ نَّمُنَّ عَلَى الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا فِي الْاَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ اَئِمَّةً وَّنَجْعَلَهُمُ الْوٰرِثِيْنَ. [3] ۔ہم وعدہ کرتے ہیں کہ مستضعفین پر ہم احسان کریں گے اور ان کو زمین کا وارث بنائیں گے۔ پورا ہوگا۔ [4]

ظہور حضرت مہدی علیہ السلام اور حکومت موعود (عجل اللہ فرجہ الشریف) میں دنیا اور انسان کا کیا حال ہوگا یہ اس کا مختصر بیان تھا۔

---

[1] ...رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ...مالباس القائم الا الغلیظ ما طعامه الا الجشب.. غیبت نعمانی / 285 منتخب الاثر فصل 2 باب 42 ص 307 ح 1۔

[2] رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی بیٹی حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا سے فرمایا تھا: ..و منّا و الله الذی لا اله الا هو مهدی هذه الامة الذی یصلّی خلفه عیسیٰ بن مریم.. اثباۃ الهداۃ ج 7 / 14 یعنی خدا کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اس امت کا مہدی ہم میں سے ہے کہ جس کے پیچھے عیسیٰ ابن مریم نماز پڑھیں گے۔

[3] سورہ قصص آیہ 4۔

[4] ان روایات کے مضمون سے واقفیت کے لئے کہ جس میں سے کچھ مضمون کو ہم نے یہاں بیان کیا ہے ملاحظہ ہو۔

بحار الانوار جلد 52 / باب 26 احادیث 3، 10، 73، 78، 83 و باب / 27 احادیث 25، 29، 31، 72، 83، 91، 112، 119، 129، 164، 213 و جلد 53 باب 28، کشف الغمہ ج 3 / ص 255، 262، 269، اعلام الوری ص 430-426، ارشاد مفید / 363، منتخب الاثر فصل 2 باب 43 و فصل 6 باب 1، 11 و فصل 17 باب 1، 3، 4، 5، 7، 8، 11، 12 و فصل 8 باب 2، اعیان الشیعہ ج 2 / 84-81۔

سوالات:

1۔امام زمانہ علیہ السلام کے بارے میں توریت کی پیشین گوئیوں اور بشارتوں میں سے ایک کا ذکر فرمائیے۔

2۔کیا اسلامی مصادر میں امام عصر علیہ السلام کی ولادت سے پہلے آپؑ سے متعلق روایات کسی مدوّن کتاب میں مذکور ہوئی تھیں اگر جواب مثبت ہو تو کتاب اور مؤلف کا نام لکھیئے۔

3۔انتظار فرج کا مسئلہ اور اس بات میں وارد روایتیں کب بیان ہوئیں؟اس سلسلہ کی دو روایتوں کا ذکر فرمائیے۔

4۔امام مہدی علیہ السلام کا ظہور کب ہوگا؟ائمہ کا اس سلسلہ میں کیا نظریہ ہے؟

5۔امام عصر علیہ السلام کے ظہور سے پہلے کے واقعات میں سے دو واقعات کا ذکر کیجئے۔

6۔وہ روایتیں جو ہم تک پہنچی ہیں۔ان کے پیش نظر حکومت حضرت مہدی (عجل اللہ فرجہ الشریف) کا جائزہ لیجئے۔